اسم تاریخی

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

(پارہ ششم)

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ اسلامیہ غزنی سٹریٹ ڈیسنٹ میاں مارکیٹ 38۔ اردو بازار لاہور

Ph:7354851

نام کتاب ——— تفسیر نعیمی (پارہ ششم)

مصنف ——— حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات ——— 647

کمپوزنگ ——— چوہدری کمپیوٹر سنٹر (لاہور)

PH:-7600123-6315430

پرنٹر ——— تایا سنز پرنٹرز' لاہور

ناشر ——— مکتبہ اسلامیہ' 38 اردو بازار' لاہور۔

قیمت ———

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک
یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لایحب اللہ

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لا یحب اللہ

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لا یحب اللہ

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لا یحب اللہ

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لا یحب اللہ

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لا یحب اللہ

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لایحب اللہ

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لا یحب اللہ

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ

ناپسند کرتا ہے اللہ ظاہر کرنا بری بات کا لیکن وہ جو ظلم کیا جاوے اور ہے اللہ

اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کا اعلان مگر مظلوم سے اور اللہ سنتا

اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ

سننے والا جاننے والا اگر ظاہر کرو تم بھلائی کو یا چھپاؤ تم اسے یا معافی دو تم برائی

جانتا ہے اگر تم کوئی بھلائی علانیہ کرو یا چھپ کر یا کسی کی برائی سے

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

سے پس تحقیق اللہ ہے معاف فرمانے والا قدرت رکھنے والا

درگزر کرو تو بے شک اللہ ہے معاف کرنے والا قدرت والا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی پردہ دری فرمائی تھی۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ چونکہ منافقین ظالم ہیں۔ مسلمان اور اسلام مظلوم ہیں۔ ظالم کی پردہ دری کرنا اچھا ہے۔ تاکہ دوسرے اس کے ظلم سے بچیں۔ اس لئے اس ستار عیوب نے ان بدنصیبوں کی پردہ دری کی۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو منافق توبہ کر کے اپنے کو درست کرلیں تو وہ مومنوں مخلصوں کے ساتھ ہی ہوں گے تو شبہ ہو سکتا تھا کہ پھر بھی یہ مخلص بن جانے والے منافقین مسلمانوں کے طعن سے نہ بچیں گے۔ اپنے گزشتہ کرتوتوں کی وجہ سے اب اس آیت میں اس شبہ کو زائل کیا جا رہا ہے کہ نہیں اب جو مسلمان ان کے گزشتہ نفاق پر طعن کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو گا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر تم مومن شاکر بن جاؤ تو ہم تم کو عذاب کیوں دیں؟ اب مومن شاکر بننے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے۔ بری باتوں کا اعلان نہ کرنا۔ نیکیاں چھپ کر بھی کرنا اور علانیہ بھی کرنا۔ صرف دعوئی ایمان دعوئی شکر کافی نہیں۔

شان نزول یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کہ ایک بار ایک شخص آپ کی شان میں زبان درازی کر رہا تھا۔ آپ نے بہت صبر فرمایا مگر وہ باز نہ آیا۔ تب آپ نے بھی اسے جواب دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک ایک فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا۔ جب تم نے خود جواب دیا تو وہ فرشتہ چلا

گیا۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خزائن۔ کبیر خازن) جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی گئی اور حضرت ابوبکر کی تسلی و تشفی۔ تو حضرت صدیق کا یہ جواب دینا ناجائز نہ تھا کہ وہ مظلوم تھے اور محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان افضلیت کے لئے ہے۔ غرضیکہ بدلہ لینا جائز اور درگزر کرنا بہت ہی بہتر ہے۔ **دوسری روایت۔** ایک شخص کسی کے ہاں مہمان گیا۔ اس نے اس مہمان کی کوئی تواضع اور خاطر نہ کی اس نے لوگوں سے اس کی بے مروتی کج خلقی کی شکایت کی۔ اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں اس مہمان کی حمایت کی گئی کہ اس کی شکایت بالکل بجا اور درست ہے کہ وہ مظلوم ہے (خازن۔ روح البیان) خیال رہے کہ شریعت میں جو عزیز دوست واقف آدمی ملنے آوے مہمان ہو کر اس کی مہمانی تین روز تک اس کا حق ہے۔ اور کسی کا حق مارنا ظلم ہے اس لئے **الا من ظلم** بالکل درست ہے یہ بھی خیال رہے کہ جو اجنبی شخص اپنے یا کسی کے کام کے لئے ہمارے پاس آئے۔ وہ مہمان نہیں اس کی خاطر مدارات اس کا حق نہیں اگر خاطر کروے تو صاحب خانہ کی مہربانی ہے۔ حق اور ہے مہربانی اور۔

تفسیر لا یحب اللہ قوی تر یہ ہے کہ یہ جملہ نفی محض نہیں بلکہ نفی عدولی ہے۔ یعنی اس کے معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ تاکہ مطلب یہ ہو کہ نہ تو پسند فرماتا ہے اور نہ ناپسند۔ نہ تو اس سے راضی ہے نہ ناراض۔ **یحب** بنا ہے حب سے ۔ بمعنی چاہنا پسند کرنا محبت کرنا۔ **حب اور ود** کے معنی ہیں قریباً ایک ہی ہیں مگر اکثر ود ۔ بمعنی تمنا و آرزو کرنا بھی آتا ہے جیسے **ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین۔** اور کبھی اس پسندیدگی پر بھی بولا جاتا ہے جس کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش بھی ہو' رب فرماتا ہے **ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء** کفار کوشش کرتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ تو وہ اور تم برابر ہو جاؤ مگر حب میں یہ قیود نہیں۔ **الجھر بالسوء** جہر مقابل ہے خفا کا جس کے معنی ہیں ظہور و اعلان۔ اس لئے بلند آواز والے کو **جھیر الصوت** کہتے ہیں۔ یہاں جہر سے مراد مطلقاً اعلان ہے۔ خواہ آواز سے ہو یا تحریر سے یعنی زبانی و قلمی ہر اعلان کو شامل ہے۔ **سوء** سے مراد وہ برائی ہے جس کا اظہار غمگین کرے اسی لئے ستر کو **سوءۃ** کہتے ہیں کہ اس کا کھلنا شرم کا باعث ہے **لیریھما سواتھما** یہاں دوسرے کی چھپی ہوئی برائیاں مراد ہیں نہ کہ اپنی برائی جیسا کہ **الا من ظلم** سے معلوم ہو رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مطلق چھپی ہوئی برائیاں مراد ہوں خواہ اپنی ہوں یا کسی اور کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی چھپی برائی کے اعلان کر دینے کو سخت ناپسند فرماتا ہے گویا اس میں ازالہ حیثیت عرفی کا قانون بیان فرمایا گیا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ ہر چھپی بات کا اعلان ناپسند کرتا ہے **من القول** میں **من** بیانیہ ہے اور یہ سوء کا بیان ہے۔ قول سے مراد مطلقاً بات ہے خواہ ایک کلمہ ہو یا پورا کلام۔ اس میں غیبت' کسی کی خفیہ عیبوں کا ظاہر کرنا' بددعا کرنا سب داخل ہے۔ **الا من ظلم** یہ عبارت گزشتہ کلام سے استثناء ہے۔ اگر من سے مراد جہر پوشیدہ ہو تو استثناء متصل ہے ورنہ استثناء منفصل۔ من عام ہے جو ہر مظلوم کو شامل ہے۔ مرد ہو یا عورت عالم ہو یا جاہل۔ **ظلم** بنا ہے ظلمت سے جس کے لغوی معنی ہیں اندھیرا۔ اصطلاح میں کسی کے حق مارنے کو یا دوسرے کی ملک میں بغیر اجازت تصرف

کرنے کو ظلم کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ آخرت میں اندھیریوں کا باعث ہے۔ حدیث پاک میں ہے **الظلم ظلمات یوم القیمة** ظلم سے مراد مطلقاً ظلم و ستم ہے۔ خواہ جانی ہو یا مالی یا ایمانی یا عزت کا ظلم۔ اس وسعت کو خیال میں رکھا جائے اس سے بہت سے مسائل **مستنبط** ہوں گے۔ خیال رہے کہ ظالم کے عیب کھولنا شرعاً جائز ہے خواہ شخصی ظالم ہو یا قومی ظالم یا وطنی ظالم ہو یا دینی ظالم۔ اللہ تعالیٰ نے ولید ابن مغیرہ کے دس عیب کھولے۔ حتیٰ کہ اسے **زنیم** یعنی ولد الزنا فرمایا کہ وہ حضور پر زیادتیاں کرتا تھا یعنی شخصی ظالم تھا۔ یونہی کفار ابولہب وغیرہ کے عیوب ظاہر کئے۔ کیونکہ وہ ملکی و قومی و دینی ظالم تھے۔ اسی طرح اگر آئندہ ظلم کا اندیشہ ہو تو کسی کو کسی کے عیب پر مطلع کر دینا جائز ہے بدمعاملہ آدمی کی بدمعاملگی بتا دینا۔ حاکم یا بادشاہ کو خفیہ غداری کی خبر دے دینا وغیرہ سب کچھ جائز ہے **الا من ظلم** میں بہت وسعت ہے۔ **وکان اللہ سمیعا علیما** اس جملہ کی تفسیریں بارہا بیان ہو چکی ہیں کہ کان **صفات الٰہیہ** میں دوام کے لئے ہوتا ہے یعنی تھا اور ہے اور رہے گا **سمیع علیم** دونوں رب تعالیٰ کی صفات ہیں۔ بمقابلہ سمیع کے علیم میں زیادہ وسعت ہے کہ سمع کا تعلق صرف آواز و کلام سے ہے مگر علم کا تعلق تمام معلومات سے ہے۔ جیسے قدرت سے علم وسیع ہے کہ قدرت تو ہر ممکن کے متعلق ہے۔ مگر علم واجب ممکن اور ممتنع سب کے متعلق ہے۔ مقدورات **الٰہیہ مسموعات الٰہیہ**۔ **معلومات الٰہیہ** سب غیر متناہی ہیں مگر معلومات ان سب سے زیادہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں وغیرہ کو سننے والا ہے۔ تمہارے دلوں کے ارادوں وغیرہ کو جانتا ہے۔ جب وہ تمہارے عیوب جانتے ہوئے تمہارے عیب چھپاتا ہے تو تم کو بھی بندوں کی عیب پوشی کرنی چاہیے کہ یہ سنت **الٰہیہ** ہے یا اگر تم نے لوگوں کی پردہ دری کی تو رب تعالیٰ تمہاری پردہ دری کرے گا۔ کیونکہ وہ سمیع و علیم ہے۔ تم دوسروں کی پردہ پوشی کرو تاکہ تمہارے عیب چھپے رہیں یا یہ فرمان خوف و امید دونوں کو شامل ہے۔ اے گنہ گارو اللہ سے ڈرو وہ سمیع و علیم ہے لو اے نیک کارو اللہ سے امید رکھو کہ وہ سمیع و علیم ہے۔ **ان تبدوا خیرا او تخفوہ۔ تبدوا** بنا ہے **ابداء** سے۔ بمعنی ظاہر کرنا جس کا مخالف ہے **اخفاء** خیال رہے کہ **بدو** مجرد اور باب افعال میں ظہور کے معنی دیتا ہے مگر باب **افتعال** میں آکر شروع کر دینے یا شروع ہو جانے کے معنی دیتا ہے ابتداء کے معنی ہیں شروع کرنا کیونکہ چیز شروع ہو کر ظاہر ہو جاتی ہے نیکی ظاہر کرنے کی تین صورتیں ہیں علانیہ لوگوں کے سامنے نیکی کرنا۔ خفیہ کی ہوئی نیکی کو زبان یا قلم سے بیان کر دینا۔ علامات سے نیکی ظاہر کر دینا یہ تینوں صورتیں نیکی ظاہر کرنے کی ہیں۔ ان تینوں سے خالی ہونا اخفاء ہے۔ (چھپانا) علماء کے ہاں ہر وہ جائز کام ہے جو رضائے الٰہی کی نیت سے کیا جائے۔ ریا کے لئے نماز پڑھنا خیر یعنی نیکی نہیں۔ اور ادائے سنت کی نیت سے کھانا پینا سونا خیر ہے۔ **صوفیاء** کے ہاں خیر وہ ہے جس سے اللہ رسول راضی ہو جائیں۔ شرعاً سوء وہ ہے جس سے وہ ناراض ہوں۔ منافقوں کا کلمہ پڑھنا سوء تھا اور حضرت ابو امیہ ضمری کا ایک موقعہ پر کفر کہہ دینا خیر تھا خیر سے ہر چھوٹی بڑی بھلائی مراد ہے۔ یعنی اے صحابیو! یا اے مسلمانوں یا اے انسانو یا اے تمام جن و انس و فرشتو تم جو بھلائی ظاہر و اعلانیہ کرو یا چھپا کر مگر تیسرے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ ہر خیر و شر کو جانتا ہے

مگر یہاں صرف خیر کا ذکر فرمایا۔ کیونکہ یہاں امید دلانا مقصود ہے۔ **او تعفوا عن سوء** لفظ **تعفوا** بنا ہے عفو سے بمعنی مٹ جانا۔ معافی کو عفو اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے گناہ یا حق مٹ جاتا ہے۔ عفو کے معنی بڑھنے بڑھانے کے بھی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **حتیٰ عفو و قالو** حضور فرماتے ہیں **قصوا الشوارب واعفوا اللحی** قصور بخش دینے کو معافی اس لئے بھی کہتے ہیں کہ اس سے آپس کی محبت بڑھتی ہے یا معافی دینے والے کے اللہ کے ہاں درجات بڑھتے ہیں یا لوگوں میں عزت بڑھتی ہے۔ سوء سے مراد وہ ظلم یا زیادتی ہے جو دوسرا تمہارے ساتھ کرے سوء کے لفظی معنی ہیں ناگواری اس لئے ستر کو سوءۃ کہتے ہیں کہ اس کا کھل جانا ناگوار ہوتا ہے...... ہر ناگوار چیز سوء ہے خواہ جانی یا بدنی یا مالی یا زبانی کسی کو گالی دینا بہتان لگانا غیبت کرنا کسی کا مال مار لینا قرضہ ادا نہ کرنا یہ سب سوء ہیں ان سے درگزر **تعفوا عن سوء** میں داخل ہیں۔ یہ جملہ صرف معاملات کے لئے ہے۔ پہلا جملہ عبادات و معاملات سب کو شامل تھا۔ ان دو جملوں میں تمام عبادات و معاملات شامل ہیں **فان اللہ کان عفوا قدیرا** یہ جملہ گزشتہ شرط کی جزاء نہیں بلکہ علت جزا ہے اور ف **تعلیلیہ** اس کی جزا پوشیدہ ہے **توجرون اجرا جزیلا**۔ یعنی اے لوگو اگر تم کوئی بھلائی علانیہ یا خفیہ کرو یا ظالم کو معافی دو تو تم کو بہت بڑا ثواب ملے گا۔ کیونکہ رب تعالیٰ معافی دینے والا بھی ہے قدرت والا بھی۔ گویا پچھلی آیت میں مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت دی گئی اور اس آیت میں معافی دینے کی رغبت دی گئی کہ معافی دینا صفات **الٰہیہ** سے ہے تم اخلاق خداوندی اختیار کرو۔ دیکھو ہم قادر مطلق ہیں۔ اس کے باوجود معافی دینا ہماری عادت کریمہ ہے۔ یا یوں کہو کہ پہلے عدل کی اجازت دی گئی تھی۔ اب فضل کی رغبت دی جا رہی ہے۔ ظالم سے بدلہ لینا عدل ہے۔ معاف کر دینا فضل یا یوں کہوں کہ پچھلی آیات میں برائی کے اعلان پر پابندیاں لگائی گئی تھیں۔ اب نیکی کی کھلی اجازت دی جا رہی ہے۔ یہاں بھی کان دوام اور ہمیشگی کے لئے ہے۔ عفو وہ جو معافی دینے کا عادی ہو کہ ہمیشہ معافی دے۔ ہر معافی مانگنے والے کو معافی دے۔ ہر گناہ کی معافی دے ہر طرح کی معافی دے رب تعالیٰ شرک سے لے کر معمولی گناہ تک کو معاف فرماتا ہے۔ اور اس نے معافی کے لئے بہت ذریعے مقرر فرما دیئے ہیں۔ منہ سے معافی مانگو تو معاف مسجد کے راستے میں ہر قدم پر ایک گناہ معاف۔ مسلمان بھائی سے خوش ہو کر ملو تو گناہ معاف۔ مصافحہ میں ہاتھ ملاؤ تو گناہ معاف۔ حج کر لو تو سارے گناہ معاف۔ ماں باپ یا عالم دین کا چہرہ محبت سے دیکھو تو گناہ معاف۔ غرضیکہ ہر طرح معافی ہے۔ یہ ہے عفو کا معنی قدیر اور قادر میں فرق ہم پہلے پارے میں بیان کر چکے ہیں۔ یوں ہی علیم و عالم نصیر و ناصر کے فرق وہاں ہی مطالعہ کرو۔

خلاصہ تفسیر یہ آیتیں عبادات و معاملات اور معاملات میں عدل و رحم کی بہت جامع ہیں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ یہ سخت ناپسند کرتا ہے کہ کوئی شخص کسی کی نسبت بری یا ہتک آمیز بات کی شہرت دے۔ ہاں جو مالی' جانی' ایمانی مظلوم ہے تو مظلوم کو یہ حق ہے کہ ظالم کو علانیہ بددعا دے یا اس کا ظلم اس کے عیوب ظاہر کر دے یا اس کی حاکم سے شکایت کر دے کہ اب ظالم وہ شخص ہے۔ یہ تو بدلہ لینے والا ہے۔ مگر اس بدلہ میں شرط یہ ہے کہ سچ کہے۔ جھوٹا الزام نہ لگائے اور بدلہ لیتا ہے تو

برابر لے زیادتی نہ کرے۔ یہ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظالم و مظلوم دونوں کے حال و قال کو سنتا بھی ہے۔ جانتا بھی ہے۔ زیادتی کرنے والے کو سخت سزا دے گا۔ اور اے مسلمانوں تم جو قولی عملی فعلی کسی قسم کی کوئی نیکی علانیہ یا خفیہ کرو گے یا تم اپنے ظالم کو معافی دو گے کہ باوجود قدرت کے اس سے بدلہ نہ لو تو تمہارے یہ نیک اعمال ضائع نہیں جائیں گے تم کو ان کی جزا ضرور ملے گی۔ کیونکہ تم اس صورت میں سنت الٰہیہ پر عمل کرو گے تو رب تعالیٰ علیم بھی ہے قدیر بھی۔ سب کے تمام برے بھلے اعمال جانتا ہے۔ سزا دینے پر قادر رہے مگر اس کے باوجود عفو ہے یعنی معاف فرمانا اس کی عادت کریمہ ہے غرضیکہ یہاں مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت ہے مگر معافی دینے درگزر کرنے کی ترغیب ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** گناہ بہر حال برا ہے۔ خواہ خفیہ ہو یا علانیہ۔ مگر علانیہ گناہ کرنا بہت برا کہ اس میں گناہ بھی اور اعلان بھی **دوسرا فائدہ** جو گناہ خفیہ ہو گیا ہو اس کا اعلان کرنا بھی گناہ ہے۔ یہ دونوں فائدے **الجهر بالسوء** کے عموم سے حاصل ہوئے۔ **تیسرا فائدہ** چھپے گناہ کی توبہ اعلانیہ کرنا یہ بھی گناہ ہے کہ اس میں اپنے گناہ کا اعلان ہے۔ چھپے گناہ کی توبہ بھی خفیہ طور پر کرلو۔ یہ فائدہ بھی جہر بالسوء سے حاصل ہوا۔ جب رب تعالیٰ ہمارے عیب چھپائے تو ہم کیوں ظاہر کریں۔ **چوتھا فائدہ** گالیاں بکنا غیبت کرنا چغلی کھانا جھوٹ بولنا تمام حرام ہیں۔ ان سے بچنا لازم ہے۔ کہ یہ بھی سوء بالقول ہیں۔ اچھی باتیں کرو تاکہ لوگ تم سے اچھی عادات حاصل کریں۔ بری باتیں نہ کرو تاکہ تمہارے بچے بیویاں تمہارے ماتحت لوگ تمہاری صحبت میں برے نہ بنیں۔ اس ایک جملہ نے اخلاقیات کا بہترین سبق دیا۔ **پانچواں فائدہ** مظلوم ظالم کی شکایت حاکم سے بھی کر سکتا ہے۔ اور لوگوں سے بھی جیسا کہ **الا من ظلم** سے معلوم ہوا یہ غیبت نہیں بلکہ دفع ظلم ہے **چھٹا فائدہ** چوروں بدمعاشوں ملک و قوم کے خفیہ غداروں کی شکایت حکومت سے کرنا ان کی مخبری کرنا بالکل جائز ہے یہ بھی الا من ظلم سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ قومی و ملکی ظالم ہیں۔ جب شخصی ظالم کی شکایت درست ہے تو یہ بدترین ظالم ہیں ان کی شکایت بھی درست ہے۔ **ساتواں فائدہ** راویان حدیث کے واقعی عیوب بیان کر دینا جائز ہے نہ یہ غیبت ہے نہ چغلی کہ یہ لوگ مذہبی ظالم ہیں کہ ان کی جھوٹی یا گھڑی ہوئی حدیثیں شائع ہو کر دین میں فساد کا باعث ہوں گی۔ **آٹھواں فائدہ** یونہی بے دینوں بے ایمانوں کی بے دینی لوگوں پر ظاہر کر دینا تاکہ لوگ ان سے بچ کر اپنا ایمان سلامت رکھ سکیں بالکل جائز ہے کہ یہ لوگ بھی دینی ظالم ہیں اور دین و قوم مظلوم ہیں۔ ان کے عیوب بتانا قوم و ملک و دین کو بربادی سے بچانا ہے **نواں فائدہ** اگر کوئی مسلمان کسی ظالم سے رشتہ یا معاملہ کرنا چاہے اور وہ اس سے بے خبر تو اسے خبردار کر دینا جائز ہے کہ یہ غیبت نہیں بلکہ بھائی مسلمان کو ظلم سے بچانا ہے۔ یونہی اگر کوئی شخص یا کوئی جماعت کسی کے خلاف سازشیں کر رہی ہو تو اس شخص کو اس سازش کی خبر کر دینا جائز ہے کہ یہ بھی دفع ظلم ہے اور الا من ظلم میں داخل ہے **دسواں فائدہ** اپنے ذاتی ظالم کو معافی دے دینا بہت ہی اچھی بات ہے جیسا کہ **او تعفو عن سوء** سے معلوم ہوا مگر قومی و دینی ظالم کو ہرگز معافی نہ دی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار مکہ کو معافی دے دی جو حضور

کے جانی دشمن تھے مگر چوروں ڈاکوؤں کو معافی نہ دی۔ اخلاق اور چیز ہے ملکی انتظام کچھ اور گیارہواں فائدہ بعض نیکیاں علانیہ کرنی چاہئیں بعض خفیہ نماز جمعہ و عیدین علانیہ پڑھو نماز تہجد خفیہ۔ زکوٰۃ و چندہ علانیہ دو نفلی صدقات خفیہ جیسا کہ **ان تبدوا خیرا و تخفوہ** سے معلوم ہوا۔ **بارہواں فائدہ** معمولی نیکی حقیر سمجھ کر چھوڑ نہ دو جو کچھ بن پڑے کر لو کہ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچا لیتا ہے۔ یہ فائدہ خیراً کی تنکیر سے حاصل ہوا **تیرہواں فائدہ** جیسے رب تعالیٰ کی ذات واجب ازلی ابدی قدیم ہے ویسے ہی اس کی صفات واجب ازلی قدیم ہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے عفو بھی ہے قدیر بھی یہ فائدہ کان استمراریہ سے حاصل ہوا۔ اگرچہ اس کا گناہ گاروں کو معافی دینا یہ فعل حادث ہے کہ جب گنہگاروں نے گناہ کئے تب اس نے معافی دی مگر عفو کی شان قدیم ہے۔ جیسے اس کی صفت رزاقیت قدیم اگرچہ بندوں کو رزق دینا یہ فعل جب ظاہر ہوا جب کہ مرزوق پیدا ہوئے۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ برائی کے اعلان سے محبت نہیں کرتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلانیہ برائی جائز ہے مستحب نہیں کیونکہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نہ تو محبت کرے نہ نفرت و ناراضی فرماوے وہ جائز ہوتی ہے اور جس چیز کو پسند کرے وہ بہتر اور قابل ثواب ہے۔ اور جس چیز سے ناراض ہو وہ ممنوع ہوتی ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں **لا یحب اللہ** کے معنی ہیں اللہ ناپسند کرتا ہے ناراض ہے۔ یعنی یہ سبب محض نہیں سبب عدولی ہے اور جو چیز رب تعالیٰ کو ناپسند ہے وہ یقینی بری اور لائق سزا ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اعلانیہ برائی کو ناپسند کرتا ہے معلوم ہوا کہ خفیہ برائی کو ناپسند نہیں کرتا حالانکہ یہ ہر حال برائی ہے۔ علانیہ ہو یا خفیہ تو کیا اسلام نے چھپ کر گناہوں کی اجازت دیدی ہے۔ (آریہ) **جواب** اس آیت کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ کسی دوسرے کی برائی ظاہر کرنا رب کو ناپسند ہے کہ یہ غیبت ہے مگر مظلوم ظالم کا ظلم بیان کر سکتا ہے کہ یہ غیبت نہیں بلکہ اپنا بدلہ لینا ہے جس کی صورتیں تفسیر میں عرض کر دی گئیں۔ دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ علانیہ برائی کو بہت ہی ناپسند کرتا ہے کہ اس میں گناہ بھی ہے اور اعلان گناہ بھی بخلاف خفیہ گناہ کے کہ اس میں ایک ہی گناہ ہے لہٰذا اعلانیہ گناہ سے ہلکا ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات معافی اور قدرت وغیرہ ہمارے اعمال کرنے پر موقوف ہیں کہ جب ہم کوئی برائی کر لیں تب وہ عفو و قدیر ہو کیونکہ یہاں عفو و قدیر کو جزا کے طور پر ارشاد فرمایا حالانکہ صفات **الٰہیہ** واجب و قدیم ہیں **جواب** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں **فان اللہ کان عفوا قدیرا** جزا نہیں بلکہ علت جزا ہے اس کی ف جزائیہ نہیں **تعلیلیہ** ہے مطلب یہ ہے کہ اے بندو تم جو کچھ بھی بھلائی کرو گے تم کو ثواب و اجر ضرور ملے گا کیونکہ رب تعالیٰ عفو قدیر ہے جو معافی دے وہ سنت **الٰہیہ** پر عامل ہے اسے ثواب کیوں نہ ملے **چوتھا اعتراض** یہاں پہلی آیت سمیع و علیم پر ختم فرمائی گئی۔ اور دوسری آیت کو عفو و قدرت پر اس میں کیا حکمت ہے۔ اس کے برعکس کیوں نہ ہوا۔ **جواب** اس لئے کہ پہلی آیت میں ایک جائز چیز کا ذکر فرمایا جس کا جواز بھی محدود ہے اور چند شرطوں میں مشروط ہے۔ یعنی

مظلوم کو ظالم کی برائیاں ظاہر کردینے کی اجازت ہے بشرطیکہ جھوٹ الزام نہ لگائے اور زیادتی نہ کرے وہاں سمیع و علیم فرمانا مناسب تھا۔ کہ اے مظلومو اس اجازت پر عمل کرتے وقت خیال رکھنا کہ ہم تمہاری باتوں کو سنتے تمہاری نیتوں کو جانتے ہیں۔ زیادتی کروگے پکڑے جاؤ گے۔ مگر دوسری آیت میں بھلائی کا ذکر ہے کھلی چھپی نیکیاں کرنا ظالم کو معافی دینا لہذا یہاں رب تعالیٰ کی معافی و قدرت کا ذکر موزوں تھا۔ جیسا مضمون ویسا ہی رب تعالیٰ کی صفات کا ذکر۔ **پانچواں اعتراض** تم نے عفو کے معنی کئے ہمیشہ معافی دینے والا۔ ہر طرح معافی دینے والا ہر جرم کی معافی دینے والا حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ** اللہ تعالیٰ شرک و کفر کو نہ بخشے گا تو وہ ہر جرم کو معافی دینے والا نہ ہوا۔ **جواب** دنیا میں اللہ تعالیٰ توبہ سے شرک و کفر بھی بخش دیتا ہے۔ عموماً اہل عرب مشرک و کافر ہی تھے۔ مسلمان ہو کر توبہ کر کے مومن متقی صحابی بنے۔ ہاں جو کفر و شرک پر مرجاوے اسے نہ بخشے گا اور اس نہ بخشنے میں بندے کا اپنا قصور ہے کہ اس نے توبہ کا وقت نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ رازق ہے۔ مگر جو گندم بے وقت بوئے اسے دانہ نہیں ملتا کیونکہ اس نے وقت نکال دیا۔ اس میں قصور بندے کا ہے نہ کہ حق تعالیٰ کی رزاقیت ناقص۔

تفسیر صوفیانہ انسانی اعضا میں زبان بہت ہی اہم عضو ہے کہ اس کا ایک ہی لفظ مقبول بنا دیتا ہے۔ اور ایک لفظ مردود بھی کر دیتا ہے۔ جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ **یصاب الفتی من عثرۃ بلسانہ** ☆ **ولیس یصاب المرء من عثرۃ الرجل** ☆

☆ **معثرتہ فی القول یذھب راسہ** ☆ **وعثرۃ بالرجل تبرا علی مھل** ☆

یعنی انسان پاؤں کی لغزش سے نہیں مرتا زبان کی لغزش سے برباد ہو جاتا ہے کیونکہ پاؤں کی لغزش بیمار کر دیتی ہے جس کے بعد صحت کی امید ہے۔ مگر زبان کی لغزش سر اڑا دیتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

☆ این زبان چوں سنگ وہم آہن وست ☆ آنچہ **بجھد** از زباں چوں آتش است ☆

☆ سنگ و آہن را مزن برہم گذاف ☆ گہ زروئے نقل و گہ از روئے لاف ☆

☆ زانکہ تاریک است و ہر سو پنبہ زار ☆ درمیان پنبہ چوں باشد شرار ☆

☆ عالمی را یک سخن و یراں کند ☆ روبہائے مردہ را شیراں کند ☆

یعنی تیری زبان پتھر و لوہا ہے۔ جس سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں اور تیری عزت و آبرو دین و ایمان و جان و مال روئی کے کھیت میں روئی کے ڈھیروں کے نیچے آگ کا ہونا سخت خطرناک ہے اس لئے تو زبان سنبھال کر رکھ زبان کی ایک بات دنیا کو تباہ کر سکتی ہے۔ اور مری لومڑی کو شیر بنا سکتی ہے۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ بری بات کا اعلان ناپسند کرتا ہے کہ اس سے دین و ایمان کی کھیتی میں آگ لگ سکتی ہے۔ اسرار الٰہیہ عوام پر ظاہر کر دینا سخت خطرناک ہے۔ ہاں جو مغلوب الحال ہو کر بے اختیاری طور پر انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی کہہ بیٹھے تو معذور ہے۔ بشرطیکہ یہ زبان فانی سے نہ کہے زبان باقی

ہے کہے۔ اے میرے مقرب بندو تم جو کھلی چھپی نیکی کروگے اور جو اپنے مریدین اور معتقدین کو معافیاں دوگے وہ قابل اجر ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جب رب تعالیٰ بندوں کو کسی کی پردہ دری کی اجازت نہیں دیتا تو ہم گنہگاروں کی پردہ دری خود کیوں فرمائے گا۔ وہ غیور ہے اس کی غیرت کا تقاضا ہے کہ بندہ اپنی یا کسی اور کی پردہ دری نہ کرے۔ رب تعالیٰ ستار ہے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پردہ پوش۔ امید ہے کہ انشاء اللہ ہمارے عیبوں کے عیب چھپے رہیں گے۔ شعر:۔

☆ جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے ☆

☆ کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رسوائی ہو۔ ☆

خیال رہے کہ ہمارے تمام اعضاء سے گناہ بھی ہوتے ہیں نیکیاں بھی۔ مگر زبان کے گناہ زیادہ خطرناک ہیں۔ اور زبان کی نیکیاں بہت فائدہ مند کہ ایک لفظ سے مقبول مردود بن جاتے ہیں اور مردود مقبول۔ ایک بات سے ابلیس مردود ہو گیا اور ایک ہی بات سے فرعونی جادوگر مقبول انسان۔ زبان مظہر کمال پروردگار ہے۔ اس کے بولے ہوئے لفظوں میں عجیب تاثیریں ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ
بے شک وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اللہ کا اور اس کے رسول کا اور ارادہ کرتے ہیں یہ کہ فرق کریں درمیان
وہ جو اللہ اور رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کو جدا کردیں اور
اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ
اللہ اور رسولوں اس کے اور کہتے ہیں کہ ایمان لاتے ہیں ہم بعض پر اور کفر کرتے ہیں ہم بعض کا اور ارادہ کرتے
کہتے ہیں ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے
یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ
ہیں یہ کہ بنائیں درمیان اس کے راستہ یہ لوگ وہ
ہیں کہ ایمان و کفر کے بیچ کوئی راہ نکالیں یہ ہی ٹھیک ٹھیک
الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۵۱﴾
کافر ہیں پکے اور تیار کیا ہے ہم نے واسطے کافروں کے عذاب اہانت والا
کافر اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں چھپے کافروں یعنی منافقین کی تردید تھی۔ اب ان آیات میں کھلے کافروں یعنی یہود و نصاریٰ کی تردید فرمائی جا رہی ہے۔ تاکہ مسلمان منافقوں کے عیوب سے بھی بچے رہیں اور یہود و نصاریٰ کے عیوب سے بھی پرہیز کریں۔ **دوسرا تعلق** گزشتہ آیت میں بری باتوں کے اعلان کی ممانعت فرمائی گئی اب یہاں ان بری باتوں کے اعلان کی برائی بیان ہو رہی ہے جو کفر کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔ گویا پہلے بری باتوں کا اجمالی ذکر تھا۔ اب ان کی کچھ تفصیل ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم تمہاری ہر چھوٹی بڑی نیکی سے خبردار ہیں۔ جزاء خیر دیں گے۔ اب جزائے خیر ملنے کی شرط بیان ہو رہی ہے یعنی ایمان کامل ہونا اور ہر کفر سے بچنا کیونکہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی قبول نہیں۔ **چوتھا تعلق** گزشتہ آیات میں ان منافقین کا ذکر تھا جو ایک اعتبار سے کافر تھے۔ ایک اعتبار سے مومن یعنی زبان سے مومن دل سے کافر۔ اب ان اہل کتاب کفار کا ذکر ہے جو بعض نبیوں کے مومن تھے بعض نبیوں کے کافر۔

شان نزول یہ آیت کریمہ یہود یا عیسائیوں یا دونوں کے متعلق نازل ہوئی کہ یہود نے موسیٰ علیہ السلام اور توریت کو مانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کیا اور انجیل شریف و قرآن مجید کا بھی انکار کیا۔ اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام و انجیل شریف کو مانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا انکار کیا۔ ان دونوں جماعتوں کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن و خزائن)

تفسیر ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ کسی مضمون کی اہمیت دکھانے یا اس کے منکرین کا شک دور کرنے کے لئے ان یا قد سے مضمون کی تاکید کی جاتی ہے۔ یہاں نہایت اہم مضمون بیان ہو رہا ہے کہ ایک نبی کا انکار سارے رسولوں کا انکار ہے بلکہ رب تعالیٰ کا بھی انکار ہے نیز اس مضمون کے انکاری بہت لوگ تھے کہ عیسائی یہودی حضرات انبیاء کا انکار کرتے تھے پھر اپنے کو ایماندار کہتے تھے۔ ان دو وجہوں سے یہاں ان ارشاد ہوا **الذین** سے کبھی صحابہ کرام مراد ہوتے ہیں جیسے **ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ** کہیں سارے متقی مسلمان جیسے **ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ** کبھی سارے انسان کبھی سارے جن و انس کبھی سارے جن و انس و فرشتے ظاہر یہ ہے کہ یہاں سارے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ **یکفرون** کفر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں چھپانا یا انکار کرنا۔ اگر اس کا مقابلہ شکر سے ہو تو چھپانے کے معنی میں ہوتا ہے جیسے **واشکروا لی ولا تکفرون**۔ اور اگر اس کا مقابلہ ایمان سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں انکار کرنا۔ یہاں اس معنی میں ہے کیونکہ آگے اس کے مقابل ایمان آرہا ہے اگرچہ یہود و نصاریٰ نہ اللہ کے انکاری تھے نہ سارے رسولوں کے بلکہ چند رسولوں کو نہ مانتے تھے۔ مگر چونکہ ایک نبی کا انکار سے سارے رسولوں بلکہ رب تعالیٰ کا انکار ہے اس لئے باللہ ورسلہ فرمایا لہذا آیت بالکل واضح ہے۔ **ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ** یہ جملہ مذکورہ کفر کی

وجہ بیان فرمارہا ہے۔ کسی چیز کو پسند کرنا۔ کسی چیز کی تمنا کرنا۔ کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرنا۔ ان تینوں میں بہت فرق ہے۔ ارادہ کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو محض ارادہ کرنا۔ دوسرے ارادہ کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ یہاں یہی صورت مراد ہے۔ **یریدون** حال استمراری ہے۔ یعنی وہ لوگ یہود و نصاریٰ چاہتے اور کوشش کرتے ہیں اور چاہتے و کوشش کرتے رہیں گے۔ قیامت تک ان کی جانی مالی بدنی کوشش رہے گی۔ آج بھی عیسائیوں کے ہسپتال کالج وغیرہ اسی طرح مسلمانوں کو مالی مدد دینا صرف اسی لئے ہے۔ یریدون فرما کر اشارۃً یہ بھی فرمایا کہ وہ یہود و نصاریٰ یہ ارادے و کوشش کرتے ہی رہیں گے۔ مگر ایسا نہ کر سکیں گے۔ تمہارا چاند ہمیشہ ترقی میں ہی رہے گا۔ رب فرماتا ہے۔ **یریدون لیطفوا نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔** خیال رہے کہ یہاں ارادہ سے وہ ارادہ مراد ہے جو کام کے ساتھ ہوتا ہے۔ کام سے پہلے والا ارادہ مراد نہیں۔ **یفرقوا** بنا ہے تفریق سے۔ جس کے معنی ہیں جدا کرنا یا جدا یا جدا سمجھنا۔ جدائی و علیحدگی بہت قسم کی ہے۔ جسمانی جدائی' مکانی' زمانی' جناتی' رتبہ کی جدائی اور ایمانی جدائی۔ عداوت کی جدائی۔ یہاں ماننے اطاعت کرنے ادب و احترام محبت کرنے ذکر کرنے میں جدائی مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ماننے اس کی اطاعت کرنے اس کا ادب و تعظیم کرنے اس کی محبت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتے ہیں اور نہ اطاعت کرتے ہیں۔ نہ ان کا ادب و احترام کرتے ہیں نہ ان سے محبت کرتے ہیں یا عداوت و نفرت والی جدائی مراد ہے یعنی محبت میں اللہ رسول میں جدائی کرتے ہیں کہ رب سے محبت کرتے ہیں رسول سے عداوت' رتبہ کی جدائی مراد نہیں۔ اس فرق کا مقابل ہے جمع یا وصل یعنی کفار اللہ تعالیٰ اس کے سچے رسولوں میں ایمانی جدائی کرنے کو پسند کرتے ہیں یا جدائی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ بعض رسولوں کا انکار کرتے ہیں یا اللہ و رسولوں میں فصل کرتے ہیں۔ چنانچہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے حضورؐ کا انکار کیا۔ بلکہ ان میں سے قوم سامرہ نے یوشع علیہ السلام کے بعد سارے نبیوں کا انکار کیا عیسائیوں نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ تفسیر ابن کثیر نے فرمایا کہ مجوسی بھی ایک نبی پر ایمان لائے جس کا نام زرادشت ہے۔ باقی انبیاء کرام کا انکار کر گئے۔ یہ سارے بے دین ہیں۔ رسل جمع ہے رسول کی' بمعنی فرماں رساں اور فیضان رساں۔ کبھی نبی کے ہم معنی ہوتا ہے کبھی نبی سے خاص۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور رسول صرف تین سو تیرہ اور مرسل صرف چار یہاں نبی کے ہم معنی ہیں۔ **ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض** یہ جملہ مذکورہ تفریق کا بیان ہے اور قول سے مراد دلی قول یعنی عقیدہ ہے۔ بعض سے مراد مطلقاً بعض ہے۔ جو ایک کو بھی شامل ہے اور ایک کم کل کو بھی۔ کیونکہ عیسائی صرف ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انکاری تھے۔ یہودی حضرت سلیمان۔ ہمارے حضور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکاری مجوسی سوا ایک نبی کے سارے پیغمبروں کے انکاری۔ یہ کلمہ ان سب کو شامل ہے۔ **ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا۔** ارادہ کے وہی دو معنی ہیں جو ابھی بیان ہوئے۔ اتخاذ سے مراد ہے اپنی طرف سے بنانا۔ ذالک سے اشارہ کفر و اسلام کی طرف

ہے۔ سبیل سے مراد ہے راہ خدا یا راہ ہدایت یعنی مشرکین تو سارے نبیوں کے انکاری۔ مومنین سارے نبیوں کے اقراری۔ یہ لوگ ان دونوں جماعتوں کے درمیان کہ بعض کے انکاری بعض کے اقراری۔ یہ ہے ان کا نہ ادھر ہونا نہ ادھر ہونا۔ بلکہ بیچ میں لٹکا ہوا ہونا۔ ادھر ہونا چاہتے ہیں کہ اس کفر و ایمان کے بیچ ایک راہ نکالیں۔ جو ان دونوں سے الگ ہو۔ **اولئک هم الکافرون حقا۔ اولئک** سے انہی بے دینوں کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ یہ لوگ رحمت سے بہت دور تھے۔ اس لئے اشارہ **اولئک** اشارہ بعید ارشاد ہوا۔ "**هم**" حصر کے لئے ہے۔ یہ حصر اضافی مومنوں کے لحاظ سے ہے یا ان مردودوں کے ایمان کی نفی کے لئے کافروں سے مراد ہے۔ پورے کافر جن میں ایمان کا شائبہ بھی نہ ہو۔ کیونکہ ایمان و کفر کے درمیان کوئی دین نہیں۔ حق مقابل باطل کا نہیں بلکہ مقابل نقصان یا کمی کا ہے۔ یا مقابل شک و تردد کا۔ یعنی یہ یہود و نصاریٰ پورے نرے کافر ہیں بعض نبیوں کو مان لینے سے ان کے کفر میں کمی نہیں آگئی۔ جیسے تمام نبیوں کا اللہ تعالیٰ کا منکر خالص اور نرا کافر ہے۔ ایسے ہی یہ بھی یا یہ لوگ یقیناً کافر ہیں۔ مسلمانو! تم ان کے کفر میں تردد و شک نہ کرنا۔ **واعتدنا للکفرین عذابا مھینا**۔ یہ ان کے کفر کا انجام ہے۔ اعتدنا بنا ہے اعداد سے جس کا مادہ ہے عدد۔ بمعنی تیار و مہیا کر رکھنا۔ کافرین سے مراد یا سارے کافر ہیں یا خاص یہ یہود و نصاریٰ دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ کیونکہ بعض کفار کو دوزخ میں ذلیل نہ کیا جائے گا۔ مہین بنا ہے اہانت سے۔ جس کا مادہ ہے ہون۔ بمعنی ذلت و خواری۔ یعنی ہم نے ان بدنصیب کفار کے لئے دوزخ کا وہ عذاب تیار کر رکھا ہے جو سخت تکلیف دہ ہونے کے ساتھ انہیں ذلیل و خوار و رسوا کرنے والا بھی ہے۔ یہاں عذاب سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔ جو بعد قیامت شروع ہو گا۔ دنیاوی اور برزخی تکلیف تو اس کا پیش خیمہ ہیں۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہماری تعلیم کے لئے بھیجا مگر تعلیم کے لئے دو چار طریقے اختیار فرمائے صراحتہ حکم یا ممانعت۔ جیسے نماز پڑھو زکوۃ دو یا زنا کے قریب نہ جاؤ نیکیوں کی جزا گناہوں کی سزا کا ذکر جیسے **ولمن خاف مقام ربه جنتن**۔ نیک لوگوں کے اعمال اقوال کا تذکرہ تاکہ ہم بھی ان کی تقلید کریں۔ بروں کے حالات اعمال و اقوال کا ذکر تاکہ ہم ان سے بچیں۔ یہاں اس آیت میں چوتھی قسم کی تعلیم ہے۔ یعنی یہود و نصاریٰ کے قول و فعل کا ذکر تاکہ ہم ان سے الگ رہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا اے مسلمانو یقین کر لو کہ یہ یہود و نصاریٰ وغیرہ جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بھی انکاری ہیں۔ اور سارے نبیوں کے بھی انکاری۔

کیونکہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے نبیوں کا انکار کرتے ہیں وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں جدائی کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو مانے جانے اطاعت کرنے کا مستحق سمجھیں مگر اس کے رسولوں کو مستحق نہ جانیں۔ وہ اس کے مدعی ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر تو ایمان اختیار کرتے ہیں اور بعض کے مراتب و درجات و نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا ارادہ یہ ہے کہ نہ تو مومنوں کی طرح اللہ تعالیٰ اور سب رسولوں پر ایمان

ہی لاویں اور نہ مشرکین و دہریوں وغیرہم کفار کی طرح سب کا انکار ہی کریں۔ وہ ایمان کفر کے درمیان ایک اور راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ایمان و کفر کے درمیان کوئی اور راہ نہیں ہے۔ دو ہی راستے ہیں۔ ایمان یا کفر' جان رکھو کہ ایسے لوگ پکے کافر ہیں۔ جن میں ایمان کا شائبہ بھی نہیں۔ ہم نے ایسے تمام کافروں کے لئے آخرت میں وہ عذاب تیار کر رکھا ہے جو دائمی بھی ہو گا اور سخت تکلیف دہ بھی اور ساتھ ہی ان کے لئے بہت رسوائی خواری ذلت کا باعث بھی تم ان چیزوں میں کچھ بھی تردد نہ کرو خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اور تمام رسولوں میں فرق مراتب کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ رب ہے باقی سب اس کے بندے۔ یونہی حضرات بعض انبیاء کرام کے درجے یکساں نہیں۔ بعض بعض سے افضل ہیں۔ مگر ایمان ادب و احترام و اطاعت میں بالکل فرق نہیں کر سکتے۔ ان چیزوں میں فرق کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ حق ہے اس کے سارے رسول حق ہیں۔ سب کا ادب و احترام ضروری ہے۔ رب تعالیٰ کی بے ادبی اور کسی نبی کی بے ادبی کفر ہے۔ فرماتا ہے۔ **لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم** اور فرماتا ہے۔ **لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبی** یونہی تمام نبیوں کو اپنے اپنے وقت میں سچا و مطاع ماننا لازم ہے۔ اگرچہ اب منسوخ احکام پر عمل نہ ہو گا۔ ان تینوں چیزوں میں اللہ و رسول میں اور تمام رسولوں میں فرق نہ کرنا ضروری ہے۔ نبی کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح داخل فی الدین ہے۔ رب کے حکم کو غلط کہا تو کافر ہوا۔ حضور کے حکم کو غلط کہا تو بھی کافر ہوا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** ایک نبی کا انکار تمام نبیوں بلکہ خود رب تعالیٰ کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ماننے اس پر ایمان لانے کا صرف یہ ہی ذریعہ ہے کہ اس کے سب رسولوں پر ایمان لایا جاوے جیسا کہ **يكفرون بالله ورسله** سے معلوم ہوا۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ نہ تو سب رسولوں کے منکر تھے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے انکاری بلکہ بعض رسولوں خصوصاً ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے تو ان کے لئے فرمایا گیا **يكفرون بالله ورسله** **دوسرا فائدہ** ایمان کی جان ہے اللہ رسول کو ملانا۔ اور کفر کی حقیقت ہے اللہ رسول میں فرق کر دینا جیسا کہ **ان يفرقوا بين الله ورسله** سے معلوم ہوا بعض لوگ ہم اہلسنت سے کہتے ہیں کہ تم اللہ رسول کو ملا دیتے ہو۔ بیشک ہم اللہ رسول کو ملاتے ہیں اور ملانے ہی کا نام ایمان ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں عرض کیا جاوے گا۔ **تیسرا فائدہ** جیسے کہ کسی معین خاص نبی کا انکار کفر ہے۔ ایسے ہی ایسا بعض نبیوں کا انکار بھی کفر ہے۔ تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری جیسا کہ کفر ببعض سے معلوم ہوا **چوتھا فائدہ** کفر و اسلام کے درمیان کوئی واسطہ نہیں یعنی ایسا کوئی مذہب نہیں جو نہ کفر ہو نہ اسلام بلکہ یا کفر ہو گا یا ایمان یہ ہی اہلسنت کا مذہب ہے یہ فائدہ **يريدون ان يتخذوا** سے حاصل ہوا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ فسق وہ درجہ جو کفر و اسلام کے درمیان ہے فاسق نہ مومن ہے نہ کافر یہ آیت ان کی تردید کر رہی ہے۔ **پانچواں فائدہ** اسلام' ایمان یونہی کفر میں کمی بیشی مقداری نہیں ہو سکتی جو مومن ہے وہ پورا مومن ہے جو کافر ہے وہ پورا کافر' آدھا' تہائی اور چوتھائی مومن کوئی نہیں جیسا کہ **الكفرون حقا** سے معلوم ہوا۔ ہاں کیفیت ایمان یونہی کیفیت کفر

میں کمی بیشی ہو سکتی ہے کہ بعض لوگ کامل مومن ہوں بعض کامل کافر۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔ **شعر:**

☆ ہوں مسلماں گرچہ ناقص ہی سہی اے کاملو ☆ ماہیت پانی کی یم سے نم میں ہرگز کم نہیں ☆

قطرہ اور دریا دونوں پورا پانی ہیں آدھا پانی کوئی نہیں۔ ماہیت کلی متواطی ہے مشکک نہیں **چھٹا فائدہ** قرآن مجید کی ایک آیت کے منکر اور سارے قرآن کے منکر پورے کافر ہیں۔ یوں ہی ایک نبی کا انکاری اور سارے نبیوں کا انکاری یکساں کافر ہے۔ یہ فائدہ بھی "کافرون حقا" سے معلوم ہوا۔ نماز میں اگر ایک رکن رہ جائے یا سارے رکن رہ جائیں نماز بیکار ہے **ساتواں فائدہ** اگرچہ ایمان کے ارکان بہت ہیں توحید' رسالت' جنت' دوزخ' فرشتوں وغیرہ کا ماننا۔ مگر جس پر مدار ایمان ہے۔ وہ صرف نبوت ہے۔ اس لئے نبوت بدلنے سے دین بدل جاتا ہے۔ دیکھو عیسائیت' یہودیت اسلام الگ الگ دین ہیں مگر ان سب میں توحید' ملائکہ' دوزخ جنت وغیرہ تمام عقائد میں اتفاق ہے۔ صرف نبوت میں فرق ہے کہ ان لوگوں کے نبی اور ہیں۔ ہمارے نبی اور توحید وغیرہ گویا جنس ہے۔ نبوت فصل نوعین جنس میں متفق ہوتی ہے۔ فصلوں کے اختلاف کی وجہ سے بدل جاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی "کافرون حقا" سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** گنہگار مسلمانوں کو اگرچہ آخرت میں عذاب ہو جاوے گا مگر انہیں اللہ تعالیٰ رسوا و ذلیل نہ کرے گا۔ خواری و رسوائی صرف کفار کی ہوگی جیسا کہ عذابا مہینا سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ** سارے کافروں کو خواری کا عذاب ہوگا۔ اگرچہ بعض کا عذاب زیادہ تکلیف دہ ہو بعض کا ہلکا یہ فائدہ للکافرین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ** دوزخ اور وہاں کے تمام عذاب پیدا ہو چکے ہیں۔ اگرچہ میں داخلہ بعد قیامت ہو گا یہ فائدہ **اعتدنا** ماضی فرمانے سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ** دوزخ کے عذاب ان کے مستحقین کے نامزد ہو چکے ہیں۔ جن کا ظہور بعد قیامت ہو گا یہ بھی اعتدنا سے معلوم ہوا۔ **بارہواں فائدہ** جیسے ایمان کے لئے ساری کتابوں اور قرآن کی ساری آیتوں اللہ کے سارے نبیوں کو ماننا ضروری ہے کہ ان میں سے ایک کا انکار کفر ہے۔ یونہی ایمان کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سارے صحابہ سارے اہل بیت کو ماننا ضروری ہے کہ ان میں سے ایک کا انکار کفر ہے۔ حضرت علی کو نبی سے بڑھا دینا باقی صحابہ کو گالیاں دینا وہی یہودیانہ طریقہ ہے کہ بعض نبیوں کو وہ خدا کا بیٹا کہتے تھے اور بعض کے دشمن تھے الحمد للہ اہلسنت کا بیڑا پار ہے کہ وہ تمام صحابہ و اہلبیت کے دل و جان سے غلام ہیں۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا کفر ہے تو کیا ہم رسولوں کو خدا مان لیں۔ خدا کو رب اور خالق مانا جاتا ہے۔ رسولوں کو بندہ اور مخلوق یہ بھی تو فرق ہو گیا۔ تو چاہیے کہ یہ بھی کفر ہو۔ **جواب** اس کا جواب انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں آتا ہے۔ وہاں مطالعہ فرماؤ۔ **دوسرا اعتراض** **هم الكفرون حقا** نحوی ترکیب سے حصر کا فائدہ دے رہا ہے۔ یعنی صرف یہود و نصاریٰ ہی پکے کافر ہیں۔ تو کیا ان دونوں فرقوں کے سوا باقی تمام کفار و مشرکین کچے کافر ہیں یا مومن ہیں۔ حصر کے کیا معنی۔ **جواب** آپ نے یہاں حصر کے معنی الٹے کر دیئے ہیں اس کے معنی ہیں یہ لوگ پکے کافر ہی ہیں۔ یہ مومن ہرگز نہیں وہ کفر میں منحصر ہیں کفران میں منحصر نہیں جیسے **انما انا بشر مثلكم**

کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف میں ہی بشر ہوں بلکہ معنی یہ ہیں کہ میں صرف بشر ہی ہوں۔ نہ خدا ہوں نہ خدا کا شریک۔
تیسرا اعتراض یہاں **الکفرون حقا** کیوں فرمایا۔ کافر جھوٹے اور کفر نرا جھوٹ اور باطل ہے۔ وہ حق بالکل نہیں۔
جواب یہاں حق باطل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ حق بمعنی یقیناً ہے یا بمعنی کامل مشکوک اور ناقص کا مقابل یعنی یہ لوگ یقیناً کافر ہیں یا پورے کافر ہیں لہذا آیت واضح ہے (تفسیر کبیر) **چوتھا اعتراض** جب عیسائی یہودی پکے کافر ہیں تو ان کی عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح کیوں جائز ہے اور ان کا ذبیحہ کیوں حلال ہے؟ دوسرے کفار کی طرح یہ دونوں حرام ہونے چاہیے تھے۔ **جواب** ان احکام میں حضرات انبیاء کرام کی عظمت محبوبیت کا اظہار ہے کہ جو اپنے کو ان کا امتی کہے اور اپنے کو ان سے نسبت دے اگرچہ یہ نسبت جھوٹی سی ہو۔ تب بھی اس نسبت کا فائدہ اسے پہنچے گا کہ اس کے احکام دوسرے کفار سے ہلکے ہوں گے۔ جب ان نبیوں سے جھوٹی سی نسبت نے اتنا فائدہ دیدیا تو جس کو حضور سے سچی نسبت ہو جائے۔ سوچ لو کہ اسے کیسے فائدے ہوں گے۔ خیال رہے کہ عیسائی یہودی عورتوں سے نکاح جائز ہے سنت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے کبھی کسی اہل کتاب عورت سے نکاح نہ کیا اور اس جواز کی بھی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مذہبی عیسائی ہوں صرف قومی عیسائی نہ رہ گئے ہوں جیسے آج کل کے عام انگریز جو مذہباً دہریے ہیں آسمان کے منکر ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے انکاری ہیں۔ لہذا موجودہ میموں سے مسلمان کا نکاح حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان میں کھینچ لینے کی قوت ہو۔ خود یا اپنے بچوں کے ادھر کھچ جانے کا اندیشہ نہ ہو یعنی خود یا اس عورت سے پیدا شدہ بچے عیسائی نہ بن جاویں بلکہ ہو سکے تو وہ عیسائی مسلمان کی صحبت سے مسلمان ہو جاوے۔ مسلمان موجودہ جو ویسے عیسائیت کی طرف مائل ہیں انہیں اہل کتاب عورتوں سے نکاح حرام ہے کہ یا تو وہ خود عیسائی ہو جائیں گے یا ان کی اولاد اس کافرہ کی صحبت سے عیسائی ہو گی۔ **پانچواں اعتراض** یہود و عیسائی نہ تو سارے نبیوں کا انکار کرتے تھے نہ خدا تعالیٰ کا لہذا ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ رب تعالیٰ اور تمام رسولوں کا انکار کرتے ہیں۔ خلاف واقعہ ہے یوں فرمانا چاہیے تھا کہ ان پر تمام نبیوں اور حق تعالیٰ کا انکار لازم آتا ہے۔ لزوم کفر اور چیز ہے التزام کفر کچھ اور غرضیکہ انکار کو ان کی طرف منسوب کرنا جھوٹ ہے اور قرآن مجید جھوٹ سے پاک ہے۔ **جواب** لزوم کفر اور التزام کفر میں فرق وہاں ہوتا ہے جب التزام کفر پوشیدہ چیز ہو جس کے ثابت کرنے کے لئے مقدمات و دلائل کی ضرورت پڑے لیکن اگر التزام کفر بالکل ظاہر ظہور سمجھ میں آتا ہو دلیل کی ضرورت نہ پڑے تو لزوم و التزام ایک ہی ہو جاتا ہے۔ یہاں دوسری قسم کا لزوم ہے۔ جس سے التزام ظاہر ظہور معلوم ہو رہا ہے۔ (تفسیر کبیر) یہ قاعدہ بہت ضروری بھی ہے۔ باریک بھی۔ بہت خیال میں رہنا چاہیے۔ واقعی یہود و نصاریٰ سارے نبیوں کا اپنی زبان سے انکار نہیں کرتے مگر بعض نبیوں کے انکار سارے نبیوں کا انکار بالکل ظاہر ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام فرمادیں محمد رسول برحق ہیں۔ عیسائی کہیں غلط ہے۔ محمد مصطفیٰ حق نہیں یہ ظاہر ظہور جناب عیسیٰ کا انکار ہے۔ **چھٹا اعتراض** آپ کے بیان سے معلوم ہوا کہ ایمان و کفر میں زیادتی کمی نہیں ہر مومن پورا مومن ہے۔ تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے

کہ ہمارا ایمان نبی کے ایمان کے برابر ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی گزر گیا ہے کہ ایمان کے درجات مختلف ہیں مگر یہ درجے مقدار کے لحاظ سے نہیں کیفیت کے لحاظ سے ہیں معمولی مسلمان بھی آدھا یا پاؤ مومن نہیں پورا ہی مومن ہے اگرچہ کیفیت یقین میں فرق ہے۔ نبی کا ایمان بہت اعلیٰ ہے۔ دیکھو! ابراہیم علیہ السلام نے مردہ زندہ ہوتے دیکھنے کی خواہش کی تو رب نے فرمایا کیا تم اس پر ایمان نہیں لائے عرض کیا **بلی ولکن لیطمئن قلبی** ہاں ایمان تو لاچکا ہوں مگر دل کا اطمینان چاہتا ہوں کیا مطلب ہے یہ ہی کہ علم الیقین کا اطمینان تو مجھے حاصل ہے۔ حق الیقین کا اطمینان چاہتا ہوں اس علم الیقین اور حق الیقین میں مقداری زیادتی کمی نہیں کیفیت میں زیادتی کمی ہے۔ **ساتواں اعتراض للکفرین عذابا مھینا** میں **الکافرین** کو مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا تو کیا سوا ان یہود و نصاریٰ کے کسی اور کافر کو ذلت کا عذاب نہ ہوگا۔ ذلت کا عذاب تو ہر کافر کو ہوگا۔ پھر یہ حصر کیونکر درست ہوا۔ **جواب** اس کے دو جواب تفسیر میں عرض کر دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ الکافرین میں الف لام استغراقی ہو تو معنی یہ ہوئے کہ سارے کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ دوسرے یہ کہ الف لام عہدی ہو یعنی ان کافروں یہود و نصاریٰ کو ہی ان دونوں قوموں کو بہت ذلت کا عذاب ہوگا۔ تب عذابا" اور مہینا" کی تنوین **تعظیمی** ہوگی۔ یعنی ان دونوں قوموں کو بہت بڑا ذلت کا عذاب ہوگا۔ کیونکہ یہ جانتے پہچانتے ہوئے کافر ہوئے۔ جاہل کے گناہ سے عالم کا گناہ سخت تر ہے۔ ان پوپ پادریوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت توریت و انجیل سے معلوم ہو چکی تھی۔ پھر محض عناد سے انکاری تھے۔ جہلا مشرکین بے خبری سے منکر تھے تو یقیناً ان کا عذاب سخت تر ہونا چاہیے **آٹھواں اعتراض** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ ماننے ادب و احترام کرنے اور اطاعت کرنے میں اللہ رسول میں فرق کرنا کفر ہے۔ اللہ رسول دونوں کی اطاعت یکساں چاہیے۔ حالانکہ اللہ کے احکام فرض ہیں اور حضور کے احکام سنت فرق تو موجود ہے۔ **جواب** نہ تو اللہ تعالیٰ کے تمام احکام فرض ہیں نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سارے احکام سنت۔ جن کا قطعی حکم ہے وہ فرض ہے خواہ اللہ نے دیا ہو یا حضور نے۔ دیکھو نماز فرض ہے حکم الٰہی ہے مگر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ ہر نماز میں اتنی رکعتیں فرض ہیں۔ یہ حکم رسول ہے۔ زکوٰۃ بحکم الٰہی فرض ہے اور زکوٰۃ کی مقدار بحکم رسول کریم فرض ہے۔ سور بحکم الٰہی حرام ہے۔ کتا گدھا بلا بحکم رسول حرام ہیں۔ ہاں غیر قطعی احکام جائز یا مستحب ہیں خواہ رب تعالیٰ کے ہوں یا حضور کے دیکھو قرض کا لکھ لینا حکم قرآنی ہے مگر صرف مستحب ہے کیونکہ وہ حکم قطعی نہیں۔ یونہی احرام سے کھل کر شکار کرنا حکم قرآنی ہے مگر صرف جائز ہے۔ یونہی غلام کو مکاتب کر دینا صرف مستحب ہے۔ کیونکہ یہ احکام قطعی نہیں اگرچہ حکم قرآنی ہے۔ بہر حال اللہ رسول کی اطاعت یکساں ہے۔ **اطیعو اللہ واطیعو الرسول** بلکہ اگر کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلاف قرآن حکم دیں تو اس کے لئے وہ ہی لازم ہے۔ دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ۔

تفسیر صوفیانہ از آدم علیہ السلام تا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی پیغمبر نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت نہیں دی۔ سب نے ایمان کی دعوت دی۔ چنانچہ حضور انور نے فارس و روم کے بادشاہوں کو جو تبلیغی دعوت نامے لکھے۔ ان میں یہ

ی فرید۔ **اسلم تسلم** اسلام قبول کرو سلامت رہو گے۔ **وحد تسلم** نہ فرمایا کہ توحیدی ہو سلامت رہو گے۔ دوسرے کفریات کی طرح خالی توحید بھی دوزخ کا راستہ ہے۔ ابلیس صرف توحید کی وجہ سے دوزخی بنا وہ مشرک نہیں ہے۔ جنت کا راستہ ایمان اور صرف ایمان ہے۔ توحید کی حقیقت ہے اپنی عقل کے ذریعہ رب تعالیٰ کی وحدانیت ماننا۔ نبی سے بے نیاز ہو کر۔ ایمان کی حقیقت ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو پیغمبر کی معرفت جاننا۔ گویا نبی کے آئینہ میں رب کو نبوت کے شیشہ میں الوہیت رب تعالیٰ کو دیکھنا ایمان ہے۔ توحید کفر ہے ایمان ہدایت۔ اسی لئے قرآن کریم نے کسی جگہ توحید کا حکم نہ دیا۔ ایمان کا حکم دیا۔ ہم کو موحد کہہ کر نہ پکارا **الذین امنوا** کہہ کر پکارا۔ ہمارا نام موحد نہ رکھا بلکہ مومن و مسلم رکھا۔ **ھو سمکم المسلمین** بلکہ قرآن مجید میں توحید کا مصدر اس کے مشتقات ماضی مضارع 'امر' اسم فاعل' اسم مفعول وارد نہ ہوئے ایمان اور اس کے ماضی مضارع وغیرہ امن 'یومن' مومن' مومنات' امنوا وغیرہ سب کچھ مذکور ہوئے۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت دی بلکہ ایمان کی دعوت دی۔ پھر ایمان کا ڈھانچہ اور ہے اور روح ایمان کچھ اور۔ الوہیت' نبوت قیامت وغیرہ کو مان لینا ایمان کا ڈھانچہ ہے۔ روح ایمان وہ ہے جو یہاں بیان ہوئی۔ یعنی اللہ رسول کو ملانا ان میں فرق نہ کرنا روح ایمان ہے اور ان میں جدائی روح کفر دیکھو یہاں اللہ رسول میں فرق کرنے والوں کو کافرون حقا فرمایا گیا۔ پھر اللہ رسول کو ملانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ کو رسول یا رسول کو خدا مان لیا جائے کہ یہ عین شرک ہے بلکہ نبوت کو الوہیت کے ساتھ ایسے ملانا ضروری ہے جیسے لیمپ کے نور کے ساتھ چمنی کا رنگ ہوتا ہے کہ جہاں لیمپ کا نور وہاں چمنی کا رنگ یا جیسے نوٹ کے کاغذ کے ساتھ سرکاری تحریر و مہر کہ اگر یہ تحریر مٹادی جائے تو نوٹ کی کوئی قیمت نہیں۔ یا قرآن کے کاغذ کے ساتھ نقوش قرآنیہ کا اتصال کہ اس وصل کی وجہ سے نقوش و کاغذ بلکہ اس کی جلد سب کا یکساں احترام ہو گا۔ جنبی نہ قرآن کے نقوش کو چھو سکتا ہے نہ کاغذ اور نہ اس کی جلد۔ احترام میں سب برابر ہیں۔ رب تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کے دو جز کئے ہیں۔ **لا الہ الا اللہ** یہ توحید ہے **محمد رسول اللہ** یہ ہے نبوت۔ مگر پہلے جز میں اپنا نام یعنی اللہ آخر میں رکھا اور دوسرے جز میں حضور کا نام اول رکھا تاکہ ان دونوں ناموں میں لفظوں کا فرق بھی نہ ہو کوئی لفظ رب و محبوب کے درمیان حائل نہ ہو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

☆ **ضم الالہ اسم النبی باسمہ** ☆ **اذ قال فی الخمس المؤذن اشھد** ☆

اگر نجات کے لئے توحید کافی ہوتی تو قبر میں تیسرا سوال نبوت کا نہ ہوتا۔ لفظ توحید صوفیاء کی اصطلاح میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر وہاں توحید سے مراد وحدت الوجود یا وحدت الشہود ہوتی ہے۔ وہ توحید نہیں جو ایمان کے مقابل ہے اس توحید کا بیان یہ ہے۔

☆ جمال آئینہ حسن شاہد ما است ☆

☆ **فشاھد وجھہ فی کل ذرات**

دیگر

☆ پناہ بلندی و پستی توئی ☆ ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی ☆

دیگر

☆ خود بن کے خلیل آپ کو آتش میں گرایا ☆ اور خود ہی اس آگ کو گلزار بنایا ☆

دیگر

☆ یوسف تمہیں یعقوب تمہیں تم ہی زلیخا ☆ موسیٰ تمہیں عیسیٰ تمہیں اور تمہی ہو یحییٰ ☆

مصرعہ :۔ خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ؛ غرضیکہ نجات کا مدار ایمان ہے اور ایمان کا مدار اللہ رسول کو ملانے پر ہے اسی لئے اسلام کے تمام فرائض میں سنتیں ایسی ملی ہوئی ہیں جیسے پانی کھانے سے کہ کوئی عبادت سنتوں سے خالی نہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ جہاد سب کو دیکھو۔ اس کی تفصیل ہم پہلے پارے میں عرض کر چکے ہیں۔

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو قوموں کو نام لے کر کافر فرمایا ایک اللہ رسول میں فرق کرنے والوں کو جو یہاں مذکور ہے **اولئک هم الکفرون حقا** دوسرے صحابہ کرام کے دشمنوں کو۔ کہ فرمایا **لیغیظ بهم الکفار** شعر:۔

☆ میں اپنی حیاتی پہ قربان جاواں ☆ احد نال احمد ملیندے گزر گئی ☆

خیال رہے کہ اگرچہ ایمان کے ارکان توحید' نبوت' قیامت فرشتوں وغیرہ کو ماننا ہے مگر دین، ایمان کا مدار نبوت پر ہی ہے۔ نبوت میں سب ارکان خود بخود آجاتے ہیں نبوت ہی کے بدلنے سے دین بدلتے ہیں۔ نصرانیت یہودیت اسلام اور تمام آسمانی دین توحید وغیرہ میں متفق ہیں صرف نبوت میں مختلف کہ یہودی موسیٰ علیہ السلام کی امت۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تو ان دینوں کو الگ الگ دین مانا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دین و ملت صرف نبوت سے بنتے ہیں۔ نبوت اصل دین ہے۔ ابو جہل بھی کعبہ معظمہ کا طواف کرتا تھا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق بھی اسی کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ کعبہ ایک تھا مگر یہ دونوں ایک طرح کے نہ ہوئے کیونکہ ابو جہل براہ راست کعبہ پہنچتا تھا کافر رہا۔ حضرت صدیق اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کعبہ میں جاتے تھے۔ مومن' صحابی' حاجی سب کچھ بن گئے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمانؓ حضورؐ کے نمائندہ ہو کر مکہ معظمہ گئے۔ کفار مکہ نے کہا آپ کے لئے کعبہ حاضر ہے۔ آپ عمرہ کرلیں۔ زمزم پی لیں صفا مروہ پر دوڑ لیں۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سال عمرہ نہ کرنے دیں گے۔ عثمان غنی نے کہا کہ میں حضور کے بغیر کعبہ کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ طواف و سعی کروں۔ طواف وہی ہے جو کعبہ ایمان کے ساتھ کعبہ اجسام کا طواف ہو۔ شعر:۔

☆ سجدہ کرنا ہے تو یوں کر کہ ہو سجدے میں جھکا ☆ سر خدا کے واسطے دل مصطفیٰ کے واسطے ☆

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ اور رسولوں پر اس کے اور نہ جدائی کی درمیان کسی کے ان میں سے
اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی پر ایمان میں فرق نہ کیا انہیں
اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۵۲﴾
یہی لوگ ہیں کہ عنقریب دے گا انہیں ثواب ان کے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان
عنقریب اللہ ان کے ثواب دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیتوں میں کفار اور ان کی وجہ کفر کا تفصیلی بیان تھا اب مومنوں اور ایمان کا تفصیلی بیان ہے تاکہ لوگ گزشتہ عیوب سے بچیں اور یہ صفات اختیار کریں۔ مہربان طبیب بیمار کو پرہیز کی چیزیں بھی بتاتا ہے کہ فلاں فلاں چیز نہ کھانا اور کھانے کی غذائیں دوائیں بھی بتاتا ہے کہ علاج کی تکمیل ان دو چیزوں سے ہی ہوتی ہے۔ چونکہ علاج میں پرہیز پہلے ہے دوا بعد میں۔ لہٰذا یہاں کفر پہلے بیان ہوا ایمان اب بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفار پر اظہار غضب تھا اب ان پر اظہار کرم ہے کہ اگر یہ لوگ ایسے عقیدے اختیار کرلیں تو ہم ان کے سب گناہ بخش دیں گے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ کافروں کی کوئی نیکی قبول نہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مومنوں کی تمام نیکیاں قبول ہیں کیونکہ ایمان شرط قبول ہے جو کافروں کو نصیب نہیں **بفضلہ تعالیٰ** مسلمانوں کو نصیب ہے۔

تفسیر والذین امنوا باللّٰہ ورسلہ:۔ یہاں **الذین** سے مراد سارے انسان ہیں جو ایمان لائے اس الذین میں جن و فرشتے داخل نہیں کیونکہ یہاں مومنوں سے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے اور اجر و ثواب نہ جنات کے لئے ہے نہ فرشتوں کے لئے جنت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے چنانچہ سورۃ احقاف میں ارشاد باری جنات کے متعلق ہے **یقومنا اجیبوا داعی اللّٰہ وامنوا بہ یغفر لکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم** معلوم ہوا کہ جنات کو ایمان قبول کرنے کا بدلہ صرف یہ ملے گا کہ ان کے گناہوں کی معافی ہو جائے گی اور دردناک عذاب سے نجات۔ چونکہ اللہ رسول پر ایمان کے ضمن میں تمام ایمانیات پر ایمان لانا بھی شامل ہے اس لئے صرف اس کا ذکر فرمایا گیا۔ ان کا ذکر نہ ہوا۔ گویا یہ ایمان کا اجمالی ذکر ہے رسل جمع فرما کر بتایا گیا کہ تمام نبیوں پر اجمالی ایمان کافی ہے۔ ایمان سارے رسولوں پر چاہیے اطاعت اس رسول کی جس کی امت میں ہو۔ چنانچہ قوم موسیٰ پر موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت فرض تھی۔ قوم عیسوی پر عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت فرض رہی اور اب ہمیشہ کے لئے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے۔ حتیٰ کہ خود موسیٰ علیہ السلام کی حیات شریف میں خضر علیہ السلام پر ان کی اطاعت فرض نہ ہوئی۔ آپ نے

موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی میں وہ کام کئے جو توریت شریف کے خلاف تھے۔ کیونکہ حضرت خضر اسرائیلی نہ تھے خیال رہے کہ نبوت کے منسوخ ہو جانے سے اس نبی کی اطاعت ختم ہو جاتی ہے۔ ان پر ایمان لانا اسی طرح واجب ہے۔ **ولم یفرقوا بین احد منھم** اگرچہ یہ مضمون **امنوا باللہ ورسلہ** میں آگیا تھا مگر اس کی اہمیت دکھانے کے لئے اسے علیحدہ بیان فرمایا گیا۔ **منھم** کا مرجع اللہ تعالیٰ اور رسل سب ہی ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے جو ابھی گزر گئی **ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ** یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں فرق نہ کریں۔ سب کو یکساں طور پہ مانیں۔ اللہ تعالیٰ کو رب العالمین جانیں۔ رسولوں کو رب و مربوب خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ عظمیٰ سمجھیں۔ مدار ایمان اللہ اور رسولوں کو ملانا ہے غرض کہ اس جملہ میں تین چیزوں کا ذکر ہوا۔ اللہ پر ایمان لانا۔ اس کے ساتھ ہی اجمالاً" تمام رسولوں پر ایمان لانا۔ تیسرے اللہ تعالیٰ اور کسی رسول میں فرق نہ کرنا۔ سب کو ماننا سب کا ادب کرنا۔ خیال رہے کہ ماننا تین قسم کا ہے۔ ڈر سے ماننا۔ لالچ سے ماننا۔ محبت سے ماننا۔ ایمان نام ہے محبت سے ماننے کا۔ ہر نبی سے محبت ایمان کی جان ہے۔ ماننے محبت کرنے ادب کرنے میں نبیوں میں فرق نہ کرے **اولئک سوف یوتیھم اجورھم اولئک** سے اشارہ **الذین** مذکور کی طرف ہے۔ **سوف** فرما کر اشارۃً فرمایا کہ اجر کی جگہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے اور آخرت بہت قریب ہے حکومتیں اپنے نوکروں سے زیادہ وقت کام کراتی ہیں۔ تھوڑی مدت پنشن دیتی ہیں۔ چنانچہ بڑھاپے میں ریٹائر کرتی ہیں مگر رب تعالیٰ ہم سے بہت تھوڑی مدت تیس چالیس سال کام لیتا ہے۔ برزخ کے ہزاروں سال آرام دیتا ہے پھر بعد قیامت ابد الاباد تک انعام دے گا۔ اس لئے سوف ارشاد ہوا۔ اجور سے مراد یا تو تمام نیکیوں کے ثواب ہیں یا ایک ایک نیکی کے بہت بہت سے ثواب یا ایمان کے بہت ثواب کا ایمان بھی تو ایک عمل ہے بلکہ دوسرے اعمال کی جڑ ہے۔ ایک ایمان پر بہت سے ثوابوں کی امید ہے۔ دنیاوی حکومتیں اپنے نوکروں سے بہت سے کام کروا کر ایک تنخواہ دیتی ہیں مگر حکومت ربانی میں ایک ایک کام پر بیسیوں اجر تیں عطا ہوتی ہیں۔ ایک نماز میں وضو۔ مسجد میں آنے کا انتظار۔ نماز سب کا ثواب علیحدہ علیحدہ ایسے ہی ایک ایمان میں لاکھوں ثواب ہر نبی پر ایمان لانے کا الگ ثواب۔ سوا لاکھ ثواب تو یہ ہی ہو گئے۔ ہر فرشتے پر اجمالی ایمان لانے کا الگ ثواب۔ رب تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان لانے کا الگ ثواب۔ فرشتوں پر ایمان لانے کا الگ ثواب۔ جنت' دوزخ' قیامت پر ایمان لانے کے الگ ثوابات۔ صفات **الھیہ** تو بیشمار ہیں۔ فرشتے لاتعداد۔ تو انشاء اللہ ایمان کے ثوابات بے شمار ہوں گے۔ یہ ہیں "اجورہم" کے معنی **وکان اللہ غفورا رحیما** پہلے جملہ میں مومنوں کو ثواب دینے کا وعدہ تھا۔ اس جملہ میں ان کے گناہوں کی معافی کا بھی وعدہ ہے اور اجر کے علاوہ کچھ اور انعام و اکرام فرمانے کی امید ہے کان دوام و استمرار کے لئے ہے غفور کے معنی ہیں بخشنے والا رحیم کے معنی ہیں اعمال کے اجر سے کچھ زیادہ عطا فرمانے والا بعض نیکیوں کا ثواب ایک کا ایک لاکھ ہے۔ ایک ثواب تو اصل نیکی کا اجر اور ننانوے ہزار نو سو ننانوے عطیہ شاہانہ رحم میں خسروانہ کے طور سے یا جنت میں بعض نعمتیں بطور اجر عطا فرمانے والا جیسے وہاں کے حور و قصور اور بعض نعمتیں محض اپنے کرم سے

دینے والا۔ جیسے اپنا دیدار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب وغیرہ یا آخرت میں نیکیوں کا ثواب عطا فرمانے والا اور دنیا میں نیک کاموں کو بطور کرم و رحم نعمتیں برکتیں عزتیں۔ راحتیں عطا فرمانے والا۔ غرض کہ **غفورا رحیما** کی تین تفسیریں ہیں۔ اور ہر تفسیر بہت ہی جامع۔ اس مختصری آیت میں ایمان اور جزاء ایمان کا بہت مکمل بیان ہے۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں ہمارے متعلق تین اعمال کا ذکر ہے اور تین جزاؤں کا منہ تک تین عمل ہیں۔ اور **الیک** سے آخر تک تین جزائیں عطائیں کرم نوازیاں مذکور ہیں۔ مگر طریقہ بیان نہایت ہی نفیس ہے کہ عطاء اجر کے لئے تو صراحۃ وعدہ فرمایا **سوف یوتیھم** اور معافی گناہ عطاء انعام کے لئے اپنی دو صفتوں کا ذکر فرمایا کہ ہم غفور بھی ہیں۔ بخشنے کے عادی اور ہم رحیم بھی عمل سے زیادہ عطا فرمانے والے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا اے لوگو تم اللہ رسول میں فرق وجدائی سمجھنے والوں کا انجام تو سن چکے اب خوش نصیب مومنوں کا انجام و درجات بھی سنو۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے۔ از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مگر اس طرح ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں جدائی نہ کی۔ سب کو ایمان میں ملا دیا خواہ ان رسولوں کے نام و تعداد و حالات معلوم ہوں یا نہ ہوں یہ ہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں عنقریب آخرت میں ان کے نیک اعمال کے ثواب بھی ملیں گے۔ یا خود ایمان پر بہت سے ثواب ملیں گے۔ یا ایک ایک نیکی کے بہت بہت ثواب ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے مہربان رحیم و کریم بھی لہٰذا ان کے سارے گناہ بخش دے گا اور انہیں اعمال کے ثواب کے علاوہ دنیا و آخرت میں اپنے کرم سے بہت کچھ اور بھی عطا فرمائے گا اس کی عطا ان کے وہم و گمان سے ورا ہو گی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** ایمان کی اصل اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے نبیوں کو ماننا ہے کہ باقی ارکان ایمان قیامت وغیرہ کو مان لینا سب کچھ اس میں داخل ہے۔ یہ فائدہ **آمنوا باللہ ورسلہ** سے حاصل ہوا۔ جو کوئی کسی رکن ایمانی کا انکار کر دے وہ اللہ رسول پر صحیح طور سے ایمان نہ لایا کہ ان کے فرمان کو غلط سمجھا۔ **دوسرا فائدہ** سارے نبیوں پر ایمان لانا انہیں برحق سمجھنا ضروری ہے۔ اگرچہ اب اطاعت صرف حضور ہی کی ہے۔ یہ فائدہ رسلہ جمع کثرت فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ایمان کی جان ہے۔ اللہ رسول کو ملانا۔ ان میں فرق نہ کرنا۔ دیکھو! رب تعالیٰ نے یہاں ایمان کے ساتھ خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ کہ **ولم یفرقوا بین احد منھم** **چوتھا فائدہ** اللہ رسول کے لئے ایک ضمیر استعمال کرنا شرعاً جائز ہے۔ دیکھو **بین احد منھم** میں ہم ضمیر اللہ تعالیٰ اور رسولوں سب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اسی طرح اللہ رسول کے لئے ایک صیغہ کا استعمال جائز ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اغنھم اللہ رسول من فضلہ** انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا اور فرماتا ہے۔ **ما اتھم اللہ ورسولہ** جو انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل سے دیا اور فرماتا ہے **وسیری اللہ عملکم ورسول** تمہارے اعمال اللہ رسول

دیکھیں گے اور فرماتا ہے **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ** اللہ رسول اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اسے راضی کریں اور فرماتا ہے **انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ** جس پر اللہ نے اور تم نے انعام کیا۔ دیکھو! ان آیات میں۔ اغنی سیری۔ انعم وغیرہ صیغے ایک ایک ہیں مگر ان کاس فاعل اللہ تعالیٰ بھی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو اللہ رسول نے ایمان دیا۔ اللہ رسول کے فضل و کرم سے ہم دین و دنیا کی نعمتیں پاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ **پانچواں فائدہ** اللہ تعالیٰ صرف ایمان پر بھی بہت سی قسم کے ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ "اجورہم" کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ** ایمان کے ساتھ نیکیاں کرنا ثواب کا ذریعہ ہیں کافر کو نیکی کا ثواب نہیں جیسا کہ "اجورہم" کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ** ایمان لانے کے بعد زمانہ کفر کی نیکیوں کا بھی ثواب مل جاتا ہے۔ کفر کے گناہ مٹ جاتے ہیں نیکیاں قبول ہو جاتی ہیں جیسا کہ "اجورہم" کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** ایمان لانے پر زمانہ کفر کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حقوق اللہ ادا کرنے ہوں گے جیسا کہ غفورا سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ** بندہ مومن کو صرف اعمال کی جزا ہی نہ ملے گی بلکہ بہت سے انعام و اکرام بھی عطا ہوں گے جیسا کہ رحیما کی تفسیر سے معلوم ہوا وہ انعام و اکرام بندے کے فہم سے وراہیں۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ اور رسولوں کو مان لینا ان میں فرق نہ کرنا ایمان کے لئے کافی ہے۔ تو کیا فرشتوں' جنت' دوزخ قیامت' آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ **جواب** اس کا جواب پہلے معلوم ہو چکا کہ ان ہستیوں پر ایمان لانا اصلی ہے ان کو مان لینے سے ان بقیہ چیزوں کا مان لینا خود بخود لازم آگیا۔ جو ان چیزوں کو نہ مانے وہ درحقیقت اللہ رسول کو صحیح طور پر مانتا ہی نہیں۔ سو کے عدد میں ساری اکائیاں دہائیاں آ جاتی ہیں۔ اللہ رسول پر ایمان لانے میں سارے ایمانیات پر ایمان آ جاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسولوں میں فرق نہ کرنا چاہیے مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض** تم ہی کہتے ہو کہ گروہ انبیاء میں سب سے افضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہم یہ ہی تو تفریق ہے لہٰذا آیات میں تعارض ہے **جواب** حضرات انبیاء کرام کے مراتب میں ترتیب ہے۔ نبوت میں تفریق کرنا کفر ہے کہ ان میں کسی ایک کی نبوت کا انکار کفر ہے۔ یا کسی نبی کو اصلی نبی کسی کو عارضی۔ ظلی نبی ماننا کفر ہے نفس نبوت میں تمام انبیائے کرام برابر ہیں سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کی مکمل بحث تیسرے پارے میں **لا نفرق بین احد من رسلہ** کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کے لئے ایک ضمیر لانا جائز ہے۔ مگر حدیث شریف میں ہے کہ کسی خطیب نے اپنے خطبے میں یوں پڑھ دیا **ومن یعصہما** یعنی ہما ضمیر اللہ رسول کے لئے ایک ہی استعمال فرمائی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا **بئس الخطیب انت** تو بہت ہی برا خطیب ہے لہٰذا آیت میں حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب** اس کے جواب نووی شرح مسلم شریف میں بہت دیئے ہیں

ایک یہ کہ سرکار عالی کا یہ فرمان تعلیم استحباب کے لئے ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ اللہ رسول کے لئے الگ ضمیریں لائی جاویں۔ جائز یہ بھی ہے کہ ایک ہی ضمیر لائی جاوے دیکھو ایک شخص نے حضور کو سید کہا تو فرمایا **السید هو الله** سید تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہاں ماسوا اللہ کو سید کہنا پسند نہ فرمایا۔ دوسرے موقعہ پر حضرت سعد بن معاذ کے لئے فرمایا **قوموا الی سیدکم** اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ یا ارشاد فرمایا اپنے غلام کو عبدی نہ کہے۔ حالانکہ قرآن کریم فرما رہا ہے۔ **من عبادکم** یا فرمایا انگور کو کرم نہ کہو کرم تو اللہ تعالیٰ ہیں یہ تمام ممانعتیں خلاف اولیٰ کے لئے ہیں اور قرآن کریم کی آیات بیان جواز کے لئے۔ **چوتھا اعتراض** یہاں اجورہم کیوں جمع فرمایا ایمان ایک عمل ہے تو اس کا ثواب بھی ایک ہی چاہیے **جواب** اس جمع فرمانے میں تین حکمتیں معلوم ہوتی ہیں (نمبر ۱) اجور کو جمع فرمانا ہم ضمیر کے جمع کے لحاظ سے ہے۔ یعنی مومن کو اس کے ایمان کا ایک ثواب ہے تو بہت سے مومنوں کے اجر بہت سے یا ہر مومن کو ایمان کی برکت سے سارے نیک اعمال کا ثواب ملے گا۔ لہٰذا اجور فرمایا (نمبر ۲) یا صرف ایک ایمان کے لاکھوں اجر ملیں گے۔ اللہ کو ماننے کا علیحدہ اجر رسول کو ماننے کا علیحدہ اجر اسی طرح ہر ایمانی چیز پر ایمان لانے کا علیحدہ اجر پھر مومن بننے کا علیحدہ اجر۔ مومن رہنے کا الگ ثواب۔ مومن مرنے کا الگ ثواب خدا تعالیٰ ایمان پر خاتمہ نصیب کرے پھر ثواب ہی ثواب ہیں پھر دنیا میں ایمان کا ثواب علیحدہ۔ مرتے وقت قبر میں علیحدہ حشر میں علیحدہ۔ بعد حشر جنت میں دائمی ثواب۔ وہ ان سب سے جداگانہ غرض کہ اجور فرمانا بالکل درست ہے۔ اس ثواب کی نوعیتیں اور افراد سب کے سب ہی بہت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت بھی ہے اسی صفت قدرت کا ظہور کافر و منافق کے لئے قہاریت و جباریت منتقمی کی شکل میں ہوتا ہے اور مخلص مومن کے حق میں اس قدرت کا ظہور غفاریت ستاریت عنایت و کرم کی شکل میں ہوتا ہے بلاشبہ یوں سمجھو کہ بجلی کا پاور ایک ہے مگر ہیٹر سے کنکشن ہو جاوے تو گرم ہے اور اگر کولر سے کنکشن ہو جاوے تو نہایت سرد۔ پنکھے سے تعلق ہو جاوے تو ہوا دیتا ہے۔ استری سے تعلق ہو جاوے تو کچھ اور ہی رنگ دکھاتا ہے فرمایا جا رہا ہے۔ کہ جن لوگوں نے اللہ و رسولوں پر ایمان اختیار کیا۔ اس کے لئے قدرت خداوندی عطا اجر مغفرت رحمت کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ خیال رہے کہ آخرت میں ایمان کا حساب پہلے ہے۔ اعمال کا حساب بعد میں قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے اور حشر میں اعمال کا حساب حشر قبر سے صدہا برس کے بعد ہے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب احسن القصص میں لکھا کہ زمانہ قحط میں یوسف علیہ السلام نے مصر کے آس پاس چوکیاں مقرر فرمائی تھیں جن پر باہر سے آنے والوں کی تحقیقات کی جاتی تھی۔ چو طرف سے مخلوق غلہ حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ آتی تھی ہر آنے والے سے چار سوالات ہوتے تھے۔ تم کہاں سے آئے ہو۔ یہاں مصر میں کیوں آئے ہو اور کب تک رہو گے۔ گندم کی قیمت کے لئے کیا لائے ہو۔ جب برادران یوسف علیہ السلام آئے۔ اور اس راستہ کی چوکی پر پہنچے جو کنعان سے آتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان چوکی والوں سے فرمایا کہ ان مسافروں سے یہ سوال نہ کرنا کہ تم کیا لائے ہو یہ سوال ہم ان سے خود کر لیں گے مقصد یہ تھا کہ بھائیوں کی پردہ

پوشی ہو ان کی متاع کسی پر ظاہر نہ ہو۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ قبر آخرت کی پہلی چوکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی امت کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے قبر کے فرشتوں کو صرف ایمان کے سوالات کرنے کی تو اجازت دی۔ اعمال کا حساب لینے کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ قبر میں نمازوں' روزوں وغیرہ اعمال کا حساب نہیں ہوتا۔ صرف ایمان کا حساب ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ اپنے محبوب کی امت کے اعمال کا حساب قیامت میں ہم خود لے لیں گے۔ پھر قیامت میں بھی اس امت کا ایسا حساب ہو گا کہ ہر ایک کی نیکیاں نامہ اعمال کے ظاہری جانب ہوں گی جسے دوسرے لوگ بھی پڑھیں گے۔ اور برائی اندرونی جانب ہوگی جسے صرف وہ شخص پڑھ سکے گا۔ دوسروں کو خبر نہ ہوگی۔ یہ ہے اس کی شان ستاری۔ بہرحال مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے ایمان کی بہت حفاظت کرے۔ اسی لئے قرآن مجید میں اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی صفت غافر بھی ہے۔ غفار بھی ہے اور غفور بھی۔ غافر بخشنے والا۔ غفار بہت بخشنے والا۔ غفور جس کی عادت ہو بخشنا اور بہت بخشنا بہت طرح بخشنا۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے بخشش کے ہزارہا ذریعہ بنادیئے ہیں جن میں چند ذریعہ بہت مشہور ہیں۔ نمبر ۱۔ ایمان لانا جس سے زمانہ کفر کے سارے گناہ بخشے جاتے ہیں نمبر ۲۔ توبہ کرنا۔ حج و جہاد نمبر ۳۔ بڑے گناہوں سے بچنا کہ یہ ذریعہ ہے چھوٹے گناہوں کی بخشش کا۔ فرماتا ہے۔ **ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عن تكفر عنكم سياتكم** گناہ کرنے کے موقعہ پر خوف خدا سے گناہ سے بچ جانا نمبر ۴۔ فرماتا ہے۔ **ولمن خاف مقام ربه جنتن** نمبر ۵۔ آخری رات میں بعد نماز تہجد اپنے گناہوں پر رونا یہ سب گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہیں۔ اور شان غفوری کے مظہر اور بغیر عمل کچھ دینا یہ رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اعمال صالحہ کا اجر بھی دے گا اور بہت کچھ بغیر عمل بھی عطا فرمائے گا۔ یہ عطیہ دو طرح کا ہے۔ قانون سے دینا اور بغیر قانون عطا فرمانا۔ دنیا میں صدقات جاریہ۔ اولاد۔ شاگرد۔ مرید متبعین کی نیکی سے اسے بھی دینا۔ نیز مسلمانوں کی دعاؤں ایصال ثواب وغیرہ کے ذریعہ عطا فرمانا قانونی رحمت ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ مومنوں کو ثواب بعد قیامت دے گا۔ جیسے دنیاوی حکومتیں۔ پنشن فنڈ کی رقم ریٹائر ہونے کے بعد دیتی ہے۔ اتنا دراز ادھار اس لئے کیا کہ قیامت تک۔ مسلمانوں کو ثواب پہنچتے رہیں۔ جب یہ بند ہو جاویں۔ تب بدلہ دیا جاوے۔ اور ان ثوابوں کا بند ہونا قریب قیامت ہو گا۔ جب مسلمان ختم ہو جاویں گے۔ غرضیکہ یہ رحمت والے عطیے قانونی ہیں اور جنت میں تمام نعمتیں اعمال کی جزا مگر دیدار الٰہی صرف رحمت والا عطیہ کہ یہ کسی عمل کی جزا نہیں۔ مگر یہ عطیہ قانون کے تحت نہ ہو گا۔ بہرحال رحیم کے معنی میں بھی بڑی وسعت ہے۔ اسی لئے یہاں عطاء اجر۔ مغفرت رحمت تینوں چیزوں کا ذکر ہوا۔

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا
سوال کرتے ہیں آپ سے کتاب والے یہ کہ اتار دیں آپ اوپر ان کے ایک کتاب طرف سے آسمان کے پس بیشک سوال
اے محبوب اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دو تو وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال

مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ

کیا تھا انہوں نے موسیٰ سے بہت بڑا اس سے پس وہ بولے کر دکھا دو ہمیں اللہ ظاہر طور پر پس پکڑ لیا انہیں کڑک نے

کر چکے بولے ہمیں اللہ کو علانیہ دکھا دو تو انہیں کڑک نے آ لیا ان کے گناہ کی وجہ

بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا

بوجہ ظلم ان کے پھر بنا لیا انہوں نے بچھڑا پیچھے اس کے کہ آئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں پھر معافی دیدی

پھر بچھڑا لے بیٹھے بعد اس کے کہ روشن آئتیں ان کے پاس آ چکیں تو ہم نے یہ

عَنْ ذٰلِكَ وَاٰتَیْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا (۱۵۳)

ہم نے اس سے اور دی ہم نے موسیٰ کو دلیل کھلی ہوئی۔

معاف فرما دیا اور ہم نے موسیٰ کو روشن غلبہ دیا۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کا ایک عیب بیان فرمایا گیا تھا یعنی سارے نبیوں پر ایمان نہ لانا بعض پر ایمان لانا بعض کا انکار کرنا۔ اب ان میں یہود کا دوسرا عیب بیان ہو رہا ہے۔ یعنی جن نبیوں پر ایمان لانا ان سے بھی لڑنا جھگڑنا گویا ان کے ایک کفر کے بعد دوسرا کفر ارشاد ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے کفر کی جڑ کا ذکر تھا یعنی تمام نبیوں پر ایمان نہ لانا۔ اب اس جڑ کی بعض شاخوں کا ذکر ہے۔ یعنی کفر کے لئے بہانے بنانا کہ کتاب الٰہی آہستگی سے کیوں اتر رہی ہے۔ یکدم کیوں نہ اتری۔ لہٰذا ہم اسے نہیں مانتے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں مومنوں کے اصل ایمان کا ذکر تھا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے۔ اب اشارۃً انہیں اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یعنی نبی کے ہر فرمان پر سر جھکا دینا ان سے کج بحثی۔ ضد، عناد نہ کرنا **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے عفو کرم و مغفرت کا ذکر تھا اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ہم نے ایسے سرکش یہود کو جنہوں نے بچھڑا پرستی وغیرہ جرم کئے تھے۔ ان کے توبہ کرنے پر ان کی بخشش فرما دی۔ لہٰذا اب بھی جو مجرم توبہ کرے ہماری رحمت اسے آغوش میں لینے کو تیار ہے۔ گویا آئندہ مغفرت کا ثبوت گذشتہ مغفرت سے دیا جا رہا ہے۔

شان نزول یہود کے چوٹی کے پوپ و پادریوں نے جن میں کعب ابن اشرف اور فنحاص بن عازورا بھی داخل تھے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں۔ تو ہمارے پاس ایسی کتاب لایئے جو توریت کی طرح یکدم اترے ہم ایسے قرآن پر ایمان نہیں لاتے جو آہستہ آہستہ اتر رہا ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر بیضاوی۔ خازن۔ تفسیر کبیر۔ خزائن العرفان۔ تفسیر نور العرفان۔ روح البیان وغیرہ)

بعض یہود نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم میں سے فلاں فلاں

امیروں ' سرداروں کے نام اللہ کے خاص خطوط لائیے جن میں لکھا ہوا ہے فلاں سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں۔ انہیں مان لو اور یہ خطوط خود جبرائیل ہمارے پاس لادیں۔ تب ہم آپ کو سچا نبی مان لیں گے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن' روح البیان۔ تفسیر کبیر وغیرہ)

ان کے یہ مطالبے محض عناداً " تھے۔

تفسیر **یسئلک اهل الکتب**۔ بنا ہے سوال یا سال سے جس کے معنی پوچھنا بھی ہیں اور مطالبہ کرنا ار مانگنا بھی یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ یسال مضارع ہے یا بمعنی حال یا بمعنی استمراری حالت یعنی مطالبہ کرتے ہیں یا مطالبہ کرتے رہتے ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی یہ مطالبہ ہوا تھا اس لئے کاف خطاب فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا۔ اور چونکہ حضور سے مطالبہ درپردہ رب تعالیٰ سے مطالبہ ہے۔ اس لئے یہاں ان کا مطالبہ کا جواب خود رب تعالیٰ نے دیا۔ اہل کتاب سے مراد یا تو عام یہود ہیں یا ان کے خاص پادری کہ اہل کتاب کے معنی ہیں آسمانی کتاب کو ماننے والے یا آسمانی کتاب کو جاننے والے۔ ماننے والے تو سارے یہود ہیں۔ جاننے والے صرف ان کے پادری۔ اگرچہ یہ مطالبہ کرنے والے ایک دو آدمی ہی تھے۔ مگر چونکہ یہ لوگ اپنی ساری قوم کے نمائندے تھے اس لئے تمام اہل کتاب کو سائل قرار دیدیا گیا۔ امام کی قراءۃ سب کی قراءۃ ہے۔ نمائندوں کا مطالبہ ساری قوم کا مطالبہ ہے۔ **ان تنزل علیهم کتابا من السماء** یہ عبارت **یسالک** کا دوسرا مفعول ہے اس کا پہلا مفعول کاف خطاب ہے تنزل بنا ہے تنزل سے جس کے معنی ہیں آہستگی سے اتارنا مگر یہاں یا مطلقاً " اتارنے کے معنی میں ہے۔ یا ایک دم اتارنے کے معنی میں یعنی بمعنی انزال یا تو تنزل کے معنی ہیں۔ آپ اتروادیں۔ کہ رب تعالیٰ سے دعا کریں یہ کتاب آجاوے جیسے آپ دعا سے بارش وغیرہ اتروادیتے ہیں۔ ایسے ہی ایسی کتاب اتروادیں۔ تب تو یہ سوال واضح ہے یا معنی ہیں کہ آپ اتار دیں تب مقصد یہ ہے کہ آپ بقول خود اللہ کے محبوب ہیں کہ آپ کا کام رب کا کام ہے اور رب کا کام آپ کا کام ہے اسی قاعدے سے ہم کہتے ہیں کہ آپ خود اتار دیں۔ اس بہ نکت کی تحقیق بارہا کی جا چکی ہے۔ کہ قرآن مجید میں بہت جگہ خدائی کام بندوں کے کام قرار دیئے گئے ہیں۔ اور بندوں کے کام رب کے کام۔ علیھم کا مرجع وہ ہی اہل کتاب ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا چونکہ وہ معنی جمع تھا اس لئے یہ ضمیر جمع لائی گئی۔ یہاں ان لوگوں پر کتاب اتارنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ کتاب براہ راست ہم پر اترے۔ آپ پر نہ اترے۔ جیسا کہ شان نزول کی دوسری روایت سے معلوم ہوا ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم میں سے ہر ایک پر الگ الگ ربانی تحریریں آویں جن میں لکھا ہو کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ کی معرفت سے ہم پر ایک دم کتاب اترے۔ اس طرح کہ قرآن کریم آہستگی سے نازل نہ ہو بلکہ توریت کی طرح سارے کا سارا یکدم آجاوے۔ یہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور کتاب آپ پر یکدم اترے جسے ہم اپنی آنکھوں دیکھیں۔ لہذا کتابا " میں بھی تین احتمال ہو سکتے ہیں یا بمعنی خط ہے یا بمعنی قرآن مجید یا بمعنی دیگر کتاب اور تنزل میں بھی تین احتمال۔ خیال

رہے کہ یہود نے یہ نہ کہا کہ آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ کتاب یکدم اتارے بلکہ عرض کیا کہ آپ اتاریں یا تو اس لئے کہ یہود قرآن کریم کو آسمانی کتاب مانتے ہی نہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی کہتے تھے۔ اس صورت میں ان کا یہ کہنا کہ آپ اتاریں طعنہ کے طور پر ہے یا اس لئے کہ وہ اگرچہ زبانی طور پر قرآن مجید کے نزول کے منکر تھے مگر ان کے دل جانتے تھے کہ قرآن کریم آسمان سے نازل ہو رہا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ بہت سی آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق اترتی ہیں جیسے **فلنو لینک قبلة ترضها** لہٰذا انہوں نے مطالبہ کیا کہ آپ یکدم نزول قرآن کی خواہش کریں۔ تاکہ رب تعالیٰ آپ کی مرضی کے مطابق یکدم ہی اتار دے اس صورت میں اتارنے کو آپ کی طرف نسبت کرنا مجاز ہے **فقد سالوا موسی اکبر من ذالک**۔ **فقد** کی ف یا تو جزائیہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ یعنی اگر آپ ان کے مطالبہ کو بہت بڑا مطالبہ سمجھتے ہیں تو یہ لوگ تو موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر چکے ہیں (روح البیان) یا ف **تعلیلیہ** ہے اور یہ جملہ پوشیدہ جملہ کی علت یعنی اے محبوب آپ ان کے اس بیہودہ سوال پر غمگین نہ ہوں کیونکہ یہ لوگ تو موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر چکے ہیں۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ ان یہود مدینہ نے نہ کیا تھا بلکہ ان کے ستر نقیبوں نے کی اتھا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس وقت پہاڑ پر تھے جب رب نے ان سے کلام کیا۔ مگر چونکہ یہ یہود مدینہ انہی کی اولاد سے تھے۔ ان کے اعمال پر راضی تھے۔ اس لئے یہ مطالبہ ان کی طرف منسوب فرمایا گیا۔ اکبر سے مراد یا تو زیادہ حیرت ناک ہے یا زیادہ عجیب یا بڑا گناہ یا بڑا مشکل کیونکہ دنیا میں ان آنکھوں سے رب تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے اور اس کا مطالبہ کرنا بطور عناد کے ہو تو گناہ جیسا کہ آئندہ عرض کیا جاوے گا۔ ذلک سے اشارہ اس مذکورہ مطالبہ کی طرف ہے۔ چونکہ یہ عقل سے بہت دور تھا اس لئے ذلک اشارہ بعید فرمایا گیا۔ یعنی یہ لوگ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے وہ مطالبہ کر چکے ہیں جو اس مطالبہ سے کہیں بڑا حیرتناک کہیں بڑا دشوار کہیں بڑا گناہ **فقالوا ارنا اللہ جھرة**۔ "**فقالوا**" کی ف تفسیریہ ہے اور یہ جملہ اکبر من ذلک کی تفسیر ہے۔ قالو کے فاعل کی وہی تحقیق ہے جو ابھی عرض کی گئی ہے کہ بظاہر یہود مدینہ میں درحقیقت ان کے اسلاف یعنی ستر اصحاب موسیٰ ارنا میں خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے اس کی تحقیق وہی ہے جو ابھی اس جزل میں کی گئی "اس "ار" کا پہلا مفعول ہے۔ لفظ اللہ دوسرا مفعول ہے جھرۃ لفظ اللہ کا حال ہے لفظ جہر بلند آواز کے لئے وضع ہوا ہے جس کا مخالف ہے اخفاء۔ رب فرماتا ہے **یعلم الجھر وما یخفی** مگر اب ہر ظاہری چیز پر استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں ظاہری دیدار مراد ہے جو ان آنکھوں سے ہو۔ بلا تردد و بلا شبہ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام آپ ہمیں رب تعالیٰ کی ذات ظاہر ظہور دکھا دیجئے جس میں ہم کو کوئی تردد نہ رہے۔ خیال رہے کہ جھرۃ کہہ کر ان لوگوں نے دو مطالبے کر دیئے ایک یہ کہ دیدار الٰہی خواب یا خیال یا کشف سے نہ ہو بلکہ ان آنکھوں سے جو بیداری میں کھلی رہتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ آنکھوں والا دیدار ہر ایک کو الگ الگ نہ ہو بلکہ ہم ستر آدمی بیک وقت دیکھیں۔ یاد رکھو کہ لفظ "ار" قرآن کریم میں دکھانے کے لئے بھی ارشاد ہوتا ہے اور سمجھانے کے

لئے خواب و خیال کے لئے بھی جیسے **ارنا مناسکنا** یعنی ہم کو ارکان حج سمجھا دے اور **انی اری فی المنام انی اذبحک** رب تعالیٰ کا دیدار خواب یا خیال کی آنکھوں میں ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے مگران آنکھوں سے اسی دنیا میں رہ کر دیدار ناممکن ہے۔ جہرۃ نے یہ مسئلہ بالکل حل فرما دیا کہ انہوں نے وہ ناممکن دیدار رب سے مانگا۔ **فاخذ تھم الصعقۃ بظلمھم** ف **تعقیب** بلا تراخی کے لئے ہے یعنی یہ مطالبہ کرتے ہی فوراً ان پر یہ عذاب آگیا۔ صاعقہ بنا ہے صعق سے۔ بمعنی بیہوشی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فصعق من فی السموت والارض** صاعقہ کے معنی بیہوش کرنے والی یا ہلاک کرنے والی چیز اس سے مراد وہ غیبی آسمانی عذاب ہے، جو ان مطالبہ کرنے والوں پر آیا اور انہیں ہلاک کر گیا۔ یا کوئی اور عذاب آسمانی۔ (مدارک' بیضاوی' روح البیان وغیرہ)

بظلمھم کی ف سببیہ ہے ظلم سے مراد ہے ان کا اپنی جان پر ظلم کرنا یعنی اپنے نبی پر ناجائز سوال کرنا یا ناممکن چیز کی دعا کرنا یا اپنے نبی کا اعتبار نہ کرنا۔ خیال رہے کہ ان اسرائیلیوں کا یہ مطالبہ شوق دیدار الٰہی میں نہ تھا بلکہ اپنے نبی پر بے اعتقادی کی بنا پر تھا کہ ہم کو تمہارا اعتبار نہیں۔ رب تعالیٰ ہم سے خود براہ راست کلام کرے احکام سنائے یہ کفر ہے اس لئے اس مطالبہ کو ظلم فرمایا گیا۔ یعنی یہ مطالبہ کرتے ہی ان پر غیبی آسمانی عذاب آگیا۔ جس نے انہیں ہلاک کر دیا۔ یہ واقعہ سورہ بقر شریف میں گزر چکا ہے۔ **ثم اتخذوا العجل من بعد ما جاء تھم البینت** یہ بنی اسرائیل کے دوسرے جرم کا ذکر ہے یعنی ان کا بچھڑا پرستی چونکہ یہ واقعہ کچھ بعد میں ہوا اس لئے ثم فرمایا گیا۔ عجل سے مراد وہی بچھڑا ہے جو سامری نے فرعونی سونے سے بنایا تھا۔ **اتخذوا** کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے "الٰہا" بینات جمع ہے **بینۃ** کی۔ بمعنی روشن دلیل اسی لئے گواہی کو بینہ کہا جاتا ہے۔ یہاں بینات سے مراد عصا موسوی۔ ید بیضا۔ دریا کا چیرنا وغیرہ معجزات ہیں نہ کہ آیات توریت کیونکہ ابھی تک توریت نہ آئی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام توریت لینے ہی تو گئے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر کہ ادھر اسرائیلیوں نے یہ ستم ڈھا دیا کہ بچھڑا پرستی شروع کر دی۔ یہ واقعہ بھی سورہ بقر میں گزر چکا **فعفونا عن ذلک** ف **تعقیبیہ** ہے۔ عفو کے معنی ہیں مٹانا۔ چونکہ معافی سے گناہ مٹ جاتا ہے اس لئے اسے عفو کہہ دیتے ہیں۔ ذلک سے اشارہ بچھڑا پرستی کی طرف ہے۔ یعنی اس قدر بڑے جرم کے بعد بھی ہم نے ان کو معافی دیدی کہ انہیں جڑ سے نہ اکھیڑ دیا۔ بالکل نیست و نابود نہ کر دیا۔ اگرچہ ان کا یہ گناہ اس ہی قابل تھا کہ انہیں بالکل فنا کر دیا جاتا اس توجیہ سے آیت پر کوئی اعتراض نہیں **واتینا موسی سلطنا مبینا** یہ ان اسرائیلیوں کی انتہائی سرکشی کا ذکر ہے۔ سلطان سے مراد ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ظاہر و باہر معجزات۔ جو ان کی سچائی پر دلالت کریں یعنی باوجودیکہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات ظاہرہ عطا فرمائے مگر یہ ایسے سرکش لوگ ہیں کہ انہوں نے ان کی مخالفت ہی کی۔ آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ سارا قرآن یکدم لائیے اور موسیٰ علیہ السلام ساری توریت یکدم لائے تو ان سے مطالبہ کرتے تھے کہ ہمیں رب کو ظاہر ظہور دکھائیے۔ ان کے یہ تمام مطالبے محض عناد سے ہیں۔ تحقیق حق کے لئے نہیں۔

خلاصہ تفسیر گزشتہ تفسیر سے پتہ لگ گیا۔ کہ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہود مدینہ محض عناد کے طور پر آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ پورا قرآن ایک دم اتار کر لاویں۔ تب ہم ایمان لاویں گے۔ ہم ایسے قرآن کو نہیں مانتے جو آہستہ آہستہ اترے دوسرے یہ کہ یہود مدینہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس خدائی خط آسمان سے اتاریں۔ جس میں لکھا ہو کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ تب ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ تیسری یہ کہ قرآن مجید کے علاوہ اور کوئی کتاب آپ آسمان سے اتاریں جو یکدم اترے۔ اے محبوب آپ ان کی ایسی بیہودہ باتوں سے ملول نہ ہوں۔ انہوں نے تو اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وہ مطالبہ کیا جو اس مطالبہ سے کہیں زیادہ حیرتناک کہیں زیادہ شرارتی تھا۔ ان سے تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کو اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھا دیجئے جو ہمارے سامنے آکر ہم کو آپ کی نبوت کی خبر دے۔ ہم آپ کی بات نہ مانیں گے۔ اس مطالبے کی سزا انہیں دی گئی کہ انہیں غیبی عذاب یا غیبی آگ یا غیبی کڑک نے ہلاک کر دیا۔ پھر اس کے بعد انہی یہودیوں نے یہ غضب کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے کھلے معجزات دیکھنے کے باوجود بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ مگر ہم ایسے رحیم و کریم ہیں کہ اس جرم کی بھی انہیں معافی دے دی۔ وہ اس عبادت پر بالکل ہلاک کر دینے کے مستحق تھے۔ مگر ہم نے انہیں ہلاک نہ کیا۔ وہ گناہ پر گناہ جرم پر جرم کرتے رہے ہم معافی پر معافی دیتے رہے۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ عنایت کیا۔ کھلے معجزات دیئے مگر یہ لوگ بغاوت اور مطالبے ہی کرتے رہے۔ جب ان کا معاملہ اپنے نبی کے ساتھ یہ رہا تو اگر آپ سے یہ لوگ ایسے بیہودہ مطالبے کریں تو ان سے کیا بعید ہے لہٰذا آپ اس سے بالکل ملول و غمگین نہ ہوں۔ اگر بارش سے شورہ زمین سرسبز نہ ہو تو بارش کا قصور نہیں۔ شعر:۔

☆ در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ☆ خاک شو تاگل بروید رنگ رنگ ☆

خیال رہے کہ سلطان کے معنی ہیں غلبہ۔ اب غلبہ خواہ دلائل سے ہو یا معجزات سے یا قوت و طاقت سے یا یوں ہی قدرتی طور سے رعب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کو عطا فرمایا خود فرماتا ہے۔ **لا غلبن انا ورسلی** مگر موسیٰ علیہ السلام کو تو بیمثال غلبہ دیا کہ فرعون نے آپ کی ولادت سے پہلے اسرائیلیوں کے اسی ہزار بچے ذبح کرا دیئے تاکہ آپ دنیا میں نہ رہیں۔ مگر آپ دنیا میں رہے بلکہ خود فرعون کی گود میں رہے۔ وہاں پرورش پائی پھر مدائن سے آنے پر تمام فرعونیوں سے مقابلہ کیا۔ جادوگر مقابلہ میں آئے مگر غالب آپ ہی رہے۔ یا مراد ہے قدرتی رعب رب تعالیٰ نے یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کو علی وجہ الکمال بخشا تھا۔ دیکھو! اسرائیلی ہارون علیہ السلام کے کہنے پر بت پرستی سے باز نہ آئے مگر آپ کو دیکھتے ہی سہم گئے آپ نے جو کہا اس پر عمل کیا اور آپ کے سامنے توبہ کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ ہے آپ کا رعب خداداد یہ ہے سلطان مبین۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** ہدایت محض رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملتی ہے اس کا فضل شامل حال نہ ہو تو علم، عقل، اچھی صحبت مقدس مقام پر رہنا نبی کی اولاد ہونا سب بیکار ہے۔ دیکھو یہ اہل کتاب موسیٰ علیہ السلام کی اولاد تھے توریت کے بڑے عالم تھے۔ مدینہ شریف میں رہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے جاتے تھے مگر رہے کافر بے دین ہمیشہ حجت بازیاں ہی کرتے رہے کیونکہ اللہ کا فضل و کرم ان کے شامل حال نہ تھا یہ فائدہ **یسئلک اهل الکتب** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** بحث مباحثہ فضول مطالبے دل میں سختی پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اطاعت کا جذبہ عطا فرمائے مومنین صحابہ نے زیادہ حجتیں نہ کیں یہ فائدہ بھی یسالک سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** جب رب تعالیٰ کسی کا دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے۔ دیکھو ان بے دین یہودیوں نے اتنا نہ جانا۔ کہ سچے نبی کچی کتاب پر ایمان لانا چاہیے۔ خواہ کتاب یکدم آئے یا آہستہ۔ ہے تو کتاب الٰہی۔ ان عاقلوں نے بچوں کی سی ضد کی کہ اگر سارا قرآن یکدم آئے تب تو ہم ایمان لائیں گے ورنہ نہیں یا اگر ہمارے سب کے پاس رب تعالیٰ کے خطوط آجاویں تب تو ہم ایمان لائیں گے ورنہ نہیں۔ کبھی کہتے کہ اگر میکائیل علیہ السلام یہ قرآن لاتے تو ہم مان لیتے چونکہ حضرت جبرائیل لاتے ہیں اس لئے ہم نہیں مانتے وغیرہ وغیرہ یہ سب ضدیں بے عقل بچوں کی سی ہیں جو یہ عاقل کرتے تھے۔ **چوتھا فائدہ** حضور کا منکر یہودی ہو یا عیسائی درحقیقت اپنے نبی کو بھی نہیں مانتا دیکھو رب تعالیٰ ان ضدی یہود کو خاموش فرمانے کے لئے ان کی وہ ضدیں بیان فرمائیں جو وہ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے تھے اس سے یہ ہی بتانا مقصود ہے کہ تم اپنے نبی کو بھی نہیں مانتے ان سے بھی ضد ہی کرتے رہے اگر ان محبوب کو نہ مانو تو تم سے کیا بعید ہے۔ **پانچواں فائدہ** باپ دادوں کے اعمال کا اولاد پر اور اولاد کے اعمال کا باپ دادوں پر اثر پڑتا ہے۔ جب کہ وہ ان اعمال سے راضی ہوں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے دیدار الٰہی کا مطالبہ ان یہود مدینہ نے نہ کیا تھا بلکہ ان کے بڑے پرانے باپ دادوں نے کیا تھا۔ مگر یہود مدینہ کو اس کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ کیونکہ یہ ان کے نقش قدم پر تھے **چھٹا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نبیوں سے مانگ سکتے ہیں یہ شرک یا کفر نہیں۔ دیکھو یہود نے دیدار الٰہی موسیٰ علیہ السلام سے مانگا اور قرآن کریم کا یکدم نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا۔ رب تعالیٰ نے ان دونوں سوالوں کو شرک قرار نہ دیا۔ یہ نہ فرمایا کہ انہوں نے یہ نعمتیں براہ راست ہم سے کیوں نہ مانگیں لہٰذا یہ مشرک ہو گئے۔ بلکہ دوسرے طریقہ سے انہیں روکا گیا۔ حضرت ربیعہ ابن کعب نے حضور سے جنت مانگی۔ ایمان و عرفان مانگا۔ جب فرعونیوں پر خون۔ جوں۔ مینڈک وغیرہ کے عذاب آتے تھے تو وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرتے تھے۔ **لئن کشفت عنا الرجز لنومنن لک ولنرسلن معک بنی اسرائیل** اے موسیٰ اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دفع فرمادیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے عذاب دفع کرنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے بھی ان کے قول کو شرک قرار نہ دیتا تھا بلکہ ان سے عذاب دفع فرمادیا تھا۔ فرماتا ہے **فلما کشفنا عنهم العذاب** الخ لہٰذا ہم بھی حضور سرور دو

جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، توفیق، دولت اور جو مانگ سکتے ہیں یہ چیزیں جنت سے بڑھ کر نہیں اس لئے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو امیروں، حاکموں حکیموں سے ہر وقت چندہ، دوا وغیرہ مانگتے ہیں۔ لیکن حضور سے کچھ مانگنے کو شرک کہتے ہیں۔ شعر:

☆ محمد از تو می خواہم خدا را ☆ خدایا از تو عشق مصطفیٰ را ☆

ساتواں فائدہ عادۃً ناممکن چیز کی دعا کرنا ممنوع ہے جس پر عذاب الٰہی آسکتا ہے۔ دیکھو اسرائیلی برسوں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے مگر پھر بھی موسیٰ علیہ السلام پر آکڑتے رہے اور صرف چالیس دن کے لئے موسیٰ علیہ السلام باہر گئے۔ حالانکہ ہارون علیہ السلام کو ان میں چھوڑ گئے تھے مگر یہ لوگ رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو بھول گئے بچھڑے کے پجاری بن گئے۔ حضور کے صحابہ نے نہ کبھی حضور کے حکم سے سرتابی کی نہ کبھی بد عقیدگی بد عملی سے گرفتار ہوئے حالانکہ ان میں بعض وہ لوگ تھے جو فتح مکہ میں یا اس کے بعد ایمان لائے۔ جب حضور کی وفات بہت قریب تھی۔ بعض نے صرف ایک آنحضور کی زیارت کی۔ رب تعالیٰ نے اعلان فرمادیا **كلا وعد الله الحسنى** یونہی حضور کی امت تمام امتوں سے افضل ہے کہ یہ سب لوگ کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ **دسواں فائدہ** نیت بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں دیکھو بنی اسرائیل نے دیدار الٰہی کا مطالبہ اس لئے کیا کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام پر اعتماد نہ تھا۔ وہ سزا کے مستحق ہوئے مگر موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی کی تمنا شوق و عشق میں کی ان کی محبوبیت اور زیادہ ہوگئی چیز ایک ہے مگر نیت میں فرق کی بنا پر احکام جداگانہ۔ **گیارہواں فائدہ** بڑے سے بڑا مجرم بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش سے ناامید نہ ہو اس کا کرم بندے کے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے یہ فائدہ **عفونا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو بنی اسرائیل کے ناجائز مطالبے بلکہ بچھڑا پرستی بھی معاف ہو گئے۔ **بارہواں فائدہ** رعب یعنی لوگوں کے دلوں میں کسی کی ہیبت بیٹھ جانا رب تعالیٰ کا خاص کرم ہے یہ فائدہ **"سلطانا مبينا"** سے حاصل ہوا دیکھو بنی اسرائیل ہارون علیہ السلام کی تبلیغ پر بچھڑا پرستی سے باز نہ آئے مگر موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر ہی گھبرا گئے اور آپ کے فرمان پر فوراً توبہ کر بیٹھے یہ تھا رعب موسوی جسے یہاں سلطان مبین یعنی کھلا غلبہ فرمایا گیا۔ **شعر:**

☆ ہیبت حق است ایں از خلق نیست ☆ ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست ☆

پہلا اعتراض اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا یہ مطالبہ پورا کیوں نہ فرمایا جب کفار کے مطالبہ پر چاند چیر دیا گیا۔ کنکر پتھروں سے کلمہ پڑھوا دیا گیا تو یہ مطالبہ بھی پورا کر دیا جاتا۔ کہ ان لوگوں پر غیبی خط آجاتے جنہیں پڑھ کر یہ لوگ مسلمان ہو جاتے یہ چیز ناممکن تو نہ تھی بلکہ ان مذکورہ معجزات سے زیادہ آسان تھی۔ **جواب** اس لئے کہ وہ لوگ یہ مطالبہ محض عناد سے کر رہے تھے۔ وہ یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے اور اگر منہ مانگا معجزہ دیکھ کر ایمان نہ لایا جاوے تو عذاب الٰہی آجاتا ہے جیسا کہ مائدہ والوں کا انجام ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دنیا میں عذاب غیبی بند ہو چکے تھے لہٰذا ان کا یہ مطالبہ پورا نہ کیا گیا۔ **دوسرا اعتراض** دیدار الٰہی کے مطالبہ کو اس مطالبہ سے زیادہ بڑا (اکبر) کیوں فرمایا گیا کہ فرمایا **فقد**

سالوا موسیٰ اکبر من ذلک۔ **جواب** اس لئے کہ دنیا میں ان آنکھوں سے دیدار الٰہی اگرچہ محال عقلی نہیں مگر محال عادی ضرور ہے اور ساری کتاب اللہ کا ایک دم آنا یا لوگوں کے پاس غیبی خطوط آنا بالکل محال نہیں بلکہ ان کا وقوع ہوا ہے۔ اور ہو سکتا ہے لہٰذا وہ مطالبہ اس سے سخت تر ہے بعید تر ہے۔ **تیسرا اعتراض** بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے دیدار الٰہی کا مطالبہ کیا تو عذاب الٰہی کے مستحق ہو گئے مگر خود موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے یہی دعا کی تو محبوب رہے اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اس کا جواب فوائد میں گزر چکا کہ ان دونوں سوالوں کی وجہ میں فرق تھا۔ ان اسرائیلیوں نے موسیٰ علیہ السلام پر بے اعتقادی کی وجہ سے یہ سوال کیا کہ بولے **لن نومن لک حتٰی نری اللہ جھرۃ**۔ اس بے اعتقادی کی وجہ سے وہ معتوب یا معذب ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شوق دیدار الٰہی میں یہ عرض کیا تھا لہٰذا وہ محبوب رہے۔ دیکھو قابیل نے اپنے نبی باپ کو ستایا وہ عذاب کا مستحق ہوا اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے نبی باپ یعقوب علیہ السلام کو دکھ پہنچایا مگر یہ لوگ آخر مقرب ہو گئے کیونکہ قابیل کی یہ حرکت ایک عورت کے عشق میں تھی اور ان کا یہ کام حضرت یعقوب علیہ السلام کا محبوب بننے کے لئے تھی **یخل لکم وجہ ابیکم** اس لئے یہ فرق ہوئے **چوتھا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی کا جرم معاف کر دیا گیا مگر سورہ بقرہ میں گزرا کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ **واقتلوا انفسکم** دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** سارے بچھڑا پرست قتل نہ کیے گئے کچھ قتل کیے گئے کچھ کو معاف کر دیا گیا۔ جو قتل کیے گئے انہیں بعد قتل معاف فرما دینا بھی معافی ہے اگر رب تعالیٰ دنیا میں ہم کو سزا دے کہ آخرت کے عذاب سے بچالے تو یہ بھی اس کی معافی ہے۔ یا اس معافی کا مطلب یہ ہے کہ تمام قوم اسرائیل ہلاک نہ کر دی گئی وہ اس جرم کی وجہ سے اس کے مستحق ہو چکے تھے۔ **پانچواں اعتراض** دنیا میں دیدار الٰہی ممکن ہے یا ناممکن۔ اگر ممکن ہے تو اس کے مطالبہ کی وجہ سے ان اسرائیلیوں پر عذاب کیوں آ گیا۔ اور وہ ہلاک کیوں کر دیئے گئے اور اگر ناممکن ہے جس کی دعا ناجائز ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ خواہشیں کیوں کی۔ حضرات انبیاء کرام گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ **جواب** دنیا میں دیدار الٰہی ممکن بالذات ہے ناممکن بالغیر ہے ناممکن بالذات کی دعا کرنا ممنوع ہے۔ جیسے آج کوئی کہے خدایا مجھے نبی بنا دے یا مجھے فرشتہ بنا دے۔ یا مجھے خدا بنا دے نعوذ باللہ ایسی دعائیں مانگنے والا سخت گناہ گار ہے اور ناممکن بالغیر کی دعا مانگنا۔ کبھی جائز ہے کبھی ناجائز۔ چونکہ بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ شوق دیدار سے نہ تھا بلکہ عناداً تھا لہٰذا سزا کے مستحق ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ تمنا شوق دیدار سے تھی۔ لہٰذا وہ محبوب رہے جیسے کوئی آج ہی جنت میں پہنچ جانے کی دعا کرے شوق و عشق کی بنا پر ہے تو گناہ نہیں ورنہ گناہ ہے۔ **چھٹا اعتراض** یہاں بچھڑا پرستی کے ساتھ یہ کیوں فرمایا گیا **من بعد ما جاءتھم البینت** کیا بغیر روشن آیات دیکھے بت پرستی جائز ہے بت پرستی بہرحال شرک ہے خواہ روشن آیات دیکھنے کے بعد ہو یا اس کے بغیر۔ **جواب** یہ ذکر ان کی زیادتی جرم بیان فرمانے کے لئے ہے بےخبر آدمی کا گناہ ایک گناہ ہے اور خبردار کا گناہ ڈبل گناہ ہے۔ نیز جس پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام زیادہ ہوں۔ اس کا گناہ کرنا سخت

سزا کا باعث ہے۔ بنی اسرائیل پر رب تعالیٰ نے خصوصی انعام بہت فرمائے تھے۔

تفسیر صوفیانہ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی حیثیت کے لائق سوال کرے۔ اپنی حیثیت سے زیادہ کا مطالبہ کرنے والا محروم رہتا ہے۔ نیز لایعنی اور غیر مفید سوالات کرنے والے کا انجام شامت ہے۔ سوالات میں الجھے ہوئے دلائل میں پھنسے ہوئے لوگ آخر ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ اگر توفیق خداوندی دستگیری نہ کرے تو انسان نبی بلکہ فرشتوں بلکہ خدا کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتا۔ اور اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو تو نبی کو سن کر ہی ایمان لے آتا ہے۔ دیکھو یہود مدینہ کی دستگیری توفیق خیر نے نہ کی تو وہ واہیات مطالبے ہی کرتے رہے کبھی کہتے کہ حضرت جبرائیل قرآن لاتے ہیں اس لئے ہم اسے نہیں مانتے۔ اگر حضرت میکائیل لاتے تو ہم مان لیتے کبھی کہتے کہ قرآن ایک دم نہیں اترا اس لئے ہم نہیں مانتے اگر ایک دم اترتا تو ہم مان لیتے۔ اگر ان بدنصیبوں کے تمام مطالبے پورے کر بھی دیئے جاتے۔ تب بھی وہ ایمان نہ لاتے۔ حضرت ابو بکر صدیق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعثت مجھے نبی بنایا گیا۔ تو آپ نے فوراً فرمایا صدقت آپ سچے ہیں نہ کوئی مطالبہ کیا نہ کچھ پس وپیش فرمایا حضرت اویس قرنی نے صرف سن کر سب کچھ مان لیا۔ آخر کیوں اس لئے کہ توفیق شامل حال تھی۔ یہ آیت کریمہ ہم لوگوں کے لئے باعث عبرت ہے۔ (روح البیان)

علمائے یہود بڑے بدنصیب تھے کہ انہیں رہبر بنایا گیا تھا مگر وہ رہزن بن گئے۔

شعر:۔

☆ راہ زن راہ بر نہیں ہوتے ☆ رہبرو تم میں راہزنی کیوں ہے ☆

اللہ تعالیٰ توفیق خیر دے۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ
اور اٹھایا ہم نے اوپر ان کے طور کو ان کا وعدہ لینے کے لئے اور کہا ہم نے ان سے کہ داخل ہو تم اس دروازے میں
پھر ہم نے ان پر طور کو اونچا کیا ان سے عہد لینے کو اور ان سے فرمایا کہ دروازے میں سجدہ کرتے داخل
سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا
سجدہ کرتے اور ہم نے ان سے کہا کہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نہ بڑھو اور لیا ہم نے ان سے وعدہ
ہو اور ان سے فرمایا کہ ہفتہ میں حد سے نہ بڑھو اور ہم نے ان سے گاڑھا
غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾
مضبوط
عہد لیا

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** آیت میں یہود کی سرکشیوں کا ذکر تھا۔ اب ان کی نافرمانیوں کا تذکرہ ہے۔ گویا اصل کا ذکر فرمانے کے بعد شاخوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ سرکشی اصل ہے اور نافرمانی اس کی شاخ۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے ان جرموں کا ذکر تھا جو توریت شریف آنے سے پہلے انہوں نے کئے۔ دیدار الٰہی کا مطالبہ بچھڑا پرستی۔ اب ان کے ان جرموں کا ذکر ہے جو نزول توریت کے بعد انہوں نے کئے تاکہ معلوم ہو کہ ان کی سرکشی نہ نبی اللہ کی صحبت سے کم ہوئی نہ کتاب اللہ کے نزول سے۔ چونکہ نبی کی ہدایت کتاب کی ہدایت سے اعلیٰ ہے۔ اس لئے اعلیٰ کے بعد ادنیٰ کا ذکر فرمایا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے جرموں کے بعد حق تعالیٰ کی معافیوں کا ذکر تھا۔ اب رب تعالیٰ کی معافیوں کے بعد ان کے جرموں کا ذکر ہے تاکہ پتہ چلے کہ ادھر سے عطا میں رہیں مگر ان کی طرف سے خطائیں۔ **شعر:۔**

☆ مجھ خطا کار پر عطا پہ عطا ☆ اے مرے مہرباں ترے صدقے ☆

تفسیر ورفعنا فوقھم الطور بمیثاقھم اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے وہ تین جرم بیان فرمائے جو مختلف زمانوں میں ان سے صادر ہوئے پہلا جرم و سرکشی وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں انہوں نے کیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام توریت لے کر ان کے پاس تشریف لائے تو یہود بولے **سمعنا و عصینا** ہم نے احکام الٰہیہ سن تو لئے مگر کریں گے نافرمانی۔ تو رب تعالیٰ نے ان پر طور اکھاڑ کر شامیانہ یا بادل کی طرح لاکھڑا کر دیا کہ یا تو مانو ورنہ گرتا ہے تم پر۔ اس کا ذکر اسی جملہ میں ہے۔ رفع کے معنی ہیں طور اکھیڑ کر اس قوم پر اٹھا دینا۔ اگرچہ یہ کام فرشتوں کا تھا مگر چونکہ رب تعالیٰ کے حکم سے تھا یا چونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں۔ ان کا کام گویا رب تعالیٰ ہی کا کام اس لئے اسے رب نے اپنی طرف نسبت دیکر فرمایا **ورفعنا** ہم نے اٹھا دیا۔ اونچا کر دیا۔ **فوقھم** فرما کر یہ بتایا کہ یہاں رفع مجازاً کسی اور معنی میں نہیں بلکہ حقیقتاً اٹھایا گیا۔ اور ان کے اوپر لایا گیا گویا فوق نے رفع کے معنی مقرر فرما دیئے ھم کا مرجع وہ تمام یہود ہیں جنہوں نے احکام توریت ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ طور وہ ہی مشہور پہاڑ ہے جو وادی مقدس طویٰ میں واقع ہے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی۔ یہاں ہی توریت دی گئی یہاں ہی موسیٰ علیہ السلام رب تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے۔ یہ گنہگار طور کے قریب تک تو پہنچا مگر اس پر جا نہ سکا۔ دمشق سے قریب ہے۔ دمشق کی حاضری میں نے دی ہے۔ **بمیثاقھم** میں ب سببیہ ہے۔ وعدہ۔ عہد اور میثاق کے فرق ہم پہلے پارہ میں اس آیت کے ماتحت بیان کر چکے ہیں۔ **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** الخ یہاں میثاق سے مراد یا دین موسوی پر قائم رہنے کا وعدہ ہے یا یہ وعدہ ہے کہ اگر ہم دین سے پھر جائیں تو سخت عذاب کے مستحق ہوں گے یا توریت کے ماننے اس پر عمل کرنے کا عہد و پیمان ہے۔ تیسرے معنی بہت موزوں و مناسب ہیں۔ (کبیر وغیرہ)

چونکہ توریت کے احکام بہت سخت تھے اور آئے یکدم لہٰذا وہ اس کے ماننے سے انکاری ہوگئے۔ تب یہ واقعہ پیش آیا۔ **وقلنالهم ادخلوا الباب سجدا** یہ یہود کا دوسرا جرم ہے۔ یہ واقعہ کب ہوا اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہی ہوا۔ جب یہ لوگ میدان تیہ میں قید تھے۔ اس زمانہ میں انہیں شہر اریحا میں جاکر توبہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس صورت میں "الباب" سے مراد اریحا شہر کا دروازہ ہے اور "سجدا" سے مراد ہے۔ باادب جھکے ہوئے داخل ہونا یا نوافل پڑھ کر داخل ہونا۔ باادب یہ سجدہ توبہ کے لئے تھا داخلہ کے وقت تھا ادب کے لئے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات شریف کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا جب یہ لوگ تیہ کی قید ختم کر چکے۔ تب انہیں بیت المقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ اس صورت میں باب سے مراد شہر بیت المقدس کا دروازہ ہے۔ اور یہ سجدہ سجدہ شکر ہے جس میں ادب شہر ملحوظ ہے۔ اس کی پوری بحث ہم پہلے پارہ کر چکے ہیں۔ بہرحال یہاں الباب سے مراد اریحا شہر کا دروازہ ہے۔ یا بیت المقدس کا دروازہ اور سجدہ سے توبہ کا سجدہ مراد ہے یا سجدہ شکر لیکن قوی یہ ہے کہ یہ سجدہ توبہ تھا۔ کیونکہ قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا **ادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة** یعنی سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو معافی معافی۔ اگر سجدہ شکر ہوتا تو الحمدللہ کہلوایا جاتا۔ **حطة** کہلوانے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سجدہ توبہ کا تھا۔ ہر موقعہ کے لئے ذکر الٰہی علیحدہ ہے **وقلنا لهم لا تعدوا فى السبت** یہ یہود کے تیسرے جرم کا ذکر ہے۔ **لا تعدوا** بنا ہے عدو سے بمعنی حد سے آگے بڑھ جانے والا۔ سبت سے مراد ہفتہ کا دن ہے۔ یہود پر لازم تھا کہ ہفتہ کے دن نہ کوئی دنیاوی کاروبار کریں نہ مچھلی کا شکار یہ دن خالص عبادت الٰہی کے لئے وقف رکھیں۔ مگر یہود نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں مچھلی کا شکار یہ دن خالص عبادت کے لئے وقف رکھیں۔ مگر یہود نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں مچھلی کا شکار کیا جس پر عذاب الٰہی آگیا۔ اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا اور انشاء اللہ سورہ اعراف میں بھی آئے گا۔ **واخذنا منهم ميثاقا غليظا**۔ اس میثاق سے یا تو وہی میثاق مراد ہے جو ابھی مذکور ہوا کہ طور سروں پر مسلط ہے اور ان سے یہ عہد لیا جا رہا ہے۔ یا ان لوگوں سے کہا گیا تھا کہ اگر تم نے اس وعدے کی خلاف ورزی کی تو تم کو ایسا سخت عذاب دیا جاوے گا جو کسی کو نہ دیا گیا ہو۔ غرض میثاق غلیظ سے نہایت مضبوط وعدہ مراد ہے خواہ یہ ہی جو یہاں مذکور ہے یا اور دوسرا عہد۔ خیال رہے کہ یہ عہد میثاق اگرچہ بواسطہ موسیٰ علیہ السلام و یوشع علیہ السلام داؤد علیہ السلام ہوئے مگر چونکہ رب تعالیٰ کے حکم سے تھے یا چونکہ رب تعالیٰ کے محبوبوں سے عہد رب تعالیٰ سے عہد ہے اس لئے اخذنا میں عہد لینے کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرمایا۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ یہود جو آج بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہیں اور قرآن کریم پر ایمان لانے کے لئے اگر مگر کر کے ایچ پیچ کر رہے ہیں کہ اگر قرآن یکدم آجاتا تو ہم ایمان لے آتے۔ ان کی اپنی سیاہ کاریوں کا یہ عالم ہے کہ جب ان کے نبی موسیٰ علیہ السلام جن کے بہت سے معجزات دیکھ چکے تھے اور جن کے امتی ہونے کا یہ دعویٰ کرتے تھے۔

جب وہ توریت لائے تو یہ لوگ توریت کے ماننے سے ہی انکار کر گئے تھے اور بولے کہ ہم نے سب کچھ احکام تو سن لئے مگر مانیں گے نہیں۔ آخر کار ہم نے پورا طور پہاڑ اکھیڑ کر ان کے سروں پر لا کھڑا کیا اور فرمایا کہ توریت کو مانو ورنہ تم پر گرتا ہے تب خوف کے مارے ان کے ماننے کا وعدہ کیا۔ توریت تو ایک دم ہی آئی تھی۔ ان کی اپنی کتاب تھی۔ ان کے نبی موسیٰ علیہ السلام پر آئی تھی۔ پوچھئے اس کا انکار کیوں کیا۔ کیا پھر موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب انہیں میدان تیہ کی قید سے رہائی ملی اور یوشع علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بیت المقدس میں داخل ہو مگر اس طرح کہ اسی شہر کا احترام کرتے ہوئے سجدہ کناں داخل ہو یا اس طرح کہ باادب جھکے ہوئے داخل ہو یا اس طرح کہ نفل پڑھ کر داخل ہو مگر یہ چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے وہاں گئے اور بجائے معافی مانگنے کے گندم مانگتے گئے یہ ایسے ڈھیٹ ہیں کہ پناہ خدا۔ پھر ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کرو مگر یہ نہ مانے اور داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں وہ حیلہ بہانہ بنا کر مچھلی کا شکار کرتے رہے۔ آخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ ایسے بد عہد لوگ اگر آپ پر ایمان نہ لائیں تو آپ غم نہ کریں۔ ان کا ایمان قبول نہ کرنا ان کی اپنی ضد کی وجہ سے ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں ایسے ہی حضور کی امت تمام امتوں کی سردار ہے۔ اس سرداری کی بہت وجہیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ امت بہت ہی اطاعت شعار وفادار ہے۔ اسلام کے سارے احکام اس امت نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کر لئے دیکھو یہود نے توریت شریف قبول تو کی مگر جب کہ پہاڑ سر پر لا کھڑا کیا گیا تفسیر صاوی میں ہے کہ جب ان پر طور پہاڑ لایا گیا تو یہ سجدے میں گر گئے اور زبان سے بولے قبول کر لیا مگر سجدہ اس طرح کیا کہ پیشانی کا ایک حصہ زمین پر تھا اور آنکھیں پہاڑ پر لگی ہوئیں۔ اب تک یہود کا سجدہ ایسا ہی ہوتا ہے (صاوی) گویا اب بھی دل سے نہ مانا صرف زبان سے ماننے کا اقرار کر لیا۔ حضرات صحابہ نے قرآنی احکام مان کر عمل کر کے دکھا دیئے۔ خیال رہے توریت کے آنے کا دن یہود کے لئے مصیبت و آفت کا دن تھا۔ مگر قرآن مجید کے آنے کا دن بلکہ اس کی آمد کا مہینہ مسلمانوں کی عید کا دن عید کا مہینہ ہے۔ چنانچہ ماہ رمضان اور شب قدر مسلمانوں کی خوشی کے دن ہیں۔ کہ اب چودہ سو برس کے بعد بھی مسلمان قرآن کے نزول کے مہینہ میں شکریہ کی عبادات کرتے ہیں خوشیاں مناتے ہیں یوں ہی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مہینہ دن تاریخ مسلمانوں کی عیدوں کے دن ہیں یہ ہے فرق قوم موسوی اور قوم محمدی میں۔ دوسرا فائدہ قرآن کریم کا آہستہ آہستہ ۲۳ سال میں اترنا اللہ کی خاص رحمت ہے۔ دیکھو توریت کے سارے احکام یک دم آنے سے یہود گھبرا گئے۔ مسلمانوں کو سارے احکام آہستگی سے منوا دیئے گئے۔ تیسرا فائدہ جب بندہ کو رب تعالیٰ سے بہت قرب ہو جاتا ہے تو بندے کے کام کو رب تعالیٰ اپنا کام قرار دیتا ہے فرماتا ہے میں نے کیا اور رب تعالیٰ کے کاموں کو بندہ کہتا ہے میں کرتا ہوں۔ یہ شرک نہیں یگانگت کا نتیجہ ہے۔ طور پہاڑ کو بنی اسرائیل پر فرشتوں نے اٹھایا مگر رب نے فرمایا رفعنا ہم نے اٹھایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام فرماتے ہیں کہ باذن الٰہی میں مردے زندہ کرتا ہوں۔ اندھوں کوڑھوں کو شفا دیتا ہوں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جناب مریم علیہا السلام سے فرمایا کہ میں تجھ کو ستھرا بیٹا دیتا ہوں۔ **چوتھا فائدہ** ڈر اور خوف کا ایمان اور بعض وعدے معتبر ہیں۔ اگر کوئی شخص خوف سے ایمان لے آئے تو اب اسے مرتد ہو جانے کی اجازت نہ دی جاوے گی۔ دیکھو یہود کا وہ عہد و میثاق شرعاً معتبر ہوا جو انہوں نے خوف جان کی بنا پر کیا تھا۔ **پانچواں فائدہ** کسی کو جبراً مسلمان بنانا جائز نہیں **لا اکراہ فی الدین** مگر مسلمان کو جبراً برائیوں سے روکنا اس سے جبراً نیکیاں کرانا جائز ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل سے جبراً توریت منوائی گئی یہ فائدے ورفعنا الخ سے حاصل ہوا۔ شامی میں ہے کہ سلطان اسلام ماہ رمضان کی بے حرمتی کر کے علانیہ دن میں کھانے پینے والے مسلمان کو قتل کر سکتا ہے یہ ہے تقویٰ پر مجبور کرنا۔ **چھٹا فائدہ** اصحاب موسیٰ علیہ السلام سے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اصحاب موسیٰ علیہ السلام کے ان حالات کا ذکر کیا مگر جب آیت کریمہ **وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللّٰہ** نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ دلی خطرات قبضہ سے باہر ہیں۔ اگر ان پر پکڑ ہوئی تو نجات کیسے ہو گی حضور انور نے فرمایا کہ کیا تم اصحاب موسیٰ ہو کہ کہتے ہو۔ "**سمعنا و عصینا**" رب تعالیٰ نے ان کی حمایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا **امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون** یعنی ان کے ایمان و وفاداری اطاعت شعاری کی گواہی دی اور اپنے قانون میں یوں ترمیم فرمادی **لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا** الخ غرض کہ جیسا فرق حبیب و کلیم میں ہے ویسا ہی فرق ان کے اصحاب میں ہے۔ **ساتواں فائدہ** بزرگوں کے شہر کی تعظیم کرنا بہت اچھی بات ہے۔ دیکھو بستی اریحا میں حضرات انبیاء کرام کے مزارات تھے رب تعالیٰ نے اس شہر کی تعظیم اس طرح کرائی کہ یہود کو وہاں سجدہ کرتے ہوئے جانے کا حکم دیا۔ اسی طرح مقدس مقامات کا ادب ضروری ہے۔ رب تعالیٰ نے طوی جنگل میں موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم دیا۔ کہ فرمایا **فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی** اب بھی باہر سے مکہ معظمہ جانے والوں کو حکم ہے کہ احرام باندھ کر داخل ہوں کیونکہ شہر مکہ کا ادب کرنے کے لئے۔ امام مالک مدینہ منورہ کی سرزمین میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ کیونکہ تعظیم مدینہ کے لئے بعض حضرات بزرگوں کی قبر کی طرف پیٹھ نہیں کرتے قرآن کریم کی طرف پیٹھ یا پاؤں نہیں کرتے کعبہ معظمہ کی طرف پاؤں پھیلانا شرعاً منع ہے کیونکہ ان چیزوں کے ادب کے لئے یہ سب کچھ درست ہے اس کا ماخذ یہ آیت بھی ہو سکتی ہے کہ ارشاد ہوا۔ **ادخلوا الباب سجدا** بلکہ ایک ہی شہر میں مسجد کا اتنا ادب ہے کہ وہاں بے غسل آدمی نہ جائے۔ پہلے داہنا پاؤں داخل کرے اور نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالے۔ بدبو کی چیز مسجد میں نہ لائے۔ یہ سب ادب کے لئے ہے **آٹھواں فائدہ** بزرگوں کے مزارات کے پاس عبادات زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ دیکھو بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ مقام تیہ میں نہیں بلکہ مقام اریحا یا بیت المقدس میں جا کر توبہ یا شکر کرو تب قبول ہو گی۔ ہم کو رب تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ توبہ کرنے کے لئے بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہو کر توبہ کرو۔ **جاؤک فاستغفروا اللّٰہ** جیسے بعض جگہ کی آب و ہوا

پھل پھول کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔ ایسے ہی مقربین کے قرب کی آب و ہوا عبادات کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔ اس سے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ نواں فائدہ مسلمان کسی شہر کو فتح کرنے پر فخر نہ کریں بلکہ رب تعالیٰ کا شکر کریں اور فتح کو اپنی بہادری کا نتیجہ نہ جانیں۔ رب تعالیٰ کا کرم سمجھیں یہ فائدہ سجدا" کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ یہ سجدہ سجدہ شکر تھا مجاہد و غازی جہاد میں تین باتوں کا خیال رکھیں۔ نمبرا جہاد میں صرف خدمت اسلام کی نیت سے کریں۔ ملک گیری غنیمت کے لئے نہ کریں نمبر ۲ دوران جنگ کبھی مال حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں اللہ فتح دے تو سب کچھ ہمارا ہے نمبر ۳ کبھی اپنی جماعت یا قوت پر بھروسہ نہ کریں اللہ کے کرم پر بھروسہ کریں۔ بعد فتح تکبر نہ کریں۔ سجدہ شکر کریں انشاء اللہ فتح پائیں گے۔ اللہ کا ذکر کرتے رہیں۔ جم کر لڑیں رب کرم کرے گا۔ دسواں فائدہ یہود پر ہفتہ کا سارا دن عبادات کے لئے خالی رکھنا ضروری تھا۔ کوئی یہودی اس دن میں کوئی دنیاوی کاروبار نہیں کر سکتا تھا جیسا کہ **لا تعدوا فی السبت** سے معلوم ہوا۔ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ خاص کرم فرمایا کہ جمعہ کے دن صرف ان لوگوں پر کاروبار حرام فرمایا جن پر جمعہ کی نماز میں رکاوٹ بنیں۔ یہ تمام کرم اس کی کریم بندہ نواز مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے ہیں جن کے امتی ہونے کا ہم سب کو شرف حاصل ہے۔ گیارہواں فائدہ ضدی' ہٹ دھرم کو ہدایت بہت مشکل سے ملتی ہے۔ وہ ہمیشہ کیوں اور کیسے کے جال میں ہی پھنسا رہتا ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمانہ ہم ملک یہودی تو ضدوں میں ہی پھنسے رہے مگر حضرات صحابہ کرام حضور کی اطاعت کر کے ملائکہ سے افضل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اطاعت کی توفیق دے کج بحثی سے بچائے۔ اس واقعہ میں ہم سب کو سبق ہے۔ بارہواں فائدہ جو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے۔ اسے قتل کر دیا جاوے۔ اگر قتل کی دھمکی سے وہ اسلام میں پھر آ جاوے تو جائز ہے۔ دیکھو یہ بنی اسرائیل پہلے مومن ہو چکے تھے۔ پھر توریت کا انکار کر کے مرد ہوئے جس پر پہاڑ اکھیڑ کر سروں پر مسلط کر کے ان سے توریت کا اقرار کرایا تب انہیں معافی دی گئی۔ پھر جب یہ لوگ بچھڑا پوج کر مرتد ہوئے تو انہیں قتل کرایا گیا **اقتلوا انفسکم**۔ جو کہتے ہیں کہ قتل مرتد قرآن مجید سے ثابت نہیں وہ ان آیات سے عبرت پکڑیں۔ قتل مرتد والی احادیث کی ان آیات سے تائید ہوتی ہے۔

پہلا اعتراض کافروں کو جبرا" مسلمان بنانا کسی سے جبرا" اقرار کرانا جائز نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا اکراہ فی الدین** تو بنی اسرائیل پر پہاڑ مسلط کر کے دھمکا ڈرا کر توریت کیوں منوائی گئی اور اطاعت کا اقرار کیوں کروایا گیا۔ یہ عمل اس قانون کے خلاف ہے۔ جواب بنی اسرائیل مومن و مسلم تو پہلے ہی ہو چکے تھے اب توریت کا انکار کر کے مرتد ہونا چاہتے تھے۔ اس ارتداد کی انہیں اجازت نہ دی گئی۔ اب بھی کسی مسلمان کو مرتد نہ ہونے دیا جاوے گا۔ اگر ہو گیا تو قتل کیا جاوے گا۔ نیز مسلمان کو نیک اعمال کرنے گناہوں سے بچنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ دس برس کے بچوں کو مار مار کر نماز پڑھاؤ۔ زانی کو رجم شرابی کو اسی کوڑے چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی ہے۔ تاکہ اس ڈر سے وہ ان جرموں سے بچیں یہود توریت پر عمل کرنے سے انکاری تھے لہذا یہ جبر بالکل درست ہے۔ دوسرا اعتراض جس سجدہ کا

اس آیت میں ذکر ہے یا تو سجدہ شکر تھا۔ یا سجدہ توبہ کوئی سا سجدہ سہی یہ سجدہ مقام تیہ میں بھی ادا ہو سکتا تھا۔ ان پر یہ پابندی کیوں لگائی گئی کہ ار یحایا بیت المقدس میں سجدہ کرتے جاؤ۔ رب تعالیٰ کی رحمت اس کا عفو و کرم تو ہر جگہ ہے پھر یہ قید کیوں۔ **جواب** جیسے ریل گاڑی گزرتی ہے۔ ساری لائن سے مگر ملتی ہے۔ اسٹیشن پر بجلی کا پاور موجود ہے سارے تار میں مگر روشنی کے لئے بلب۔ ہوا کے لئے برقی پنکھے گرمی کے لئے ہیٹر کے پاس جانا ضروری ہے کہ پاور کا فیض ملتا ہے۔ ان مقامات سے اسی طرح اللہ کی رحمت اس کا عفو و کرم ہے تو ہر جگہ مگر چلتی ہے نیک مقبول بندوں کے پاس یا ان کے مزارات کے پاس یہ مقامات رحمت الٰہی کے اسٹیشن ہیں خود فرماتا ہے **ان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین** یا تو خود محسن ہو یا کسی محسن کے قریب جاؤ تو رحمت الٰہی پاؤ گے۔ ہم مسلمانوں کو بزرگوں کے آستانوں پر حاضر ہونا اسی لئے ہے فرماتا ہے **امن یجیب المضطر اذا دعاہ** یا تم خود بیقرار ہو ورنہ بیقرار دل والوں کے پاس جاؤ تو دعا قبول ہو گی۔ شعر :-

☆ چراغ زندہ می خواہی در شب زندہ داراں زن ☆ کہ بیداری بخت از بخت بیداراں شود حاصل ☆

تیسرا اعتراض سجدہ کرتے ہوئے شہر میں داخل ہونا ممکن نہیں کیونکہ سجدہ چہرے سے ہوتا ہے۔ اور چلنا داخل ہونا پاؤں سے۔ پھر یہود سے یہ کیوں فرمایا گیا کہ دروازہ شہر میں سجدہ کرتے داخل ہو۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا ہے کہ یا تو سجدہ سے مراد ہے جھکنا۔ رکوع کرنا یعنی ادب سے سر جھکائے ہوئے شہر میں داخل ہو۔ جیسے آج احرام باندھے ہوئے مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہیں یا مراد یہ ہے کہ نفل پڑھ کر شہر میں داخل ہو۔ یا دروازہ شہر میں داخل ہو کر نفل پڑھو۔ جیسے آج نفل پڑھ کر روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھا جاتا ہے۔ اور مسجد میں جا کر **تحیتہ المسجد** نفل پڑھتے ہیں **چوتھا اعتراض** بنی اسرائیل کو ہر گناہ پر اریحایا بیت المقدس کیوں نہ بھیجا گیا۔ اس گناہ میں کیا خصوصیت تھی کہ اس کی توبہ کے لئے دوسرے شہر بھیجا گیا۔ رب تعالیٰ نے یہاں ہی معافی کیوں نہ دیدی **جواب** معمولی گناہ اور معمولی ناراضی کی معافی آسانی سے ہو جاتی ہے۔ مجرم خود ہی معافی لے لیتا ہے مگر بڑا جرم بخشوانے کے لئے کسی ایسی ذات کو بیچ میں ڈالنا پڑتا ہے۔ جس کی بات حاکم مانتا ہو۔ رب تعالیٰ زوجین کی سخت نااتفاقی کے متعلق فرماتا ہے۔ **فابعثوا حکما من اہلہ وحکما من اہلھا** حضرت آدم کی خطا جب تین سو سال کی گریہ زاری سے معاف نہ ہوئی تو حضور کا وسیلہ پکڑا معافی ہو گئی۔ ہم کو فرماتا ہے۔ **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک** مگر ایسے وقت وسیلہ ایسی ذات کو بنایا جائے جو رب سے واصل ہو۔ ہم میں شامل ہو۔ فرشتے رب سے واصل تو ہیں مگر ہم میں شامل نہیں۔ لہٰذا ان کا توسل نہیں۔ کفار اور گنہگار آدمی ہم میں شامل تو ہیں مگر رب سے واصل نہیں ان کا توسل بھی نہیں۔ حضرات انبیاء اولیاء وہ ہیں جو ادھر اللہ سے واصل ادھر دنیا میں شامل ان کا توسل درست ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل کی خطا سخت تھی اس لئے انہیں نبیوں کے شہر میں بھیجا گیا کہ یہ توبہ کریں وہ اپنی قبروں سے آمین کہیں ان کا کام بن جاوے۔ شعر:-

☆ بھیکا وہ تر کوڑ ہیں جو جائیں گر کو اور ☆ رب روٹھے میل دے گر روٹھے نہیں ٹھور ☆

پانچواں اعتراض جن اسرائیلیوں نے ہفتہ کے دن شکار کر لیا وہ بندر بنا کر ہلاک کر دیئے گئے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اب بھی یہود و نصاریٰ اپنے محترم دنوں میں شکار کرتے ہیں۔ عذاب کیوں نہیں آتا۔ **جواب** جن گناہوں پر پچھلے زمانوں میں عذاب آئے وہ تمام گناہ مع زیادتی موجود ہیں۔ مگر دنیاوی عذاب آنا بند ہو گئے۔ قوم شعیب کم تولنے پر قوم لوط بدکاری پر ایلہ والے ہفتہ کے دن شکار پر ہلاک ہوئے۔ یہ تمام گناہ اب بھی ہیں مگر عذاب..... وہ ہی ہے۔ قدرت وہ ہی ہے۔ ہماری بدکاریاں وہ ہی ہیں۔ مگر نبی وہ نہیں۔ اب نبی رحمت والے حضور محمد رسول اللہ کی سلطنت کا دور دورہ ہے اس لئے قانون الٰہی بدل گیا۔ رب نے فرمایا **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم**

تفسیر صوفیانہ یہود مدینہ کے پاس قال بہت تھا وہ حال سے خالی تھے۔ اسی لئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات سے محروم رہے۔ ایسی بارگاہ عالی میں رہ کر ایمان بھی نہ لے سکے۔ جو حال والے تھے انہوں نے اس سرکار سے ایمان، عرفان، ایقان، غزا شہادت بلکہ صحابیت حاصل کر لی۔ دلائل مثل لالٹین کی روشنی کے ہیں۔ لالٹین وغیرہ سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کے پاس آنکھ کی روشنی ہو اندھے کے لئے یہ خارجی روشنی بیکار ہے۔ یونہی جس کے دل میں توفیق خداوندی کی روشنی نہ ہو وہ معجزات و دلائل سے کبھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ رب تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی ہے۔ کہ یہود کا آپ سے ہدایت نہ پانا اس لئے نہیں کہ شمع جمال محمدی میں روشنی کی کمی ہے۔ بلکہ اس لئے ہے کہ ان کو توفیق خداوندی کی روشنی نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ لوگ جو مطالبے آپ سے کر رہے ہیں اور جن چیزوں کو اپنے ایمان کے لئے آڑ بنا رہے ہیں وہ چیزیں اپنے پیغمبر میں دیکھ چکے تھے پا چکے تھے۔ مگر ان سے اور قسم کی کج بحثی یہ لوگ جن کے امتی ہونے کے مدعی ہیں جب ان سے نہ ٹلے تو اگر آپ سے کج بحثی کریں تو ان سے کیا بعید ہے۔ ہم لوگوں کو چاہیے کہ یہود کے اس عناد و فساد سے سبق لیں۔ اگر ہم نے بھی قیل و قال کا دروازہ کھول لیا تو حال سے محروم رہیں گے۔ رب تعالیٰ توفیق خیر نصیب کرے کہ اس سے راہ ملتی ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ

تو ان کے توڑنے کی وجہ سے اپنے عہد کو اور ان کے انکار کی وجہ سے اللہ کی آیتوں کا اور ان کے قتل کرنے کی وجہ

تو انکی کیسی بد عہدیوں کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور اس لئے کہ آیات الٰہی کے منکر ہوئے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے

بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا

سے نبیوں کو بغیر حق کے اور انکے کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں بلکہ مہر لگا دی اللہ نے ان پر انکے کفر کی وجہ سے

اور ان کے کہنے پر ان کے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر

يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

پس نہ ایمان لائیں گے مگر تھوڑے اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے کہنے کی وجہ سے اوپر مریم کے بہتان بڑا

لگادی ہے تو ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے۔ اور اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم پر بہتان اٹھایا بڑا

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا

اور ان کے کہنے کی وجہ سے کہ بیشک ہم نے قتل کر دیا مسیح عیسیٰ بیٹے مریم کو اللہ کے رسول کو

اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا اور

قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ

حالانکہ نہ انہوں نے انہیں قتل کیا اور نہ سولی دی انہوں نے اور لیکن شبہ میں ڈالا گیا ان کو اور بیشک

ہے یہ کہ نہ انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا اور وہ جو

شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾

وہ لوگ جو جھگڑتے ہیں ان کے بیچ شک کے ہیں ان سے نہیں ہے انہیں اس کا علم سوائے پیروی کرنے گمان کے اور نہیں

اس کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں انہیں اس کی کچھ خبر

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

قتل کیا یقیناً انہیں بلکہ ان کو اٹھا لیا اللہ نے طرف اپنے اور ہے اللہ غالب حکمت والا

نہیں مگر یہی گمان کی پیروی اور بیشک انہوں نے اسکو قتل نہ کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کا اللہ تعالیٰ سے پختہ وعدہ کرنے کا ذکر تھا۔ اب اس پختہ عہد کے توڑ دینے کا ذکر ہے یعنی انہوں نے عہد تو کر لیا مگر پورا نہ کیا بلکہ توڑ دیا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کی اس سرکشی کا ذکر تھا جو عہد کرتے وقت انہوں نے کی یعنی خوشی سے عہد نہ کرنا بلکہ پہاڑ گرنے اور اپنے دب کر مر جانے کے خوف سے...... کرنا۔ اب ان کی اس سرکشی کا ذکر ہے جو اس عہد کے بعد ظاہر ہوئی۔ یعنی اسے پورا نہ کرنا۔ اسے توڑ دینا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی اس سرکشی کا ذکر تھا جو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرتے تھے۔ دیدار الٰہی کا مطالبہ۔ بچھڑے کی پوجا وغیرہ۔ اب ان کی اس سرکشی کا ذکر ہے جو انہوں نے دوسرے نبیوں سے کی۔ انبیاء کرام کو قتل کر دینا اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو بہت ستانا تاکہ معلوم ہو کہ یہ لوگ عادی مجرم ہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں ان کے مجرم ہونے کا ذکر تھا۔ اب ان کے ڈھیٹ ہونے کا ذکر ہے کہ یہ لوگ مجرم بھی ہیں اور ڈھیٹ بھی کہ کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف و پردے ہیں یعنی جرموں پر بجائے شرمندہ ہونے کے ناز کرتے ہیں۔ جو ایسا ڈھیٹ

مجرم ہو اس کی ہدایت کی کیا امید ہے **پانچواں تعلق** پچھلی آیت میں یہود کی سرکشیوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفتوں کا ذکر تھا اب اشارۃً غیبی خبر دی جا رہی ہے کہ یہ لوگ اپنی تدبیروں میں ناکام رہیں گے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی تدبیر میں ناکام رہے۔ دوسرے نبیوں کی مخالفت میں خائب و خاسر رہے تو اے محبوب آپ کی مخالفت میں بھی یہ سب اسی طرح ناکام و نامراد رہیں گے۔

تفسیر فبما نقضھم میثاقھم ف تعقیب بلا تراخی کے لئے ہے چونکہ یہود نے گزشتہ عہد کرتے ہی اس کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ اس لئے ف ارشاد ہوا۔ ب جارہ سببیہ ہے ما زائدہ نقض کے معنی ہیں۔ توڑنا وعدہ کی بالکل پابندی نہ کرنا اس کی پوری مخالفت کرنا نقض عہد کہلاتا ہے۔ اس کا مقابل ہے۔ ایفائے عہد یعنی وعدہ پورا کرنا ہم کو مرجع وہ ہی یہود مدینہ ہیں جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے کہ اگرچہ وعدہ شکنی کرنے والے ان کے باپ دادے تھے مگر چونکہ یہ لوگ ان کی حرکتوں سے راضی تھے اس لئے یہ جرم ان کی طرف منسوب فرمایا گیا۔ میثاق سے وہی عہد مراد ہے جو کوہ طور مسلط فرما کر ان سے لیا گیا۔ یعنی احکام توریت پر عمل کرنا۔ اس میں گفتگو ہے کہ **فبما** جار مجرور کس کے متعلق ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ آئندہ جو ارشاد ہو رہا ہے۔ **حرمنا علیھم** اس کے متعلق ہے مگر زیادہ قوی یہ ہے کہ **"لعنا یا سخطنا"** پوشیدہ فعل کے متعلق ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) عہد توڑنے سے مراد توریت شریف پر عمل کرنے کا عہد توڑنا ہے۔ ان یہود نے وعدہ خلافی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے ہی شروع کر دی تھی۔ پھر برابر کرتے ہی رہے۔ عقیدے' عبادات' معاملات سارے احکام میں خلاف ورزی کی حتیٰ کہ قارون نے زکوٰۃ سے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اس حکم کو ہی غلط کہا۔ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا منکر ہو گیا۔ نمازیں چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہود نے آگے چل کر حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ خیال رہے کہ کفر کرنا' علامات کفر اختیار کرنا یعنی وہ عمل کرنا جو نشان کفر ہیں یوں ہی گناہ کو جائز سمجھ کر کرنا یہ ہے نقض عہد۔ جس سے انسان دین سے نکل کر بے دین ہو جاتا ہے۔ گناہ بد عملی ہے نقض عہد نہیں۔ لہذا ان کی بد عملیوں کو عہد توڑنا کہنا بالکل درست ہے۔

وکفرھم بایت اللہ یہ عبارت **نقضھم** پر معطوف ہے۔ کفر سے مراد انکار کرنا ہے۔ ایات اللہ سے مراد قرآن کریم کی آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں جس کے موجودہ یہودی منکر تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور توریت کی آیات ہوں کہ اگرچہ وہ لوگ ان کے مان لینے کے دعویدار تھے۔ مگر چونکہ عمل خلاف تھا اس لئے انہیں منکر قرار دیا گیا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار سارے رسولوں ساری کتابوں سارے رسولوں کے معجزات کا انکار ہے۔ (تفسیر صاوی) غرض کہ آیات اللہ میں چار احتمال ہیں اور کفر میں دو احتمال۔ آیات اللہ قرآنیہ یا معجزات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو کفر سے مراد اعتقادی و اقرار کفر ہے کہ یہود ان دونوں کے منکر تھے کھلے ہوئے اور اگر آیات اللہ سے مراد آیات توریت ہیں یا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں تو "کفرھم" سے

مراد عملی کفر کہ زبان سے ان دونوں کا اقراری تھے۔ عملاً انکاری۔ اب بھی عیسائی انجیل کے زبانی اقراری ہیں عملاً انکاری یہ ہی حال ہندوؤں کا ہے کہ عملاً "وہ وید کو چھوڑ چکے ہیں۔

وقتلھم الانبیاء بغیر حق یہ عبارت "کفرہم" پر معطوف ہے۔ اور یہود کے لعنتی ہونے کی تیسری وجہ۔ قتل سے مراد تلوار وغیرہ سے شہید کرنا ہے "ہم" کا مرجع وہ ہی موجودہ یہود ہیں۔ انبیاء سے مراد وہ نبی ہیں جنہیں یہود نے قتل کیا تھا یہ بہت بڑی جماعت تھی۔ ان میں حضرت زکریا و یحیٰی علیہما السلام بھی ہیں۔ بغیر حق سے مراد خود ان قاتل یہودیوں کے خیال میں بھی ناحق ہوتا ہے کہ یہود خود بھی کہتے تھے کہ ہم نے ان حضرات کو بلاوجہ قتل کیا۔ محض اپنے ذاتی مفاد کی خاطر۔ کیونکہ قتل کی وجہ صرف تین ہو سکتی ہیں۔ مرتد ہو جانا کسی کو قتل کر دینا۔ زنا یا بغاوت' ان حضرات انبیاء سے یہ کوئی جرم صادر نہ ہوا تھا۔ لہٰذا ان کا قتل ناحق ہی تھا۔ **وقولھم قلوبنا غلف** یہ عبارت **قتلھم** پر معطوف ہے۔ اور یہود کے پھٹکارے جانے کی چوتھی وجہ غلف یا تو غلاف کی جمع ہے۔ بمعنی بستہ و جزدان یا اغلف کی جمع ہے۔ بمعنی بستہ میں بندھا ہوا۔ لہٰذا اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ہمارے دل رحمت الٰہی کے پردوں و بستوں میں محفوظ ہیں۔ اس حفاظت کی وجہ سے آپ کی تبلیغ ہمارے دلوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **وقلوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعون الیہ**۔ یعنی وہ اپنے کافر رہنے اسلام قبول نہ کرنے پر فخر کرتے تھے اور اسے رحمت خداوندی سمجھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے دل علوم الٰہیہ کے غلاف معرفت ربانی کے برتن ہیں۔ جن میں علم و معرفت بھرے ہوئے ہیں ہم کو آپ کے اسلام کی ضرورت نہیں ہم تو خود علم و ایمان کا سرچشمہ ہیں۔ (روح البیان و کبیر وغیرہ) یعنی وہ اپنے کو علم و عرفان کا مرکز سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز سمجھتے تھے۔ **بل طبع اللہ علیھا بکفرھم** اس عبارت میں ان کی اس بکواس کی تردید ہے۔ "بل" پچھلے مضمون کی نفی کرنے اگلے مضمون کو ثابت کرنے کے لئے آتا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے دلوں پر حفاظتی رحمت کے پردے ہیں۔ رب نے فرمایا نہیں بلکہ ان پر لعنتی مہریں ہیں۔ طبع اور ختم کے معنی چھاپ دینا۔ اس کی تحقیق پہلے پارے میں **ختم اللہ علی قلوبھم** کی تفسیر میں کی جاچکی ہے کہ آنکھ کے لئے "غشاوہ" یعنی پردہ مناسب ہے۔ کہ آنکھ صرف سامنے کو دیکھتی ہے۔ اور پردہ بھی ایک سمت کے لئے آڑ بنتا ہے۔ مگر کان و دل کے لئے مہر فرمانا مناسب ہے کہ کان ہر طرف کی آواز سنتے ہیں اور دل ہر طرف کی چیز میں غور کرتے ہیں۔ ان کے لئے مہر فرمانا مناسب ہے۔ کہ مہر لگ جانے سے ہر طرف کی روک ہو جاتی ہے۔ جیسے پارسل کے تھیلے پر مہر۔ ختم اور طبع دونوں ہم معنی ہیں۔ بمعنی مہر لیکن کبھی ان میں اس طرح فرق کیا جاتا ہے کہ ختم تو ہر مہر کو کہا جاتا ہے خواہ وہ ٹوٹ سکے یا نہ۔ جیسے لاکھ پر مہر مگر طبع وہ مہر ہے جو نہ اکھڑ سکے نہ ٹوٹ سکے نہ اڑ سکے یعنی چھاپہ شدہ مہر لہٰذا طبع خاص ہے ختم عام۔ پھر دل پر مہر لگنا دو قسم کے ہے۔ زمانی اور آنی گناہ اور بد عملیوں کی وجہ سے بہت زمانہ میں دل سیاہ ہوتا ہے۔ مگر اللہ والوں کی بے ادبی کی وجہ سے آن کی آن میں دل سیاہ ہو کر مہر لگ جاتی ہے۔ ابلیس کے دل پر آن کی آن میں مہر لگ گئی صرف آدم علیہ السلام کی بے

اولی سے جیسے سیاہی آتی بھی ہوتی ہے زمانی بھی یوں ہی دل کی صفائی آنی بھی ہوتی ہے زمانی بھی۔ نیک اعمال سے صفائی زمانی ہوتی ہے۔ اور نگاہ ولی سے صفائی آن میں۔ فرعونی جادوگروں کی دلی صفائی آن میں ہو گئی۔ اس لئے صحبت اولیاء ایک آن کی سو برس کی عبادت سے افضل ہے۔ مگر صوفیاء کے ہاں صحبت وہ ہے جو عقیدت کے ساتھ ہو۔ بغیر عقیدت صرف پاس بیٹھ جانا صحبت نہیں۔ صدیق اکبر صحابی ہوئے مگر ابو جہل کافر ہی رہا۔ کہ جناب صدیق کو عقیدت میسر تھی۔ کسی کے گھر دوست بن کر جاؤ خاطر تواضع ہو گی۔ چور بن کر جاؤ جیل ملے گی۔ بغیر عقیدت اولیاء اللہ کے پاس جانے والا چور ہے۔ عقیدت سے جانے والا دوست ہے۔ یہاں طبع اللہ میں طبع سے مراد آنی مہر ہے۔ جو حضور کی گستاخی کی وجہ سے ہوئی۔ اس لئے فرمایا گیا "بکفرہم" یہاں مہر فرما دینے کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف خلق کی نسبت ہے کہ کاسب مہر وہ یہود ہیں اور خالق مہر رب تعالیٰ اس لئے ارشاد ہوا" بکفرہم "یعنی ان کے کفر میں مشغول رہنے کی وجہ سے رب نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی جس سے وہ ناقابل ایمان ہو گئے۔ جیسے گلے پر چھری پھیر دینے کی وجہ سے رب تعالیٰ موت فرما دیتا ہے۔ **فلا یومنون الا قلیلا** یہ عبارت طبع اللہ کے نتیجہ کا بیان ہے۔ "قلیلا" یا تو "لایومنون" کے فاعل ہم سے استثناء ہے۔ تب تو استثناء منقطع ہے۔ کیونکہ جو تھوڑے یہودی ایمان لائے ان کے دل پر مہر نہ ہوئی تھی۔ یا ایمان سے مستثنیٰ متصل ہے۔ اور "قلیلا" سے مراد تھوڑی چیزوں پر ایمان ہے یا تھوڑی مدت تک ایمان۔ لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ یعنی یہ یہود ایمان نہیں لائیں گے مگر ان میں سے تھوڑے آدمی جیسے ان میں سے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی کیونکہ ان کے دلوں پر مہر نہ ہوئی تھی۔ یا یہ یہود ایمان نہیں لائیں گے مگر نبیوں کی تھوڑی آیات اور تھوڑی ایمانیات پر ایسا ایمان معتبر نہیں یا یہود ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی مدت کہ کچھ روز یہ لوگ مومن رہے پھر زمانہ موسوی کے بعد ہی ایمان سے پھر گئے پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس کا ترجمہ بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ **وبکفرھم وقولھم علی مریم بھتانا عظیما** یہ عبارت "فبما کفرہم" پر معطوف ہے اور اس کفر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنا ہے اور پہلے "کفرہم" میں موسیٰ علیہ السلام اور دیگر نبیوں کا انکار مراد تھا لہٰذا عبارت میں تکرار نہیں ہم کا مرجع وہی یہود ہیں "قولہم یا تو کفرہم" کی تفسیر ہے یا علیحدہ کفر۔ بہتان سے مراد زنا کا بہتان ہے۔ چونکہ یہود نے حضرت مریم کی کرامات عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے باوجود انہیں بہتان لگایا۔ یا بڑی ہستی کو بہتان لگایا۔ اس لئے اسے بہتان عظیم فرمایا۔ خیال رہے کہ بہتان بنا ہے **بھت** سے بمعنی حیرانی **فبھت الذی کفر۔ بھتان** کسی کو ایسا عیب لگانا۔ جس سے وہ حیران رہ جائے۔ اس جملہ میں یہود کا پانچواں اور چھٹا عیب بیان ہوا جس کی وجہ سے وہ لعنتی ہوئے۔ خیال رہے کہ اس عبارت میں چار طرح جناب مریم کی عظمت ظاہر ہوئی۔ ایک تو قولہم فرما کر کہ یہود نے یہ بہتان صرف زبانی قول سے لگایا۔ ورنہ نہ تو ان کے دل اسے صحیح مانتے ہیں نہ سننے والے۔ کیونکہ حضرت مسیح کی بچپن کی گواہی اور جناب مریم کی اگلی پچھلی پاکیزہ زندگی اس کی تردید کرتی ہے۔ دوسرے مریم فرما کر باپ نے جب انہیں بیت المقدس کی

خادمہ بنایا تو وہ بری کیسے ہو سکتی ہیں۔ تیسرے اسے بہتان فرما کر کہ یہ ایسا جھوٹ تھا جسے سن کر حیران ہو جاویں۔ چوتھے اسے عظیم فرما کر کہ جناب مریم کو بہتان لگا کر صغیرہ گناہ یا کبیرہ گناہ نہ کیا بلکہ گناہ عظیم کیا۔ کفر گناہ کبیرہ ہے۔ مگر بزرگوں کو تہمت لگانا گناہ عظیم ہے۔ **وقولھم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ** یہ عبارت وقولہم پر معطوف ہے جو ابھی ذکر ہوا ہم کا مرجع وہ ہی یہود ہیں۔ اس میں ان کے ساتویں جرم کا ذکر ہے جس کی وجہ سے وہ لعنت کے مستحق ہوئے۔ اس عبارت میں فرمایا گیا۔ کہ یہ جرم بھی کرتے ہیں اور جرم پر فخر بھی اور جھوٹ بھی۔ قتل سے مراد مطلقاً مار ڈالنا جان نکال دینا ہے نہ کہ دھاری دار آلہ سے قتل کیونکہ یہود قتل عیسیٰ کے قائل نہ تھے انہیں سولی دینے کے قائل تھے۔ مسیح کے معنی پہلے بیان ہو چکے ہیں یا تو مسح بنا ہے چھو کر زندہ یا اچھا کر دینے والے پیغمبر کو ولدیت کے ساتھ بیان نہ کیا۔ سب کا صرف نام لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مع ولدیت کے بیان فرمایا اور نسبت فرمایا ماں کی طرف کیونکہ آپ بغیر باپ پیدا ہوئے تھے۔ نیز یہود کا عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ کہنا یا تو دل لگی یا مذاق کے طور پر تھا۔ یعنی جو رسول اللہ بنتے تھے ہم نے انہیں قتل کر دیا۔ جیسے فرعون نے کہا تھا **ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون** یا کفار قریش حضور سے کہتے تھے۔ **یاایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون** یا عیسائیوں سے خطاب تھا کہ تم جن کو رسول اللہ مانتے ہو ہم نے انہیں قتل کر ڈالا۔ خیال رہے کہ بعض عقیدے کفر ہیں۔ بعض قول کفر ہیں۔ اور بعض عمل کفر جو اعمال علامت انکار ہیں۔ وہ کفر ہیں جیسے نبی کی اہانت ان کا قتل یا قتل کا ارادہ یا قرآن کی توہین نیز کفر کا اقرار کفر ہے گناہ کا اظہار گناہ۔ اس جملہ میں یہود کے دو کفر بیان ہوئے ایک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ دوسرے اس پر فخر کرنا اس کا اعلان کرنا یہ دونوں جرم لعنت کے باعث ہوئے۔ **وما قتلوہ وما صلبوہ** یہ عبارت یہود کے اس دعویٰ کی تردید ہے جو ابھی مذکور ہوا کہ وہ دعویدار تھے کہ ہم نے جناب مسیح کو جان سے مار دیا رب تعالیٰ نے فرمایا نہ تو انہیں قتل کیا نہ انہیں سولی دی۔ خیال رہے کہ صلبو بنا ہے صلب سے ۔ بمعنی سخت و مضبوط لکڑی چونکہ اس زمانہ میں سولی کا طریقہ یہ تھا کہ انگریزی کی T کی شکل کی مضبوط لکڑی پر مصلوب کو لٹکا دیا جاتا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونک دی جاتی تھیں کہ وہ اس طرح سوکھ سوکھ کر مر جاتا تھا۔ اس لئے سولی دینے کو تصلیب کہتے تھے اور سولی گاہ کو صلیب کہتے تھے۔ تین دن یا کم و بیش میت اس طرح صلیب پر لٹکی رہتی تھی۔ کبھی جلد ہلاک کرنے کے لئے مصلوب کے پاؤں کاٹ دیئے جاتے تھے۔ عیسائی انگریز حرف T ٹی کی شکل کو اب بھی پوجتے ہیں یہ سمجھ کر کہ حضرت مسیح کی سولی گاہ ہے اس فقیر نے بیت المقدس میں اس سولی گھر کو دیکھا ہے جو مسجد عمر کے بالکل سامنے ہے وہاں جناب مسیح کی مصنوعی قبر بھی بنی ہے۔ اور غسل کا تختہ پتھر کا بھی رکھا ہے۔ خیال رہے کہ اس جملہ میں حضرت مسیح کو قتل کرنے کی بھی نفی ہے۔ اور ان کو صولی پر چڑھا دینے کی بھی نفی ہے لہذا مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ آپ کو صولی پر لٹکایا گیا۔ مگر جان نہ نکلی بیہوش ہو گئے اس آیت کریمہ کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن کریم فرما رہا ہے "وما صلبوہ" یہود نے انہیں صولی نہ چڑھایا یہ کہتے ہیں کہ سولی چڑھا تو دیا مگر وہاں جان نہ نکلی جان نکلنے

کی نفی "ما قتلوہ" میں ہوئی اور سولی چڑھانے کی نفی۔ "ما صلبوہ" میں جیسے پھانسی دینا اور ہے۔ پھانسی پر جان نکلنا کچھ اور پھانسی کی نفی سے پھانسی پر چڑھانے کی مطلق نفی ہو جاتی ہے۔ **ولکن شبہ لھم لکن** حرف استدراک ہے جیسے وہم دور کرنے کے لئے بولتے ہیں۔ "شبہ" **باب تفعیل** کا ماضی مطلق مجہول ہے۔ جس کا مصدر ہے تشبیہ اور تشبیہ کے معنی ہیں کسی کو کسی کا شبیہ یا ہم شکل بنا دینا یا کسی کو شبہ و دھوکہ میں ڈال دینا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں مگر پہلے معنی زیادہ قوی۔ دونوں صورتوں میں لھم شبہ کا نائب فاعل ہے۔ جیسے "خیل الیہ" میں الیہ نائب فاعل ہے۔ بس کا اور جیسے "لبس علیہ" میں لفظ علیہ نائب فاعل ہے میں کا یعنی ان یہود کے لئے جناب عیسیٰ کا ہم شکل بنا دیا گیا (روح البیان وغیرہ) یا ان یہود کو شبہ و دھوکہ میں ڈال دیا گیا اس طرح کہ جو منافق آپ کو قتل یا قید کرنے آپ کے پاس آیا اسے جناب عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا...... جس کا نام طیطانوس یا یودس ذکریا یوطا تھا یا آپ کے ایک حواری سرجس کو اس کی اپنی خواہش پر آپ کا ہم شکل کر دیا۔ اور اسے سولی دے دی گئی (تفسیر ابن کثیر) یہ واقعہ جمعہ کے بعد نماز عصر ہوا (ابن کثیر) جس بادشاہ نے سولی دلوائی اس کا نام داؤد تھا۔ یہ چیزیں خیال رکھو **وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ** یہاں الذین سے مراد وہ ہی یہودی ہیں جو حضرت مسیح کے قتل کے دعویدار تھے۔ اختلاف سے مراد ان کا یہ جھگڑا ہے کہ آیا حضرت مسیح قتل و مصلوب ہوئے یا کوئی دوسرا شخص۔ بعض کہتے تھے کہ یہ حضرت مسیح ہی ہیں کیونکہ ان کا چہرہ مسیح جیسا ہے۔ بعض کہتے تھے کہ یہ مصلوب کوئی اور آدمی ہے۔ کیونکہ اس کے باقی اعضاء مسیح جیسے نہیں نیز اگر حضرت مسیح مصلوب ہوئے تو ہمارا آدمی طیطانوس کہاں گیا۔ غرض کہ وہ فیصلہ نہ کر سکے کہ مصلوب کون ہے یا اس سے مراد عیسائیوں کا اختلاف کہ ان کے بعض کہتے ہیں کہ ناسوت عیسیٰ قتل ہوا نہ کہ لاہوت عیسیٰ اور بعض کہتے ہیں ناسوت ولاہوت دونوں قتل ہوئے لاہوت سے مراد ان کی بشریت ہے اور ناسوت سے مراد ان کی الوہیت ہے (تفسیر روح البیان) یا بعض عیسائیوں نے کہا کہ ہم نے انہیں زندہ آسمان پر جاتے دیکھا ہے۔ بعض بولے کہ ہم نے انہیں صلیب پر لٹکے دیکھا۔ غرض کہ آپس میں دھول جوتا ہی رہا۔ خیال رہے کہ اسلام کے سوا کسی دین میں یقین نہیں اسلام اور صرف اسلام میں ہی یقین ہے۔ ہندوؤں کے ہاں یہ ہی معین نہیں کہ وید کتنے ہیں۔ ایک یا دو یا تین یا چار پھر اس میں جھگڑا ہے کہ یہ وید آئے کس پر۔ کوئی ہندو کہتا ہے چار انسانوں پر آئے۔ کوئی کہتا ہے آگ پانی مٹی ہوا پر اترے۔ عیسائیوں کا حال ان سے بھی بدتر ہے۔ وہاں بھی یہ یقین نہیں کہ خدا ایک ہے یا تین۔ اور عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں یا ان کے بیٹے یا اس کا حلول پھر یہ معین نہیں کہ انجیلیں کل کتنی ہیں اور ہر انجیل میں آیات کتنی ہیں دیکھو ان کا پرانا عہد نامہ اور نیا عہد نامہ اور انجیل برناس میں جھگڑا ہے۔ یہ ہی جھگڑے یہود میں پڑے ہوئے ہیں۔ الحمد للہ اسلام کا خدا ایک رسول ایک قرآن ایک کعبہ ایک رمضان ایک نماز ایک۔ غرض کہ یقین اسلام میں ہی میسر ہے۔ عیسائیوں کا اتفاق صرف نمائشی اور قومی ہے ورنہ وہ تو مرے بعد بھی متفق نہیں ہوتے۔ دیکھ لو ولایتی گورے عیسائیوں کا قبرستان الگ ہوتا ہے۔ دیسی کالے عیسائیوں کا قبرستان الگ۔ پھر ہندوستانیوں میں صاحب بہادروں کا قبرستان علیحدہ۔

چوہڑے چمار عیسائیوں کا قبرستان علیحدہ۔ جو قوم مرنے بعد بھی ایک نہ ہو سکے وہ زندگی میں ایک کیسے ہو گی اور جن کی جڑیں الگ ہیں ان کی شاخیں ایک کیسے ہوں۔ **ما لهم به من علم الا اتباع الظن** یہاں بھی لھم سے مراد وہ آپس میں جھگڑنے والے یہود ہیں یا عیسائی۔ علم سے مراد علم یقینی ہے یا علم واقعی اور ظن سے مراد جہالت مرکبہ ہے یا اٹکل پچو وہم خیال یعنی انہیں اس کا کوئی یقین نہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول نہ ہوئے۔ وہ بھی یقین رکھتے صرف اندازا" کہتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ وہ ہی مقتول و مصلوب ہوئے وہ بھی تردد کے ساتھ کہتے ہیں یقین ان کو بھی نہیں یہ ہی حال عیسائیوں کا ہے۔ مرزائیوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اس کے متعلق اٹکل پچو باتیں کہتے ہیں۔ آیات قرآنیہ میں حضرت مسیح کے زندہ اٹھائے جانے کا پرزور ذکر ہے۔ اس کی ایسی تاویلیں تحریفیں کرتے ہیں کہ ابلیس بھی پناہ مانگے۔ دیکھو ان کی تفسیر بیان القرآن مصنفہ محمد علی لاہوری قادیانی۔ **وما قتلوه یقینا** یہ اصل واقعہ کا بیان ہے۔ قتل سے مراد مطلقاً مار ڈالنا ہے۔ خواہ دھار دار آلہ سے ہو یا پھانسی سولی وغیرہ دے کر یقیناً یا تو نفی قتل کے متعلق ہے یا قتلوہ کے فاعل "ھم" سے حال یعنی یقیناً انہیں قتل نہ کیا یا ان لوگوں نے یقین کرتے ہوئے قتل نہ کیا بلکہ شک و تردد کے ساتھ ہی قتل کیا۔ وہ قتل کے وقت بھی تردد کرتے رہے کہ ہم جناب عیسیٰ کو قتل کر رہے ہیں یا کسی اور کو غرض کہ یقیناً یہاں چار احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہود نے حضرت عیسیٰ کو یقین کی بنا پر سولی نہیں دی محض ظن و گمان پر حالانکہ سولی پھانسی یقین کر کے دی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ انہیں یقین کر کے سولی نہیں دی۔ تیسرے یہ کہ یہ بات یقینی ہے کہ انہیں سولی نہیں۔ چوتھے یہ کہ میں یقین سے کہتا ہوں کہ انہیں سولی نہیں دی چوتھے معنی باطل ہیں کیونکہ رب تعالیٰ کے علم کو یقین نہیں کہا جاتا۔ پہلے تین درست ہیں۔ **بل رفعه الله علیه** ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ بل گزشتہ مضمون کی نفی اور اگلے مضمون کے ثبوت کے لئے آتا ہے رفع کے معنی اٹھانا بلند کرنا چڑھانا ہیں۔ اٹھانا کبھی جسمانی ہوتا ہے کبھی رتبہ و مرتبہ کا مگر جب اس کے بعد الیٰ یا علیٰ آئے تو اس سے جسمانی اٹھانا مراد ہوتا ہے۔ یونہی جب اٹھانے کا مفعول کوئی جسم ہو تو اس سے بلندی مکانی مراد ہوتی ہے۔ پہلے کی مثال **ورفع ابویه علی العرش** یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر اٹھا لیا۔ دوسرے کی مثال **اذ یرفع ابراهیم القوعد من البیت واسمعیل** جبکہ ابراہیم و اسمٰعیل بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے چونکہ یہاں رفع کے بعد الیٰ ہے لہٰذا اس سے جسمانی بلندی مراد ہے ہ ضمیر کا مرجع رب تعالیٰ ہے اور اپنی طرف اٹھا لینے سے مراد ایسے مقام پر اٹھا لینا ہے جہاں کسی انسان کی بادشاہت نہ ہو یعنی آسمان پر دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ہجرت کے متعلق فرمایا **انی ذاهب الی ربی** میں اپنے رب کے پاس جانے والا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ **وكان الله عزیزا حکیما** چونکہ اس اٹھانے پر بہت سے عقلی اعتراضات ہو سکتے تھے۔ جسم انسانی بغیر سیڑھی آسمان پر کیسے چڑھ گیا۔ زمہریر اور آگ کے طبقہ میں محفوظ کیسے رہا۔ آسمان پر ہوا و غذا نہیں تو وہاں زندگی کیسی ان تمام خرافات کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے جو چاہے کرے وہ بغیر آلہ آسمان پر پہنچا بھی سکتا اور بغیر ہوا

وغذا زندہ بھی رکھ سکتا ہے۔ جیسے مرغی کے بچہ کو انڈے میں زندہ رکھتا ہے۔ اور حکمت والا بھی ہے کہ اس اٹھانے میں اس کی لاکھوں حکمتیں ہیں۔ لہٰذا بغیر چون وچرا یہ سب کچھ مان لو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا پورا واقعہ مع اعتراضات و جوابات ہم تیسرے پارہ میں بیان کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں بنی اسرائیل کے سات جرم بیان فرمائے توریت پر عمل کرنے کے عہد کو توڑ دینا۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور آیات توریت کا انکار۔ حضرات انبیاء کرام کو ناحق قتل کرنا فخریہ کہنا کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنا۔ حضرت مریم کو بہتان لگانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا دعویٰ جن میں سے دو جرم عملی ہیں عہد توڑنا حضرت انبیاء کا قتل کرنا اور باقی پانچ جرم قولی ہیں۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات شریف پر بہت سے اسلامی عقائد موقوف ہیں جیسے آپ کا سینکڑوں برس بغیر کھائے پیئے آسمان پر زندہ رہنا۔ قریب قیامت دنیا میں آنا۔ دین اسلام کی خدمت کرنا حضور انور کے ساتھ روضہ انور میں دفن ہونا اور وفات مسیح عیسائیت کی جان ہے۔ یعنی مسئلہ کفارہ کہ ان کی سولی عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ہو گئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے گنہگار عیسائیوں کو چھوڑ دیا اور ان کے عوض بے گناہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی۔ اس لئے رب العالمین نے عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر قرآن کریم میں بہت زور دیا ہے۔ دوسرے نبیوں کی حیات وفات پر زور نہیں دیا اور ان جرموں کے بیان کا مقصد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینا ہے۔ کہ ان بنی اسرائیل کی ضد و عناد سے مغموم نہ ہوں۔ یہ تو پہلے بھی ایسے ایسے جرم کر چکے ہیں اور پھٹکار بارہا کھا چکے ہیں۔ ان پر یہ پھٹکاریں اس لئے پڑیں کہ انہوں نے طور کے گرنے کے خوف سے جو مضبوط وعدہ کیا تھا اسے توڑ دیا۔ اور توریت پر عمل نہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات توریت کی آیات دیکھیں اور انکار کیا۔ محض نفسانی خواہش سے حضرات انبیاء کرام کو ناحق شہید کیا۔ چنانچہ حضرت یحییٰ و زکریا علیہم السلام بھی انہیں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ پھر یہی کہتے رہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تو حفاظت و رحمت کے غلاف چڑھے ہیں۔ جیسے غلاف والی کتاب گرد و غبار سے محفوظ رہتی ہے ایسے ہی ہمارے دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا اثر لینے سے محفوظ ہیں۔ اے محبوب ان کی بکواس غلط ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و گناہوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ ایمان سے محروم رہیں گے۔ ہاں ان میں سے کچھ تھوڑے ہی لوگ وہ ہوں گے جنہیں ایمان نصیب ہو گا۔ نیز انہی بد نصیبوں نے حضرت مریم کی کرامات عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے جو بوقت پیدائش ان سے ظاہر ہوئے۔ سب کچھ دیکھ کر بھی اس کنواری بتول طیبہ طاہرہ کو زنا کی تہمت لگائی۔ حالانکہ وہ کرامات پکار رہی تھیں کہ وہ صدیقہ پاک ہیں۔ طیبہ طاہرہ ہیں۔ پھر انہوں نے جناب مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اور مشہور کر دیا کہ ہم نے ان کو سولی دے دی مگر یہ جھوٹے ہیں۔ انہوں نے نہ تو ان جناب کو قتل کیا نہ انہیں سولی دی بلکہ انہیں رب تعالیٰ کی طرف سے شبہ میں ڈال دیا گیا۔ کہ جو ان جناب کو قتل کرنے یا پکڑوانے آیا تھا اسے ان کا ہم شکل کر دیا گیا۔ انہوں نے اسے قتل یا سولی کر دیا پھر ان

میں خود آپس میں پھوٹ پڑگئی کہ بعض تو کہنے لگے کہ ہم نے عیسٰی علیہ السلام کو سولی دی ہے۔ دیکھو ان کا چہرہ وہی ہے اور بعض بولے کہ نہیں یہ تو کسی اور شخص کو سولی دیدی۔ دیکھو اس کے ہاتھ پاؤں عیسٰی علیہ السلام کے سے نہیں ہیں۔ اور اگر عیسٰی علیہ السلام یہی ہیں تو بتاؤ ہمارا طیطیانوس کہاں گیا جو انہیں پکڑوانے کے لئے ان کے پاس حجرہ میں گیا تھا۔ بہر حال انہیں علم یقینی نہیں یقین یا وحی سے ہوتا ہے یا اپنے دیکھ لینے سے یا خبر متواتر سے ان یہودیوں عیسائیوں کے پاس وفات حضرت مسیح کے متعلق نہ وحی الٰہی ہے نہ چشم دید حالات نہ خبر متواتر۔ ان کی موجودہ **انجیلوں** کے مصنفین لوقا متی یوحنا وغیرہ بھی اس سولی کے واقعہ پر موجود نہ تھے۔ محض سنی سنائی باتوں پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے۔ صرف اٹکل پچو اپنے وہم و گمان سے ہی قتل عیسٰی کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ انہیں قتل نہ کرسکے انہیں تو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور سے آسمان پر اپنی طرف اٹھالیا۔ کہ طیطیانوس کے دیکھتے دیکھتے حجرے کی چھت کے ذریعہ آسمان پر تشریف لے گئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ غالب بھی ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا ان سب نے حضرت مسیح کو قتل و سولی کرنا چاہا۔ رب نے انہیں بچانا چاہا۔ جو رب نے چاہا وہ ہوا۔ جو ان سب نے چاہا وہ نہ ہوا اور رب تعالیٰ حکمت والا بھی ہے۔ حضرت مسیح کو عجیب طرح پیدا کرنا عجیب طرح آسمان پر اٹھانا۔ عجیب طرح انہیں بچانا اور انہیں آسمان پر رکھنا اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔

نوٹ ضروری: ہم حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا مفصل واقعہ تیسرے پارے کی تفسیر میں کرچکے ہیں اس لئے یہاں بیان نہیں کرتے۔ اسی واقعہ کے متعلق آج دنیا میں چار عقیدے ہیں۔ اکثر یہودی کہتے ہیں کہ ان کو سولی دے کر شہید کردیا گیا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ وہ جناب سولی پر لٹکے تو ضرور وہاں آپ کی جان بھی نکل گئی۔ سات روز زمین میں دفن رہے پھر زندہ کر کے آسمان پر اٹھائے گئے اور اب وہ آسمان پر زندہ ہیں قریب قیامت اتریں گے مرزائی قادیانی کہتے ہیں کہ وہ سولی پر لٹکے مگر آپ وہاں فوت نہ ہوئے۔ بیہوش ہوگئے۔ پھر وہاں سے نجات پاکر چھپ کر کشمیر آگئے اور کفار کی سلطنت میں رہے اور نہایت گمنامی کی حالت میں وہیں فوت ہوئے اور کشمیر میں ہی آپ کا مزار ہے۔ اسلام و قرآن و حدیث کا فرمان ہے کہ آپ کو سولی دی ہی نہ گئی۔ رب تعالیٰ نے انہیں غیبی طریقہ سے اٹھالیا ایک شخص کو ان کا ہم شکل کردیا گیا۔ اسے سولی دیا گیا۔ آپ آسمان پر محفوظ ہیں اور قریب قیامت زمین پر تشریف لائیں گے دین اسلام کی شاندار خدمات انجام دیں گے اس کی مکمل تحقیق مع سوالات و جوابات تیسرے پارہ سورہ آل عمران میں گزر چکی اس آیت کریمہ کی محمد علی لاہوری قادیانی نے ایسی غلط تفسیر کی ہے جس سے آیت مسخ ہو کر رہ گئی وہ تفسیر نہیں کھلی تحریف ہے۔ اس کا کچھ ذکر ہم انشاء اللہ اعتراضات و جوابات میں ابھی کریں گے۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرکز ہدایت ہیں کسی کو آپ کا حسن دیکھ کر ایمان ملا کسی کو آپ کے اخلاق دیکھ کر کسی کو آپ کی سخاوت دیکھ کر کسی کو آپ کی شجاعت دیکھ کر جیسے داتا کے گھر کے بہت دروازے ہوں کسی فقیر کو کسی دروازہ سے بھیک ملتی ہے کسی کو کسی دروازہ سے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام حسن مصطفیٰ دیکھ ایمان لائے۔ جیسا کہ ان کے واقعات میں آتا ہے۔ ہم لوگ ان کا نام سن کر ہی ایمان لائے ان کا نام بھی ہادی

ہے یہ بھی خیال رہے کہ کفر و ایمان کا مدار ثبوت پر ہے۔ کہ نبی کا ماننا ایمان ہے نبی کا نہ ماننا کفر ہے اسی لئے کفر کے متعلق دو دو جگہ ارشاد ہوا۔ ایک جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انکار کو کفر کہا دوسری جگہ عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کو کفر قرار دیا۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** کفار کے عیوب ظاہر کرنا انہیں بدنام کرنا بالکل جائز ہے۔ کہ اس میں کفر کا زور توڑنا اور کفر سے نفرت دلانا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کے وہ سات عیوب شائع کر دیئے جنہیں لوگ بھول چکے تھے تاکہ ان کفار سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو۔ کفار سے نفرت کا نتیجہ کفر سے نفرت ہے۔ **دوسرا فائدہ** زندہ مردہ کافروں کی غیبت کرنا بھی جائز ہے۔ غیبت مسلمانوں کی حرام ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان آیات میں یہودیوں کے عیوب بیان کئے۔ جنہیں مرے ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں **تیسرا فائدہ** اپنے باپ دادوں کے عیوب اولاد کے عیوب ہیں جب کہ وہ ان کے عیوب سے راضی ہوں یا ان کے دین پر ہوں۔ دیکھو ان آیات میں رب تعالیٰ نے مدینہ منورہ کے یہودیوں کی طرف وہ عیوب منسوب فرمائے جو ان کے باپ دادوں نے کئے۔ یعنی نبیوں کا قتل وغیرہ۔ **چوتھا فائدہ** پیغمبروں کا انکار تمام کفروں سے بدتر کفر ہے بلکہ تمام کفروں کی جڑ ہے کہ اس سے بہت کفر پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو ان آیات میں دو جگہ یہود کے کفر کا ذکر فرمایا۔ **پانچواں فائدہ** کفر اور بعض بدکاریاں بدعملیاں دل پر مہر لگ جانے کا ذریعہ ہیں۔ جیسا کہ " بکفرہم " کی ب سے معلوم ہوا اور دل پر مہر لگ جانا آئندہ ہدایت نہ نصیب ہونے کا ذریعہ ہے۔ اس آیت کریمہ سے وہ آیت صاف ہو گئی **ختم اللہ علی قلوبھم** **چھٹا فائدہ** قرآن کریم کے سوا آج کوئی آسمانی کتاب قابل عمل نہیں۔ اور مسلمانوں کے سوا کوئی قوم سکھ' ہندو' پارسی' یہودی' عیسائی اپنی کتابوں پر عامل نہیں جیسا کہ " بکفرہم بایات اللہ " کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ جناب مسیح کی تعلیم ہے اگر تم کسی عورت کو بد نظری سے دیکھو تو آنکھ نکال دو۔ اگر تم سے کوئی شخص تمہاری پگڑی چھینے تو اسے چوغا بھی دیدو کل کے لئے کھانا جمع نہ کرو۔ تمہاری روزی آسمانوں پر جمع ہے۔ بتاؤ کون عیسائی اس پر عامل ہے۔ اگر یہ لوگ اس پر عامل ہوتے تو تباہ کن ہتھیار نہ بناتے۔ یہ بات صرف مسلمانوں میں ہے کہ تمام آیات محکمات پر بفضلہ تعالیٰ عامل ہیں۔ اس کے لئے ہماری کتاب انجیل اور قرآن کا مطالعہ کرو۔ **ساتواں فائدہ** پاکدامن بی بی کو زنا کی تہمت لگانا بدترین گناہ ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ بی بی خاص رتبہ والی ہو۔ اس سے عذاب الٰہی آجاتا ہے۔ دیکھو یہود پر لعنت و پھٹکار کی وجہ یہ بھی بیان ہوئی کہ وہ جناب مریم بتول کو بہتان لگاتے ہیں۔ لہٰذا آج جو کوئی ام المومنین عائشہ صدیقہ کو بہتان لگائے وہ یہود کی طرح لعنتی اور پھٹکارا ہوا ہے۔ خیال رہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی و عصمت حضرت مریم کی عصمت سے زیادہ اہم ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت مریم کی عصمت کی گواہی جناب عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں گویائی بخش کر دی۔ مگر حضرت عائشہ صدیقہ کی عصمت و عفت کی گواہی براہ راست خود دی کہ آپ کی عصمت کے لئے سورہ نور کی قریباً اٹھارہ آیات اتاریں۔ جب حضرت مریم کو بہتان لگانا لعنت کا باعث ہوا تو حضرت عائشہ

صدیقہ کو بہتان لگانا ہزارہا لعنتوں کا سبب ہے رب نے یہود کی اس حرکت کو بہتان عظیم فرمایا **آٹھواں فائدہ** جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا قائل ہو وہ بحکم قرآن جھوٹا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں یہودیوں کو بھی جھوٹا کہا جو ان کے قتل یا سولی کے قائل تھے اور عیسائیوں کو بھی جھوٹا کہا ہے جو اس کی تائید کرتے تھے۔ آج مرزائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر لٹک جانے اور بعد میں پھر فوت ہو جانے کے قائل ہیں۔ وہ بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے ہیں۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور قریب قیامت تک زندہ رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر لٹک جانے کا عقیدہ بھی اس آیت کے خلاف ہے کیونکہ رب فرماتا ہے **وما صلبوہ** سولی پر لٹکانا بھی سولی دینے میں ہی داخل ہے۔

نوٹ ضروری موجودہ زمانے کے غیر مقلد جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تمام اسلامی عقیدوں کے انکاری ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اہل حدیث کی مشہور کتاب عیون زمزم فی میلاد عیسیٰ ابن مریم میں اہل حدیث کے پیشوا حافظ عنایت اللہ نے لکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا نہ ہوئے۔ انہوں نے بچپن میں کوئی کلام نہیں کیا۔ حضرت مریم کے پاس جناب جبریل نہیں آئے بلکہ روحنا سے مراد مریم کے خاوند یوسف نجار ہیں۔ وہ جناب مریم کے پاس پہنچے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب تک تو ہم قادیانیوں کو روتے تھے مگر اب اہل حدیث کو کیا کہیں جو مرزائیوں سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے۔ تمام اہل حدیث حافظ عنایت اللہ کو بدستور اپنا پیشوا مانتے ہیں اس کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں اس کے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں۔ دیوبندی حضرات بھی اس کا بدستور احترام کرتے ہیں۔

نواں فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیے گئے ان کی موت ابھی واقع نہیں ہوئی۔ یہ فائدہ بل رفع اللہ الیہ سے حاصل ہوا۔ کہ جب رفع کے بعد کسی جسم کا ذکر ہو یا اس کے ساتھ الیٰ ہو تو جسمانی اٹھانا مراد ہوتا ہے۔ یہاں دونوں چیزیں موجود ہیں کہ رفع کا مفعول ہ ضمیر ہے اور بعد میں الیٰ بھی ہے۔ **دسواں فائدہ** عقائد میں گمان یا ظن کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس میں علم یقینی چاہیے جیسا کہ **"الا اتباع الظن"** سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے صرف ماں سے ہے جیسے کہ عیسیٰ ابن مریم فرمانے سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے سوا آپ کے کسی پیغمبر کا ان کی والدیت کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا نیز آپ کو ماں کی طرف نسبت فرمایا نہ کہ باپ کی طرف حالانکہ اولاد کو باپ کی طرف نسبت دینے کا حکم قرآن کریم میں ہے۔ رب فرماتا ہے **ادعوھم لاٰبائھم** معلوم ہوا کہ آپ کا باپ ہے ہی نہیں۔ **بارھواں فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی بھی ہیں رسول بھی اور مرسل بھی۔ جو آپ کے ان اوصاف کا انکار کرے وہ کافر ہے جیسا کہ یہاں رسول اللہ فرمانے سے معلوم ہوا۔ نبوت رسالت مرسلیت کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ **تیرھواں فائدہ** جسے خدا بچائے اسے کوئی مار نہیں سکتا اور جسے خدا مارے اسے کوئی بچا نہیں سکتا۔ دیکھو سارے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کرنا چاہا۔ رب نے بچانا چاہا رب کا چاہا ہوا ان کا چاہا نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ

نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کفار سے مکڑی کے جالے کبوتری کے انڈے کے ذریعے بچالیا۔ فرعون' قارون' شداد کو ان کے قلعے نہ بچا سکے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی گود میں بچالیا ابو جندل کو کفار مکہ کے شر سے مکہ میں رکھ کر بچالیا اس لئے بندے کو رب تعالیٰ پر توکل چاہیے آج بمباری کے موقعہ پر اونچے محل بیکار ثابت ہوتے ہیں۔ اصحاب فیل کو ابابیل سے کوئی طاقت نہ بچا سکی۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں یہود کے کفر کا ذکر دو جگہ کیوں فرمایا ایک "وکفرہم بایات اللہ" دوسرے "وبکفرہم" یہ تو محض تکرار ہے۔ **جواب** پہلے کفر سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار ہے۔ یا توریت شریف کی آیتوں کا انکار دوسرے کفر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار مراد ہے لہٰذا تکرار نہیں۔ **دوسرا اعتراض** جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں پر مہر کر دی جس سے وہ ایمان لا سکتے ہی نہیں۔ تو پھر وہ سزا کے مستحق کیوں ہوئے۔ وہ تو کافر رہے اس مہر کی وجہ سے جو رب نے ان کے دلوں پر لگادی۔ **جواب** وہ اس کے مجرم ہیں کہ انہوں نے کفر و گناہ کر کے اپنے دلوں پر مہر لگوائی مہر لگنے کے اسباب انہوں نے جمع کیے جیسے ہم کسی کو تلوار ماریں اور رب تعالیٰ اسے موت دے تو موت تو رب نے دی مگر اسباب موت ہم نے جمع کیے۔ لہٰذا ہم مجرم ہیں ایسے ہی یہاں ہے۔ **تیسرا اعتراض** جب یہود کے دلوں پر مہر لگ چکی جس سے وہ ایمان کے قابل نہ رہے۔ تو ان سے بعض لوگ ایمان کیوں لے آئے اور "الا قلیلا" فرمانا کیسے درست ہوا۔ **جواب** تفسیر میں گزر گیا کہ ایمان لانے والے وہ یہود تھے جن کے دلوں پر مہر نہ لگی تھی۔ جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھ رضی اللہ عنہم اور یہ **استثناء** منقطع ہے متصل نہیں لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھایا جانا ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی اور کا آپ کے ہم شکل ہو کر سولی دیا جانا ثابت ہوا کیونکہ آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ یہود نہ تو حضرت عیسیٰ کو قتل کر سکے نہ انہیں سولی دے سکے۔ سولی پر آپ کی جان نہ نکل سکی بلکہ آپ موت میں دوسرے لوگوں کے مشابہ کئے گئے کہ ان کی موت دوسروں کی طرح طبعی طور پر واقع ہوئی۔ رفع کے معنی آسمان پر اٹھانا نہیں بلکہ جناب عیسیٰ کے درجات بلند کرنا ہیں۔ جیسے رب فرماتا ہے **ورفع بعضهم درجت** یعنی اللہ نے ان کے درجے بلند فرمائے کہ انہیں رسول بنایا۔ (مرزائی قادیانی) یہ تفسیر محمد علی لاہور قادیانی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں کی ہے۔ اور اس پر بہت ناز کیا ہے۔ **جواب** یہ اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ کھلی تحریف ہے۔ کیونکہ شبہ لہم کے یہ معنی کرنا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو موت میں ان کی طرح کر دیا کہ وہ طبعی موت سے فوت ہوئے محض تحریف ہے یہ آیت اس معنی میں نہیں آتی۔ نیز جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کی سولی پر لٹک کر جان نہ نکلنا بھی ان کا معجزہ ہے پھر آپ کی موت دوسروں کی طرح کب رہی۔ دوسرے لوگ سولی پر لٹک کر ہی مرجاتے ہیں۔ لہٰذا آیت کے یہ معنی تمہارے بیان کیے ہوئے مطلب کے بھی خلاف ہیں۔ نیز جب رفع کا مفعول کوئی جسم ہو تو وہاں جسمانی اٹھانا مراد ہوتا ہے۔ نہ کہ بلندی درجات۔ چنانچہ فرماتا ہے **ورفع ابويه على العرش** اور فرماتا ہے۔ **اذ يرفع ابراهيم**

القواعد من البیت ان دونوں آیتوں میں جسمانی اٹھانا مراد ہے۔ کیونکہ یہاں رفع کا مفعول والدین ہیں دوسری آیت میں کعبہ کی دیواریں یہاں بھی رفع کا مفعول حضرت عیسیٰ ہیں۔ نیز الیہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ بلندی درجات نہ تھی بلکہ جسمانی اٹھانے سے تھی۔ کیونکہ اگر رفع کے بعد الیٰ یا علیٰ ہو تو یقیناً مکانی بلندی مراد ہوتی ہے۔ گویا یہاں دو قرینوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ مکانی بلندی مراد ہے۔ ایک یہ کہ رفع کا مفعول جسم ہے دوسرے یہ کہ رفع کے بعد الیٰ فرمایا گیا ہے تمہاری پیش کردہ آیت **ورفع بعضھم درجت** میں رفع کا مفعول درجات ہیں لہٰذا وہاں بلندی مکانی مراد نہیں۔ نیز تمہاری یہ تفسیر تمام صحابہ کرام مفسرین محدثین و اجماع امت کے خلاف ہے۔ اس لئے بھی باطل محض ہے۔

نوٹ:۔ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے متعلق مرزائیوں کے اور بہت سے اعتراض ہیں جو ہم نے تیسرے پارہ میں مع جوابات بیان کئے۔

پانچواں اعتراض کسی انسان کے دوسرے کے ہم شکل ہو جانا قانون قدرت کے خلاف ہے۔ نیز بلاقصور کسی کو جناب عیسیٰ کے ہم شکل کر کے سولی دلوا دینا ظلم ہے۔ رب تعالیٰ ان دونوں عیبوں سے پاک ہے (مرزائی) **جواب** اس کے تفصیلی جواب تیسرے پارے میں گزر گئے۔ وہاں مطالعہ کرو۔ رب تعالیٰ قانون کا پابند نہیں۔ وہ قادر مطلق بھی ہے۔ بہت جگہ ہم شکلی اور تبدیلی شکل ہوتی رہتی ہے۔ طیطانوس منافق تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کا چھپا دشمن یہ دو جرم اس سزا کے لائق تھے۔ رب تعالیٰ نے بچھڑا پرستی پر ہزارہا اسرائیلیوں کو قتل کرا دیا۔ نیز یہاں رفعت سے بلندی درجات مراد لینا قرآن کریم کی روش کے خلاف ہے۔ کیونکہ فرمایا گیا "بل رفعہ اللہ" یعنی انہوں نے جناب مسیح کو قتل یا سولی نہ کیا بلکہ انہیں اللہ نے اٹھا لیا۔ اگر بلندی درجات مراد ہوتی تو بل نہ فرمایا جاتا کہ خدا کی راہ میں ظلماً قتل یا سولی ہو جانا شہادت ہے اور شہادت سے بلندی درجات ہوتی ہے۔ نہ کہ شہادت کے مقابل اپنی طبعی موت پر فوت ہونے سے پھر بل بالکل لغو و بیکار ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ تفسیر و تاویل محض باطل اور قرآن کریم کے خلاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر لاکھوں احسانات ایسے فرمائے جن میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ اسے آخری امت بنایا کہ اس امت کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ کوئی کتاب جس کی وجہ سے ہمارے عیوب چھپے رہے۔ اگر ہمارے بعد کوئی اور نبی یا کتاب ہوتی تو ہمارے عیوب بھی ایسے کھل جاتے جیسے یہود و نصاریٰ کے بڑے پرانے عیوب کھلے چھپے تمام کے تمام قرآن و حدیث کے ذریعہ شائع کر دیئے گئے۔ دیکھو ان آیات میں صدیوں پہلے گزرے ہوئے یہود کے کیسے کیسے عیب کھلے۔ حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تیس سال کی عمر شریف میں اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر تشریف لے گئے۔ کل تین سال تبلیغ نبوت فرمائی۔ پھر قریب قیامت تشریف لا کر اسلام کی تبلیغ فرمائیں گے اور امت محمدیہ کے آخری ولی عامہ ہوں گے۔ یعنی آپ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں اور امت اسلامیہ

کے آخری ولی۔ امام مہدی۔ اور اصحاب کہف آپ کے خدام ہوں گے۔ نکاح کریں گے صاحب اولاد ہوں گے۔ امام سیوطی نے تفسیر در منثورہ میں سورہ کہف کی تفسیر میں فرمایا کہ چار نبی زندہ ہیں۔ دو آسمانوں میں حضرت ادریس و عیسیٰ دو زمینوں میں حضرت خضر و الیاس علیہم الصلوۃ والسلام۔ جناب خضر کا مرکزی مقام پانی ہے۔ حضرت الیاس کا مرکزی مقام خشکی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روح اول ہیں اور حضرت مسیح عقل اول۔ اسی اولیت میں شرکت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معراج آسمانی ہوئی اور جناب مسیح کو بھی عروج آسمانی دیا گیا۔ اگرچہ دونوں معراجوں کی حکمتوں میں فرق ہے اور اس وجہ سے حضرت مسیح کو خاتمیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصی نسبت ہے۔ (روح البیان) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ملکی انسان بنایا اور زمینی و آسمانی مخلوق میں سے قرار دیا۔ انہیں فرشتوں کی طرح کھانے پینے پہننے سے بے نیاز کر دیا۔ اب وہ فرشتوں کی طرح عرشی ہیں (عرائس البیان)

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ
اور نہیں ہے کوئی کتاب والوں سے مگر وہ ضرور ان پر ایمان لے آوے گا کی وفات سے پہلے اور
کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے اور
الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ ﴿۱۵۹﴾
دن قیامت کے ہوں گے وہ ان پر گواہ
قیامت کے دن ان پر گواہ ہو گا

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ تشریف لے جانے کا ذکر تھا اور اس وقت پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ ہوا اب آپ کے آسمان سے واپس تشریف لانے کا ذکر ہے اور اس وقت اہل کتاب کے جو حالات ہوں گے اس کا تذکرہ ہے۔ چونکہ آپ کا آسمان پر جانا بھی عجیب تھا۔ اور اب وہاں سے آنا بھی عجیب ہو گا۔ لہٰذا ایک عجیب واقعہ کے بعد دوسرے عجیب واقعہ کا ذکر ہوا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں یہود و نصاریٰ کے اس اختلاف و شبہ کا ذکر ہوا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اب تک ان میں ہے اب اس اختلاف کی انتہاء کا ذکر ہے کہ قریب قیامت جب وہ جناب زمین پر تشریف لائیں گے تو ان کے متعلق لوگوں کے سارے اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ گویا اختلاف کی ابتداء کا ذکر پہلے ہوا اس اختلاف کی انتہا کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود و نصاریٰ کے کفریہ عقائد کا ذکر ہوا کہ یہ دونوں فرقے ان کے متعلق غلط عقیدے رکھ کر کافر ہوئے۔ اب ان دونوں فرقوں کے اس کفر کی انتہا کا ذکر ہے کہ ان کے یہ کفریہ عقیدے

اس وقت تک ہیں جب تک کہ وہ جناب پردہ غیب میں ہیں۔ ان کے اس عالم مشاہدہ میں آتے ہی یہ تمام عقیدے باطلہ ختم ہو جاویں گے۔ اور یہود و نصاریٰ دونوں ان جناب کی عبدیت و نبوت پر ایمان لائیں گے۔ شعر:۔

☆ کفر و اسلام کے جھگڑے ترے چھپنے سے بڑھے ☆ تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے ☆

تفسیر **وان من اھل الکتب** چونکہ یہ کلام نیا ہے اس لئے اس کے شروع میں واؤ ابتدائیہ آیا۔ ان نافیہ ہے۔ "ما" زائدہ قرآن مجید میں ہے کبھی کتاب بمعنی خط و تحریر آتا ہے جیسے بلقیس نے کہا تھا **القی الی کتب کریم** کبھی بمعنی قرآن مجید جیسے **ذلک الکتب لا ریب فیه** مگر اہل کتاب میں کتاب سے توریت انجیل زبور مراد ہوتی ہے۔ یہاں وہی مراد ہے اگرچہ یہود و نصاریٰ بھی عقیدوں میں مشرک و کافر ہیں مگر چونکہ اپنے کو نبیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں خواہ غلط نسبت ہی سہی اس لئے انہیں مشرکین یا کفار نہیں کہا جاتا۔ اہل کتاب کہا جاتا ہے۔ ان کے احکام بھی مشرکین و کفار کے احکام سے نرم ہیں۔ کہ ان کا ذبیحہ حلال ان کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح درست ہے۔ یہاں اہل کتاب سے مراد سارے یہود و نصاریٰ ہیں یعنی توریت انجیل کے ماننے والے اس سے صرف عیسائی یا علماء اہل کتاب مراد لینا سخت غلطی ہے جیسا کہ مرزائیوں سے سرزد ہوئی۔ جس کا ذکر انشاء اللہ اعتراض و جواب میں آئے گا **الا لیومنن به قبل موته**۔ الا حرف استثناء ہے۔ جس کا مستثنیٰ منہ پوشیدہ ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ الا بمعنی لکن ہو یعنی اہل کتاب کسی حالت میں نہ ہوں گے سوا اس حال کے کہ ایمان لے آئیں گے۔ غرض کہ انہیں بجز عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان کے چارہ کار نہ ہو گا۔ "لیومنن" میں ایمان سے مراد صحیح ایمان ہے جو اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے ورنہ عیسائی تو آج بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں یہ ایمان محض کفر ہے "بہ" کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں ایک یہ کہ ہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے دوسرا یہ کہ اس کا مرجع حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (تفسیر خازن' سراج منیر در منثور وغیرہ) تیسرے یہ کہ اس کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں (عام تفاسیر) مگر پہلی دو تفسیریں نہایت ہی ضعیف ہیں۔ تیسری تفسیر نہایت قوی کیونکہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ نہ کہ خداوند تعالیٰ کا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لہذا صحیح یہ ہی ہے کہ بہ کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں "قبل موتہ" قبل ظرف ہے۔ **لیومنن** کا۔ موت سے مراد ہے وفات اور ہ کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا مرجع اہل کتاب ہیں۔ معنی یہ ہیں نہیں ہے کوئی اہل کتاب مگر وہ اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آوے گا۔ یعنی اپنے مرنے سے پہلے غرغرہ کی حالت میں پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان لاتا ہے۔ پھر اس کی جان نکلتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کتابی قتل کیا جاوے۔ دریا میں ڈوبے۔ جل جاوے۔ اسے شیر کھا جاوے کسی طرح مرے پہلے وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے۔ اس طرح کہ یہودی تو اس جناب کو سچا نبی مان لیتا ہے اور عیسائی ان کی عبدیت یعنی اللہ کا بندہ ہونے کا اقرار کر لیتا ہے۔ پھر اس کی جان نکلتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کی ایک تفسیر یہ ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہ ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام اور موت سے مراد آپ کی وہ وفات شریف ہے جو قریب

قیامت آپ کے زمین پر تشریف لانے یہاں سات سال یا چالیس سال رہنے کے بعد آوے گی اور اس عبارت کے معنی یہ ہیں۔ کہ ان جناب کے زمین پر تشریف لانے پر اس وقت جتنے کتابی ہوں گے یہودی ہوں یا عیسائی وہ آپ کی زندگی شریف میں پر ایمان لے آئیں گے۔ اس وقت دنیا میں سوا اسلام کے اور کوئی دین نہ ہو گا۔ پہلی تفسیر بہت ضعیف ہے دوسری تفسیر نہایت ہی قوی ہے چند وجہ سے **ایک** یہ کہ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ عام مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر جلالین۔ صاوی۔ جمل۔ خازن۔ بیضاوی۔ مدارک خزائن عرفان وغیرہ **دوسرے** یہ کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت تشریف لائیں گے چنانچہ امام بخاری نے بخاری شریف میں باب باندھا عیسیٰ ابن مریم کا نزول۔ اس میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعا روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عنقریب عیسیٰ ابن مریم تم میں منصف حاکم بن کے اتریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو دنیا سے فنا کر دیں گے (یعنی کسی کو عیسائی یہودی رہنے کی اور سور کھانے کی اجازت نہ دیں گے) جزیہ کا مسئلہ ختم فرما دیں گے (یعنی اس وقت اسلام یا قتل ہو گا کسی کو کافر رہنے کی اجازت نہ ہو گی) دنیا میں مال کی فراوانی ہو گی۔ تمام لوگ متقی مومن ہوں گے۔ حتیٰ کہ لوگوں کی نظر میں ایک سجدہ دنیا بھر کی نعمتوں سے زیادہ پیارا ہو گا۔ پھر آپ نے یہ ہی آیت تلاوت کی **وان من اهل الكتب** یہ حدیث مسلم نے حسن حلوانی سے روایت کی۔ نیز یہ حدیث بہت سے محدثین نے نقل فرمائی **تیسرے** یہ کہ مسلمانوں کا اجماع اس پر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اس وقت سارے عالم میں صرف مسلمان رہیں گے۔ کیونکہ تمام دنیا والے ایمان لے آئیں گے۔ یہ تفسیر اجماع امت کے مطابق ہے۔ **چوتھے** یہ کہ مرتے وقت غرغرہ کی حالت کا ایمان شرعاً معتبر نہیں۔ اگر اہل کتاب اپنے مرتے وقت ایمان لے بھی آویں تو قبول نہیں پھر اس غیر معقول ایمان کا ذکر بے فائدہ ہی ہے۔ **پانچویں** یہ کہ پہلی تفسیر آیت کریمہ کے مقصد کے بھی خلاف ہے۔ اور اس موقعہ کے بھی خلاف کیونکہ یہاں یہود کے اس قول کی تردید ہو رہی ہے کہ ہم نے جناب مسیح کو سولی دیدی اور ان کی موت واقع ہو چکی۔ رب نے فرمایا کہ یہ غلط ہے۔ وہ زندہ ہیں پھر دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اگرچہ ابھی یہود یہ نہ مانیں مگر جب وہ آئیں گے تو انہیں ماننا پڑ جاوے گا۔ کہ آپ کی موت واقع نہ ہوئی تھی۔ ہم غلطی پر تھے مقصد تو یہ ہے اگر آیت کے معنی یہ ہوں کہ یہودی عیسائی اپنے مرنے سے پہلے اس پر ایمان لے آتے ہیں تو اس آیت کو اس مقام سے مناسبت کیا ہوئی اور اس میں یہود کی تردید کیسے ہوئی **چھٹے** یہ کہ اس آیت کے آخر میں ارشاد ہے۔ **يكون عليهم شهيدا** عیسیٰ علیہ السلام ان اہل کتاب کے خلاف گواہی دیں گے۔ یہ جملہ اس تفسیر کے بالکل خلاف ہے اور بے تعلق ہو جاوے گا۔ بہر حال دوسری تفسیر ہی قوی ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آویں گے یہ واقعہ قریب قیامت ہو گا **ويوم القيمة يكون عليهم شهيدا** اس عبارت میں جناب مسیح کے دوسرے کمال کا ذکر فرمایا گیا۔ **يكون** کا اسم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ضمیر ہے۔ **عليهم** میں ہم کی ضمیر یا تو سارے اہل

کتاب کی طرف لوٹتی ہے عیسائی ہوں یا یہودی یا ان یہودیوں کی طرف ہے جنہوں نے اپ پر ظلم و ستم کیے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی اور ان عیسائیوں کی طرف جنہوں نے بروقت آپ سے بے وفائی کی۔ شہید سے مراد خلاف گواہی دینے والا گواہ ہے کیونکہ علی ضرر کے لئے ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت میں رب تعالٰی کے سامنے تمام یہودیوں یا عیسائیوں یا ان ظالم و بے وفا یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف گواہی دیں گے مقصد یہ ہے کہ ان ظالموں بے وفاؤں نے یہ حرکتیں کرکے جناب عیسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگاڑا وہ تو اللہ کی حفاظت میں زندہ ہیں۔ پھر زمین پر آئیں گے۔ خود اپنا ہی بگاڑ لیا کہ اپنے خلاف ایک نبی کی گواہی بنائی۔ مگر پہلی تفسیر بہت ہی قوی ہے کہ آپ سارے اہل کتاب بنی اسرائیل کے خلاف گواہی دیں گے۔ کیونکہ یہاں آیت کریمہ میں کسی جماعت کسی واقعہ کی قید نہیں۔ **علیھم** مطلق ارشاد ہوا ہے۔ تو آپ ہر اسرائیلی کی ہر حال کی گواہی دیں گے۔ خیال رہے کہ قیامت میں ہر نبی اپنی امت کے موافق یا مخالف گواہی دیں گے۔ مگر ہمارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے نبیوں کے حق میں بھی گواہی دیں گے اور اپنی امت کے حق میں بھی۔ اور امت کی گواہی پر بھی گواہی دیں گے۔ دیگر انبیائے کرام کی گواہیوں اور آپ کی گواہی میں اتنے فرق ہوں گے۔ رب فرماتا ہے **من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھولاء شھیدا** یہاں جناب مسیح کی گواہی کا ذکر ہے قیامت کا دن حضرات انبیاء خصوصاً عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادائے گواہی کا دن ہو گا۔ اور دنیا کا زمانہ ان کے گواہ بننے کا زمانہ ہے۔ گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ گواہ بنتے وقت واردات پر موجود ہو اور گواہی دیتے وقت حاکم کی کچہری میں موجود ہو۔ معلوم ہوا کہ آپ تا روز قیامت تمام اسرائیلیوں کے ہر حال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ ورنہ گواہی کیسی شاہد عام ہے شہید خاص۔ سوا شاہد اسے کہا جاتا ہے جو صرف واردات کی گواہی دے۔ اور شہید وہ ہوتا ہے جو واردات۔ مدعی کے حالات۔ اس کی ہر بات کی گواہی دے۔ شاہد سے شہید بہت خاص ہے۔ جناب مسیح تمام یہود و نصاریٰ کے ہر حال کے گواہ ہوں گے۔ ان کے خلاف ہر طرح کی گواہی دیں گے۔ آپ چوتھے آسمان پر رہتے ہوئے زمین کے ہر اسرائیلی کے ہر حال سے خبردار ہیں۔ آپ اپنی نظر کے متعلق فرماتے ہیں۔ **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم**

خلاصہ تفسیر ہماری تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں جن میں سے ایک تفسیر قوی ہے باقی ضعیف۔ ہم خلاصہ میں وہی ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ جو نہایت قوی ہے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے حضرت عیسیٰ کے متعلق جو کچھ بیان کیا وہ حق ہے کہ انہیں قتل یا سولی نہ کیا جا سکا۔ وہ بغیر موت آئے اسی طرح صحیح و سالم آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اگرچہ ابھی اہل کتاب یہ بات نہ مانیں۔ مگر عنقریب وہ وقت آ رہا ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام پر ویسا ہی ایمان لے آئیں گے جیسا کہ ان کے متعلق قرآن کریم نے خبر دی ہے۔ اور جیسا کہ ان پر مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہودی ان کی نبوت کا اقرار کر لیں گے۔ اور عیسائی ان کی بندگی کا اعتراف کر لیں گے۔ اور ان میں سے کوئی شخص ان کے قتل یا سولی ہو

جھکنے کا عقیدہ نہ رکھ سکے گی۔ دنیا دیکھ لے گی کہ اسلام نے جو فرمایا تھا وہ حق تھا اور ان اہل کتاب کے خیالات محض باطل تھے یہ تو دنیا کے حالات تھے۔ آخرت میں قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ظالم یہودیوں اور بیوفا عیسائیوں کے خلاف بارگاہ الٰہی میں گواہی دیں گے۔ جس گواہی سے یہ لوگ دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ غرض کہ عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف کارروائیاں کرنے والوں نے جناب عیسیٰ کا تو کچھ نہ بگاڑا۔ اپنا ہی نقصان کر لیا کہ اپنے خلاف اتنے بڑے پیغمبر کو گواہ بنا لیا۔

نزول مسیح کی اہم حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کے متعلق آیات قرآنیہ بھی ہیں اور احادیث تو بے شمار ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک حدیث بیان کرتے ہیں جو ابن کثیر نے مسند امام احمد سے باسناد صحیح بروایت ابو ہریرہ نقل فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارے نبی علاتی بھائی ہیں۔ کہ دین تمام کا ایک ہے۔ فروعات (امہات) الگ الگ۔ ہم عیسیٰ ابن مریم سے بہت ہی قریب ہیں کہ ہمارے ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ وہ قریب قیامت آسمان سے اتریں گے۔ جب تم انہیں دیکھو تو اس حلیہ سے پہچاننا کہ وہ درمیانہ قد ہیں سرخ و سفید رنگ ہے۔ وہ دو کپڑے قطری پہنے ہوں گے۔ بغیر پانی استعمال کئے ان کے سر شریف سے قطرے ٹپکا کریں گے۔ وہ تشریف لا کر صلیب کو توڑ دیں گے۔ سوروں کو ختم فرما دیں گے۔ جزیہ کا حکم ختم فرما دیں گے۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام دین ختم ہو جائیں گے دجال کو آپ ہلاک کریں گے۔ دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہو گا۔ حتی کہ شیر و اونٹ۔ چیتا اور گائے بکری اور بھیڑیا ایک ساتھ چریں گے۔ بچے سانپوں سے کھیلیں گے۔ چالیس سال زمین میں رہیں گے پھر وفات پا جائیں گے۔ مسلمان ان پر نماز پڑھیں گے۔ بعض روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روضہ انور میں دفن ہوں گے۔ اس حدیث کو ابو داؤد' بخاری شریف مسلم شریف وغیرہ کتب حدیث میں مختلف راویوں اور مختلف الفاظ سے نقل فرمایا۔ یہ حدیث معنی متواتر ہے۔

لطیفہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ان تمام حدیثوں کے متعلق کہا کہ ان میں میری آمد کی خبر دی گئی ہے۔ کیونکہ جناب عیسیٰ علیہ السلام تو وفات پا چکے جس مسیح کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ وہ میں ہوں مسلمان غور کر لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب مسیح کی جو صفات بیان فرمائیں ان میں سے ایک صفت بھی قادیانی صاحب میں نہیں ہے۔ ان کا نام عیسیٰ ابن مریم۔ مرزا کا نام غلام احمد ابن چراغ بی بی ان کے زمانہ میں بھی اسلام کے سوا تمام دین ختم ہو جائیں گے۔ مرزا جی کے زمانہ میں تمام کفریات موجود اور عیسائیت کو بہت فروغ ان کے زمانہ میں مال پانی کی طرح بہے گا۔ مرزا جی کے زمانہ میں لوگوں کی غریبی کا یہ حال کہ خود مرزا کا اور اس کی اولاد کا گزارہ جائز ناجائز چندوں اور بہشتی مقبرہ کی قبروں کی تجارت پر جبکہ ان کے زمانہ میں دنیا میں امن و امان مکمل ہو گا۔ مرزا جی کے زمانہ میں چوری ڈکیتی قتل و غارت خدا کی پناہ۔ ان کی وفات شریف مدینہ منورہ میں دفن روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مرزا کی موت لاہور کے ایک پاخانہ میں دفن قادیان میں۔ خود فیصلہ کر لو کیا

مرزا جی وہی مسیح موعود ہیں جن کی تشریف آوری کی خبر حضور انور نے دی ہے۔ **نعوذ باللہ۔**

☆ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ☆ کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک ☆

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی۔ آپ زندہ ہیں کیونکہ آپ کی وفات سے پہلے سارے اہل کتاب کا آپ پر ایمان لانا ضروری ہے اور ابھی سارے اہل کتاب آپ پر ایمان لائے نہیں تو ابھی وفات کیسی؟ سارے یہودی آپ کی نبوت کے انکاری ہیں اور سارے عیسائی آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ رہے ہیں یہ فائدہ موتہ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت زمین پر تشریف لائیں گے۔ آپ کی یہ آمد حق ہے علامات قیامت سے ہے۔ یہ فائدہ بھی موتہ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **وانہ لعلم للساعۃ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔ **تیسرا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر تمام کفار مسلمان ہو جائیں گے دنیا میں اسلام کے سوا کوئی دین نہ رہے گا۔ یہ فائدہ لیومنن سے حاصل ہوا۔ کہ جب حضرت مسیح کسی کتابی کو اپنے دین پر رہنے کی اجازت نہ دیں گے۔ تو دوسرے کفار و مشرکین کو کیسے کافر رہنے دیں گے۔ اس کے متعلق ہم احادیث پیش کر چکے ہیں۔ **چوتھا فائدہ** حضرات انبیاء کرام اپنی امت کے عقائد و اعمال سب پر مطلع ہوتے ہیں۔ اعمال کھلے ہوں یا چھپے نبی کی نگاہ سے غائب نہیں کیونکہ یہ حضرات ان کے گواہ ہیں اور گواہی کامل وہی ہے جو دیکھ کر ہو ان کی گواہی کامل ہو گی ناقص نہ ہو گی یہ فائدہ "شہیدا" کی تنوین عظیمی سے حاصل ہوا۔ جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** تم جو کچھ اپنی کوٹھڑیوں میں کھاتے بچاتے ہو میں اس کی خبر تم کو دیتا ہوں یہ تو تمام انبیاء کا علم ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولین و آخرین کے اعمال و عقائد کا مشاہدہ فرما رہے ہیں کیونکہ ان سب کے گواہ ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وجئنابک علی ھؤلاء شہیدا** اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول اور شان حبیب الرحمان میں مطالعہ کرو۔ حضور تمام اولین و آخرین کے اعمال و عقائد کا مشاہدہ فرما رہے ہیں مقدمہ کی تحقیقات کرنا گواہی وغیرہ لینا حاکم کے بے علم ہونے کی دلیل نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ قیامت میں اپنے تمام بندوں کا فیصلہ مقدمہ فرما کر کرے گا۔ اور اس مقدمہ میں نبیوں ولیوں فرشتوں بلکہ ہمارے اعضا کی گواہی لے گا حالانکہ وہ علیم و خبیر ہے۔ تاکہ کوئی شخص اس کریم کے فیصلہ پر اعتراض نہ کر سکے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ صدیقہ کے تہمت کی تحقیقات کرانا یا دیگر مقدمات میں گواہی وغیرہ لینا آپ کی بے علمی کی دلیل نہیں **چھٹا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت میں صرف عیسائیوں کے ہی گواہ نہ ہوں گے بلکہ یہود کے خلاف گواہی دیں گے جیسا کہ اہل کتاب کے عموم سے معلوم ہوا۔ کیونکہ آپ بنی اسرائیل کے نبی ہیں اور بنی اسرائیل میں یہودی بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ خود فرماتے ہیں **ورسولا الی بنی اسرائیل** تو سارے بنی اسرائیل آپ کی امت دعوت ہیں اور ہر نبی اپنی امت دعوت پر گواہ ہے۔ مرزائی اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ

صرف عیسائیوں کے خلاف گواہ ہیں۔ مگر ان کا یہ قول اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **ساتواں فائدہ** اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو ایسا قوی حافظہ بخشا ہے۔ کہ ہزار ہا سال گزر جانے بلکہ وفات پا جانے کے باوجود کوئی چیز نہیں بھولتے۔ اگر یہ حضرات بھول جانے والے ہوتے تو قیامت میں رب تعالیٰ کے سامنے گواہی کیسے دیتے بخلاف ہم لوگوں کے ہم دنیا میں پرانی باتیں بھول جاتے ہیں آخرت کا پوچھنا کیا۔ اسی لئے ہمارے کاموں کی تحریریں کتابوں کی شکل میں بروز محشر ہم کو دی جائیں گی اور کہا جاوے گا۔ **اقراء کتابک** (اپنا نامہ اعمال پڑھ) ان حضرات کی گواہیاں کتابیں دیکھ کر نہ ہوں گی۔ خود ان کی اپنی یاد پر ہوں گی اور ان کی اپنی یاد ایسی معتبر ہوگی کہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ان کی ان گواہیوں پر ہوگا۔ اندازہ لگاؤ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا حافظہ کیسا ہے کہ سارے عالم کے ہر کھلے چھپے حال کے گواہ ہیں۔ وہ بھولنا جانتے ہی نہیں اگر وہ بھول جائیں تو ہم گنہگاروں کا ٹھکانہ نہ لگے۔ ہم سب کے بیڑے انہیں کی یاد پر پار لگیں گے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس رب نے انہیں اتنا بڑا ذمہ دار گواہ بنایا۔ انہیں اس کے لائق قوت حافظہ بخشی۔ **آٹھواں فائدہ** حضرات انبیاء کرام قیامت میں ہر شخص کو پہچانیں گے۔ ہر شخص کی صفات اس کی ذات اس کے حالات کو جانتے ہوں گے۔ کیونکہ اس پہچان کے بغیر گواہی ناممکن ہے۔ اب غور کرلو کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کس شان کی ہوگی۔ حضور تو از آدم تا قیامت ہر انسان کو پہچانتے ہیں کیونکہ سب کے گواہ ہیں یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ حضور اپنی امت کو صرف آثار وضو سے پہچانیں گے۔ کیونکہ بہت مسلمان فرضیت نماز سے پہلے فوت ہوئے جیسے معراج سے پہلے فوت ہو جانے والے صحابہ اور بہت مسلمان ایمان لاتے ہی مر جاتے ہیں۔ بہت لوگ اپنی شامت نفس سے نماز پڑھتے ہی نہیں۔ اگر حضور کی پہچان صرف وضو سے ہوتی تو ان لوگوں کی شفاعت کی کیا ضرورت ہوتی۔ لہٰذا حدیث پاک میں عام پہچان کا ذکر ہے حضور کو خصوصی پہچان بھی عطا ہوئی۔ **شعر:۔**

☆ وہ لیں گے چھانٹ اپنے نام لیواؤں کو محشر میں ☆
☆ غضب کی بھیڑ میں انگی میں اس پہچان کے صدقے ☆

اعتراضات چونکہ یہ آیت کریمہ اور ہماری پیش کردہ احادیث مرزائیوں کے مذہب کا خاتمہ کر دیتی ہے کہ اگر جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کا نزول ثابت ہو جاوے تو مرزا جی کی نبوت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے مرزائی اس آیت و احادیث کو بگاڑنے ان کی تحریفیں کرنے میں بہت زور لگاتے ہیں۔ ہم ان کے اعتراضات مع جوابات اسی تفسیر کے تیسرے پارے سورہ آل عمران میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ان کی چند تحریفیں مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ مولوی محمد علی لاہوری اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں۔

پہلا اعتراض **قبل موتہ** میں ہ ضمیر کا مرجع اہل کتاب ہیں جناب عیسیٰ علیہ السلام نہیں ورنہ صرف وہ ہی یہودی ایمان

پائیں گے جو اس زمانہ میں موجود ہوں باقی تمام یہودی اس سے محروم رہیں گے۔ لہٰذا آیت کے یہ معنی ہیں کہ ہر کتابی اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آوے گا (بیان القرآن) **جواب** تمہارے اس معنی پر کہ سارے اہل کتاب اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ سارے ہی اہل کتاب ایمان سے محروم ہو گئے کیونکہ موت کے وقت غرغرہ کی حالت میں ایمان لانے کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں اور نہ یہ ایمان ذریعہ نجات ہے نجات اس ایمان کے ذریعہ ملتی ہے جو زندگی میں لایا جاوے۔ اس وقت کا ایمان مفید ہے غرغرہ کا ایمان غیر مفید۔ فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا مگر بے سود۔ اس سے فرمایا گیا **آلن وقد عصیت قبل** کیا ایمان لاتا ہے اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا۔ بہرحال یہی تفسیر قوی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر سارے اہل کتاب جو اس وقت موجود ہوں گے ایمان لے آویں گے اور یہ واقعہ قریب قیامت ہو گا۔ کیونکہ دوسری آیت کریمہ اس تفسیر کی تائید کر رہی ہے۔ **وجعلنہ علما للساعۃ** نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی جیسا کہ ہم خلاصہ تفسیر میں عرض کر چکے قرآن کی وہی تفسیر قوی ہے جو خود قرآن کریم اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں۔ **دوسرا اعتراض** تمہاری یہ تفسیر قرآن مجید کی دوسری آیت کے خلاف ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفرو الی یوم القیمۃ** اے عیسیٰ میں تمہارے متبعین کو قیامت تک کافروں پر فوقیت دوں گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفار قیامت تک رہیں گے جن پر مومن اور عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین غالب رہیں گے اگر قریب قیامت کفر رہے ہی نہیں اسلام ہی اسلام ہو جاوے تو یہ فوقیت کیسی؟ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کی آمد قرب قیامت اور کفر کا دنیا سے مٹ جانا بالکل غلط ہے۔ (قادیانی) **جواب** تمہاری پیش کردہ آیت میں کفار پر مومنوں کی برتری کا ذکر ہے کفار کے تاقیامت رہنے کا ذکر نہیں۔ کفار کا رہنا اور چیز ہے اور ان پر مومنوں کی برتری دوسری چیز۔ مرے ہوئے کفار کی بدنامی ان کی ذلت و رسوائی مومنوں کی عزت یہ ان پر برتری ہے۔ آج ہم کو ابوجہل و ابولہب پر برتری حاصل ہے حالانکہ وہ لوگ جہنم میں پہنچ چکے ہیں بلکہ حضرت صدیق و فاروق کو ان کفار پر اب تک بلکہ تاقیامت برتری حاصل رہے گی حالانکہ نہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اب دنیا میں ہیں نہ وہ کفار۔ **شعر:۔**

☆ زندہ است نام فرخ و نوشیرواں بہ عدل ☆ گرچہ بسے گذشت کہ نوشیروان نماند ☆

☆ قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت ☆ نوشیرواں نمرو کہ نام نکو گزاشت ☆

لہٰذا ایک وقت ایسا ضرور آوے گا کہ دنیا میں کفار نہ رہیں گے مگر کفار کی ذلت و خواری مومنوں کی عزت ہمیشہ رہے گی۔ **تیسرا اعتراض** اگر قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام آویں گے تو نبی ہوں گے یا نبوت سے معزول ہو چکے ہوں گے۔ اگر نبی ہوں گے تو حضور آخری نبی نہ رہے اور اگر نبوت سے معزول ہو کر آویں تو یہ ان کی شان کے خلاف ہے۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب ہم تیسرے پارہ میں بہت تفصیل سے دے چکے ہیں کہ آخری نبی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد

کوئی نبی نہ بنے۔ پہلے تمام نبیوں کا وفات پا جانا آخریت کے لئے ضروری نہیں۔ آخری بیٹا وہ ہے جس کے بعد کوئی بیٹا نہ ہو یہ ضروری نہیں کہ گزشتہ بیٹے مر جائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت اللہ کے نبی ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی۔ نبی کا قرب الٰہی کبھی منسوخ نہیں ہوتا۔ دنیا میں ان کی حکومت منسوخ ہو جاتی ہے کوئی حاکم دوسری کچہری میں گواہ بن کر پیش ہو تو اپنے وقت اور اپنی جگہ کا وہ حاکم ہے یہاں اس کچہری میں گواہ۔ **تیسرا اعتراض** اگر عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آکر جزیہ کا حکم منسوخ فرمادیں گے اور کسی کو سور کھانے کی اجازت نہ دیں گے۔ کفار کو مذہبی آزادی نہ دیں گے تو لازم آیا کہ آپ قرآن مجید کے احکام کو منسوخ فرمادیں گے کیونکہ جزیہ کا حکم قرآنی فیصلہ ہے۔ **حتٰی یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون** اور **لا اکراہ فی الدین** آپ قرآن مجید کے ناسخ ہوں گے **جواب** آپ ان احکام قرآنیہ کے ناسخ نہ ہوں گے بلکہ اس نسخ کے مظہر ہوں گے۔ خود سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دے دی ہے کہ یہ دونوں حکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر ختم ہو جاویں گے جیسے ماہ رمضان عید کا چاند نظر آنے پر ختم ہو جاتا ہے یا روزہ سورج ڈوبنے پر ختم ہو جاتا ہے انہیں چاند یا غروب آفتاب نے ختم نہیں کیا بلکہ خود قرآن نے ختم فرمادیا چاند اس کا مظہر ہے۔ نزول مسیح کے متعلق اور اعتراضات و جوابات تفسیر نعیمی پارہ سوم میں ملاحظہ فرماؤ ہم وہاں مکمل بحث کر چکے ہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے خلاف گواہی دیں گے۔ دوسری آیت میں ہے کہ جب رب تعالیٰ پوچھے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہیں کیا جواب دیئے تو عرض کریں گے **لا علم لنا** ہم کو علم نہیں۔ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نبیوں کی امتیں تبلیغ کا انکار کریں گی۔ وہ حضرات دعویٰ کریں گے۔ کونسی آیت درست ہے آیا وہ گواہ ہیں یا مدعی یا بے خبر **جواب** یہ تین حالات قیامت میں تین مختلف وقتوں میں ہوں گے۔ ایک وقت میں مدعی دوسرے وقت گواہ ایک وقت میں معذرت کا اظہار کہ مولا تو ہی جانے انہوں نے ہم سے کیا کہا۔ لہٰذا تینوں آیتیں درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ایمان کا مدار انبیاء کو جاننے پہچاننے ماننے پر ہے۔ مگر ان حضرات کی جان پہچان اور ماننا وہ چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہو۔ آپ کے ذریعہ کے بغیر ان حضرات کی جان پہچان ایمان نہیں۔ اب جیسے معرفت الٰہی کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یونہی حضرات انبیائے کرام کی معرفت کا ذریعہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دیکھو رب تعالیٰ نے یہودیوں عیسائیوں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے۔ ان کی وفات سے پہلے حالانکہ اب بھی عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے جاننے پہچاننے ماننے کے مدعی ہیں۔ ان کی یہ جان پہچان ایمان نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے نہیں۔ جیسے حضور فرمادیں ویسے ہی انہیں ماننا ایمان ہے کہ وہ اللہ کے بندے اللہ کے کلمہ اللہ کی روح اللہ کے نبی ہیں۔ اور یہ کہ ان کی نبوت اب منسوخ ہو چکی اور یہ کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور یہ کہ وہ قریب قیامت دنیا میں تشریف لائیں گے اور یہ کہ وہ ایسے کام کریں گے جو ابھی مذکور ہوئے جو شخص ان باتوں

سے کسی بات کا انکار کرے وہ جناب مسیح کا مومن نہیں غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کی ذات و صفات حضرات انبیائے کرام کی دلیل ہیں **قد جاءکم برھان من ربکم** ان تمام حضرات کو اس دلیل سے مانو اور حضور انور کو دل سے مانو۔ ان حضرات کا علم استدلالی ہو اور حضور کا علم طبعی ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے شہر میں کسی غیر مشہور آدمی کو خط لکھو تو پتہ میں کسی کی معرفت سے لکھو تب پہنچے گا فلاں کو مل کر فلاں کو ملے یونہی اب حضور سے مل کر ان حضرات سے ملو۔ اگر حضور کے توسل کے بغیر ان حضرات کو جانا پہچانا مانا تو انجام یہ ہو گا کہ یہ تو ان کے ماننے کا دعویٰ کرتا رہے گا اور وہ حضرات اس کے خلاف قیامت میں گواہی دیں گے۔ گویا یہ جان پہچان وبال جان بن جائے گی یہ معنی ہیں اس کے کہ حضرت عیسیٰ قیامت کے دن ان عیسائیوں یہودیوں کے خلاف گواہ ہوں گے۔ اگر حضرات انبیاء کرام کی گواہی اپنے حق میں بنانی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آجاؤ جسے جو کچھ مانو حضور کے فرمانے سے مانو۔ خیال رہے کہ عقلمند وہ ہے جو وقت پر کام کرے۔ وقت نکل جانے پر کام کرنا بیکار ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر ایمان لانے کا وہ درجہ نہ ہو گا جو اب ایمان لانے کا درجہ ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ

تو بوجہ ظلم کے طرف سے ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے حرام کر دیں ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی

تو یہودیوں کے بڑے ظلم کے سبب ہم نے وہ بعض ستھری چیزیں کہ ان کے لئے حلال تھیں ان پر حرام فرما دیں اور اس

بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ

گئیں تھیں واسطے ان کے اور بوجہ روکنے ان کے راستہ سے اللہ کے بہت سوں کو۔ اور بوجہ لینے انکے سود کو حالانکہ بیشک

لئے کہ انہوں نے بہتوں کو اللہ کی راہ سے روکا　اور اس لئے کہ وہ سود لیتے حالانکہ وہ اس سے منع کئے

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

منع کئے گئے وہ لوگ اس سے اور بوجہ کھانے انکے مال لوگوں کے بذریعہ ناجائز کے اور تیار کیا ہم نے واسطے کافروں کے ان میں سے عذاب دردناک

گئے تھے اور لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے اور ان میں سے جو کافر ہوئے ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں رب تعالٰی نے یہود کے بدترین جرموں کا ذکر فرمایا تھا۔ اب انہیں مجرم یہودیوں کی دنیاوی اور اخروی سزاؤں کا ذکر فرما رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے ان ظلموں کا ذکر فرمایا گیا جن کا تعلق حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے ہے۔ انہیں تنگ کرنا سولی

دینے کی کوشش کرنا بلکہ اپنی دانست میں انہیں سولی دے دینا۔ اب یہود کے ان ظلموں کا ذکر ہے۔ جن کا تعلق تمام لوگوں سے ہے۔ جیسے لوگوں کے مال سود اور دیگر ناجائز طریقوں سے لے لینا چونکہ نبی پر ظلم عوام پر ظلم کرنے سے بدتر ہے اس لئے پہلے بدتر کا ذکر فرمایا **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کے خود راہ حق سے رکنے کا ذکر تھا اب لوروں کو راہ حق سے روکنے کا ذکر ہے گویا لازم جرم کے بعد متعدی گناہ کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی بد عقیدگیوں کا ذکر تھا اب ان کی بد عملیوں اور بد معاملہ کا ذکر ہے **پانچواں تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل کتاب یہود و عیسائیوں کے خلاف گواہی دیں گے اور قیامت میں ان کے جرموں کے گواہ ہوں گے۔ اب انہیں اہل کتاب کے ان جرموں کا ذکر ہے۔ جن کے متعلق آپ کی گواہی ہوگی تاکہ معلوم ہو کہ حضرت مسیح تمام یہود کے سارے اگلے پچھلے جرموں کے گواہ ہیں۔ وہ جناب چہارم آسمان پر رہتے ہوئے ان کے عیوب ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

تفسیر **فبظلم من الذین هادوا** یہاں ف **تعقیبیه** ہے اور ب سببیہ کیونکہ یہ سزائیں جو اس آیت میں مذکور ہیں یہود کے جرموں کے بعد اور ان کے جرموں کی وجہ سے دی گئیں لہٰذا یہاں ف اور ب دونوں ارشاد ہوئیں۔ ظلم کے لغوی معنی ہیں اندھیرا۔ اسی سے ہے **ظلمة** اس کا مقابل ہے نور۔ اصطلاح میں کسی کا حق مارنے کو ظلم کہتے ہیں کہ یہ آخرت میں اندھیرے کا سبب ہے۔ پھر ہر گناہ کو ظلم کہنے لگے۔ کہ مجرم گناہ کر کے اپنے نفس کا حق مارتا ہے کہ اسے دوزخ کا مستحق قرار دیتا ہے قرآن مجید میں لفظ ظلم کفر۔ شرک گناہ کبیرہ۔ گناہ صغیرہ اور غلطی و خطا کے لئے فرمایا گیا۔ جب ظلم کی نسبت حضرات انبیائے کرام کی طرف ہو تو بمعنی لغزش خطا ہوتا ہے جیسے **ربنا ظلمنا انفسنا** حضرت آدم علیہ السلام کی دعا میں اور **انی کنت من الظلمین** حضرت یونس علیہ السلام کی دعا میں مذکور ہے یہ بمعنی لغزش ہے۔ جب ہم جیسوں کے لئے استعمال ہو تو بمعنی گناہ ہوگا اور جب کفار کے لئے استعمال ہو تو بمعنی کفر و شرک و بدکاری ہوگا۔ یہاں اسی اخیری معنی میں ہے کیونکہ کفار یہود کے لئے ارشاد ہوا ہے۔ چنانچہ یہود کے ظلم سے مراد ان کے وہ کفریات ہیں جو ان سے بارہا سرزد ہوئے جیسے ان کا موسیٰ علیہ السلام سے کہنا کہ مشرکین کی طرح ہمارے لئے بھی بت سے معبود بنایئے یا ان کا کہنا کہ ہم کو ظاہر ظہور خدا دکھایئے یا ان کی بچھڑے کی پرستش کرنا یا ہر وقت موسیٰ علیہ السلام کو تنگ کرنا وغیرہ۔ من ابتدائیہ ہے ان لوگوں کو الیهود نہ فرمایا بلکہ "الذین هادو" فرمایا تاکہ ان کی پوری بے عزتی ہو۔ یعنی جو پہلے توبہ و رجوع کر چکے تھے یا جو یہودا کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے عزت والے تھے اس کے باوجود وہ ظالم ہوئے یہ ظلم و نافرمانی ان کی حیثیت کے بالکل خلاف تھی **حرمنا علیهم طیبت احلت لهم** لفظ حرمنا تحریم کا ماضی مطلق ہے یہاں باب **تفعیل** یا آہستگی کے لئے ہے۔ یا مبالغہ کے لئے یعنی ہم نے آہستہ آہستہ ان پر حلال چیزیں حرام کیں کہ وہ جرم کرتے رہے۔ ہم ان کے ہر جرم پر کوئی حلال چیز حرام کرتے رہے (جمل) یا مبالغہ کے لئے ہے یعنی ہم نے یہود پر حلال چیزیں اچھی طرح حرام کر

دیں کہ انہیں قطعاً حرام کر دیا ان کے استعمال کرنے پر عذاب کا مستحق قرار دیا۔ طیبات جمع ہے **طیبۃ** کی جس کے معنی حلال چیز بھی ہے اور لذیذ و مزیدار بھی اور پاک ستھرے بھی یہاں تیسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ **احلت** بنا ہے حلال سے مقابل حرام کا۔ حلال کے لغوی معنی ہیں کھل جانا۔ اسی لئے احرام سے فارغ ہو جانے والے کو حلال کہتے ہیں کہ وہ حرام کی پابندیوں سے کھل جاتا ہے جائز چیز کو حلال اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرام کی ممانعت سے کھلی ہوتی ہے۔ یعنی ان یہود کے پے در پے جرموں کی وجہ سے ان پر وہ پاکیزہ ستھری لذیذ چیزیں ہم نے حرام کر دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں۔ خیال رہے کہ یہود پر چیزوں کی حرمت تین طرح آئی ایک اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے پر اونٹ کا گوشت دودھ حرام فرمالیا تو ان کی نقل میں یہود نے بھی حرام کر لیا جس کا ذکر چوتھے پارے میں اس آیت کی تفسیر میں گزر گیا۔ **الا ما حرم اسراءیل علی نفسہ** دوسری اس طرح کہ یہود کے پوپ پادری ترک دنیا کے طور پر اپنے پر پاکیزہ چیزیں حرام کر لیتے تھے جیسا کہ آج عیسائی راہب یا ہندو سادھوں کا حال ہے۔ اس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے **ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنھا علیھم** تیسری اس طرح کہ خود رب تعالیٰ نے ان پر مختلف زمانوں میں مختلف چیزیں حرام فرمادیں۔ ان کی سرکشی کی وجہ سے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے **وعلی الذین ھادو حرمنا کل ذی ظفر** الخ یہاں تیسری قسم کی حرمت مراد ہے۔ کیونکہ پہلی دو حرمتیں تو ان کی اپنی طرف سے تھیں یہ حرمت رب کی طرف سے تھی اور سزا تھی رہی یہ تفصیل کہ وہ طیبات ان پر کب تک حلال رہیں اور کونسی طیب چیز کب اور کس جرم پر حرام کی گئی اس کی تفصیل بہت مشکل ہے۔ اس لئے مفسرین نے اس تفصیل کا ذکر نہیں کیا۔ حتی کہ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے قرآن سے نے بھی (تفسیر خازن) اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرمت مکمل طور پر توریت میں نہ تھی کہ وہ جرم کرتے رہتے اور توریت شریف میں حرمت کی آیات آتی رہتیں۔ کیونکہ ساری توریت یکدم آئی ہے۔ نیز آئندہ جرموں پر توریت میں یہ چیزیں حرام کر دی جاتیں یہ بھی ناممکن ہے کہ رب تعالیٰ بغیر جرم یا جرم سے پہلے سزا نہیں دیتا لہٰذا یہی ظاہر ہے کہ مختلف نبیوں کے زمانہ میں ان پر مختلف چیزیں حرام ہوئیں کچھ توریت شریف میں اور کچھ زبور وغیرہ میں اس آیت کو امام واحدی نے مشکل ترین آیت قرار دیا ہے۔ (خازن) یاد رکھو کہ خبیث اور بری چیزوں کا حرام کر دینا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور اچھی چیزوں کا حرام فرمادینا اللہ کا عذاب۔ اسلام میں کچھ چیزوں کا حرام فرمانا رحمت الٰہی ہے۔ اور بنی اسرائیل پر یہ حرمت عذاب الٰہی تھی **وبصدھم عن سبیل اللہ کثیرا** یہ عبارت یہود کے ظلم کی کچھ تفصیل ہے واؤ عاطفہ ہے اور عطف تفسیر کے لئے ہے۔ اس میں ان کے تین جرموں کا ذکر ہے۔ پہلا جرم یہ ہے دوسرے دو آگے ہیں۔ چونکہ دین سے منہ موڑنا لوگوں کو روکنا بدترین جرم ہے اس لئے اسے پہلے بیان فرمایا اور لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھانا اس کے بعد ہے۔ اس لئے اس کا ذکر بعد میں فرمایا یہاں ب سببیہ ہے یہ عبارت **فبظلم** کا بیان ہے۔ ب سببیہ کا اعادہ فرمایا گیا ہے۔ صد کے معنی روکنا بھی ہیں اور خود رک جانا بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ سبیل اللہ

سے مراد اللہ تعالٰی کا دین ہے جو حضرات انبیائے کرام کے ذریعہ دنیا میں آیا جسے اختیار کرکے بندہ رب تعالٰی کا قرب اختیار کرتا ہے اس لئے دین کو اللہ کا راستہ کہا جاتا ہے یعنی اس تک پہنچنے کا ذریعہ یا دینی نیک اعمال یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پاک کہ یہ تمام چیزیں خدا رسی کا وسیلہ ہیں کفار لوگوں کو اللہ سے نہیں روکتے۔ اللہ کو تو مانتے ہیں۔ البتہ اللہ کی سبیل سے یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روکتے ہیں۔ ہماری اور کفار کی تمام جنگیں نبوت کے مسئلہ پر ہیں الوہیت اور توحید تو قریباً تمام کفار مانتے تھے۔ اگر صد بمعنی روکنا ہے تو کثیرا اس کا مفعول بہ ہے۔ اور اگر بمعنی رک جانا ہے۔ تو کثیرا مفعول مطلق یعنی صدا کثیرا (مدارک) یعنی ان یہود کے بہت لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے یا ان یہود کے اللہ کی راہ سے بہت زیادہ رک جانے کی وجہ سے۔ خیال رہے کہ مشرکین عرب بھی اسلام سے رکتے تھے۔ مگر بے خبری کی وجہ سے کیونکہ ان کے پاس کتاب اللہ نبی کی تعلیم نہ تھی۔ مگر یہود مدینہ آیات الٰہیہ تعلیم نبی پر خبردار ہونے کے باوجود اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے رکتے تھے۔ اس لئے ان کا رکنا کثیر تھا۔ مشرکین مکہ کا رکنا قلیل نیز مشرکین عرب لوگوں کو تلوار کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روکتے تھے۔ مگر یہود مدینہ علم' وعظ' قلم کے ذریعے روکتے تھے۔ اور تلوار کی روک سے علم کی روک زیادہ ہے۔ اس لئے ان کی روک زیادہ تھی ان وجوہ سے ان کی رکاوٹ کو کثیر فرمایا گیا **واخذھم الربوا وقد نھوا عنه** یہ ان یہود کا دوسرا جرم ہے یعنی سود خواری۔ چونکہ سود دینے سے سود لینا زیادہ بڑا جرم ہے اس لئے یہاں لینے کا ذکر فرمایا اور چونکہ سود لینا بہرحال حرام ہے خواہ اسے کھائے یا پہنے یا کسی اور طرح استعمال کرے یا اسے جمع کرکے رکھ لے یا کسی کو دیدے یا خیرات کردے یا کسی نیک کام میں لگادے، بہرحال حرام ہے اس لئے لینا فرمایا گیا۔ صرف کھانے پہننے کا ذکر نہ فرمایا "قد نھو" فرما کر بتایا گیا کہ یہود پر سود لینا پہلے سے حرام تھا توریت تو زمانہ موسوی میں آئی مگر سود کی حرمت بہت پہلے سے تھی۔ ملت ابراہیمی میں حرام تھا یا یہ مطلب ہے کہ توریت میں یہ لوگ سود سے منع کئے گئے تھے مگر انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی مختلف حیلوں بہانوں سے بلکہ کھلم کھلا سود لیا۔ پہلے معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ شراب سور وغیرہ بعض دینوں میں حلال رہے مگر سود وہ چیز ہے جو کسی دین میں کبھی حلال نہ ہوا۔ نھوا ماضی مطلق جس سے مطلقاً ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ یہ نہی تحریم کی ہے **واکلھم اموال الناس بالباطل** یہ عبارت "اخذہم" پر معطوف ہے۔ اس میں تعمیم بعد تخصیص ہے۔ یعنی خصوصیت سے سود خواری کا ذکر فرما کر عموماً دوسری حرام خوریوں کا ذکر فرمایا چونکہ مال کا بڑا نفع ہے۔ کھانا۔ دوسرا نفع اس کے بعد اس لئے کھانے کا ذکر فرمایا ورنہ حرام آمدنی کا کھانا بھی حرام ہے۔ پہننا برتنا بھی حرام۔ جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے **لا تاکلوا الربوا** اموال جمع فرما کر اشارہ فرمایا کہ یہ ایسے حریص ہیں کہ لوگوں کا ہر قسم کا مال خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ پھر خواہ معمولی ہو یا غیر معمولی غرض جیسا بھی مال ہو کسی طرح ہاتھ لگ جاوے یہ کھا جانے ہضم کر جانے میں تامل نہیں کرتے بالباطل میں ب سببیہ ہے یا ذریعہ کی باطل سے مراد ہر ناجائز طریقہ ہے جس سے مال حاصل کیا جاوے جیسے رشوت یا ناجائز پیشوں کے ذریعہ مال کمانا جیسے ناچ۔ گانا' جوا'

ناپ کم تول کر مال دینا ملاوٹ کر کے مال بیچنا۔ ناچ کر گا کر پیسہ کمانا۔ غرض کہ جن کاموں کا حرام کیا گیا ہے ان سے حاصل کیا ہوا پیسہ حرام ہے **واعتدنا للکفرین منھم عذابا الیما** اس جملہ کی تفسیر ابھی کچھ آیات میں پہلے گزر گئی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ عبارت حرمنا پر معطوف ہے اور اس میں ان کے اخروی عذاب کا ذکر ہے یعنی دنیا میں تو ہم نے ان پر وہ عذاب کیا جو ابھی مذکور ہوا اور آخرت میں یہ عذاب ہے۔ الکافرین سے مراد کفر میں جمے رہنے والے کفر پر مرنے والے یا وہ جن کے کفر پر ارادہ الٰہی ہو چکا ہے کہ وہ عند اللہ کافروں کی فہرست میں آگئے اس لئے من **تبعیضیہ** ارشاد ہوا۔ ورنہ یہود سارے ہی کافر ہیں عذاب کے معنی اور عذاب۔ عتاب۔ عتاب کا فرق اور عذاب الیم وغیر الیم میں فرق بارہا بیان ہو چکا۔ یعنی ان یہود میں سے کافر مرنے والوں کے لئے ہم نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جو ان کے لئے نامزد ہو چکا ہے رہے وہ یہود جو ابھی تو یہودی ہیں لیکن آگے چل کر ایمان قبول کریں گے اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو گا۔ اس لئے ان کے لئے مغفرت، قبولیت رحمت کے دروازے کھلے ہیں۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہود کے چار خصوصی جرموں کا ذکر فرمایا۔ بڑا ظلم کرنا لوگوں کو راہ ہدایت سے روکنا' سود لینا' لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھانا اور ان چار جرموں پر دو سزاؤں کا تذکرہ کیا ایک دنیاوی عذاب یعنی طیب ولذیز چیزوں کا ان پر حرام فرما دینا۔ دوسرا اخروی یعنی دردناک عذاب جہنم کا ان کے لئے تیار ہونا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے گزشتہ مذکورہ سخت ظلم کی وجہ سے کہ انہوں نے توریت کے عہد توڑے۔ موسیٰ علیہ السلام سے چند معبود بنانے کا مطالبہ کیا۔ حق تعالیٰ کا دیدار بے حجاب مانگا وغیرہ۔ ہم نے ان پر بہت سی پاکیزہ ستھری چیزیں حرام فرما دیں جن کا ذکر سورہ انعام شریف میں آ رہا ہے۔ جو کہ پہلے ان پر حلال تھیں کچھ تو توریت شریف میں ہی حرام فرما دیں اور کچھ بعد دوسرے انبیاء کرام کے زمانوں میں ان پر یہ دنیاوی عذاب اس لئے آیا کہ وہ خود اللہ کی راہ اللہ کے دین سے بہت زیادہ رکتے تھے۔ یا بہت لوگوں کو اللہ کی راہ۔ نبیوں پر ایمان لانے سے روکتے تھے۔ کسی کو شبہات میں مبتلا کر کے کسی کو روپیہ پیسہ کا لالچ دے کر کسی کو اور ذریعوں سے غرض کہ بہت لوگوں کو بہت طریقوں سے روکتے تھے اور سود لیتے تھے حالانکہ سود سے ان کو سخت منع کیا گیا تھا توریت کے نزول سے پہلے بھی اور خود توریت میں بھی مگر وہ اس ممانعت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے بعض تو کھلم کھلا صراحۃً سود خور ہو گئے تھے۔ اور بعض یہودی حیلے بہانہ کر کے اسے جائز کرنے کی جرات کرتے اور لیتے تھے اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے جوئے رشوت حرام طریقوں سے کھا جاتے تھے۔ ان چاروجہوں سے اس پر دنیا میں تو یہ عذاب آیا کہ ان پر حلال طیب چیزیں حرام کر دی گئیں اور آخرت میں انکا یہ حال ہو گا کہ ان میں جو کافر ہو کر مرے گا اس کے لئے سخت دردناک عذاب ہم نے تیار کر رکھا ہے۔ جو انہیں مرتے وقت مرنے کے بعد اور قیامت میں اور بعد قیامت دیا جاوے گا اس لئے بہتر ہے کہ اب بھی توبہ کر لیں تو ان کے لئے دروازہ رحمت کھلا ہوا ہے۔ ہمارے محبوب کا دامن بڑا وسیع ہے۔ **نوٹ ضروری** ہم سود کی مکمل بحث کہ سود کسے کہتے ہیں۔ سود کتنی قسم کا

ہے اور سود کے احکام کیا ہیں تیسرے پارہ سورہ بقر میں وضاحت کر چکے ہیں خیال رہے کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی بد عقیدگیوں اور بد معاملگیوں کا ذکر تو فرمایا۔ مگر ان کی عبادات کی خرابیوں کا ذکر نہ کیا کیونکہ بمقابلہ عبادات کے معاملات بہت اہم ہیں عبادات سے صرف اپنے کو نفع ہوتا ہے مگر معاملات کی درستی سے ملک کا نظام قائم رہتا ہے۔ عبادات صرف مسلمانوں سے وابستہ ہیں مگر معاملات کے احکام ہر مسلم و کافر پر جاری ہوتے ہیں۔ اسلامی حکومت کسی کافر کو سود لینے رشوت خوری کم تولنے مال میں ملاوٹ کر کے تجارت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اسی اہمیت کی بنا پر یہاں خصوصیت سے معاملات کا ذکر ہوا۔ یاد رکھو کہ مال حاصل ہونے کے چند ذریعہ ہیں۔ جن سے مال حلال ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ حرام' وراثت' تجارت' اجارہ یعنی کرایہ' مزدوری' ملازمت' ہبہ خواہ ہدیہ ہو یا نذر یا عطیہ یہ اسباب ہیں مال حلال کے۔ اس کے علاوہ سب حرام۔ پھر تجارت و اجارہ میں تفصیل ہے۔ حلال تجارتوں کے ذریعہ حاصل شدہ مال حلال ہے۔ حرام تجارات حرام پیشوں کے ذریعہ حاصل شدہ مال حرام ہے یہ ایک کلمہ بالباطل ہزارہا مسائل کا سرچشمہ ہے۔

فائدے اسی آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ پچھلے زمانہ میں عذاب الٰہی اس طرح بھی آتا تھا کہ ان پر شرعی احکام سخت کر دیئے جاتے تھے۔ طیب و حلال چیزیں حرام کر دی جاتی تھیں۔ ہمارے دین میں اس عذاب سے امن ہے۔ دین محمدی بہت آسان ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اور دنیاوی عذاب آنا بند ہو گئے۔ جیسے آسمان سے پتھر برسنا۔ صورتیں مسخ ہونا ایسے ہی یہ عذاب بھی بند ہو گیا۔ دوسرا فائدہ تمام حرام کمائیوں میں سود بد ترین حرام ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا ذکر پہلے فرمایا۔ دوسری ناجائز آمدنیوں کا ذکر بعد میں۔ نیز سود بھی ناجائز کمائیوں میں داخل تھا مگر اسے خصوصیت سے علیحدہ بیان فرمایا۔ تیسرا فائدہ سود لینا حرام مطلق ہے۔ خواہ اسے کھائے یا پہنے یا اور طرح استعمال کرے یا اسے جمع کر کے رکھے یا خیرات کر دے یہ فائدہ اخذہم سے حاصل ہوا کہ یہاں اکلہم نہ فرمایا۔ چوتھا فائدہ سود دینے سے سود لینا زیادہ برا اور سخت تر جرم ہے یہ فائدہ بھی اخذہم سے حاصل ہوا کہ سود دینے والا تو ایک جرم کرتا ہے۔ سود دینے کا مگر سود لینے والا دو جرم کرتا ہے۔ سود لینا اور سود کا استعمال کرنا۔ دیکھو اسرائیل یہودی سود دیتے بھی تھے اور لیتے بھی تھے مگر عذاب الٰہی کے اسباب میں سود لینے کا ذکر ہوا۔ پانچواں فائدہ سود اسلام سے پہلے اور دینوں میں بھی حرام تھا اس کی حرمت صرف اسلام ہی میں نہیں ہے۔ بلکہ تمام دینوں میں بھی تھی یہ فائدہ **"قد نھو"** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ رشوت' جوا' چوری' ناچ گانے وغیرہ کے پیشے اسلام سے پہلے دوسرے دینوں میں بھی حرام تھے اور ان سے حاصل کیا ہوا مال حرام تھا۔ اسلام میں بھی یہ سب کچھ حرام ہے اس کی تفصیل تیسرے پارہ میں گزر چکی یہ سب باطل میں داخل ہے ساتواں فائدہ سود یا ناجائز و حرام کمائیوں سے حاصل کیا ہوا مال اسی کمانے والے کی ملک نہیں بنتا بلکہ وہ مال اصل مالکوں کا ہی رہتا ہے۔ یہ فائدہ "اموال الناس" فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان مالکوں کو لوگوں کا مال فرمایا۔ خود کمانے والے کا مال نہ فرمایا۔ اس سے بہت سے مسائل حاصل ہوں گے حتیٰ کہ ان مالوں میں میراث بھی جاری نہ ہو گی۔ اگر

وارثوں کو اس حرام مال کی خبر ہو اور مالکوں کا پتہ ہو تو انہیں واپس کر دیں کہ یہ "اموال الناس" ہیں۔ **آٹھواں فائدہ** ناجائز ذریعوں سے حاصل کیا ہوا مال کسی طرح استعمال نہ کرے مگر اس کا کھانا سخت حرام ہے یہ فائدہ اکلھم فرمانے سے حاصل ہوا کہ حرام غذا سے جو خون گوشت پوست بنے گا اسے آگ دوزخ جلد جلادے گی۔ خراب پٹرول موٹر کے پرزے خراب کر دیتا ہے۔ **نواں فائدہ** انسان کے جزا و سزا کے لئے خاتمہ کا اعتبار ہے۔ جو کافر مرے عذاب کا مستحق ہے خواہ زندگی میں مومن رہا ہو اور جو مومن مرے وہ رحمت کا مستحق ہے اگرچہ زندگی میں کافر رہا ہو جیسا "للکافرین" کی تفسیر سے معلوم ہوا **دسواں فائدہ** اگرچہ گنہگار مسلمانوں کو بھی عذاب ہو سکتا ہے مگر "عذاب الیم" صرف کافر مرنے والوں کے لئے ہے جیسا کہ للکافرین کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا **گیارھواں فائدہ** تمام یہود کافر نہ رہے بلکہ ان میں سے کچھ مسلمان بھی ہو گئے جو مسلمان ہو گئے وہ بخش دیئے گئے اور مذکورہ عذابوں سے بچ گئے۔ یہ فائدہ منھم کے من تبعیضیہ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہود نافرمانیاں کرتے رہے اور ان پر طیب چیزیں حرام ہوتی رہیں مگر یہ تو جب ہو سکتا تھا جب کہ توریت شریف قرآن مجید کی طرح تھوڑی تھوڑی اور مختلف واقعات پر اترتی۔ جب ساری توریت یکدم اتری تو یہ کیسے درست ہوا کہ ان لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے چیزیں حرام ہوتی رہیں۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہود نزول توریت سے پہلے ہی بڑے ظالم جھگڑالو اور ضدی تھے۔ ان کی ان حرکتوں کی وجہ سے توریت کے احکام سخت آئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور آپ کے بعد انہوں نے بری حرکتیں کیں تو بعد والے نبیوں اور بعد والی کتابوں کے ذریعہ ان پر سختی بڑھتی گئی طیب چیزیں حرام ہوتی گئیں۔ چیزوں کی حرمت صرف توریت سے ہی نہ ہوئی بلکہ بعد میں دوسری کتابوں سے ہوتی رہی۔ **دوسرا اعتراض** حلال چیزوں کو حرام کر دینا تو کوئی عذاب نہیں۔ عذاب وہ ہے جو تکلیف دے چند چیزیں نہ کھانے میں کیا تکلیف ہو گی؟ (آریہ) **جواب** اس کی تکلیف کسی اس بیچارے سے پوچھو جو بیماری کی وجہ سے بہت سی مزیدار چیزوں سے محروم ہو گیا۔ وہ بیچارہ سخت پرہیز کی وجہ سے زندگی سے تنگ آ جاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ سب گھر والے اعلیٰ غذائیں کھاتے ہوں اور یہ مونگ کی دال پر گزارہ کرتا ہو۔ **تیسرا اعتراض** ناجائز کمائیوں میں سود بھی شامل تھا پھر اس کا ذکر علیحدہ کیوں ہوا؟ **جواب** اس لئے کہ یہ بدترین جرم ہے اسی لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ سود لینا ایسا جرم ہے جیسے کعبہ معظمہ میں اپنی ماں سے زنا کرنا۔ **(نعوذ باللہ)** **لطیفہ** فتاویٰ رشیدیہ میں مولانا رشید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ منی آرڈر بھیجنا ممنوع ہے ربو یعنی سود ہے تو ان کے اسی فتویٰ سے ہر منی آرڈر بھیجنے والا سود خور ہے اور اتنا بڑا مجرم ہے جتنا بڑا مجرم اپنی ماں سے زنا کرنے والا ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ آج کل منی آرڈر سے کون بچ سکتا ہے۔ اس فتوے نے سارے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ کسی عالم کی عقل خراب نہ کرے۔ **چوتھا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ سود کے لئے "اخذ" یعنی لینا ارشاد ہوا اور حرام کمائیوں کے لئے "اکل" یعنی کھانا فرمایا گیا حالانکہ یہ دونوں ہی حرام ہیں **جواب** یہ بھی سود کی حرمت کی سختی ظاہر فرمانے کے لئے ہے اس کی

تفصیل ابھی تفسیر میں عرض کر دی گئی ہے۔ پانچواں اعتراض "للکافرین منہم" سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے یہودی کافر نہیں بلکہ بعض کافر ہیں انہیں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ حالانکہ سارے یہودی کافر ہیں۔ پھر یہ فرمانا کیسے درست ہوا۔ جواب اس کا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ یہاں کافرین سے مراد کافر رہنے والے اور کافر مرنے والے ہیں اور واقعی ایسے کافر سارے یہود نہ تھے۔ بعض تھے کیونکہ ان میں سے بہت سے یہود مسلمان ہو گئے تھے۔ چھٹا اعتراض مسلمان ہونے والے یہودیوں کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے زمانہ کفر میں جو سود لیا ناجائز ذریعوں سے مال کھائے کیا اسلام لانے کی برکت سے وہ بھی معاف ہو گئے۔ اگر معاف ہو گئے تو اس سے لوگ گناہوں اور حقوق مار لینے پر دلیر ہو جائیں گے۔ اگر معاف نہ ہوئے تو "للکافرین منہم" کا کیا مطلب؟ جواب ان جیسے جرموں کا حکم یہ ہے کہ اسلام کی برکت سے ان کے گناہ تو معاف ہو گئے مگر حق عہد باقی رہے وہ ادا کرنا ہوں گے۔ اگر کوئی شخص زمانہ کفر میں قتل یا چوری کرے پھر مسلمان ہو جاوے تو اسلام کی برکت سے ان کاموں کے گناہ معاف ہو گئے مگر حق عہد کی وجہ سے قصاص اور ہاتھ کا کٹنا ضرور ہو گا۔ گناہ اور حق میں فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے گناہوں بدکاریوں کی دو سزائیں بیان فرمائیں۔ ایک دنیاوی سزا یعنی حلال و طیب چیزوں کا حرام فرما دینا۔ دوسری سزا اخروی یعنی دردناک عذاب یہود کے لئے ارشاد ہوا "حرمنا علیہم طیبات" اور ہم گنہگاروں کے لئے فرمایا **ویحل لہم الطیبت** اور فرمایا **کلوا مما رزقکم اللہ حللا طیبا** یعنی رب تعالیٰ نے ہم کو اس حرمت کی سزا سے محفوظ رکھا۔ اس کرم نوازی سے امید بندھی کہ انشاء اللہ رب تعالیٰ ہم کو آخرت کے دردناک عذاب سے بچائے گا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ان دونوں عذابوں کو اس آیت میں جمع فرمایا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ممنوعات کا ارتکاب تحریم مباحات کا موجب ہے اور مباحات میں زیادتی و اسراف محرومی مناجات کا باعث ہے۔ ہر مباح کھا لینا جو نفس چاہے وہ کام کر لینا برا ہے۔ بلکہ کبھی نفس کو مارنا بھی چاہیے تاکہ نفس ہم پر غالب نہ آوے۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

☆ مرد درپئے ہرچہ دل خواہدت ☆ کہ تمکین تن نور جاں کاہدت ☆

(روح البیان)

جو شخص ہر چیز بغیر تحقیق کھالے وہ کتے سے بدتر ہے کہ کتا جو کچھ کھاتا ہے دیکھ کر سونگھ کر کھاتا ہے یہ ناداں بغیر دیکھے سونگھے ہی کھا لیتا ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ

لیکن مضبوطی والے بیچ علم کے ان میں سے اور ایمان رکھنے والے ایمان لاتے ہیں ساتھ اسکے جو اتارا گیا طرف آپ کے

ہاں جو ان میں علم کے پکے اور ایمان والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور

وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

اور اس پر جو اتارا گیا پہلے سے آپ کے اور قائم رکھنے والے نماز کے اور دینے والے زکوۃ کے اور

جو تم سے پہلے اترا اور نماز قائم رکھنے والے اور زکوۃ دینے والے اور اللہ

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ اُولٰٓىٕكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا۠(۱۶۲)

ایمان رکھنے والے ساتھ اللہ اور دن آخر کے یہ لوگ ہیں کہ عنقریب دیں گے ہم ان کو ثواب بڑا

اور قیامت پر ایمان لانے والے ایسوں کو عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں جاہل و کافر یہود کا ذکر تھا اب اس آیت میں صاحب ایمان اور صالح یہود کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفار یہود کی بدکاریوں کی کچھ تفصیل تھی۔ اب مومن یہود کی خوش عقیدگی اور نیک کاریوں کا تفصیلی ذکر ہے تاکہ قرآن پڑھنے والے ان اعمال سے بچیں۔ اور ان عقائد و اعمال کو اختیار کریں کامل علاج یہ ہے کہ مریض کو کھانے والی غزائیں دوائیں بھی بتائی جائیں اور بچنے والی مضر چیزوں پر بھی مطلع کیا جاوے پرہیز کرنے کے لئے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا ذکر تھا اب اس کے ثوابوں کا ذکر ہے گویا رب تعالیٰ کی جباری قہاری کا ذکر پہلے ہوا اس کی ستاری غفاری کرم نوازیوں کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ ایمان کے گویا دو بازو ہیں خوف و امید پیدا کرنے کے بعد امید بندھائی جا رہی ہے چونکہ امید پر خوف مقدم ہے اس لئے خوف کا ذکر پہلے ہوا۔ امید کا ذکر بعد میں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم کبھی تو صراحتہً احکام جاری فرماتا ہے کبھی اشارۃً۔ اس قسم کی آیات اشارۃً احکام کی ہیں کہ دوسری قوموں کی سزا و جزا کا ذکر فرمایا۔ ہم سے عمل کرانے کے لئے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ ان بنی اسرائیل میں جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا تھا کہ سب اسرائیلی کافر نہیں۔ ان میں بعض مومن بھی ہیں اب اسی اجمال کی تفصیل ہو رہی ہے کہ کافر اسرائیلیوں کے لئے وہ عذاب ہے، اور مومن اسرائیلیوں کے لئے یہ اجر و ثواب ہیں گویا یہ آیت کریمہ گزشتہ آیت کی تفصیل ہے۔

تفسیر لكن الرسخون فی العلم منهم لكن حرف استدراک ہے۔ اس سے کسی وہم کو دور کیا جاتا ہے چونکہ پہلی عبارت سے شبہ ہو سکتا تھا کہ سارے یہود کا یہی حال ہو گا کہ وہ بد عقیدہ بد عمل عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے

اس وہم کو دفع کرنے کے لئے یہاں **لکن** ارشاد ہوا۔ "راسخون" بنا ہے رسوخ سے۔ جس کے معنی ہیں ثابت ہونا' پھیل جانا' اسی لئے اس درخت کو راسخ کہا جاتا ہے جس کی جڑیں زمین میں پھیلی ہوں اور وہ مضبوطی سے زمین پر کھڑا ہو۔ علم میں راسخ وہ شخص ہے جس کے دل و دماغ اعضا ظاہری میں علم سما گیا ہو کہ نور علم اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہو اس کی تحقیق تیسرے پارے میں ہو چکی ہے علم سے مراد یا تو توریت شریف کا علم ہے۔ یا علم دین منہم کا مرجع وہ یہود ہیں جن کا ذکر ابھی ہو چکا۔ علماء راسخین کون لوگ ہیں اس میں بہت گفتگو ہے۔ قوی قول یہ ہے کہ راسخ عالم وہ ہے۔ جس کے عقیدے درست ہوں۔ اعمال صحیح ہوں۔ دل میں اللہ کا خوف رسول کی محبت ہو۔ علم دین مکمل ہو قواعد سے مسائل نکالنے کی قوت ہو جس میں یہ پانچ چھ صفات ہوں وہ علمائے راسخین ہیں۔ **الراسخون** مبتدا ہے اور **یومنون** اس کی خبر **والمومنون** یہ **الرسخون** پر معطوف ہے۔ مومنین سے مراد یا تو وہ عام یہودی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اس صورت میں رب تعالیٰ نے خوش نصیب یہود کی دو قسمیں فرمادیں۔ علماء راسخین اور عام مومنین۔ چونکہ عام مومنین سے علماء افضل ہیں کہ وہ مومن بھی ہیں اور مومن گر بھی اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے پہلے فرمایا۔ بعد میں دوسرے مومنین کا جب علماء و عوام کے ایمانوں میں فرق ہے تو نبی اور امت میں بھی فرق ہونا لازمی ہے یا اس سے مہاجرین و انصار مراد ہیں۔ اس صورت میں اشارہ اس طرف ہے کہ نئے مسلمان اور پرانے مسلمان نفس ایمان میں برابر ہیں۔ کوئی پرانا مسلمان کسی نو مسلم کو نظر حقارت سے نہ دیکھے اگر پرانے مسلمانوں کے پاس نیک اعمال کے ذخیرے ہیں تو ان نو مسلموں کو گناہوں کی معافی ایسی مل چکی ہے کہ گویا آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یا عام اہل ایمان خواہ مومنین یہود ہوں یا مہاجرین و انصار وغیرہ۔ اس صورت میں اشارہ ادھر ہے کہ تاقیامت مسلمان ایمان و اسلام میں برابر ہیں۔ اگرچہ حضرات صحابہ اولیاء اللہ علماء اسلام کی ریل کے فسٹ کلاس کے مسافر ہیں اور ہم جیسے عوام تھرڈ کلاس کے مسافر ہیں لیکن خدا کرے حضور سے کڑی ملی رہے تو منزل مقصود پر سب پہنچیں گے قطرہ اور دریا پانی ہونے میں برابر ہیں تیسرا قول قوی تر ہے **یومنون بما انزل الیک** عبارت **الرسخون** اور **المومنون** کی خبر ہے۔ یہاں ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہے ما سے مراد قرآن و حدیث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے معجزات ہیں کیوں یہ سب رب تعالیٰ کی طرف سے حضور پر اتارے ہوئے ہیں یومنون کے معنی ہیں ایمان لاتے ہیں یا ایمان رکھتے ہیں یا ایمان پر قائم رہتے ہیں **وما انزل من قبلک** یہاں واؤ عاطفہ ہے اور ما پہلے ما پر معطوف ہے اور اس ما سے مراد گزشتہ انبیائے کرام کی کتابیں صحیفے اور ان کے معجزات و کمالات سب ہی ہیں۔ کیونکہ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ چونکہ سارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس لئے صرف "من قبلک" ارشاد ہوا اس کے بعد "من بعدک" نہ فرمایا گیا۔ جو کوئی حضور کے بعد نبی مانے وہ کافر ہے چونکہ قرآن کریم پر تفصیلی ایمان بھی ہے عمل بھی۔ مگر پچھلی کتب پر صرف اجمالی ایمان ہے۔ ان پر عمل نہیں اس لئے قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

ارشادات کے لئے ماانزل علیحدہ ارشاد ہوا۔ اور دوسری کتب کے لئے "ماانزل "علیحدہ فرمایا گیا۔ نفس ایمان میں سب برابر ہیں مگر تفصیلی ایمان اور عمل اور نوعیت قبول میں فرق ہے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ان تمام باتوں کے ماننے پر مقدم ہے۔ تمام کتب تمام نبیوں تمام ایمانیات کو حضور کی معرفت ماننے کا نام ایمان ہے اس لئے **بما انزل الیک** پہلے فرمایا گیا۔ اور باقی ایمانی چیزوں کا ذکر بعد میں۔ حضور تمام ایمانیات کا دروازہ ہیں۔ دروازہ سے داخل ہو تو گھر کی نعمتیں پاؤ گے **والمقین الصلوۃ** اس عبارت کی ترکیب میں مفسرین نے بہت گفتگو کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ "بما انزل" کے ما پر معطوف ہے اور حالت جری میں ہے اور مقیمین سے مراد یا گزشتہ انبیاء کرام ہیں کہ ہر نبی کے دین میں نمازیں تھیں۔ اگرچہ تعداد اور نوعیت میں فرق رہا یا اس سے مراد فرشتے ہیں کیونکہ تمام فرشتے نماز الٰہی ادا کرتے ہیں۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ اس پر بھی ایمان لاتے جو آپ پر اترا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اترا اور گزشتہ انبیائے کرام پر یا فرشتوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو نمازیں قائم فرمانے والے ہیں اس صورت میں یہ جملہ بھی ایمان ہی کی تفصیل ہے۔ دوسرے یہ کہ عبارت حالت **نصبی** میں ہے امدح فعل پوشیدہ کا مفعول۔ اس صورت میں یہ عبارت جملہ معترضہ ہوگی (خازن کبیر وغیرہ) اس کے متعلق اور قول بھی ہیں جو قوی نہیں۔ خیال رہے کہ مقیمین سے مراد یا تو وہ **راسخون** اور مومنون ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا اور یہ ان کی صفت ہے یا ان کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں۔ پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں (خازن) مالک ابن دینار کی قرات میں **والمقیمون** ہے (تفسیر مدارک) مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں بھی یہ ہی ہے (مدارک) **والمؤتون الزکوۃ**۔ یہ عبارت مومنوں پر معطوف ہے اور ان حضرات کے دوسرے عمل کا ذکر ہے۔ یعنی فرض صدقہ زکوۃ ہمیشہ دینے والے۔ زکوۃ کے معنی اس کی صورتیں پہلے پارے کی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ علماء یہود کبھی زکوۃ نہ دیتے تھے۔ وہ سمجھے بیٹھے تھے کہ زکوۃ و صدقات کے احکام ہمارے لئے ہیں ہی نہیں وہ تو عوام یہود کے لئے ہیں۔ یہ علماء عوام یہود سے رشوتیں لے کر اور ناجائز آمدنیوں سے بہت بڑے مالدار تھے۔ جیسے آج ہندوؤں میں برہمن جو کہتے ہیں کہ رب نے چار قومیں پیدا کی ہیں۔ برہمن 'چھتری' ویش 'شودر' برہمن دان یعنی صدقات لینے کے لئے پیدا ہوئے چھتری جنگ کرنے ملک گیری کے لئے ویش تجارت کے لئے۔ شودر یعنی اچھوت ہم سب کی خدمت کے لئے یہی ان کے خیال تھے۔ اس لئے خصوصیت سے زکوۃ دینے کا ذکر فرمایا گیا۔ یعنی ان کے علماء ربانی وہ ہیں جو زکوۃ دیتے رہتے ہیں **والمومنون باللہ والیوم الاخر** یہ عبارت پہلے والمومنون پر معطوف ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر ایمان نبیوں کتابوں پر ایمان لانے میں داخل تھا۔ مگر اس کی اہمیت دکھانے کے لئے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا۔ کیونکہ تمام چیزوں پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے لئے ہی تو ہے۔ وہی اصل مقصود ہے۔ باقی اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور چونکہ اللہ و قیامت پر ایمان وہی قبول و معتبر ہے جو نبی اور کتاب الٰہی کے ذریعہ سے ہو۔ اس لئے نبوت و کتاب پر ایمان لانے کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔ اور ایمان باللہ کا ذکر بعد میں۔ یوم آخر سے مراد قیامت میں اٹھنا۔ وہاں کا حساب و کتاب جنت دوزخ وغیرہ سب

ہی ہیں حتیٰ کہ شفاعت وغیرہ کا عقیدہ بھی اسی میں داخل ہے۔ قیامت کا ماننے والا حقیقتاً وہی ہے جو ان سب باتوں کو مانے **اولٰئک سنؤتیہم اجرا عظیما۔ اولٰئک** سے اشارہ اس جماعت مومنین کی طرف ہے۔ جن کے اوصاف ابھی مذکور ہوئے۔ چونکہ یہ حضرات بڑی شان والے ہیں اسی لئے "**اولٰئک**" بعید کا اشارہ فرمایا گیا۔ چونکہ ایمان و اعمال کا ثواب دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں عطا ہو گا۔ لہٰذا "سین" استقبال کے لئے لایا گیا۔ اجر سے مراد ایمان و اعمال تمام کا ثواب ہے۔ عظیم فرما کر بتایا گیا کہ انہیں ایسا ثواب ملے گا جو ان کے خیال و گمان سے وراء ہے یعنی ان لوگوں کو عنقریب ہم بہت ہی بڑا ثواب دیں گے۔ جو بیان میں نہیں آسکتا۔ دنیا والوں کی اجرت اور رب تعالیٰ کے اجر میں کئی طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ دنیا والے اجرت اور کام ساتھ رکھتے ہیں کام کئے جاؤ تنخواہ ماہ بماہ یا مزدوری روزانہ لئے جاؤ۔ مگر رب تعالیٰ جب اجر دے گا تو کام نہ لے گا۔ قبر میں ہی کہہ دیا جاوے گا کہ سو جا دولہا کی طرح یہاں سونے سے مراد آرام کرنا ہے نہ کہ یہ سونا غفلت والا۔ ورنہ یہ تو عذاب ہو جاتا۔ دوسرے دنیا کی تنخواہیں تھوڑی ہوتی ہیں جن سے بمشکل گزارہ۔ رب کے اجر بہت زیادہ ہیں۔ محدود عمل کا لامحدود ثواب۔ تیسرے دنیا میں کام سینکڑوں کرا کر تنخواہ ایک دی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ ایک کام کے بہت سے اجر دے گا۔ نماز کو لے لو۔ کہ اسی میں وضو کرنے۔ مسجد جانے۔ جماعت کا انتظار کرنے وغیرہ کے ثواب الگ الگ ہیں اس لئے اس کو اجر عظیم فرمایا گیا۔

خلاصہ تفسیر جیسے اللہ تعالیٰ نے گنہگار و بدکار یہودیوں کے بہت سے عیوب بیان فرما کر ان کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا ویسے ہی نیک کار پرہیزگار یہود کے بہت سے صفات کا ذکر فرما کر ان کے ثواب کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا ان اہل کتاب میں سے پختہ علم والے اور کامل ایمان والے ان تمام پر بھی ایمان رکھتے یا ایمان لاتے ہیں۔ جو آپ پر اترا اور ان سب پر بھی جو آپ سے پہلے اور انبیاء کرام پر اترا جو کسی کا انکار نہیں کرتے۔ نمازیں قائم کرنے والے ہیں' زکوٰۃ ادا کرنے والے اور اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن اور اس کے حالات پر ایمان لانے والے ہیں۔ ایسے لوگ ہمارے محبوب بندے ہیں۔ ہم عنقریب ان کو اتنا بڑا ثواب دیں گے جو ان کے خیال گمان سے باہر ہے۔ آپ پر ایمان لانے کا علیحدہ ثواب۔ ان نبیوں پر ایمان لانے کا علیحدہ ثواب پھر اللہ تعالیٰ اور قیامت پر آپ کی معرفت ایمان لانے کا علیحدہ ثواب۔ نمازیں قائم کرنے زکوٰۃ دینے کا علیحدہ ثواب۔ پھر نمازوں میں وضو کرنے جماعت سے نماز ادا کرنے کا علیحدہ زکوٰۃ دینے میں صدقہ کا علیحدہ ثواب۔ مسکین و فقیر کی حاجت روائی کا علیحدہ ثواب۔ غرض کہ اتنے ثواب دیں گے جو ان کے خیال میں نہیں آسکتے۔ دنیاوی امراء اپنے نوکروں سے بہت کام کرا کے ایک اجرت دیتے ہیں۔ مگر رب تعالیٰ ایک عمل کی بہت سی اجرتیں دیتا ہے۔ اجرت بھی ایسی جو لینے والے مزدور کی شان کے لائق نہیں بلکہ اس دینے والے کریم کی شان کے شایان ہے۔ خیال رہے کہ مفسرین نے اس آیت کی نحوی ترکیب کو بہت مشکل قرار دیا ہے۔ کیونکہ **راسخون مومنون موتون** تو رفعی حالت میں ہیں مگر **والمقیمین** حالت نصبی یا جری میں ہے اس کی وجہ کیا ہے ہم بحوالہ تفسیر خازن و کبیر اس کی دو وجہ بیان کر چکے۔ یہ

بھی خیال رہے کہ ان جیسی آیات میں جن میں بعض اہل کتاب کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی مراد ہوتے ہیں کہ وہ یہود کے بڑے عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی اولاد تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہوئے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** علم اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے خصوصاً جب کہ علم دین ہو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہاں علم کا ذکر تمام چیزوں سے پہلے فرمایا۔ ایمان' نماز' زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر بعد میں کیا۔ ایمان بھی علم ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ جاننا پہلے ہے ماننا بعد میں اور ماننے کا نام ایمان ہے۔ اگر علم کے ساتھ اللہ کا فضل بھی ہو تو معمولی علم بھی ہدایت دے دیتا ہے۔ اگر فضل ربانی شامل حال نہ ہو تو بڑے سے بڑا علم بھی ہدایت نہیں دیتا۔ فرعونی جادوگر علم جادو کے ذریعہ سے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ وہ سمجھ گئے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جادو نہیں معجزہ ہے اور علمائے یہود علم توریت کے باوجود کافر رہے۔ کہ جادوگروں پر فضل تھا یہ فضل سے خالی تھے۔ **دوسرا فائدہ** علمائے راسخین دوسرے علماء سے افضل ہیں دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے راسخین فی العلم کا ذکر فرمایا۔ صرف زبان کا علم کبھی مضر ہوتا ہے مگر جو علم دل و دماغ اعضا میں سرایت کر جاوے وہ مفید ہی ہوتا ہے۔ فرشتے راسخین تھے ابلیس کو علم تھا مگر رسوخ فی العلم نہ تھا اللہ تعالیٰ رسوخ فی العلم عطا فرمائے علمائے راسخین کی تعریف ہم تیسرے پارہ میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ **تیسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ایمان صرف اس کا نام ہے کہ حضور کی معرفت اور حضور کے ذریعہ سے 'اللہ تعالیٰ' فرشتوں' نبیوں' قیامت وغیرہ کو مانا جاوے۔ جو کوئی حضور کا انکار کر کے ان تمام کو مان لے وہ مومن نہیں دیکھو یہود اللہ تعالیٰ' فرشتوں' نبیوں قیامت وغیرہ۔ سب کو مانتے تھے مگر قرآن کریم نے مومن صرف ان کو فرمایا جو حضور پر ایمان لائے۔ باقی تمام کو کافر قرار دیا۔ اب ایمان حضور کی ذات میں منحصر ہے۔ **چوتھا فائدہ** اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور میں پیچھے ہیں مگر اب ایمان میں سب نبیوں سے پہلے دیکھو رب نے پہلے فرمایا **بما انزل الیک** پھر بعد میں فرمایا **وما انزل من قبلک** **پانچواں فائدہ** صرف قرآن کو مان لینے سے ایمان نہیں ملتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرمان تمام احکام تمام معجزات وغیرہ کو ماننے سے ایمان ملتا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے بالقرآن نہ فرمایا بلکہ **بما انزل الیک** فرمایا۔ اس سے منکرین حدیث عبرت پکڑیں بلکہ قرآن مجید پر بھی اس لئے ایمان ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** ایمان قرآن کریم پر بھی ہے۔ اور تمام آسمانی کتابوں پر بھی مگر قرآن مجید پر تفصیلی ایمان ہے دوسری کتب پر اجمالی ایمان اور قرآن کریم پر عمل بھی ہے۔ ان کتب پر عمل نہیں وہ منسوخ ہیں۔ **ساتواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں قرآن مجید آخری کتاب ہے نہ حضور کے بعد کوئی نبی ہے نہ قرآن مجید کے بعد کوئی کتاب دیکھو یہاں "من قبلک" کا ذکر تو ہے مگر "من بعدک" کا ذکر نہیں۔ **آٹھواں فائدہ** تمام اعمال پر ایمان مقدم ہے بغیر ایمان کوئی عمل مفید نہیں۔ دیکھو رب نے نماز و زکوٰۃ کا ذکر ایمان کے بعد کیا۔ ایمان جڑ

ہے۔ انکی شاخیں اور نماز بمقابلہ زکوٰۃ زیادہ اہم ہے کہ پہلے نماز قائم کرنے کا ذکر ہوا پھر زکوٰۃ کا۔ نماز کی اہمیت اور نماز پڑھنے اور نماز قائم کرنے کا فرق ہم پہلے پارے میں بیان کر چکے ہیں نواں فائدہ نجات کے لئے ایمان ضروری ہے نہ کہ صرف توحید اس لئے رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں کسی جگہ توحید کا حکم نہیں دیا۔ ایمان کا حکم دیا بلکہ سارے قرآن میں توحید کا نام تک نہ لیا۔ توحید نبوت سے مل کر ایمان بنتی ہے بغیر نبوت طغیان ہے دسواں فائدہ اللہ تعالیٰ مومن متقی کو ایمان بلکہ ایمان کے ہر رکن اور تقویٰ کے ہر عمل کا بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔ جو بندوں کے وہم و گمان سے دور ہے۔ دیکھو رب نے دنیا کی نعمتوں کو قلیل فرمایا اور ان کے ثواب کو عظیم کہا۔ گیارہواں فائدہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہو۔ ہر وقت ان کا حاجت مند رہے۔ دیکھو اسلام کا پہلا رکن نماز ہے مگر نہ تو اس کی تفصیل قرآن کریم میں ہے نہ زکوٰۃ کی ان دونوں حکموں کو اس قدر مجمل رکھا کہ سبحان اللہ تاکہ اس پہلے مسئلہ میں ہی لوگ حضور کے حاجت مند ہوں۔ خیال رہے کہ جیسے ہم جسمانی زندگی میں بعض رزق ہر وقت استعمال کرتے ہیں جیسے ہوا۔ بعض رزق ہر گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد جیسے پانی بعض رزقوں کی ضرورت دن میں دو تین بار ہوتی ہے جیسے غذا بعض چیزیں ہم سال بعد استعمال کرتے ہیں جیسے موسمی پھل بعض چیزیں عمر میں ایک ہی بار استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح روحانی زندگی کے لئے بعض عبادات ہر وقت کی جاتی ہیں جیسے عقائد کی درستگی حتی کہ کلمہ پڑھ کر سوتے ہیں کلمہ پر ہی مرتے اور دفن ہو جاتے ہیں۔ اور کلمہ کا ہی سوال قبر میں ہوتا ہے۔ نماز دن میں پانچ بار زکوٰۃ روزہ سال میں ایک بار حج عمر میں ایک بار اور جہاد کبھی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اسی لئے یہاں نماز کے مقیمین ارشاد ہوا اور زکوٰۃ کے لئے موتون فرمایا گیا۔

اعتراض **راسخین فی العلم** منہم کی قید کیوں لگائی گئی یعنی یہود میں سے مضبوط عالم کیا۔ دوسرے عالموں کو ثواب نہیں ملتا۔ **جواب** اس لئے کہ جو عالم یہود مسلمان ہو جاوے اسے ڈبل ثواب ملتا ہے۔ اولاً اپنے رسول پر ایمان لانے کا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہاں یہ قید زیادتی ثواب کے لئے ہے نہ کہ اصل ثواب کے لئے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ایمان بالکتاب کو پہلے بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ و قیامت پر ایمان کا ذکر بعد میں ہوا حالانکہ اللہ و قیامت پر ایمان پہلے ہے۔ نبی و کتاب پر ایمان بعد میں پھر ترتیب ذکری الٹی کیوں ہے۔ **جواب** اس کی حکمتیں ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ یا تو ایمان باللہ کی اہمیت فرمانے کے لئے اس کا ذکر خصوصیت سے بعد میں کر دیا گیا ورنہ کتاب اللہ پر ایمان لانے کے لئے اللہ پر ایمان لانا بھی داخل ہے۔ یا اس لئے کہ ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو نبی کی معرفت سے حاصل ہو۔ نماز پر وضو مقدم ہے۔ **تیسرا اعتراض** تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ **والمقیمین الصلوٰۃ** امدح فعل کا مفعول ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے حالانکہ ایک جملہ کے اجزاء کے درمیان ایسی عبارت نہیں آتی۔ یہاں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان یہ جملہ آ رہا ہے یہ ترکیب نحوی کے خلاف ہے۔ **جواب** اس کا نہایت نفیس

جواب تفسیر خازن نے دیا ہے کہ یہ قاعدہ غلط ہے کہ ایک جملہ کے اجزاء کے درمیان میں بھی ایسا جملہ معترضہ آسکتا ہے اس کے ثبوت کے لئے دو شعر پیش کئے۔ **شعر:۔**

☆ لا یبعدن قومی الذین ھم ☆ سم العداۃ وافۃ الجذر ☆

☆ النازلین بکل معترک ☆ والطیبون معاقد الازر ☆

دیکھو النازلین منصوب ہے! **اذکر** فعل پوشیدہ کا اور یہ جملہ سم **العداۃ** اور طیبون کے درمیان ہے جو کہ معطوف علیہ و معطوف ہیں تفسیر کبیر نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ الراسخون مبتدا ہے اور یومنون اس کی خبر لہٰذا جملہ پورا ہو چکا اور یہ جملہ معترضہ کلام پورا ہو چکنے کے بعد ہے لہٰذا اس پر کوئی اعتراض نہیں اور والموتون الزکوۃ سے دوسرا جملہ ہے۔ جس میں الموتون مبتدا ہے۔ اور **اولئک سنؤیتھم** الخ اس کی خبر بہرحال آیت پر کوئی اعتراض نہیں **چوتھا اعتراض** عربی میں **اولئک** دور والی چیز کی طرف اشارہ کے لئے آتا ہے۔ رب تعالیٰ سب سے قریب اس سے کوئی چیز دور نہیں۔ پھر دور کا اشارہ کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب** یہاں اشارہ بعید مکانی دوری کے لئے نہیں بلکہ رتبہ و درجہ کے لئے دوری کے لئے ہے وہ بھی **مخاطبین** کے لحاظ سے۔ یعنی وہ شاندار جماعت جن کے مراتب و درجات تمہارے وہم و گمان سے وراء ہیں ان کی یہ شان ہے۔ یہ حضرات اگرچہ جسماً ہمارے ساتھ رہتے ہیں مگر ان کی درجے و مراتب ہم سے بہت بلند و بالا ہیں۔ اس دوری کا ظہور جنت میں ہوگا کہ اعلیٰ درجہ والے اعلیٰ علیین میں جب سیر کو نکلا کریں گے تو دوسرے جنتی ان کو ایسے دیکھیں گے جیسے آج زمین والے ثریا تارے کو دیکھتے ہیں **اولئک** کا ظہور وہاں ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ علماء تین قسم کے ہیں۔ احکام الٰہی کے علماء ذات و صفات الٰہی کے علماء۔ ذات و صفات و احکام الٰہی ان سب کے علماء تیسری قسم کے علماء وہ ہی راسخین و عاملین ہیں۔ اکابر علماء انہیں کو کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ علماء کے پاس بیٹھو۔ حکماء کے ساتھ رہو اور کبراء کی موافقت و اتباع کرو۔ اس حدیث میں انہیں تین قسموں کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت کریمہ میں راسخین سے مراد یہ ہی تیسری قسم کے علماء ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا وغیرہ اعمال صالحہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ حضرات عالمین بھی ہیں عاملین بھی۔ (تفسیر کبیر) چونکہ نماز سارے اعمال میں افضل ہے کہ یہ انسان کو ایسا سیدھا کر دیتی ہے جیسے ٹیڑھے بانس کو معمولی آگ نیز یہ بدنی عبادت ہے۔ اسی لئے اسے پہلے بیان فرمایا۔ اور زکوۃ مالی عبادت ہے۔ بدن مال سے افضل ہے۔ اس لئے زکوۃ کا ذکر بعد میں فرمایا۔ (روح البیان) علمائے راسخین علمائے ربانیین ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی زبان الٰہی ہے دل عرش ہے اور روح ملکوتی ہے جن کی ہر سانس قرآن و سنت کے ترازو میں تل کر نکلتی ہے جن کے بیان در حقیقت عیاں ہوتے ہیں ان کے نفوس نعمت الٰہی ہیں (عرائس البیان) جن کا ایک قدم علم میں دوسرا قدم عمل میں مضبوط ایسے علماء عاملین بہت بڑے اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْ

یقیناً ہم نے وحی کی طرف آپ کے جس طرح کہ وحی کی ہم نے طرف نوح کے اور نبیوں کے بعد ان کے اور

بے شک اے محبوب ہم نے وحی تمہاری طرف بھیجی جیسے نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کو بھیجی اور

حَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ

وحی کی ہم نے طرف ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد ان کے اور

ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور

عِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ

طرف عیسیٰ کے اور ایوب کے اور یونس کے اور ہارون کے اور سلیمان کے اور عطا کی ہم نے داؤد

عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور

زَبُوْرًا ۚ ﴿۱۶۳﴾

کو زبور

عطا کی

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کا یہ مطالبہ ذکر ہوا کہ آپ سارا قرآن مجید یکدم لائیں ورنہ ہم ایمان نہ لائیں گے۔ پھر ارشاد ہوا کہ ان کا یہ مطالبہ محض عناد کے طور پر ہے اس عناد کے ثبوت میں ان کے چند واقعات اور مطالبات ذکر فرمائے کہ انہوں نے فلاں فلاں وقت میں فلاں نبی سے یہ مطالبے کئے تھے۔ اب اس آیت میں اگلے اس مطالبہ کا جواب دیا جا رہا ہے۔ کہ ان بارہ حضرات کو یہود نبی مانتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کسی کو آسمانی کتاب یکدم نہ ملی۔ کسی نبی کو تو کتاب ملی ہی نہیں اور کسی کو ملی مگر آہستگی سے۔ بتاؤ' جب وہ حضرات نبی ہیں۔ حالانکہ انہیں یکدم کتاب نہ ملی تو ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے تم یہ مطالبہ کیوں کرتے ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اولاً" یہود کا مطالبہ بیان ہوا پھر ان کے مطالبے کی نوعیت کہ یہ مطالبہ محض عناداً" ہے۔ پھر اس کا ثبوت اب اس مطالبہ کا جواب غرض کہ نہایت نفیس ترتیب ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ مومن اہل کتاب سارے نبیوں اور ان کی کتابوں صحیفوں احکام پر ایمان لاتے ہیں اب اس آیت میں ان نبیوں کتابوں کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا اس آیت میں تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں مومن کی شان یہ بیان کی گئی تھی کہ مومن وہ ہے جو آپ پر اور تمام نبیوں پر یکساں ایمان لائے کہ کسی نبی میں نفس ایمان میں فرق نہ کرے۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ کہ وحی الٰہی تمام نبیوں پر یکساں آئی کوئی نبی بغیر وحی نہ ہوئے۔ جب وحی و نبوت میں سب حضرات یکساں ہیں تو

چاہیے کہ ان پر ایمان بھی یکساں لایا جاوے۔ گویا پہلے ایک حکم تھا۔ اب اس حکم کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ چوتھا فائدہ پچھلی آیت میں اشارۃً اللہ تعالیٰ اور تمام نبیوں پر ایمان لانے کا حکم تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ کہ ہم وحی دینے والے یہ حضرات وحی لینے والے۔ مومن وہ جو وحی دینے والے رب کو بھی مانے اور وحی لینے والے سارے نبیوں کو بھی۔ گویا پچھلی آیت میں ایمان کا حکم تھا۔ اب وجہ ایمان اور ذریعہ ایمان کا ذکر ہے۔ کہ جو ہم کو اس طرح مانے کہ ہم آسمان و زمین وغیرہ کے خالق مالک رازق ہیں نبوت کی معرفت نہ مانے وہ موحد ہے مگر مومن نہیں۔ مومن وہ ہے جو ہم کو اس طرح مانے کہ ہم نبیوں پر وحی بھیجنے والے ہیں۔ اور حضرات انبیاء وحی کے متنی۔

شان نزول حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ علمائے یہود میں سے دو راہبوں نے جن کا نام سکین اور عدی بن زید تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی بشر کو نبوت نہ دی نہ وحی بھیجی۔ آپ بھی تو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہی ہیں تو آپ نبی کیسے ہو گئے۔ ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن تفسیر صاوی وغیرہ)

تفسیر **انا اوحینا الیک** چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے یہود عیسائی مشرکین اور بہت سے کفار انکاری تھے اس لئے رب تعالیٰ نے آپ پر وحی آنے کو انا تحقیق سے شروع فرمایا۔ نیز حضور کی نبوت بہت ہی اہم ہے کہ اب حضور ہی کی نبوت پر ایمان کا دارو مدار ہے۔ اس اہمیت کو ظاہر فرمانے کے لئے انا ارشاد ہوا بہر حال انایا تو منکرین کے انکار کی وجہ سے ہے یا مضمون کی اہمیت کے اظہار کے لئے ہے۔ او حینا بنا ہے وحی سے وحی کے لغوی معنی ہیں خفیہ اطلاع جس میں اشارہ۔ الہام وغیرہ سب داخل ہیں۔ رب فرماتا ہے **فاوحی الیھم ان سبحوا بکرۃ و عشیا**۔ یہاں وحی بمعنی اشارہ ہے اور فرماتا ہے۔ **اذ اوحیت الی الحوارین ان امنوا بی** اور فرماتا ہے **واوحی ربک الی النحل** اور فرماتا ہے **واوحینا الی ام موسیٰ** ان تمام آیتوں میں وحی سے مراد دل میں ڈالنا ہے شریعت کی اصطلاح میں جو پیغام الٰہی بذریعہ فرشتہ کسی بندے پر نازل ہو وہ وحی ہے بشرطیکہ وہ بندہ تبلیغ کا مامور ہو۔ لہٰذا حضرت جبریل علیہ السلام کا جناب مریم سے کلام فرمانا شرعی وحی نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے جو طور پر بلاواسطہ کلام فرمایا اسے کلام الٰہی کہا وحی الٰہی نہ کہا۔ فرمایا **کلم اللہ موسیٰ تکلیما** کیونکہ وہ بغیر واسطہ فرشتہ تھا لہٰذا وحی نہ ہوا یہ ذکر وحی جلی کا ہے۔ وحی خفی بہت عام ہے حتیٰ کہ پیغمبر کی خواب ان کا الہام بلکہ ہمارے حضور کا ہر کلام وحی ہے۔ وحی خفی معراج کی رات قاب قوسین کے موقع پر جو بے حجابانہ بغیر واسطہ کلام اپنے محبوب سے فرمایا اسے وحی کہا **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** یہاں صیغہ جمع متکلم فرمانے میں بھی وحی الٰہی کی اہمیت کا اظہار ہے جیسے **انا انزلنہ فی لیلۃ القدر** وحی کی پوری تحقیق اور وحی کے اقسام جلی و خفی وغیرہ پہلے پارہ میں بیان ہو چکے۔ ایک سے معلوم ہوا کہ وحی کی ابتداء رب تعالیٰ سے ہوتی ہے

اور انتہائی پر نہ تو حضرت جبریل وحی کے منتہی ہیں اور نہ ہم امت والے۔ اس انتہا سے شریعت و طریقت کے بڑے نفیس مسائل حاصل ہو سکتے ہیں **کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ** نوح علیہ السلام کا نام شریف **یشکر** تھا اور لقب نوح کیونکہ آپ خوف خدا سے بہت نوحہ یعنی گریہ وزاری کرتے تھے۔ آپ کے تاریخی حالات پہلے پارے میں بیان ہو چکے۔ چونکہ نوح علیہ السلام پہلے صاحب شریعت نبی ہیں اور مشرکین اور کفار کو پہلے ڈرانے والے پیغمبر ہیں۔ آپ ہی پہلے نبی ہیں جن کی بددعا سے کفار پر عذاب آیا آپ دوسرے ابو البشر ہیں کہ تمام مابعد کے لوگ آپ ہی کی اولاد ہیں آپ کی عمر پندرہ سو سال اور تبلیغ قریباً ایک ہزار سال ہوئی یعنی ساڑھے نو سو برس۔ مگر نہ آپ کے بال سفید ہوئے نہ کوئی دانت گرا۔ آپ نے ہی اپنی قوم کی تکالیف پر بہت ہی صبر فرمایا کہ دن و رات خفیہ و علانیہ تبلیغ فرماتے تھے۔ کبھی آپ قوم کی ایذا سے بیہوش ہو جاتے تو ہوش آتے ہی پھر تبلیغ فرماتے۔ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ہی کی قبر پہلے کھلے گی وغیرہ وغیرہ ان وجوہ سے آپ کا ذکر پہلے کیا گیا۔ آپ پہلے اولوالعزم رسول ہیں علیہ الصلوۃ والسلام (خازن' روح کبیر' صاوی وغیرہ) آپ کی اتنی دراز عمر اور اتنی عمر میں دانت نہ گرنا بال سفید نہ ہونا کسی قسم کا ضعف نہ آنا آپ کا جسمانی معجزہ ہے۔ (سراج منیر) آپ سے پہلے حضرت آدم' شیث' ادریس علیہم السلام نبی گزرے والنبیین میں تمام انبیاء کرام کا اجمالی ذکر فرما دیا گیا۔ من بعدہ اس لئے فرمایا کہ احکام شرعیہ کی وحی آپ سے شروع ہوئی اور آپ کے بعد والے رسولوں کو ہوئی یہ مطلب نہیں کہ آپ سے پہلے نبیوں پر وحی نہ آئی تھی کیونکہ وحی نبوت کے لئے ضروری ہے۔ **واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل واسحق ویعقوب والاسباط** اگرچہ یہ حضرات بھی والنبیین میں داخل تھے۔ مگر چونکہ جماعت انبیاء میں یہ حضرات خصوصی صفات اور بہت شانوں کے مالک ہیں اس لئے ان کے نام پاک خصوصیت سے لئے گئے۔ حضرت ابراہیم ابو الانبیاء ہیں کہ سات نبیوں کے علاوہ تمام نبی آپ کی اولاد میں ہیں۔ حضرت آدم' شیث' ادریس' نوح' صالح' ہود' لوط علیہم السلام تو آپ کی اولاد میں نہیں باقی سب آپ کی اولاد ہیں۔ کعبہ' منیٰ' صفا مروہ آپ کی ہی یادگاریں ہیں۔ اسلام میں آپ کی سنتوں کو باقی رکھا گیا۔ تمام دینوں میں آپ کا ادب و احترام ہے۔ ابراہیم کے معنی ہیں مہربان باپ (اب رحیم) اسمٰعیل علیہ السلام آپ کے بڑے فرزند ہیں۔ آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں۔ آپ کے دم سے مکہ معظمہ بلکہ عرب آباد ہوا۔ اسمٰعیل کے معنی ہیں اسمع یا ایل اے خدا میری سن لے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے برسوں آپ کی ولادت کی دعائیں کی تھیں اور ہر دعا کے بعد عرض کرتے اسمع یا ایل اس لئے آپ کا نام اسمٰعیل ہوا۔ اسحاق علیہ السلام تمام بنی اسرائیل نبیوں کے جد امجد ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کے والد ماجد ہیں۔ یعقوب کے لفظی معنی ہیں عقب میں آنے والا یعنی پیچھا بیٹا۔ حضرت عیص اور آپ جڑواں پیدا ہوئے۔ آگے عیص اور پیچھے یعقوب علیہ السلام۔ اس لئے آپ کا نام یعقوب رکھا گیا۔ اسباط جمع ہے سبط کی۔ معنی اولاد قرآنی اصطلاح میں یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کو اسباط کہا جاتا ہے۔ جن میں یوسف علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ ان تمام ناموں کی تحقیقات ان بزرگوں کے حالات زندگی ہم پہلے

پارہ میں تفصیل سے عرض کر چکے ہیں۔ وہاں مطالعہ فرماؤ۔ اس میں بحث ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے سارے بیٹے نبی ہوئے یا صرف یوسف علیہ السلام یہ تحقیق بھی پہلے پارہ میں کی جا چکی ہے۔ **وعیسیٰ وایوب ویونس وھرون وسلیمن** اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام جناب یوسف و ہارون وغیرہم انبیاء سے پیچھے ہیں مگر چونکہ بڑی شان والے صاحب کتاب صاحب معجزات روح اللہ کلمتہ اللہ ہیں اسی لئے آپ کا نام شریف ان بزرگوں سے پہلے لیا گیا نیز یہاں ذکر ترتیب وجودی کے لحاظ سے نہیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان تمام انبیاء کرام کے مزارات پر حاضری دی ہے۔ ان بزرگوں کے جائے وفات جائے دفن وغیرہ کی اگر تفصیل دیکھنی ہو تو ہمارا سفرنامہ تبلیغین کا مطالعہ کرو۔ ان بزرگوں کے ناموں کی تحقیق تاریخی حالات نسب نامے وغیرہ پہلے پارہ میں عرض ہو چکے۔ **واتینا داؤد زبورا۔** داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد ماجد ہیں۔ آپ کی خوش الحانی آپ کا معجزہ تھی۔ جب آپ زبور شریف کی تلاوت کرتے تو آپ کے پیچھے علماء ان کے پیچھے عام لوگ ان کے پیچھے جنات ان کے پیچھے پرندے چرندے.... جانور جمع ہو جاتے۔ پرندے آپ پر سایہ کر لیتے تھے (روح البیان' خازن' وغیرہ) زبور بروزن فعول۔ بمعنی اسم مفعول ہے۔ جیسے رسول' رکوب اور حلوب یہ زبر۔ بمعنی کتابتہ سے بنا ہے۔ یعنی لکھی ہوئی کتاب اس میں ڈیڑھ سو سورتیں تھیں جن میں احکام شرعیہ بہت تھوڑے تھے۔ حکمت وعظ حمد الٰہی وغیرہ زیادہ تھیں۔ ان بزرگوں کے زمانوں کی ترتیب یہ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت اسحق پھر حضرت یعقوب پھر حضرت یوسف پھر شعیب ابن نویب پھر ہود ابن عبداللہ پھر صالح ابن آصف پھر حضرت موسیٰ و ہارون ابن عمران پھر ایوب پھر خضر پھر داؤد ابن الیشا پھر سلیمان ابن داؤد پھر یونس ابن متی پھر الیاس پھر ذوالکفل علیہم السلام۔ (صاوی) تفسیر صاوی نے فرمایا کہ عرب میں کل پانچ نبی تشریف لائے۔ ہود و صالح' اسمٰعیل' شعیب' محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین شاید عرب سے مراد زمین عرب ہو ورنہ حضرت صالح علیہ السلام کے زمانہ میں عرب آباد ہی نہ ہوا تھا۔ عرب تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانہ سے آباد ہوا۔ واللہ اعلم اور عرب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہمارے حضور تک کوئی نبی نہ تشریف لائے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو یہود آپ کی نبوت پر اس لئے اعتراض کرتے ہیں کہ آپ پر قرآن کریم یکدم کیوں نہ آیا۔ یا جو کہتے ہیں کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں وہ بڑے جھوٹے ہیں۔ ہم نے آپ پر ویسی ہی وحی فرمائی ہے جیسے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے نبیوں پر وحی فرمائی تھی۔ چنانچہ ہم نے حضرت ابراہیم' اسمٰعیل' اسحق' یعقوب ان کی اولاد عیسیٰ ایوب' یونس' ہارون' سلیمان علیہم السلام پر وحی کی تھی۔ کہ ان میں سے اکثر انبیاء کرام کے پاس کتاب تھی ہی نہیں نہ یکدم آئی نہ آہستہ۔ داؤد علیہ السلام کو زبور دی۔ مگر آہستہ پھر یہ لوگ ان سب کو نبی کیوں مانتے ہیں۔ اگر نبوت کے لئے کتاب الٰہی یکدم اترنا شرط ہے تو ان حضرات کی نبوت کیسے ثابت کریں گے۔ خیال رہے کہ الوہیت' نبوت' ولایت' ان سب کا ماننا اسلام میں ضروری ہے مگر ان تینوں میں نبوت پر زیادہ زور ہے۔ اللہ تعالیٰ

نبوت کو ہر قسم کے شبہات سے صاف فرماتا ہے۔ اس لئے نبی پر معجزات ظاہر ہوتے ہیں کہ نبوت سے شبہ دور ہو۔ مدعی الوہیت کے ہاتھ پر عجائب اور کرشمے ظاہر ہو سکتے ہیں۔ مگر مدعی نبوت یعنی جھوٹے نبی کے ہاتھ پر کوئی کرشمہ جو نبوت کی تائید کرے ہر گز ظاہر نہ ہو گا۔ حتی کہ جادوگر دعوئی نبوت کر کے جادو سے عجائب نہیں دکھا سکتا۔ دجال دعوئی الوہیت کرے گا اور بہت عجائب دکھائے گا کیونکہ الوہیت کبھی مشتبہ نہیں ہو سکتی بندے کا کھانا پینا' سونا جاگنا بندگی کی دلیل ہے لیکن نبی بندے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی دعوئی نبوت کر کے جادو سے نبوت ثابت کرے تو نبوت مشتبہ ہو جاوے گی۔ اس لئے یہاں انا حرف تحقیق فرمایا گیا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** ہر نبی پر وحی الٰہی ہونا ضروری ہے کوئی نبی بغیر وحی نہیں ہو سکتے جیسا کہ **اوحینا** کے بعد **النبیین** فرمانے سے معلوم ہوا۔ ہاں ہر نبی کے لئے کتاب آسمانی ہونا ضروری نہیں۔ دیکھو حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ مگر کتابیں کل چار ہیں اور صحیفے ایک سو دس۔ **دوسرا فائدہ** گروہ انبیاء میں حضرت نوح علیہ السلام بڑی شان والے نبی ہیں۔ آپ کے خصوصی فضائل ابھی تفسیر میں بیان کئے گئے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان کے نام سے اس سلسلہ کو شروع فرمایا **تیسرا فائدہ** بعض علماء نے یوسف علیہ السلام کے سارے بھائیوں کو نبی مانا ہے وہ اس آیت سے دلیل لیتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اسباط کو سلسلہ انبیاء میں ذکر فرمایا ہے اور ان پر وحی فرمانے کا تذکرہ کیا اور اسباط یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا لقب ہے۔ جو علماء ان کی نبوت کے انکاری ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ان صاحبوں کی اولاد میں نبی گزرے ہیں اسباط سے مراد بارہ قبیلے اور بارہ خاندان ہیں۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ ترجیح اسے ہے کہ وہ حضرات نبی ہیں مگر صاحب شریعت نبی نہیں واللہ اعلم۔ یوسف علیہ السلام نے ان صاحبوں کو خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا تھا۔ تارے نبی کے صحابی ہوتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں اصحابی کالنجوم۔ **چوتھا فائدہ** یہ بارہ حضرات انبیاء عظیم الشان نبی ہیں مگر رب تعالیٰ نے خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ فرمایا۔ اگرچہ **النبیین** میں یہ بھی داخل تھے۔ علیحدہ ذکر فرمانا ان کی عظمت شان کی دلیل ہے۔ **پانچواں فائدہ** حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہیں کہ رب تعالیٰ نے انہیں سلسلہ انبیاء میں بیان فرمایا۔ اور ان پر وحی نازل ہوئی جو کوئی ان کی نبوت کا انکار کرے وہ کافر ہے **چھٹا فائدہ** حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور شریف یکدم نہ آئی بلکہ آہستگی سے آئی جیسا کہ **اتینا داؤد زبورا** سے معلوم ہوا کیونکہ یہود کو عطاء زبور سے الزام دیا جا رہا ہے کہ اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اس لئے انکار کرتے ہو کہ آپ پر قرآن مجید آہستگی سے اترتا ہے تو حضرات داؤد علیہ السلام کے متعلق کیا کہو گے۔ ان پر بھی زبور شریف آہستہ آئی تھی۔ **ساتواں فائدہ** علم تاریخ اچھا علم ہے۔ خصوصاً حضرات انبیاء کرام کی تاریخ تو بہت ہی اعلیٰ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان حضرات کے تاریخی حالات سے یہود کو الزام دیا۔

پہلا اعتراض جب نوح علیہ السلام سے پہلے بھی چند نبی گزرے جیسے آدم علیہ السلام شیث علیہ السلام اور یس علیہ السلام

تو یہاں رب تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے نبیوں کا ہی ذکر کیوں فرمایا۔ کیا پہلے والے نبی نہیں؟ **جواب** اس لئے کہ ان حضرات کی وحی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے بہت مناسبت ہے کہ احکام شرعیہ اور تبلیغ اسلام کی وحی ان سے پہلے نہ تھی۔ حضرت نوح سے شروع ہوئی۔ آپ سے پہلے ذکر الٰہی اور عبادت کی ہی وحی تھی اس تشبیہ کی وجہ سے خصوصیت سے بعد والوں کا ذکر فرمایا جیسا کہ لفظ کما سے ظاہر ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیوں نہیں۔ آپ بھی تو بڑے صاحب شان نبی ہیں۔ **جواب** اس لئے کہ یہود آپ کی ذات کو لے کر تو حضور کی نبوت کا انکار کرتے تھے کہ توریت تو یکدم آئی اور قرآن مجید آہستہ آہستہ آیا۔ اگر آپ نبی ہیں تو توریت کی طرح آپ پر قرآن کریم یکدم کیوں نہ آیا لہٰذا جواب کے موقع پر آپ کا نام شریف اور آپ کا تذکرہ مناسب نہ تھا۔ **تیسرا اعتراض** حضرات انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں کہ ان سے گناہ ہو سکتے ہی نہیں۔ پھر یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی کیسے ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے تو بڑے بڑے گناہ کئے اپنے والد کو جو نبی تھے رلانا ان کو جھوٹی خبر دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔ اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کو سخت ستانا انہیں دھوکہ سے فروخت کر کے ان کی قیمت کھانا وغیرہ **جواب** جو علماء ان کو نبی مانتے ہیں ان کے نزدیک حضرات انبیاء نبوت کی عطا کے بعد معصوم ہوتے ہیں۔ ان حضرات سے یہ گناہ عطاء نبوت سے پہلے ہوئے تھے۔ جن کے نزدیک نبی ہر وقت معصوم ہوتے ہیں۔ نبوت سے پہلے بھی بعد میں بھی وہ ان حضرات کو نبی نہیں مانتے۔ خیال رہے کہ ان حضرات کی نبوت میں اختلاف ہے۔ باقی یہ حضرات سب کے نزدیک ولی اور صحابی نبی ہیں۔ ان کی معافی ہو چکی نیز یوسف علیہ السلام نے ان کو تاروں کی شکل میں خواب میں دیکھا۔ تارے ہادی بھی ہوتے ہیں اور نور بھی لہٰذا کوئی شخص ان حضرات کو برائی سے یاد نہ کرے۔ اپنی فکر کرو۔ وہ حضرات اللہ کے پیارے ہیں۔ خبر نہیں کہ ہمارا انجام کیا ہو گا۔ ان حضرات کی اولاد میں نبی ہوئے ہیں اسی لئے او حینا کے سلسلہ میں والاسباط فرمایا گیا بہر حال ان کا احترام ضروری ہے۔ حضرت سارہ و ہاجرہ رضی اللہ عنہما کے لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے ہم سارہ کو برا نہیں کہہ سکتے۔ ان بزرگوں کے جھگڑوں میں رب تعالیٰ کی لاکھوں حکمتیں ہوتی ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کے اختلاف کی بنا پر ان کی بے ادبی نہیں کر سکتے۔ وہ سب حضرات امت کے ہادی آسمان نبوت کے ستارے ہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام جناب ایوب و یونس حتیٰ کہ حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی پہلے کیوں لیا گیا۔ آپ تو ان سب سے پیچھے ہیں ہارون علیہ السلام سے تو بہت ہی بعد میں ہیں **جواب** اس لئے کہ یہود حضرت عیسیٰ کے بڑے دشمن تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے نسب شریف پر بھی طعن کرتے تھے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے ان کا نام پاک ان بزرگوں سے پہلے لیا تاکہ ان یہود کی تردید خوب ہو (روح البیان) **پانچواں اعتراض** جب یہود جناب عیسیٰ و سلیمان علیہما السلام کو نبی مانتے ہی نہ تھے تو ان کو ان دونوں بزرگوں کی ذات سے الزام کیسے دیا جا سکتا ہے۔ ان کے نام اسی سلسلہ میں کیوں ارشاد ہوئے۔ **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض یہودیوں اور عیسائیوں دونوں نے کیا تھا۔ عیسائی ان دونوں بزرگوں کو نبی مانتے تھے۔ ان دونوں حضرات

کا ذکر ان عیسائیوں کے الزام کے لئے مفید ہے چونکہ یہود اس اعتراض میں پیش پیش تھے۔ عیسائی ان کی تائید کرتے تھے۔ اسی لئے یہود کی طرف اعتراض منسوب کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کا امتحان لیتا ہے اور امتحان میں ان کی تسلی و تشفی کا بھی انتظام فرماتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود کا اعتراض رب تعالیٰ کا امتحان ہے اور ان بزرگوں یعنی انبیائے کرام کے تذکرے حضور کی تسکین کی خاطر کا انتظام وہاں نشتر کے ساتھ مرہم بھی ہوتا ہے۔ اللہ کے مقبولین ذکر اللہ ہیں اور ذکر اللہ سے دلوں کا چین ہے۔ **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت دلوں کا چین ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔
شعر:۔

☆ ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو ☆ جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں ☆

جیسے عالم جسمانیات میں رب تعالیٰ کے بعض عطیے یکساں ہیں اور بعض فرق سے ہیں۔ دیکھو ظاہری و باطنی اعضا تمام انسانوں کو یکساں ملے۔ ہر فقیر و سلطان کو دو ہاتھ دو پاؤں ایک دل ایک جگر عطا ہوئے مگر شکل و شباہت۔ رنگ' بولی میں فرق ہے۔ بول جداگانہ ہے۔ نیز بیرونی عطیے بعض یکساں ہے بعض میں فرق ہے ہوا' سورج کی روشنی' زمین' پانی یہ عام نعمتیں ہیں۔ مگر دولت' علم' سلطنت وغیرہ خاص نعمتیں ہیں جو کسی کسی کو ملتی ہیں۔ یونہی نبوت' وحی' تبلیغ یہ وہ عام نعمت ہے جو ہر نبی کو عطا ہوئی۔ کوئی نبی ان صفات سے خالی نہیں۔ مگر صحیفہ' کتاب' کلیم اللہ ہونا۔ روح اللہ ہونا وغیرہ یہ خصوصی نعمتیں ہیں جو گروہ انبیاء میں کسی کسی کو ملیں۔ تو خصوصی نعمت کو ہر نبی میں تلاش کرنا جہالت ہے کہ فلاں نبی پر کتاب نہ آئی یا آہستہ آئی لہذا ہم انہیں نہیں مانتے۔ نری جہالت ہے اور عام نعمت میں خصوصیت پیدا کرنا بھی کفر ہے کہ فلاں نبی اصلی نبی ہے اور فلاں بروزی یا عارضی نبی یہ کفر ہے۔ نفس نبوت میں سب نبی برابر ان میں کوئی فرق نہیں۔ **لا نفرق بین احد من رسلہ** اور خصوصی صفات میں وہ حضرات مختلف ہیں۔ **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض** یونہی اولیاء اللہ نفس ولایت' ایمان' تقویٰ میں سب یکساں ہیں۔ سب اللہ کے مقبول و پیارے ہیں مگر درجات ولایت میں مختلف کوئی جلالی ہے کوئی جمالی کوئی تارک الدنیا ہے کوئی دنیا میں مشغول کوئی سالک کوئی مجذوب جو تمام اولیاء اللہ کو یکساں دیکھنا چاہے وہ جاہل ہے۔ حضرات اولیاء مظہر انبیاء اور حضرات انبیاء مظہر صفات کبریا۔ رب کی صفات مختلف تو حضرات انبیاء کے جلوے مختلف ہیں۔ انہیں کے لحاظ سے حضرات اولیاء کے حالات میں فرق ہے۔ یہود مدینہ حضرات انبیاء میں ایک رنگ دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لئے محروم رہے اسی کا اس آیت میں ذکر ہے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ

اور پیغمبروں کو بے شک قصے بیان کیئے ہم نے ان کے اوپر تمہارے سے پہلے سے اور پیغمبروں کو نہ قصے بیان کیئے

اور رسولوں کو جن کا ذکر آگے ہم تم سے فرما چکے اور ان رسولوں کو جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا اور

عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا

ہم نے ان کے اوپر تمہارے اور کلام فرمایا اللہ نے موسے سے پورا کلام رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے

اللہ نے موسٰے سے حقیقتہً کلام فرمایا رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے کہ رسولوں کے بعد اللہ

يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ

والے اس لیئے کہ نہ ہو واسطے لوگوں کے اوپر اللہ کے کوئی دلیل بعد پیغمبروں کے اور

کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے اور اللہ غالب حکمت والا

عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾

ہے اللہ غالب حکمت والا

ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں کچھ نبیوں کی فہرست بیان فرما کر فرمایا گیا۔ کہ ہم نے ان سب کو وحی تو دی مگر ان سب کو کتاب یکدم نہ دی جس سے معلوم ہوا کہ نبوت کے لئے نہ یہ ضروری ہے کہ نبی صاحب کتاب ہو نہ یہ ضروری کہ ان پر کتاب الٰہی یکدم آئے اب بتایا جارہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان انبیائے کرام کے علاوہ اور بہت سے نبی ہیں جن کی تفصیل بیان نہ ہوئی۔ وہ سب نبی تھے۔ مگر صاحب کتاب نہ تھے۔ گویا پچھلی آیت میں حضرات انبیاء کی کچھ تفصیل تھی۔ اب تمام حضرات انبیاء کا اجمالی ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پر توریت یکدم اتری مگر سارے نبیوں پر یکدم کتاب نہ آئی ہر نبی میں یہ وصف ڈھونڈنا غلطی ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے بلاواسطہ کلام فرمایا اور نبیوں کو یہ صفت کلیم اللہ ہونے کی نہ ملی جو کوئی ہر نبی میں صفت کلیم الٰہی ڈھونڈے وہ احمق ہے۔ گویا پچھلی آیت میں کتاب ملنے کا ذکر تھا اب کلام الٰہی بلاواسطہ ہونے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہر نبی کے لئے وحی لازم ہے۔ کتاب لازم نہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہر نبی کے لئے بشیر و نذیر ہونا ضروری ہے کہ نبوت کا مقصد بشارت اور نذارت ہے۔ وہ تو ہمارے محبوب میں موجود ہیں کہ حضور تمام جہان کے لئے بشیر و نذیر ہیں لہٰذا یہ سچے رسول ہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے نہ تو ہر نبی کو کتاب دی نہ یکدم دی بلکہ بعض کو کتاب دی بعض کو نہ دی اور جن کو

کتاب دی ان میں سے کسی کو یکدم کسی کو آہستہ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم عزیز یعنی ہر چیز پر قادر تو ہیں مگر حکیم بھی ہیں۔ ہمارا ہر کام حکمت سے ہوتا ہے۔ بعض کو کتاب نہ دینا بعض کو دینا۔ پھر کسی کو یکدم کتاب عطا فرمانا۔ کسی کو آہستگی سے۔ اس میں ہماری حکمت ہے۔ گویا پہلے رب تعالیٰ کے کاموں کا ذکر تھا۔ اب حکمتوں کا۔

شان نزول جب پچھلی آیت "او حینا الیک" الخ نازل ہوئی تو یہود مدینہ بولے کہ اس آیت میں اور نبیوں کا ذکر تو ہوا مگر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں۔ اسی پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خصوصی ذکر فرمایا گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ بہت سے نبیوں کا ذکر آپ سے نہ کیا گیا تو کسی آیت میں کسی نبی کا ذکر نہ ہونا اعتراض کے قابل نہیں (تفسیر خازن' تفسیر صاوی وغیرہ)

تفسیر ورسلا قد قصصنهم علیک من قبل واؤ یا تو عاطفہ ہے اور رسلا اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ جو گزشتہ آیت کے او حینا سے معلوم ہوا یعنی "ارسلنا" اور یہ آیت پچھلی آیت پر معطوف ہے۔ اس صورت میں رسل موصوف ہے اور **قد قصصنهم** اس کی صفت یعنی ہم نے بہت سے رسول ایسے بھیجے جن کے قصے آپ کو سنا دیئے اور بہت سے رسول ایسے بھیجے جن کے قصے آپ کو نہیں سنائے اور یا واؤ ابتدائیہ ہے اور رسلا ایک پوشیدہ "قصصنا" سے منصوب ہے۔ جس کی تفسیر اگلا قصصنا کر رہا ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ مستقل ہے۔ کسی پر معطوف نہیں یہاں رسول سے مراد نبی ہیں۔ ہم نبی رسول اور مرسل کا فرق بارہا بیان کر چکے ہیں۔ قصصنا سے مراد ہے ان کے حالات زندگی مع ان کے ناموں کے بیان فرمانا جیسے حضرت موسیٰ و عیسیٰ و ابراہیم علیہم السلام وغیرہم۔ یا ان کے حالات بیان فرمانا بغیر نام لئے جیسے حضرت شمویل حضرت عزیر علیہما السلام۔ خیال رہے کہ بعض انبیاء کرام وہ ہیں جن کے نام بھی قرآن مجید میں آئے اور حالات زندگی بھی بعض وہ ہیں جن کے نہ تو نام قرآن مجید میں آئے نہ حالات زندگی اور بعض وہ ہیں جن کے صرف نام قرآن مجید میں ہیں۔ حالات زندگی کا بالکل ذکر نہیں جیسے حضرت **یسع** علیہ السلام۔ بعض وہ ہیں جن کے حالات قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ نام نہیں جیسے حضرت خرقیل و شمویل علیہما السلام۔ یہاں نام لینے نہ لینے کا ذکر نہیں۔ حالات بیان کرنے نہ کرنے کا ذکر ہے۔ "من قبل" سے مراد ہے اس صورت سے پہلے یا آج کے دن سے پہلے (بیضاوی)

ورسلا لم نقصصهم علیک یہ عبارت پہلے رسلا پر معطوف ہے۔ اس کی ترکیب میں وہی دو احتمال ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے **لم نقصصهم** سے مراد قرآن کریم میں قصہ و حالات زندگی بیان نہ کرنا ہے خواہ اس طرح کہ ان کے نام بھی نہ ہوں۔ قصہ بھی نہ ہو۔ جیسے حضرات دانیال علیہ السلام یا نام تو ہو مگر قصہ نہ ہو جیسے حضرت **یسع** علیہ السلام۔ خیال رہے کہ اس جملہ میں قرآن میں قصہ بیان فرمانے کی نفی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی نہیں۔ حضور کو تو تمام نبیوں کا تفصیلی علم دیا گیا۔ سارے نبیوں نے حضور کے پیچھے شب معراج نماز ادا کی۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں

قرآن مجید میں صراحۃً "قصہ بیان کرنے کی نفی ہے۔ مطلق بیان کرنے کی نفی نہیں۔ حضور پر صرف قرآن مجید کی ہی وحی نہیں ہوئی اس کے علاوہ اور بہت وحی ہیں۔ پھر بعض وحی وہ بھی ہیں جن میں حضرت جبرائیل کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فکان قاب قوسین اوادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی** دیکھو معراج میں قاب قوسین کے وقت نہ جبرئیل تھے نہ کوئی اور فرشتہ مگر وحی ہوئی۔ بہرحال اس جملہ شریف میں نہ تو حضور کے علم کی نفی ہے۔ نہ مطلق قصہ بیان کرنے کی نفی۔ بلکہ قرآن مجید میں قصہ بیان فرمانے کی نفی ہے۔ وہ بھی صراحۃً" اجمالی قصے سب کے قرآن کریم میں موجود ہیں۔ **وکلم اللہ موسیٰ تکلیما** اس جملہ شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصی صفت کا ذکر ہو کلم بنا ہے **تکلیم** سے جس کا مادہ کلم ہے۔ **تکلیم** سے مراد ہے بغیر واسطہ فرشتہ اللہ کا کلام فرمانا اس طرح کہ رب فرمائے اور موسیٰ علیہ السلام سنیں۔ کلم کے معنی ہوئے بار بار کلام فرمایا اور بہت کلام فرمایا۔ حتیٰ کہ تمام نبیوں کی نبوت کی ابتدا وحی سے ہوئی اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی ابتداء کلام سے ہوئی **وما تلک بیمینک یموسی** لفظ اللہ کلم کا فاعل ہے اور موسیٰ مفعول بہ تکلیما فرما کر اس مقصد کی تاکید فرمادی تاکہ کوئی شخص اس کے معنی میں ایچ پیچ ہیر پھیر نہ کر سکے خیال رہے کہ معتزلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ کلام الٰہی قدیم ہے بے آواز ہے بغیر جہت کے ہے اسی لئے یہ کان اسے نہیں سن سکتے کیونکہ یہ کان آواز اور جہت کے محتاج ہیں۔ وہ لفظ اللہ کو نصب پڑھتے ہیں اور معنی یہ کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا یعنی اپنے دکھ درد سنائے۔ مگر یہ تفسیر نہیں تحریف ہے۔ (تفسیر کبیر) اس زمانہ میں قادیانی فرقہ اس معجزہ کا منکر ہے۔ چنانچہ محمد علی لاہوری قادیانی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے کہ یہ کلام بلا واسطہ نہ تھا بلکہ بواسطہ جبرائیل تھا۔ جیسے عام وحی ہوتی ہے۔ مگر ان عقلمندوں نے اتنا غور نہ کیا کہ پھر حضرت موسیٰ ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ ہر آدمی اللہ تعالیٰ سے عرض و معروض کر سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے خطاب فرمایا پھر خصوصیت سے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیوں ہوا نیز پھر تو ہر شخص کلیم اللہ ہو گیا پھر صرف موسیٰ علیہ السلام کا لقب کلیم اللہ کیوں ہوا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہم کلامی بخشی مگر موسیٰ علیہ السلام سے کلام حجابانہ ہوا اور ہمارے حضور سے کلام بے حجابانہ ہوا۔ یعنی حضور کو معراج میں اپنا دیدار بھی دیا اور کلام بھی فرمایا جیسا کہ سورہ نجم شریف میں آوے گا۔ رب تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمانا حق ہے۔ اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ کیفیت کلام کی ہم کو خبر نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کلام قدیم سنا ہو رونگٹے سے سنا۔ ہر طرف سے سنا۔ بغیر آواز سنا۔ کلام قدیم تھا۔ سننا حادث تھا۔ جیسے کوئی سورج سے روشنی لے لے تو سورج کی روشنی پہلے سے ہی ہے۔ اس کا روشنی لینا اب ہے یوں ہی حضور کا رب کو دیکھنا اس پر ایمان ہے مگر دیکھنے کی نوعیت ہمارے خیال سے وراء ہے۔ شعر:

☆ فرق اتنا ہے کلام طور اور معراج میں ☆ ان سے پردہ تھا خدا کا آپ سے پردہ نہ تھا ☆

رسلا مبشرین ومنذرین یہاں رسلا یا تو پہلے رسل کا بدل ہے یا **اوحینا الیھم** پوشیدہ فعل سے منصوب ہے۔ اس لئے کہ حال ہے یا ارسلنا فعل پوشیدہ کا مفعول ہے (تفسیر کبیر) مبشرین اور منذرین کا رسلا کا حال پہلے بتایا جاچکا ہے کہ بشارت بنا ہے بشرۃ سے۔ معنی ظاہری کھال۔ اصطلاح میں بشارت وہ خوشخبری ہے۔ جس سے سننے والے کا چہرہ کھل جائے۔ ظاہری کھال پر اس کا اثر زائل ہو جائے۔ اگر بشارت تصدیق کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں آئندہ نبی کی آمد کی خوشخبری دینا اور اگر نذارت کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ اطاعت الٰہی پر رحمت کی خوشخبری دینا اور نذارت کے معنی ہوتے ہیں رب تعالیٰ کی نافرمانی پر عذاب الٰہی سے ڈرانا۔ چونکہ یہاں نذارت کے ساتھ اس کا ذکر ہے۔ لہٰذا ثواب کی خوشخبری دینا مراد ہے۔ خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کسی نبی کے مصدق نہیں بلکہ تمام کے مبشر ہیں۔ کیونکہ سارے نبی آپ کے بعد ہی ہیں اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کے مبشر نہیں۔ تمام نبیوں کے مصدق ہی ہیں۔ کیونکہ کوئی نبی آپ کے بعد نہیں۔ سب حضور سے پہلے ہی ہیں اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصدق بھی تھے۔ اور آئندہ نبیوں کے مبشر بھی۔ لیکن رحمت الٰہی کی بشارت اور عذاب الٰہی سے ڈرانا سارے نبیوں کا عمل ہے۔ ہر نبی بشیر بھی ہیں۔ نذیر بھی اسی لئے قرآن کریم میں ہمارے حضور کو بشیرا و نذیرا فرمایا گیا۔ جیسے تمام نبیوں کے لئے وحی لازم ہے ایسے ہی بشارت و نذارت لازم ہے۔ حضرات انبیاء کی رسالت ان کی بشارت و نذارت پر مقدم ہے کہ وہ حضرات پہلے رسول بنتے ہیں پھر بشیر و نذیر۔ اس لئے رسالت کا ذکر پہلے ہوا۔ بشارت و نذارت کا ذکر بعد میں یہ بھی یاد ہے کہ علماء و اولیاء بھی بشارتیں دیتے اور ڈراتے ہیں۔ مگر یہ لوگ اس کام کے لئے مبعوث و مامور نہیں ہوتے۔ حضرات انبیائے کرام اس کے لئے مبعوث بھی ہیں مامور بھی۔ لہٰذا عالم و ولی نبی نہیں گویا ہر نبی بشیر و نذیر ہے۔ مگر ہر بشیر و نذیر نبی نہیں یہ بھی خیال رہے کہ بشارت زیادہ ہے اور ہمیشہ نذارت یعنی ڈرانا کم ہے۔ اور کبھی کبھی اس لئے مبشرین میں پہلے ارشاد ہوا منذرین بعد میں اور "مبشرین" میں **تفعیل** سے فرمایا گیا۔ منذرین باب افعال سے غرض کہ اس ترتیب بیانی میں بہت حکمتیں ہیں کیونکہ بشارت میں رب کی رحمت کی امید دلانا ہے اور نذارت میں اس کے عذاب سے ڈرانا۔ چونکہ رب کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ اس لئے بشارت نذارت پر غالب **لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل** اس عبارت میں انبیاء کرام کے بھیجنے کی حکمت کا ذکر ہے۔ للناس سے مراد یا تو سارے لوگ ہیں یا کفار پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ **علی اللہ** میں علی مقابلہ کے لئے نہیں اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ بلکہ بمعنی عند ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ یا اس کی عدالت میں حجۃ سے مراد معذرت و عذر خواہی ہے۔ مناظرہ یا غلبہ مراد نہیں۔ کون ہے جو اس احکم الحاکمین سے مناظرہ یا اس پر غلبہ کر سکے۔ **بعد الرسل** میں یا ارسال پوشیدہ ہے یا تبلیغ یا بشارت و نذارت پوشیدہ **الرسل** سے سارے نبی مراد ہیں۔ جن کا ذکر ابھی اجمالاً ہو چکا یعنی ہم نے حضرات انبیائے کرام اس لئے دنیا میں بھیجے کہ ان کی تبلیغ و ارسال کے بعد لوگ کل قیامت میں بارگاہ الٰہی میں یہ عذر نہ کر سکیں کہ مولیٰ اگر ہمارے پاس نبی تشریف لاتے تو ہم پرہیزگار ہو جاتے۔

عادل حاکم کے مجرم کو سزا دینے اس کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ کرنے کی دو شرطیں ہوتی ہیں۔ ایک تو جرم کا ثبوت گواہی وغیرہ سے دوسرے اس کی معذرتوں کی تردید۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں مجرموں کے جرموں کا ثبوت فرشتوں' نامہ اعمال' زمین و آسمان بلکہ مجرم کے اعضا کی گواہیوں سے دے گا۔ معذرت کی دفع کے لئے حضرات انبیاء کرام کی بعثت ہے۔ اس کا یہاں ذکر ہے **وکان اللہ عزیزا حکیما**۔ اس جملہ میں حضرات انبیاء کرام کے مختلف رنگوں میں آنے کی حکمت کا ذکر ہے۔ کان دوام و استمرار کے لئے ہے **عزیز** بنا ہے۔ عزت سے ' بمعنی غلبہ حکیم بنا ہے حکمت سے ' بمعنی مصلحت یعنی ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ غالب ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ اگر چاہتا تو صرف ایک نبی بھیجتا اگر چاہتا تو تمام نبی یکساں بھیجتا۔ مگر وہ حکیم بھی ہے اس کے مختلف رسولوں کو مختلف شان والا بنا کر بھیجنے میں اس کی لاکھوں حکمتیں ہیں قدرت اور ہے۔ قانون کچھ اور۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم حضرات انبیاء کرام صرف اتنے ہی نہیں جن کا ذکر ابھی اس آیت میں کیا گیا۔ ان کی تعداد و شمار بہت زیادہ ہے۔ جن میں سے ہم نے بعض کے قصے قرآن مجید میں آپ کو پہلے ہی سنا دیئے ہیں اور بعض کے قصے و حالات زندگی آپ کو قرآن مجید میں نہ سنائے۔ ان تمام کی شان یکساں نہیں۔ بعض پر کتاب آئی بعض پر صحیفے اترے۔ بعض پر نہ کتاب اتری نہ صحیفے حتیٰ کہ اس جماعت انبیاء میں موسیٰ علیہ السلام وہ شاندار نبی ہیں کہ ان پر وحی بذریعہ فرشتہ ہی نہ آئی بلکہ بارہا رب تعالیٰ نے ان سے بلاواسطہ فرشتہ خوب کلام فرمایا کہ رب نے ان سے کلام کیا۔ انہوں نے بلاواسطہ فرشتہ سنا۔ یہ کلیم الٰہی کی صفت ان کے سوا کسی پیغمبر کو نہ دی گئی۔ اب تمام انبیائے کرام کے صفات یکساں ہونے کا مطالبہ کرنا حماقت ہے۔ ان تمام رسولوں کو اسی لئے بھیجا گیا۔ تاکہ وہ حضرات مطیعوں کو ثواب کی خوشخبریاں دیں۔ نافرمانوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔ ان حضرات کے بھیجنے میں حکمت یہ ہے کہ اب کوئی شخص قیامت میں بارگاہ الٰہی میں یہ معذرت نہیں کر سکتا کہ خدایا میں تیرے احکام سے بے خبر رہا۔ اس لئے کافر و نافرمان ہوا۔ اگر تو رسول بھیج دیتا تو میں مطیع و فرمانبردار بن جاتا۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے جو چاہے کرے۔ مگر حکیم بھی ہے کہ اس کے ہر کام میں مصلحتیں ہوتی ہیں تو ہزارہا انبیاء کرام کو ہدایت خلق کے لئے بھیجنا۔ اور ان کو مختلف شانوں کا مالک کرنا اس میں بہت حکمتیں ہیں۔ تفسیر خازن نے بروایت طبری بہت سی اسنادوں سے بروایت کعب احبار روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے تمام زبانوں میں کلام فرمایا۔ بجز آپ کی اپنی زبان شریف کے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرے مولا! میں ان زبانوں کو نہیں سمجھتا۔ تب رب نے آپ کی زبان میں کلام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی کیا تیرا کلام یہ ہی ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میرے کلام کی جھلک ہے۔ اگر تم میرا کلام جیسا کہ ہے ویسے ہی پورا پورا سنو تو تم کچھ نہ رہو۔

روایت تفسیر ابن کثیر نے متعدد اسناد سے بروایت حضرت ابوذر روایت کی فرماتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے عرض کی کہ کل نبی کتنے ہیں۔ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے عرض کیا کہ ان میں رسول کتنے ہیں فرمایا تین سو تیرہ۔ میں نے عرض کیا پہلے نبی کون ہیں فرمایا آدم علیہ السلام۔ اسی روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کے پہلے نبی موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام اور تمام نبیوں میں پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں۔ اسی حدیث میں ہے کہ میں نے پوچھا کل کتابیں اور صحیفے کتنے آئے فرمایا ایک سو چار یعنی سو صحیفے چار کتابیں۔ شیث علیہ السلام پر پچاس خنوخ یعنی ادریس علیہ السلام پر تیس ابراہیم علیہ السلام پر دس موسیٰ علیہ السلام پر دس صحیفے (تفسیر ابن کثیر) خیال رہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی غذائیں اس کی حالت کے مطابق عطا فرمائیں۔ اولاً گھٹی پھر ماں کا دودھ ' پھر نرم غذائیں پھر مستقل غذا روٹی چاول وغیرہ۔ یوں ہی رب نے انسان کی روحانی غذائیں ان کی حالت کے مطابق علا فرمائیں۔ یعنی نبوتیں پہلے ہر بستی میں نبی ہوتے تھے۔ ہر وقت ہوتے تھے۔ اب ایک حضور سب کے نبی ہیں۔ چراغ ہر گھر میں پہنچ کر روشنی دیتے ہیں۔ تارے دور سے نظر تو آتے ہیں مگر ہم کو روشنی نہیں دیتے۔ مگر سورج ایک جگہ رہ کر ہر جگہ روشن شعاعیں دیتا ہے۔ یونہی اور نبی چراغ تھے جو بستیوں میں پہنچ کر فیض دیتے تھے۔ ہمارے نبی سورج ہیں کہ مدینہ میں رہ کر اپنی شعاعیں نورانی اور روشنی دے رہے ہیں سورج چاند تاروں چراغوں کو بجھاتا ہے مگر ذروں کو چمکاتا ہے۔ حضور نے نبوتیں منسوخ فرمادیں۔ ولایتوں کو چمکا دیا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** قرآن مجید میں تمام انبیائے کرام کے تفصیلی قصے مذکور نہیں جیسا کہ **لم نقصصهم علیک** سے معلوم ہوا بلکہ تمام انبیائے کرام کے نام بھی صراحۃً مذکور نہیں۔ صرف چند حضرات کے نام مذکور ہیں **دوسرا فائدہ** حضرات انبیائے کرام کی تعداد مقرر نہ کرنی چاہیے۔ بلکہ سارے نبیوں پر ایمان لانا چاہیے۔ جتنے بھی ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم نے یہاں ان کا ذکر شریف اجمالاً ہی فرمایا اور تعداد انبیاء کی کوئی دلیل قطعی نہیں۔ **تیسرا فائدہ** موسیٰ علیہ السلام بہت شان والے پیغمبر ہیں کہ رب تعالیٰ نے ان کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ فرمایا۔ **چوتھا فائدہ** اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطہ فرشتہ کلام فرمایا اور بارہا فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کا کلام حقیقتاً سنا جیسا کہ **کلم اللہ** سے معلوم ہوا۔ اسی لئے آپ کا لقب کلیم اللہ ہے جو اس کلام کا انکار کرے وہ گمراہ ہے۔ کہ اس آیت کا منکر ہے۔ جیسے معتزلہ اور ہمارے زمانہ کے لاہوری قادیانی ' مرزائی۔

مسئلہ بندے سے رب تعالیٰ کے کلام فرمانے کی بہت صورتیں ہیں۔ خواب میں کلام کرنا۔ الہام کے ذریعے کلام کرنا۔ یہ صورتیں بہت سے بندوں کو نصیب ہو جاتی ہیں۔ بواسطہ فرشتہ بغیر طریقہ وحی کلام کرنا یہ خاص خاص بندوں کو میسر ہوا ہے۔ جیسے جناب مریم اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ۔ بذریعہ فرشتہ وحی کلام کرنا۔ یہ تمام انبیاء کرام کو عطا ہوتا ہے۔ مگر بیداری بحالت ہوش اس زمین پر بغیر واسطہ فرشتہ کلام فرمانا یہ صرف موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا۔ آپ کے سوا کسی کو یہ

نبوت نہ ملی۔ ہمارے حضور سے بلاواسطہ کلام ہوا۔ دیدار کے ساتھ مگر وہ زمین پر نہ تھا۔ وہ دنیا ہی دوسری تھی۔ پانچواں فائدہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام کو خصوصی شانیں علیحدہ علیحدہ بخشی ہیں۔ وہ شخص جو تمام نبیوں میں یکساں صفات ڈھونڈے وہ گمراہ ہے۔ دیکھو بغیر والد پیدا ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصی صفت ہے۔ اور بغیر ماں باپ پیدا ہونا حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصی صفت ہے۔ جو کہے کہ نبی وہ چاہیے جو بغیر باپ پیدا ہو۔ وہ بے دین ہے۔ چھٹا فائدہ سارے نبی بشیر و نذیر ہوئے یعنی مطیعوں کو ثواب کی بشارت دینے والے اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرانے والے۔ یہ فائدہ مبشرین و منذرین سے حاصل ہوا۔ جیسے ہر نبی کے لئے وحی لازم ہے ایسے ہی ان کے لئے بشارت و نذارت ضروری ہے۔ ساتواں فائدہ حضرات انبیائے کرام بشارت پہلے کرتے ہیں احکام بعد میں دیتے ہیں۔ کیونکہ انسان کا دل اعمال کا کارخانہ ہے۔ جہاں اعمال بنتے ہیں اور انسان کا دماغ اعمال کی دوکان ہے۔ جہاں سے اعمال ملتے ہیں۔ اور اعضاء ظاہری وہ جگہ ہے جہاں اعمال استعمال ہوتے ہیں۔ اگر دل میں دنیا سے رغبت دنیا داروں سے خوف ہو تو یہ دل کفر و معاصی کا کارخانہ بن جاتا ہے۔ اور اگر دل میں خوف خدا عشق مصطفیٰ ہو تو یہی دل ایمان' تقویٰ' نیک اعمال کا کارخانہ بن جاتا ہے۔ جیسے نور آنے پر تاریکی غائب ہو جاتی ہے ایسے ہی خوف خدا آنے پر دل سے خوف دنیا' محبت دنیا جاتی رہتی ہے۔ جس دل میں رب سے خوف و امید ہو تو بندہ وہ کام کر لیتا ہے۔ جو فرشتوں سے نہ ہو سکیں اور جب اس دل میں محبت دنیا بھر جاتی ہے۔ تو وہ کام کرتا ہے کہ شیطان بھی گھبرا جائے اس لئے حضرات انبیاء آخرت کی بشارت و نذارت پہلے کرتے ہیں تاکہ دل سے دنیا کی محبت نکل کر آخرت کی محبت پیدا ہو جاوے اور دل نیک اعمال کا کارخانہ بن جاوے۔ جب دل میں برے اعمال بنیں گے ہی نہیں تو اعضا کو برے اعمال ملیں گے کہاں سے۔ حضرت عثمان سے فرمایا جو چاہو کرو جنت تمہاری ہو گئی۔ کیوں اس لئے کہ ان کے کارخانہ دل میں برائیوں کے بننے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ چیز بنتی ہے کارخانہ میں ملتی ہے دوکان سے استعمال ہوتی ہیں گھروں میں۔ جب کارخانہ چیز بنانا ہی چھوڑ دے تو گھروں استعمال میں کہاں سے ہو۔ جب دل میں برے اعمال بنیں ہی نہیں تو دماغ میں اور اعضا میں کہاں سے آئیں۔ حضرات انبیاء بشارت و نذارت کے ذریعہ امت کے دلوں کو برے اعمال بنانے کے قابل نہیں رکھتے۔ آٹھواں فائدہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے مگر قیامت میں اس کے فیصلے' دلائل' علامات بحث و تمحیص کے بعد ہوں گے۔ بندے کے عذر و معذرت سب کچھ ختم کر کے فیصلے ہوں گے۔ تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ مجھ پر زیادتی ہوئی یہ فائدہ **لئلا یکون** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ مسلمان کا ایمان رب تعالیٰ کی قدرت پر بھی چاہیے اور قانون پر بھی قدرت یہ ہے کہ ہر کام خود ہی کر دے۔ بغیر وسیلہ۔ مگر قانون یہ ہے کہ ہر کام وسیلوں اور ذریعوں سے ہو جیسے رب تعالیٰ پر ایمان ضروری ہے ایسے ہی وسیلوں پر ایمان بھی لازم ہے۔ رب کی عبادت کرو ماں باپ کی اطاعت کرو کہ رب تعالیٰ ہمارا خالق ہے اور ماں باپ ذریعہ خلق یہ فائدہ **عزیزا حکیما** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ دنیائے انسانیت میں کوئی وقت ایسا نہ گزرا جب کہ کسی نبی کی نبوت نہ ہو۔ زمانہ یا جگہ نبی سے خالی ہو سکتی ہے نبوت سے خالی

نہیں ہو سکتی پہلے انسان نبی ہوئے تاکہ دنیا نبوت سے خالی نہ ہو یہ فائدہ بھی **لئلا یکون** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ زمانہ نبی اور ہے زمانہ نبوت کچھ اور۔ آج حضور کا زمانہ حیات، ظاہری نہیں۔ اسی لئے لوگ اب صحابی نہیں بنتے مگر آپ کی نبوت کا زمانہ ہے۔ اسی لئے تمام شرعی احکام جاری ہیں۔ **گیارہواں فائدہ** اللہ تعالیٰ پیغمبر بھیجے بغیر کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتا۔ یہ فائدہ بھی **لئلا یکون** سے حاصل ہوا۔ **بارہواں فائدہ** اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت نبی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ محض عقل سے نہیں ورنہ بغیر نبی بھیجے بھی عذاب ہونا چاہیے تھا۔ یہ کہا جا سکتا تھا کہ تم نے ہم کو اپنی عقل سے کیوں نہ پہچان لیا۔

پہلا اعتراض اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں کے قصے قرآن مجید میں کیوں بیان نہ فرمائے۔ کتاب کامل ہے تو یہ کلام بھی کامل ہی ہونا چاہیے تھا **جواب** اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا اظہار ہے کہ جن نبیوں کو حضور نے چمکا دیا وہ چمک گئے جن کا ذکر نہ فرمایا۔ ان کے نام و نشان دنیا سے غائب ہو گئے۔ آج حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے نام و کام اس لئے مشہور ہیں کہ انہیں حضور نے مشہور فرما دیا۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کامل کتاب نہیں اور اس میں ہر چیز کا بیان نہیں۔ دیکھو بہت سے پیغمبروں کا اس میں ذکر نہیں دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **نزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شئی** لہذا آیات میں تعارض موجود ہے۔ **جواب** یہاں تفصیلی صریحی قصے بیان فرمانے کا ذکر ہے۔ مطلقاً بیان کا ذکر نہیں۔ قرآن کریم میں ہر چیز کی صریحی تفصیل نہیں۔ بیان اور تفصیل اور صریحی تفصیل میں بڑا فرق ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کامل نہیں۔ آپ کو تو سارے انبیاء کرام کی بھی خبر نہیں کہ کتنے ہیں جیسا کہ **لم نقصصهم علیک** سے معلوم ہوا (دیوبندی) **جواب** اس آیت کریمہ میں حضور کے علم کی نفی نہیں بلکہ قصے بیان کرنے کی نفی ہے علم کے متعلق فرماتا ہے **وعلمک مالم تکن تعلم** پھر قرآن مجید میں صریحی تفصیلی قصے بیان فرمانے کی نفی ہے مطلقاً قصے کی نفی نہیں دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **وکلا نقص علیک من انباء الرسل** جس سے معلوم ہوا کہ سارے نبیوں کے قصے رب نے حضور سے بیان فرمائے یعنی قرآن میں تو بعض کے قصے ہیں اور دوسری وحی میں سب کے قصے بیان فرمائے گئے۔ **چوتھا اعتراض** اگر موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے بلا واسطہ فرشتہ کلام فرمایا تو ان کا درجہ حضور سے بڑھ گیا کہ حضور سے کلام ہمیشہ بواسطہ ہی ہوا۔ (مرزائی) **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس قسم کے خصوصی فضائل دیگر نبیوں کو حاصل ہیں۔ مگر مطلقاً فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عطا ہوئی۔ صفت کلیم اللہ ہی خصوصی فضیلت ہے اگر اس قسم کے سوال کئے گئے پھر تو کہا جا سکے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا ہوئے چوتھے آسمان پر بلا کر رکھے گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نبیوں کے والد حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر یعنی تمام انسانوں کے والد ہیں یہ صفات ہمارے حضور میں نہیں تو وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔ نعوذ باللہ۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کے فضائل و درجات حضور صلی اللہ

علیہ وسلم میں جمع فرما دیئے ہیں۔ اور بہت کچھ زیادہ عطا فرمائے۔ مگر دوسرے رنگ دوسرے نوعیت سے اگر حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں کہ تمام انسان ان سے پیدا ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوالخلق ہیں کہ سارا عالم حضور کے نور سے بنا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرما کر کلمہ پڑھاتے ہیں تو ہمارے حضور نے کنکروں پتھروں سے کلمہ پڑھوالیا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے کلام فرمایا تو ہمارے حضور سے معراج میں بے حجابانہ کلام فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حضرات انبیاء دنیا میں نہ آتے تو لوگ قیامت کے دن عذر کر سکتے تھے تو جو لوگ بچپن میں یا دیوانگی میں فوت ہو گئے یا جنہیں کسی نبی کی تعلیم نہ پہنچی وہ بھی تو یہ ہی عذر کر سکتے ہیں کہ نبی اگرچہ دنیا میں آئے۔ مگر ہم تک ان کی تعلیم نہ پہنچی۔ **جواب** ایسے لوگوں کو عذاب ہو گا ہی نہیں پھر معذرت کیسی۔ بچے' دیوانہ جنتی ہیں۔ اور فترت والے لوگوں کی نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے۔ کسی گناہ کی ان پر پکڑ نہیں۔ لہٰذا عذر و معذرت کی ضرورت ہی کیا ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ حضرات انبیاء کرام مظہر صفات الٰہیہ ہیں۔ ہر نبی کسی خاص صفت کا مظہر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات الٰہی ہیں۔ چونکہ صفات الٰہیہ مختلف ہیں اسی لئے حالات انبیاء اور ان کی شانیں جداگانہ ہیں۔ جو کوئی ہر نبی میں ایک ہی صفت ڈھونڈے وہ بیوقوف ہے۔ دیکھو یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں موسوی صفات کا مطالبہ کیا کہ قرآن مجید یکدم آئے۔ توریت کی طرح تو ان کے نہایت شافی جوابات دیئے گئے۔ یونہی حضرات اولیاء اللہ مظہر صفات انبیاء ہیں اور حضور غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ مظہر صفات محمدیہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے حضرات اولیاء کے رنگ جداگانہ ہیں کوئی ولی جلالی ہے کوئی جمالی کوئی تارک الدنیا کوئی سلطان جو شخص ہر ولی میں یکساں صفات تلاش کرے وہ احمق ہے ان حضرات کے کافیوض سے محروم رہے گا۔ جیسے ہر نبی میں وحی' بشارت' نذارت مشترک ہے۔ باقی صفات جداگانہ' اسی طرح ہر ولی میں ایمان' عشق رسول اتباع سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی مشترک ہے۔ جو ان چیزوں سے خالی ہے وہ ولی نہیں خالی ہے۔ جب تک انسان کے ہوش و حواس درست ہیں اتباع رسول اس پر لازم ہے ولی میں کرامات تلاش نہ کرو اتباع رسول تلاش کرو کہ یہی نجات کا ذریعہ ہے۔ دیکھو عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام بالکل تارک الدنیا ہیں حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہیں اپنے لئے گھر بھی نہ بنایا۔ ایک وقت کھا کر دوسرے وقت کے لئے نہ بچایا۔ فرماتے تھے کہ جس رب نے مجھے دوپہر کا کھانا دیا ہے۔ وہ مجھے رات کا کھانا بھی دے گا اور حضرت سلیمان علیہ السلام تمام دنیا کے بادشاہ تخت و تاج کے مالک مگر یہ دونوں حضرات نبی ہیں اللہ کے پیارے ہیں۔ جو ان دونوں میں یکساں شان ڈھونڈے وہ بیوقوف ہیں۔ ہاں دونوں بشیر نذیر مبلغ اور صاحب وحی ہیں۔ ایسے ہی حضرت ادہم اور ابراہیم ابن ادہم تارک الدنیا فقیر ہوئے۔ غوث پاک' امیر کبیر مگر یہ دونوں اللہ کے ولی مقبول ہیں۔ ہاں ایمان' عرفان' اطاعت خدا اور رسول اور عشق رسول دونوں بلکہ تمام اولیاء اللہ میں مشترک ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کلام بہت قسم کا ہے اور ہر قسم کے کلام کے لئے

لوگ بھی علیحدہ ہیں۔ اور جگہ بھی علیحدہ۔ دشمنی سے کلام اور قسم کا ہوتا ہے جس کی جگہ میدان جنگ ہے۔ دوستوں سے کلام اور قسم کا ہوتا ہے جس کی جگہ ملاقات کی مجلس ہے۔ عوام سے کلام اور قسم کا ہوتا ہے جس کی جگہ عام مقامات ہیں۔ بال بچوں سے کلام اور قسم کے ہے جس کی جگہ گھر ہے۔ صاحب اسرار سے کلام اور قسم کا ہوتا ہے۔ جس کی جگہ مخصوص کوٹھڑی صاحب اسرار دوست سے کلام اور قسم کا ہوتا ہے۔ جس جگہ اسرار کی جگہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام دوستانہ تھا جس کی جگہ کوہ طور ہے اور حضور سے کلام محبوبانہ رازدارانہ ہے۔ جس کی جگہ عرش سے وراء ہے۔ دوستانہ کلام والے کا لقب کلیم اللہ ہے اور رازدارانہ کلام والے کا لقب حبیب اللہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام فرمایا حضور کو بتادیا پڑھو سورہ طٰہٰ شریف کا پہلا رکوع مگر جو محبوب سے کلام ہوا وہ کسی کو نہ بتایا گیا۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** فرمادیا گیا۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ

مگر اللہ گواہی دیتا ہے اوس کی جو اتارا اس نے طرف آپکی اوتارا اسے ساتھ علم اپنے کے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں

لیکن اے محبوب اللہ اس کا گواہ ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا وہ اس نے اپنے علم سے اتارا اور فرشتے گواہ ہیں

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور کافی ہے اللہ گواہ بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور روکا انہوں نے راستہ سے

اور اللہ کی گواہی کافی ہے وہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا

قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ

اللہ کے بے شک گمراہ ہوئے وہ گمراہی دور والی بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور ظالم ہوئے نہیں ہے

بے شک وہ دور کی گمراہی میں پڑے جنہوں نے کفر کیا اور حد سے بڑھے اللہ انہیں

لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

اللہ کہ بخشے ان کو اور نہ یہ کہ ہدایت دے ان کو مگر جہنم کا راستہ کہ ہمیشہ رہیں گے

ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا مگر راستہ کی دوزخ کے کہ اس میں

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾

اس میں اور ہے یہ اللہ پر آسان

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے ان حیلے بہانوں کا ذکر فرمایا گیا تھا جن کی بنا پر وہ حضور کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ اور آپ کی حقانیت کی گواہی نہ دیتے تھے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی جارہی ہے۔ کہ اگر یہ لوگ آپ کی گواہی نہ دیں تو آپ غم نہ کریں۔ کیونکہ ہم اور ہمارے فرشتے آپ کی صفات کی گواہی دے رہے ہیں۔ گویا پہلے ظلمانی کفار کے گواہی نہ دینے کا ذکر تھا۔ اب اپنی اور اپنی نورانی مخلوق کی گواہی دینے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت سے دھوکہ ہو سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے برابر ہیں۔ کیونکہ سب پر وحی یکساں ہے۔ اب اس وہم کو دور کیا جارہا ہے کہ آپ کی شان سب سے اعلیٰ وبالا ہے کہ سارے نبی تو رب تعالیٰ کے گواہ تھے۔ مگر تمہاری شان یہ ہے کہ تم ہمارے گواہ ہو۔ اور ہم اور ہمارے فرشتے تمہارے دائمی گواہ ہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں نزول قرآن کا ذکر تھا اب شان قرآن کا ذکر ہے کہ یہ علوم الٰہیہ کا حامل ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ و تمام فرشتوں کی گواہی ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کے کافر ہونے کا ذکر تھا اب ان کے کافر ہونے کا ذکر ہے۔ کہ ان کا کفر لازم نہیں متعدی ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی نافرمانیوں سرکشیوں کا ذکر تھا۔ اب اس کی سزا کا ذکر ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نہ بخشے گا۔ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

شان نزول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک بار یہود کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اے یہودیو تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ وہ بولے ہم آپ کو اللہ کا رسول نہ تو جانتے ہیں نہ مانتے ہیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **لکن اللہ** الخ (تفسیر مدارک و خازن) ایک بار مشرکین عرب نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ کہ ہم نے آپ کے متعلق یہود سے پوچھا ہے وہ کوئی بھی آپ کی نبوت کی گواہی نہیں دیتے نہ ان کی کتابوں میں آپ کا ذکر ہے۔ تب ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ آئی (خازن) تفسیر مدارک نے فرمایا کہ جب آیت کریمہ **انا اوحینا الیک** الخ نازل ہوئی تب یہود مدینہ نے کہا یہ غلط ہے آپ پر کوئی وحی کوئی کتاب نہ آئی تب یہ آیت آئی۔

تفسیر لکن اللہ یشھد بما انزل الیک عربی زبان میں **لکن** شروع مضمون میں کبھی نہیں آتا بلکہ گزشتہ مضمون پر جو وہم کیا جاوے اس کے رفع کے لئے آتا ہے اس لئے یہاں **کچھ مضمون** ضرور ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہود کافر آپ کی گواہی نہ دیں تو نہ دیں لیکن اللہ تو گواہی دیتا ہے اگرچہ "لکن" جزم سے دونوں جملوں فعلیہ اور اسمیہ پر آسکتا ہے مگر یہاں جملہ اسمیہ پر آیا تاکہ ہمیشگی معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کی گواہی دیتا رہتا ہے۔ اور دیتا رہے گا۔ گواہی تین طرح کی ہوتی ہے۔ زبانی گواہی قلمی گواہی علامات سے گواہی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی نبوت وغیرہ کی گواہی تینوں طرح کی دی۔ حضور انور پر معجزات ظاہر فرمانا آپ کی نبوت کی علامات **یقینیہ** قائم کرنا بھی رب تعالیٰ کی گواہی ہے اور توریت و انجیل و

قرآن میں آپ کی نبوت کا اعلان فرمانا بھی رب کی گواہی ہے۔ ب تعدیہ کی ہے جو مشہود بہ پر داخل ہوئی اور ما انزل سے مراد یا تو قرآن کریم کی آیات ہیں یا قرآن اور احادیث وغیرہ تمام جلی و خفی دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ **انزل علیک** **وانزل الیک** کے نہایت نفیس فرق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ "علیک" فرمانے میں بتایا جاتا ہے کہ **انزال** کا مقصود آپ ہیں اور الیک میں فرمایا جاتا ہے قرآن وغیرہ کا مبدا ہم ہیں اور منتہی اے محبوب تم ہو وغیرہ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ شاہد یعنی گواہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشہود لہ ہیں جن کے حق میں گواہی دی جارہی ہے۔ قرآن کریم وغیرہ مشہود بہ جس کی گواہی ہے اور کفار مشہود علیہ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے موافق قرآن کریم کی حقانیت کی گواہی دیتا ہے۔ کفار کے مقابلہ میں معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی ذات و صفات کے گواہ محمد رسول اللہ ہیں اور حضور کی ذات و صفات کا گواہ خود رب تعالیٰ ہے۔ لہٰذا گواہی توحید سنت رسول اللہ ہے اور گواہی رسالت سنت الٰہیہ۔ **انزله بعلمه** یہ جملہ پہلے جملہ **یشهد** الخ کی تفسیر ہے ضمیر کا مرجع **بما انزل** کا ما ہے **بعلمه** میں ب یا تلبس کی ہے یا مصاحبت کی یا صلہ کی۔ لہٰذا اس جملہ کے تین معنی ہوئے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علوم **غیبیه** اس قرآن میں ودیعت رکھ کر اسے آپ پر اتارا۔ دوسرے یہ کہ قرآن کو آپ پر جان کر اتارا کہ تم کو ہی اس قرآن جیسی کتاب کے لائق پایا۔ کتاب بے مثال ہے تو اے محبوب تم بھی بے مثال ہو۔ اس قرآن کے لائق ہو۔ تیسرے یہ کہ قرآن میں وہ احکام اتارے جو اپنے بندوں کے لائق و مناسب تھے یعنی اپنے علم کے موافق اسے اتارا (تفسیر خازن) پہلے دو معنی نہایت نفیس و لذیذ ہیں۔ تیسرے معنی تو ہر آسمانی کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اس وقت کے لائق احکام اتارے خیال رہے کہ جانوروں کو زبان ملی الفاظ نہ ملے۔ انہیں آواز ملی کلام نہ ملا۔ مگر انسان کو زبان بھی ملی کلام بھی ملا۔ آواز ملی الفاظ بھی ملے۔ پھر بعض الفاظ کفر لئے ہوئے منہ سے نکلتے ہیں بعض ایمان لئے ہوئے۔ بعض محبت بھرے ہوتے ہیں بعض عداوت بھرے۔ بعض علم سے بھرپور۔ کالج کا پرنسپل اپنے نوکروں سے بھی کلام کرتا ہے' بال بچوں سے بھی' اور کالج کے طلباء سے بھی۔ مگر طلباء ایک سال میں ایم۔ اے پاس کر لیتے ہیں۔ پرنسپل کے بچے اور اس کے نوکر عمر بھر پرنسپل کا کلام سنتے ہیں کچھ نہیں بنتے۔ یہ مثال ہے توریت و انجیل بھی رب کا کلام ہی تھے اور قرآن بھی رب کا کلام ہی ہے۔ مگر توریت و انجیل کے کلام میں احکام تھے۔ قرآن کلام الٰہی ہے احکام بھی ہے۔ عرفان بھی محبت و کرم بھی ہے۔ رب تعالیٰ کا خصوصی علم بھی ہے اس لئے ارشاد ہوا **انزله بعلمه** رب نے قرآن اتارا اپنے علم کے ساتھ اپنا علم لئے ہوئے۔ اس قرآن نے حضور کو **ما كان وما يكون** کا علم بتا دیا **والملئكة يشهدون** یہ جملہ **یشهد** الخ پر معطوف ہے ملائکہ سے مراد سارے فرشتے ہیں مقربین ہوں یا مدبرات امر۔ یہاں بھی **یشهدون** دوام و استمرار کے لئے ہے۔ اور فرشتوں کی گواہی سے مراد ان کا یہ کلمہ پڑھنا ہے **اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله** لہٰذا **یشهدون** کا مفعول وہی **ما انزل الله** ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا مفعول بہ اللہ کی گواہی ہو۔ یعنی میری گواہی پر فرشتے گواہ ہیں اے محبوب تمہارا گواہ میں ہوں۔ اور میری گواہی کے گواہ سارے

فرشتے۔ خیال رہے کہ فرشتوں کی یہ کلمہ خوانی انسان کی پیدائش سے کہیں پہلے کی ہے۔ کیونکہ فرشتے انسانوں سے لاکھوں سال پہلے پیدا ہو چکے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی گواہی اور فرشتوں کی گواہی میں بہت فرق ہے' دونوں گواہیوں کی نوعیتوں میں بھی فرق ہے۔ مقصد میں بھی فرق۔ اس لئے رب تعالیٰ کے لئے **یشھد** الگ کیا گیا۔ فرشتوں کے لئے **یشھدون** الگ لایا گیا جیسے **انک میت وانھم میتون** میں حضور کے لئے میت الگ ارشاد ہوا لوگوں کے "میتون" الگ کہ حضور کی موت ۔ بمعنی خروج روح عن البدن ہے اور دوسروں کی موت ۔ بمعنی ترک روح البدن ایسے ہی یہاں ہے **وکفی باللہ شھیدا** اس عبارت میں زبانی گواہی کی اہمیت کا بیان ہے باللہ کی ب زائدہ ہے اور اللہ کفی کا فاعل ہے۔ شہید لفظ اللہ کا حال موکدہ ہے یا تمیز یعنی اللہ کی گواہی کافی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔ اگر دنیا میں کوئی بھی تمہاری نبوت کی گواہی نہ دے تو نہ دے ہم جو اس کے گواہ ہیں۔ شہید اور شاہد یونہی علیم اور عالم کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے کہ شاہد وہ جو گواہی دے۔ شہید وہ کہ گواہی دینا اس کی عادت کریمہ ہو یا شاہد وہ جو زبان سے گواہی دے۔ شہید وہ جو اپنے قول' فعل' عمل وغیرہ سے ہر طرح گواہی دے۔ اس لئے راہ خدا میں قتل ہونے والے کو شہید کہتے ہیں کہ اس کے خون کا ہر قطرہ بھی توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہے یا شاہد وہ جو ایک وقت یا ایک جگہ ایک آدھ آدمی کے سامنے گواہی دے۔ شہید وہ جو ہر جگہ ہر وقت ہر ایک کے سامنے گواہی دے۔ یوں ہی شاہد وہ جو ایک بات کی گواہی دے شہید وہ جو ہر بات ہر چیز کی گواہی دے۔ مدعی کی ذات صفات اس کے حالات دعویٰ وغیرہ جیسے سب کی گواہی۔ ہمارے حضور اللہ کی ذات و صفات افعال وغیرہ سب کے گواہ ہیں۔ یونہی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کا صرف شاہد نہیں بلکہ شہید ہے۔ **ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ۔** اب تک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی کا ذکر ہوا کہ آپ اور آپ کی نبوت کی گواہی پر موقوف ہے۔ چونکہ کفار اپنے کفر کو ذریعہ نجات اور ہدایت سمجھتے تھے۔ نیز کفر کا مضمون بہت اہم کہ مومن کو ایمان کے ساتھ کفریات سیکھنا بھی ضروری ہے تاکہ ان سے بچے۔ اس لئے اس جملہ کو ان سے شروع فرمایا گیا۔ الذین سے سارے کافر انسان مراد ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سارے کافر جن و انس مراد ہوں "کفرو" کے معنی ہیں مرتے وقت تک کافر رہے۔ یا وہ جو علم الٰہی میں کافر ہوئے۔ وہ لوگ مراد نہیں جو ایک بار کفر کرے۔ پھر مومن ہو کر مرے کیونکہ اس نے اپنے دامن سے کفر کا داغ ایمان کے پانی توبہ کے صابن سے دھو دیا۔ وہ مومنوں میں آگیا۔ چونکہ اپنا کفر کرنا پہلے ہوتا ہے۔ دوسروں کو کافر بنانا بعد میں اس لئے کفرو کے بعد "صدو" کا ذکر ہوا۔ صدو بنا ہے صد سے ۔ بمعنی روک' آڑ' صدو کا مفعول پوشیدہ ہے۔ **الناس یا الخلق** روکنا عام ہے۔ زبان سے روکنا۔ قلم سے روکنا مال سے روکنا۔ جتھے کے ذریعے روکنا طاقت و قوت سے روکنا **سبیل اللہ** سے مراد دین اسلام ہے یا حضور کی اطاعت ہے۔ یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور ہی اللہ تک پہنچانے والے ہیں۔ یہ جملہ بہت صورتوں کو شامل ہے۔ حضور سے پہلے اللہ کے راستے بہت تھے۔ یک وقت بہت نبی ہوتے تھے۔ ہر نبی اللہ کا راستہ تھا۔ حضور کی تشریف آوری کے بعد تمام راستے بند ہو گئے اب صرف حضور ہی اللہ کا راستہ

ہیں۔ حضور سے روکنا یہ کہنا کہ سیدھے اللہ کے پاس جاؤ۔ حضور کے پاس نہ جاؤ۔ یہ اللہ کے راستے سے روکنا ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیات ہیں **رایت المنفقین یصدون عنک صدودا** اور وہ آیت **ورایتھم یصدون وھم مستکبرون** اور وہ آیت **ولوانھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک** غرضیکہ حضور سے روکنا یا دوسروں کو روکنا بے دینی ہے۔ اللہ تک پہنچو مگر حضور کے راستہ سے حضور کی معرفت پہنچو **قد ضلوا ضللا بعیدا** یہ عبارت الذین کی خبر۔ معنی جزاء ہے۔ ضلال کے معانی اور اس کے اقسام سورہ فاتحہ کی تفسیر **ولا الضالین** کے تحت بیان ہو چکے۔ دور کی گمراہی وہ گمراہی ہے۔ جو ہدایت سے بہت دور موجود ہو۔ جہاں پہنچ کر یا تو انسان ہدایت تک آسکے ہی نہیں۔ یا بمشکل تمام آئے جس کا کفر عنادی ہو وہ ہدایت نہیں پاسکتا اور جس کا کفر شک و شبہ کی وجہ سے ہو وہ باسانی ہدایت پالیتا ہے۔ ابوجہل نے حضرت عمر کو حضور کو شہید کرنے بھیجا۔ اس وقت یہ دونوں اسلام سے دور تھے۔ ابوجہل قتل کرانے والا تھا۔ حضرت عمر قتل کرنا چاہتے تھے۔ مگر ابوجہل کا کفر عنادی تھا۔ وہ مومن نہ بنا۔ حضرت عمر دھوکہ میں تھے ذرا سے اشارے پر ایمان لے آئے۔ یہ ہیں ضلال بعید کے معنی یعنی جو کفار خود بھی کافر ہوں اور دوسروں کو بھی کافر رکھیں ہدایت پر نہ آنے دیں۔ وہ ایسے دور کی گمراہی میں پڑ چکے ہیں۔ کہ اب ان کے ایمان کی امید نہیں کیونکہ یہ کافر بھی ہیں اور کافر گر بھی۔ اب تک ان کے دنیاوی عذاب و سزا کا ذکر ہوا۔ اب ان کی اخروی سزا کا ذکر ہے۔ کہ فرمایا گیا **ان الذین کفروا واظلموا** ابھی ابھی **ان** اور **الذین** اور **کفروا** کی تحقیق ہو چکی۔ ظلم کے معنی ہیں کسی کا حق مارنا اس کا مفعول پوشیدہ ہے۔ یعنی جو کافر ہوئے اور انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا بدکاریاں بے ایمانیاں کر کے یا لوگوں پر ظلم کیا کہ انہیں اسلام کی طرف سے اندھیرے میں رکھا یا اسلام پر ظلم کیا کہ اس کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں شک ڈالے۔ **لم یکن اللہ لیغفر لھم** اس طرز سے بیان فرمانا بہت ہی مبالغہ کے لئے ہے۔ اگر **لا یغفر اللہ** فرمادیا جاتا تو یہ مبالغہ حاصل نہ ہوتا۔ **لیغفر** سے مراد یا تو آخرت میں گناہ کی معافی ہے یا ان کے عیوب چھپانا ہے۔ یا انہیں دنیا میں ذلت 'قتل' قید' جزیہ مقرر ہونے سے بچانا ہے۔ (خازن) یعنی اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کے گناہ معاف نہ فرمائے گا۔ ان کے عیوب نہ چھپائے گا۔ بلکہ انہیں رسوا کرے گا یا انہیں دنیا میں ذلت و خواری سے نہ بچائے گا یا انہیں دوسری قوموں کی ماتحتی ان کی قید وغیرہ سے نہ بچائے گا۔ **ولا لیھدیھم طریقا○ الا طریق جھنم** یہ ان کی دوسری سزا کا ذکر ہے۔ اس کا تعلق یا آخرت سے ہے یا دنیا سے ہدایت کے معنی اس کے اقسام **اھدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں عرض ہو چکے۔ اگر یہ سزا اخروی کا ذکر ہے تو طریق جہنم سے مراد دوزخ میں پہنچنے کا راستہ ہے۔ مومن کو قیامت میں جنت کا راستہ معلوم ہو گا اور کافر کو دوزخ کا راستہ۔ یہ دونوں اپنے اپنے ٹھکانوں پر کسی رہبری کے بغیر ایسے پہنچ جائیں گے جیسے کہ یہ ہمیشہ کے واقف ہیں۔ البتہ دوزخیوں کو فرشتے دھکیلتے لے جائیں گے۔ اظہار ذلت کے لئے نہ کہ رہبری کے طور پر اور اگر دنیاوی سزا کا ذکر ہے تو طریق جہنم سے مراد وہ عقائد و اعمال ہیں جو دوزخ میں پہنچنے کا ذریعہ ہوں یعنی اللہ تعالیٰ ایسے کافروں ظالموں کو دنیا و آخرت میں دوزخ کے

راستے کی راہنمائی فرمائے گا۔ جہنم اصل میں چاہ نم تھا۔ بمعنی گہرا کنواں۔ چونکہ دوزخ بہت گہرا ہے اس لئے اسے جہنم کہا جاتا ہے۔ **خالدین فیھا ابدا** یہ ان کے انجام کا ذکر ہے خلود کے معنی ہیں دراز مدت تک رہنا۔ اگر اس کے بعد ابد ابھی آ جاوے تو بمعنی ہیشگی کے ہوتا ہے۔ اگر ابد نہ ہو تو بمعنی بہت عرصہ تک رہنا۔ یعنی یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ تک رہیں گے۔ نہ وہاں مریں نہ وہاں سے نکلیں **وکان ذلک علی اللہ یسیرا۔ ذلک** اسم اشارہ ان دونوں سزاؤں کی طرف اشارہ ہے نہ بخشنا اور دوزخ کی راہ دکھانا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے سخت سے سخت سزا دینا اور بڑے سے بڑا رحم کرنا نہایت ہی آسان ہے۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا وہ جو چاہے کرے۔

خلاصہ تفسیر ان آیات میں تین باتیں ذہن نشیں کرائی گئی ہیں۔

نمبر ۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام جہان سے مستغنی ہونا اور بے نیاز ہونا۔ نمبر ۲۔ تمام جہان کا حضور کے لئے نیاز مند ہونا۔ نمبر ۳۔ حضور کی فرمانبرداری سے سرتابی کرنے والے کا دین و دنیا میں ناکام و نامراد ہونا اور سخت سزا پانا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ یہود و کفار آپ کی نبوت کا انکار کرنے کے لئے بہت طرح کے حیلے بہانے بناتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر طرح کی ہمیشہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے آپ پر جو نازل فرمایا قرآن یا حدیث یا آپ کی صفات و افعال حمیدہ سب اپنے علم سے نازل فرمایا (اس کے تین مطلب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے) اور اس پر یا اللہ تعالیٰ کی اس گواہی پر سارے فرشتے مقربین ہوں یا مدبرات امر گواہی دیتے ہیں کہ ان کا وظیفہ ہے۔ یہ پڑھتے رہنا **اشھد ان لا الہ الا ھو واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ**

خیال رہے کہ فرشتوں کی یہ کلمہ خوانی ایمان لانے کے لئے نہیں وہ تو پیدائشی مومن ہیں بلکہ حضور کا احترام ظاہر کرنے اور برکت حاصل کرنے اپنا قرب الٰہی بڑھانے کے لئے ہے۔ جیسے ہم لوگ مومن ہو کر کلمہ طیبہ کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ کلمہ پڑھ کر سوتے ہیں کلمہ پڑھ کر مرتے ہیں۔ کیوں برکت کے لئے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی گواہی ہے۔ اس گواہی کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھو کہ تین کام وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ بھی کرتا ہے۔ فرشتے بھی انسان بھی بلکہ اور مخلوق بھی۔ حضور پر درود شریف۔ حضور کی نبوت کی گواہی اور حضور کی حمد و ثنا اس لئے حضور کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کی عظمت و عزت کا یہ حال ہے تو اگر یہ مٹھی بھر کفار آپ کو نہیں مانتے تو نہ مانیں اس سے آپ کا نقصان نہیں انہیں کا نقصان ہے۔ ایک نہیں بلکہ بہت سے نقصان ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں کا یہ حال ہو کہ خود بھی کافر رہیں۔ دوسروں کو بھی اسلام سے روکیں یہ کہہ کر یہ وہ رسول نہیں ہیں جن کی بشارت توریت میں ہے۔ علم' روپیہ' قوت' حیلوں غرض کہ کسی طرح روکیں وہ ایسی گمراہی میں گرفتار ہو گئے۔ جو ہدایت سے بہت دور ہے۔ جہاں سے ہدایت کی طرف آنا بہت مشکل یا ناممکن ہے۔ یقین فرماؤ کہ جو کافر بھی رہے اور ظالم بھی کہ اپنے نفس پر لوگوں پر کفر و گناہ کر کے یا کفر و گناہ کرا کر ظلم کریں اللہ تعالیٰ ان کے گناہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اور انہیں دنیا و آخرت میں سوا دوزخ کی راہ کے

کوئی راستہ نہ دکھائے گا کہ دنیا میں انہیں ایمانیات کی توفیق نہ ملے گی۔ آخرت میں جنت کا راستہ نظر نہ آئے گا وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہاں سے رہائی پائیں نہ انہیں موت آئے۔ ایسی کڑی سزا دینا رب تعالیٰ پر نہایت آسان ہے۔ اے محبوب آپ غور فرمائیں کہ اس انکار میں ان کا اپنا نقصان ہے یا آپ کا لہٰذا آپ ان کی حرکتوں پر ہرگز ملول نہ ہوں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** جیسے رب تعالیٰ اپنی الوہیت میں خلق سے بے نیاز ہے کہ اگر کوئی بھی اس کی عبادت نہ کرے تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔ یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت میں خلق سے بے نیاز ہیں کہ اگر کوئی بھی حضور کی اطاعت نہ کرے تو آپ کا کچھ نقصان نہیں۔ **دوسرا فائدہ** تمام لوگوں کے گواہ انسان مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ خالق انس والجان ہے جیسا کہ **لکن اللہ یشھد** سے معلوم ہوا۔ حضور کی تو وہ شان ہے کہ حضرت یوسف و مریم کو تہمت لگی تو ان بزرگوں کی گواہی دو بچوں نے دی مگر محبوب کی زوجہ طیبہ طاہرہ مسلمانوں کی سچی ماں جناب عائشہ صدیقہ کو تہمت لگی تو خود رب تعالیٰ نے گواہی دی یہ ہے **لکن اللہ یشھد** کا ظہور۔ **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ نے حضور کی صرف ایک بار گواہی نہ دی۔ بلکہ برابر دیتا رہا اور قیامت تک دیتا رہے گا۔ تمام آسمانی کتابوں میں حضور کا اعلان سارے نبیوں کے ذریعہ۔ حضور کی شہرت بلکہ میثاق کے دن سارے نبیوں سے حضور پر ایمان لانے کا عہد **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین**۔ پھر ولادت پاک سے پہلے اور ولادت پاک کے وقت تمام عالم میں حضور کی تشریف آوری کی دھوم دھام اور عجائبات کا ظہور پھر ہزاروں معجزوں کا آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہونا پھر تاقیامت قرآن کی بقا حضور کا عام چرچہ حضور کی محبوبیت حضور کے دین میں اولیاء اللہ علماء کی کثرت یہ سب چیزیں رب تعالیٰ کی گواہیاں ہیں یہ ہے **اللہ یشھد** کا ظہور۔ **چوتھا فائدہ** حضور پر صرف قرآن مجید نہیں اترا بلکہ اس کے علاوہ اور بہت کچھ اترا حتی کہ حضور کے صفات' احوال' افعال' اعمال سب رب تعالیٰ کی طرف سے اتارے ہوئے ہیں۔ اور رب تعالیٰ ان سب کی حقانیت کا گواہ ہے جیسا کہ **ما انزل اللہ** کے عموم سے معلوم ہوا اس لئے حضور کے کسی فعل شریف پر اعتراض کرنا کفر ہے۔ کہ وہ رب تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ دیکھو حضور انور نے بی بی زینب سے نکاح کیا کفار و منافقین نے اعتراض کیا تو رب نے فرمایا **زوجنا** کہا اے محبوب یہ نکاح تمہارا ہم نے کرایا یہ ہے اللہ کی شہادت ہمارے کام نفسانی' شیطانی' رحمانی ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ حضور کے سارے کام رحمانی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ **پانچواں فائدہ** اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنے خاص علوم غیبیہ عطا فرمائے کہ یہ قرآن وہ سارے علوم لے کر حضور پر اترا جیسا کہ **انزلہ بعلمہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **نزلنا علیک القرآن تبیانا لکل شئی** **چھٹا فائدہ** جیسے قرآن مجید بے مثل کتاب ہے ایسے ہی اس کے لینے والے محبوب بے مثال و بے نظیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے مثال کتاب بے مثال نبی پر اتاری۔ یہ فائدہ **انزلہ بعلمہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضور کی مثل اور کوئی تو کیا دیکھے خود خدا تعالیٰ نے اپنی خدائی میں ان کا مثل نہ دیکھا۔

مصرع:۔ خدائے خدائی میں تجھ سا نہ پایا:۔

☆ کوئی لایا زبور انجیل کوئی توریت کتاب کسی کو ملی ☆

☆ پر تیرے سوا میرے پیارے نبی قرآن کا لانا کیا جانے ☆

ساتواں فائدہ حضور کی امت تمام امتوں سے زیادہ افضل ہے۔ رب تعالیٰ نے اعلیٰ احکام اسی امت کو بخشے۔ اعلیٰ دین اسی امت کو دیا۔ یہ فائدہ **انزلہ بعلمہ** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ فرشتے بھی ہمارے حضور کا کلمہ پڑھتے ہیں بلکہ قیامت میں سارے نبی ہمارے نبی کا کلمہ پڑھیں گے۔ معراج میں سارے رسول ہمارے رسول کے پیچھے ہمارے رسول کی نماز پڑھ گئے یہ فائدہ **والملئکۃ یشھدون** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ہمارے حضور پر درود بھی پڑھتے ہیں اور ہمارے حضور کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں۔ مگر اس سجدے سے یہ کلمہ و درود بہت بڑھ کر ہے کہ وہ سجدہ ایک دفعہ ہوا مگر درود و کلمہ ہمیشہ پڑھا جا رہا ہے۔ اسی لئے **سجد الملئکۃ** میں ماضی فرمایا گیا۔ اور **یصلون علی النبی** اور **یشھدون** مضارع استمراری ارشاد ہوا کہ دونوں جگہ مضارع ایک مبتدا کی خبر بن کر آیا جیسا کہ علم نحو و بلاغت جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں **یضرب زید اور زید یضرب** میں فرق ہے۔ دسواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی ذات و صفات کے مظہر ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ایک صفت غنا بھی ہے۔ یعنی مخلوق سے بے نیازی۔ اللہ نے اپنے حبیب کو بھی مخلوق سے بے نیاز بنایا ہے۔ صرف اپنا نیاز مند رکھا۔ حضور کا دین حضور کا قرآن حضور کی عزت و عظمت کا رب تعالیٰ حافظ و ناصر ہے۔ یہ فائدہ کفی باللہ سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ کافر سے کافر گر زیادہ برا ہے اس کا عذاب بھی زیادہ جیسا کہ **وصدوا عن سبیل اللہ** سے معلوم ہوا۔ اسی طرح مومن سے مومن گر زیادہ افضل ہے۔ اس سے علماء سوء اور علمائے دین کا حال معلوم ہوا۔ بارہواں فائدہ جس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے انشاء اللہ اس کی مغفرت ضروری ہو گی۔ اگرچہ کتنا ہی گنہگار ہو۔ خواہ کچھ سزا پاکر یا ویسے ہی مغفرت نہ ہونا کفار کے لئے ہے جیسا کہ **لم یکن اللہ** سے معلوم ہوا۔ تیرہواں فائدہ مومن کے لئے دوزخ میں ہمیشگی نہیں صرف کفار کے لئے ہے جیسا کہ **خلدین فیھا** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض گواہی کے لئے ضروری ہے کہ گواہ دیکھنے میں آئے اس کی بات سننے میں آئے حاکم کی کچہری ہو۔ ان چیزوں کے بغیر گواہی ممکن نہیں تو اللہ **یشھد** فرمانا کیسے درست ہوا۔ جواب گواہی تین طرح کی ہوتی ہے مقدمہ جتانے کے لئے۔ مان لینے کا اظہار کرنے کے لئے۔ منوانے کے لئے۔ گواہ کا موجود محسوس ہونا پہلی قسم کی گواہی میں ضروری ہے۔ دوسری تیسری قسم کی گواہیوں میں یہ بات ضروری نہیں۔ ہم کہتے ہیں **اشھد ان لا الہ الا اللہ** یہ گواہی ایمان کے اظہار کے لئے ہے۔ اور رب تعالیٰ کی یہ گواہی منوانے کے لئے جیسے یونیورسٹی کا سرٹیفکیٹ قابلیت کی گواہی ہے۔ حکام کے بازوؤں پر تمغہ وغیرہ حکومت کی طرف سے عہدے کی گواہی ہے۔ یہ گواہیاں منوانے کے لئے ہیں۔ دوسرا اعتراض

فرشتوں کی گواہی جس کا یہاں ذکر ہے وہ ہم کو محسوس نہیں ہو رہی ہے۔ تو اس سے کیا فائدہ۔ **جواب** جب اللہ تعالیٰ نے ان کی گواہی کی خبر قرآن مجید میں دے دی تو وہ گواہی ہم کو یقین سے معلوم ہو گئی۔ محسوسیت کے لئے یہ کافی ہے۔ اسی سے ہمارے ایمان کی پختگی ہوتی ہے۔ اور ان فرشتوں کو ثواب و قرب حاصل ہوتا ہے۔ **تیسرا اعتراض** اسی آیت سے معلوم ہوا کہ جو کافر بھی ہو ظالم بھی اللہ اسے نہ بخشے گا تو چاہیے کہ جو صرف کافر ہو ظالم نہ ہو اسے بخش دیا جاوے۔ حالانکہ صرف کافر کی بخش نہیں **جواب** ہر کافر ظالم ہے کفر خود ظلم ہے **ان الشرک لظلم عظیم** جو کافر بھی ہو کافر گر اور گمراہ کن بھی وہ تو ڈبل ظالم کہ اپنے پر بھی ظلم کرتا ہے اور جن کو بہکائے... اس پر بھی علماء یہود تو اپنے دین اپنی کتاب اپنی قوم پر بھی ظلم کرتے تھے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت میں فرمایا گیا کہ کفار کو رب تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ جب وہ ہی ہدایت نہیں دیتا تو ان بھٹکنے والوں کا کیا قصور ہے جسے خدا گمراہ کر دے اسے ہدایت کوئی نہیں دے سکتا۔ **جواب** ان لوگوں نے کفر و ظلم کر کے خود اپنے ہدایت کے راستے بند کر لئے اس کے وہ مجرم ہوئے غرض کہ گمراہی کے کاسب یہ ہیں۔ اور خالق رب تعالیٰ اس کا خلق ان کے کسب سے ہے۔ جیسے قتل پر موت رب کی طرف سے وارد ہو جاتی ہے تو قاتل کسب قتل کی وجہ سے مجرم ہے اس کی پوری تحقیق تیسرے پارے میں کی جا چکی ہے۔ اور اگر ہدایت نہ دینے کے یہ معنی کئے جاویں کہ آخرت میں انہیں جنت کے راستہ کی ہدایت نہ دے گا۔ تب تو کوئی اعتراض نہیں۔ **لا یھدی** مضارع ہے جس میں حال و استقبال دونوں معنی کا احتمال ہے۔

تفسیر صوفیانہ گواہ کی عظمت سے دعویٰ اور مدعی کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت کا گواہ اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے فرشتے ہیں تو معلوم کر لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی نبوت آپ کا دین آپ کا قرآن کیسے عظمت والے ہوں گے۔ خوش نصیب ہے وہ مسلمان جو توحید و رسالت کی دین ایمان و قرآن کی حقانیت کی گواہی دے کر اس گواہی میں حصہ لے۔ حضور وہ عید کا چاند ہیں جن میں خالق اور فرشتوں جن و انس کی نظریں جمع ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس پر عالم ارواح میں نور کا چھینٹا نہ پڑا وہ نار میں ہمیشہ رہے گا۔ کیونکہ نار سے نکالنے والا وہ نور ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں علم، مال، عمر، اعمال، عقل زہر ہیں۔ اگر عشق کا تریاق ساتھ نہ ہو تو ہلاک کرنے والے ہیں۔ دیکھو علمائے یہود کے پاس سب کچھ ہے۔ وہ عالم عاقل، مالدار سب کچھ تھے مگر وہ کفر و طغیان بنا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں اعلیٰ نعمت دل کی نرمی ہے اور اس کے تمام عذابوں میں سخت تر عذاب دل کی سختی ہے۔ لوہا بغیر نرم ہوئے ہتھیار نہیں بنتا سونا بغیر نرم ہوئے زیور نہیں بنتا۔ زمین بغیر نرم ہوئے قابل کاشت ہوتی۔ آٹا بغیر نرم ہوئے بغیر گوندے روٹی، پراٹھا، شیرمال نہیں بنتا یوں ہی دل بغیر نرم ہوئے مومن عارف کامل نہیں بنتا۔ لوہے یا سونے کو یہ آگ نرم کرتی ہے۔ آٹے کو پانی نرم کرتا ہے زمین کو ہل نرم کرتا ہے دل کو عشق کی آگ، آنکھوں کے آنسوؤں کا پانی اور کامل مرد کی نگاہ کامل نرم کرتا ہے جب دل نرم ہو جاتا ہے تو اس میں ایسے باغ لگتے ہیں کہ سبحان اللہ، یہود مدینہ کے پاس دل

تھا مگر دل میں نرمی نہ تھی تو حضور انور کے پاس رہ کر بھی کچھ نہ بنے۔ حضرت اویس قرنی کے پاس دل بھی تھا۔ دل میں نرمی بھی تھی وہ دور رہ کر بھی سب کچھ بن گئے۔ **شعر:-**

☆ ذرہ عشق نبی از حق طلب ☆ سوز صدیق و علی از حق طلب ☆

کپاس میں بنولے رہیں تو کپڑا نہیں بنتا۔ عالم میں خودی رہے تو عارف نہیں بنتا یہ آیت کریمہ تاقیامت انسانوں کے لئے عبرت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا
اے انسانو بے شک آئے تم سب کے پاس یہ رسول ساتھ حق کے طرف سے رب تمہارے پس ایمان لے آؤ
اے لوگو تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے ہیں تو ایمان لاؤ
خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
واسطے بھلائی اپنی کے اور اگر انکار کرو گے تو بے شک اللہ کا ہے وہ جو بیچ آسمانوں اور زمین کے ہے
اپنے بھلے کو اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝
اور ہے اللہ علم والا حکمت والا
اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے اعتراضات کے نہایت نفیس جوابات دیئے گئے اب انہیں ایمان لانے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ گویا اعتراضات دفع فرمانے کے بعد تبلیغ اسلام ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں قرآن کریم کے فضائل بیان ہوئے کہ اس کا گواہ اللہ تعالیٰ بھی ہے اور فرشتے بھی۔ اب صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سنائی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہم نے قرآن مجید اپنے علم سے اتارا جان کر اتارا کہ یہ کس ذات پر اترنا چاہیے۔ اب اسی اجمال کی تفسیر بیان ہو رہی ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ایسی شانوں کے مالک ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اس قرآن کے لئے آپ ہی موزوں و مناسب ہیں۔ گویا پہلے اجمال تھا اب تفصیل ہے یا پہلے دعویٰ تھا اب دلیل کا بیان ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ لاکھوں عظمتیں ذاتی بلاواسطہ بخشیں اور لاکھوں عظمتیں بالواسطہ عطا فرمائیں۔ ان بالواسطہ عظمتوں میں سے وہ عظمتیں بھی ہیں جو بذریعہ قرآن مجید آپ کو عطا ہوئیں۔ قرآن کریم کی وہ شان ہے کہ جو فرشتہ قرآن لایا وہ تمام فرشتوں کا

سردار یعنی جبرائیل جس جگہ سے قرآن آیا وہ دوسری جگہ سے افضل یعنی لوح محفوظ جس مہینہ میں اور جس رات میں قرآن آیا وہ تمام راتوں سے وہ مہینہ تمام مہینوں سے افضل یعنی شب قدر اور ماہ رمضان' جس سرزمین میں قرآن آیا وہ تمام زمینوں سے افضل یعنی زمین حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ منورہ۔ جس زبان میں قرآن آیا وہ زبان تمام زبانوں سے افضل یعنی عربی بلکہ جس کاغذ پر قرآن لکھا گیا۔ وہ تمام کاغذوں سے افضل جس جلد و جزدان میں قرآن باندھا جائے وہ تمام جلدوں اور جزدانوں سے افضل۔ جس نبی پر قرآن آیا وہ نبی تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل لہٰذا افضل کتاب کے ذکر کے بعد افضل رسول کا ذکر بہت موزوں ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم کفار کو نہ تو بخشیں گے نہ ہدایت دیں گے۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ کہ ہاں اگر وہ اس محبوب کا دامن تھام لیں ان پر ایمان لے آویں تو ہم بخش بھی دیں گے۔ ہدایت بھی دیں گے گویا عذاب کی وجہ کا ذکر پہلے ہوا۔ چھٹکارے کا ذکر اب ہے۔ مسلک بیماری کا ذکر پہلے تھا شفاء کا ذکر اب ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت میں اللہ کی راہ سے روکنے والے پوپ پادریوں کی برائیوں کا ذکر ہوا اب اس راستہ کی طرف بلانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان ہے۔ گویا آڑ کا ذکر پہلے ہوا۔ اس آڑ کو پھاڑنے والی ذات کا ذکر اب ہے۔

تفسیر۔ یاایھا الناس جس کے مطلب کی بات کہی جاوے اس کو پکارا جاتا ہے۔ طبیب بیماروں سے کہتا ہے۔ اے بیمارو یہ دوا بڑی مفید ہے۔ کوئی عالم کسی کتاب کا اعلان کرتا ہے۔ تو کہتا ہے۔ اے طالب علمو یہ کتاب بڑی سان دار ہے۔ چونکہ رب تعالیٰ اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پاک کا اعلان فرمارہا ہے۔ اور آپ کی ولادت پاک تو سارے جہاں سارے انسانوں کے لئے مفید ہے لہٰذا کسی خاص جماعت کو نہیں پکارا بلکہ **یاایھا الناس** کہہ کر سارے لوگوں کو پکارا۔ یہ ندا حضور کی نبوت عامہ کی دلیل ہے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق جن وانس' فرشتوں وغیرہم کے نبی ہیں۔ مگر چونکہ انسان اصل مقصود ہیں دیگر مخلوق تابع۔ اسی لئے صرف انسانوں کو پکارا۔ خیال رہے کہ اس الناس میں صرف اس زمانہ کے انسانوں سے ہی خطاب نہیں بلکہ قیامت تک کے سارے انسانوں سے خطاب ہے۔ کیونکہ حضور پر ایمان لانا سارے انسانوں پر لازم ہے جیسے **اقیموا الصلوۃ الزکوۃ** وغیرہ احکام میں تاقیامت مسلمانوں سے خطاب ہے۔ جن مفسرین نے الناس کے معنی اہل مکہ کئے وہ ان کی اپنی رائے ہے۔ قرآن کریم میں یہ قید نہیں۔ اگر صرف مکہ والوں سے خطاب ہو تو چاہیے کہ صرف انہیں پر ایمان لانا ضروری ہو اوروں پر نہ ہو اسی لئے تفسیر جلالین کے حاشیہ صاوی شریف میں اس قول کی تردید کردی کہ یہ اعلان سب کو عام ہے۔ حاشیہ جمل نے بھی یہ ہی فرمایا۔ بہر حال الناس میں سارے انسان مراد ہیں حتیٰ کہ حضرت خضر و الیاس علیہ السلام جو زمین پر اس وقت موجود تھے وہ بھی اسی خطاب میں داخل ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اس آیت کے نزول پر تو زمین پر نہ تھے۔ مگر آخر زمانہ میں زمین پر آئیں گے وہ بھی اسی خطاب میں داخل ہیں۔ اصحاب کہف جو سو رہے وہ بھی اسی خطاب میں داخل ہیں۔ خضر و الیاس زمین پر رہ کر حضور پر

ایمان لے آئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر رہتے ہوئے حضور پر ایمان لائے۔ اصحاب کہف کے ایمان کا ظہور قریب قیامت ہوگا جب وہ حضرات بیدار ہوں گے۔ بعض عشاق کہتے ہیں کہ اس الناس میں گزشتہ لوگ بھی داخل ہیں حتی کہ وفات یافتہ انبیاء کرام بھی حضور پر ایمان لے آئے اس لئے معراج کی رات سب نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی غرض کہ الناس میں بہت عموم ہے۔ **قد جاءکم** چونکہ جناب آمنہ کے لخت جگر اور حضرت عبداللہ کے نور نظر اور ہاشمی قریشی مطلبی کی تشریف آوری تو سب نے مانی مگر یہ شان رسالت تشریف آوری کفار نہ مانی۔ وہ اس کے منکر تھے لہذا یہاں تو قد فرمایا گیا اور سورہ توبہ کے آخر میں لقد فرمایا یعنی یہ سب نے مانا کہ **محمدؐ** ابن عبداللہ آئے۔ عربی قریشی ہاشمی آئے بشر آئے مگر کفار نے یہ نہ مانا کہ رسول اللہ آئے اس لئے ان کی تردید میں قد ارشاد ہوا۔ ہمارے دنیا میں آنے کو خلق یا ولادت کہا جاتا ہے۔ مگر حضور کی تشریف آوری کو رب تعالیٰ نے جاء۔ بعث۔ ارسل کے الفاظ سے بیان فرمایا یہاں فرمایا **قد جاءکم الرسول** دوسری جگہ فرمایا **اذ بعث فیھم رسولا** ایک جگہ فرمایا **ارسلناک شاھدا** کیونکہ ہم دنیا میں آنے سے پہلے کچھ نہ تھے۔ جو کچھ بنے یہاں آکر بنے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ بن کر یہاں آئے۔ ہم یہاں بننے کو آئے وہ سب کچھ بن کر دوسروں کو بنانے آئے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ میں صاحب کتاب نبی ہوں۔ مجھے رب نے نماز زکوۃ اور ماں کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا وغیرہ اس وجہ سے یہاں جاء فرمایا گیا۔ نیز ہم یہاں اپنے کام کے لئے آئے کہ یہاں اعمال کما کر اپنی آخرت سنبھال لیں مگر حضور رب کے کام کے لئے آئے۔ کہ اس کی مخلوق کی اصلاح کریں۔ کالج میں طلباء بھی جاتے ہیں۔ پروفیسر بھی مگر طلباء اپنا کام کرنے یعنی سیکھنے جاتے ہیں اور پروفیسر حکومت کا کام کرنے طلبا کو سکھانے جاتے ہیں۔ کالج ایک ہے۔ وہاں جانے والوں کی نوعیت میں فرق ہے۔ پھر دوسرے لوگ ایک گھر یا ایک خاندان یا ایک ملک کے لئے آتے ہیں۔ حضور سارے جہان کے لئے آئے کہ اس کی مخلوق کی اصلاح کریں نیز اور سب ایک خاص وقت کے لئے آتے ہیں مر کر چلے جاتے ہیں۔ حضور ہمیشہ کے لئے تشریف لائے وہ ایسے آئے کہ بعد وفات بھی نہ گئے اس لئے **جاءکم** فرمایا گیا۔ یعنی اے قیامت تک کے انسانوں وہ تم سب کے پاس آئے۔ تمہارے دلوں میں آئے تمہارے دماغوں میں آئے ایمانوں میں آئے۔ جانوں میں آئے اور ایسے آئے کہ آکر تمہارے پاس سے نہ گئے خیال رہے کہ حضور انور کی پیدائش اور ولادت عرب میں ہے رہائش مکہ مدینہ میں ہے مگر تشریف آوری سارے جہان میں جیسے سورج رہتا ہے آسمان پر مگر چمکتا ہے سارے جہان پر کہ سارے جہان کا نظام اس سے وابستہ ہے۔ دن' رات' مہینے' برس' عمریں' موسم' فصلیں سب اس سے وابستہ ہیں۔ ایسے ہی نظام کائنات عرش و فرش کا نظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے وابستہ ہے۔ ایک ہندو شاعر امرناتھ قیس نے کیا خوب کہا۔ شعر:

خلق میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات
قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات

اس لئے رب تعالیٰ نے جہاں کہیں حضور کے متعلق **جاء** یا **ارسل** یا **بعث** فرمایا وہاں یا فرمایا **هم** پھر جیسے حضور کی ولادت 'سکونت اور بعثت میں فرق ہے کہ ولادت مکہ میں سکونت مدینہ میں بعثت سارے عالم میں یوں ہی موت میں فرق ہے کہ ہماری موت کے معنی میں مرجانا یعنی مر کر چلا جانا۔ حضور کی موت میں جانے کے معنی نہیں وہاں صرف مرنا ہے۔ مرجانا نہیں۔ حضور کو موت آئی مگر آپ بعد موت یہاں سے گئے نہیں۔ یعنی ہم کو فوت بھی ہے۔ فوت بھی۔ حضور کو موت ہے فوت نہیں۔ سورج غروب ہو کر بھی جاتا نہیں بلکہ اسی عالم میں رہتا ہے۔ اس کی رفتار سے رات کے اوقات بنتے ہیں کہ اتنا نیچا ہو تو وقت مغرب ہو گا۔ جب اتنے درجے نیچا ہو جائے تو وقت عشاء ہو گا۔ اتنا نیچا ہونے پر تہائی رات گزرے گی۔ تہجد کا وقت مستحب ہو گا وغیرہ پھر غروب تاروں چاند کو چمکاتا ہے۔ دن میں ذروں کو چمکاتا ہے۔ حضور زندہ ہوں تو صحابی بنائیں۔ بعد وفات ولی بناتے ہیں۔ سبحان اللہ سورج طلوع ہو کر دن کے اوقات بناتا ہے۔ غروب ہو کر رات کے اوقات بناتا ہے۔ یونہی حضور بعد وفات عالم میں فیض دے رہے ہیں۔ نماز میں قرآن کلمہ حضور کو سلام حضور سے التجائیں **بعینیه** ویسے ہی باقی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں حضور کے لئے **جاء** تو آیا **ذهب من الدنيا** نہ آیا **الرسول**۔ رسول نبی مرسل کے معانی اور ان میں فرق ہم اپنے رسالہ اسلام کی چار اصطلاحوں میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ رسول کے معنی ہیں پیغام رساں اور فیضاں رساں۔ حضرت جبرائیل نے بی بی مریم سے کہا تھا **انما انا رسول ربك لاهب لك غلما زكيا**۔ میں تمہارے رب کا رسول ہوں آیا ہوں تاکہ تم کو ستھرا بیٹا دوں۔ دیکھو رسالت کے ساتھ بیٹا دینے کا ذکر ہوا۔ معلوم ہوا کہ رسول صرف پیغام رساں کو نہیں کہتے۔ رسول وہ ہے جو پیغام رساں بھی ہو اور فیضاں رساں بھی۔ بے اختیار پیغام و فیضاں دینا۔ رسالت جبریل ہے۔ اور با اختیار مختار ہو کر پیغام و فیضاں دینا رسالت محمدی ہے۔ اس لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ کرو۔ غرض کہ رسول کو اللہ تعالیٰ سے نسبت ہے۔ لینے کی 'مخلوق سے نسبت ہے۔ دینے کی رب سے لیتے ہیں مخلوق کو دیتے ہیں۔ ان کا دست سوال رب کی طرف ہے اور دست عطا و نوال مخلوق کی طرف ہے۔ شعر:

☆ برتو او پاشد تو برما ☆ تا ابد یہ سلسلہ ہو ☆

یا رسول اللہ ہمیشہ وہ تم پر برسائے جائے تم ہم پر برسائے جاؤ۔ اس لئے انھیں رسول اللہ بھی کہا جاتا ہے اور "رسولنا" بھی چنانچہ قرآن مجید میں کہیں فرمایا **رسولكم** کہیں فرمایا **رسولنا** یہاں **الرسول** میں الف لام یا عہدی ہے۔ یا عوضی مضاف الیہ کی عوض۔ اگر عوضی ہے تو اس کا مضاف الیہ یا اللہ تعالیٰ ہے یا مخلوق یعنی وہ شاندار رسول آئے۔ یا اللہ کے رسول آئے یا تم سب کے رسول آئے۔ چونکہ حضور کی رسالت میں کوئی قید نہیں اس لئے یہاں بغیر قید **الرسول** فرمایا گیا **بالحق** ب یا تعدیہ کی ہے یا تلبس کی۔ حق مقابل ہے باطل کا جیسے صدق مقابل ہے۔ کذب کا۔ صدق و کذب صرف کلام پر بولا جاتا ہے۔ مگر حق و باطل کلام 'کام 'عقیدہ 'دین 'ملت سب پر بولا جاتا ہے۔ نیز صدق وہ جو واقعہ کے مطابق

ہو۔ اور حق وہ کہ واقعہ اس کے مطابق ہو کہ جیسا کہہ دیا جاوے ویسا ہی واقعہ ہو جاوے۔ یعنی ہمارے رسول حق کو لائے یا حق سے موصوف ہو کر آئے۔ پہلی صورت میں حق سے قرآن مجید۔ یا اسلام یا احکام اسلام یا عرفان وغیرہ مراد ہے۔ دوسری صورت میں حق سے حضور کے اقوال احوال افعال سب کچھ مراد ہیں۔ یعنی وہ رسول تشریف لائے جن کا سونا' جاگنا' کھانا' پینا' بولنا خاموش رہنا غرض کہ ان کی ہر ادا حق ہے (از تفسیر خازن و تفسیر صاوی روح جمل وغیرہ)۔

اور ہو سکتا ہے کہ **متکلما** کے متعلق ہو یعنی حق بولنے والے تشریف لائے۔ جن کا ہر کلام حق ہے۔ جن کی زبان جن کا دہان حق کی کان ہے (جمل) خیال رہے کہ حق کے تین معنی ہیں۔ حقیق یعنی لائق۔ درست و صحیح ثابت یعنی ناقابل زوال۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ اور ب میں دو احتمال ہیں لہذا بالحق کی چھ تفسیریں ہوئیں نمبر۱۔ ہمارے محبوب لائق قبول یا لائق اتباع صفات و افعال و احکام سے موصوف ہو کر آئے۔ نمبر۲۔ ہمارے محبوب درست و صحیح صفات و افعال سے موصوف آئے ان کا کوئی وصف و فعل نادرست نہیں نمبر۳ ہمارے محبوب ناقابل زوال صفات افعال و کلام سے موصوف ہو کر آئے کہ تاقیامت ان کے صفات افعال' احکام' فرمان باقی رہیں گے۔ زمانہ انہیں فنا نہ کر سکے گا نمبر۴ ہمارے محبوب لائق عمل کتاب لائق عمل دین لے کر آئے۔ نمبر۵ ہمارے محبوب صحیح و درست دین صحیح کتاب صحیح احکام لے کر آئے نمبر۶ ہمارے رسول ناقابل نسخ ناقابل زوال کتاب و احکام دین لائے کہ تمام کتب تمام دین منسوخ ہو گئے ان کا دین کبھی منسوخ نہیں۔ **من ربکم** من ابتدائیہ ہے یہ عبارت یا تو الحق کا حال ہے یا کا کے متعلق ہو کر یا **جاءکم** کے متعلق یعنی وہ حق جو یہ رسول لے کر آئے تمہارے رب کی طرف سے ہے یا یہ رسول تمہارے رب کے پاس سے تمہارے پاس آئے۔ اگرچہ ساری مخلوق رب تعالیٰ کی ہی طرف سے آئی ہے۔ مگر وہ سب اپنا اپنا کام کرنے آئے اور یہ محبوب رب تعالیٰ کا کام کرنے تشریف لائے۔ نیز یہ محبوب خلقت کے لئے رب تعالیٰ کا تحفہ رب اعلیٰ کی نعمت بن آئے اس لئے **من ربکم** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ یہ عبارت گویا **جاءکم** کی دلیل ہے۔ یعنی چونکہ حق تعالیٰ عالم کا رب ہے۔ رب وہ جو ظاہر کی پرورش بھی کرے باطن کی پرورش بھی کرے...... جب اس نے جسم کی پرورش کے لئے لاکھوں نعمتیں غذائیں دوائیں پھل فروٹ ہوا دھوپ پانی وغیرہ پیدا فرمائے تو کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ روحانیت میں انسان کی پرورش نہ فرماتا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے اس رسول کو بھیجا جو روحانیت کے مربی ہیں چونکہ وہ رب ہے لہذا اس نے یہ رسول بھیجے۔ چونکہ وہ سب کا رب ہے تو یہ رسول بھی سب کے رسول ہیں۔ چونکہ وہ ہمیشہ تک رب ہے اس لئے اس نے ہمیشہ کے لئے یہ رسول بھیجے کہ نہ آپ کے زمانہ میں کوئی رسول آیا نہ آپ کے بعد لہذا یہ عبارت بہت خوبیوں کی جامع ہے۔ **فامنوا خیر الکم** ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا یعنی جب کہ یہ رسول تشریف لا چکے تو اب تم سارے ایمان لے آؤ اس میں تاقیامت انسانوں سے خطاب ہے۔ خیال رہے کہ ہر عبادت کا کوئی وقت ہے اور وقت کی ابتدا و انتہا ہے۔ ایمان کا وقت انسان کی ساری زندگی ہے۔ ہوش سنبھالتے ہی ایمان لانا فرض ہوتا ہے اور مرتے وقت تک فرض رہتا ہے۔

غرغرہ کی حالت آئی اور ایمان کا وقت گیا تو غرغرہ کی حالت کا ایمان معتبر نہیں لہٰذا چاہیے کہ ایمان جلد قبول کرے کیا خبر موت کب آ جائے اس لئے ف ارشاد ہوا۔ **خیرا** یا تو **اقصدوا** پوشیدہ کا مفعول ہے۔ تب تو یہ دو جملے ہیں۔ یعنی ایمان لاؤ اور اپنی بھلائی کا ارادہ کرو یا ایمان پوشیدہ کی صفت ہے۔ تب یہ ایک ہی جملہ ہے۔ یعنی ایسا ایمان لاؤ جو تمہارے واسطے خیر ہو اخلاص والا ہو نفاق والا ایمان نہ ہو کہ یہ نقصان دہ ہے یا کان پوشیدہ کی خبر ہے یعنی وہ ایمان لانا تمہارے لئے خیر ہے **وان تکفروا۔ تکفروا** کفر سے بنا ہے کفر شکر کے مقابل ہو تو بمعنی ناشکری ہوتا ہے۔ اگر ایمان کے مقابل ہو تو بمعنی بے ایمانی ہوتا ہے کبھی بمعنی انکار آتا ہے۔ یہاں چونکہ ایمان کے مقابل ہے لہٰذا بمعنی بے ایمانی ہے۔ کفر کی صدہا قسمیں ہیں جن چیزوں کو مان کر ایمان ملتا ہے ان میں سے کسی چیز کا انکار کفر ہے **فان اللہ ما فی السموٰت والارض** یہاں ف جزائیہ نہیں **تعلیلیہ** ہے جو پوشیدہ جزا کی علت بیان کر رہی ہے۔ للہ میں لام ملکیت عبدیت خلقت ہے نہ کہ نفع ما سے مراد تمام ماسوی اللہ ہے۔ خواہ عقل والی چیز ہو یا بے عقل آسمان بہت ہیں۔ زمین صرف ایک یعنی اگر تم سب لوگ کافر ہو جاؤ تو رب تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اسی کی مملوک اسی کی مخلوق اس کی عابد ہیں۔ تم کفر کرو گے تو اس کی سلطنت میں فرق نہ پڑے گا۔ تمہارا اپنا ہی نقصان ہے **وکان اللہ علیما حکیما** کان دوام و استمرار یعنی ہمیشگی کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علم والا بھی ہے حکمت والا بھی۔ حضور کو سب سے آخر میں بھیجنا اور آپ کو تمام جہان کا دائمی نبی کر دینا اس میں اس کی حکمتیں ہیں لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ پچھلے رسول اس صفت کے کیوں نہ ہوئے۔ یا کفار کو دنیا میں مہلت دینا آخرت میں عذاب دینا اس میں صدہا راز ہیں۔

خلاصہ تفسیر اے تمام اولین و آخرین اور تمام جہان کے انسانو تم سب کے پاس ہمیشہ کے لئے یہ آخری رسول سب کے رسول۔ رسولوں کے رسول شاندار رسول تشریف لے آئے۔ جیسے عرب مگر آئے تمہارے ایمانوں جانوں میں پھر حق کے ساتھ موصوف ہو کر تشریف لائے جن کی ہر ادا بر حق ہے۔ آئے تمہارے رب کے پاس سے اس کا کام کرنے۔ تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں ان کا زمانہ نصیب ہوا۔ پچھلے ان کے امتی ہونے کی تمنا کرتے چلے گئے۔ اب جب کہ تم نے ان کا زمانہ پالیا تو دیر نہ لگاؤ فوراً ان پر ایمان لے آؤ۔ اپنی بھلائی چاہو برائی نہ چاہو۔ یہ خیال رکھو کہ اگر تم سارے کے سارے کافر بن جاؤ تو ان کا اور رب تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ تمہارے کفر سے ان کی نبوت رب کی ملکیت میں کمی نہ آجاوے گی کیونکہ تمام آسمانوں زمین کی چیزیں اس کی مملوک مخلوق و عابد ہیں۔ وہ سب کا معبود ہے۔ وہ مالک بھی ہے۔ علم والا بھی ہے۔ حکمت والا بھی۔ جو جسے دیا جان کر دیا حکمت سے دیا۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ یا اے مسلمانو تمہارے یہ رسول وہ چیز لائے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اگر یہ رسول وہ حق تم کو ادا کر نہ دیتے تو تمہیں کسی طرح عقل یا علم کے ذریعہ نہ ملتا صرف ان کے ہاتھوں تمہیں ملا یعنی قرآن ایمان عرفان وغیرہ نعمتیاں رہے کہ جیسے کنویں تالاب چشموں نہروں کا پانی بھی رب کا ہے مگر اسے ہم اپنی محنت سے حاصل کر لیتے ہیں۔ کنواں کھود کر نہر دریا سے چیر کر۔ اس لئے ہم ان پانیوں کے مالک

ہوتے ہیں۔ انہیں فروخت کر سکتے ہیں۔ مگر بارش کا پانی بلاواسطہ رب کا عطیہ ہے جو بادل کے ذریعہ ملتا ہے۔ اس میں ہمارے عمل کو دخل نہیں نہ ہم اس کے مالک ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بعض حق وہ ہیں جسے ہم عقل سے معلوم کر لیتے ہیں۔ جیسے سچ کی اچھائی جھوٹ کی برائی عدل کی خوبی ظلم کے نقصانات مگر قرآن' ایمان نماز عرفان وغیرہ ایسی حق چیزیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ملی ہیں ان میں ہماری عقل و علم کو دخل نہیں۔ للذا یہ حق بھی ہیں اور **من ربکم** بھی ہیں۔ یہ چیزیں بارش ہیں اور حضور ان کے بادل۔ پھر خیال رہے کہ بادل اور بارش دو طرح کی ہوتی ہے۔ خصوصی بارش اور عالمگیر بارش پچھلے نبی خصوصی بادل تھے جو خاص قوموں پر برسے ہمارے حضور عالمگیر رحمت کا بادل ہیں اور قرآن مجید عالمگیر بارش اس لئے ارشاد ہوا **من ربکم**۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد شریف بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے محبوب کا میلاد پاک بیان کیا اور بہت سی آیات میں آپ کا میلاد شریف مذکور ہے۔ **لقد جاءکم رسول** الخ **لقد من اللہ علی المومنین** الخ وغیرہ نیز قرآن مجید نے بیان فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام بھی اپنی قوم کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد شریف پڑھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا **ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** غرض کہ میلاد پاک سنت الٰہیہ بھی ہے سنت انبیاء کرام بھی دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خدائی کے دائمی رسول ہیں۔ کسی خاص قوم خاص ملک خاص وقت کے لئے نبی نہیں جیساکہ **یاایھا الناس** اور **امنوا** سے معلوم ہوا **تیسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے سب کچھ سیکھ کر سب کچھ بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ ہم یہاں بننے آئے حضور بنانے آئے جیساکہ **جاءکم** سے معلوم ہوا چوتھا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ معظمہ میں سکونت مدینہ منورہ میں ہوئی مگر آپ کی تشریف آوری جلوہ گری ہر مومن کے سینہ میں ہوئی۔ جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر مگر طلوع کرتا ہے سارے جہان پر جیساکہ **جاءکم** کی کم ضمیر سے معلوم ہوا۔ عربی میں کہا جاتا ہے **جئتک** اردو میں کہتے ہیں۔ تمہارے پاس آیا جب کہ اس کے پاس پہنچ جاوے۔ حضور کے لئے فرمایا گیا **قد جاءکم** وہ نبی تم سب کے پاس آئے۔ اس لئے ہر نمازی التحیات میں حضور کو سلام کرتا ہے۔ دور والے کو یا تو سلام لکھا جاتا ہے یا کہلوایا جاتا ہے اس کو سلام کیا نہیں جاتا۔ سلام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سامنے والا قریب ہو۔ سنتا ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** یہ نبی مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ پانچواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی حق ہیں اور حضور کی ساری ادائیں حق ہیں حتیٰ کہ حضور کا نسیان و بھول بھی حق ہے۔ کہ اس سے ہزارہا مسائل ہوتے ہیں جیسے کہ بالحق کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ اب حضور کو مانے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا ہے۔ اگرچہ سارے نبیوں کو مانتا ہو۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان اہل کتاب کو ایمان لانے کا حکم دیا۔ جو توحید' قیامت' حضرات انبیاء کرام کو مانتے

تھے۔ حضور کے انکاری تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ ماننا ایمان نہیں۔ حضور کو ماننا ایمان ہے۔ **ساتواں فائدہ** اب ہر انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ حضور پر ایمان لے آئے۔ حضور کو مانے بغیر خود انسان اور اس کے سارے کام شر ہیں خیر نہیں جیسا کہ **خیر الکم** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** اگر سارے انسان کافر ہو جائیں تو نقصان صرف انکا ہے نہ کہ رب تعالیٰ کا نقصان ہے۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ رب تعالیٰ الوہیت میں اور حضور نبوت میں جہان سے بے نیاز ہیں جیسا کہ **وان تکفروا** الخ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات بھی ہمارے پاس سے گئے نہیں۔ آپ کی تجلی ہر مومن کے دل و جگر جان و ایمان میں ویسے ہی ہے۔ قرآن کریم نے ان کا آنا تو بیان کیا مگر چلا جانا بیان نہ فرمایا۔ سورج غروب ہو کر ہمارے پاس سے جاتا نہیں۔ اس کی نورانیت چاند تاروں کے ذریعہ ہم کو ملتی ہے اور اس کے اثرات سب موجود رہتے ہیں۔ قرآن کریم نے جگہ جگہ حضور کی آمد کا ذکر فرمایا۔ روانگی اور چلے جانے کا ذکر نہیں فرمایا۔ موت اور ہے اور دنیا سے چلا جانا کچھ اور۔ حضورؐ وفات کے بعد کلمہ وہی رہا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ کے رسول ہیں وہ بعد وفات بھی رسول ہیں۔ نبی ہیں شفیع المذنبین ہیں **دسواں فائدہ** ہم دنیا میں اپنے کام کے لئے آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے کام کے لئے ہمارے پاس آئے۔ حضور کے آنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یونہی ہم اپنی ذمہ داری پر آئے۔ حضور رب تعالیٰ کی ذمہ داری پر تشریف لائے۔ جہاز میں مسافر بھی سوار ہوتے ہیں اور کپتان بھی۔ مگر دونوں کی سواریوں میں بڑا فرق ہے کہ مسافر پار لگنے کو سوار ہوتے ہیں۔ کپتان پار لگانے کو۔ اسی لئے مسافر کرایہ دے کر بیٹھتے ہیں۔ کپتان تنخواہ لے کر سوار ہوتا ہے۔ اسلام کے جہاز میں ہم بھی سوار ہیں۔ حضور بھی مگر ہم پار لگنے کو سوار ہیں۔ حضور پار لگانے کو سوار ہیں۔ یہ فائدہ بھی **جاءکم** سے حاصل ہوا۔ اسی طرح ہمارے اور حضور کے اعمال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہمارے لئے نیک اعمال باعث فخر ہیں۔ اور نیک اعمال کے لئے حضور کا کر لینا فخر ہم کو فخر ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور نماز و قرآن کو فخر ہے کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ **گیارھواں فائدہ** تبلیغ اسلام کے لئے دو کام کرنے چاہئیں۔ حضور کے فضائل اسلام کے فوائد کا بیان۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے پہلے حضور کے چھ سات فضائل بیان فرمائے پھر حکم دیا **امنوا** پھر اسلام کے فوائد بیان کئے فرمایا **خیر الکم** کہ ایمان لانا تمہارے لئے دین دنیا میں خیر ہے۔ کیونکہ کسی چیز کی رغبت دو طرح ہی دی جاتی ہے۔ یا اس چیز کے فوائد بتا کر یا چیز والے کے فضائل سنا کر۔ حضور کی عظمت اگر دل نشین ہو جاوے تو قرآن' نماز' اسلام بلکہ رحمان کی عظمت دل میں قائم ہو گی۔ جن دلوں میں حضور کی عظمت نہیں۔ ان میں نہ قرآن کی عظمت ہے نہ کعبہ کی نہ خدا کی۔ ہم نے **نجدیوں** کو قرآن شریف پر پاؤں رکھتے اور کعبہ معظمہ کی طرف پاؤں پھیلا کر بیٹھتے دیکھا ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تبلیغ میں جو کوہ صفا پر کی پہلے اپنی پہچان کرائی۔ کہ فرمایا **کیف انا فیکم**۔

پہلا اعتراض اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خدائی کے نبی ہیں تو یہاں صرف انسانوں سے خطاب کیوں ہے اور

صرف انہیں کو ایمان کا حکم کیوں ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حضور ساری خدائی کے نبی ہیں۔ رب فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا** اور فرماتا ہے **وما ارسلنک الا رحمة للعلمین** مگر چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور نبوت سے اصل مقصود ہے۔ اس لئے صرف اس کا ذکر ہوا۔ جیسے اللہ رب العالمین ہے مگر اس نے سورہ ناس میں فرمایا **ملک الناس۔ اله الناس** جب انسان پر ہی حضور کی اطاعت واجب ہو گئی تو دوسری مخلوق پر بھی واجب ہو گئی نیز تمام مخلوق میں بڑے گناہ انسان ہی کرتا ہے۔ انسان نے دعویٰ خدائی کیا۔ انسان نے رب کے لئے بیوی و اولاد مانی۔ انسان ہی بت پرستی کرتا ہے۔ جانور تک یہ حرکتیں نہیں کرتے۔ رب کی مرضی یہ تھی کہ اس مجرم جماعت کو ایک ایسی نعمت دی جائے جس سے وہ **ملائکہ** کا مخدوم بن جائے اور اشرف المخلوق ہونا اسے بج جائے لیکن اس کریم نے عشق مصطفوی کی امانت اس کو بخشی جیسے رب نے بھینس کو دودھ شہد کی مکھی کو شہد۔ ہرن کو مشک سیپ کو موتی بخشا جس سے یہ چیزیں قابل قدر ہو گئیں۔ انسان کی عزت و قدر حضور کی برکت سے ہوئی۔ اس لئے فرمایا **فقد جاءکم الرسول** **دوسرا اعتراض** یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نبی عرب میں رہ کر ہر جگہ ہر مومن کے پاس موجود ہو۔ ایک چیز کا بیک وقت ہر جگہ ہونا عقلاً ناممکن ہے لہٰذا **جاءکم** کیونکر درست ہوا۔ **جواب** مادی چیزوں پر نوری چیزوں کو قیاس کرنا درست نہیں۔ نور بیک وقت ہزار جگہ ہو سکتا ہے۔ ہمارا نور نظر جب آسمان کی سیر کرتا ہوتا ہے تو آنکھوں میں بھی ہوتا ہے۔ سورج آسمان پر رہ کر زمین کے ہر ذرہ میں تجلی فگن ہوتا ہے۔ حضور نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر ہاتھ بڑھایا تو جنت کے خوشہ میں پہنچ گیا (دیکھو باب صلوٰۃ الکسوف بخاری) ہر مردہ کو قبر میں حضور کا دیدار کرا کر آپ کے متعلق سوال ہوتا ہے۔ لہٰذا **جاءکم** فرمانا بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض** اگر حضور انور ہر مسلمان کے پاس موجود ہیں تو کوئی مسلمان نماز میں امام نہیں بن سکتا کیونکہ حضور کی موجودگی میں کسی کو امامت کا حق نہیں۔ **جواب** امامت کے لئے تین شرطیں ہیں۔ امام کا موجود ہونا۔ امام کا محسوس ہونا تاکہ مقتدی اس کی پیروی کرے اس کے قیام پر قیام کرے۔ رکوع سجود پر رکوع سجود کریں۔ اور امام کا اپنی فرض نماز ادا نہ کر چکنا۔ جو امام فرض پڑھا چکا وہ امامت نہیں کر سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مومن کے پاس موجود تو ہیں مگر ہم کو محسوس نہیں۔ نیز سرکار اپنے فرائض ادا فرما چکے ہیں لہٰذا یہ سوال محض لغو ہے۔ **چوتھا اعتراض** اگر حضور کی ہر ادا حق ہے تو آپ کی نمازیں قضا بھی ہوئی ہیں کیا وہ بھی حق ہے۔ **جواب** بے شک وہ بھی حق ہیں۔ ہماری غلطیاں بھول وغیرہ نفسانی و شیطانی بھی ہوتی ہیں۔ مگر ان کی خطائیں رحمانی ہی ہوتی ہیں۔ جن سے ہزارہا مصلحتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ آدم علیہ السلام کی ایک خطا یعنی گندم کھانے پر سارے عالم کا ظہور ہوا۔ **پانچواں اعتراض** اللہ تعالیٰ نے حضور کو بے شمار صفتیں عطا فرمائیں ہیں مگر یہاں بھی اور کلمہ طیبہ میں رسول کیوں فرمایا گیا۔ نبی بشیر و نذیر کیوں نہ ارشاد ہوا۔ **جواب** دنیا آخرت کا اور عالم شہادت عالم غیب کا نمونہ ہے۔ دنیوی سلطنتوں میں تین قسم کے محکمے ہوتے ہیں۔ داخلی محکمے جن کا تعلق اندرونی ملک سے ہوتا ہے جس کا افسر اعلیٰ وزیر داخلہ ہوتا ہے۔

اور خارجی محکمے جن کا تعلق بیرون ملک سے ہوتا ہے جن کا افسر اعلیٰ وزیر خارجہ ہوتا ہے اور تیسرا محکمہ ان دونوں محکموں کو ملانے والا ہے جسے محکمہ مواصلات کہتے ہیں جس کے ذریعہ ان دونوں محکموں کے تعلقات بلکہ خود بادشاہ کے رعایا کے ساتھ تعلقات قائم رہتے ہیں۔ جیسے آج کل ریڈیو اور بی بی سی تار ڈاک کے محکمے۔ اگر یہ محکمے نہ ہوں تو سلطان رعایا سے بے تعلق ہو جاوے۔ ممالک کٹ جاویں۔ رب تعالیٰ کا ملک عالم غیب بھی ہے۔ عالم شہادت بھی اور رسالت و نبوت کا محکمہ گویا محکمہ مواصلات ہے۔ رسول کا تعلق ان دونوں عالموں سے ہے بلکہ خود رب تعالیٰ جسے جو دیتا ہے رسول کی معرفت دیتا ہے۔ قرآن کلمہ عبادات معاملات رب نے مخلوق کو حضور ہی کی معرفت دیئے اور مخلوق کی دعائیں تو یہ عرض و معروض بارگاہ الٰہی میں حضور ہی کی معرفت پیش ہوتی ہیں **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک** حضور خالق و مخلوق اور عالم غیب و شہادت کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں اس لئے رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جو حضور کے علم، حضور کی عطا، حضور کے وسیلے کا انکار کرے وہ حضور کی نبوت و رسالت کا انکار کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیبی نور ہیں جو عالم اجسام کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ جس میں اس نور کے قبول کرنے کی قابلیت ہے وہ منور ہو جاتا ہے۔ جو اس کا نااہل ہو وہ تاریکی میں ہی رہتا ہے۔ ہر شخص کے نفس کی باگ کسی کے ہاتھ میں رہتی ہے تو بہتر ہے کہ ہماری باگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں ہو۔ اس لئے فرمایا کہ اے لوگو ایمان لے آؤ۔ اپنا بھلا چاہو۔ ہر شخص دنیا کے کنویں میں ہے اس پر واجب ہے کہ اوپر کو ترقی کرلے یہ ترقی حضور کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ اور حضور سے نسبت آپ کی اطاعت اور محبت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ (روح البیان)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا مرکز رحمت کا خزانہ ہیں کسی کو حضور کی صورت دیکھ کر ایمان ملا۔ کسی کو سیرت دیکھ کر کسی کو سخاوت دیکھ کر۔ کسی کو شجاعت دیکھ کر کسی کو فقط نام سن کر۔ خزانہ ایک ہے دروازے علیحدہ علیحدہ **امنوا** میں ہر بھکاری کو حکم ہے کہ ان سے ایمان لو خواہ کچھ دیکھ کر لو۔ دروازے پر آجاؤ خالی نہ جاؤ گے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم میں تشریف لانا ایسا ہے جیسے جسم میں جان کا آنا۔ کہ جان جسم کے رگ و ریشہ میں رہتی ہے۔ مگر آنکھوں سے چھپی ہے۔ ذات مخفی ہے فیض ہر آن ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ بعض چیزیں گندگی میں جاکر خود گندی ہو جاتی ہیں جیسے تھوڑا پانی اور عام چیزیں۔ مگر بعض چیزیں وہ ہیں کہ اگر وہ گندگی میں پہنچ جاویں یا گندی چیزان میں آجاوے تو یہ خود گندی نہ ہوں مگر اس گندگی کو پاک کر دیں۔ جیسے سورج کی کرنیں یا بہتا ہوا پانی یا سمندر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ نورانی سمندر ہیں جو گندوں میں تشریف لائے۔ انہوں نے ہمارا اثر نہ لیا۔ ہم گندوں کو پاک فرما دیا۔ خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **ویزکیھم** ہمارے محبوب ان سب کو پاک فرماتے ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ

اے کتاب والو نہ زیادتی کرو بیچ دین اپنے کے اور نہ کہو اوپر اللہ کے مگر حق بات بجز اس کے نہیں

اے کتاب والو اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ پر نہ کہو مگر سچ مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَآ اِلٰى

کہ مسیح عیسیٰ بیٹے مریم کے رسول ہیں اللہ کے اور کلمہ ہیں اس اللہ کا کہ ڈالا اس کو طرف

اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح

مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ

مریم کے اور جان ہیں طرف سے اس کے پس ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے اور پیغمبروں اس کے اور تین نہ کہو

تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو باز رہو

اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ

باز آجاؤ بھلا ہو بھلائی اپنی بجز اس کے نہیں کہ اللہ معبود ہے ایک پاک ہے واسطے اس کے یہ کہ ہو واسطے

اپنے بھلے کو اللہ تو ایک ہی ہے خدا ہے پاکی ہے اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ

وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا

اس کے بچہ اس کی ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں اور کافی ہے اللہ کام بنانے والا

بچہ اسی کا مال ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی کارساز

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہودیوں کو تبلیغ اسلام فرمائی گئی تھی۔ اب اس آیت کریمہ میں عیسائیوں کو دعوت اسلام دی جارہی ہے۔ یہ دونوں قومیں عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ ان کے ایمان لے آنے سے دوسروں کو ایمان لے آنے کی قوی امید تھی۔ اس لئے خصوصیت سے قرآن مجید نے انہیں تبلیغ فرمائی۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بے ادبی کرنے کی تردید کی گئی۔ اب ان کی شان میں حد سے بڑھنے کی تردید کی جارہی ہے۔ یعنی تفریط سے پہلے روکا گیا تھا افراط سے اب روکا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں لوگوں کو ایمان کا حکم دیا گیا اب ایمان لانے کا طریقہ سکھایا جارہا ہے۔ کہ کسی نبی کو اللہ یا اللہ کا بیٹا نہ کہا جائے۔ ہر نبی کو اللہ کا بندہ اور رسول مانا جاوے۔ نبی کو نہ ماننا اور نبی کو خدا ماننا دونوں یکساں کفر ہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں ایمان کا خصوصی حکم دیا گیا تھا کہ سب لوگوں کو پکار کر فرمایا گیا تھا **امنوا خیرا لکم** اب ایمان خصوصی حکم دیا جارہا ہے۔ اہل کتاب کو۔

شان نزول بعض علماء نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ عیسائیوں کی تردید میں نازل ہوئی۔ جو جناب عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں افراط کر کے غلو کرتے تھے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول عیسائیوں یہودیوں دونوں کے متعلق ہے۔ کہ عیسائی تو افراط کر کے غلو کرتے ہیں۔ اور یہودی آپ کی شان میں تفریط و کمی کر کے غلو کرتے تھے۔ لہٰذا اس آیت کی دو تفسیریں ہیں (تفسیر خازن)

تفسیر **یااھل الکتب** یہاں بھی تاقیامت اہل کتاب سے خطاب ہے۔ کسی وقت میں ہوں کسی جگہ ہوں۔ یہاں ان کو پکارنا غفلت سے بیدار کرنے کے لئے ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں اگر عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سے غافل نہ ہوتے تو یہودی انہیں گالیاں نہ دیتے اور عیسائی انہیں خدا کا بیٹا نہ کہتے اس غفلت سے جگانے کے لئے یا سے خطاب فرمایا گیا۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ پکے کافر ہیں مگر چونکہ انہیں نبیوں کی طرف نسبت ہے اگرچہ جھوٹی ہی سہی اس لئے انہیں کافر کہہ کر نہ پکارا۔ اہل کتاب کہہ کر پکارا۔ جب ان نبیوں کی طرف نسبت سے نام و کام بدل گئے تو جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی نسبت ہو جائے اس کو کیسے رنگ لگیں گے۔ نسبت نبی کی بہت صورتیں ہیں۔ ساتھ بیٹھنے کی نسبت رہنے کی نسبت اولاد یا بیوی ہونے کی نسبت اور امتی ہونے کی نسبت۔ ان تمام نسبتوں میں امتی ہونے کی نسبت بہت معتبر ہے۔ وہ ہی قوی ہے۔ یہ نسبت نہ زمانہ کا اتحاد چاہتی ہے نہ جگہ کا اتحاد۔ یہ نسبت گویا کیمیا ہے جو انسان کی کایا پلٹ دیتی ہے۔ اگر یہ آیت عیسائیوں کے متعلق ہے تو کتاب سے مراد انجیل شریف ہے اور اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں اور اگر یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے متعلق ہو تو کتاب سے مراد توریت و انجیل دونوں ہیں اور اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ دونوں قومیں ہیں جیسا کہ ہم نزول میں ابھی عرض کر چکے ہیں۔ خیال رہے کہ اہل کتاب کے معنی ہیں کتاب والے۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کتاب کے ماننے والے اور کتاب کے علم والے۔ پہلی صورت میں سارے کتابیوں سے خطاب ہے۔ عالم ہوں یا جاہل اور دوسری صورت میں ان کے پوپ پادریوں سے خطاب ہے لہٰذا اس کلمہ کی چار تفسیریں ہیں۔ **لا تغلوا فی دینکم** **لا تغلوا** کا مادہ ہے غلا یا غلو ہے۔ جس کے معنی ہیں حد سے ہٹ جانا یا حد سے بڑھ جانا۔ چیز مہنگی ہونے کو غلا کہا جاتا ہے کسی کو قدر و منزلت میں حد چھوڑنے کو غلو کہا جاتا ہے۔ ہانڈی کے جوش مارنے کو غلیان کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **یغلی فی البطون کغلی الحمیم** یہاں اگر روئے سخن عیسائیوں سے ہے تو **لا تغلو** کے معنی ہیں حد سے آگے نہ بڑھو اور اگر عیسائی یہودی دونوں سے ہیں تو **لا تغلو** کے معنی ہیں حد سے نہ ہٹو۔ اس صورت میں افراط و تفریط دونوں کو شامل ہو گا۔ دین کے معنی سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کئے گئے یہاں اتنا سمجھ لو کہ دین سے مراد عقائد ہیں۔ نیک اعمال کو دین نہیں کہا جاتا بلکہ دینی کام کہا جاتا ہے بد عمل کو بے دین یا بد دین نہیں کہتے۔ **دینکم** میں دین کی نسبت ان کی طرف اختیار کرنے کی ہے۔ یعنی اپنے اختیار کئے ہوئے دین میں حد سے نہ بڑھو۔ عیسائیوں یہودیوں میں عملی غلو بھی تھا۔ عقائد کا غلو بھی تھا۔ ترک دنیا حلال چیزوں کو اپنے پر حرام کر لینا۔ دنیا کے آرام نکاح اولاد سے پرہیز کرنا ان کا عملی غلو ہے

اور حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کی شان میں افراط و تفریط کرنا عقیدے کا غلو ہے۔ ان دونوں غلووں سے روکا گیا۔ مسلمانوں میں بھی ایسے غلو آ گئے ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ **ولا تقولوا علی اللّٰہ الا الحق** یہ عبارت پہلی عبارت **لا تغلوا** کی گویا تفسیر ہے۔ چونکہ عیسائیوں نے جو عقیدے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق گھڑ لئے تھے۔ ان سے ذات باری تعالیٰ کی الوہیت باقی رہتی ہی نہ تھی۔ کیونکہ عیسائیوں کے چار فرقے ہو گئے تھے۔ یعقوبیہ' ملکانیہ ان دونوں کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم خود رب ہیں اور **نسطوریہ** کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور جناب مریم اللہ کی بیوی۔ مرقوسیہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک جوہر ہیں جن میں تین اقنوم ہیں۔ باپ بیٹا روح القدس نیز وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اپنے باپ یعنی رب تعالیٰ کی طرف سے الوہیت ہے۔ اور ماں جناب مریم کی طرف سے ناسوتیت۔ ان عقائد سے اللہ تعالیٰ کی توحید بلکہ اس کی ذات و صفات کا انکار لازم آتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق حق بات ہی کہو۔ (تفسیر خازن) حق بات سے مراد یا تو حق عقیدہ ہے یا حق بات یا اللہ تعالیٰ کے لائق اعتقاد۔ خیال رہے کہ ایک یہودی یونس عیسائی بنا اور اس نے عیسائیوں کے عقیدے بگاڑنے کے لئے یہ عقیدے ان میں رائج کئے جس کا ذکر انشاء اللہ سورہ توبہ میں آئے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق شریک ہونے یا باپ و خاوند یا حلول یا اتحاد کے عقیدے نہ رکھو۔ وہ عقیدے رکھو جو اس کی شان کے لائق ہیں وہ وہی ہیں جو اسلام نے سکھائے۔ خیال رہے کہ حق بمعنی درست بھی آتا ہے۔ اور بمعنی حقیقی یا لائق۔ یہاں دونوں معنی ٹھیک ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق ٹھیک عیقدہ ہی رکھو یا اس کے متعلق وہ عقیدہ رکھو جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کسی طرح لائق نہیں۔ اولاد فانی چیز کے لئے ہوتی ہے تاکہ اس کی نسل رہے۔ فرشتوں کے لئے اولاد نہیں کیونکہ انہیں تاقیامت فناہ نہیں۔ جنتی لوگوں کی اولاد نہیں کیونکہ انہیں فنا نہیں۔ تو وہ رب جو قدیم ازلی و ابدی ہے اس کے لئے اولاد کیسی نیز اولاد بیوی' باپ اور خاوند کی ہم جنس ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ جنس سے پاک ہے۔ **انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللّٰہ** یہ عبارت **لا تقولوا علی اللّٰہ** کی گویا تفسیر و تشریح ہے اس میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی پانچ صفات بیان ہوئیں۔ آپ مسیح ہیں۔ آپ جناب مریم کے فرزند ہیں۔ آپ اللہ کے رسول و نبی ہیں۔ اللہ کا کلمہ ہیں۔ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی روح ہیں۔ تین وصف کا یہاں ذکر ہوا۔ دو وصفوں کا ذکر اگلے جملہ میں ہے۔ مسیح آپ کا مشہور لقب ہے۔ جیسے اسلام میں صدیق' فاروق جناب ابوبکر و عمر کے صفات ہیں۔ یہ عبرانی زبان میں مشیح تھا یعنی مبارک (روح البیان) قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ **اجعلنی مبارکا**۔ چونکہ ہر قسم کی برکتیں آپ کے دم قدم سے وابستہ تھیں اس لئے آپ کو مشیح کہتے تھے۔ یا یہ لفظ عربی ہے مسح یا مساحت یا مسح سے بنا یعنی چھو کر مردے زندہ۔ بیمار کو اچھے کرنے والے یا ہمیشہ سفر کرنے والے یا سیر و سیاحت میں زندگی گزارنے والے۔ چونکہ آپ کی پیدائش بغیر باپ صرف ماں سے ہوئی اس لئے آپ کو ابن مریم فرمایا جاتا ہے۔ ورنہ قرآن مجید میں نہ تو کسی عورت کا نام لیا گیا۔ سوا مریم کے اور نہ کسی نبی کو ماں یا باپ کی

طرف نسبت سے ذکر کیا گیا۔ ہم کو حکم دیا گیا **ادعوھم لاباءھم** لوگوں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کرکے پکارو نیز آپ فرماتے ہیں **وبرا بوالدتی** مجھے رب تعالیٰ نے اپنی ماں سے بھلائی کرنے والا بنایا۔ اگر آپ کے والد بھی ہوتے تو بوالدی ارشاد ہوتا کیونکہ بیٹے پر ماں باپ دونوں کی خدمت لازم ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "**وبالوالدین احسانا**" ان قوی دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش صرف ماں سے ہے۔ تیسری صفت بیان ہوئی رسول اللہ یعنی وہ ابن اللہ خدا کے بیٹے نہیں رسول اللہ ہیں۔ رسول کے معنی اور نبی رسول مرسل میں فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ **وکلمتہ القھا الی مریم** یہ عبارت رسول اللہ پر معطوف ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی تیسری صفت ہے۔ عربی میں کلمہ کئی معنوں میں آتا ہے۔ لغوی کلمہ، نحوی کلمہ، شرعی کلمہ منطقی کلمہ جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے۔ یہاں لغوی کلمہ مراد ہے۔ بمعنی بات یا بمعنی امر اس سے مراد کلمہ کن ہے۔ جو حضرت جبرائیل نے کہہ کر جناب مریم کے سینہ پر دم فرمایا اگرچہ زبان و دہان جبرائیل کا تھا مگر یہ کلمہ رب تعالیٰ کا۔ اس لئے "کلمتہ" میں کلمے کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف کی گئی جیسے ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں تو زبان و دہان ہمارا ہوتا ہے اور کلام رب تعالیٰ کا۔ یا یوں کہو کہ حضرت جبرائیل اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ اس لئے ان کا کلمہ رب تعالیٰ کا کلمہ ہے۔ یہ ہی تحقیق القاھا میں ہے کہ یہ کلمہ دم کرنے والے حضرت جبریل ہیں مگر اس دم کو حضرت مریم کے شکم شریف میں پہنچانے والا رب تعالیٰ ہے۔ لہٰذا القاء کا فاعل رب ہے۔ یا حضرت جبریل کا القاء رب تعالیٰ کا القاء ہے۔ چونکہ یہ کلمہ دم کیا گیا۔ سینہ شریف پر اور پہنچا شکم شریف میں۔ براہ راست شکم میں دم نہ کیا گیا۔ اس لئے **الی مریم** ارشاد ہوا۔ یا اس کلمہ کی ابتداء ذات باری ہے انتہا جناب مریم لہٰذا الی فرمایا گیا۔ جیسے وحی الٰہی کا حال ہے۔ **وروح منہ** یہ عبارت کلمتہ پر معطوف ہے اور حضرت مسیح کی چوتھی صفت۔ اصطلاح عرب میں روح کئی معنی میں بولا جاتا ہے۔ پاک و لطیف چیز چونکہ آپ بغیر نطفے پیدا ہوئے اور جناب مریم کو حیض و نفاس سے پاک و صاف رکھا گیا۔ اس لئے آپ کو روح فرمایا گیا۔ حیات ظاہری یا حیات باطنی کا ذریعہ جیسے **اوحینا الیک روحا من امرنا** چونکہ آپ باطنی زندگی کا ذریعہ تھے۔ نیز آپ کا دم مردوں میں ظاہری زندگی کا ذریعہ تھا۔ لہٰذا آپ کو روح فرمایا گیا۔ نمبر ۳ رحمت رب فرماتا ہے۔ **ورحمتہ منا** چونکہ آپ بنی اسرائیل پر اللہ کی رحمت تھے۔ لہٰذا آپ روح اللہ ہوئے۔ دم و نفخ۔ ریح روح۔ روح قریب المعنی ہیں۔ چونکہ آپ کی پیدائش حضرت جبریل کے دم و نفخ سے ہوئی اور ان کا دم فرمانا رب کی طرف سے تھا۔ لہٰذا آپ کو روح اللہ کہا گیا۔ رب فرماتا ہے۔ **نفخنا فیھا من روحنا** بہرحال روح نہ فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں (کیسر) ہم سب کو رب نے پانی سے بنایا۔ ہم جما ہوا پانی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہوا سے بنایا۔ آپ ہوا یعنی نفخ جبریل پر کھینچی ہوئی ربانی تصویر ہیں۔ یہ اس کی قدرت ہے کہ پانی پر نقشہ کھینچ دے یا ہوا پر۔ کوئی مصور پانی یا ہوا میں تصویر نہیں بنا سکتا مصرع

کہ کرد است بر آب صورت گری

منہ کی من ابتدائیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح نہ کہ اللہ کا ٹکڑا۔ جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **وسخرلکم ما فی السموت وما فی الارض جمیعا منہ** اس آیت میں بھی من ابتدائیہ ہے۔ نہ کہ تبعیضیہ تمام عالم رب کی طرف سے ہے رب میں سے نہیں۔ **فامنوا باللہ ورسلہ** یہ جملہ پہلی عبارتوں پر متفرع ہے۔ یعنی چونکہ واقعہ وہ ہے جو ہم نے بیان فرمایا۔ لہٰذا اے عیسائیو یا اے یہود یو عیسائیو اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں کو صحیح طور پر مانو۔ جس ماننے کا نام ایمان ہے۔ خیال رہے کہ تمام نبیوں پر اجمالی ایمان ہے۔ اور حضور پر تفصیلی ایمان ہم پر کسی اور نبی کی اطاعت لازم نہیں کہ ان کے دین منسوخ ہو چکے۔ حضور کی اطاعت لازم ہے۔ کہ ہم حضور کے امتی ہیں اور حضور کا دین منسوخ نہیں نیز اور نبیوں کے حکم صرف اس جہان میں رہے۔ ہمارے حضور کا کلمہ یہاں قبر میں۔ حشر میں بلکہ جنت میں بھی ہے جنت کی ہر چیز پر حضور کا کلمہ لکھا ہوا ہے۔ یہ فرق ہے حضور پر ایمان لانے میں اور دوسرے نبیوں پر ایمان لانے ہیں۔ مگر ایمان سب رسولوں پر ہے۔ جناب مسیح کو صرف بشر مانا نبی نہ ماننا یا ان کو خدا یا خدا کا بیٹا ماننا ایمان نہیں صریحی کفر ہے۔ آنجناب کو عبداللہ اور رسول اللہ مانو۔ اسی طرح انبیائے کرام کا انکار کر کے خدا تعالیٰ کو ماننا ایمان نہیں۔ ایمان یہ ہے کہ رب تعالیٰ کو نبی کی معرفت مانو اس لئے فرمایا **امنوا باللہ ورسلہ۔ ولا تقولوا ثلثۃ** یہ جملہ گویا امنوا باللہ کی شرح ہے اس میں خطاب یہود سے نہیں صرف عیسائیوں سے اور عیسائیوں کے بھی اس فرقے سے جو عیسیٰ علیہ السلام کو دوسرا خدا اور جناب مریم کو تیسرا خدا مانتے ہیں۔ ثلثۃ خبر ہے پوشیدہ مبتدا الٰہ کی یعنی یہ نہ کہو کہ معبود تین ہیں **انتھوا خیرا لکم** یہ جملہ پچھلے جملوں کا تتمہ ہے۔ پہلے حکم دیا گیا ایمان کا۔ اب حکم دیا گیا تثلیث کے عقیدہ سے باز آجانے کا۔ یا یوں کہو کہ ہر قوم کو مسلمان بناتے وقت اس کے پرانے دین سے اس دین کے عقائد سے توبہ کرائی جاتی ہے۔ چونکہ عیسائی تثلیث کے قائل تھے اس لئے صراحۃ اس سے توبہ کا حکم دیا گیا۔ **انتھوا** کا متعلق اور خیرا کا عامل فعل پوشیدہ ہے یعنی **انتھوا عن التثلیث واقصدوا خیرالکم** تثلیث سے باز آجاؤ اور اپنی بھلائی چاہو۔ یا **یکن خیرالکم** تثلیث سے باز آجاؤ تمہارے لئے بہتر ہوگا **انما اللہ الہ واحد** یہ جملہ پچھلے حکم کی علت ہے یعنی تمہارا تثلیث کے عقیدے سے توبہ کرلینا بہتر ہو گا۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سچا معبود ہے۔ جیسے ہر کثرت کی انتہا وحدت پر ہے کہ درخت میں پتے شاخیں بہت مگر جڑ ایک 'انسان کے اعضاء بال وغیرہ بہت مگر دل ایک۔ ریل میں ڈبے بہت مگر انجن ایک۔ ملک میں رعایا بہت مگر بادشاہ ایک۔ آسمان پر تارے بہت مگر سورج ایک۔ یوں ہی مخلوق بہت مگر خالق ایک۔ جب ایک شخص کے دو والد یا دو والدہ نہیں ہو سکتے تو ایک مخلوق کے دو خالق کیسے ہو سکتے ہیں **سبحانہ ان یکون لہ ولد** یہ جملہ رب تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے۔ یعنی وہ ایسا واحد ہے کہ اولاد سے پاک کیونکہ وہ اولاد 'جنس نوع' فصل 'نوع سے پاک ہے کہ اس میں تعدد ہے۔ یہ بھی وحدانیت کے خلاف ہے۔ تو اس کے اولاد کیسی نیز اولاد بقاء نسل کے لئے ضروری ہوتی ہے اور بقاء نسل اسے چاہیے جسے فنا ہو۔ غیر فانی ذات کی نسل کیسی۔ دیکھو چاند سورج جو صرف قیامت تک باقی ہیں ان کی

اولاد نہیں تو رب کی اولاد کیسی۔ خیال رہے کہ ولد بیٹا بیٹی دونوں کو کہتے ہیں۔ ابن بیٹے کو بنت بیٹی کو۔ مشرکین تو فرشتوں تاروں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اس ایک جملہ میں تینوں کی تردید ہو گئی **لہ ما فی السمٰوت وما فی الارض** یہ پچھلے جملہ کی دلیل ہے۔ اس کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے۔ یعنی اللہ تمام چیزوں کا خالق و مالک ہے۔ لہٰذا وہ اولاد سے پاک ہے۔ کیونکہ کوئی شخص اپنی بیوی بچوں کا مالک نہیں ہوتا۔ نبوت' زوجیت بھی ملکیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اگر حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے اور جناب مریم اس کی بیوی ہوتیں **نعوذ باللہ** تو رب تعالیٰ ان کے مالک اور وہ دونوں اس کے مملوک نہ ہوتے۔ حالانکہ وہ دونوں بھی زمین کی مخلوق ہیں۔ عبد کبھی اپنا جز نہیں ہوتا **وکفی باللہ وکیلا** یہ جملہ گزشتہ کی دلیل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی کارسازی خود فرماتا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے لہٰذا وہ اولاد سے پاک ہے۔ باپ چونکہ اکیلا اپنے سارے کام نہیں کر سکتا اس لئے وہ بیٹیوں اور بیٹوں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ وہ غنی ہے پھر اسے بیٹے بیٹی کیا ضرورت ہے۔ وکیل کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے۔

خلاصہ تفسیر میں عرض کیا جا چکا کہ اس آیت کریمہ میں خطاب یا تو یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے یا صرف نصاریٰ سے۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔ اسی کا ہم خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے کتاب یعنی انجیل کے ماننے والو یا انجیل کا علم رکھنے والو۔ اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو عبدیت سے بڑھا کر انہیں الہ یا الہ کا جز (بیٹا) یا اللہ کا حلول مان لو اور اپنے پوپ پادریوں کو حلال و حرام گناہ کی بخشش کا مالک مان لو اور حلال چیزوں کو حرام اور حرام کو حلال مان لو۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر سچ ہی بولو اپنی طرف سے انجیل میں زیادتی کر کے اسے کلام الٰہی نہ بناؤ اور اس کے لئے باطل صفات ثابت نہ کرو۔ یہ ہی حق ہے کہ حضرت مسیح یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اللہ کے بندے اس کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں کہ حضرت جبریل نے کلمہ کن کہہ کر جناب مریم کے گریبان (سینہ) پر دم کیا۔ وہ حاملہ ہو گئیں۔ ان کا حمل خاوند کے نطفہ سے نہ ہوا۔ کلمہ کن سے ہوا۔ اور آپ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے روح یا رحمت یا پاکیزہ ذات ہیں۔ لہٰذا تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے نبیوں پر صحیح ایمان لے آؤ یہ نہ کہو تم سمجھو کہ الٰہ تین ہیں باپ' بیٹا' روح القدس۔ یعنی اللہ تعالیٰ جناب عیسیٰ' مریم' اس تثلیث کے عقیدے سے باز آ جاؤ اپنا بھلا چاہو۔ یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات' صفات' شانوں میں ہر طرح اکیلا ہے۔ وہ اس سے پاک ہے۔ کہ کوئی اس کی اولاد ہو۔ جو ہر طرح واحد ہو اس کے لئے اولاد ناممکن ہے۔ نیز تمام آسمانوں اور زمین کی چیزوں کا وہ مالک ہے۔ اگر اس کا بیٹا بیٹی یا بیوی ہوتی تو وہ اس کا مالک نہ ہوتا اس کی ملکیت ناقص ہوتی۔ نیز اللہ تعالیٰ سارے عالم کی کارسازی کے لئے کافی ہے۔ اسے عالم چلانے کے لئے کسی بیٹے پوتے یا شریک ساجھی کی ضرورت نہیں جب وہ مالک بھی ہے۔ خالق بھی غنی و بے نیاز بھی پھر اس کے لئے اولاد ماننا کیسی جہالت ہے۔ خیال رہے کہ بعض انسان کسی کے احکام ڈر سے مانتے ہیں۔ بعض لالچ سے اور بعض دلائل سے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے

کبھی دوزخ کے عذاب کا ذکر فرما کر ایمان کی طرف دعوت دی۔ کہیں جنت کے ثوابوں کا ذکر فرما کر اور کہیں دلائل بیان فرما کر یہاں تیسری قسم کی تبلیغ ہے کہ دلائل بیان فرمانے کے بعد فرمایا **امنوا باللہ ورسلہ** ماننے کی یہ تین صورتیں عقل کے لئے ہیں۔ کہ عقل ان تینوں طریقوں سے مانتی ہے مگر طبیعت اور عقل کا ماننا نرالا ہے وہ عشق و محبت سے مانتا ہے۔ ہم اپنی اولاد ماں باپ دوستوں معشوق کو عقل سے نہیں' دلیل سے نہیں بلکہ دل سے مانتے ہیں۔ عقل سے ماننا کمزور ہے دل سے ماننا قوی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ عام تبلیغ کے ساتھ بعض خاص لوگوں کو خصوصی تبلیغ بھی کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ جب کہ ان خاص کے ایمان قبول کر لینے سے دوسرے بہت لوگوں کے ایمان لانے کی امید ہو دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل کتاب کو خاص طور پر دعوت ایمان دی کہ ان کے ماننے والے عرب میں بہت تھے ان کا ایمان بہت لوگوں کے ایمان کا ذریعہ بن جاتا۔ اہل کتاب کے دو معنی ابھی ہم نے عرض کر دیئے دوسرا فائدہ غیر فرض کو فرض سمجھ لینا اور حلال چیزوں کو حرام سمجھ لینا نبیوں ولیوں کو خدا یا خدا کی طرح مان لینا عالموں پیروں کو حرام و حلال کا مالک سمجھ لینا دین میں غلو ہے۔ اور عیسائیوں کا اس طریقہ سے ان سادہ لوح مسلمانوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو طیب و حلال چیزوں کو حرام جاننے کو تقویٰ و ترک دنیا کو دین سمجھ لیتے ہیں۔ حرام سے بچنے کا نام تقویٰ ہے نہ کہ حلال سے بچنے کا نام۔ بعض لوگ گوشت نہیں کھاتے۔ اور بھنگ چرس پیتے ہیں پھر اپنے کو پہنچا ہوا ولی سمجھتے ہیں۔ یہ ہے غلو۔ بعض لوگ اپنے پیروں مولویوں کو حرام و حلال کا مالک جانتے ہیں کہ جو ان کے مولویوں نے حرام کہہ دیا خواہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو مگر اسے حرام ہی کہے جائیں گے۔ یہ ہے غلو۔ اسی بیماری میں آج کل کے وہابی و دیوبندی بہت مبتلا ہیں۔ حضور کو نور کہنا شرک سمجھتے ہیں۔ اپنے مولوی رشید احمد صاحب کو نور مجسم کہتے ہیں (تذکرۃ الرشید) بزرگوں کے عرس کو حرام و شرک کہتے ہیں۔ اپنے مولویوں پیروں کی یادگاریں اور دن مناتے ہیں۔ جو کفریات ان کے بزرگوں کی زبان و قلم سے نکل گئے ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ ہے **غلو فی الدین** یہ ہے **اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ**۔ اس کی تفصیل کے لئے راہ جنت بجواب راہ سنت ملاحظہ کرو۔ تیسرا فائدہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا ہوئے جیسا کہ ابن مریم فرمانے سے معلوم ہوا۔ جو ان کے لئے باپ مانے وہ اس جیسی بہت سی آیات کا منکر ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **وبرا بوالدتی** رب نے مجھے اپنی ماں کا خدمت کرنے والا بنایا اگر آپ کا والد ہوتا تو بوالدی فرماتے۔ موجودہ زمانہ کے بعض غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے باپ کے قائل ہو گئے۔ دیکھو ان کی کتاب عیون زمزم فی میلاد عیسیٰ ابن مریم مصنفہ مولوی عنایت اللہ گجراتی غیر مقلد۔ چوتھا فائدہ عیسیٰ علیہ السلام میں کسی کا نطفہ شامل نہیں۔ نہ باپ کا نہ ماں کا جیسا کہ کلمتہ اور روح منہ فرمانے سے معلوم ہوا۔ آپ ابن مریم اس لئے فرماتے ہیں کہ حضرت مریم کی جنس سے ہیں۔ اور آپ کے شکم شریف سے پیدا ہوئے۔ ابن کی یہ ہی تعریف ہے۔ جن لوگوں نے آپ کو

جناب مریم کے نطفے سے ماننا سخت غلطی کی کہ نطفہ تو زوجین کے ملنے سے ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ ابوۃ کے لئے نطفہ شرط ہے۔ مگر امومیت یعنی ماں ہونے کے لئے شکم سے پیدا ہونا کافی ہے۔ نطفہ شرط نہیں لہذا حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں مگر حضرت حوا جناب آدم کی بیٹی نہیں کہ آپ کے نطفے سے نہیں۔ پانچواں فائدہ ہر کافر کو مسلمان بنانے کے لئے اس کے کفریہ عقیدے سے توبہ کرانی ضروری ہے۔ جیسا اس کا کفرویسی ان کی توبہ۔ مشرک کو صرف کلمہ پڑھاؤ۔ عیسائی سے وہ باتیں قبول کراؤ جو یہاں مذکور ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے وغیرہ۔ چھٹا فائدہ جن کفار کے ایمان لانے کی قطعاً امید نہ ہو انہیں بھی اسلام کی تبلیغ کی جاوے لاعلاج بیمار کو بھی طبیب دوا دیئے جاتا ہے۔ یہ فائدہ **لا تقولوا** اور **انتھوا** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ تبلیغ نرمی اور خوش اخلاقی سے کی جاوے۔ بشارت دی جاوے۔ یہ فائدہ **خیرالکم** سے حاصل ہوا نرم اور میٹھی بات دل میں جلد اتر جاتی ہے ایک چھٹانک شہد سینکڑوں مکھیوں کو پھانس لیتا ہے۔ اور ایک گھڑا سرکہ ایک مکھی کو قید نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شہد میٹھا ہے سرکہ تیز و ترش۔ آٹھواں فائدہ باپ اپنے بیٹے کا۔ خاوند اپنی بیوی کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اگر باپ اپنے غلام بیٹے کو اس کے مولا سے خرید لے تو وہ بیٹا فوراً آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر خاوند اپنی بیوی کو خریدے تو فوراً نکاح ٹوٹ جائے گا اسی طرح اس کے عکس کا حال ہے۔ یہ فائدہ **لہ ما فی السمٰوٰت والارض** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ وہ کسی بندے کا محتاج نہیں۔ سارے بندے اس کے حاجت مند ہیں۔ یہ فائدہ **وکفی باللہ وکیلا** جو کوئی خدا تعالیٰ کو کسی بندے کا حاجت مند جانے وہ کافر ہے۔

پہلا اعتراض تم لوگ بھی دین میں غلو کرتے ہو کہ گیارہویں بارہویں کو فرض سمجھتے ہو اور نبیوں ولیوں میں خدائی صفات مان کر انہیں خدا بنا دیتے ہو **لا تغلوا فی دینکم** میں تم بھی داخل ہو۔ نبیوں ولیوں کو علم غیب۔ حاجت روا۔ حاضر و ناظر مانتے ہو۔ (دیوبندی) **جواب** یہ اہل سنت مسلمانوں پر زا بہتان ہے۔ کوئی سنی ان امور خیر کو فرض نہیں سمجھتا۔ ہزارہا سنی گیارہویں وغیرہ نہیں کرتے اور کرنے والے بھی کبھی کرتے ہیں کبھی نہیں کرتے۔ پابندی کرنے والے بھی اسے مستحب ہی جانتے ہیں نہ کرنے والوں کو برا نہیں کہتے۔ ہاں ان چیزوں کو حرام کہہ کر تم غلو کرتے ہو کہ بغیر دلیل ہر کار خیر کو تم حرام کہتے ہو۔ وہاں ہم لوگ حرام کہنے والوں کو وہابی سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی علامت ہے۔ کسی سنی نے کسی نبی ولی کو نہ خدا مانا نہ خدا کے برابر علم غیب حاضر و ناظر ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور معجزہ یا کرامت بعض بندوں کو ملے ہیں۔ تم بھی شیطان کے لئے علم غیب اور ملک الموت کو حاضر و ناظر مانتے ہو۔ دیکھو اپنی کتاب براہین قاطعہ وغیرہ۔ البتہ آپ لوگ نبی کو چوہدری و نمبردار کی طرح بالکل بے اختیار مانتے ہو۔ دیکھو **تقویۃ الایمان**۔ اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق جلد اول میں ہے۔ **دوسرا اعتراض روح منہ** سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا جز ہیں اور سراپا روح ہیں یہ صفت بیٹے میں ہوتی ہے لہذا بحکم قرآن عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ منہ کی من تبعیضیہ ہے (عیسائی) **جواب** منہ کی من تبعیضیہ نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے اس کے معنی ہیں اللہ کی طرف سے روح۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وسخر لکم ما فی السموت وما فی الارض جمیعا منه یہاں بھی منہ موجود ہے۔ تو کیا آسمان و زمین کی ہر چیز خدا کی اولاد ہے۔ تم نے ترجمہ غلط کیا۔ تعجب ہے کہ آیت کریمہ ابیت مسیح کے انکار کے لئے آئی اور تم اپنی کج فہمی سے ثبوت ابیت کے لئے مانتے ہو۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشر نہیں بلکہ سراپا روح ہیں اور روح بھی اللہ کی۔ (عیسائی) **جواب** عیسیٰ علیہ السلام بشر بھی ہیں روح بھی۔ والدہ کے شکم سے پیدا ہونا کھانا پینا بیماری موت کا طاری ہونا بشریت کی دلیل ہے۔ ہم روح کے معنی ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ روح کے معنی یا تو رحمت ہیں یا دم کرنا یا زندگی بخشنا یا بغیر والد حضرت روح الامین کے اثر سے پیدا ہونا۔ یا مردوں میں روح ڈال کر زندہ کرنا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفات موجود ہیں اس وجہ سے انہیں روح منہ یا روح اللہ کہا جاتا ہے۔ روح ہونا بشریت کے خلاف نہیں۔ **چوتھا اعتراض** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ یا کلمۃ اللہ کیوں کہا جاتا ہے۔ کلمہ کے معنی ہیں بات کیا آپ بات تھے۔ آپ تو بات والے تھے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا۔ کہ چونکہ آپ کی پیدائش لفظ کن سے ہوئی اور وہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا لہٰذا آپ کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ یعنی رب کے کلمہ سے پیدا ہونے والے نبی۔ **پانچواں اعتراض** عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم کیوں کہا جاتا ہے۔ آپ تو ان کے نطفے سے پیدا ہوئے نہیں جیسے جناب حوا حضرت آدم کی بیٹی نہیں ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب مریم کے بیٹے نہیں۔ **جواب** ابوۃ کے لئے نطفہ ضروری ہے مگر امومیت کے لئے نطفہ لازم نہیں۔ یعنی باپ وہ ہے جس کے نطفے سے بچہ بنے مگر ماں وہ ہے جس کے شکم سے اس کا ہم جنس پیدا ہو۔ کیونکہ بچہ کی پیدائش باپ کے شکم سے نہیں ہوتی۔ لہٰذا جناب حوا آدم علیہ السلام کی بیٹی نہیں کہ ان کے نطفے سے پیدا نہیں۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے بیٹے ہیں کہ ان کے شکم سے پیدا ہیں۔ **چھٹا اعتراض** جب اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے فریاد رس ہے۔ نعمتیں دینے والا بلائیں ٹالنے والا ہے۔ تو تم نبیوں ولیوں کو حاجت روا فریاد رس کیوں مانتے ہو۔ اور ان سے حاجتیں کیوں مانگتے ہو۔ **جواب** قبلہ یہ بیماری تو آپ کو بھی ہے۔ بیماری میں حکیم کے پاس نادار ی میں امیروں کے پاس مصیبتوں میں فریاد لے کر حاکموں کے پاس آپ دن رات جاتے ہیں۔ نہ معلوم اس وقت آپ خدا کو کافی وکیل فریاد رس وغیرہ مانتے ہیں یا نہیں۔ اس کا نہایت نفیس جواب ہم نے جاء الحق حصہ اول میں دیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ دوسری مخلوق سے روح افضل اس لئے ہے کہ وہ صرف امر کن سے بغیر واسطہ پیدا ہوئی۔ یونہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لئے افضل ہیں کہ وہ بھی امر الٰہی سے بغیر واسطہ باپ پیدا ہوئے اور روح کا کام ہے بے جان جسم کو جاندار کر دینا۔ یونہی عیسیٰ علیہ السلام مردہ جسم کو زندہ کرتے تھے۔ اندھے کوڑھوں کو تندرست کرتے تھے۔ کیچڑ گارے میں پھونک مار کر جیتا جاگتا پرندہ کر دیتے تھے۔ نیز آپ کی پیدائش کلمہ کن سے ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ بھی کلمہ کن سے ہی یہ سب کام کرتے تھے چونکہ آپ روح الامین کی دم سے پیدا ہوئے تو آپ بھی روح اللہ کہلائے۔ کلمہ کن سے پیدا ہوئے تو کلمۃ اللہ آپ کا لقب ہوا معلوم ہوا کہ اصل کا اثر شی میں ہوتا ہے حضرات انبیاء کرام مظہر صفات الٰہی ہیں وہ حضرات رب

کے سے کام کر دکھاتے ہیں مگر ...... رب رب ہے اور رسول رسول۔ جو آئینہ اور آئینہ دار میں فرق نہ کرے یعنی آئینہ کو آئینہ دار مان لے۔ وہ بھی کافر ہے۔ اور جو آئینہ کا ہی انکار کر دے۔ وہ بھی کافر ہے عیسیٰ علیہ السلام آئینہ صفات الٰہیہ ہیں۔ عیسائیوں نے انہیں رب مان لیا۔ یعنی آئینہ کو آئینہ دار مان لیا۔ وہ کافر ہوئے۔ یہود نے آپ کی نبوت و رسالت کا ہی انکار کر دیا۔ یعنی آئینہ کے انکاری ہو گئے۔ وہ بھی کافر ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونا اسی آئینہ ہونے کا بیان ہے۔ جیسے دوریا پس حجاب والے کو آئینہ دار صرف آئینہ میں نظر آسکتا ہے۔ اگر وہ آئینہ سے الگ ہو جاوے تو آئینہ دار کے جمال سے محجوب رہے گا۔ اسی طرح جو نبی سے علیحدہ ہو گیا وہ رب تعالیٰ کے جمال سے محروم ہو گیا۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ
ہرگز نفرت نہیں کریں گے مسیح اس سے کہ ہوں وہ بندے اللہ کے اور نہ فرشتے
مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ مقرب فرشتے اور
الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُ
قرب الٰہی دیئے ہوئے اور وہ جو نفرت کرے اس کی عبادت سے اور تکبر کرے تو عنقریب
جو اللہ کی بندگی سے نفرت اور تکبر کرے تو کوئی دم جاتا ہے کہ
هُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ
جمع کرے گا ان کو اپنی طرف سب کو۔ پس لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے اچھے بس پورا دے گا
وہ ان سب کو اپنی طرف ہانکے گا تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی مزدوری انہیں بھرپور
اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا
ان کو ثواب ان کے اور زیادہ دے گا ان کو فضل اپنے سے اور لیکن وہ جو نفرت کریں اور تکبر کریں تو
دے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا اور وہ جنہوں نے نفرت اور تکبر کیا تھا انہیں
فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا
عذاب دے گا ان کو عذاب دردناک اور نہ پائیں گے وہ واسطے اپنے مقابل اللہ کے کوئی دوست
دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا نہ اپنا کوئی حامی پائیں گے
وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾
اور نہ مددگار
نہ مددگار

تعلق اس آیت کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بڑے فضائل و درجات کا ذکر ہوا کہ وہ کلمۃ اللہ روح اللہ وغیرہ میں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام ان فضائل و درجات کے باوجود ہیں اللہ کے بندے اور اس کے عبادت گزار۔ مقصد یہ ہے کہ اے عیسائیو تم وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پھرے جاتے ہو۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کے عقیدے کا ذکر تھا کہ وہ جناب عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا یا تیسرا خدا مانتے ہیں۔ اب خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خیال اپنے متعلق بیان فرمایا جا رہا ہے۔ کہ وہ اپنے کو اللہ کا بندہ اللہ کا مطیع و فرمانبردار ہی سمجھتے ہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مملوک مخلوق و مطیع ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندے مملوک مخلوق ہیں گویا پہلے اجمالی ذکر تھا اب اس کی کچھ تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔

شان نزول ایک بار نجران کے عیسائیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیب لگاتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ہم نے انہیں کیا عیب لگایا وہ بولے کہ آپ ان کو عبداللہ (اللہ کا بندہ) کہتے ہیں۔ ان کے لئے اس سے بڑھ کر کونسا عیب ہو سکتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ ہونا عیب نہیں یہ ان کے لئے اور سب کے لئے فخر ہے۔ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور نجرانی عیسائیوں کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن، روح البیان، مدارک، تفسیر بیضاوی، خزائن العرفان وغیرہ)

تفسیر لن یستنکف المسیح ان یکون عبد اللہ۔

یستنکف کا مادہ ہے **نکف**۔ بمعنی علیحدہ کرنا۔ دور کرنا کہا جاتا ہے۔ **نکفت الدمع** میں نے اپنے رخسار سے آنسو پونچھ کر دور کر دیئے۔ اصلاح میں کسی چیز سے عار رکھنے اسے برا ماننے کو **استنکاف** کہا جاتا ہے۔ استکبار سے **استنکاف** اوپر ہے استکبار ناحق بڑائی کو ہی کہتے ہیں اور حق بڑائی کو بھی مگر **استنکاف** ناحق بڑائی کو بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے متکبر کبھی اچھی بڑائی والے کو بھی کہہ دیتے ہیں مگر مستنکف ناحق بڑائی والے کو ہی کہا جاتا ہے۔ (نحوی حرف لن اگرچہ مستقبل کی نفی کے لئے آتا ہے۔ مگر کبھی دائمی نفی کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں دو نو احتمال ہیں اعلیٰ حضرت کا ترجمہ دائمی نفی ہے۔ اور ہمارا ترجمہ نفی مستقبل پر **ان یکون** سے پہلے من پوشیدہ ہے۔ عبد کے معنی عبادت گزار بھی ہیں۔ اور مطیع و غلام بھی اور مخلوق بھی یہاں تمام معنی درست ہیں مسیح کے معنی ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ یہ لفظ جب دجال کے لئے آتا ہے تو بمعنی ممسوح العین یعنی ایک آنکھ کا صاف (کانا) ہوتا ہے اور جب جناب عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آتا ہے تو اس کے معنی چھو کر تندرست کرنے والے یا سیاحت و سیر کرنے والے یا مساحت کر کے تارک الدنیا ہوتے ہیں یعنی جناب مسیح

عیسیٰ علیہ السلام کبھی بھی اللہ کے بندے۔ اللہ کے فرمانبردار ہونے۔ اللہ کی مخلوق ہونے سے عار نہیں کرتے۔ نہ پچھلے زمانہ میں نہ اب نہ آئندہ یا اب بھی جب قریب قیامت زمین پر آئیں گے تو عبدیت سے عار نہیں کریں گے۔ کیونکہ عبدیت تو ان کے لئے باعث فخر ہے نہ کہ باعث عار۔ اس دوسرے معنی سے حضرت مسیح کا اب زندہ ہونا اور آئندہ پھر زمین پر تشریف لانا ثابت ہوتا ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئندہ تشریف لاکر عبداللہ ہونے سے شرم نہ کریں گے۔ **ولا الملئکۃ المقربون** یہ عبارت المسیح پر معطوف ہے۔ یا تو مشرکین عرب کی تردید کے لئے فرشتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ کہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ کا بندہ نہ مانتے تھے یا عیسائیوں کی تردید کے لئے کہ وہ فرشتوں کو نبیوں سے افضل مانتے ہیں یا عجیب سے عجیب تر کا حال بیان فرمانے کے لئے یعنی اے عیسائیوں تم جناب مسیح کو اس لئے ابن اللہ کہتے ہو کہ وہ بغیر باپ پیدا ہوئے۔ اور غیب کی خبریں دیتے تھے۔ بیماروں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی گناہ نہ کیا۔ تو یہ اوصاف فرشتوں میں موجود ہیں۔ وہ بغیر ماں باپ پیدا ہوئے وہ لوح محفوظ کا علم رکھتے ہیں (تفسیر کبیر) وہ رب تعالیٰ کی نافرمانی کبھی نہیں کرتے۔ وہ دنیا کے سارے انتظامات۔ بچے بنانا۔ جان نکالنا وغیرہ سارے کام کرتے ہیں۔ بتاؤ وہ اللہ کے بیٹے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے کیسے ہو گئے۔ ملائکہ کے معنی ان کے اقسام پارہ الم **واذ قال ربک للملئکۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ مقربین کے تین معنی ہو سکتے ہیں اللہ سے قرب رکھنے والے فرشتے کہ گناہ کبھی نہ کریں ہمیشہ اس کی اطاعت کریں اس معنی سے سارے فرشتے اس کے مقرب ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون** عرش اعظم اٹھانے والے فرشتے جو آٹھ ہیں۔ عبادت الٰہی میں مشغول رہنے والے فرشتے یہ وہ جماعت ہے جو ہمیشہ عبادت الٰہی میں مشغول رہتی ہے۔ دنیاوی انتظامات سے اسے تعلق نہیں اور جو جماعت دنیوی انتظامات کرتی ہے اسے مدبرات امر کہتے ہیں۔ یہاں پہلے زیادہ موزوں ہیں۔ یعنی مقرب فرشتے جن میں حضرت جبرائیل و میکائیل وغیرہم بھی داخل ہیں وہ بھی اللہ کا بندہ ہونے سے عار نہیں کرتے۔ حالانکہ حضرت جبرئیل وہ شان والے فرشتے ہیں۔ جن کے دم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جناب عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفات اس دم کی برکت سے تھیں۔ معتزلہ وغیرہ نے اس آیت کی بنا پر کہا کہ فرشتے انبیاء کرام سے افضل ہیں۔ فقیر کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے جیسا کہ انشاء اللہ اعتراضات و جوابات میں عرض کیا جاوے گا۔ **ومن یستنکف عن عبادتہ ویستکبر** یہ جملہ گزشتہ جملہ کی دلیل ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی بندگی سے منہ موڑنے والوں کا انجام خراب ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ ہیں جن کی ابتدا و انتہا انجام سب ہی بہت اعلیٰ ہے۔ پھر وہ اس زمرہ میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں من سے مراد تمام جن و انس ہیں کہ یہ سزا ان سب متکبرین کے لئے ہے استنکاف اور استکبار میں فرق ابھی بیان کیا گیا کہ استکبار عام ہے اور استنکاف خاص۔ استنکاف ناجائز بڑائی کو ہی کہتے ہیں جس میں اپنی عزت سامنے والے کی ذلت کا خیال ہوتا ہے۔ استکبار عام ہے عبادت سے مراد اللہ کی بندگی کرنا

ہے۔ یا اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ استکبار غلط بڑائی کو ہی کہتے ہیں اور تکبر سچی بڑائی کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ متکبر نہ کہ مستکبر ہو سکتا ہے کہ یہاں **استنکاف** سے مراد ہو خیالی بڑائی اور استکبار سے مراد عملی بڑائی۔ یعنی جو عقیدۃً یا عملاً اللہ کی عبادت سے غرور کرے اس کا یہ حال ہے۔ بعض کفار عرب نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ہم اس لئے مسلمان نہیں ہوتے کہ اس میں نماز فرض ہے۔ اور نماز میں سجدہ ہے۔ یہ عقیدہ شان کے خلاف ہے۔ یہ ہوا عقیدے کا تکبر کہ نماز سے ہی عار ہے۔ سرداران قریش حج میں مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے کہ عرفات تک جانا غرباء فقراء کے ساتھ حج کرنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ یا نماز باجماعت میں غرباء کے ساتھ نماز پڑھنا ہماری سرداری کے خلاف ہے یہ ہوا استکبار یعنی عملی غرور اللہ دونوں تکبروں سے بچائے۔ آمین۔ **فسیحشرھم الیہ جمیعا** یہ جملہ گزشتہ عبارت کی جزا ہے۔ ف جزائیہ ہے۔ یہاں ایک فعل پوشیدہ ماننا زیادہ بہتر ہے یعنی **فلیعلم۔ حشر** کے معنی ہیں جمع کرنا۔ اسی لئے قیامت کو حشر کہتے ہیں کہ اس دن تمام اولین و آخرین۔ ایک وقت ایک جگہ میں جمع ہوں گے۔ ہم کا مرجع متکبرین مستنکفین مطیعین اور عاصین مومنین و کافرین سب ہیں۔ متکبرین کا تو ذکر ابھی ہوا اور دوسرے لوگ اس سے سمجھ میں آ گئے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی عبادت یا عبودیت سے نفرت یا غرور کرے وہ جان رکھے کہ ہم سارے بندوں کو قیامت میں اپنی بارگاہ میں جمع فرمائیں گے۔ اس حال میں کہ کسی کے پاس کوئی تکبر کا سامان نہ ہو گا۔ کسی کو اس کی رحمت کے سوا کوئی جگہ نہ ملے گی۔ اس دن سب کے تکبر ٹوٹ جائیں گے۔ پھر جب تواضع و عجز کرنے والے مومنوں کو درجے ملیں گے۔ ان پر غضب الٰہی ہو گا تو کیسی رسوائی و شرمندگی ہو گی۔ **فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت** یہ عبارت گزشتہ اجمال کی تفصیل ہے۔ ایمان میں سارے عقائد صحیحہ داخل فرما لئے اور **عملوا الصلحات** یہ عبارت گزشتہ اجمال کی تفصیل ہے۔ **الذین** سے مراد صرف انسان ہیں۔ کیونکہ جنات اور فرشتوں کی نیکیوں کا وہ ثواب نہیں جو یہاں مذکور ہے۔ ایمان میں سارے عقائد صحیحہ داخل فرما لئے اور **عملوا الصلحات** میں سارے نیک اعمال داخل فرما دیئے۔ چونکہ عقائد اعمال پر مقدم ہیں اس لئے پہلے ایمان کا ذکر فرمایا۔ چونکہ صرف توحید نجات کے لئے کافی نہیں بلکہ ایمان سے نجات ہے۔ اس لئے ہر جگہ ایمان کا ذکر ہوتا ہے کہیں توحید کا ذکر نہیں ہوتا توحید اور ایمان کا فرق ہم پہلے بیان کر چکے۔ خیال رہے کہ نیکیاں بقدر طاقت لازم ہیں۔ اس لئے الصالحات کو مطلق رکھا یہ نہ بتایا کہ کتنی نیکیاں کرے۔ **فیوفیھم اجورھم** چونکہ **اما** حرف شرط ہے اس لئے جزا میں ف لائی گئی اس ف میں اشارۃ **تعقیب** بغیر تراخی بھی معلوم ہوتی ہے **یوفی** بنا ہے **توفیۃ** سے۔ معنی پورا دینا۔ یہاں پورا دینے سے مراد ہے ثواب کم نہ کرنا۔ زیادتی کی نفی نہیں۔ **توفیۃ** یعنی پورا دینے کے تین معنی ہیں کمی و زیادتی نہ ہونا۔ بالکل پورا دینا۔ دوسرے زیادتی نہ ہونا کمی ہو یا نہ ہو تیسرے کمی نہ ہونا زیادتی ہو یا نہ ہو۔ جب یہ لفظ کفار کی سزا کے لئے بولا جائے گا تو وہاں دوسرے معنی مراد ہوں گے کیونکہ رب تعالیٰ ان کی سزا مطابق جرم کے دے گا۔ زیادہ نہ دے گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جرم سے سزا کم دے۔ جیسا کہ بعض کفار

کے لئے ہو گا اور جب یہ لفظ مسلمانوں کی جزا کے لئے بولا جائے تو تیسرے معنی میں ہو گا۔ یعنی کم نہ ہونا۔ رب تعالیٰ مومن کے اعمال کا ثواب کم نہ کرے گا۔ زیادتی فرمادے تو کرم ہے یہاں تیسرے معنی میں ہے۔ اجور جمع ہے اجر کی۔ بمعنی مزدوری اجرت عمل کا بدلہ۔ چونکہ اعمال صالحہ بہت ہیں اور ہر نیکی کا ثواب علیحدہ۔ نیز ایک ایک نیکی پر بہت سے ثواب کی عطا ہے۔ اس لئے اجور جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ ایمان و عمل کے لئے ماضی کے صیغے ارشاد ہوئے۔ اور جزا کے لئے مضارع کے صیغے فرمائے گئے۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ عمل کی جگہ دنیا ہے اور جزا کی جگہ آخرت۔ آخرت دنیا کے لحاظ سے مستقبل ہے اور دنیا آخرت کے لحاظ سے ماضی لہٰذا ایمان و عمل کے لئے ماضی مناسبت ہے۔ اور جزا و زیادتی کے لئے مستقبل مناسب ہے۔ دوسرے یہ کہ عمل کا وقت بہت تھوڑا ہے۔ یعنی دنیاوی زندگی کا زمانہ جو چند سال ہے۔ مگر جزاء کا زمانہ دائمی یعنی آخرت جو ابدالآباد تک ہے۔ اس لئے عمل کے لئے ماضی جزا کے لئے مضارع ارشاد ہوا یعنی جو ایمان و اعمال اختیار کریں۔ انہیں اللہ تعالیٰ اجر دیتا ہی رہے گا۔ زیادتیاں دیتا رہے گا **ویزید من فضلہ** اس جملہ میں انعام خسروانہ کا ذکر ہے۔ زیادتی کو مطلق فرمایا یہ نہ فرمایا کہ کتنی زیادتی اس سے معلوم ہوا کہ زیادتی ہمارے وہم و گمان و خیال سے وراء ہے فضل کے معنی ہیں زیادتی۔ یہاں وہ زیادتی مراد ہے جو بطور مہربانی عطا کی جاوے۔ زیادتی سے مراد یا تو اعمال کے عوض و ثواب میں زیادتی فرماتا ہے۔ یا جزا اعمال کے علاوہ اور کوئی نعمت دینا مراد ہے۔ جو کہ عمل کا عوض نہ ہو جیسے جنت میں دیدار الٰہی۔ یعنی ایسے مومنین و صالحین کو رب تعالیٰ ان کے پورے پورے ثواب بھی دے گا۔ اور اپنے کرم خسروانہ سے زیادتی بھی عطا کرے گا۔ **واما الذین استنکفوا واستکبروا** یہ دوسری جماعت خبیثہ کا ذکر ہے جو صالحین مومنین کے مقابل ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی پوری پہچان جب ہی ہوتی ہے۔ جب اس کا مقابل کا پتہ چلے۔ یہاں نفرت و تکبر سے مراد ہے ایمان سے نفرت۔ نیک اعمال سے نفرت۔ نیکی نہ کرنا اور جرم ہے لیکن نیکی سے نفرت کرنا دوسرا جرم۔ **فیعذبھم عذابا الیما**۔ یہ جملہ میں اما کی جزا ہے جو ابھی اس سے متصل مذکور ہوا۔ عذاب 'عقاب اور عتاب کا فرق پہلے بیان ہو چکا۔ گنہگار مومن کو اگرچہ عذاب ہو جاوے مگر عذاب الیم جو قلب و قالب اور قالب کے تمام اعضاء کو گھیرے وہ نہ ہو گا۔ چنانچہ مومن کا دل اور سجدے کے سات اعضاء آگ سے محفوظ رہیں گے عذاب الیم جو دل و جگر جسم سب پر چھا جاوے صرف کفار کے لئے۔ رب فرماتا ہے **تطلع علی الافئدۃ** رب تعالیٰ محفوظ رکھے کیونکہ گنہگار مومن جسم کے گناہ تو کر لیتا ہے۔ مگر دل کے گناہ کفر و نفاق نہیں کرتا کافر قلب و قالب دونوں کے گناہ کرتا ہے عذاب گناہ کی جگہ میں پہنچے گا۔ **ولا یجدون لھم من دون اللہ ولیا ولا نصیرا** یہ ان متکبرین متکبرین کافروں کا دوسرا عذاب ہے۔ دون 'غیر' سوا' الا کے بہت سے فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ **دون** اکثر مقابل پر یا دور پر بولا جاتا ہے۔ ہر ماسوا کو دون نہیں کہتے۔ **الا** ہر ماسوئی کو کہتے ہیں۔ اس لئے جو کوئی کلمہ طیبہ میں بجائے **الا** کے دون پڑھے **لا الہ دون اللہ** کہے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ ولی وہ جو دوستی و قرب کی بنا پر حاکم سے سفارش کر کے مجرم کو چھڑالے۔ **نصیر** وہ جو حاکم کا مقابلہ کر کے چھڑالے۔

یعنی یہ نفرت و تکبر کرنے والے کفار کل قیامت میں اپنے لئے نہ تو کوئی سفارشی پائیں گے۔ جو سفارش و شفاعت کرکے انہیں عذاب الٰہی سے بچائے اور نہ کوئی مددگار پائیں گے۔ جو قوت و طاقت سے انہیں چھڑالے۔ خیال رہے کہ ولی میں من دون اللّٰہ اختیار کرنا کفر ہے۔ اور ولی اللہ کا دامن پکڑنا ایمان کا رکن اعلیٰ۔ موجودہ زمانہ کے لوگ ولی اللہ اور ولی من دون اللہ میں فرق نہیں کرتے۔

خلاصہ تفسیر اے عیسائیوں تم تو حضرت مسیح کو اللہ کا بندہ کہنے کو ان کی توہین سمجھتے ہو۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کو اللہ کا بندہ بننے میں نفرت یا شرم نہیں وہ تو اس عبدیت پر فخر کرتے ہیں بلکہ مقربین بارگاہ الٰہیہ تمام فرشتے بھی اس عبدیت کو عار نہیں سمجھتے اور وہ حضرات یہ جرم کیسے کرسکتے ہیں۔ وہ تو اللہ کے پیارے، مقبول ہیں۔ متکبرین کا حال یہ ہے کہ جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے اس کی بندگی کرنے سے نفرت تکبر عار کرے تو یہ عار کرنے والے لوگ اور نیک و ابرار لوگ ایک جگہ ایک وقت میں یعنی قیامت میں سب جمع ہوں گے۔ پھر ان میں چھانٹ ہوگی اس طرح کہ نیک اعمال کرنے والے مومنوں کو رب تعالیٰ ان کے ثواب پورے پورے دے گا۔ کمی بالکل نہ فرمائے گا۔ اس ثواب کے علاوہ اپنے شاہانہ عطیہ خسروانہ انعام سے بھی نوازے گا کہ انہیں ثواب کے علاوہ اور بہت اعلیٰ نعمتیں بخشے گا اور بندگی سے عار کرنے والے متکبر کافروں کو نہایت دردناک دائمی عذاب دے گا کہ ان کے دل و جسم پر عذاب چھا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ جو شفاعت سفارش یا زور و قوت کے ذریعہ انہیں عذاب الٰہی سے بچالے۔ لہٰذا اے عیسائیو تمہارا کہنا کہ اللہ کا بندہ ہونا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے شرم و عار ہے محض باطل ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور قریب قیامت زمین پر تشریف لائیں گے۔ اپنی بندگی کا اعلان قولاً و عملاً کریں گے۔ عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت کی تردید فرمائیں گے یہ فائدہ **لن یستنکف** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ یہ صیغہ نفی مستقبل کے لئے ہے۔ یعنی آئندہ زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام اپنی عبدیت سے عار نہ کریں گے۔ عبادت و عبودیت کا اعلان کریں گے۔ اگر آپ کی وفات ہوچکی ہوتی۔ تو یہ مستقبل کے معنی درست کیسے ہوتے۔ **دوسرا فائدہ** فرشتوں کی پیدائش اور ان کے صفات حضرت مسیح علیہ السلام سے زیادہ عجیب و غریب ہیں کہ حضرت مسیح بغیر باپ پیدا ہوئے۔ تو فرشتے بغیر ماں باپ پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح مردوں کو زندہ بیماروں کو تندرست کرتے تھے تو فرشتے اس قسم کے ہزارہا کام کرتے ہیں۔ یہ فائدہ **ولا الملئکۃ** کے عطف سے حاصل ہوا کہ یہ عجیب چیز تر چیز کا عطف (تفسیر کبیر) **تیسرا فائدہ** حضرات انبیاء کرام اور فرشتے گناہوں کفر و تکبر وغیرہ سے معصوم ہیں۔ کیونکہ کفر و گناہ تکبر قیامت میں شرمندگی کا باعث ہوں گے۔ وہ حضرات اس سے محفوظ ہیں یہ فائدہ **ومن یستنکف** الخ سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں گزرا۔ **چوتھا فائدہ** ایمان نیک اعمال پر مقدم ہے اور نیک اعمال بقدر

طاقت کرنے ضروری ہیں۔ یہ فائدہ **امنوا وعملوا الصلحت** کی ترتیب سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک مسلمانوں کو صرف اعمال کا بدلہ ہی نہ ملے گا بلکہ اللہ کا فضل بھی ملے گا۔ جو کسی عمل کا بدلہ نہ ہوگا جیسا کہ **ویزیدھم من فضلہ** سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ قیامت میں مددگار اور ولی نہ ہونا کفار کے لئے عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے ولی بھی مقرر کرے گا اور مددگار بھی۔ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن کریم میں اس کی تعلیم دی۔ **واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک سلطانا نصیرا** الٰہی ہمارے لئے اپنی طرف سے ولی اور مددگار مقرر فرمادے۔ ولی وہ جو نفع دے نصیر وہ جو نقصان کو دور کرے۔ جو کوئی کہے کہ خدا کے سوا مددگار ولی کوئی نہیں۔ وہ اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فرشتے نبیوں سے افضل ہیں کیونکہ یہاں مسیح پر ملائکہ کو معطوف کیا گیا ہے۔ اور یہاں عطف ترقی کے لئے ہے۔ یعنی اعلیٰ کو غیر اعلیٰ پر معطوف کیا گیا۔ حالانکہ تم کہتے ہو کہ تمام حضرات انبیاء کرام تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ (معتزلہ) جواب اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہ یہاں عجیب تر کو عجیب چیز پر معطوف کیا گیا ہے۔ نہ کہ اعلیٰ کو غیر اعلیٰ پر یہ ترقی عجیب سے عجیب تر کی طرف ہے۔ دوسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقرب فرشتے اللہ کی عبادت سے نفرت نہیں کرتے تو کیا دوسرے فرشتے مدبرات امر اور کروبین نفرت کرتے ہیں۔ ملائکہ کے ساتھ مقربین کی قید کیوں لگائی گئی۔ جواب اس کا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں مقربین سے مراد قرب الٰہی رکھنے والے فرشتے ہیں۔ یہ صفت سارے فرشتوں میں موجود ہے۔ لہٰذا یہ صفت یہاں احترازیا تخصیص کے لئے نہیں۔ بلکہ توصیف و مدحت کے لئے ہے اور اگر مقربین سے مراد فرشتوں کی خاص جماعت بھی ہو تب بھی مطلب یہ ہوگا کہ جب مقرب فرشتے عبادت الٰہی سے عار نہیں کرتے تو دوسرے فرشتے بدرجہ اولیٰ عار نہیں کرسکتے۔ تیسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے سوا کوئی مددگار ولی نہیں۔ تم نبیوں ولیوں کو مددگار اور حمایتی ولی مان کر اس آیت کے انکاری ہو۔ جواب بیشک کافروں، متکبروں، منافقوں کا کوئی مددگار نہیں جیسا کہ لہم سے معلوم ہوا۔ ہم مومن ہیں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مددگار ہمارے لئے مقرر فرمادیئے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا۔**

تفسیر صوفیانہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو تمام فرشتوں سے افضل قرار دیا کیونکہ حضرت مسیح کو عیسائیوں نے خدا کا بیٹا کہا اور فرشتوں کو مشرکین نے خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اشارۃً فرمایا کہ جیسے مذکر کو مونث پر بزرگی حاصل ہے۔ یوں جناب مسیح کو فرشتوں پر افضلیت ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **الکم الذکر ولہ الانثی** یہاں پر مرد کو پہلے بیان فرمایا اور ارشاد ہوا۔ **ولیس الذکر کالانثی** یہاں بھی مذکر کا مونث سے پہلے ہے۔

اور فرمایا **وللذکر مثل حظ الانثیین** یہاں بھی مذکر کا ذکر پہلے ہے۔ نیز حضرت مسیح تمام فرشتوں سے اس لئے افضل ہیں کہ فرشتے صرف نورانی روحانی مخلوق ہیں۔ اور جناب عیسیٰ علیہ السلام ماں کی طرف سے جسمانی مخلوق یعنی بشر ہیں اور جناب جبریل کی طرف سے روحانی مخلوق میں کہ آپ ان کے دم سے اور جناب مریم کے شکم شریف سے پیدا ہوئے۔ لہذا فرشتے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے (روح البیان) تمام کفروں میں تکبر کا کفر بد ترین ہے۔ شیطان اسی کفر میں گرفتار ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دل میں رائی برابر تکبر ہو گا۔ وہ جنت میں نہ جائے گا اور جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو گا وہ دوزخ میں نہ رہے گا۔ یہاں تکبر سے مراد وہی تکبر ہے جو ایمان کے مقابل ہو۔ ایک دل میں تکبر و عار اور ایمان نہیں رہ سکتے۔ تکبر دل کی سختی ہے۔ ایمان دل کی نرمی، سختی نرمی ایک دل میں کیسے سمائیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عطئے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ قانونی اور محبت کے قانونی عطئے میں حساب ہوتا ہے۔ محبت کے عطئے بغیر حساب۔ ہوٹل میں کھانا کھاؤ تو حساب سے ملے گا۔ پھر بل ادا کرنا ہو گا۔ کیونکہ یہ کھانا قانونی ہے۔ تو دوسری طرف حساب ہے۔ کھانا لو حساب سے قیمت دو حساب سے۔ مگر کسی دوست کے گھر دعوت کھاؤ تو بغیر حساب کھاؤ کہ یہ محبت کا عطیہ ہے دنیا میں مومن بندے دو قسم کے ہیں زاہدین اور عارفین۔ زاہدین تو قانون کے ماتحت حساب سے عبادت کرتے ہیں۔ نماز پانچ وقت کی۔ زکوٰۃ چالیسواں حصہ۔ روزے سال میں ایک ماہ کے حج عمر میں ایک بار۔ انہیں ثواب بھی قانونی ملے گا۔ حساب سے ان کے لئے فرمایا گیا۔ **فیوفیھم اجورھم** مگر عارفین محبت کے ماتحت بلا حساب عبادت کرتے ہیں کہ ہر آن ہر گھڑی نماز میں رہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **ھم علیٰ صلوتھم دائمون** صدیق اکبر موقعہ پڑنے پر سارا گھر راہ خدا میں خیرات کر دیتے ہیں۔ انہیں ثواب بھی محبت والا بغیر حساب ملے گا ان کے لئے ارشاد ہوا **ویزیدھم من فضلہ** یہ دونوں فرمان دو قسم کے مسلمانوں کے لئے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ بعض عبادات میں اطاعت غالب ہے جیسے نماز و زکوٰۃ اور بعض میں ذوق و شوق و عشق کا غلبہ ہے۔ جیسے روزہ حج اور جہاد پہلی قسم کی عبادات کے لئے فرمایا ہم ان کے ثوابات پورے دیں گے۔ دوسری قسم کے لئے فرمایا فضل زائد دیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام عبادات میں اعضاء ظاہری بھی کام کرتے ہیں اور دل بھی نماز میں سر، آنکھیں، زبان، ہاتھ پاؤں۔ سب ہی کام کرتے ہیں مگر خشوع و خضوع عجز و انکسار جو نماز کی جان ہے وہ دل سے ادا ہوتے ہیں۔ بدنی کاموں پر اجر و ثواب ملیں گے اور دل کے کام پر فضل۔ اس صورت میں ہر عمل پر اجر بھی ہے فضل بھی۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾

اے لوگو بیشک آئی تمہارے پاس دلیل طرف سے رب تمہارے کے اور اتارا ہم نے طرف تمہاری روشنی ظاہر
بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ

پس لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور مضبوط پکڑیں اس کو پس عنقریب داخل فرمائے گا ان کو بیچ رحمت

تو وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کی رسی مضبوط تھامی تو عنقریب انہیں اپنی رحمت اور اپنے

مِّنْهُ وَ فَضْلٍ وَّ یَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۱۷۵﴾

اپنی کے اور فضل میں اور ہدایت دے گا ان کی طرف اپنے راستہ سیدھے کی

فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے گا۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں اللہ کی وحدانیت اور اس کی صفات کا ذکر تھا کہ وہ اولاد وغیرہ سے پاک ہے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات عالیہ کا ذکر ہے۔ گویا ایمان کے ایک رکن یعنی توحید کے ذکر کے بعد دوسرے رکن یعنی نبوت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کے ایسے عقیدوں کا ذکر تھا جن پر کوئی دلیل نہ تھی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ابن اللہ ہونا یا جناب عیسیٰ کا نبی نہ ہونا۔ اب اسلام کے ان عقیدوں کا ذکر ہے۔ جن پر صدہا دلائل قائم ہیں۔ یعنی حضور کا برہان ہونا اور قرآن کریم کا نور ہونا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں اہل کتاب کے غلط عقیدوں کی تردید کی گئی۔ تاکہ وہ ان سے بچیں۔ اب درست اسلامی عقیدوں کی تلقین فرمائی جا رہی ہے۔ تاکہ وہ انہیں اختیار کریں۔ گویا پرہیز کا ذکر پہلے ہوا۔ دوا کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں نیک کار مومنوں کے اجر و ثواب کا ذکر تھا اب یہ بتایا جا رہا ہے۔ کہ مومن کون ہے۔ گویا ایمان کے فوائد بتانے کے بعد ایمان کی حقیقت بتائی جا رہی ہے۔ یعنی حضور کی نبوت قرآن کی حقانیت کو ماننا۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیات کے آخر میں متکبرین کے برے انجام کا ذکر ہوا۔ اب اس ذات کریم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ جن تک پہنچنے سے انسان تکبر و غرور کی بیماریوں سے نجات پا جاتا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ شیطان ہمارے دلوں میں غرور و تکبر پیدا کرتا ہے۔ حضور کی نگاہ کرم سے دلوں میں عجز و انکسار پیدا ہوتا ہے گویا بیماری کے بعد علاج کا اور حکیم روحانی کا ذکر ہے۔

تفسیر یاایھا الناس ابھی کچھ پہلے عرض کیا گیا کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام جہان کے لئے ہے۔ اور جہان میں انسان اشرف ہے کہ احکام شرعیہ کا عموماً یہ ہی **مکلف** ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے موقعہ پر عام انسانوں کو پکارا جاتا ہے۔ نہ صرف مسلمانوں کو نہ صرف کافروں کو نہ صرف عربیوں کو نہ صرف عجمیوں کو۔ اس قاعدے سے یہاں ارشاد ہوا **یاایھا الناس** اے تمام لوگو! اس ناس میں تاقیامت سارے انسان داخل ہیں۔ **قد جاءکم برھان من ربکم** چونکہ کفار و مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برہان نبی رسول بن کر تشریف آوری کے منکر تھے اس لئے آیات میلاد کو قد یا لقد کی تاکید کے ساتھ بیان فرمایا۔ جیسے **لقد جاءکم رسول** وغیرہ اس

قاعدے سے یہاں قد ارشاد ہوا۔ چونکہ ہم لوگ دنیا میں اپنے کام کے لئے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے کام کے لئے تشریف لائے۔ نیز ہم سب کچھ بننے کے لئے دنیا میں آئے وہ سب کچھ بن کر دوسروں کو بنانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ اس لئے ہمارے لئے قرآن کریم میں خلق ارشاد ہوتا ہے۔ اور حضور انور کے لئے جاء یا بعث یا ارسل ارشاد ہوتا ہے۔ اس قاعدے سے یہاں جاء ارشاد ہوا۔ حضور کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی اور سکونت مدینہ منورہ میں رہی۔ مگر تشریف آوری جلوہ گری ہر گھر بلکہ ہر قلب و جگر سمع و بصر میں ہوئی۔ اس لئے یہاں جاءکم ارشاد ہوا۔ یعنی تم سب کے پاس تشریف لائے۔ جیسے سورج رہتا ہے آسمان پر چمکتا ہے ہر جگہ۔ لغت میں برہان کہتے ہیں مضبوط کرنے والی چیز کو سخت مضبوطی کو برہن کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں نہایت قوی دلیل کو برہان کہتے ہیں۔ جس سے دعویٰ کو پختہ و مضبوط کیا جاوے۔ جسے مخالف توڑ نہ سکے۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بلکہ خود ذات پاک مصطفیٰ کو برہان فرمایا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ توحید دعویٰ ذات و صفات کو ایسے ثابت فرمانے والے ہیں کہ سبحان اللہ۔ اللہ کی ذات و صفات کو جاننا ہو تو حضور کو دیکھ لو۔ برہان کی تنوین عظمت کی ہے۔ یعنی بڑی عظیم الشان دلیل من من ابتدائیہ ہے۔ اور من ربکم یا تو برہان کی صفت ہے یا جاء کے متعلق ہے۔ یعنی اے لوگو! تم سب کے پاس ایک بہت مضبوط و قوی دلیل تمہارے رب کی آئی یا ایسی دلیل آئی جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی رب تعالیٰ کا ایک تحفہ و انعام ہے جو مخلوق کو عطا ہوا۔ شعر:۔

☆ رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود ☆ حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام ☆

چونکہ حضور کو یہاں برہان فرمایا گیا۔ اور برہان عقل سے جانی جاتی ہے۔ عقل صرف انسانوں میں ہے۔ جنات یا فرشتوں یا دوسری مخلوق میں نہیں۔ اس لئے خطاب صرف انسانوں سے ہوا اور جہاں حضور کی رحمت کا ذکر ہے۔ وہاں عالمین فرمایا گیا۔ **وما ارسلنک الا رحمة للعلمین** نیز چونکہ حضور نوع انسان سے ہیں اس لئے یہاں انسانوں ہی کو خطاب ہوا۔ لہذا یہ آیت ان آیات کے خلاف نہیں جہاں عالمین فرمایا گیا۔ **ربکم** فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ حضور کی بعثت مخلوق کی روحانی پرورش ہے۔ اور ربوبیت الہیہ کا مظہر۔ چونکہ وہ رب ہے اور رب وہ جو اپنی مخلوق کو ہر طرح ظاہر و باطن پالے تو جیسے اس نے جسمانی پرورش کے لئے سورج کو چمکایا۔ جس سے نظام عالم وابستہ ہے۔ ویسے ہی اس نے روحانی پرورش کے لئے سورج کو چمکایا اس شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ کو چمکایا جس سے روحانی نظام قائم ہے۔ غرض کہ **من ربکم** میں بہت نکات ہیں۔ خیال رہے کہ **من ربکم** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ من کا صلہ ہو دوسرے یہ کہ من ابتدائیہ ہو۔ لہذا اس عبارت کے دو معنی ہوں گے۔ تمہارے رب کی دلیل آئی جس سے رب تعالیٰ کی ذات و صفات کا پتہ لگے۔ دلیل چونکہ رب تعالیٰ کی قائم فرمودہ ہے لہذا اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ جیسے سورج رب تعالیٰ کا نور ہے اسے کوئی بجھا نہیں سکتا۔ یا تمہارے رب کی طرف سے دلیل آئی جس سے چیزوں کا حلال و حرام ہونا اچھا برا ہونا انسانوں کا کافر و مومن ہونا جنتی

دوزخی ہونا معلوم ہوا۔ چنانچہ بکری کی حلت اور کتے گدھے کی حرمت زکوٰۃ کا اچھا ہونا سود کا حرام ہونا برا ہونا کفار سے جنگ کا عبادت ہونا۔ مسلمان سے لڑائی حرام ہونا۔ حضرت صدیق کا جنتی ہونا ابو جہل کا دوزخی ہونا طلوع و غروب کے وقت نماز کا درست نہ ہونا۔ غرض کہ تمام ایمانیات کی دلیل حضور اور صرف حضور ہیں عقل کو ان میں دخل نہیں۔ بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی بھی دلیل ہیں۔ اور اللہ کی طرف سے قائم کردہ دلیل بھی۔ **وانزلنا الیکم نورا مبینا** یہ عبارت **قد جاءکم** پر معطوف ہے۔ اور واؤ عاطفہ ہے۔ اگر عطف تفسیری ہے تو نور سے مراد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **قد جاءکم من اللہ نور وکتب مبین** اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے پاس وہ تشریف لائے جو تمہاری عقلوں کے لئے تو برہان ہیں۔ اور تمہاری آنکھوں کے لئے نور ہیں۔ ان کی نبوت کو عقل سے پہچانو۔ آنکھوں سے دیکھو ان میں دونوں صفتیں ہیں لہٰذا عقل انسان انہیں عقل سے پہچانیں۔ کیونکہ وہ برہان ہیں۔ اور بے عقل مخلوق اور سیدھے سادے انسان انہیں آنکھوں سے دیکھیں کیونکہ وہ نور ہیں اور اگر عطف تفسیری نہ ہو تو نور سے مراد قرآن کریم ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے آئے اور قرآن مجید بعد میں نیز کلمہ پہلے پڑھا جاتا ہے۔ پھر قرآن مجید اس لئے حضور کی آمد پہلے بیان ہوئی اور قرآن کی آمد بعد میں مذکور ہوئی۔ چونکہ نور ہلکا بھی ہوتا ہے۔ تیز بھی ہلکا نور خود نظر آتا ہے۔ کسی کو چمکاتا نہیں اور تیز نور خود بھی نظر آتا ہے دوسری چیزوں کو بھی چمکاتا ہے۔ یہاں مبین فرما کر بتایا کہ وہ نور ہلکا نہیں بلکہ بہت تیز ہے۔ اور حضور تو نور بھی ہیں اور نور گر بھی حضور نے صحابہ کرام کو تابعین اور اولیاء اللہ کو نور بنا دیا۔ اس لئے انہیں قرآن مجید نے سراج منیر فرمایا۔ یعنی نور گر سورج' غرض کہ نور کے تین درجے ہیں۔ صرف نور' نور مبین' نور منیر جیسے تارے نور ہیں کہ خود چمکتے ہیں۔ مگر زمین کا اندھیرا دور نہیں کر سکتے۔ اور چاند کہ یہ نور مبین ہے' خود چمکتا ہے اور زمین پر چاندنا کر دیتا ہے۔ یہ ہے نور مبین........ اور سورج کہ خود چمکتا ہے۔ زمین پر دھوپ بھی ڈالتا ہے اور چاند تاروں کو منور بھی کر دیتا ہے۔ لہٰذا وہ نور بھی ہے۔ نور مبین بھی اور نور منیر بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں۔ نور مبین بھی نور منیر بھی۔ اس لئے قرآن کریم نے انہیں کہیں نور کہا۔ کہیں نور مبین کہیں نور منیر سراج منیر فرمایا۔ **فاما الذین امنوا باللہ واعتصموا بہ** اس جملہ میں اس برہان اور نور مبین کی تشریف آوری کا مقصد بیان فرمایا کہ وہ دنیا میں یوں تشریف لائے **الذین** سے مراد صرف انسان ہیں۔ جن و فرشتے اور دوسری مخلوق نہیں کیونکہ ایمان کی جو جزا یہاں بیان ہو رہی ہے۔ وہ صرف انسانوں کے لئے ہے۔ یہاں ایمان باللہ سے مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو ماننا کیونکہ نبوت ماننے کا ذکر تو **واعتصموا بہ** میں ہے اعتصام کے معنی ہیں مضبوط تھامنا کہ چھوٹ نہ جائے بہ کا مرجع وہی برہان۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کا ذکر ابھی ہوا اعتصام فرما کر اشارۃً فرمایا گیا۔ کہ حضور کی ذات والا صفات اس مضبوط رسی کی طرح ہے جس کا ایک کنارا مالک کے ہاتھ میں ہو دوسرا کنارہ ڈول وغیرہ میں ہو جس کے ذریعہ نیچے والا ڈول اوپر آوے۔ صرف یہ رسی ہی نیچوں کو اوپر پہنچانے کا ذریعہ ہو۔ یعنی جو انسان دو کام کرے ایک تو

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو مانے۔ دوسرے دامن مصطفوی کو مضبوط تھامے تو ہم اسے تین نعمتیں بخشیں گے: ایک یہ کہ **فسید خلهم فی رحمة منه** رحمت سے مراد یا تو دنیا میں توفیق خیر دینا ہے یا مرتے وقت خاتمہ ایمان پر عطا فرمانا یا بعد موت برزخ کی راحتیں یا بعد قیامت جنت کی نعمتیں غرض کہ یہ کلمہ بہت وسیع ہے اور ہو سکتا ہے۔ کہ یہ چاروں چیزیں ہی مراد ہوں۔ چونکہ یہ رحمتیں ایمان اور اعتصام سے نصیب ہوئیں لہذا انہیں بطور جزا بیان فرمایا۔ **و فضل** یہ دوسرے انعام کا ذکر ہے۔ فضل سے مراد جنت کی وہ نعمتیں ہیں جو ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں۔ محض عطا رب ذوالجلال ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا دیدار اور دوسری بہت سی وہ نعمتیں جو ہمارے خیال و گمان و وہم سے وراء ہیں۔ **ویهدیهم الیه صراطا مستقیما** یہ تیسرے انعام کا ذکر ہے۔ ہدایت کے معنی اور اس کی قسمیں اور قسموں کی علامات ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر **اهدنا الصراط المستقیم** میں بیان کر چکے۔ نیز صراط مستقیم کے معنی بھی وہاں ہی بیان ہوئے۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ رحمت و فضل سے مراد جسمانی نعمتیں ہیں اور ہدایت سے مراد روحانی نعمت ہے۔ چونکہ نعمت روحانی اعلیٰ و افضل ہے نعمت جسمانی سے اس لئے اس کا ذکر آخر میں ہوا۔ اعلیٰ کی ترقی کرتے ہوئے الیہ میں ہ ضمیر کا مرجع ذات رب العالمین ہے۔ یعنی ہم ایسے مضبوط مومن کو ایسے راستے کی ہدایت دیں گے جو اسے ہماری ذات تک پہنچائے۔ یہ ہدایت بشری ارواح میں کبریائی تجلی فرمانے سے نصیب ہو سکتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ دونوں جہاں کی سعادتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے مومنوں کو ہم رحمت، فضل، ہدایت خاص جو ہم تک پہنچادے سب کچھ دیں گے۔

خلاصہ تفسیر بعض چیزیں حواس سے جانی جاتی ہیں یعنی دیکھ کر، سن کر، سونگھ کر، ٹٹول کر، چکھ کر، جو چیز حواس سے معلوم نہ ہو سکے۔ اسے عقل سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ عقل دلیل کے ذریعہ جانتی مانتی پہچانتی ہے۔ ہر انسان پر فرض ہے کہ رب کو جانے پہچانے مانے مگر اس کی ذات حواس سے وراء ہے تو اسے عقل سے ماننا پڑتا ہے۔ عقل دلیل چاہتی ہے۔ سارا عالم رب کی دلیل ہے۔ مگر یہ دلیل کمزور ناقص ہے۔ کہ اس عالم کو دیکھ کر بعض عاقل مشرک ہو گئے۔ بعض عاقل دہریئے بن گئے۔ امام رازی کے چار سو دلائل شیطان نے توڑ دیئے۔ اسی لئے مخلوق کو ایسی برہان کی ضرورت تھی جس سے عقل بھٹک نہ سکے اور اسے کوئی عاقل توڑ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرماتے ہوئے اپنی برہان دنیا میں بھیجی اس برہان الٰہی کا نام ہے محمد رسول اللہ جس کسی نے حضور کی معرفت رب کو مانا وہ نہ مشرک ہوا نہ دہریہ اس لئے ارشاد ہوا۔ اے تمام جہان کے اولین و آخرین انسانو تم سب کے پاس یعنی تمہارے دلوں میں سینوں میں جانوں میں ایمانوں میں وہ تشریف لائے جو سراپا قوی دلیل ہیں جن سے ہر دعویٰ ایمانی و روحانی ثابت کیا جاتا ہے۔ اور وہ تمہارے رب کے پاس سے اس کا انعام بن کر تشریف لائے۔ اور ہم نے ان کی معرفت تمہاری طرف ایک ظاہر ظہور قوی نور بھیجا۔ ہماری یہ دو نعمتیں بہت اعلیٰ ہیں تو اب جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان لاویں اور اس برہان محمد رسول اللہ کا دامن مضبوطی سے تھامیں تو اللہ تعالیٰ ان کو تین انعام دے گا نمبر ا۔ انہیں دنیا میں مرتے وقت قبر میں اور آخرت میں اپنی رحمت خاصہ میں داخل فرمائے گا۔ نمبر

۲۔ انہیں اپنے فضل و کرم میں داخل کرے گا۔ جس فضل کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ نمبر ۳۔ انہیں اپنے تک پہنچانے والے راستہ کی ہدایت دے گا جس کے ذریعے وہ رب تعالیٰ تک پہنچیں گے خیال رہے کہ رحمت عامہ بھی ہوتی ہے۔ اور خاصہ بھی۔ یوں ہی رحمت کسبی بھی ہوتی ہے۔ جس میں بندے کے عمل کو دخل ہو اور عطائی بھی جس میں بندے کے عمل کو قطعاً دخل نہ ہو۔ دیکھو دھوپ، ہوا، پانی نعمت عامہ عطائی ہیں اور سلطنت، دولت وغیرہ نعمت خاصہ کسبی ہیں۔ یہاں رحمت سے مراد رحمت خاصہ عطائی ہے۔ اس لئے رحمة منه فرمایا یعنی وہ رحمت جو خاص رب کی طرف سے ہے۔ اس میں تمہارے کسب کو دخل نہیں۔

حضور برہان ہیں

حضرات انبیائے کرام کے معجزات اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی دلیل ہیں۔ جن سے رب تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا برہان ہیں کہ تمام دینی و ایمانی مسئلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حل ہوتے ہیں تمام دعوے حضور سے ثابت ہوتے ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا معجزہ ہیں۔ شعر:۔

☆ دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے ☆ ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا ☆

گزشتہ انبیاء کرام میں کسی کے ہاتھ معجزہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضاء کسی کی آواز معجزہ جیسے داؤد علیہ السلام کسی کا چہرہ اور حسن معجزہ جیسے یوسف علیہ السلام۔ کسی کی سانس معجزہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عضو معجزہ ہر حال ہر وصف معجزہ نہیں بلکہ معجزات کا مجموعہ ہے۔ دیکھو حضور کا بال شریف حضرت خالد کی ٹوپی میں رہا تو انہیں ہر جہاد میں فتح نصیب ہوئی۔ شاہ ہرقل کی ٹوپی میں پہنچا۔ تو اسے درد سر سے شفا نصیب ہوئی۔ بیماروں نے بال شریف دھو کر پیا تو ہر قسم کے مرض سے شفا ملی۔ حضرات صحابہ کرام بال شریف اپنے کفن میں لے گئے تاکہ قبر کی مشکلات حل ہوں۔ حضرت علمہ کے گھریال پہنچا تو تمام رات انہوں نے فرشتوں کی تسبیح و تہلیل سنی (مواہب، مدارج النبوۃ)

حضور کی آنکھ شریف معجزہ جو آنکھ اندھیرے اجالے میں آگے پیچھے ہر طرف کو دیکھے۔ اسی آنکھ نے تاقیامت تمام واقعات دیکھے اسی آنکھ نے نماز کسوف میں جنت کو ملاحظہ فرمایا۔

ناک شریف کا معجزہ جس نے مدینہ منورہ سے حضرت اویس قرنی کے ایمان کی خوشبو یمن سے پائی۔ (روح البیان)

زبان شریف معجزہ جس کی ہر بات وحی خدا۔ اس زبان سے جو نکلے وہ ہی ہو جاوے۔ گویا زبان کن کی کنجی ہے۔ بس زبان کا ہر حرف شریعت کا قانون ہے۔

لعاب شریف معجزہ یہ لعاب جو حضرت جابر کے گھر دعوت کے موقعہ پر ہانڈی اور آٹے میں پڑ گیا تو اس میں ایسی برکت ہوئی کہ تھوڑا سالن و روٹی سینکڑوں مہمانوں نے کھائی۔ سب سیر ہوئے مگر وہ ویسے ہی باقی رہا۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب سے ہانڈی کی بوٹیوں۔ شوربے کے چشمے جاری ہوئے۔ شوربے میں پانی، نمک، مرچ، گھی، مصالحہ سب کچھ ہی ہوتا ہے۔ سب کے چشمے جاری ہو گئے۔ یہ ہی لعاب حضرت علی کی آنکھ میں لگا تو دکھتی آنکھ کو شفا ہو گئی۔ یہ ہی لعاب جب حضرت عبداللہ ابن عتیق کے پاؤں کی ٹوٹی ہڈی کو لگا تو ہڈی جوڑ دی۔ یہی لعاب معوذ ابن عفرا کے کندھے کے کٹے ہوئے ہاتھ کو لگا تو اسے جوڑ دیا۔ یہ ہی لعاب جب غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق کے پاؤں کے انگوٹھے کو لگا تو سانپ کا زہر ختم فرمادیا۔ یہ ہی لعاب کھاری کنویں میں پڑا تو اسے میٹھا کر دیا۔ یہ ہی لعاب خشک کنویں میں پڑا تو اس میں پانی ہی پانی ہو گیا۔

ہاتھ شریف معجزہ کہ اس ہاتھ نے بدر کے دن مٹھی بھر کنکر کفار پر پھینک دیئے تو سب کی آنکھوں میں کنکر پہنچ گئے۔ رب نے اس ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا کہ فرمایا **يد الله فوق ايديهم** اسی ہاتھ میں کنکروں نے کلمہ پڑھا۔ اسی ہاتھ پر صحابہ نے بیعت کی تو رب سے بیعت ہو گئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک دعوت کے موقعہ پر دستر خوان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پونچھ لئے تو وہ کپڑے کا دستر خوان پھٹتے پھٹ گیا مگر کبھی آگ میں نہ جلا۔ جب میلا ہو جاتا تو اسے جلتے تنور میں ڈال دیتے تھے۔ وہ صاف ہو جاتا تھا۔ مگر جلتا نہ تھا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:

☆ گفت روزے مصطفیٰ دست و دہاں ☆ بس مالید اندریں دستار خواں ☆

انگلیاں شریف معجزہ ایک پیالہ پانی میں یہ انگلیاں رکھ دی گئیں تو ہر انگلی سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ انگلی شریف کے اشارہ سے چودھویں رات کا چاند چر گیا انگلی شریف کے اشارہ سے ہی ڈوبا ہوا سورج واپس ہوا۔ شعر:

☆ اشارہ سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا ☆ گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے ☆

پاؤں شریف معجزہ جو فرش پر چلے عرش پر چڑھے ان ہی پاؤں شریف کا اثر پتھر لے لے بیماروں کو ٹھوکر لگ جاوے تو شفا ہو جاوے۔

پسینہ شریف معجزہ جس میں گلاب سے اعلیٰ خوشبو غرضیکہ پسینہ مبارک دل شریف، دماغ شریف حتیٰ کہ نام مبارک سب کے سب معجزہ ہیں۔ ان کی تفصیل ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کرو۔

لباس شریف معجزہ کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند شریف اوڑھ

لیاتو ان کی آنکھوں سے غیب کے پردے اٹھ گئے کہ آپ نے غیبی بارش دیکھ لی جو ایک انصاری کی رفات پر نازل ہوئی جیسا کہ مثنوی شریف میں ہے۔ شعر:۔

☆ گفت بہر آن نمود اے پاک جیب ☆ چشم پاکت را خدا باران غیب ☆

بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بیٹھ جاویں وہ جگہ وہ ہوا معجزہ چنانچہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف میں وضو فرمارہے ہیں موزہ شریف اتار کر رکھ دیا ہے ایک عقاب اڑا کر لے گیا اور اسے الٹ کر پھینکا جس میں سے سانپ نکلا جو مار دیا گیا۔ حضور انور نے اس سے پوچھا کہ تو نے کو نچی ہوا سے موزے کا سانپ کو نکر دیکھا وہ بولا شعر:۔

☆ ماردر موزہ بہ بیم از ہوا ☆ نیست از من عکس تست اے مصطفیٰ ☆

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی دلیل ہیں۔ توحید دعویٰ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دلیل۔ مدعی اپنی دلیل کو ہر طرح مضبوط کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح قوت بخشی۔ دلیل کی تائید سے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ دلیل پر اعتراض دعویٰ پر چوٹ ہے۔ یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید توحید کی تائید ہے۔ حضور پر اعتراض توحید پر اعتراض۔ مقدمہ میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کا زور دلیل اور گواہ پر ہوتا ہے۔ مدعی قوت دیتا ہے مدعا علیہ دلیل کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت قرآن مجید کی معرفت پر مقدم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے مانتے ہیں قرآن کریم کو بعد میں یہ فائدہ ترتیب بیان سے حاصل ہوا۔ کہ برہان کی آمد کا ذکر پہلے ہوا۔ قرآن کریم کے نزول کا ذکر بعد میں ہوا دیکھو لوکلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں اور مسلمان بن کر قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ تیسرا فائدہ نجات کا مدار ایمان اور اعتصام پر ہے یعنی تمام ایمانیات کو مانو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن مضبوطی سے تھامو۔ یہ فائدہ **واعتصموا بہ** سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہدایت ہے۔ کہ اسے رب تعالیٰ نے آخر میں فرمایا۔

پہلا اعتراض جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان کے نبی ہیں تو آیت کریمہ میں صرف انسانوں سے کیوں خطاب فرمایا گیا کہ **یایھا الناس** چاہیے تھا کہ عالمین کو خطاب ہوتا۔ جواب چند وجہ سے ایک یہ کہ عالمین میں اشرف المخلوق انسان ہے۔ باقی چیزیں اس کی وجہ سے ہیں۔ اشرف کو خطاب فرمایا باقی ماتحت خودہی اس خطاب میں آگئے۔ جیسے رب تعالیٰ نے سجدہ آدم کے حکم میں فرشتوں کو خطاب فرمایا **واذ قال ربک للملئکۃ** تو ابلیس خودہی اس خطاب میں آگیا تھا۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت 'نبوت' نذارت 'تمام جہانوں کے لئے ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری آپ کی تجلی آپ کا عشق صرف انسانوں کو ملا۔ اس لئے **جاءکم** کا خطاب انسانوں سے ہی مناسب تھا۔ جس کے دل و سینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی وہ انسان ہی ہے۔ تیسرے یہ کہ

شریعت کے اکثر و بیشتر احکام صرف انسانوں پر ہی جاری ہیں۔ نبوت کا زیادہ فیض انسان نے ہی لیا۔ چوتھے یہ کہ اس آیت کریمہ میں ان ثوابوں کا ذکر ہے۔ وہ صرف انسان ہی کے لئے ہیں **فسید خلہم فی رحمتہ** الخ **دوسرا اعتراض** یہاں برہان سے بھی مراد قرآن شریف ہے۔ اور نور مبین سے بھی مراد قرآن مجید ہے۔ اور یہ عطف تفسیری ہے لہذا یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف اور آپ کی نعت شریف کی نہیں (وہابی) **جواب** بعض لوگوں نے اس آیت کے یہ معنی بھی ہیں۔ مگر یہ تفسیر بہت ہی کمزور و ضعیف ہے۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ یہ تفسیر اکثر مفسرین کے خلاف ہے۔ جمہور مفسرین کا یہ ہی قول ہے۔ کہ برہان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں اکثر و بیشتر لفظ **جاءکم** اور بعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریف آوری کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور **انزل** و **نزل** قرآن کریم کے لئے چنانچہ فرمایا گیا۔ **لقد جاءکم رسول** وغیرہ ان آیات کی روشنی میں یہاں بھی **جاءکم** کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہونا چاہیے۔ وہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں۔ تیسرے یہ کہ عطف کو تفسیری ماننا اور دونوں جگہ قرآن کریم مراد لینا بلا ضرورت درست نہیں۔ تجدید سے تاسیس بہتر ہے۔ یعنی دوسرے جملہ کے نئے معنی مراد ہونا۔ اس سے بہتر ہے کہ اس سے وہ ہی پہلے معنی مراد ہوں۔ چوتھے یہ کہ قرآن کریم ہمارے پاس آیا نہیں لایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری بذات خود ہے۔ اور قرآن کریم کی آمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے تابع ہے۔ تو جاء سے ذاتی آمد مراد لینا افضل ہے۔ پانچویں یہ کہ خلق نے حضور سے قرآن کو جانا ہے نہ کہ قرآن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت معجزات وغیرہ سے مان لی۔ تب یہ مانا کہ قرآن کریم ربانی کتاب ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ یہ نہ ہوا کہ ہم نے پہلے قرآن کو مان لیا۔ پھر قرآن کے بتانے سے حضور کو مانا۔ لہذا یہاں پہلے **جاءکم** برہان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر ہوا۔ پھر بعد میں **انزلنا الیکم** میں قرآن کے نزول کا یہ ہی مناسب ہے۔ وہابیوں کی تو عادت ہے کہ آیات نعت میں بلاوجہ توجیہیں تاویلیں تحریفیں کرتے ہیں۔ شعر

☆ ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے ☆ پھر کہے مروک کہ ہوں امت رسول اللہ کی ☆

تیسرا اعتراض یہاں قرآن کریم کے متعلق ارشاد ہوا کہ **وانزلنا الیکم** تم سب کی طرف قرآن اتارا۔ مگر دوسری جگہ **نزلنا علیک** بھی آیا ہے یعنی اے محبوب آپ پر قرآن اترا۔ دونوں میں سے کونسی بات درست ہے۔ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا ہے یا ہماری طرف **جواب** قرآن کریم کا نزول بلاواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہم پر۔ کیونکہ نزول قرآن کا مقصد ہماری ہدایت ہے۔ ان آیات میں بلاواسطہ نزول مراد ہے۔ اور اس آیت کریمہ میں بالواسطہ نزول مراد ہے۔ لہذا دونوں آیات درست ہیں۔ اس اعتراض کے اور بہت جوابات ہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت میں فرمایا گیا۔ کہ جو اللہ پر ایمان لائیں اس کی رسی مضبوط تھامیں انہیں

رب تعالیٰ ہدایت دے گا سیدھے راہ کی جب وہ ایمان پہلے ہی لا چکے۔ اعتصام پہلے ہی کر چکے۔ پھر انہیں ہدایت دینے کے کیا معنی ہدایت تو انہیں پہلے ہی مل چکی ہے۔ جواب اس کا جواب سورہ فاتحہ کی تفسیر **اھدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں گزر چکا۔ کہ ہدایت بہت قسم کی ہے۔ بعض ہدایتیں وہ ہیں جو ایمان لانے تقویٰ اختیار کرنے کے بعد میسر ہوتی ہیں۔ یہاں وہ ہی آخری ہدایت مراد ہے۔ اسی لئے **الیہ** فرمایا گیا۔ یعنی انہیں ایسے راستہ کی ہدایت فرمائے گا۔ جو خود ذات باری تعالیٰ تک پہنچا دے جنت تک پہنچانے والے راستہ کی ہدایت تو انہیں پہلے ہی ہو چکی تھی جس سے وہ ایمان لائے۔ یہ ہدایت دوسری ہے۔ یہ ہی جواب رحمت و فضل میں داخل فرمانے کا ہے۔ کہ ایک رحمت و فضل انہیں وہ ملا جو ایمان لانے کا ذریعہ بنا اور ایک رحمت و فضل وہ ہے جو انہیں ایمان لانے اعتصام کرنے کے بعد ملا۔

تفسیر صوفیانہ کسی کی جان پہچان یا دیکھ کر ہوتی ہے۔ یا سن کر یا دلائل سے معلوم کرکے۔ دیکھی سنی چیز کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں ان دیکھی اور سنی چیز کی جان پہچان کے لئے دلائل چاہئیں۔ بندے کا کمال ہے معرفت الٰہی اور ذات الٰہی ہمارے آنکھ کان بلکہ خیال و ذہن سے وراء ہے۔

☆ اے برتر از خیال و قیاس و گمان وہم ☆ .از ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

☆ دفتر تمام گشت بہ پایاں رسید عمر ☆ ماہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم ☆

☆

عجیب لطف ہے کہ ایمان کے لئے رب تعالیٰ کی معرفت ضروری مگر ہماری عقل سے وراء۔ دیکھو مت مگر جانو۔ پہچانو۔ مانو۔ شعر۔

☆ اندرون قعر دریا تختہ بندم کردہ ☆ باز می گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش ☆

اس لئے مخلوق کو ضرورت تھی کسی ایسے واسطہ کی۔ جس کی پہچان رب کی پہچان ہو جس سے نسبت رب تعالیٰ کی نسبت ہو اور جو ذات و صفات رحمان کی قوی برہان ہو اس برہان رحمان کا نام حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ان کو پہچان لو۔ رب تعالیٰ کو جان لو گے مان لو گے۔

لطیفہ کسی فلسفی نے ڈاکٹر اقبال سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ ہے۔ فرمایا کہ ہے۔ بولا ایک ہے یا چند فرمایا ایک۔ وہ بولا دلیل۔ آپ نے فرمایا محمدؐ رسول اللہ کی زبان فیض ترجمان۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور ایک ہے۔ وہ بولا میں عقلی دلیل چاہتا ہوں۔ فرمایا جب دیکھنے والا دیکھ کر خبر دے دے تو عقلی دلیل کی ضرورت نہیں اور فرمایا جب دھوپ دیکھ لی۔ سورج کا یقین ہو گیا۔ اب سورج کے طلوع پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ دھوپ خود اس کی دلیل ہے۔ دھوپ سورج کی برہان ہے۔

یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے انسانوں تمہارے پاس وہ ذات کریم تشریف لائے جو معرفت الٰہی کی جیتی جاگتی بولتی ہوئی برہان و دلیل ہے پھر وہ خالی نہ آئے بلکہ اپنے ساتھ وہ نور لائے جو خود بھی ظاہر ہے۔ دوسروں کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ یعنی قرآن مجید جو خود نور ہے۔ جن پر نازل ہوا وہ برہان ہیں۔ اب خدا رسی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے۔ اللہ پر ایمان اور محمد رسول اللہ کے دامن کا اعتصام (مضبوط تھامنا) جس نے یہ دونوں کام کر لئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت رحمت و فضل کے دریا میں غوطے لگائے گا۔ اور اسے رب تعالیٰ اپنی ذات تک پہنچنے کے راستہ کی ہدایت دے گا۔ یا تو ایمان باللہ سے مراد ہے توحید اور اعتصام سے مراد نبوت۔ توحید و نبوت ایمان کے دو رکن ہیں جیسے پرندے کے لئے دو پر۔ اس لئے دونوں ارشاد ہوئے۔ یا ایمان باللہ سے مراد ہیں سارے ایمانیات اور اعتصام سے مراد ہے ایمان پر استقامت۔ بہ میں ہ کا مرجع یا اللہ تعالیٰ ہے یا ایمان یا قرآن یا برہان یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ رحمت و فضل و ہدایت ان میں کئی احتمال ہیں۔ رحمت سے مراد دنیاوی نعمتیں فضل سے مراد برزخی نعمتیں ہدایت سے مراد اخروی نعمتیں یا رحمت سے مراد جسمانی نعمتیں فضل سے مراد قلبی و جنانی نعمتیں اور ہدایت سے مراد روحانی نعمتیں۔ مگر عشاق کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت، فضل، ہدایت سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ دنیا میں حضور رحمت ہیں۔ برزخ میں فضل اور آخرت میں ہدایت۔ جیسے سورج ایک ہے۔ مگر صبح کے وقت اس کے نام کام حالات اور ہیں دوپہر کو کچھ اور شام کو کچھ اور یہ ہی حال چاند کا ہے۔ کہ شروع ماہ میں اس کے نام و کام حالات اور ہیں چودھویں شب کچھ اور آخر ماہ میں کچھ اور خیال رہے کہ عالم کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی نشانی تو ہے۔ مگر برہان نہیں۔ اللہ کی برہان صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے لوگ دنیا کی چیزیں دیکھ کر مشرک بھی ہو جاتے ہیں کہ انہیں کو خالق مان بیٹھتے ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہر شخص مومن ہی بنے گا۔ **انک لتھدی الی صراط مستقیم** خود قرآن بھی صرف ہادی نہیں۔ فرماتا ہے۔ **یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا** مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ہادی ہیں۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بعض وہ ہیں جو از آدم تا حضرت عیسیٰ علیہم السلام تمام امتوں میں دیکھے گئے۔ جیسے حضور کے توسل سے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت سے جناب خلیل پر آگ کا گلزار ہونا نوح علیہ السلام کی کشتی پار لگنا۔ بعض وہ ہیں۔ جو ولادت اور پرورش کے وقت دیکھے گئے۔ بعض وہ ہیں جو حضرات صحابہ نے وفات شریف تک دیکھے۔ بعض وہ ہیں جو قیامت تک دیکھے جائیں گے۔ جیسے قرآن مجید یا اولیاء اسلام کی کرامات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کثیر یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اسلامی فتوحات وغیرہ۔ اس لئے سارے انسانوں سے فرمایا گیا۔ کہ تم سب کے پاس برہان الٰہی آئی۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ

فتویٰ پوچھتے ہیں لوگ آپ سے فرما دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے متعلق فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی مرد ہلاک ہو جائے کہ نہ

اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد

وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ

ہو واسطے اس کے اولاد اور اس کی بہن ہو تو واسطے اس کی بہن کے آدھا ہے اسکا جو چھوڑا اور وہ اس بہن کا وارث ہوگا اگر

ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کے

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا

نہ ہو اسکی اولاد پس اگر ہوں وہ دو تو واسطے ان کے دو تہائی ہے اس میں سے جو چھوڑے اور اگر ہوں وہ بھائی بہن مرد اور عورتیں

اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ترکہ میں ان کا دو تہائی اور اگر بھائی بہن ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی

وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ

تو واسطے مرد کے برابر ہے حصے دو عورتوں کے بیان فرماتا ہے واسطے تمہارے اللہ تاکہ نہ بہکو تم

تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر اللہ تمہارے لئے صاف بیان فرماتا ہے کہ

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اور اللہ ہے ہر چیز کا جاننے والا

کہیں بہک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل و ہدایت کو دو چیزوں سے وابستہ فرمایا گیا تھا۔ ایک تو اللہ پر ایمان دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتصام۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ وابستگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی چاہیے اور بعد موت بھی تاکہ معلوم ہو کہ مومن اسلامی قوانین میں زندگی میں اور بعد موت جکڑا ہوا ہے۔ دوسرے دنیاوی قوانین کی طرح صرف زندگی کے لئے نہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مکمل ذکر ہوا۔ جو بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں جن کے بعد نبوت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر بنی اسمٰعیل میں آگئی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے۔ جو بنی اسمٰعیل سے ہیں۔ اور بنی اسمٰعیل بھائی ہیں بنی اسرائیل کے۔ کیونکہ حضرت اسحٰق و اسمٰعیل علیہم السلام بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا اب کلالہ مورث کا ذکر ہوا۔ جو لاولد فوت ہو جاوے اور اس کا مال اس کے بھائیوں کی طرف بطور میراث منتقل ہو جاوے۔ غرض کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مسئلہ کلالہ کا بیان فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں ان یہود کا ذکر ہوا تھا جو

اپنے آپ کو اولاد انبیاء ہونے کی وجہ سے جنت کا ٹھیکیدار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم خواہ کیسے ہی عقیدے رکھیں۔ اور کیسے ہی عمل کریں۔ جنتی ہیں کیونکہ ہمارے باپ دادا نبی تھے۔ ہم ان کی اولاد ہیں۔ اب ان کی تردید کے لئے مسئلہ کلالہ بیان ہوا جس میں بتایا گیا کہ جیسے لاولد کا مال بھائی بہنوں میں پہنچ جاتا ہے ایسے ہی نالائق لوگوں کے باپ داوؤں کے کمالات دوسروں کو ملتے ہیں۔ جو ان کمالات کے مستحق ہوں تم لوگوں نے کفرو شرک کر کے اپنے باپ داواؤں سے نسبت توڑ دی۔ تم ان کی اولاد حقیقتاً رہے ہی نہیں۔ لہٰذا اب تمہارے باپ داوؤں کے کمالات مسلمانوں کو ملیں گے۔ وہ ان کے وارث حال وارث کمال بنیں گے۔

شان نزول مسلم و بخاری میں ہے کہ حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ میں سخت بیمار ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میری بیمار پرسی کو تشریف لائے۔ پیدل آئے۔ میں بیہوش تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ وضو کے پانی کا چھینٹا مجھ پر مارا۔ مجھے ہوش آگیا۔ دیکھا تو سرکار میرے سرہانے ہیں۔ شعر:۔

☆ سرہانے انہیں رحمت کی ادا لائی ہے ☆ حال بگڑا ہے تو بیمار کی بن آئی ہے ☆

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں کلالہ ہوں (لاولد۔ لاوالد) میرا مال کیسے تقسیم ہو گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نو بہنیں تھیں۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ کی سات بہنیں تھیں۔ یہ آیت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل تو ہوئی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر تم اس مرض سے وفات نہیں پاؤ گے۔ (تفسیر خازن، روح البیان) وغیرہ نمبر ۲ طبری نے حضرت قتادہ سے روایت کی۔ حضرات صحابہ کرام کو کلالہ کے مسئلہ میں اشکال پیش آیا۔ کہ جس میت کی نہ اولاد ہو نہ ماں باپ اس کی میراث کیونکر تقسیم ہو۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن) مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، ہو سکتا کہ اول سے حضرات صحابہ کرام کو یہ اشکال پیش آرہا ہو کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ پیش آگیا ہو۔

تفسیر یستفتونک یہ کلمہ بنا ہے استفتاء سے جس کا مادہ ہے۔ فتویٰ فتویٰ کے معنی لغوی اور اصطلاحی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اصطلاح میں حکم شرعی کو فتویٰ کہا جاتا ہے۔ استفتاء کے معنی ہیں شرعی مسئلہ پوچھنا۔ اگر مسئلہ پوچھنے والے بظاہر صرف حضرت جابر تھے مگر چونکہ اس کی ضرورت تمام صحابہ کرام بلکہ عام مسلمانوں کو تھی اس لئے صیغہ جمع ارشاد ہوا۔ گویا مقالاً سائل ایک صاحب تھے اور حالاً سائل بہت حضرات۔ یہاں فتویٰ سے مراد کلالہ کا مسئلہ ہے جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔ **قل اللہ یفتیکم فی الکللۃ**۔ سبحان اللہ سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے کیونکہ حضور سے سوال گیا اللہ تعالیٰ سے سوال ہے **اللہ یفتیکم** میں اشارہ فرمایا گیا چونکہ مسئلہ میراث بہت اہم

ہے۔ اس لئے براہ راست اللہ تعالیٰ اس کا حکم دے رہا ہے۔ کلالہ کے معنی اس کی تحقیق شروع سورہ نساء **وان کان رجل یورث کللة** الخ کی تفسیر میں عرض کی جا چکی ہے۔ کہ کلالہ بنا ہے کلال سے۔ بمعنی کمزوری یا قوت کی کمی پھر ولادت کے رشتہ کے علاوہ دوسری قرابتوں کو کلالہ کہا جانے لگا۔ کہ وہ قرابتیں بمقابلہ ولادت کی قرابت کے کمزور ہوتی ہیں۔ اصطلاح میں کلالہ ایک وارث کو بھی کہتے ہیں اور ایک مورث کو بھی۔ اولاد و ماں باپ کے سوا دوسرے وارث کلالہ ہیں۔ یعنی کمزور قرابت دار اور جو شخص مرے اور اپنے ماں باپ اولاد نہ چھوڑے وہ کلالہ ہے۔ یعنی لاولد (تفسیر خازن) **ان امرؤ هلك ليس له ولد** یہ جملہ پہلے جملہ کی تفصیل و تفسیر ہے۔ ان شرطیہ ہے **امرؤ** کے معنی ہیں مرد اس کا مونث **امراة** ہے۔ بمعنی عورت۔ یہاں مرد سے مراد مسلمان مال والا مرد ہے۔ کیونکہ کفار پر اسلامی میراث جاری نہیں ہوتی۔ یونہی بالکل نادار میت پر احکام میراث نہیں کہ اس کے پاس مال ہی نہیں جو تقسیم ہو **هلك** فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ وہ کسی طرح مرے اپنی طبعی موت سے یا کسی حادثہ کا شکار ہو کر یہ بھی اشارۃً بتایا گیا۔ کہ اپنے آپ مرے اسے کوئی وارث، قرابت دار قتل نہ کرے۔ اگر کرے گا تو قاتل میراث سے محروم ہو گا۔ **ليس له** **هلك** کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی مرتے وقت اس کے اولاد نہ ہو۔ ولد مطلقاً اولاد کو کہتے ہیں۔ بیٹا ہو یا بیٹی۔ ابن بیٹے کو کہتے ہیں تفسیر مدارک نے یہاں ولد سے مراد لیا بیٹا کیونکہ بیٹا ہی میت کے بھائی بہن کو محروم کرتا ہے۔ بیٹی محروم نہیں کرتی۔ باقی مفسرین نے ولد کے معنی اولاد رکھا۔ بیٹا بیٹی کیونکہ بیٹی کے ہوتے ہوئے بھی بہن ذی فرض ہو کر آدھا مال نہیں لیتی۔ صرف عصبہ ہو جاتی ہے۔ اور یہاں ذکر ہے بہن کے ذی فرض ہو کر آدھا مال لینے کا فقیر کے نزدیک یہ تفسیر قوی ہے۔ خیال رہے کہ کلالہ کے ایک وصف کا ذکر تو اس آیت میں ہوا۔ یعنی اولاد نہ ہونا۔ دوسرے وصف کا ذکر حدیث شریف میں ہے یعنی ماں باپ بھی نہ ہونا۔ کلالہ کہتے ہی اسے ہیں۔ جس کے نہ اولاد ہو نہ ماں باپ یعنی اگر کوئی مسلمان مرد اس حال میں مرے کہ نہ اس کے اولاد ہو بیٹا بیٹی اور نہ ماں باپ۔ **وله اخت فلها نصف ما ترك** یہ جملہ گزشتہ جملہ **ليس له** پر معطوف ہے۔ ہ کا مرجع وہ فوت ہو جانے والا مرد ہے۔ اخت سے مراد یا تو سگی بہن ہے۔ یا سوتیلی بہن۔ یعنی باپ شریکی۔ کیونکہ ماں شریکی بہن کا ذکر تو شروع سورہ نساء میں ہو چکا **وان كان رجل يورث كللة او امراة وله اخ او اخت** اور وہاں ہی بتا دیا گیا۔ کہ ماں شریکی بہن اگر ایک ہو تو اسے چھٹا حصہ ملے گا۔ زیادہ ہوں تو تہائی۔ بہر حال یہاں سگی یا باپ شریکی یعنی سوتیلی بہن مراد ہے۔ اور اسے آدھا مال ملنا بطور ذی فرض ہے۔ یعنی ایسا آدمی جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ بیٹا بیٹی اور اس کے ایک بہن ہو سگی یا سوتیلی تو اسے متروکہ مال سے آدھا ملے گا یہ اس صورت کا بیان ہوا۔ جب بھائی لاولد مرے اور بہن چھوڑے۔ اب اس کے مقابل صورت کا ذکر ہے۔ **وهو يرثها ان لم يكن لها ولد** **هو** کا مرجع مرد یعنی بھائی ہے۔ اور **يرثها** میں ھا کا مرجع بہن فوت شدہ۔ یہاں بھی سگے یا سوتیلے باپ شریکے بہن بھائی مراد ہیں نہ کہ اخیافی (ماں شریکے) اور ولد سے مراد مطلقاً اولاد ہے لڑکا ہو یا لڑکی۔ اور باپ و ماں کی نفی حدیث شریف سے معلوم ہوئی۔ یعنی بھائی اپنی سوتیلی سگی بہن کا وارث

ہو گا۔ اگر اس کے اولاد اور ماں باپ نہ ہوں۔ چونکہ اس صورت میں بھائی ذی فرض نہیں ہوتا بلکہ عصبہ ہوتا ہے۔ کہ دوسرے ذی فرض وارثوں سے بچا ہوا مال لیتا ہے۔ اور اگر کوئی ذی فرض نہ ہو تو سارا مال اسے ملتا ہے۔ اس لئے یہاں **یرثھا** فرمایا نصف یا کم و بیش کا ذکر نہ فرمایا۔ نیز اگر میت بہن کے بیٹی بھی ہو تو بھائی کو سارا مال نہیں مل سکتا۔ اس لئے **ولد** فرمایا ابن نہ فرمایا۔ لہٰذا یہ جملہ بہت واضح ہے۔ یعنی اگر کلالہ بہن فوت ہو جاوے تو یہ سگا یا **سوتیلہ** بھائی اس کا وارث ہو گا۔ اس طرح کہ اگر کوئی ذی فرض وارث بھی ہو تو اس سے بچا ہوا مال اسے ملے گا۔ ورنہ پورا مال پائے گا۔ **فان کانتا اثنتین فلھما الثلثن مما ترک** یہ کلالہ کی میراث کی دوسری صورت ہے۔ یہ کلالہ فوت ہوا اور اس کی بہنیں ایک سے زیادہ ہیں۔ بھائی کوئی نہیں تو انہیں کل مال کا دو تہائی ملے گا۔ کانتا کا مرجع بہنیں ہیں۔ قرآن مجید سے معلوم ہوا کہ دو بہنوں کی میراث دو ثلث ہیں۔ حدیث پاک سے معلوم ہوا۔ کہ دو سے زیادہ کی میراث بھی یہی دو تہائی ہے۔ **ما ترک** سے مراد میت کا سارا چھوڑا ہوا مال ہے۔ منقولی ہو یا غیر منقولی۔ تجہیز و تکفین ادا قرض ادا و وصیت کے بعد جو مال بچے گا اس میں یہ میراث جاری ہو گی۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **من بعد وصیۃ یوصی بھا اودین** یعنی اگر کلالہ کی بہنیں ایک سے زیادہ ہوں تو انہیں کلالہ کے متروکہ مال سے دو تہائی ملے گا۔ ایک تہائی سے دوسرے وارث کو اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو پھر وہ بقیہ تہائی بھی رد ہو کر انہیں بہنوں کو مل جاوے گا۔ **وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین** یہ کلالہ کے مال کی تقسیم کی تیسری قسم ہے۔ کہ میت لاولد ہے۔ اور اس کے بھائی بھی ہیں بہن بھی۔ اخوۃ جمع ہے اخ۔ بمعنی بھائی کی۔ مگر یہاں مراد بھائی بہن دونوں ہیں **تغلیبا** اخوۃ فرمایا گیا ہے اس لئے ساتھ ہی ارشاد ہوا **رجالا ونساء** یعنی مخلوط ہوں۔ بھائی بھی ہوں بہن بھی۔ چونکہ اس صورت میں بہن ذی فرض نہیں ہوتی بلکہ عصبہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا حصہ نصف یا کم و بیش مقرر نہیں فرمایا۔ بلکہ ایک قاعدہ ارشاد ہوا کہ بھائی کو بہن سے دوگنا ملے گا۔ اگر کوئی ذی فرض وارث بھی ہے تو اس سے بچے مال کی تقسیم اس طرح ہو گی ورنہ کل مال کی تقسیم یہ ہے مقصد یہ ہے کہ اگر کلالہ کے سگے یا سوتیلے بھائی بہن دونوں ہوں تو متروکہ مال سے دو حصہ بھائی کو اور ایک حصہ بہن کو ملے گا خیال رہے کہ کلالہ کے یہ معنی اور آیت کی یہ تفسیر عام صحابہ کرام کے مذہب پر ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کلالہ وہ ہے جس کے اولاد نہ ہو ماں باپ ہوں یا نہ ہوں کیونکہ انکے نزدیک ماں باپ سے بہن بھائی محروم نہیں ہوتے ان کے ہوتے ہوئے انہیں حصہ مل جاتا ہے باقی تمام صحابہ کرام کا مذہب یہ ہی ہے کہ باپ کے ہوتے بہن بھائی محروم ہوتے ہیں (تفسیر احمدی) **یبین اللہ لکم ان تضلوا** یہ جملہ گزشتہ فرمان کی حکمتیں بیان فرما رہا ہے۔ **یبین** بنا ہے **تبیین** سے۔ بمعنی خوب اچھی طرح صاف صاف بیان فرمانا لکم میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ بیان سے مراد میراث و دیگر شرعی احکام بیان فرمانا ہے۔ **ان تضلوا** سے پہلے یا تو لا پوشیدہ ہے۔ یا کراہیۃ پوشیدہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام احکام کو واضح طور پر اس لئے بیان فرماتا ہے۔ تاکہ اے مسلمانو تم بھٹک نہ جاؤ **واللہ بکل شیء علیم** اس جملہ میں

بیان فرمایا گیا ہے کہ میراث کے احکام ہماری عقل سے وراء ہیں رب تعالیٰ نے جس وارث کو جو حصہ دیا بالکل درست و صحیح دیا۔ تم اس میں چون و چرا نہ کرو۔ کیونکہ وہ رب ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے کلالہ کا مسئلہ قرآن مجید میں دو جگہ بیان فرمایا۔ ایک تو سورہ نساء کے شروع میں دوسری یہاں سورہ نساء کے آخر میں۔ وہ آیات سردی کے موسم میں نازل ہوئی تھیں اور یہ آیات گرمی کے موسم میں اتریں۔ اس لئے ان آیات کو آیات شتاء کہتے ہیں اور اس آیت کو آیت صیف کہا جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر) ان دونوں بیانوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں کلالہ کے مال سے اخیافی بھائی بہن کے حصہ کا ذکر تھا اور یہاں سگی یا سوتیلی باپ شریکی بہن بھائی کے حصوں کا ذکر ہے۔ اس لئے وہاں اور یہاں کے احکام میں بڑا فرق ہے۔ اس آیت میں ایک کو چھٹا حصہ دیا گیا تھا زیادہ کو تہائی اور وہاں بھائی بہن کا حصہ برابر تھا۔ مگر یہاں تین صورتیں بیان فرمائی گئیں۔ نمبر ۱ اگر ایک بہن ہے تو اس کا حصہ آدھا ہے۔ نمبر ۲۔ اگر دو یا زیادہ ہیں تو ان کا حصہ دو تہائی ہے۔ یہ دونوں صورتیں جب ہیں جب کہ صرف بہنیں ہوں۔ بھائی کوئی نہ ہو۔ نمبر ۳۔ اگر بھائی بہن دونوں ہوں تو یہ دونوں عصبہ ہوں گے۔ اور بھائی کو بہن سے دوگنا ملے گا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ آپ سے ایک عظیم الشان سوال پوچھ رہے ہیں۔ (یعنی کلالہ کی میراث کا) آپ فرمادیں کہ رب تعالیٰ تم کو کلالہ کے متعلق براہ راست فتویٰ یہ دیتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان فوت ہو جاوے اور اس کے اولاد یعنی بیٹا بیٹی نہ ہو اور نہ ماں باپ ہوں (جیسا کہ حدیث میں ہے) اور اس کی صرف ایک بہن سگی یا ماں شریکی ہو تو اسے کلالہ کے متروکہ مال سے نصف آدھا ملے گا۔ اور اگر اس کے برعکس کلالہ عورت فوت ہو جاوے کہ اس کی اولاد بیٹا بیٹی اور (ماں باپ) کوئی نہ ہوں اور اس کا صرف بھائی ہو۔ تو وہ بھائی اس کلالہ عورت کے مال کا وارث ہو گا۔ عصبتہ میراث پائے گا یعنی بقیہ ذی فرض وارثوں سے بچا ہوا مال لے لے گا۔ اور اگر ذی فرض وارث کوئی نہ ہو تو کل مال پائے گا۔ اور اگر کلالہ میت کی بہن دو یا زیادہ ہوں۔ تو انہیں متروکہ مال سے دو تہائی ملے گا۔ یہ دونوں صورتیں جب ہیں جب کہ کلالہ کی صرف بہنیں ہوں۔ بھائی کوئی نہ ہو۔ اور اگر کلالہ کی بھائی بہن دونوں سگے ہوں۔ یا علاتی تو اس کا مال اس طرح تقسیم ہو گا۔ کہ مذکر یعنی بھائی کو مونث یعنی بہن سے دوگنا عصبتہ ملے گا اللہ تعالیٰ اپنے احکام خصوصاً میراث کے مسائل واضح طور پر بیان فرماتا ہے تاکہ اے مسلمانو تم بہک نہ جاؤ رب تعالیٰ کی تقسیم پر کوئی اعتراض نہ کرو وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ جسے جو دیا ہے جان کر دیا ہے۔ خیال رہے کہ کہ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کی آخری آیت یہ ہی آیت کلالہ ہے۔ جو سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ سب سے آخر **اذا جاء نصر اللہ والفتح** اتری۔ بعض نے فرمایا کہ آخری آیت ربو (سود) سود کی آیت ہے۔ بعض نے فرمایا کہ آخری آیت **واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ** نازل ہوئی۔ جس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اکیس دن حیات رہے۔ یہ بھی

خیال رہے کہ حج الوداع میں عرفہ کے دن **الیوم اکملت لکم دینکم** نازل ہوئی جس کے بعد سرکار اکیاسی دن یعنی دو ماہ اکیس دن حیات رہے (تفسیر خازن) ان روایات کو یوں جمع فرمایا جا سکتا ہے۔ کہ میراث کے احکام میں سب سے آخری آیت یہ ہی کلالہ کی آیت ہے۔ اور مالی معاملات میں سود کی آیت آخری ہے۔ اور بالکل آخر میں **واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ** ہے۔ لہذا ان روایات میں تعارض نہیں۔ سب اپنے مقام پر درست ہیں۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ: میت کے مال متروکہ میں چار کام کئے جاتے ہیں۔ اولاً میت کا کفن دفن۔ اس سے بچے مال سے میت کے قرض کی ادائیگی۔ پھر بقیہ مال کے تہائی سے میت کی وصیت جاری کی جاوے۔ پھر بقیہ سے میراث تقسیم ہوگی۔ میت کی فاتحہ ایصال ثواب، وغیرہ میت کے مال سے نہ کی جاوے۔ کیونکہ اب وہ مال وارثوں کا ہے۔ یا تو تمام وارث اپنی خوشی سے ایصال ثواب وغیرہ کریں۔ یا پہلے مال تقسیم کریں۔ پھر کوئی وارث اپنے حصے سے یہ کار خیر کرے۔ اگر کوئی وارث نابالغ یا غائب ہے تو مال مشترکہ سے ختم فاتحہ نہ کرائی جاوے۔ خیرات وصدقات کا زمانہ اپنی زندگی ہے۔ جو کچھ ہو سکے جیتے جی اپنے ہاتھوں سے کر جاؤ۔ مرتے ہی بلکہ مرض الموت میں مبتلا ہوتے ہی مال کسی اور کا ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الٰہی میں ایسا قرب خصوصی حاصل ہے۔ جو ہمارے خیال سے وراء ہے دیکھو کلالہ کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر جواب دیا رب تعالیٰ نے۔ ورنہ جس سے سوال ہو وہ ہی جواب دیتا ہے۔ یا اس کا مالک یا اس کا مختار یہ فائدہ **قل اللہ یفتیکم** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ مرضی الٰہی یہ ہے کہ مسلمان کسی چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہوں۔ ہر وقت ہر طرح ہر چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاجت مند رہیں دیکھو کلالہ کی تعریف میں ایک بات قرآن مجید نے بیان فرمائی۔ یعنی اولاد نہ ہونا لیکن دوسری بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ماں باپ نہ ہونا۔ یہ فائدہ **لیس لہ ولد** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا مگر اس کی تفصیل نہ بتائی۔ یہ تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی۔ **تیسرا فائدہ** مرد عورت سے افضل ہے۔ اسی لئے پہلے مرد کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ پھر عورت۔ دیکھو یہاں کلالہ مرد کا ذکر پہلے ہوا اور کلالہ عورت کا ذکر بعد میں آتا ہے۔ **ان المومنین والمومنات** یہ فائدہ **ان امرؤ ھلک** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** اگر کلالہ کی صرف بہن ہو تو ذی فرض ہوگی۔ اور اگر صرف بھائی ہو تو عصبہ ہوگا۔ ذی فرض نہ ہوگا۔ دیکھو بہن کے لئے فرمایا۔ **فلھا النصف** اور بھائی کے لئے فرمایا **وھو یرثھا** پانچواں فائدہ اگر کلالہ کے بہن بھائی دونوں ہوں تو بہن اپنے بھائی کی وجہ سے عصبہ ہو جائے گی یعنی عصبہ بغیرہ یہ فائدہ **مثل حظ الانثیین** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ جس میت نے اپنی بیٹی چھوڑی ہو وہ کلالہ نہیں اور اس صورت میں اس کی بہن ذی فرض نہ ہو گی۔ عصبہ ہی ہوگی۔ یہ فائدہ **لیس لہ ولد** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہاں ولد کی نفی کی صرف ابن کی نفی نہ کی۔ ساتواں فائدہ میراث کے مسائل میں دو بھی جماعت ہے۔ کہ جتنا حق دو وارثوں کا ہوتا ہے۔ اتنا ہی زیادہ کا۔ فائدہ

ان کانتا اثنتیین سے حاصل ہوا۔ وہ جو حدیث شریف میں ہے۔ کہ **اثنان فما فوقھما جماعۃ** یعنی دو اور زیادہ جماعت ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ میراث کے حق میں جماعت ہیں آٹھواں فائدہ میراث کے مسائل نہایت ہی اہم ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے جتنی تفصیل ان کی فرمائی اور دوسرے شرعی احکام کی نہ فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم فرائض (میراث) سیکھو کیونکہ یہ آدھا علم ہے۔ یعنی سارے علوم ایک طرف یہ اکیلا علم ایک جانب کہ سارے علوم کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے۔ اور اس علم کا تعلق انسان کی موت سے۔ آدھے میں سارے علوم ادھے ہیں۔ یہ اکیلا علم۔ نواں فائدہ علم میراث کے مسائل عقل و قیاس سے وراء ہیں۔ ان کو مان لو وجہ نہ پوچھو یہ فائدہ **واللہ بکل شئی علیم** سے حاصل ہوا۔ مریض طبیب کے نسخہ میں دواؤں کے اوزان پر بحث نہیں کرتا کہ یہ دوا دو ماشہ کیوں ہے یہ ۵ ماشہ کیوں بلکہ بغیر بحث و مناظرہ کے نسخہ استعمال کرتا ہے۔ یوں ہی بندہ کو چاہیے کہ میراث کے حصوں کی مقدار سے بحث نہ کرے۔ بغیر چون وچرا عمل کرے۔ رب نے جسے جو دیا حق دیا۔ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں ایسی رکھی ہیں۔ جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ تاکہ انسان بندہ بن کر رہے بندہ مجبور ہو کر رب کو مانتا ہے۔ مجبوری خواہ مالی ہو یا عقلی یا علمی یا قوت و اسباب کی مجبوری ہو۔ انسانی جسم جانا پہچانا جاتا ہے۔ مگر روح جان پہچان سے وراء ہے۔ وہاں یہ ہی کہنا پڑتا ہے کہ رب جانے یہ کیا ہے۔ درخت کی شاخیں پتے جڑ دیکھی جاسکتی ہیں۔ مگر اندرونی رس دیکھا پہچانا نہیں جاتا۔ یونہی شریعت کے بہت سے احکام کی وجہ سے ان کی حکمتیں عقل معلوم کرلیتی ہے۔ مگر میراث کے حصے۔ نماز کی رکعات زکوٰۃ کی تعداد وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جہاں عقل جواب دے جاتی ہے۔ وہاں کہنا پڑتا ہے ان کی حکمتیں رب جانے اس لئے اس آیت کے آخیر میں ارشاد ہوا **واللہ بکل شئی علیم**

نوٹ ضروری کلالہ کا مسئلہ اور علم میراث کے تمام مسائل ہماری کتاب علم المیراث میں مطالعہ کرو۔

پہلا اعتراض قرآن مجید میں بہن بھائیوں کا حصہ یہاں کچھ اور بیان ہوا ہے اور سورہ نساء کے شروع میں کچھ اور بیان ہوا۔ ان دونوں بیانوں میں بڑا فرق ہے۔ وہاں ایک بہن کا چھٹا حصہ زیادہ کا تہائی فرمایا گیا۔ اور وہاں بہن بھائی کا حصہ برابر رکھا گیا۔ مگر یہاں ایک بہن کا آدھا زیادہ کا دو تہائی حصہ فرمایا گیا۔ اور بھائی کا حصہ بہن سے دوگنا۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ وہاں شروع میں سورہ نساء میں اخیافی بھائی بہن مراد ہیں یعنی ماں شریکے ان کا حصہ وہ ہی چھٹا حصہ اور تہائی ہے۔ اخیافی بھائی بہن حصہ میں برابر ہوتے ہیں اور یہاں حقیقی اور علاتی بھائی بہن مراد ہیں۔ ان کا حصہ وہی ہے۔ جو یہاں ارشاد ہوا۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کلالہ وہ ہے۔ جس کے اولاد نہ ہو۔ تم نے ماں باپ کے نہ ہونے کی قید کہاں سے لگائی۔ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس یہ ہی فرماتے ہیں۔ دیکھو تفسیری احمدی اور تفسیر ابن کثیر۔ **جواب** ہاں ان دونوں بزرگوں کا یہی قول ہے۔ مگر جمہور صحابہ اور عام

تابعین یہ ہی فرماتے ہیں کہ کلالہ وہ ہے جس کے اولاد بھی نہ ہو ماں باپ بھی نہ ہوں۔ حضرت زید ابن ثابت جو علم فرائض کے امام ہیں۔ ان کا بھی یہ ہی قول ہے۔ چنانچہ بھائی بہن باپ دادا کے ہوتے ہوئے محروم ہیں۔ لطیفہ حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ کہ وہ دونوں حضرات بیٹی کے ہوتے بہن کو محروم مانتے ہیں۔ وہ اسی آیت سے دلیل لیتے ہیں کہ اگر ولد نہ ہو تو بہن کو ملے گا۔ اور ولد کہتے ہیں بیٹے بیٹی کو مگر تمام صحابہ ان کے مخالف ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے۔ **اجعلو الاخوات مع البنات عصبة** بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کو عصبہ بناؤ چنانچہ بخاری شریف میں بروایت شرجیل ابن حسنہ روایت کی کہ ایک شخص نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص نے ایک بیٹی۔ ایک پوتی ایک بہن چھوڑی ان کی میراث کیسے تقسیم ہو۔ آپ نے فرمایا بیٹی کو آدھا اور بہن کو آدھا اور پوتی محروم اور فرمایا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مسئلہ پوچھ لو۔ وہ بھی یہ ہی بتائیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا۔ کہ اگر میں یہ فتوٰی دوں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ یہاں بیٹی کو آدھا ہے پوتی کو چھٹا حصہ۔ باقی تہائی بہن کو اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے واقعہ پر یہ ہی فیصلہ فرمایا۔ تفسیر ابن کثیر و احمدی

تیسرا اعتراض اگر مسئلہ یہ ہے تو یہاں فرمانا چاہیے تھا **و لیس له ابن** کیونکہ ولد بیٹا بیٹی دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ **جواب** یہاں بہن کی محرومی کا ذکر نہیں۔ بلکہ بہن کے ذی فرض ہو کر نصف یا دو تہائی لینے کا ذکر ہے۔ یہ بات بیٹی کے ہوتے ہوئے بھی ہو جاتی ہے بیٹے سے۔ بہن بالکل محروم ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے سارے شرعی احکام اپنے محبوب کے سپرد فرما دیئے کہ وہ بیان کریں۔ مگر وارثوں کے حصے خود بیان فرمائے۔ اپنے محبوب کے سپرد نہ فرمائے۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ میراث کے حصے مقرر فرمائے جاتے تو شیطان کسی کے دل میں وسوسہ ڈال دیتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وارثوں کی طرف داری کی ہے۔ یہ وسوسہ کفر ہوتا۔ ہم کو کفر سے بچانے ایمان پر قائم رکھنے کے لئے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے اعتراض سے بچانے کے لئے یہ کام خود کیا۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں کفار ہوازن کا مال تقسیم فرمایا اور نو مسلموں کو زیادہ عطا فرمایا تو بعض لوگوں کے منہ سے نکل ہی گیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو اتنا دیتے ہیں اور ہم کو محروم رکھتے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواریں ہوازن کے خون سے تر ہیں۔ تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم نو مسلموں کو اس لئے زیادہ عطا فرماتے ہیں کہ وہ اسلام پر خوب جم جاویں۔ تم تو پہلے ہی جمے ہوئے ہو۔ تب ان کے دلوں کو تسلی ہوئی غرض کہ مال کی تقسیم بہت نازک چیز ہے اس میں لوگ جلد بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اپنے کو اس سے محفوظ رکھنا مناسب ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے نسب کے ذریعہ مالی میراث ملتی ہے۔ ویسے ہی نسبت کے ذریعہ حالی اور کمالی میراث ملتی ہے جس قدر نسب کی قرابت قوی اور قریب ہے۔ اسی قدر میراث کا حصہ زیادہ ایسے ہی جس قدر نسبت قوی، کمال کا حصہ زیادہ اور جیسے ماں باپ سے نسب بھائی بہن کی

میراث کا ذریعہ ہے۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اولیاء اللہ کے فیوض کا ان کے کمال میراث کا وسیلہ ہے۔ اور جیسے اگر بہن اکیلی ہو تو اس کی میراث اور ہے اور اگر بھائی سے مل کر آوے تو میراث کچھ اور۔ اور یونہی اگر نفس اکیلا ہو تو اس کا اور سے حصہ کچھ اور اگر دل سے ملا ہو تو حصہ کچھ اور ہے۔ غرض کہ اس مالی میراث سے کمالی میراث کا پتہ لگاؤ۔ نسب سے نسبت کو پہچانو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے مالی میراث کے لئے رشتے دو قسم کے ہیں۔ قدرتی رشتے جیسے نسب اور اختیاری رشتے جیسے سبب یعنی نکاح و زوجیت۔ ایسے ہی کمال و حال کی وراثت کے لئے نسبت دو قسم کی ہے۔ قدرتی نسبت اور سببی نسبت۔ حضرت مریم کو بزرگوں سے اور جناب اویس قرنی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قدرتی نسبت تھی۔ بعض دوسرے حضرات کو سببی نسبت حاصل ہوتی۔ نسبت و نفرت یہ دونوں چیزیں عجیب تاثیر رکھتی ہیں۔ نسبت سے کمال ملتا ہے۔ نفرت سے وبال آتا ہے۔ نفرت بھی قدرتی اور سببی ہر طرح کی ہوتی ہے۔ ابولہب بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہے۔ اور حضرت عباس اور حمزہ بھی چچا۔ مگر ابولہب کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قدرتی نفرت ہوئی۔ حضرت حمزہ کو قدرتی نسبت اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سببی نسبت عطا ہوئی۔ ابولہب کا یہ حال ہوا کہ کسی کافر کے لئے قرآن کریم میں پوری سورت نہیں آئی۔ سواء ابولہب کے۔ یہ بدترین کافر ہوا اور حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ ہوئے۔ کنعان باوجودیکہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ان کی آغوش میں پلا ان کے گھر میں رہا مگر اس کے دل میں اپنے باپ کی قدرتی نفرت ہی رہی۔ مارا گیا۔ سببی نسبت کبھی تو کسی نسبت والے کی صحبت سے میسر ہوتی ہے۔ جیسے اپنے شیخ کی محبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت میسر ہو جائے اور کبھی کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہو کر میسر ہو جاتی ہے۔ حضرت خالد ابن ولید کو متواتر مسلمانوں سے شکست کھانے کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا۔ کبھی عبادات اتباع سنت کی برکت سے یہ نسبت میسر ہو جاتی ہے۔

آیاتہا ۱۲۰ ۵ سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۴ رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے پورا کرو عہدوں کو حلال کئے گئے واسطے تمہارے بے زبان جانور

اے ایمان والو اپنے قول پورے کرو تمہارے لئے حلال ہوئے بے زبان مویشی مگر وہ جو

الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

مگر وہ جو تلاوت کی جائے اوپر تمہارے نہ حلال سمجھنے والے شکار کو حالانکہ تم احرام والے ہو

آگے سنایا جاوے گا لیکن شکار حلال نہ سمجھو جب تم احرام میں ہو بے شک اللہ حکم فرماتا ہے

يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝۱

تحقیق اللہ حکم دیتا ہے جو چاہے۔

جو چاہے۔

تعلق سورہ مائدہ کا سورہ نساء سے تعلق یہ ہے کہ سورہ نساء میں معاشرہ پر بہت زور دیا گیا تھا۔ یعنی بیویوں قرابت داروں عزیزوں سے تعلقات ان سے برتاؤں کا ذکر تھا۔ اب اس سورہ مائدہ میں تمدن یعنی قوموں کے تعلقات کی تعلیم دی گئی ہے۔ معاشرہ اور تمدن آپس میں بہت گہرا تعلق ہیں۔ معاشرہ پہلے درست کیا جاوے۔ پھر تمدن درست کیا جاوے۔ اس لئے سورہ نساء پہلے ارشاد ہوئی مائدہ بعد میں۔ نیز سورہ نساء میں زیادہ تر یہود کی تردید فرمائی گئی تھی۔ سورہ مائدہ میں عیسائیوں کی تردید پر زور ہے۔ گویا مغضوب علیہم کا ذکر فرما کر ضالین کا فرمایا گیا تاکہ مسلمان دونوں سے بچیں۔

اور آیت کا **تعلق** آیت سے یہ ہے کہ سورہ نساء کی آخری آیت میں اس مال کا ذکر تھا جو میت کے بہن بھائی کو بطور میراث ملے۔ میراث بھی ملک کا ذریعہ ہے۔ سورہ مائدہ کی پہلی آیت میں عقود' عہود پورا کرنے کا حکم ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عقد یا عہد کے ذریعہ جو مال حاصل ہو وہ حلال ہے۔ گویا ایک حلال آمدنی کے بعد دوسری حلال آمدنی کا ذکر فرمایا گیا۔ جو بذریعہ عقد و عہد کے ہو۔

سورہ مائدہ سورہ آیت 'رکوع منزل کے معنی اور سورۃ کی قسمیں وجہ تسمیہ ہم سورہ بقر کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ اس سورت میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم پر غیبی دسترخوان آنے کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام سورہ مائدہ ہے۔ عربی میں مائدہ دسترخوان کو کہتے ہیں۔ اس سورہ کا نام سورہ عقود اور سورہ **منقذہ** بھی ہے (روح المعانی) یہ سورہ مدنی ہے یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورت کی اکثر آیات ۵ اور ۷ ہجری کے درمیان نازل ہوئیں۔ آیت **الیوم اکملت لکم دینکم** الخ حجۃ الوداع میں مقام عرفات شریف میں نازل ہوئی۔ اس سورہ میں سولہ رکوع اور ایک سو بیس آیات دو ہزار آٹھ سو چار کلمات ہیں اور گیارہ ہزار سات سو تینتیس حرف ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اس سورت میں اٹھارہ قسم کے احکام اتارے ہیں۔ اور دوسری سورت میں اتنی قسم کے احکام نہیں جیسے حرام جانوروں کی تفصیل فال کھولنے کی حرمت۔ شکار کے احکام اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم۔ طہارت کی تفصیل 'چوروں کی سزا۔ احرام کی حالت میں شکار حرام ہونے کا حکم۔ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں و میلہ حام وغیرہ کا حکم۔ وصیت اور اس پر گواہی کا حکم۔ اذان وغیرہ کا حکم (تفسیر سراج منیر) محققین علماء کے نزدیک اس سورہ میں صرف دو آیتیں منسوخ ہیں۔ ایک تو **لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشھر الحرام** الخ دوسری **فاحکم بینھم او اعرض عنھم** بعض مفسرین نے کم و بیش کا ذکر فرمایا (روح المعانی) سورہ مائدہ دوسری منزل کی پہلی سورت ہے کہ قرآن مجید کی دوسری منزل یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں کل سات منزلیں ہیں جنہیں فمی بشوق میں جمع کیا گیا ہے۔ سورہ فاتحہ 'مائدہ 'یونس 'بنی اسرائیل 'شعراء 'والذریات 'سورۃ ق یہ منزلوں کے مبدا ہیں۔

تفسیر یایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ایمان سے لغوی ایمان مراد ہے اور **الذین امنوا** سے مراد اہل کتاب ہیں اور عقود سے مراد وہ عہد و پیمان ہیں۔ جو توریت و انجیل میں اہل کتاب سے لئے گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا۔ حضور کی صفات ظاہر کرنا جو ان کتب میں مذکور ہیں اور معنی یہ ہیں کہ اے وہ لوگو جو توریت و انجیل کو ماننے کے مدعی ہو ان عہد و پیمانوں کو پورا کرو جو تم سے لئے جاچکے ہیں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور ہو سکتا ہے کہ ایمان سے مراد میثاق کے دن کا ایمان ہو جو قالوا بلیٰ سے لیا گیا تھا اور اس میں خطاب سارے انسانوں بلکہ جنات سے بھی ہو۔ اس سورت میں عقود سے مراد وہ عہد و پیمان ہوں گے جو میثاق کے دن اللہ تعالیٰ سے کئے تھے۔ یعنی اے وہ لوگو جو میثاق کے دن قالوا بلیٰ کہہ کر ایمان لاچکے ہو ان عہود اور وعدوں کو پورا کرو جو ہم سے کہہ گئے تھے کہ ایمان لاؤ نبی کی فرمانبرداری کرو۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ ایمان سے مراد شرعی ایمان ہے اور خطاب مسلمانوں سے ہے۔ اور عقود سے مراد تمام عہد و پیمان ہیں۔ خواہ صریحی عہود ہوں یا ضمنی عہد یا تحریری عہد و پیمان ہوں۔ مومن کلمہ پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ سے عبدیت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت و امتیت کے عہد کرلیتا ہے۔ ماں باپ سے ابنیت کے بھائیوں سے اخوت کے عہد و پیمان کرتا ہے۔ ان سب عہدوں کا ایفا لازم ہے۔ ان سب کو ایک ہی اوفوا بالعقود میں بیان فرمادیا۔

اوفوا بنا ہے ایفا سے جس کا مادہ وفاء یا وفی ہے۔ بمعنی حفاظت کرنا پورا کرنا۔ یہ باب تفعیل سے بھی آتا ہے اور باب افعال سے بھی رب تعالیٰ فرماتا ہے **وابراهیم الذی وفی** اب اصطلاح میں وعدہ پورا کرنے کو وفا کہا جاتا ہے یہ ہی معنی یہاں مراد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والموفون بعهدهم۔ عقود** جمع ہے عقد کی۔ عقد کے معنی ہیں گرہ لگانا۔ مضبوط باندھنا کسی چیز کو کسی سے ملانا (تفسیر کبیر روح المعانی) اصطلاح میں معاہدہ کرنے اقرار کرنے کو عقد کہا جاتا ہے عہد اکیلا آدمی بھی کر سکتا ہے مگر عقد دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے۔ عقد اس معاہدہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ جس سے کوئی چیز منعقد ہو جاوے جیسے عقد نکاح عقد بیع عقد اجارہ وغیرہ حق یہ ہے کہ یہاں عقود میں سارے معاہدے مراد ہیں۔ خواہ بندے نے رب تعالیٰ سے کئے ہوں۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اپنے شیخ و استاد سے۔ خواہ آپس میں ایک دوسرے سے جائز معاہدے ہوں۔ جیسے نکاح، تجارت، کرایہ وغیرہ یا جو کفار سے کئے جاویں جیسے عقد صلح تعاون وغیرہ (روح المعانی) یعنی اے ایمان والو تم سارے عہد و پیمان پورے کرو۔ ایمان لا کر جو اللہ رسول سے عہد کئے بیعت ہو کر جو شیخ سے عہد کئے نکاح کر کے جو زوجین نے آپس میں عہد کئے۔ بیع، اجارہ کر کے جو ایک دوسرے سے عہد کئے۔ صلح وغیرہ کے ذریعہ جو کفار سے عہد کئے۔ کسی سے کوئی وعدہ کر کے اس سے عہد کئے یہ سب پورے کرو۔ العقود جمع فرما کر ان تمام قسموں کے عہد مراد لے لئے گئے۔ الف لام عہدی ہے۔ جس سے سارے جائز عہد مراد ہیں۔ ناجائز وعدہ پورا کرنا حرام ہے۔ جیسے زنا، چوری کرنے کا وعدہ۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے عقود کی چوبیس قسمیں بیان فرمائیں اور ان میں ہر ایک قسم کا حکم بیان فرمایا کہ کسی عہد کا پورا کرنا فرض ہے کسی کا پورا کرنا مستحب کسی کا پورا کرنا حرام ہے کسی کا پورا کرنا کفر ہے پھر فرمایا کہ یہاں ہر وہ عہد مراد ہے۔ جس کا پورا کرنا فرض یا واجب یا مستحب ہے **احلت لکم بهیمة الانعام** یہ جملہ ایفائے عقود کی تفصیل ہے کہ عقود میں وہ عقد بھی داخل ہے جو بندوں کا رب تعالیٰ کے ساتھ ہے یعنی عبدیت اور الوہیت کا کہ رب تعالیٰ ہمارا اللہ ہے۔ مالک ہے۔ ہم اس کے بندے مملوک ہیں اور بندے غلام کی شان یہ ہے کہ جو مولا کھلائے سو کھائے جو پلائے وہ پئے۔ جو پہنائے وہ پہنے۔ جب سلائے تب سوئے۔ جب جگائے تب جاگے اور مالک کی شان یہ ہے کہ اپنے مملوک کی ہر حاجت پوری کرے۔ گویا بندے کو فکر ہو مالک کے راضی رکھنے اس کی خدمت کرنے کی۔ مالک کو خیال ہو بندے کی ضروریات پوری کرنے کا اس لئے عقود کے ساتھ رب نے حلال غذاؤں کا ذکر کیا کہ تم فلاں فلاں چیز کھاؤ اور فلاں چیز نہ کھاؤ اس لئے فرمایا کہ ہمارا حکم یہ ہے۔ تمہارے لئے فلاں جانور حلال ہیں۔ لہٰذا انہیں حلال جانو اور کھاؤ ان کا حلال جاننا اس عہد کا پورا کرنا ہے۔ احلت بنا ہے احلال سے جس کا مادہ حل ہے۔ بمعنی کھل جانا۔ اسی لئے احرام کھولنے کو احلال کہتے ہیں کہ اس سے احرام کی پابندیوں سے حاجی کھل جاتے ہیں۔ حرم شریف کے سوا زمین کو حل کہتے ہیں کہ وہاں پہنچ کر انسان حرم کی پابندیوں سے کھل جاتا ہے۔ **وانت حل بهذا البلد** میں حل یا تو حلول سے بنا ہے یا حلال سے۔ یعنی آپ مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہیں یا آپ فتح مکہ کے دن حلال ہو کر بغیر احرام باندھے تشریف لائے ہیں۔ جائز چیزوں کو حلال کہتے ہیں کہ شریعت نے

بندوں کو ان کے استعمال کی کھلی اجازت دے دی ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے لکم میں خطاب سارے مومنین سے ہے۔ احلت ماضی فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تو ہجرت کے پانچ سال بعد اتری۔ مگر ہمارے محبوب نے تم کو حرام و حلال غذائیں پہلے ہی بتادی تھیں۔ اور تم ان احکام پر پہلے ہی سے عامل و کاربند ہو۔ گویا یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے احکام کی تائید ہے۔ کیونکہ مسلمان ہجرت سے پہلے ہی یہ حلال جانور کھاتے تھے اور حرام جانوروں سور کتوں بلوں وغیرہ سے پرہیز کرتے تھے۔ یہ آیت تو نبوت کے ظہور سے اٹھارہ برس بعد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے اٹھاون برس بعد اتری اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین مکہ پہلے ہی سے حلال گوشت کھاتے رہے۔ حرام سے پرہیز کرتے رہے **بھیمۃ** بنا ہے **بھم** سے ۔ بمعنی مضبوطی اور پوشیدگی اس لئے سخت پتھر کو اور بہادر انسان کو ۔بہمہ کہا جاتا ہے۔ خفیہ بات کو مبہم۔ خفیہ بات کرنے کو ابہام کہا جاتا ہے اب بے عقل جاندار یعنی جانوروں کو ۔بہمہ کہتے ہیں۔ کیونکہ انسانوں کی بات ان سے خفیہ رہتی ہے۔ وہ کچھ سمجھ نہیں سکتے اور ان کی حالت انسانوں سے خفیہ کہ وہ کسی سے کچھ کہہ نہیں سکتے عرف میں درندوں پرندوں کے سوا دوسرے جانوروں کو ۔بہیمہ کہتے ہیں یا ہر چوپایہ کو خواہ خشکی کا ہو یا دریائی۔ انعام جمع ہے نعم کی ۔ بمعنی اچھی حالت یا اچھی چیز اسی سے ہے **نعمۃ** اہل عرب اونٹ کو انعام کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ بڑی اچھی چیز ہے۔ ۔بہیمہ عام ہے۔ انعام خاص۔ یعنی ۔بہیمہ ہر بے زبان چارپایہ ہے اور انعام اونٹ اور اس کے مشابہ جانور جیسے گائے۔ بکری دنبہ عام کی اضافت خاص کی طرف اگر مفید ہو تو جائز ہے جیسے کہا جاتا ہے مدینۃ البغداد یا شجر اراک یعنی بغداد کا شہر۔ پیلو کا درخت۔ یہاں اضافت یا بیان کے لئے ہے یا تشبیہ کے لئے (روح المعانی) یعنی حلال کئے گئے تمہارے لئے چارپائے جانور یعنی اونٹ یا تو تمہارے لئے اونٹ۔ جیسے چوپائے حلال کئے گئے۔ حلال سے مراد کھانا حلال ہونا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس۔ ابن عمر امام جعفر صادق اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ۔بہیمہ سے مراد ہے پیٹ کا بچہ۔ انعام سے مراد ہے حلال چوپایہ تو معنی یہ ہوئے کہ تمہارے لئے جانور مذبوحہ کے پیٹ کے بچے حلال ہیں۔ کہ اگر گائے وغیرہ کے پیٹ میں بعد ذبح بچہ نکل آوئے تو وہ بھی حلال ہے۔ ہمارے ہاں اس شرط سے کہ وہ بھی ذبح کرلیا جاوے اس طرح کہ اس میں جان پڑچکی ہو۔ امام شافعی کے ہاں مطلقاً (تفسیر کبیر و روح المعانی) **الا ما یتلی علیکم** یہ عبارت **بھیمۃ الانعام** سے مستثنیٰ ہے۔ ما سے مراد جانور ہیں۔ **یتلی علیکم** کا مطلب بھی یہ نہیں کہ وہ جانور جن کا ذکر آگے ہوگا سور' مردار وغیرہ وہ آج تمہارے لئے حلال ہیں۔ مسلمانوں نے ہجرت سے پہلے بھی کبھی سور مردار نہ کھائے۔ ان سب جانوروں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی روک دیا تھا مطلب یہ ہے کہ وہ جانور جنہیں ہمارے محبوب نے پہلے ہی حرام فرمادیا ہے اور قرآن کریم میں بھی عنقریب بیان کردیئے جائیں گے وہ حرام ہیں۔ ان کے سوا باقی حلال۔ لہذا آیت بالکل واضح ہے **غیر محلی الصید وانتم حرم** لفظ **غیر لکم** کی ضمیر کم سے حال ہے صید سے مراد یا شکار کرنا ہے یا شکار **وانتم حرم محلی** ، کی ضمیر سے حال ہے۔ حرم جمع ہے حرام کی ۔ بمعنی محرم' محرم کے

معنی ہیں حرم شریف میں داخل ہونے والا یا حج و عمرہ کا احرام باندھنے والا۔ چونکہ کبھی انسان ان مذکورہ جانوں کو ذبح نہیں کرتا۔ شکار سے کام چلاتا ہے کہ وہ گوشت مفت ہی مل جاتا ہے اس لئے یہاں یہ قید لگائی۔ یعنی یہ جانور مذکورہ تمہارے لئے حلال تو ہیں مگر خیال رکھنا کہ بحالت احرام یا حرم شریف میں تیغ کر انہیں پر گزارہ کرنا۔ شکار کی طرف رخ نہ کرنا۔ کیونکہ اس جگہ یا اس وقت تم پر شکار کرنا شکار کھانا حرام ہے۔ یا یوں کہو کہ بہیمۃ الانعام میں ہرن۔ نیل گائے وغیرہ شکاری جانور بھی داخل تھے۔ اس جملہ سے انہیں نکال دیا گیا۔ یعنی تمہارے لئے بے زبان چوپایہ یہ پالتو یا شکاری سب حلال کئے گئے مگر بحالت حرام یا حرم شریف میں شکاری جانور حرام ہیں۔ لہذا یہ استثنا متصل ہے اور آیت بالکل واضح ہے۔ **ان اللہ یحکم ما یرید** اس جملہ میں پچھلے حکم کی حکمت بیان ہوئی۔ مقصد یہ ہے کہ جانوروں کے حلال و حرام ہونے میں تمہاری عقل کام نہیں کر سکتی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ کتا بلی کیوں حرام ہیں اور بکری و خرگوش کیوں حلال یا اور زمین کا شکار کیوں حلال ہے۔ حرم شریف کا شکار کیوں حرام یا دیگر حالات کا شکار کیوں حلال ہے احرام کی حالت کا شکار کیوں حرام۔ اس کی حکمتیں ہم جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم نافذ فرماتا ہے یا جو چاہتا ہے۔ فیصلہ کرتا ہے۔

خلاصہ تفسیر ہماری بیان کردہ تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں۔ ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ جو بہت قوی ہے۔ اے مسلمانوں تمام وہ جائز وعدے عہد و پیمان پورے کرو جو تم نے رب تعالیٰ سے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اپنے شیخ یا استاذ سے یا آپس میں ایک دوسرے سے کئے ہیں۔ خواہ زوجین کے آپس کے معاہدے ہوں یا دوسرے عزیزوں سے یا مسلمان قوم سے یا کفار سے۔ بہر حال سارے وعدے پورے کرو۔ اسی وفاء عہد کے سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ تم ہمارے حلال کئے ہوئے جانوروں کو حلال جانو اور کھاؤ اور ہمارے حرام کئے ہوئے جانوروں کو حرام جانو۔ ان سے بچو۔ ہم فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے تمام چوپائے جانور حلال کر دیئے گئے۔ بجز ان کے جو عنقریب تم کو بتا دیئے جائیں گے۔ ان حلال چوپایوں میں بھی یہ قید ہے کہ بحالت احرام بھی اور حرم شریف میں بھی کسی شکاری چوپایہ کو حلال مت جاننا۔ وہ تم پر حرام ہیں۔ ان حلال و حرام جانوروں کے متعلق کچھ چون و چرا نہ کرو۔ بس یہ سمجھ لو کہ رب تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ اس کے ہر حکم میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ جو جانور حلال کئے گئے ان میں تمہارے لئے فائدے ہیں اور جو جانور حرام کئے ان میں تمہارے لئے نقصان ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ چوپائے حلال جانور دو قسم کے ہیں۔ پالتو جیسے اونٹ' گائے' بکری وغیرہ دوسرے شکاری جیسے ہرن' بیل گائے وغیرہ پالتو چوپائے تو بہر حال حلال ہیں۔ شکاری چوپائے بحالت احرام بھی اور حرم شریف میں بھی۔ انکا شکار حرام ہے۔ رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ وہ حاکم ہے جو چاہے حکم دے۔ خیال رہے کہ مسلمانوں کے لئے خوراک و غذا نہایت ہی اہم چیزیں ہیں کہ غذا سے نفس قائم ہے نکاح سے نسب قائم حرام غذا خون گوشت پوست وغیرہ کو بگاڑ دے گی۔ اور حرام عورت سے نکاح کر لینا نسب کو خراب کرے گا۔ مگر حرام عورتوں اور حرام غذاؤں کے احکام بعد ہجرت آئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی مسلمانوں کو نکاح و غذا کے احکام دے

دیئے تھے۔ قرآن کریم نے ان کی تائید فرمائی۔ یہ بھی خیال رہے کہ ہماری غذائیں نباتات یعنی دانے سبزیاں اور حیوانات داخل ہیں۔ بلکہ کبھی جمادات بھی غذائیں بن جاتے ہیں جیسے موتی۔ مونگا وغیرہ۔ قرآن کریم نے صرف حیوانی غذاؤں کا ذکر فرمایا وہ بھی نہایت اجمال کہ صرف سور کا گوشت حرام فرمایا باقی کتا گدھا اور سور کی چربی۔ کپی گردے وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمائے اور نباتات و جمادات کی حلت و حرمت کا قرآن کریم نے کہیں ذکر نہیں فرمایا۔ کہ مولی ' گاجر ' شلغم حلال ہیں۔ اس کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں کہ جو نباتات و جمادات نشہ یا نقصان دے وہ حرام ہے۔ بھنگ چرس ' نشہ کی وجہ سے زہر سنکھیا ضرر کی وجہ سے حرام ہے۔ جو نشہ یا ضرر نہ دیں وہ حلال ہیں حتی کہ اگر سنکھیا بھی ضرر نہ دے تو حلال ہے اطباء بعض دواؤں میں استعمال کراتے ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** مسلمان کو چاہیے کہ عبادات کے ساتھ معاملات بھی درست کرے۔ عبادات و معاملات دونوں روحانی پرواز کے دو پر ہیں۔ جیسے پرندہ بغیر دونوں پروں کے نہیں اڑ سکتا یونہی مسلمان بغیر ان دونوں کے ترقی نہیں کر سکتا یہ فائدہ **اوفوا بالعقود** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** جس سے جو وعدہ کیا جاوے اسے ضرور پورا کیا جاوے یہ فائدہ بھی **اوفوا بالعقود** سے حاصل ہوا۔ اور دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے **اوفوا بالعھد ان العھد کان مسؤلا** بشرطیکہ جائز کام یا جائز چیز کا وعدہ ہو۔ **تیسرا فائدہ** ناجائز کاموں کے وعدے ہرگز پورے نہ کئے جاویں۔ ان کا توڑ دینا ضروری ہے۔ یہ فائدہ بالعقود کے الف لام عہدی سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ' زنا ' چوری جوا کفر کے وعدے ہرگز پورے نہ کرے۔ انہیں توڑ دے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ناجائز کام پر قسم کھائے تو قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے **چوتھا فائدہ** جو کوئی ممانعت کے دنوں میں روزہ رکھنے کی منت مان لے وہ بھی اپنی منت پوری کرے۔ کہ بجائے اس دن کے اور دن میں روزہ رکھ لے۔ یعنی اس کی قضا کرے۔ کیونکہ منت بھی رب تعالیٰ سے معاہدہ ہے۔ اور معاہدہ پورا کرنا ضروری ہے۔ (حنفی) **پانچواں فائدہ** اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام نہ کی ہو وہ حلال ہے۔ یہ فائدہ **الا مایتلی علیکم** سے حاصل ہوا۔ کہ سوا ان جانوروں کے جن کو شریعت نے حرام کر دیا باقی تمام جانور حلال ہیں یعنی قرآن و حدیث نے حلال جانوروں کی تفصیل نہ فرمائی صرف حرام جانوروں کی تفصیل کی۔ باقی ان کے ماسوا کو حلال کیا اسی طرح قرآن کریم نے صرف حرام عورتوں کا ذکر فرمایا اور حلال عورتوں کے متعلق فرمایا **واحل لکم ماوراء ذلکم** دوسرے مقام پر ارشاد ہے **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ** الخ جس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی حرمت شریعت میں مذکور نہ ہو وہ حلال ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں۔ جو بلا ثبوت اکثر چیزوں کو حرام کہہ دیتے ہیں کہ چونکہ یہ کام قرون ثلثہ میں نہ تھا۔ لہٰذا حرام ہے ان کا یہ قول اس آیت اور دوسری آیات کے خلاف ہے۔ **مسئلہ** ہر وعدہ پورا کرنا ضروری نہیں۔ بعض وعدے پورے کرنے رکن ایمان ہیں۔ بعض فرض۔ بعض واجب بعض مستحب بعض حرام اور بعض کفر جیسا وعدہ اور جیسا موعود

لہ یعنی جس سے وعدہ کیا جاوے ویسا وعدہ کا حکم۔ اللہ رسول سے کئے ہوئے وعدے ضرور پورے کرے۔ دیکھو نذر پوری نہ کرنے قسم توڑنے پر کفارہ واجب ہے کیوں اس لئے کہ اس میں اللہ سے وعدہ اللہ کی ضمانت توڑنا ہے کسی سے شراب پینے چوری یا جوئے کا وعدہ کیا ہرگز پورا نہ کرے **مسئلہ** اللہ رسول کے سارے وعدے سچے ہیں اگر کبھی ان کا ظہور نہ ہو تو سمجھ لو کہ کوتاہی ہماری طرف سے ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ رسول وعدے پورے کرنے کا حکم دیں۔ اور خود اپنے وعدے پورے نہ کریں۔ **مسئلہ** جو نباتات یا جمادات نشہ یا نقصان دیں وہ حرام ہیں۔ باقی حلال۔ رہے جانور۔ تو دریائی جانور سب حرام سوا مچھلی کے۔ خشکی کے بے خون والے جانور سب حرام سوا ٹڈی کے۔ خون والے پرندے جو پنجے والے شکاری ہوں وہ حرام باقی حلال اور خون والے چرندے جو کیل والے ہوں وہ حرام باقی حلال سواء اونٹ کے کہ اس کے منہ میں کیل ہے مگر حلال ہے۔ کیڑے مکوڑے سب حرام جیسے چوہا گوہ وغیرہ۔ اس کی تفصیل ہم دوسرے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔ **چھٹا فائدہ** یہ حالت احرام شکار کرنا حرام ہے۔ ہاں دریائی شکار محرم کو بھی حلال۔ حتیٰ کہ محرم کا شکار کیا ہوا جانور کسی کو حلال نہیں نہ محرم کو نہ دوسرے کو یہ فائدہ **وانتم حرم** سے حاصل ہوا۔ احرام خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا محرم کے لئے دریائی شکار کی اجازت دوسری آیت میں مذکور ہے۔ **ساتواں فائدہ** حدود حرم میں شکار کرنا حرام ہے۔ اگر کر لیا تو اس کی قیمت خیرات کرنا ضروری ہے۔ یہ فائدہ **وانتم حرم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** جانوروں کی حلت و حرمت میں عقل معذور ہے اس میں صرف فرمان شریعت کی پیروی ضروری ہے۔ جیسے نماز کی تعداد رکعات اور زکوٰۃ کی مقداریں عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی یہ فائدہ **یحکم ما یرید** سے حاصل ہوا۔ کبھی عقل کو کنارہ کر دینا بھی پڑتا ہے۔ **شعر**

☆ بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل ☆ لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے ☆

نواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی طرف سے احکام شرعیہ کے مالک و مختار ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے شرعی احکام نزول آیت کے پہلے ہی جاری فرما دیئے تھے چنانچہ حرام و حلال عورتیں۔ حرام و حلال غذائیں وضو اور غسل کے احکام ہجرت کے پہلے ہی دیئے جا چکے تھے۔ ان کا نزول قرآن کریم میں بعد ہجرت ہوا۔ اگر صرف قرآن ہی حاکم ہوتا تو مسلمان ہجرت سے پہلے وضو کیسے کرتے غسل کیونکر کرتے اور نکاح و غذا کے احکام کیسے معلوم کرتے۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر عقد و عہد پیان پورا کرے کیونکہ العقود جمع ہے۔ اور اس پر الف لام استغراقی ہے جس کے معنی ہوئے سارے عقد سارے عہد و پیان۔ تو کیا حرام کاری' چوری' کفر وغیرہ کے وعدے بھی پورے کرے یہ تو بہت بری بات ہے۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ العقود میں الف لام عہدی ہے جس سے جائز و درست عہدوں عقدوں کی طرف اشارہ ہے۔ استغراق نہیں جائز و ناجائز عہدوں کی تفصیل حدیث شریف میں ہے **دوسرا اعتراض** عربی میں بہیمہ بھی جانور کو کہتے ہیں اور انعام بھی جانور کو کہتے ہیں۔ پھر بہیمہ کی اضافت انعام کی طرف کیوں کر جائز ہوئی۔ مضاف و مضاف الیہ میں تغایر چاہیے۔ **جواب** بہیمہ اور انعام میں کئی طرح فرق ہے جو ابھی

تفسیر میں عرض کئے گئے۔ بہیمۃ۔ بمعنی بے زبان انعام۔ بمعنی جانور بہیمۃ معنی جانور انعام معنی چوپائے بہیمۃ۔ بمعنی چوپائے انعام معنی اونٹ اور اضافت تشبیہ کے لئے یعنی اونٹ جیسے چوپائے حلال ہیں۔ جو شکاری نہ ہوں جیسے گائے بھینس بکری وغیرہ اس اضافت سے کتا بلی شیر چیتا وغیرہ نکل گئے۔ بہیمۃ معنی پیٹ کا بچہ انعام معنی چوپایا یعنی اگر مذبوحہ چوپائے کے پیٹ میں بچہ نکلے وہ بھی حلال ہے۔ ہمارے ہاں اگر ذبح کر لیا جاوے۔ شوافع کے ہاں مطلقاً۔ **تیسرا اعتراض** وفا عہد اور جانوروں کی حلت میں کیا مناسب ہے۔ ان دونوں کو ایک جگہ کیوں جمع فرمایا گیا۔ **جواب** ہر مومن کا اللہ تعالیٰ سے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد ہے اور رب تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال جانے حرام فرمودہ چیزوں کو حرام سمجھے جرح قدح نہ کرے۔ لہٰذا ایفائے عہد کے ساتھ اس کا ذکر گویا اجمال کے بعد تفصیل کا ذکر ہے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ میں حرام جانوروں کا نام نہیں لیا بلکہ فرمایا **الا ما یتلی علیکم** وہ آئندہ تم کو بتائے جاویں گے۔ تو اس حرمت کی آیت آنے تک یہ آیت ناقابل عمل ہو گئی کیونکہ اب ہر جانور کے متعلق یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ **ما یتلی علیکم** میں داخل ہو۔ اور وہ حرمت کی آیت اس کے بہت عرصہ بلکہ کئی سال کے بعد آئی۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ اگر طبیب مریض سے کہے کہ تم ہر غذا کھاؤ سوا چند غذاؤں کے جو آئندہ بتائی جائیں گی تو اس دوران میں مریض کچھ نہیں کھا سکتا **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے حرام و حلال جانور امت کو بتا دیئے تھے یہ آیات تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے آئیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس اجمال سے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سوا **ما یتلی علیکم** کے باقی تمام جانور حلال ہیں۔ کیونکہ الا حصر کا فائدہ دے رہا ہے اور وہاں اس آیت میں چھ جانوروں کی حرمت کا ذکر ہے جن میں صرف ایک جانور یعنی سور حرام الذات ہے۔ باقی پانچ جانور مردار وغیرہ حرام لغیرہ ہیں تو کیا سور کے سوا باقی تمام چوپائے حلال ہیں جیسے کتا بلی شیر چیتا بھیڑیا وغیرہ۔ **جواب** اس کا جواب پارہ سیقول آیت **انما حرم علیکم** کی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ یہاں حصر اضافی ہے حصر حقیقی نہیں۔ یعنی جن جانوروں کو کفار مکہ نے حرام سمجھ رکھا تھا۔ سائبہ بحیرہ وغیرہ ان کے لحاظ سے حصر فرمایا گیا کہ یہ جانور حرام نہیں بلکہ صرف ہمارے بیان فرمائے جانور حرام ہیں۔ یا تلی علیکم سے عام معنی مراد ہیں۔ خواہ قرآن میں ان کی ممانعت آوے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے۔ **چھٹا اعتراض** جانوروں کی حلت کے ساتھ احرام کے شکار کی حرمت کا ذکر کیوں فرمایا ان دونوں میں کیا مناسبت ہے۔ یہ تو بے جوڑ سی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ چوپائے جانور دو قسم کے ہیں۔ پالتو اور شکاری۔ اونٹ گائے بکری پالتو ہیں۔ ہرن نیل گائے شکاری۔ پالتو چوپائے تو بہر حال حلال ہیں۔ اور شکاری چوپائے بحالت احرام حرام ہیں ویسے حلال اس مناسبت سے ان دونوں کو جمع فرمایا ان میں بہت ہی مناسبت ہے۔

تفسیر صوفیانہ اے ایمان والو! میثاق کے دن جو ہمارے تمہارے درمیان عہد و پیمان ہو چکے ہیں وہ پورے کرو۔ عہد یہ

تھے کہ اپنے وجود خرچ کرو تاکہ مقصود پاؤ ہم تمہارے ہیں۔ تم بھی ہمارے ہو کر رہو۔ ہم سے محبت کرو۔ ہمارے ماسوا کی محبت میں نہ پھنسو۔ جفا پر صبر کرو اور صبر پر مشقت و قوت کے ساتھ قائم رہو۔ تمہارے لئے بہیمۃ الانعام یعنی تمہارے نفس امارہ حلال کئے گئے کہ یہ نفوس امارہ طلب دنیا میں جانوروں کی طرح ہیں کہ انہیں لا الہ کی تلوار سے فنا کرو۔ ہاں جب نفس امارہ نفس **مطمئنہ** بن کر حرم الٰہی میں داخل ہو جائے جس سے خطاب یہ ہو جاوے **ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ** اور وہ نفس دنیا سے متنفر ہو وہ حرم کے شکار کی طرح ہے۔ کہ اسے شکار کرنا ممنوع ہے۔ اور جب تم شوق لقاء یار کا احرام باندھ کر کعبہ وصال کی طرف متوجہ ہوؤ اور ہر مرغوب و مرہوب سے علیحدہ ہو جاؤ اور ہر مطلوب و محبوب سے کنارہ کرلو تو تم محرم ہو اس وقت دنیا کے شکار میں مشغول نہ ہو کہ تمہاری یہ حرکت اس احرام کے خلاف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ جب نفس جانوروں بہائم کی صفت میں ہو تو اس کے ذبح کا حکم دیا اور جب نفس **مطمئنہ** ہو کر رب کی طرف رجوع کرے تو اسے شکار حرم قرار دیا اس کے ذبح سے تم کو منع فرمایا اس میں اس رب کی لاکھوں حکمتیں ہیں اس کے فرمان پر اعتراض نہ کرو (از روح البیان)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے نہ حلال سمجھو نشانیاں اللہ کی اور نہ حرمت والے مہینہ کو اور نہ ہدی

اے ایمان والو حلال نہ ٹھہراؤ اللہ کے نشان اور نہ ادب والے مہینے اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی

لَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ

اور نہ ہاروں والے جانوروں کو اور نہ قصد کرنے والوں کو عزت والے گھر کا جو تلاش کرتے ہو فضل

قربانیاں اور نہ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں اور نہ ان کا مال و آبرو جو عزت والے

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

ان کے رب سے اور اس کی رضامندی کو اور جب حلال ہو جاؤ تو شکار کرو اور نہ کمائے تم کو

گھر کا قصد کرکے آئیں اپنے رب کے فضل اور خوشی چاہتے اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو۔

شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ

دشمنی کسی قوم کی کہ روکا انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے اس پر کہ حد سے بڑھو

اور تمہیں کسی قوم کی عداوت کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا زیادتی کرنے پر نہ ابھارے۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

تم اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور پرہیزگاری پر اور نہ مدد کرو اوپر گناہ اور حد سے بڑھنے

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

پر اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے

اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اپنے عہد و پیمان پورے کرو اب اس آیت کریمہ میں ان عہد و پیمانوں کی کچھ تفصیل ہے۔ جن کا تعلق حرم شریف سے ہے۔ یا جن کا تعلق محترم مہینوں سے گویا یہ آیت کریمہ اس آیت کی تفصیل ہے۔ کہ اس آیت میں بالکل اجمال تھا اس آیت میں کچھ تفصیل دوسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حرم شریف اور احرام کی حالت میں شکار کے متعلق کچھ احکام دیئے گئے تھے اب حرم شریف کی دوسری چیزوں کے متعلق احکام بیان ہو رہے ہیں۔ ہدی وغیرہ گویا حرم کی ایک حرمت کا ذکر پہلے تھا دوسری حرمت کا ذکر اب ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں ان شکاری جانوروں کا ذکر تھا جو حرم شریف میں پناہ لے لیں کہ ان کا شکار کرنا حرام ہے۔ اب ان انسانوں کا ذکر ہے جو حرم شریف جا رہے ہوں کہ ان کے جان و مال برباد کرنا حرام ہے۔

شان نزول ایک بار ایک کافر جس کا نام شریح ابن ہند ابن ضبیعہ تھا لقب حطم یا حطیم تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اپنے ساتھیوں کو مدینہ منورہ سے باہر چھوڑ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ ایک ربیعہ کا آدمی آوے گا جو شیطان کی زبان سے بولے گا۔ وہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ آپ لوگوں کو کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کلمہ توحید نماز قائم کرنے زکوٰۃ دینے کی وہ بولا بہت اچھی دعوت ہے۔ پھر کہنے لگا کہ میرے کچھ خاص دوست ہیں جو اپنی قوموں کے سردار ہیں۔ میں ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ میں ان سے مشورہ کر لوں ممکن ہے کہ میں اور وہ تمام لوگ اسلام قبول کر لیں۔ یہ کہہ کر چلنے لگا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ یہ شخص کافر ہو کر آیا اور غادر ہو کر جا رہا ہے یہ ایمان لانے والا نہیں۔ اطراف مدینہ میں لوگوں کے جانور چر رہے تھے ان سب کو ہانک کر لے گیا اور فخریہ اشعار گاتا جا رہا تھا۔

☆ قد لفها باللیل سواق حطم ☆ لیس براعی ابل ولا غنم ☆

☆ ولا بجزار علی ظهر وضم ☆ باتوا نیاما وابن هند یم ینم ☆

☆ بات یقا سیہا غلام کالزلم ☆ خدلج الساقین ممسوح القدم ☆
اہل مدینہ کو جب پتہ چلا کہ تو اس کے پیچھے دوڑے مگر وہ دور نکل چکا تھا نہ پکڑ آجا سکا۔ مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ آئندہ سال یہ ہی شریح ابن بکر ابن وائل کے ساتھ یمانی حاجیوں کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر ہدی کے جانور ساتھ لئے ہوئے مدینہ منورہ کے قریب سے گزرا۔ صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ شریح یہاں سے ہدی کے جانور اور بہت سامان تجارت لئے ہوئے گزر رہا ہے۔ اجازت ہو تو اسے پکڑ کر گزشتہ سال کا بدلہ لیں اور اس کا تمام سامان چھین لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ ارشاد کیا کہ وہ اس وقت حج کے احرام میں ہے۔ ہدی کے جانور اس کے ساتھ ہیں اس وقت اسے پکڑنا احرام اور ہدی کی بے ادبی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن' روح البیان' و روح المعانی وغیرہ)

نمبر۲۔ ابن زید فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب لشکر اسلام مکہ معظمہ جا رہا تھا۔ راستہ میں کچھ لوگ ملے جو عمرہ کے احرام سے مکہ معظمہ جا رہے تھے صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ یہ بھی مشرکین مکہ کی طرح مشرک ہی ہیں۔ جب آج ہم کو مشرکین مکہ پر حملہ کرنے کی اجازت رب تعالیٰ کی طرف سے مل چکی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں ہم ان پر بھی حملہ کر دیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ہدی اور حاجیوں کے احترام کا حکم دیا گیا۔ (روح المعانی)

تفسیر یایہا الذین امنوا لا تحلوا شعائر اللہ۔ بارہا عرض کیا گیا ہے کہ دشوار یا بہت ضروری واہم حکم سناتے وقت رب تعالیٰ پہلے مسلمانوں کو پیار سے خطاب **الذین امنوا** سے خطاب فرماتا ہے۔ پھر حکم سناتا ہے۔ چونکہ یہ احکام بہت اہمیت والے ہیں کہ ان کا تعلق بیت اللہ الحرام اور ماہ حرام سے ہے۔ اسی لئے پہلے رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو پکارا پھر حکم سنایا۔ **لا تحلوا** بنا ہے احلال سے جو بمعنی استحلال ہے۔ یعنی حلال سمجھنا۔ درست و مباح جاننا حلال اور ہلال کا فرق ابھی پچھلی آیت میں **احلت لکم** کی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ یہاں سے بے عزتی اور لوٹ مار کرنے اور تعارض کرنے کا حلال جاننا مراد ہے۔ کیونکہ ان کی حرمت دین کا رکن ہے۔ دل کا تقویٰ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ **و من یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔ شعائر اللہ** کی تفسیر پارہ سیقول **ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ** کی تفسیر میں عرض کی گئی کہ شعائر جمع ہے **شعرۃ یا شعیرۃ** کی۔ بمعنی علامت و پہچان یعنی جو کسی چیز کا شعور دلائے۔ ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام یا اپنی قدرت یا اپنی رحمت کی علامت قرار دیا۔ ہر وہ چیز جس کو دینی عظمت حاصل ہو کہ اس کی تعظیم مسلمان ہونے کی علامت ہے وہ شعائر اللہ ہے۔ یہاں تو دین اسلام یا احکام اسلام یا ارکان حج وغیرہ مراد ہیں۔ اسی سے ہے شعار۔ بمعنی علامت۔ یعنی اے مسلمانو تم اللہ کی مقرر کردہ علامات ایمان یا محترم چیزوں کو حلال مت سمجھ لو۔ جیسے دنیاوی سلطنتوں کا حال ہے کہ سارا ملک بادشاہ کا ہوتا ہے۔ مگر بعض انسان بعض جگہ بعض وقت سرکاری ہوتے ہیں اور باقی

انسان و مکانات دن۔ جگہ رعایا کے پولیس و فوج کے آدمی کچہری ڈاکخانہ وغیرہ کی عمارات جمعہ یا اتوار کے دن سرکاری ہیں کہ ان کی اہانت حکومت کی غداری ہے۔ چپڑاسی سمن تعمیل کرانے جاوے تو بڑے سے بڑے آدمی گھبرا جاتے ہیں۔ چوراہے کے سپاہی کے اشارہ پر کار والوں کو تعمیل کرنا پڑتی ہے۔ ناغہ کے دن گوشت کرنے پر مقدمہ قائم ہو جاتا ہے یوں ہی حضرات انبیاء و اولیاء سرکاری آدمی ہیں۔ بیت اللہ ماہ رمضان۔ جمعہ کا دن 'مسجدیں وغیرہ سرکاری چیزیں ہیں ان کی بے حرمتی کو حلال نہ جان لو ان کی تعظیم اور احترام داخل فی الدین ہے۔ ان کی بے حرمتی ایمان کے خلاف ہے۔ اور زمانہ میں روزہ توڑو تو قضا واجب رمضان شریف میں روزہ توڑو تو کفارہ بھی واجب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصریوں نے غلام کہا تو ان کے دامن سے یہ داغ چھڑانے کے لئے دنیا بھر میں قحط سالی سات سال کی بھیجی یہ ہے۔ تعظیم **شعائر اللہ ولا الشهر الحرام** یہ گویا عام پر خاص کا عطف ہے۔ کیونکہ شعائر اللہ میں ماہ محترم بھی داخل تھا اسے خصوصیت سے بیان فرمانا اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہے حق یہ ہے کہ شہر اور حرام دونوں ہم جنس ہیں۔ جو ایک اور زیادہ سب پر بولے جاتے ہیں۔ شہر کے معنی ہیں مہینہ 'حرام کے معنی ہیں حرمت والا' عزت والا' یا وہ مہینہ جس میں جنگ و جدال کرنا حرام ہو۔ یہ کل چار مہینہ ہیں۔ رجب' ذیقعد' ذی الحجہ' محرم کہ اسلام سے پہلے بھی کفار ان مہینوں کا ادب کرتے تھے۔ ان میں چوری ڈکیتی قتل و غارت قطعاً نہیں کرتے تھے یہ عبارت شعائر اللہ پر معطوف ہو کر **لا تحلوا** کا مفعول ہے۔ اور یہاں مذکورہ چاروں مہینے مراد ہیں۔ یعنی عزت والے مہینوں کو حلال نہ بنالو کہ ان میں قتل و خونریزی کرو۔ یا مہینوں میں تبدیلی کر کے ان محترم مہینوں کو حلال نہ کرلو۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں کفار مہینوں میں تبدیلی کر لیتے تھے کہ رجب کو ربیع الاول بنا لیا اور اسی میں لڑ بھڑ لئے پھر کسی اور مہینہ کو رجب کر لیا جسے وہ لوگ نسی کہتے تھے قرآن کریم نے فرمایا **انما النسئی زيادة فی الكفر** پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں نے مہینوں میں تبدیلی کبھی نہ کی تھی اور یہاں خطاب مسلمانوں سے ہی ہو رہا ہے۔ ہاں انہوں نے ماہ محترم میں شریح سے جنگ کرنا چاہی تھی۔ **ولا الهدی ولا القلائد** یہ عبارت الشہر الحرام پر معطوف ہو کر **لا تحلوا** کا مفعول بہ ہے۔ **هدی** اسم جنس ہے اس کا واحد **هدية** ہے۔ بمعنی تحفہ اس کی جمع **هدی** ی کی شد سے ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ حلفت برب مكة والمصلى ☆ واعناق الهدی مقلدات ☆

شریعت میں ہدی وہ اونٹ یا گائے یا بکری ہے جو کعبہ معظمہ لے جائی جاوے۔ وہاں ذبح کرنے کے لئے اور القلائد جمع ہے قلادة کی بمعنی ہار۔ یہاں وہ ہار مراد ہے جو ہدی کے گلے میں نشانی کے لئے ڈالا جاتا ہے۔ یہاں قلائد سے مراد یا تو وہ جانور ہے۔ جس کے گلے میں یہ ہار ڈالا گیا ہے۔ یعنی ہدی کا اونٹ یا خود ہار ہی مراد ہے یعنی نہ تم ہدی جانور کو حلال کرلو نہ ان کے ہاروں کو اس طرح کہ ان دونوں کی بے حرمتی کرو۔ تم پر ان دونوں کا احترام ضروری ہے۔ کہ یہ بھی شعائر اللہ میں داخل ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والبدن جعلنها لكم من شعائر الله** بعض مفسرین نے فرمایا کہ قلائد سے مراد وہ

لوگ ہیں جو حرم شریف میں ہدی لے جاتے تھے۔ یعنی ہار پہنانے والے لوگ یہ لوگ کعبہ معظمہ جاتے وقت تو ہدی کی وجہ سے چوروں ڈاکوؤں سے محفوظ رہتے تھے اور واپسی پر ذبح شدہ ہدی کے ہار اپنے گلوں میں ڈال لیتے تاکہ پہچانے جاویں کہ یہ لوگ ہدی ذبح کر کے آ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے راستہ کے خطرات سے محفوظ رہتے تھے۔ اور بخیریت گھر پہنچ جاتے تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ مکہ والے جب سفر کرتے تو مکہ معظمہ کے درخت کی چھال وغیرہ کے ہار اپنے گلوں میں ڈال لیتے تھے۔ تاکہ پہچانے جاویں کہ یہ مکہ والے ہیں اور راستہ میں چور ڈاکو ان سے تعرض نہ کریں (روح المعانی) **والا آمین البیت الحرام** یہ عبارت **ولا القلائد** پر معطوف ہے۔ اور **لا تحلوا** کا مفعول بہ آمین جمع ہے آم کی جو ام یوم کا اسم فاعل ہے۔ ام سے بنا۔ بمعنی قصد و ارادہ۔ اسی سے ہے۔ امام جس کی اتباع کا ارادہ کیا جاوے۔ اسی سے ہے امت وہ جماعت جو کسی امام کی پیروی کا ارادہ کرے بیت الحرام کعبہ معظمہ کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں مراد یا مکہ معظمہ ہے یا حرم شریف جس میں کعبہ معظمہ واقعہ ہے۔ یعنی حلال نہ جان لو ان لوگوں کے جان و مال کو جو مکہ معظمہ کے ارادہ سے جا رہے ہوں۔ اگر آمین سے مراد مکہ معظمہ جانے والے کفار ہیں تب تو یہ عبارت منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ وہ آیت کریمہ ہے۔ **انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھذا** کہ اب کفار کو مکہ معظمہ جانے کی اجازت ہی نہیں اور اگر اس سے مراد مسلمان حاجی ہیں تو آیت کریمہ محکم ہے۔ یوں ہی شہر حرام کے متعلق گفتگو ہے۔ اگر مراد یہ ہے کہ محترم مہینوں میں جہاد نہ کرو تو منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ وہ آیت ہے۔ **فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** اور اگر یہ مقصد ہے کہ ان محترم مہینوں کا ادب کرو تو محکم ہے۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان دونوں عبارتوں کو منسوخ مانتے ہیں۔ اور امام شعبی وغیرہ محکم مانتے ہیں۔ (تفسیر خازن کبیر وغیرہ) **یبتغون فضلا من ربھم ورضوانا** یہ عبارت آمین کی ضمیر ہم سے حال ہے۔ **ابتغاء** کے معنی ہیں تلاش کرنا۔ ڈھونڈنا۔ فضل رب سے مراد تجارتی نفع اور دوسری آمدنیاں جو حج میں حاصل کی جاتی ہیں۔ رضوان سے مراد ہے اخروی ثواب جو حج میں ملتا ہے۔ اہل عرب حج کے موسم میں تجارت کرتے نفع بھی کماتے اور حج بھی کرتے تھے ثواب کی نیت سے۔ اگر آمین سے مراد کفار تھے تو **یبتغون** میں ان کی نیت کا ذکر ہے۔ کیونکہ کفار حج میں ثواب کی نیت تو کرتے تھے اگرچہ ثواب پاتے نہ تھے کہ ثواب ملتا ہے ایمان کے ساتھ نیک اعمال کا اور اگر آمین سے مراد مومنین حجاج ہیں تو **یبتغون** میں واقعہ کا بیان ہے۔ یعنی ان حجاج کے جان و مال کو حلال نہ کر لو جو تجارتی نفع و ثواب حاصل کرنے بیت اللہ شریف جا رہے ہوں۔ ان سے کچھ تعرض نہ کرو **واذا حللتم فاصطادوا** اس عبارت کا تعلق **غیر محلی الصید وانتم حرم** سے ہے **حللتم** بنا ہے حلال سے بمعنی احرام سے کھل جانا۔ احرام ختم کر دینا۔ خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا **اصطادوا** صید سے بنا ہے۔ بمعنی شکار اصطیاد شکار کرنا۔ یہاں شکار سے مراد خشکی کا شکار ہے۔ کیونکہ دریائی شکار تو بحالت احرام بھی جائز تھا اور حرم کے علاوہ دوسری جگہ کا شکار مراد ہے۔ کیونکہ حرم شریف کا شکار تو ہمیشہ حرام ہے۔ محرم یا حلال وہاں کا شکار نہیں کر سکتا۔ نیز یہ امر وجوب یا

استحباب کے لئے نہیں بلکہ صرف مباح کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ جو امر ممانعت کے بعد آوے وہ اس ممانعت کی پابندی اٹھانے کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی اے مسلمانوں احرام والو جب تم احرام سے کھل جاؤ تو وہ شکار کر سکتے ہو' جو احرام کی وجہ سے تم پر حرام ہو گئے تھے کہ اب وہ پابندی اٹھ گئی۔ **ولا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا** یہ دوسرا حکم ہے۔ جس کا تعلق احرام کھلنے سے ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ احرام کھول دینے کے بعد تم سے شکار کی پابندی تو اٹھ گئی۔ اس کی تمہیں اجازت دی گئی۔ مگر کفار محرم ہوں یا غیر محرم ان پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ پابندی بعد احرام بھی باقی ہے۔ کسی پر ظلم کرنا مسلمان کی شان نہیں **لا یجرمن** بنا ہے جرم سے جرم کے معنی ہیں پھل درخت سے توڑنا۔ گناہ کرنا۔ اسی لئے گناہ کو جرم اور گنہگار کو مجرم کہتے ہیں اور حمل یعنی کسی بات پر اکسانا ابھارنا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ **ولقد طعنت اباعینیۃ طعنۃ ☆ جرمت فزارۃ بعد ھا ان تغضبا** ☆

اس شعر میں جرم ' بمعنی اکسانا اٹھانا ہے۔ تیسرے معنی پر جرم دو مفعول چاہتا ہے۔ پہلا مفعول بلاواسطہ ہوتا ہے۔ دوسرا مفعول علی کے واسطے سے خواہ علی پوشیدہ ہو یا ظاہر۔ (روح المعانی) **شنان** کے معنی ہیں بغض 'نفرت 'عداوت ' رب فرماتا ہے **ان شانئک ھو الابتر** تفسیر مظہری میں ہے کہ شنان نون کے سکون سے صفت ' بمعنی عداوت و نفرت اور نون کے فتح سے مصدر ہے ' بمعنی نفرت کرنا کیونکہ مصدر اکثر بروزن **فعلان** آتے ہیں۔ جیسے ضربان 'سیلان ' سلان اور عین کلمہ کے سکون سے صفت جیسے سکران ' نلمان ' رحمٰن (مظہری) چونکہ یہاں نون کے سکون سے ہے لہٰذا صفت ہے مصدر نہیں۔ قوم سے مراد یا عام کفار ہیں یا کفار مکہ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں **ان صدوکم** یہ عداوت و بغض کی علت ہے۔ صد کے معنی ہیں روکنا۔ یہاں حدیبیہ کے سال عمرہ کرنے سے روکنا مراد ہے **ان تعتدوا** سے پہلے علی پوشیدہ ہے اور یہ **لا یجرمنکم** کا دوسرا مفعول ہے **اعتداء** کے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا اس کا مادہ عدو ہے۔ اس لئے دشمن کو عدو کہا جاتا ہے۔ دوستی کی حد سے بڑھ جانے والا۔ یعنی ایک کافر قوم نے تم کو عمرہ بیت اللہ سے روکا تھا۔ اسی پر تم کو اس قوم پر سخت غصہ تھا۔ تم کو یہ غصہ و عداوت اس بات پر نہ اکسادے کہ تم موقعہ پاکر ان کفار پر ظلم کرو۔ حد سے آگے بڑھ کر سزا دو۔ مسلمانوں نے اسی حکم پر ایسا عمل کیا کہ سبحان اللہ مکہ فتح ہو جانے پر کسی مکہ والے پر زیادتی و ظلم نہ کیا گیا۔ انہیں امان دی گئی۔ خیال رہے کہ ہر چیز حد میں رہ کر مفید ہے۔ حد سے نکل کر مضر۔ آگ چولہے میں رہے مفید ہے گھر میں پھیل جائے ہلاک کر دے۔ پانی دریا کی حدود میں رہے مفید ہے۔ کناروں کی حد سے نکل جاوے تو سیلاب بن کر ملک تباہ کر ڈالے۔ یونہی غصہ 'شہوت بلکہ آنکھ کان ناک وغیرہ حد میں استعمال ہوں تو مفید ہے حد سے بڑھیں تو مضر اس لئے ارشاد ہوا کہ حد سے نہ بڑھو۔ **وتعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** یہ جملہ **لا یجرمنکم** پر معطوف ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تم نہ تو خود کفار دشمن پر ظلم کرو اور نہ ظلم کرنے والے مسلمانوں کی

ظلم پر مدد کرو۔ بلکہ انہیں زیادتی سے روک دو۔ تعاون عون سے بنا ہے۔ بمعنی مدد باب تفاعل میں آکر اس میں شرکت کے معنی پیدا ہو گئے تعاون کے معنی ہوئے ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ مدد عام ہے۔ خواہ مالی مدد ہو یا زبانی مدد یا ارکانی یعنی اعضا سے مدد یا جانی مدد جس قسم کی مدد درکار ہو اور جس مدد پر قدرت ہو وہ کرنا۔ یہاں بھی مسلمانوں سے خطاب ہے۔ بر سے مراد ہر نیکی ہے۔ تقویٰ سے مراد ہر گناہ سے بچنا۔ یہاں بر سے مراد ہے عفو و کرم اور درگزر کرنا۔ تقویٰ سے مراد ہے نفس کو بدی کے جوش سے روکنا۔ اسی طرح آگے اثم سے مراد ہے عام گناہ اور عدوان سے مراد ہے ان کفار پر ظلم کرنا۔ یعنی اے مسلمانو اپنی قوم کی ناجائز حمایت نہ کرو بلکہ نیک کام کرنے گناہوں سے بچنے میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و ظلم پر ہرگز ہرگز کسی کی مدد نہ کرنا۔ ناجائز حمایت بھی جرم ہے **واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب** اس جملہ میں وہ چیز بتائی گئی جس سے یہ سارے احکام آسان ہو جاویں یعنی اللہ سے ڈر اس کے عذاب سے خوف۔ یعنی اللہ کا ڈر دل میں رکھو اس کا عذاب بہت سخت ہے۔ جب تمہارے دل میں خوف خدا ہو گا تو تمہارے دلوں کا یہ جوش بھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اور ان تمام احکام پر عمل بھی آسان ہو جاوے گا۔ یعنی ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ تم کسی قوم پر قابو پا کر اس پر زیادتی نہ کرو۔ کیونکہ تم بھی رب تعالیٰ کے قابو میں ہو۔

خلاصہ تفسیر اے ایمان والو تم ان چیزوں کو حلال نہ بنالو جن کو اللہ تعالیٰ نے دین ایمان کی نشانیاں ٹھہرایا کہ ان کی تعظیم مومن ہونے کی علامت ہے۔ ان کی اہانت نہ کرو نہ حرمت والے مہینوں رجب' ذی قعدہ' ذی الحجہ' محرم کو حلال ٹھہرالو کہ ان میں جنگ و جدل کرو۔ یا مہینے تبدیل کرکے ان محترم مہینوں کی بے حرمتی نہ کرو نہ اس جانور کی بے حرمتی کرو جو مکہ معظمہ ذبح کے واسطے بطور ہدی لے جایا جا رہا ہو۔ (ہدی) نہ ہدی جانور کے ہاروں کی بے حرمتی کرو جو ان کے گلے میں ڈالے گئے ہوں۔ بطور علامت کے نہ ان لوگوں کو حلال ٹھہراؤ جو بیت اللہ شریف کے ارادہ سے حج و عمرہ کرنے ساتھ ہی تجارت کے ذریعہ نفع کمانے جا رہے ہوں۔ ایسے لوگوں سے تعرض نہ کرو یہ بھی خیال رکھو کہ احرام کی وجہ سے تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا تھا۔ جب تم احرام سے کھل جاؤ تو یہ پابندی ختم ہو جائے گی پھر تم شوق سے شکار کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ حرم شریف کا نہ ہو۔ مگر دھیان رہے کہ احرام کھلنے سے شکار کی پابندی تو اٹھالی جاوے گی مگر دوسری پابندیاں تم پر ویسی ہی رہیں گی۔ لہٰذا تم کسی کافر قوم کی عداوت میں حد سے آگے نہ بڑھو۔ یہ خیال کرکے کہ انہوں نے ہم کو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر بیت اللہ شریف سے روک کر عمرہ نہ کرنے دیا۔ حتیٰ کہ ہم کو بغیر عمرہ کئے احرام کھولنا اور مدینہ منورہ واپس آنا پڑا۔ لاؤ اب ہم کو موقعہ ملا ہے۔ ہم اس حرکت کا خوب اچھی طرح بدلہ لیں۔ ایسا نہ کرنا اگر اور لوگ ایسا کرنا چاہیں تم ان کی اس کام میں مدد نہ کرنا بلکہ انہیں اس جذبہ انتقام سے روک دینا۔ ہمیشہ بھلائی و نیکی پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ و زیادتی پر مدد نہ کرو۔ اچھے کام میں مدد دینا اچھا ہے۔ برے کام میں مدد دینا برا ہے۔ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو یہ ڈر ہی بڑا اچھا کام تمہارے لئے آسان کر دے گا اور تمہارے دلوں سے انتقام کی آگ کو سرد کر دے گا۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ اگر

تم کو اس قوم پر قابو ہے تو تم پر رب تعالیٰ کو قابو ہے۔ یہ خیال دل میں جمالو۔ اور کبھی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ ہمیشہ حدود شرعیہ کے اندر رہو۔ غرض کہ اس آیت کریمہ میں سات چیزوں سے مسلمانوں کو منع فرمایا گیا۔ شعائر اللہ و دین معظم چیزوں کی بے حرمتی کرنا۔ محترم مہینوں میں جہاد کرنا یا تبدیلی کرنا۔ ہدی جانور اور ان کے گلے میں ڈالے ہوئے ہاروں کی بے حرمتی کرنا عمرہ یا حج کو جانے والوں کی بے حرمتی کرنا۔ کسی دشمن قوم سے ان پر قابو پا کر حد سے زیادہ بدلہ لینا۔ برائی پر اپنی قوم کو مدد دینا اور ایک چیز کی اجازت دی گئی۔ احرام کھولنے کے بعد شکار کرنا۔ ایک چیز کا حکم دیا گیا۔ بھلائی پر ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ اس آیت کریمہ میں نہایت اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہے۔ خیال رہے کہ عام مفسرین اس آیت کریمہ میں تین حکموں کو منسوخ مانتے ہیں۔ محترم مہینوں' یعنی رجب ذیقعدہ' ذوالحجہ محرم میں کفار سے جہاد ممنوع ہونا۔ اس کی ناسخ وہ آیت ہے **فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** دوسرے بیت اللہ شریف جانے والے کفار کو نہ روکنا۔ انہیں حج و عمرہ تجارت کے لئے جانے دینا۔ تیسرے قلائد کا احترام کرنا کہ مشرکین کی ہدی بیت اللہ شریف جانے دینا یا مشرک اپنے گلے میں ہدی کا ہار ڈال لے اس سے کچھ نہ کہنا ان دونوں حکموں کی ناسخ یہ آیت ہے۔ **انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا** حتیٰ کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورہ مائدہ میں صرف اس آیت کے یہ ہی اجزا منسوخ ہیں اور کوئی حکم منسوخ نہیں۔ باقی ساری سورت محکم ہے۔ اب ان محترم مہینوں میں جہاد جائز ہے۔ مشرکین کو بیت اللہ شریف جانے کی اجازت نہیں۔ ان کی ہدی وہاں یعنی بیت اللہ شریف ہی نہیں جانے دی جاوے گی۔ جن لوگوں نے اس پوری آیت کو محکم مانا ہے وہ ان عبارتوں کے معنی ہی کچھ اور کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ محترم مہینوں کو تبدیل کر کے ان کی بے حرمتی نہ کرو۔ مسلمان حجاج کو اور ان کی ہدیوں کو بیت اللہ شریف جانے وہاں حج و عمرہ کرنے وہاں تجارات کرنے سے نہ منع کرو۔ مسلمانوں کی ہدی کو حرم شریف پہنچنے وہاں ذبح ہونے سے نہ روکو ان کے نزدیک سورہ مائدہ پوری محکم ہے۔ اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ مگر جمہور مفسرین نے پہلا قول اختیار فرمایا ہے۔ یہ آیت فتح مکہ کے سال نازل ہوئی اور **الیوم اکملت لکم دینکم** خاص حجتہ الوداع کے دن عرفات شریف میں نازل ہوئی (تفسیر صاوی)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ جس چیز کو کسی عزت و عظمت والی چیز سے نسبت ہو جاوے۔ وہ دینی شعار اور شعائر اللہ بن جاتی ہے۔ اس کی تعظیم ایمان کی علامت ہے۔ اس کی توہین کفر کی پہچان۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ اللہ کے شعائر کو حلال نہ جان لو۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوا **ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ** صفا مروہ پہاڑ شعائر اللہ سے ہیں کیوں اس لئے کہ انہیں جناب ہاجرہ کی قدم سے نسبت ہے۔ ہدی اور بدنہ شعائر اللہ ہیں۔ کیوں اس لئے کہ انہیں بیت اللہ سے نسبت ہو گئی دوسرا فائدہ سال میں چار مہینہ حرمت والے ہیں۔ رجب۔ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم رب تعالیٰ فرماتا ہے **منھا اربعۃ حرم** ان بارہ مہینوں میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ ان مہینوں

میں اللہ کی عبادت گناہوں سے پرہیز بہت کرے یہ فائدہ **ولا الشهر الحرام** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ ہدی جانور کا بھی احترام ہے چنانچہ بلا ضرورت اس پر سوار نہ ہو۔ یہ فائدہ **ولا الهدی** سے حاصل ہوا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی ہدی کا بڑا احترام تھا۔ عرب کے بدو بھی ہدی والے قافلہ کو نہ لوٹتے تھے۔ چوتھا فائدہ ہدی کے گلہ میں ہار ڈالنا بہت بہتر ہے۔ اس ہار کا بھی احترام ہے۔ یہ ہار چمڑے کا ہوتا ہے۔ جس میں کوئی جوتا یا اور چیز پڑی ہوتی ہے۔ یہ جانور کے ہدی ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **ولا القلائد** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ حجاج کی عزت و حرمت کرنا ان کا ادب احترام کرنا بہت اچھا ہے۔ یہ فائدہ **ولا آمین البیت الحرام** سے حاصل ہوا چھٹا فائدہ سفر حج میں تجارت کرنا درست ہے۔ ممنوع نہیں، جیسا کہ **فضلا من ربهم** سے معلوم ہوا دوسری جگہ ارشاد ہوا **لا جناح علیکم ان تبتغوا فضلا من ربکم** بہر حال حج و عمرہ میں تجارت و مزدوری وغیرہ سب جائز ہے۔ ساتواں فائدہ اگر کوئی چور ہمارا مال چرائے تو ہم اس کے عوض میں اس چور کا مال نہ چوری کریں۔ نہ لوٹیں بلکہ اسے سزا دیگر طریقے سے دیں جیسے ہاتھ کٹوانا وغیرہ دیکھو شریح نے اہل مدینہ کے جانور چرائے پھر اسے حج کو جاتے ہوئے دیکھا گیا اہل مدینہ نے چاہا کہ اس چوری کے عوض اس کا مال لوٹ لیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اور اس آیت کریمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی۔ مسئلہ اگر چور کے پاس اپنا مال دیکھا جاوے تو مالک یہ مال اس سے جبراً چھین سکتا ہے چھپا کر بھی لے جا سکتا ہے۔ کہ یہ خود اس کا مال ہے۔ اسی طرح اگر کوئی سود خور سود میں یا ظالم حاکم رشوت میں کسی سے اس کی بکری بھینس یا کوئی اور مال لے۔ اگر مالک موقع پاکر اس چور یا سود خور یا راشی ظالم سے اپنا یہ جانور چھین لے تو جائز ہے۔ یہ ڈکیتی نہیں کہ یہ اس چھیننے والے کا اپنا مال ہے۔ چوری یا سود یا رشوت سے یہ مال ان ظالموں کا نہیں ہو گیا۔ مسئلہ اگر کوئی شخص کسی کا حق مارے اس کا حق نہ دے تو حق والا اس کے مال سے اپنے حق کی بقدر جبراً یا چھپا کر لے سکتا ہے۔ اس کا ماخذ وہ حدیث ہے کہ بی بی ہندہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے خاوند ابوسفیان کی شکایت کی کہ وہ کنجوس ہیں مجھے کافی خرچہ نہیں دیتے کیا میں ان کے جیب سے بقدر ضرورت پیسے نکال سکتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بقدر ضرورت نکال لینے کی اجازت دی یہ ہے حق والے کا اپنا حق جبراً وصول کرنا۔ اگر کسی کی چیز خریدی مگر قیمت نہ دی کسی کی مزدوری کی مگر اس نے مزدوری نہ دی۔ کسی کرایہ دار نے مکان کا جائز کرایہ ادا نہ کیا۔ اگر یہ اہل حقوق اپنے حق کی بقدر جبراً اس سے چھین لیں تو جائز ہے۔ آٹھواں فائدہ ہر امر وجوب کے لئے نہیں ہوتا دیکھو یہاں **فاصطادوا** امر کا صیغہ ہے مگر صرف اباحت کے لئے ہے۔ اس لئے آئمہ مجتہدین کی تقلید ضروری ہے۔ کہ وہ بتا سکتے ہیں کونسا امر وجوب کا ہے۔ کونسا استحباب کا یا اباحت کا قرآن کریم میں کفر کے لئے امر کا صیغہ ارشاد ہوا ہے۔ **ومن شاء فلیکفر** دیکھو **فلیکفر** صیغہ امر ہے۔ جو اظہار غضب کے لئے کفر پر بولا گیا۔ نواں فائدہ ظالم سے بدلہ لیتے وقت شرعی حدود کا ضرور خیال رکھا جائے۔ حد سے زیادہ بدلہ نہ لیا جاوے اگرچہ نفس کا جوش بہت ابھارے یہ فائدہ **ان تعتدوا** سے حاصل ہوا۔ چور کا صرف ایک ہاتھ کاٹو اگر جوش

میں آکر دونوں ہاتھ کاٹ دیئے تو مجرم ہوئے۔ قاتل کو قتل کے عوض قتل کرو۔ اگر مثلہ (ہاتھ 'پاؤں ناک' کان کاٹنا) کر کے قتل کیا تو جرم ہوا۔ رنج و خوشی غصہ وغیرہ میں نفس کو قابو میں رکھو۔

☆ ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا ☆

☆ جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا ☆

دسواں فائدہ اللہ کے بندوں سے مدد لینا جائز ہے حرام یا شرک نہیں اور **ایاک نستعین** کے خلاف نہیں۔ یہ فائدہ "**تعاونوا**" سے حاصل ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **من انصاری الی اللہ** ان کے مددگاروں کو آج بھی نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت کا نام انصار ہے۔ اگر غیر خدا سے مدد لینا شرک ہو تا تو بندوں سے مدد مانگنے والے انبیاء **نعوذ باللہ** مشرک ہوئے اور یہ دونوں نام شرک ہوتے۔ گیارہواں فائدہ نیک کام پر مدد دینا نیکی ہے۔ ثواب ہے۔ برے کام پر مدد دینا گناہ ہے جیسا کہ **ولا تعاونوا** سے معلوم ہوا۔ نمازی کو وضو کے لئے پانی دینا ثواب ہے۔ ظالم قاتل کو قتل کے لئے چھری دینا گناہ ہے۔ اس فائدے سے بہت سے مسائل حل ہوں گے۔

پہلا اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شریح کا ہاتھ کیوں نہ کٹوایا۔ جب کہ اس نے اہل مدینہ کے جانور چرا لئے تھے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینہ والوں کو قتل کر دیا تھا انہوں نے بھی صدقہ کے جانوروں کی چوری کی تھی۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ **جواب** ان دونوں واقعوں میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ شریح کافر تھا اور عرینہ والے مسلمان ہو کر مرتد ہو گئے تھے۔ مرتد کی سزا قتل ہے۔ دوسرے یہ کہ شریح صاف چور تھا اور عرینہ والے ڈاکو بھی تھے اور ساتھ ظالم قاتل بھی۔ کہ انہوں نے حضور کے چرواہوں کو ساتھ قتل بھی کر دیا تھا۔ چور اور ڈاکو کی سزا میں بڑا فرق ہے۔ تیسرے یہ کہ شریح مدینہ پاک کا رہنے والا نہ تھا دارالحرب کا رہنے والا کافر تھا۔ چوری کر کے دارالحرب میں بھاگ گیا تھا۔ اگر کوئی حربی کافر دارالاسلام میں گھس آوے۔ چوری کر کے پھر دارالحرب میں بھاگ جاوے۔ تو اس کے ہاتھ نہیں کٹ سکتے۔ چوتھے یہ جنگل میں چرتے ہوئے جانور جب چرواہا ان کے ساتھ نہ ہو محفوظ مال نہیں ہوتے اور غیر محفوظ مال لے لینا شرعاً چوری نہیں ہوتا۔ **دوسرا اعتراض** جب شریح بیت اللہ جاتے ہوئے دیکھا گیا۔ تو اس کا مال کیوں نہ لے لیا گیا۔ اسے گرفتار کیوں نہ کر لیا گیا۔ کیا اب بھی یہ ہی حکم ہے کہ چور قاتل مل جائے تو اسے نہ پکڑا جائے اگر چور قاتل مسجد میں گھس جاوے تو کیا اسے امان ہے۔ **جواب** ہم تفسیر میں کہہ چکے ہیں کہ اگر آمین بیت الحرام میں کفار بھی داخل ہوں تو یہ آیت منسوخ ہے۔ اب تو کسی کافر کو عرب شریف جاتے حج کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ عمل اس زمانے کے قانون کے لحاظ سے تھا۔ اب چور قاتل جامع مسجد میں بھی گھس جاوے جب بھی پکڑا جاوے گا۔ ہاں اگر باہر سے قتل کر کے کوئی حرم شریف میں پناہ لے لے تو اسے وہاں قتل نہ کیا جائے گا۔ ہاں اسے کھانے پینے سے تنگ کر کے وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا

جاوے گا۔ نکل جانے پر اسے قتل کیا جاوے گا۔ **تیسرا اعتراض** کافر کے اعمال کا ثواب نہیں۔ شریح کافر تھا اس کا حج اس کے لئے ثواب کا ذریعہ نہ تھا پھر اس کے متعلق رضوانا کیوں فرمایا۔ کیا خدا تعالیٰ کافر کے حج سے راضی ہے۔ **جواب** یہاں تلاش ثواب کا ذکر ہے۔ نہ کہ عطاء ثواب کا شریح حج کرنے چلا تھا ثواب کمانے کی نیت سے واقعہ میں اسے ثواب بالکل نہیں ہے۔ اس لئے یہاں **یبتغون** ارشاد ہوا۔ عطاء ثواب اور ہے تلاش ثواب کچھ اور **چوتھا فائدہ** اگر امر وجوب کے علاوہ صرف اباحت یا استحباب کے لئے بھی ہوتا ہے۔ تو بے دینوں کے لئے راستہ کھل جاوے گا وہ جس امر کو چاہیں گے صرف اباحت کے لئے مان لیں گے وہ کہہ سکتے ہیں کہ **واقیموا الصلوۃ** کا امر اباحت کا ہے۔ نماز پڑھنا فرض نہیں۔ صرف جائز ہے۔ **جواب** مشترک لفظ کے معنی قرینہ دیکھ کر کئے جاتے دیکھو اردو میں لفظ کل کے کئی معنی ہیں۔ مشین' آرام 'گزشتہ کل' اگلی کل' موٹر کل سے چلتی ہے۔ یہاں مشین کے معنی میں ہے مجھے رات بھر کل نہ پڑی۔ آرام' میں کل گیا تھا پچھلی کل میں کل جاؤں گا۔ اگلی کل۔ اسی طرح جب پابندی اٹھانے کے لئے امر ہوگا۔ تو اباحت کے لئے ہوگا احرام میں شکار کرنا حرام کر دیا گیا تھا۔ یہاں اس احرام کی پابندی اٹھانے کے لئے امر ارشاد ہوا لہٰذا اباحت کے لئے ہے اگر یہ امر وجوب کے لئے ہو تو بجائے آسانی کے مشکل میں واقع کر دے گا۔ بجائے پابندی اٹھانے کے پابندی لگا دے گا یہ منشاء کلام کے خلاف ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت میں حکم دیا گیا کہ بھلائی و تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو جس سے معلوم ہوا کہ بندوں کا امداد باہمی کرنا اچھا ہے۔ مگر دوسری جگہ فرمایا گیا۔ **مالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** اللہ کے سوا کوئی ولی مددگار نہیں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** ان آیات میں ذاتی اصلی' استقلالی مدد کو ذات باری تعالیٰ سے منحصر فرمایا گیا۔ ہے اور یہاں عارضی مدد کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا۔ ریل میں انجن بھی دوڑتا ہے اور ریل کے ڈبے بھی مگر انجن بذات خود دوڑتا ہے ڈبہ انجن کے دوڑانے سے عارضی طور۔ ہاتھ میں پنکھا بھی ہلتا ہے۔ ہاتھ بھی۔ مگر ہاتھ ذاتی طور پر پنکھا عارضی طور پر۔ سورج کے سامنے شیشہ بھی چمکتا ہے۔ اور سورج بھی۔ مگر سورج بذات خود چمکتا ہے۔ اور شیشہ سورج کے چمکانے سے۔ رب تعالیٰ بذات خود ناصر ہے۔ بندہ رب تعالیٰ کے ارادے سے۔ یا وہاں ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ خدا کے مقابل ہو کر کوئی مددگار نہیں۔ **چھٹا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن کافروں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روکا ان پر زیادتی کرنا ممنوع ہے۔ زیادتی یہ کہ انہیں بیت اللہ سے روک دیا جائے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد فتح مکہ کفار کو حج تو کیا مسجد حرام کے قریب آنے سے بھی روک دیا تھا۔ قرآن کریم نے بھی یہ ہی فرمایا تو اس آیت پر عمل کیوں نہ کیا گیا۔ **جواب** یہ حکم اسلامی قانون تھا جو جاری کیا گیا ان کے روکنے کا بدلہ نہ تھا ورنہ صرف مکہ کے کافروں بلکہ صرف ان کافروں کو ہی بیت اللہ سے روکا جاتا۔ جنہوں نے حدیبیہ کے موقعہ پر مسلمانوں کو روکا۔ سب کافروں کے لئے یہ حکم عام نہ ہوتا۔ بہر حال اس آیت پر تمام صحابہ نے عمل پورا پورا کیا۔ اسلام نے **حائضہ نفاس** والی عورتوں جنبی مردوں کو بھی مسجد حرام شریف بلکہ تمام مسجدوں سے روک دیا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ناپاک ہیں اور مسجدیں پاک جگہ۔

لہذا مشرکین و کفار جو نجاست کفر میں آلودہ ہیں حرم شریف سے روکے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

تفسیر صوفیانہ ایمان کے بعد تقویٰ بڑی ضروری چیز ہے کہ وہ خدا رسی کا ذریعہ کامل ہے۔ تقویٰ دو قسم کا ہے۔ تقویٰ ظاہری۔ جسے کہتے ہیں تقویٰ جوارح اور تقویٰ باطنی جسے کہتے ہیں تقویٰ قلوب' تقویٰ ظاہری کے دو رکن ہیں۔ ظاہری اعضاء کو برے کاموں سے روکنا۔ اچھے کاموں میں لگا دینا اور تقویٰ قلوب صرف ایک چیز کا نام ہے۔ وتعظیم **ما عظمہ اللہ** یعنی جن کو رب تعالیٰ نے عظمت دی ہے ان کی تعظیم کرنا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** انہیں معظم چیزوں کا نام شعائر اللہ ہے شعائر اللہ بہت چیزیں ہیں۔ بعض زمان بعض مکان' بعض اخوان بعض خلان بعض ایام۔ پھر ان شعائر اللہ میں بعض بعض سے اعلیٰ ہیں جیسے حضرات انبیاء و اولیاء بعض بعض سے افضل ہیں۔ پھر ان شعائر اللہ سے جسے نسبت ہو جاوے اس کا ادب ہے۔ قرآن مجید شعائر اللہ میں سے ہے تو اس کی جلد اور بستہ بھی احترام کے لائق ہے کعبہ معظمہ شعائر اللہ سے ہے تو کعبہ کو جانے والی ہدی اور حاجی بھی لائق احترام ہے۔ اس آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے اپنے ایمان کی حفاظت کرو ایسا نہ ہو کہ یہ موتی تم سے ضائع ہو جائے اور اس کی حفاظت اس طرح کرو کہ شعائر اللہ کی بے ادبی نہ کرو۔ حتی کہ محترم مہینے جنہیں اللہ نے شعائر اللہ بنا دیا ان کا ادب کرو۔ کعبہ کو جانے والی ہدی بلکہ ہدی کے گلے کا ہار ان کا بھی احترام کرو۔ کعبہ کو جانے والے حاجی یا عمرہ والے لوگ ان کا احترام کرو کہ حجاج وہاں جا کر اللہ کا فضل و رضا حاصل کریں گے۔ تم یہاں رہ کر ان کا ادب کر کے رضاء الٰہی حاصل کر لو۔ احرام کا یہ ادب کرو کہ اس حالت میں شکار نہ کھیلو۔ ہاں جب احرام سے فارغ ہو جاؤ تو تم سے یہ پابندی اٹھ جاوے گی۔ اور اسلام کی حدود سے باہر قدم نہ نکالو۔ حتی کہ جن کفار نے تم کو کعبۃ اللہ کے عمرہ سے روکا۔ تم ان پر قابو پا کر حد سے آگے نہ بڑھو۔ جوش انتقام میں اسلامی حدود نہ توڑو کہ یہ بھی شعائر اللہ کی بے ادبی ہے۔ رہ روان راہ خدا کو چاہیے کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور اللہ کا خوف دل میں رکھیں کہ اس سے تمام **مشکلیں** آسان ہو جاتی ہیں۔ خیال رہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم کی صورتیں مختلف ہیں۔ جیسا شعارہ ویسے اس کی تعظیم۔ صفا۔ مروہ شعائر اللہ ہیں اس کی تعظیم یہ ہے کہ اس کا طواف کیا جاوے۔ ہدی کا جانور شعائر اللہ سے ہے۔ اس کی تعظیم یہ ہے کہ بلا ضرورت اس پر سواری نہ کی جائے اس کے کھانے پینے کا خیال رکھا جائے اسے بھوکا پیاسا ہرگز نہ رہنے دیا جائے۔ اس کا دودھ اون وغیرہ جو ذبح سے پہلے حاصل ہو وہ خیرات کر دی جائے اپنے استعمال میں نہ لائی جائے۔ حتی کہ اس کی جھول۔ میخ وغیرہ بھی خیرات کر دی جائے۔ محترم مہینوں کی تعظیم یہ ہے کہ ان میں گناہ بے حیائیاں نہ کی جائیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادات کثرت سے کی جائے۔ جسے یہ تعظیم نصیب ہو جائے۔ وہ خوش نصیب۔ ایک بار کسی نے حضرت مرشد برحق صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب قدس سرہ کی خدمت میں کسی کی شکایت کی کہ وہ بہت بد معاش ہے چور ہے مگر ماہ رمضان میں ہر برائی چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ' تراویح' شبینوں میں حاضری بہت پابندی سے کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا انشاء اللہ اس کی ساری بری حرکتیں

چھوٹ جائیں گی۔ اور یہ ہی آیت کریمہ تلاوت کی **ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب** اس کا تاب فسق میں مبتلا ہے اور اس کا دل متقی ہے۔ انشاء اللہ قلب کا اثر قالب پر پڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ نیک ہو گیا۔ اسے خاتم اچھا نصیب ہو گیا۔ اس فقیر نے بھی ایسے واقعات بہت دیکھے ہیں بے ادب پرہیزگار بھی ہو آخر بگڑ جاتا ہے۔ باادب گنہگار بھی ہو تو آخر سنبھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ باادب دل نصیب کرے۔ ادب ہی مدار ایمان ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ
حرام کیے گئے اوپر تمہارے مردار اور خون اور گوشت سور کا اور وہ جو ذبح کیا گیا اللہ کے غیر
تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا
بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ
کے لئے اسکو اور گلا گھونٹے ہوئے اور چھینک کر مارے ہوئے اور گر کر مر جانے والے اور گھونپ کر
اور جو گلا گھونٹنے سے مرے اور بے دھار کی چیز سے مارا ہوا اور جو گر کر مرا اور جسے کسی جانور نے سینگ مارا
السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا
اور کھائے ہوئے اور وہ جنہیں درندے نے کھایا مگر وہ جو تم ذبح کر لو اور وہ جو ذبح کئے گئے اوپر تھان کے اور یہ کہ تقسیم کرو
اور جسے کوئی درندہ کھا گیا مگر جنہیں تم ذبح کر لو اور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا اور پانسے ڈال کر
بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ
تم ساتھ تیروں کے یہ سب بدکاری ہے۔
بانٹ کرنا یہ گناہ کا کام ہے۔

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** سورہ مائدہ کے شروع میں فرمایا گیا تھا کہ تمہارے لئے مویشی جانور حلال ہیں۔ سوا چند ان جانوروں کے جن کا ذکر سنایا جاوے گا۔ اب اس آیت کریمہ میں انہیں حرام جانوروں کا ذکر سنایا جا رہا ہے۔ گویا یہ آیت کریمہ گزشتہ آیت میں **الا ما یتلی علیکم** کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں عارضی حرام جانوروں کا ذکر تھا یعنی شکار کے جانور جن کا شکار کرنا بحالت احرام حرام تھا۔ اب اصلی حرام جانوروں کا ذکر ہے جو بہر حال حرام ہیں مسلمان خواہ محرم ہو یا حلال یہ جانور ہمیشہ اس پر حرام ہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ان جانوروں کا ذکر تھا جن کا حرام ہونا حرم شریف کی زمین میں تھا۔ یعنی حرم شریف کا شکار۔ اب ان جانوروں کا ذکر ہے

جو ہر جگہ ہر وقت حرام ہیں۔ گویا خاص حرمت کے بعد عام حرمت کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا۔ **واتقوا اللہ** اور تقویٰ کی اصل ہے حلال غذا حرام۔ غذائیں کھانے والے کبھی متقی نہیں ہو سکتے اس لئے اب حرام جانوروں کا ذکر ہوا۔ تاکہ مسلمان ان سے بچیں۔ حلال چیزیں کھائیں اور متقی بنیں۔ گویا تقویٰ کا حکم پہلے تھا اور متقی بنانے والی چیزوں کا بیان اس آیت میں ہے۔ غذا تخم ہے۔ اعمال پھل' غذا اچھی' عمل اچھے' غذا خراب عمل خراب' پھل کا ذکر پچھلی آیت میں فرمانے کے بعد اب یہاں اس کے تخم کا ذکر ہو رہا ہے۔

شان نزول اس آیت کریمہ میں دس جانوروں اور ایک عمل کی حرمت کا ذکر ہے۔ یہ گیارہ چیزیں وہ ہیں جو کفار عرب میں بہت مروج تھیں۔ چنانچہ وہ لوگ جانور کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے پھر اسے کھا لیتے تھے۔ کبھی ذبح کرتے تو اس جانور کا بہتا ہوا خون جما لیتے تھے پھر اسے بھون کر کھاتے تھے۔ بتوں کے نام پر ذبح کرتا۔ بتوں کے تھان پر بھینٹ چڑھانے کا ان میں عام رواج تھا۔ تیروں سے فال عام طور پر کھولتے تھے۔ ان مروجہ گیارہ رسموں کو حرام کرنے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن' وغیرہ)

تفسیر حرمت علیکم المیتة حرمت باب **تفعیل** کا ماضی مجہول ہے۔ جس کا مصدر تحریم مادہ حرم ہے۔ حرم کے معنی حرام بھی ہیں اور احترام بھی یہاں بمعنی حرام ہے۔ حلال کا مقابل باب **تفعیل** یہاں آہستگی کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کی حرمت اسلام میں آہستہ آہستہ نہ آئی بلکہ یکدم آئی۔ ہاں یہ چیزیں قطعاً حرام ہیں کہ ان کا منکر کافر ہے۔ اور انہیں حرام جان کر استعمال کرنے والا سخت فاسق۔ اس لئے **احرمت** نہ فرمایا حرمت فرمایا۔ یہاں حرمت گزشتہ تحریم کی خبر دینے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ آج سے حرام فرمانے کے لئے ہے۔ جیسے **کتب علیکم الصیام** میں کتب ماہ رمضان کے روزے فرض فرمانے کے لئے ہے۔ گزشتہ فرضیت کی خبر دینے کے لئے نہیں۔ جیسے فرضیت کبھی صیغہ امر سے بیان کی جاتی ہے۔ اور کبھی خبر سے۔ ایسے ہی حرمت کبھی نہی سے بیان فرمائی جاتی ہے۔ کبھی خبر سے۔ یہاں خبر سے بیان ہوئی۔ دوسری جگہ نہی سے بھی بیان فرمائی گئی۔ جیسے **ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ** الخ اور ہو سکتا ہے کہ یہ خبری ہو اور معنی یہ ہوں کہ لوح محفوظ پر تم میں یہ چیزیں پہلے ہی حرام کر دی گئی تھیں۔ اس کا ظہور آج ہو رہا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر یہ تمام چیزیں حرام فرما دی تھیں۔ آج اس آیت میں اسی گزشتہ تحریم کی خبر دی جا رہی ہے۔ اس کی تائید و تائید کے لئے فقیر کے نزدیک یہ آخری توجیہ قوی ہے۔ کیونکہ سورہ مائدہ مدنی ہے اور یہ آیت تو سرکار کی وفات کے قریب نازل ہوئی۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے عرصہ مسلمان سور' خون' مردار کھاتے رہے ہوں۔ آج یہ چیزیں حرام کر دی گئی ہوں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام چیزیں امت پر پہلے ہی حرام کر دی تھیں۔ یہ ہی تحقیق **حرمت علیکم امھاتکم** میں ہے۔ کہ یہ

آیت بھی مدنی ہے۔ مگر اسلام میں ماں، بہن، بیٹی سے نکاح شروع سے حرام تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن ناطق ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ علیکم میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ خواہ انسان ہوں یا جنات **میتۃ** موت کا صفت مشبہ ہے۔ یعنی مردار یہ وہ جانور ہے۔ جس کا ذبح کرنا فرض ہو۔ مگر بغیر ذبح ویسے ہی مرجاوے۔ خواہ اپنی موت یا بغیر ذبح کئے۔ اور جگہ زخمی کردینے سے۔ لہٰذا جھٹکا کیا ہوا جانور مردار ہے۔ حرام ہے مچھلی حلال ہے کہ اس کا ذبح کرنا فرض تھا ہی نہیں خیال رہے کہ مردار کا کھانا حرام ہے۔ مگر اس کی بعض چیزوں سے دوسرے نفع لینا جائز ہے چنانچہ مردار کی کھال کے جوتے پہننا اس کے سینگ ناخن کی کنگھیاں بنانا جائز ہے۔ ہاتھی دانت کو عام استعمال کیا جاتا ہے۔ **والدم ولحم الخنزیر** دم سے مراد بہتا خون ہے۔ لہٰذا تلی اور کلیجی حلال ہے بہتا خون نجس بھی ہے حرام بھی۔ اس کا پینا بھی حرام ہے۔ دوسرے ذریعوں سے استعمال بھی ممنوع۔ اس کی خرید و فروخت بھی حرام۔ آج ڈاکٹر لوگ بعض بیماروں کو انسانی خون کے ٹیکے دیتے ہیں۔ خون کی بوتلیں چڑھاتے ہیں۔ تندرست لوگوں سے خون لیتے ہیں۔ پچاس روپیہ بوتل فروخت کرتے ہیں۔ یہ سب حرام ہے حلال جانور کا خون بھی حرام ہے۔ چہ جائیکہ انسان کا خون کہ یہ تو اشد حرام ہے۔ انسان کا کوئی عضو کام میں نہیں لایا جاسکتا انسان کی کھال کے جوتے نہیں پہن سکتے۔ انسان کے ہڈی ناخن یا بال کسی طرح کسی مصرف میں نہیں آسکتے انسان کا گوشت کسی مصرف میں نہیں آسکتا تو خون کیسے استعمال ہو سکتا ہے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔ چنانچہ شامی جلد پنجم میں ہے۔ **لان لحم الانسان لا یباح فی الاضطرار لکرامتہ** یعنی انسان کے گوشت کا استعمال اضطراری حالت میں مباح نہیں۔ انسان کی شرافت کی وجہ سے، حدیث شریف میں واصلہ اور مستوصلہ دونوں پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ واصلہ وہ عورت ہے جو دوسری عورت کے بال اپنے سر میں استعمال کرے۔ تاکہ اس کے بال بڑے معلوم ہوں۔ مستوصلہ یہ بال استعمال کرانے والی۔ حالت اضطرار کے اور احکام ہیں۔ اگر خون چڑھانے سے کسی بیمار کی جان بچتی ہو اس کے سوا کوئی چیز جان نہیں بچاسکتی تو اجازت ہوگی۔ کہ ایسی اضطراری حالت میں حرام استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لحم خنزیر کی مکمل بحث سورہ بقر میں کی جاچکی ہے کہ سور نجس العین ہے۔ حرام **بعینہ** ہے۔ اس کا کوئی عضو کسی طرح استعمال نہیں کرسکتے۔ چونکہ عرب میں عموماً سور کا گوشت ہی کھایا جاتا تھا۔ اس لئے یہاں گوشت کا ہی ذکر کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ سور کا گوشت تو حرام ہے اس کی کلیجی گردے حلال۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ** دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا یا ڈیوڑھا کھالو۔ چونکہ اہل عرب دوگنا چوگنا ہی کھاتے تھے۔ اس لئے یہ فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ سور کا کوئی عضو کسی طرح استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ رب فرماتا ہے **فانہ رجس** لہٰذا اس کی کھال کا جوتا یا مشکیزہ بنانا حرام۔ ان کا استعمال حرام ہے۔ خیال رہے کہ ایک فرقہ ہے داؤدی اس کا عقیدہ ہے۔ کہ سور کا صرف گوشت حرام ہے۔ کلیجی گردے وغیرہ سب حلال اور وہ اسی آیت سے دلیل پکڑتا ہے۔ **لحم الخنزیر** (روح المعانی) حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ سور کھانے والا اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جاوے (روح المعانی)

شاید انہوں نے سور کھانے کو علامت کفر قرار دیا اور کھانے والے کو مرتد۔ **وما اھل لغیر اللّٰہ بہ** یہ عبارت **المیتۃ** پر معطوف ہے۔ ما سے مراد ہر قابل ذبح جانور ہے **اھل** بنا ہے **اھلال** سے جس کا ماخذ ہے ہلال ۔ بمعنی پہلی شب کا چاند۔ **اھلال** کے معنی ہیں چاند دکھانا۔ اب پکارنے کو اہلال کہا جاتا ہے۔ کیونکہ چاند دکھانے والا پکارتا ہے۔ کہ دیکھو چاند وہ ہے۔ اس لئے بچے کے بوقت ولادت رونے کو استہلال کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اہلال کے معنی ہیں ذبح کے وقت پکارنا۔ وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں۔ دعا مگر اصطلاح شریعت میں اس کے معنی ہیں نماز۔ تو **اقیموا الصلوۃ** میں صلوٰۃ کے اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ **لغیر اللّٰہ** اہل کے متعلق ہے۔ اور بہ کا مرجع ما ہے یعنی حرام ہے وہ جانور جس پر ذبح کے وقت اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا گیا۔ یعنی غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا اس جملہ کی مکمل تفسیر مع تمام گفتگو کے دوسرے پارے میں عرض کی گئی۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں مشرکین عرب باللات والعزیٰ کہہ کر جانور ذبح کرتے تھے اس جملہ میں ان کے اس عمل کا رد ہے۔ دیکھو تفسیر روح المعانی وغیرہ یہ ہی مقام **والمنخنقۃ** یہ عبارت **ما اھل** پر معطوف ہے یہ **خنق** سے بنا ہے ۔ بمعنی گلا گھونٹنا۔ اسی لئے گلے کے اندرونی پھوڑے کو خناق کہتے ہیں کہ اس سے مریض کا گلا گھٹ جاتا ہے۔ یعنی حرام ہے گلا گھونٹا ہوا جانور خواہ اسے گلا گھونٹ کر مارا جائے یا دو لکڑیوں یا کسی اور چیز میں گلا پھنس جاوے جس سے وہ گھٹ کر مر جاوے وہ حرام ہے کہ وہ بھی **میتہ** میں داخل ہے۔ **والموقوذۃ** یہ عبارت معطوف ہے **المنخنقۃ** پر یہ لفظ بنا ہے **وقذ** سے ۔ بمعنی چوٹ مارنا **وقیذہ** اور **موقوذہ** وہ جانور ہے جسے چوٹ مار کر ہلاک کر دیا جائے خواہ لاٹھی مار کر یا غلہ مار کا یا بندوق کی گولی مار کر یا گھونسہ وغیرہ مار کر وہ بھی حرام ہے۔ کہ **میتہ** میں داخل ہے مردار ہے۔ ذبح کے لئے دھار دار چیز سے کاٹنا ضروری ہے۔ ذبح اختیاری میں مقام ذبح اور ہے اور اضطراری میں مقام ذبح کچھ اور جیسا کہ آئندہ عرض کیا جاوے گا۔ **المتردیۃ** یہ عبارت **الموقوذۃ** پر معطوف ہے۔ یہ تردی سے بنا ہے۔ بمعنی گرنا۔ رب فرماتا ہے **ما یغنی عنہ مالہ اذا تردی** متردیہ وہ جانور ہے جو اوپر چھت وغیرہ سے گر کر مر جاوے۔ یا زمین سے کنوئیں میں گر کر مرے یہ بھی **میتۃ** میں داخل ہے۔ اس کا کھانا حرام ہے۔ یونہی اگر کسی پرندہ کو تیر مارا وہ ہوا میں سے درخت پر گرا پھر وہاں سے زمین پر گرا اور مرا ہوا پایا گیا تو نہ کھایا جاوے ممکن ہے وہ گر کر مرا ہو نہ کہ تیر سے (خازن) **والنطیحۃ** یہ معطوف ہے **المتردیۃ** پر یہ بنا ہے **نطح** سے ۔ بمعنی سینگ گھونپ دینا **نطیحہ** اور **منطوحہ** وہ جانور ہے جسے دوسرا جانور سینگ گھونپ کر ہلاک کر دے اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ کہ یہ بھی **میتۃ** یعنی مردار میں داخل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ **میتہ** وہ جانور ہے کہ بغیر کسی سبب اس کی جان نکلے۔ بغیر ذبح۔ اور یہ تین جانور وہ ہیں جو بغیر ذبح مر گئے...... لہٰذا یہ چاروں حرام ہیں **وما اکل السبع** یہ عبارت **النطیحہ** پر معطوف ہے ما سے مراد وہ جانور ہے جو قابل ذبح ہو۔ اکل کے بعد منہ پوشیدہ ہے۔ **سبع** ب کے ضمہ سے صفت مشبہ ہے اس کا مادہ سبع ہے ب کے سکون سے ۔ بمعنی حملہ کرنا سبع شکاری جانور کو کہتے ہیں جو کیل یا پنجہ والا ہو۔ حملہ کرتا ہو۔ جیسے شیر کتا بلی اور باز و شکرہ وغیرہ یہ اپنے شکار کا کچھ حصہ کھالیں اور

جانور مرجاوے تو اس کا بقیہ حصہ کھانا حرام ہے۔ کہ یہ بھی میتہ یعنی مردار میں داخل ہے۔ **الا ما ذکیتم** قوی احتمال یہ ہے کہ اس عبارت کا تعلق مذکورہ بالا پانچوں جانوروں سے ہے۔ نہ کہ صرف **ما اکل السبع** سے (تفسیر خازن) **ذکیتم** بنا ہے **تذکیۃ** سے جس کا مادہ زکوۃ ہے۔ معنوی پاکی ظاہری پاکی کو عبادت کہتے ہیں اور باطنی پاکی کو زکوۃ اس لئے زکوۃ کو زکوۃ کہا جاتا ہے۔ کہ اس سے بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے ذبح کو تذکیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے جانور پاک ہو جاتا ہے۔ استثناء کا مقصد یہ ہے کہ اگر یہ مذکورہ پانچوں جانور زندہ پالئے جاویں اور انہیں ذبح کر لیا جاوے تو حلال ہیں۔ **وما ذبح علی النصب** یہ عبارت **ما اکل** پر معطوف ہے۔ اور ما سے مراد ہر قابل ذبح جانور ہے۔ ذبح حلقوم اور آس پاس رگوں کو دھار دار چیز سے کاٹنے کا نام ہے۔ یہ ہے ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری جب کہ جانور قبضہ میں نہ ہو۔ اس کے جسم پر کوئی دھار دار چیز چبھو کر خون بہا دینے کو کہتے ہیں جیسے خشک کنویں میں بکری گر گئی وہاں مری جا رہی ہے۔ تو بانس میں نیزہ باندھ کر اس کے جسم میں کسی جگہ بسم اللہ پڑھ کر مار دیا جاوے خون بہہ جاوے تو ذبح ہو گئی حلال ہے۔ **نصب** جمع ہے نصاب کی جیسے حمر جمع ہے حمار کی یا یہ واحد ہے۔ اس کی جمع انصاب ہے۔ جیسے **طنب** کی جمع اطناب۔ ہر گاڑھی ہوئی چیز نصب ہے یہاں اس سے مراد مشرکین کے گاڑھے ہوئے پتھر، عبادت کے لئے صورت والا پتھر صنم یعنی بت ہے۔ بغیر صورت گڑھا ہوا پتھر نصب۔ یہاں علی یا تو۔ معنی لام ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے یعنی وہ جانور جو کسی تھان (استھان) پر اس کی عبادت و بھینٹ کی نیت سے ذبح کیا وہ بھی حرام ہے خیال رہے کہ جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے وہ **ما اھل بہ لغیر اللہ** ہے۔ اور جانور کسی بت پر بھینٹ کی نیت سے ذبح کیا جاوے وہ اگرچہ بسم اللہ کہہ کر ہی ذبح کیا جاوے وہ بھی حرام ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔ لہذا آیت میں تکرار نہیں مگر بھینٹ میں خود ذبح کرنے والے کی نیت کا اعتبار ہے۔ ذبح کرانے والے کی نیت کا اعتبار نہیں اس لئے یہاں ذبح فرمایا گیا۔ **اذبح** باب افعال سے ارشاد نہ ہوا۔ اس جملہ میں **ماذبح** فرما کر یہ بتایا کہ جانور کے سوا اور کوئی چیز بتوں پر چڑھا دی جاوے تو حرام نہیں۔ جیسے بتوں کے چڑھاوے کی مٹھائی۔ پانی، دودھ، پیسہ روپیہ کہ اگرچہ مشرکین یہ چیزیں ان کی عبادت کی نیت سے ان پر چڑھا دیں وہ حرام نہیں۔ کیونکہ ماذبح نہیں حتیٰ کہ اگر مشرک مسلمان سے گوشت خرید کر بت پر رکھ آوے وہ حرام نہیں کہ **ماذبح علی النصب** نہیں **علی النصب** فرمایا **عند النصب** نہ فرمایا جس سے پتہ چلا کہ بت کے پاس جانور ذبح ہونے سے حرام نہیں ہوتا۔ بلکہ بت کے نام کی قربانی کی نیت سے حرام ہوتا ہے لہذا یہ آیت کریمہ بہت ہی جامع ہے۔ **وان تستقسموا بالازلام** یہ ماذبح پر معطوف ہے **حرمت** کا نائب فاعل ان مصدر یہ ہے۔ **تستقسموا** بنا ہے **استقسام** سے جس کا مادہ قسم۔ معنی حصہ یا قسمت۔ معنی تقدیر و نصیب۔ یعنی حصہ معلوم کرنا۔ یا اپنی قسمت کا پتہ چلانا۔ **ازلام** جمع ہے زلم کی۔ معنی بغیر نوک و پر والا تیر۔ اہل عرب جب کوئی بڑا کام کرنا چاہتے تو کعبہ معظمہ میں آتے۔ وہاں فال کھولنے کے لئے تین قسم کے تیر رکھتے۔ بعض پر لکھا **امرنی ربی** اور بعض پر تھا **نھانی ربی** اور بعض سادہ تھے۔ جن پر کچھ لکھا نہ تھا۔ بہت بڑی رقم کعبہ کے

منتظم کو دیتے تھے اور ان تیروں کو مخلوط کر کے ان میں سے ایک اٹھاتے تھے۔ اگر امرنی والا ہاتھ آجاتا تو سمجھتے تھے کہ کامیابی ہے۔ اور اگر نہانی والا تیر نکلتا تو ناکامی ہے۔ پھر وہ کام نہ کرتے اور اگر خالی تیر نکلتا تو دوبارہ پھر فال کھولتے اور سمجھتے کہ یہ کام مشکل سے ہو گا۔ اس آیت کریمہ میں اس کو حرام فرمایا گیا۔ کہ یہ کام بھی حرام ہے اور آمدنی بھی حرام۔ چونکہ یہ فال منتظمین کعبہ کی آمدنی کا ذریعہ تھی۔ اس لئے اس کو حرام جانوروں کے ساتھ ذکر فرمایا گیا۔ یعنی وہ جانور بھی حرام ہے اور فال کھولنا یا فال کھول کر پیسہ لینا۔ اور کھانا یہ بھی حرام۔ **ذلکم فسق۔ ذلکم** سے اشارہ یا تو تیروں سے فال نکالنے کی طرف ہے۔ چونکہ یہ کام بہت ہی برا ہے۔ مومن کی شان سے بہت دور لہٰذا ذلک اشارہ بعید ارشاد ہوا۔ یا ان مذکورہ تمام محرمات کی طرف ہے۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔ یعنی یہ حرام جانور اور فال کی آمدنی کھانا اور فال نکالنا فسق و فجور رب کی ناراضی کا باعث ہے۔ اس سے بہت بچو۔ اس لئے **کم** ضمیر جمع لائی گئی تاکہ معلوم ہو کہ ان مذکورہ چیزوں میں سے ہر چیز فسق و فجور ہے۔ جس کا چھوڑنا ضروری ہے۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے گیارہ چیزوں کی حرمت بیان فرمائی ہے۔ جن میں سے بعض تو بذات خود حرام ہیں۔ جنہیں حرام **بعینہٖ** کہتے ہیں اور بعض کی حرمت کسی وجہ سے جسے حرام لغیرہ کہتے ہیں۔ مگر ہیں سب حرام قطعی جس کا انکار کفر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانوں تم پر حسب ذیل چیزیں قطعاً حرام کی گئی ہیں۔ ان سے بچے رہو ایک مردار یعنی وہ حلال جانور جس کا ذبح کرنا ضروری تھا۔ مگر وہ بغیر ذبح کئے اپنے آپ ویسے ہی مر گیا۔ دوسرے بہتا ہوا خون کہ اس کا کھانا بھی حرام اور دوسرے طریقہ سے استعمال بھی حرام۔ تیسرے سور کا گوشت اور اس کے سارے اجزا۔ مگر خیال رہے کہ مردار جانور کا کھانا تو حرام ہے۔ مگر اس کی کھال بال پٹھے ہڈی کا استعمال جائز ہے۔ لیکن سور کا کوئی جز کسی استعمال میں نہیں آسکتا۔ چوتھے وہ حلال جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے خواہ اس طرح کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہی نہ جاوے کسی اور کا نام لیا جاوے یا اللہ کے نام کے ساتھ اور کا بھی نام لیا جاوے۔ پانچویں وہ جانور جو گلا گھونٹ کر مارا جاوے یا کسی طرح اس کا گلا خود گھٹ جاوے اور مر جاوے۔ چھٹے وہ جانور جو بے دھار والی چیز سے مار دیا جاوے جیسے لاٹھی غلہ گولی سے مارا ہوا جانور۔ ساتویں وہ جانور جو اوپر سے گر کر مر جاوے کہ چھت سے زمین پر یا زمین سے کنویں میں گر کر مر جاوے۔ آٹھویں وہ جانور جسے دوسرے جانور نے سینگ گھونپ کر مار دیا کہ اس کی جان نکل گئی۔ نویں جسے شکاری جانور نے کچھ کھالیا کچھ چھوڑ دیا۔ یہ نو جانور تم پر حرام ہیں۔ ہاں یہ آخری پانچ جانور اگر تم ان کو اللہ کے نام پر ذبح کر لو تو حلال ہیں جیسے گولی سے جانور کو مارا اور ابھی وہ زندہ تھا کہ ذبح کر لیا۔ یونہی کنویں وغیرہ میں گرا ہوا جانور وغیرہ۔ دسویں تم پر وہ جانور بھی حرام ہے۔ جو کسی تھان پر بھینٹ چڑھایا گیا۔ اس طرح کہ بت کے سامنے اس کی عبادت کے لئے اس کے نام پر قربان کیا گیا کہ یہ اگرچہ خدا کے نام ذبح ہو مگر حرام ہے۔ جب کہ خود ذبح کرنے والے کی نیت بھینٹ کی ہو۔ گیارہویں تیروں سے فال نکالنا بھی حرام ہے اور فال نکالنے پر جو چیز لی جاوے وہ بھی حرام۔ خیال رکھنا کہ یہ سب چیزیں مستقل طور پر حرام

ہیں۔ ان کا استعمال کرنا فسق عملی ہے اور انہیں حلال جاننا فسق اعتقادی یعنی کفر ہے۔ لہٰذا ان سب سے بچ بچے رہو کہ یہ رب تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ یہ مذکورہ گیارہ چیزیں یعنی نو جانور ایک بہتا ہوا خون اور فال و فال کی آمدنی قطعی حرام ہے جن کا استعمال سخت گناہ و فسق ہے انہیں حلال جاننا کفر ہے۔ یہ فائدہ حرمت اور آخر میں فسق فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ حرمت کی تشدید مبالغہ کے لئے ہے اور فسق دونوں چیزوں کو شامل ہے۔ فسق عملی کو بھی فسق اعتقادی کو بھی۔ دوسرا فائدہ بے خون والے جانور جن کا ذبح لازم نہیں وہ بغیر ذبح کے بھی حلال ہیں جیسے مچھلی اور ٹڈی یہ فائدہ المیتۃ کے الف لام سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ بہتا خون خواہ حلال جانور کا ہو یا حرام کا مطلقاً حرام ہے۔ اس کا پینا بھی حرام ہے۔ اور جما کر پکا کر کھانا بھی حرام ہے جو خون قدرتاً جم کر کچھ اور بن جاوے وہ حلال ہے جیسے کلیجی، تلی، مشک، یونہی اس کی نسوار لینا حرام ہے خیال رہے کہ تلی شیعوں کے ہاں حرام ہے (روح المعانی) خون کا لیپ کرنا خون کا ٹیکہ لگانا بھی حرام ہے ہاں اگر طبیب حاذق کہے کہ مریض کی شفا اس کے سوا کسی چیز میں نہیں تو جائز ہے۔ مگر خون کا لیپ کیا ہوا نجس ہوگا اس لئے وہ عضو دھو کر نماز پڑھی جاوے۔ خون کی بیع حرام ہے اس کی قیمت خالص حرام کیونکہ خون شراب کی طرح حرام بھی ہے نجس بھی اور یہ مال بھی نہیں ہے پھر قیمت کیسی اور انسانی خون تو اس لئے بھی حرام ہے کہ یہ جزو انسانی ہے ہم پہلی تفسیر میں بحوالہ شامی بتا چکے کہ اضطراری حالت میں جان نکلنے کے خطرہ پر بھی انسانی گوشت کھانا جائز نہیں۔ چوتھا فائدہ جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح ہو وہ حرام ہے۔ اور جس پر کسی کا نام زندگی میں بولا جاوے وہ حلال ہے جیسے کہ مااہل کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ لہٰذا عقیقہ کا بکرا۔ گیارہویں شریف کا دنبہ۔ میلاد شریف کی گائے سب حلال ہیں کہ ان کو اللہ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ نسبتیں مقصد کی ہیں اور زید کا اونٹ، عبداللہ خاں کی بکری بھی حلال ہے کہ یہ نسبتیں ملکیت کی ہیں۔ انہیں رب تعالیٰ کی نام پر ذبح کیا جاتا ہے۔ مسئلہ جانور کا ذبح دو قسم کا ہے۔ ذبح اختیاری اور ذبح غیر اختیاری۔ ذبح اختیاری میں حلقوم اور رگوں کا کٹ جانا ضروری۔ مگر ذبح غیر اختیاری میں کسی جگہ دھار دار چیز کا لگ کر زخم ہو جانا خون کا بہ جانا کافی ہے **الا ماذکیتم** دونوں ذبحوں کو شامل ہے۔ مسئلہ بلی سے چھوڑائی ہوئی مرغی اگر ذبح کرلی جاوے اس طرح کہ ذبح کے وقت زندہ ہو۔ ذبح سے خون بہے اور تڑپے تو حلال ہے۔ اگر خون نہ بہے نہ تڑپے تو حرام ہے۔ مسئلہ اگر پرندہ کو تیر مارا وہ زخمی ہو کر زمین پر گرا۔ مرا پایا گیا تو حلال لیکن اگر ہوا سے کسی درخت پر گرا وہاں سے زمین پر اور مرا ہوا پایا گیا تو ناجائز ہے کہ وہ متردیہ میں داخل ہے (روح البیان) کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ گرنے کی وجہ سے چوٹ کھا کر مرا ہے۔ پانچواں فائدہ بھینٹ چڑھایا ہوا جانور حرام ہے۔ اگرچہ وہ اللہ کے نام پر ہی ذبح کیا جاوے۔ بھینٹ یہ ہے کہ اسے ذبح کرکے بتوں کی عبادت کی جائے جیسے مشرکین کالی کے سامنے جانور ذبح کرکے اس کا خون کالی کے بت پر چھڑکتے ہیں کہ وہاں صرف خون دینا مقصد ہوتا ہے۔ گوشت مقصود نہیں ہوتا جیسے مسلمان قربانی کرتے ہیں کہ وہاں صرف خون بہنا ہوتا ہے نہ کہ گوشت خ

میں ہزارہا جانور ذبح کر کے دفن کر دیئے جاتے ہیں یہ ہے بھینٹ۔ یہ فائدہ **وما ذبح علی النصب** سے حاصل ہوا۔ مسئلہ اگر مشرک نے جانور بت کے لئے پالا پھر وہ اسے بت خانہ میں لایا اس کی بھینٹ کی نیت سے۔ مگر ذبح کرایا مسلمان سے اس نے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا تو یہ جانور حلال ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری) اس سے معلوم ہوا کہ بھینٹ میں ذبح کرنے والے کی نیت کا اعتبار ہے۔ نہ کہ مالک کی نیت کا۔ مسئلہ اگر جانور بتوں کے نام چھوڑا جائے۔ مگر مسلمان خدا کے نام پر ذبح کر دے تو حلال ہے کہ یہ نہ تو بھینٹ ہے۔ نہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا ہوا۔ دیکھو بحیرہ' سائبہ جانور بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں مگر بحکم قرآن حلال تھے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام** الخ۔

نوٹ ضروری ہم **ما اھل بہ لغیر اللہ** کی تفسیر دوسرے پارے میں کر چکے ہیں۔ اور اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں مکمل بحث کر چکے ہیں۔ وہاں مطالعہ کرو۔ مسئلہ جانور کے سوا بتوں پر تمام چڑھائے ہوئے چڑھاوے حلال ہیں۔ جیسے پانی' پیسہ' مٹھائی' کھانا' زیور' کچا گوشت کہ اگر مشرکین یہ چیزیں بتوں پر چڑھاویں۔ جب بھی حلال ہیں یہ مسئلہ **ماذبح** فرمانے سے حاصل ہوا۔ ذبیحہ کا حکم اور ہے۔ دوسری چیزوں کا حکم کچھ اور۔ اگر بتوں کا ہر چڑھاوا حرام ہو تو بعض ہندو بتوں کے نام پر کنوئیں کھدوا دیتے ہیں۔ ان کا پانی بھی حرام ہو جانا چاہیے۔ بلکہ خود گنگا و جمنا کا پانی حرام ہو جانا چاہیے۔ کہ مشرکین ان پانیوں کی پوجا کرتے ہیں۔ پھر اگر یہ پانی حرام ہوں تو گنگا جمنا سے نکالی ہوئی نہریں اور ان سے سیراب کئے ہوئے کھیت کی پیداوار بھی حرام ہونی چاہیے۔ **نعوذ باللہ** غرض کہ سواء بتوں کے ذبیحہ کے تمام چڑھاوے حلال ہیں۔ مسئلہ کسی جانور کو بت کے پاس اللہ کے نام پر ذبح کر دینے سے وہ حرام نہیں ہو جاتا۔ بلکہ بت کی بھینٹ سے حرام ہوتا ہے۔ بھینٹ کی پہچان یہ ہے کہ اس سے گوشت مقصود نہ ہو۔ صرف خون بہا کر بت کی پرستش مقصود ہو۔ اس لئے یہاں **علی النصب** فرمایا **عند النصب** نہ فرمایا۔ یہ قیدیں ضرور خیال رہیں۔ چھٹا فائدہ پانچواں جانور **منخنقہ موقوذہ** وغیرہ اگر ان کو بروقت ذبح کر لیا جاوے تو حلال ہو جاویں گے جیسا کہ **الا ماذکیتم** سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ فال کھولنا بھی حرام ہے اور فال کھلوانا بھی حرام۔ یونہی نجومیوں سے غیب کی چیزیں پوچھنا بھی حرام ہے۔ اس پر پیسہ لینا دینا بھی حرام ہے۔ یہ فائدہ **ان تستقسموا بالازلام** سے حاصل ہوا۔ یونہی قرآن کریم سے فال کھولنا حرام ہے۔ بلکہ اس میں احتمال کفر ہے۔ کیونکہ قرآن مجید قانون الٰہی ہے نجومی کی پوتھی نہیں ہے۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے حضرت علی و معاذ رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی کہ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم سے فال کھولنا جائز ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سورہ اخلاص (قل ہو اللہ) ۷ بار پڑھے پھر یہ دعا ۳ بار پڑھے **اللھم بکتابک تفاءلت وعلیک توکلت۔ اللھم ارنی فی کتابک ما ھو المکتوم فی سرک المکنون** پھر قرآن مجید کھولے اور اس کے پہلے صفحہ کو دیکھے تو پتہ چل جاوے گا مگر یہ روایت صحیح نہیں۔ حق یہ ہے کہ فال کھولنا سے بھی حرام ہے۔ مسئلہ کسی اچھی چیز سے اچھی فال لینا بالکل

حاصل ہے۔ فال لینا اور ہے فال کھولنا یا فال نکالنا کچھ اور۔ جیسے ہم کسی کام کو جا رہے ہیں کسی مقبول بندے سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ یا کسی کے منہ سے اچھی بات سنی کوئی اچھے نام والا آدمی سامنے آگیا۔ ہم کامیابی کے امیدوار ہو گئے۔ یہ بالکل درست ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر سہیل بن عمر آیا تو فرمایا سہل آیا ہے۔ انشاء اللہ کام سہل ہو جاوے گا۔ یہ جائز ہے۔ مسئلہ علم غیب حاصل کرنا حرام نہیں۔ ہاں غلط ذریعوں سے حاصل کرنا گناہ ہے کہ علم غیب کاہنوں' نجومیوں' جنات سے حاصل کرنا حرام ہے۔ کہ انہیں علم غیب نہیں۔ وہ تمہیں کیا بتائیں گے۔ نبی کے ذریعہ' ولی کے ذریعہ سچی خوابوں کی تعبیر کے ذریعہ' علم جفر کے ذریعہ علم غیب حاصل کرنا بالکل حق ہے۔ جس کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عطاء علم غیب کے لئے یہ ذریعہ مقرر فرمائے ہیں (از تفسیر روح المعانی) دیکھو جب رب نے زمانہ یوسفی میں قحط سالی بھیجنا چاہی تو مخلوق کو شاہ مصر کی خواب کے ذریعہ اس کی اطلاع دے دی جسے یوسف علیہ السلام نے بیان فرمایا یہ ہے علم غیب بذریعہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم خط (جفر) کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایک نبی (ادریس علیہ السلام) خط کھینچتے تھے۔ جس کا خط ان کے خط کے مطابق ہو گا۔ صحیح پتہ لگ جاوے گا یہ ہے علم جفر کا ثبوت۔ صحابہ کرام نے حضور سے علم غیب حاصل کیا۔ یا رسول اللہ میرا فوت شدہ بچہ کہاں ہے۔ جنت میں یا دوزخ میں وغیرہ وغیرہ اسی لئے اس آیت کریمہ میں بالازلام کی قید لگائی گئی۔ یعنی تیروں سے فال نکالنا۔ علم غیب حاصل کرنا حرام ہے۔ کہ یہ ناجائز ذریعہ سے حاصل کرنا ہے۔ یہ بحث خیال میں رکھو یہاں تفسیر روح المعانی نے علم حاصل کرنے کے لئے ذریعوں پر بڑی نفیس اور مکمل بحث کی ہے۔ **آٹھواں فائدہ** مشرکین جو مٹھائی جیسے دانہ' پھل' دودھ' گھی وغیرہ بت پر چڑھا دیتے ہیں۔ وہ مسلمان کے لئے حلال ہے۔ کوئی چیز کسی جگہ رکھ دینے سے حرام نہیں ہو جاتی۔ یہ فائدہ ماذبح علی النصب سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہاں ما وضع علی النصب نہ فرمایا۔ ماذبح فرمایا۔ جو بت پر ذبح کیا جاوے وہ حرام ہے۔ جو محض رکھ دیا جاوے وہ حرام نہیں۔ **نواں فائدہ** جو جانور بت کے نام پر نامزد کر دیا جاوے۔ وہ شرعاً حرام نہیں۔ جب تک غیر خدا کے نام پر ذبح یا بت پر بھینٹ نہ چڑھا دیا جاوے۔ دیکھو یہاں **ماذبح الی النصب** نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ بھینٹ کی حرمت میں ذبح ہو جانا معتبر ہے۔

پہلا اعتراض اللہ تعالیٰ نے یہاں حرمت کے بعد گیارہ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ ان گیارہ کی حرمت یکساں ہے۔ یا ان میں فرق ہے۔ **جواب** کھانے کی حرمت سب میں یکساں ہے۔ نفس حرمت میں فرق نہیں۔ دوسری وجہوں سے ان میں فرق ہے کہ مردار وغیرہ عارضی حرام ہیں اور سور اصلی حرام۔ نیز سور کا کھانا بھی حرام ہے۔ اور اس کے کسی عضو کا اور طرح استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ مگر دوسرے جانور مردار وغیرہ اور غیر خدا کے نام ذبح کیا ہوا ان کا صرف کھانا حرام ہے۔ باقی ان کے چمڑے کا جوتا بنانا۔ بال پٹھے اور کام میں لانا حلال ہے۔ **دوسرا اعتراض** بہتا خون' اس کا صرف کھانا پینا حرام ہے۔ یا بالکل استعمال کرنا ہی حرام ہے۔ **جواب** اس کا کھانا پینا مطلقاً حرام مگر دوسرے استعمالوں میں اس کا حکم شراب کا سا ہے کہ یہ

نجس بھی ہے۔ حرام بھی ہے۔ اور شرعاً یہ مال نہیں لہٰذا اس کی خرید و فروخت مطلقاً حرام اس کا لیپ وغیرہ بحالت ضرورت حلال ہے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ آج کل جو رواج ہو گیا ہے۔ کہ بات بات پر مریض میں خون چڑھاتے ہیں یہ ممنوع ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے میتہ۔ **موقوذہ** وغیرہ کو مطلقاً حرام فرمایا گیا مگر خنزیر کے لئے لحم یعنی گوشت کی قید لگائی گئی یا تو وہاں بھی لحم المیتہ یعنی مردار کا گوشت فرمایا جاتا یا یہاں **الخنزیر** فرمایا جاتا۔ لحم کی قید نہ لگائی جاتی۔ اس فرق بیان میں کیا حکمت ہے۔ **جواب** سور کے علاوہ دوسرے جانور بذات خود حرام نہیں بلکہ کسی عارضہ سے حرام ہیں۔ یعنی ان کا مردار ہونا یا موقوذہ ہونا ان چیزوں نے انہیں حرام کیا۔ اور سور بذات خود حرام ہے۔ اس لئے ان جانوروں میں وجہ حرمت بیان کرنے کے لئے انہیں ان وصفوں سے بیان کیا۔ اور سور کو کسی وصف خاص سے بیان نہ کیا۔ اور عرب والے سور کا صرف گوشت ہی کھاتے تھے۔ دوسری چیزیں کلیجی گردے وغیرہ نہ کھاتے تھے۔ مردار وغیرہ کی ہر چیز کھا جاتے تھے۔ ان کے رواج کو روکنے کے لئے اسی طرح بیان فرمایا۔ جیسے رب کا فرمان کہ دوگنا تگنا سود نہ کھاؤ یا فرمان کہ اگر تمہاری لونڈیاں بچنا چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور نہ کرو وغیرہ یہ تمام قیدیں ان کی رسم کے بیان کے لئے ہیں یا اس لئے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج رہیں۔ سور کا گوشت قرآن نے حرام کیا اجزاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **چوتھا اعتراض ما اھل لغیر اللہ** کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو غیر خدا کے نام پر پکارا جاوے وہ حرام ہے۔ وہ چیز جانور ہو یا کچھ اور نیز جانور پر اس کی زندگی میں غیر خدا کا نام پکارا جاوے یا ذبح کے وقت۔ کیونکہ ما بھی عام ہے۔ اور اھل کے معنی ہیں پکارا جاوے۔ نہ تو ما میں جانور کی قید ہے۔ نہ پکارنے میں ذبح کے وقت کی قید۔ لہٰذا گیارہویں کی مٹھائی' میلاد شریف کا کھانا۔ جناب غوث پاک کی بکری۔ خواجہ اجمیر کے نام کی دیگ سب ہی حرام ہیں اور **ما اھل بہ** میں داخل ہے (گجراتی جہلاء دیوبند)۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں جو ہم دوسرے پارہ میں دے چکے ہیں۔ ایک جواب الزامی ہے دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو دنیا کی کوئی چیز حلال نہیں ہو سکتی۔ ہر چیز حرام ہی ہوگی۔ کیونکہ ہر چیز کی نسبت کسی نہ کسی بندے کی طرف ہوتی ہے۔ دیوبند کا مدرسہ مولوی صاحب کی کتاب۔ میری کتاب' فلاں آدمی کی روٹی فلاں شخص کی بیوی۔ اب فرمایا جائے کون چیز نسبت سے خالی ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ آپ کی یہ تفسیر نہیں بلکہ آیت کریمہ کی تحریف ہے۔ اھلال کے لغوی معنی ہیں پکارنا مگر شرعی معنی ہیں ذبح کے وقت پکارنا جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں دعا مگر شرعی معنی ہیں نماز تو **اقیموا الصلوۃ** میں صلوٰۃ کے معنی ہیں نماز نہ کہ دعا اگر یہاں اھل کے لغوی معنی مراد ہوں تو دوسری آیات سے تعارض ہوگا۔ دیکھو قرآن کریم بحیرہ' سائبہ جانوروں کو حلال فرما رہا ہے۔ حالانکہ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑا جاتا تھا اور ان کی زندگی میں ان پر غیر خدا کا نام لیا جاتا تھا۔ معلوم ہوا کہ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور بحیرہ و سائبہ وغیرہ حلال ہیں یہ تو جانوروں کا ذکر ہوا۔ کفار عرب اپنی کھیتوں کی پیداوار کا کچھ حصہ بتوں کے نام پر کر دیتے تھے قرآن کریم نے ان کے اس عمل کی برائی تو بیان کی مگر اسے حرام نہ فرمایا۔ اسی طرح اپنے بعض جانور بتوں کے نام پر کر دیتے تھے انہیں بھی حرام نہ

کما چنانچہ فرمایا **وجعلوا اللہ مما ذرا من الحرث والانعام نصیبا فقالوا ھذا اللہ بزعمھم وھذا الشر کائنا** آخر میں فرمایا **ساء ما یحکمون** ان کا یہ فیصلہ برا ہے اس تقسیم کو برا کہا ان چیزوں کو حرام نہ کہا جس سے معلوم ہوا کہ مٹھائی' غلہ' پھل وغیرہ چیزیں۔ اگر بتوں کے نام زد کر دی جاویں تو وہ حرام نہیں۔ ہاں یہ عمل کفر ہے۔ نیز اگر جانور پر زندگی میں کسی کا نام پکار دینا اسے حرام کر دیتا تو چاہیے تھا کہ اگر بعد میں یہ شخص توبہ کر کے اللہ کے نام پر ذبح کر دے تو بھی حرام رہتا۔ حالانکہ وہ مخالفین کے نزدیک بھی حلال ہے۔ بہر حال یہ تفسیر محض غلط ہے۔ **پانچواں اعتراض** یہاں اللہ تعالیٰ نے حرام جانوروں کے ساتھ تیروں کے ساتھ فال کھولنے کو کیوں بیان فرمایا۔ اس فال کو حرام جانوروں سے کیا تعلق ہے۔ **جواب** اس لئے کہ فال پر عموماً پیسے لئے جاتے تھے۔ مٹھائی وغیرہ بھی وصول کی جاتی تھی۔ یہاں یہ فرمایا گیا کہ یہ آمدنی بھی حرام ہے۔ اس کا پیسہ' مٹھائی' کپڑا حرام۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ استقسام سے مراد ہے اونٹ کے گوشت کے حصے معلوم کرنا۔ یعنی کفار عرب اونٹ کو ذبح کرتے اس کے گوشت کے حصے کچھ تو اللہ کے نام پر کرتے کچھ بتوں کے نام پر کچھ اپنے کھانے کے لئے۔ پھر ان حصوں کی **تعیین** ان تیروں سے کرتے تھے۔ یہاں اس فعل کو حرام کیا گیا۔ مگر پہلا جواب قوی ہے۔ **چھٹا اعتراض نطیحہ** اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ اور جب فعیل کا وزن بمعنی مفعول ہو تو اس میں تانیث کی ت نہیں آتی پھر یہاں کیوں آئی۔ **جواب** یہاں ت تانیث کی نہیں بلکہ لفظ کو صفت سے اسم کی طرف منتقل کرنے کی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ یہ کلمہ یہاں موصوف سے مل کر نہیں آیا۔ لہٰذا اس میں ت آسکتی ہے۔ جب موصوف سے مل کر آوے تو ت نہیں آتی جیسے کف خضیب اور عین کحیل (روح المعانی) **ساتواں اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قبروں کے چڑھاوے یعنی وہاں کی مٹھائی' دودھ' پیسہ' وہاں ذبح کیا ہوا جانور جیسے عرسوں میں آستانوں پر گائے وغیرہ ذبح کی جاتی ہے۔ وہ سب حرام ہے۔ اگرچہ اللہ کے نام پر ہی ذبح ہو کیونکہ یہ ماذبح علی **النصب** میں داخل ہے۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب اس آیت میں موجود ہے۔ یہاں **ماذبح** فرما کر تمام چڑھاووں کو نکال دیا کہ جانور کے سوا باقی چڑھاوے حلال ہیں اور **علی النصب** فرما کر **عند** نہ فرما کر یہ بتا دیا کہ کسی کے قریب جانور ذبح کرنا حرام نہیں کر دیتا۔ بلکہ بتوں پر ذبح کرنا ان کی عبادت ان کی پرستش کے لئے ذبح کرنا یہ حرام کرتا ہے۔ چونکہ ابھی آیت کریمہ مکمل نہیں ہوئی۔ اس لئے اس کی تفسیر صوفیانہ انشاء اللہ آگے بیان ہو گی۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ
آج مایوس ہو گئے وہ جنہوں نے کفر کیا تمہارے دین سے بس نہ ڈرو
آج تمہارے دین کی طرف سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی تو ان سے نہ ڈرو

وَاخْشَوْنِ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ

ان سے اور ڈرو مجھ سے آج کامل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا اور پوری کر دی میں نے اوپر

اور مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی

رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ

تمہارے نعمت اپنی اور راضی ہوا میں واسطے تمہارے اسلام کے دین سے پس جو بیقرار ہو جاوے بھوک

اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو

لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ③

میں نہ مائل ہونے والا گناہ کی طرف تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق اس جملہ کا پچھلی عبارت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں حرام جانوروں کا ذکر تھا۔ اب دین کے کامل ہونے کا تذکرہ ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ اب ان احکام میں ترمیم تنسیخ نہ ہوگی۔ یہ جانور ہمیشہ حرام رہیں گے۔ کیونکہ جو کچھ ترمیم تنسیخ ہونا تھی وہ ہو چکی۔ اب اس کے بعد کوئی حکم تبدیل نہ ہوگا۔ گویا حرمت کا ذکر پچھلی آیت میں تھا اور حرمت کے دوام کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حرام جانوروں کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں اپنی نعمت کامل فرمانے کا ذکر ہے۔ کیونکہ بری چیزوں کو حرام کر دینا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ گویا پچھلی آیت میں جانوروں کی حرمت کا ذکر تھا اب اس حرمت کے نعمت ہونے کا ذکر ہے۔ طیب چیزوں کا حرام کر دینا عذاب ہے اور خبیث چیزوں کا حرام فرما دینا نعمت بنی اسرائیل پر بعض اچھی چیزیں حرام کر دی گئی تھیں۔ ان کی نافرمانی کی وجہ سے وہ عذاب تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم طیبٰت احلت لهم** یوں ہی بعض دینوں میں شراب کا حلال ہونا رب تعالیٰ کا عتاب تھا۔ ہمارے دین میں کوئی طیب چیز حرام نہیں اور کوئی خبیث چیز حلال نہیں۔ یہ ہم پر اللہ کی رحمت ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ حرام جانوروں کا کھانا فسق و بدکاری ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ کبھی مجبوری میں یہ جانور کھانا حرام نہیں ہوتا گویا ان جانوروں کی اصلی حرمت بیان فرمانے کے بعد ان کی عارضی حلت اب بیان ہو رہی ہے۔

نزول یہ آیت کریمہ **الیوم اکملت لکم** نویں بقر عید جمعہ کے دن بعد نماز عصر ۱۰ھ کو مقام عرفات میں نازل ہوئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں مقام عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی زیادہ بوجھ سے بیٹھ گئی۔ اس کے بعد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریباً تین ماہ بعد دنیا سے پردہ فرما گئے یعنی بارھویں ربیع الاول دو شنبہ کے دن اور حق یہ ہے کہ اس کے بعد احکام کی کوئی آیت نہ آئی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کلالہ کی آیت اس کے بعد آئی ہے۔ مگر تفسیر روح المعانی نے اس کا انکار کیا۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت روئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کیا اب تک ہم ترقی میں تھے اب کمال کو پہنچ چکے اور ہر چیز کمال کو پہنچ کر مائل بہ زوال ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ کہتے ہو۔ (خازن 'کبیر' وغیرہ) اس آیت کے نزول کے دن دنیا میں پانچ عیدین جمع تھیں۔ دو عیدیں مسلمانوں کی حج اکبر اور جمعہ 'یہود کی عید عیسائیوں کی عید (بڑا دن) مجوسی کی عید۔ اتنی عیدیں نہ اس سے پہلے کبھی جمع ہوئی تھیں۔ اور نہ اس کے بعد۔ (خازن وغیرہ)

تفسیر **الیوم یئس الذین کفروا۔ الیوم** کی تحقیق ابھی کی جاوے گی **یئس** بنا ہے **یاس** بمعنی ناامیدی اس کا مقابل ہے **رجاء کفروا** سے مراد کفار عرب ہیں۔ یعنی اب تک کفار آس لگائے بیٹھے تھے کہ اسلام ختم ہو جاوے گا۔ مسلمان پھر ہمارے دین میں آجائیں گے۔ مگر آج حجۃ الوداع کے موقعہ پر ان کی اس امید پر پانی پھر گیا۔ **من دینکم** یہ **یئس** کے متعلق ہے یعنی وہ تمہارے اسلام کے ختم ہو جانے سے مایوس ہو گئے کیونکہ مکہ فتح ہو چکا۔ تمام عرب میں اسلام پھیل چکا۔ کفار کو حج سے روک دیا گیا اس لئے کفار کو یقین ہو گیا کہ اسلام باقی رہے گا **فلا تخشوھم واخشون** کی ف جزاء کی ہے۔ خشیت' خوف' وقی کا فرق دوسرے پارے میں عرض کیا جا چکا ہے۔ یعنی اس سے خوف نہ کرو کہ کفار تم پر غالب آ جائیں گے۔ میری نافرمانی سے بچو اور نافرمانی پر مجھ سے خوف کرو۔ مگر خوف ایسا کرو جو تم کو گناہ سے روک دے کر صرف زبانی خوف نہ ہو۔ دل میں خوف ہو۔ خیال رہے کہ **دینکم** کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ **دینکم** سے مراد اسلام ہو۔ دوسرے یہ کہ **دینکم** سے مراد حضرات صحابہ کرام کی دینداری اگر اس سے اسلام مراد ہے۔ تو **دینکم** فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اسلام وہ ہی ہے۔ جو صحابہ کرام کا قبول کیا ہوا ہو۔ جو ان کے علاوہ ہے۔ وہ اسلام نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اھتدوا** اور اگر **دینکم** سے مراد ہو کہ صحابہ کرام کی دینداری تو معنی یہ ہوئے کہ تمہاری دین داری سے کفار مایوس ہو چکے اور ان کو تمہارے بہکانے کی امید نہیں رہی۔ تو ان حضرات کی استقامت فی الدین کا بیان ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **والزمھم کلمۃ التقوی وکانوا احق بھا** خیال رہے کہ کفار عرب مومنوں کو ایذائیں دیتے دیتے لالچ دیتے دیتے تھک گئے۔ مگر صحابہ کرام کی استقامت میں فرق نہ آیا لیکن وہ لوگ مایوس نہ ہوئے۔ انہیں صحابہ کرام کے گمراہ کرنے سے مایوسی آج ہوئی **الیوم اکملت لکم دینکم** عربی میں نہار تو رات کے مقابل دن کو کہتے ہیں یعنی پوپھٹنے سے سورج ڈوبنے تک کے وقت کو مگر یوم دن رات دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ **الیوم** کے معنی ہیں۔ آج **الیوم** کے بھی دو معنی ہوتے ہیں آج کا دن' یہ وقت اور یہ زمانہ جیسے کہا جاتا ہے۔ کل میں جوان تھا۔ آج بوڑھا ہو گیا۔ اس کل اور آج سے مراد ہے۔ گزشتہ زمانہ اور موجودہ زمانہ یہاں **الیوم** اسی

آخری معنی میں ہے۔ یہ **لکم** ظرف مقدم ہے۔ جس سے حصر کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ **اکملت** بنا ہے **اکمال** سے جس کا ماخذ ہے کمال۔ بمعنی پورا کرنا۔ کمال چار معنی میں بولا جاتا ہے۔ کمال ذاتی یعنی کسی چیز کے اجزاء کا مکمل ہو جانا۔ جیسے جب مکان کی چھت پڑ جاوے تو کہا جاتا ہے مکان مکمل ہو گیا۔ کمال وصفی۔ یعنی چیز کے تمام اوصاف کا جمع ہو جانا۔ مکان میں رنگ روغن قلعی وغیرہ ہو گئی۔ مکمل ہو گیا۔ انسان عالم فاضل ہنر مند ہو گیا۔ کامل ہو گیا۔ تیسرے عارضی حالت سے منتقل ہو کر اصلی حالت پر پہنچ جانا۔ بچہ کو گھٹی اور ماں کا دودھ چھوڑا کر اصل غذا دی جانے لگی۔ آج غذا کامل ہو گئی۔ دشمن کی دست برد سے محفوظ ہو جانا۔ دیوار ناقص تھی۔ اس کی اینٹیں چوری ہو جانے کا خطرہ تھا۔ پوری اونچی کر دی گئی۔ اب چوری کا خطرہ جاتا رہا۔ مکمل ہو گئی۔ یہاں چاروں معنی بن سکتے ہیں نمبرا آج دین کو ذاتی طور پر کامل کر دیا کہ جتنے شرعی احکام آنے والے تھے آچکے اب کوئی حکم نہ آوے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اس آیت کریمہ کے بعد کوئی حکم شرعی نازل نہ ہوا۔ آج ہم نے اسلام کو ان صفات پر کر دیا جس پر اسے قیامت تک رہنا ہے۔ اب کوئی حکم منسوخ نہ ہو گا۔ احکام شرعیہ میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہ ہو گی یا دین کے ارکان بھی آج مکمل ہو گئے۔ اور دین کے مسنون کے طریقے بھی مکمل ہو گئے۔ فرائض وارکان دین کے گویا اجزا ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں گویا دین کے صفات لہذا دین ذاتاً اور وصفاً مکمل ہو گیا۔ زیور کا رکن سونا ہے۔ اور اس کا حسن نگینہ موتی سے جڑائی اور اس کی گڑھائی کہ سونا ان خوبیوں کے بغیر پہننے کے قابل نہیں ہوتا۔ آج اسلام کامل کر دیا گیا۔ یعنی عارضی احکام ختم فرما کر اصلی احکام پر قائم کر دیا گیا۔ شروع اسلام میں گدھا۔ شراب متعہ عارضی طور پر حلال رہے۔ ماہ رمضان کے احکام نماز وغیرہ میں بہت تبدیلیاں ہوئیں۔ مگر وہ تمام عارضی حکم ختم ہو چکے۔ اصلی دائمی حکم آگئے آج اسلام محفوظ ہو گیا۔ دشمنوں کی دست برد سے اس کی حفاظت کر دی گئی۔ کہ پچھلی کتابوں پچھلے دینوں کی طرح اس میں کوئی کمی بیشی نہ کر سکے گا۔ **لکم** میں لام نفع کا ہے۔ اور کم میں خطاب صحابہ کرام یا عام مسلمانوں سے ہے۔ یعنی یہ تکمیل دین اے مسلمانوں تمہارے نفع تمہاری عزت افزائی کے لئے کی گئی۔ یا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہاں تو یہ دین پہلے ہی مکمل تھا۔ مگر تمہارے لئے اس کمال کا ظہور آج ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے کامل کرنے کے لئے یہ دین آج مکمل کر دیا گیا۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سے کامل و مکمل ہیں۔ دین کے معنی اور دین' ملت' مذہب میں فرق بارہا بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ دین عقائد اور اصول و قواعد کو کہا جاتا ہے۔ مذہب فروعی مسائل کو بولا جاتا ہے۔ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی مختلف مذہب ہیں مختلف دین نہیں۔ اسلام و عیسائیت وغیرہ مختلف دین ہیں۔ دین کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہوتی ہے۔ جیسے اسلام اللہ کا دین ہے۔ یعنی اللہ کا بنایا ہوا۔ اللہ کی طرف سے آیا ہوا دین ہے۔ اور نبی کی طرف بھی کہا جاتا ہے۔ دین موسوی' دین عیسوی یا دین محمدی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دین بنانے والا ہے۔ اور حضرات انبیاء علیہ السلام دین لانے والے اور اس کی نسبت بندوں کی طرف بھی ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے۔ ہمارا دین یعنی ہمارا اختیار کیا ہوا دین۔ یہاں دین کو بندوں کی طرف نسبت دی گئی۔ کیونکہ دین میں ترمیم و تنسیخ اور اس کی

تکمیل بندوں کے لحاظ سے ہی ہے۔ رب تعالیٰ کے نزدیک تو دین پہلے ہی سے کامل تھا۔ **لا یبدل القول لدی** کا یہ ہی مطلب ہے۔ کہ نسخ بندوں کے لحاظ سے ہے نہ کہ رب تعالیٰ کی نسبت سے جیسا کہ ہم پارہ سوم میں نسخ کی بحث میں مفصل عرض کر چکے ہیں **واتممت علیکم نعمتی** یہ جملہ **اکملت** الخ پر معطوف ہے اور اس میں دوسرے فضل و کرم کا ذکر ہے۔ **اتممت** بنا ہے **اتمام** سے اس کے معنی ہیں پورا کرنا۔ مگر اکمال اس طرح پورا کرنا کہ اب اس میں نہ زیادتی ہو سکے۔ نہ کمی **اتمام** اس طرح پورا کرنا کہ اس میں زیادتی تو ہو سکے۔ مگر کمی نہ ہو سکے۔ (تفسیرات احمدیہ) اس فرق کی وجہ سے اکمال کے بعد اتمام کا ذکر فرمایا اور اکمال کے ساتھ دین کا ذکر ہوا۔ کیونکہ اسلام کے اصول و قوانین میں زیادتی کمی ناممکن ہے۔ نمازیں نہ چھ ہو سکیں گی نہ چار روزے نہ ڈیڑھ ماہ کے فرض ہوں گے نہ پون مہینہ کے۔ مگر اتمام کے بعد نعمتی کا ذکر ہوا۔ نعمت سے مراد یا تو آیات قرآنیہ ہیں۔ حجتہ الوداع کے بعد بھی کچھ آیات اتریں یا جزئیات احکام مراد ہیں تو ظاہر ہے کہ قیامت تک جزئیات شریعہ بڑھتے رہیں گے۔ چنانچہ نوٹ 'تار' 'ٹیلیفون' کے شرعی احکام جب ہی نکلے جب یہ چیزیں ایجاد ہوئیں۔ مگر نکلے ان ہی قوانین سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکمل ہو چکے تھے۔ یا نعمت سے مراد فتح مکہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد اور بہت شہر و ملک فتح ہوئے خصوصاً عہد فاروقی میں۔ بہر حال ان دونوں جملوں میں الگ الگ چیزوں کا ذکر ہے۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ **علیکم** میں بھی خطاب صحابہ کرام سے ہے اور ہو سکتا ہے۔ کہ سارے مسلمانوں سے ہو۔ خیال رہے کہ دوسری امتوں کو دین ملے۔ ہم کو کامل دین اسلام اوروں کو نبی ملے۔ ہم کو نبیوں کا سردار ملا صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کتابیں ملی ہم کو قرآن ملا۔ جو تمام کتابوں سے افضل ہے۔ غرض کہ نعمتیں سب کو ملیں اور تمام نعمت ہم کو۔ **ورضیت لکم الاسلام دینا** یہ جملہ **اتممت** پر معطوف ہے۔ **رضیت** بنا ہے **رضاء** سے بمعنی راضی ہونا۔ رضا کبھی تو خوش ہونے کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ اور جیسے **ولسوف یرضی** یونہی فرماتا ہے **ولسوف یعطیک ربک فترضی** ان تمام آیات میں رضا بمعنی خوش ہو جانا۔ نہ کہ غضب و ناراضی کا مقابل۔ ان کا مطلب یہ نہیں کہ ابوبکر صدیق یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج رب سے ناراض ہیں۔ آئندہ راضی ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو اتنا دیں گے کہ وہ خوش ہو جائیں گے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **ان تشکروا یرضه لکم** یہاں رضا بمعنی ناراض نہ ہونا ہے اور بھی پسند کرنے کے معنی میں۔ اس کا مقابل غضب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف اسلام سے راضی ہے۔ باقی دینوں پر اس کا غضب ہے۔ لکم میں بھی خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ اسلام کے لغوی معنی ہیں اطاعت و فرمانبرداری۔ اصطلاح میں دین محمدی کا نام ہے۔ تمام آسمانی دین لغت کی رو سے اسلام تھے۔ مگر کسی دین کا نام اسلام نہ ہوا سواء اس دین کے **هو سمكم المسلمين دينا** اسلام کی تمیز ہے۔ یعنی اے مسلمانوں میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمالیا۔ کہ اب میری رضا صرف اسی دین اسلام ہی میں مل سکتی ہے۔ دوسرے دینوں میں میرا غضب ہی ملے گا۔ اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل**

منه وهو فی الاخرۃ من الخاسرین اس جملہ **ورضیت** الخ میں اسلام کا نام لے دیا گیا۔ تاکہ **اکملت لکم دینکم** کی تفسیر ہو جاوے۔ کہ وہاں دین سے مراد اسلام ہے۔ غرض کہ یہاں **رضیت** اگر ناراضی کا مقابل ہے تو یہ بھی الیوم سے تعلق رکھتی ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ اب تک تو دوسرے دین جیسے دین موسوی عیسوی وغیرہ سے میں راضی تھا مگر آج صرف اسلام دین سے راضی ہوں۔ اب عیسائی یہودی ہو کر مجھے کوئی راضی نہیں کر سکتا۔ وہ دین پہلے ہدایت تھے۔ اب عین کفر ہیں۔ ماں کا دودھ بچپن میں حلال بھی تھا۔ ذریعہ بقا بھی۔ جوانی میں حرام بھی ہے ہلاکت بھی اور اگر بمعنی خوشی ہے۔ تو یہ گزشتہ زمانہ کا ذکر ہے یعنی اول ہی سے میں نے تمہارے لئے اسلام دین کو اور اسلام کے لئے تم کو منتخب کر لیا تھا۔ میں اس سے خوش و راضی تھا۔ اور ہوں کہ دین اسلام تمہارے لئے ہو اور تم دین اسلام کے لئے میرے انتخاب میں تم پہلے ہی آچکے ہو۔ **فمن اضطر فی مخمصة** یہ جملہ گزشتہ جملہ **حرمت** الخ سے متصل ہے۔ درمیان میں **وان تستقسموا** سے لیکر **دینا** تک سات جملہ معترضہ تھے۔ ف فصیحہ ہے من سے مراد ہر مسلمان ہے۔ **اضطر** بنا ہے ضرر سے اور اضطرار کے معنی ہیں ضرر یا ضرورت میں واقع ہو جانا یہ مقابل ہے اختیار کا **مخمصه** بنا ہے **خمص** سے بمعنی خالی ہونا۔ دبلے آدمی کو رجل خمیص کہا جاتا کہ اس کا جسم گوشت سے خالی ہو جاتا ہے اصطلاح میں **مخمصه** وہ بھوک ہے جو ہلاکت کے قریب کر دے جس سے آدمی کا پیٹ غذا سے بالکل خالی ہو جاوے یعنی جو مسلمان بھوک میں مجبور و لاچار ہو جاوے کہ بجز حرام غذا کے اسے اور کچھ میسر نہ ہو۔ بھوک سے جان نکل جانے کا خطرہ ہو۔ ہر بھوک کا یہ حکم نہیں اس لئے یہاں **مخمصه** فرمایا جوع نہ فرمایا جوع ہر بھوک کو کہتے ہیں **مخمصه** ایسی بھوک کو **غیر متجانف لاثم** یہ عبارت **اضطر** کے ضمیر **ھو** سے حال ہے۔ جو **اضطر** کا نائب فاعل ہے۔ **متجانف** بنا ہے جنف سے **جنف** کے معنی ہیں کسی کی طرف جھکنا مائل ہونا جیسے **جنف** کے معنی ہیں کسی سے ہٹنا دور رہنا۔ **حنیف** کے معنی ہیں برائیوں سے دور **جنیف** کے معنی ہیں برائیوں کی طرف مائل لام بمعنی الی ہے۔ **اثم** سے مراد ہے۔ وہ حرام غذا لذت کے لئے کھانا یا ضرورت سے زیادہ کھا لینا ہے۔ حتی کہ اگر دو لقمہ سے جان بچ جاتی ہو تو تیسرا لقمہ کھانا گناہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **غیر متجانف** کل فعل محذوف کا حال ہو۔ **فان اللّٰه غفور رحیم** یہاں ف جزائیہ نہیں بلکہ **تعلیلیه** ہے۔ یہ جملہ **فمن اضطر** کی جزا نہیں۔ اس کی جزا پوشیدہ ہے۔ یہ اس پوشیدہ جزا کی علت۔ اور وجہ ہے یعنی جو مسلمان بھوک پیاس میں مجبور ہو جاوے اور حرام غذا کھالے اس طرح کہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو وہ پکڑا نہ جاوے گا۔ یا گنہگار نہ ہوئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے۔ مہربان بھی۔ وہ کریم ایسے مجبوروں کو پکڑتا نہیں بخش دیتا ہے۔

خلاصہ تفسیر اس آیت میں دو جگہ **الیوم** ہے ایک تو **الیوم یئس الذین کفروا** میں اور دوسرے **الیوم اکملت لکم** الخ میں **الیوم** سے مراد اس آیت کے نزول کا دن اس کی تاریخ ہے۔ دوسرے **الیوم** میں دو احتمال ہیں۔ اگر دین کامل کرنے سے مراد ہے تاقیامت دین کا قابل نسخ نہ ہونا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا نہ آسکنا

تو **الیوم** سے یہ زمانہ مراد ہے۔ اور اگر آئندہ کسی آیتہ حکم کا نہ اترنا۔ اور کسی اتری ہوئی آیت کا منسوخ نہ ہونا مراد ہے تو **الیوم** کے معنی ہوں گے۔ آج کا دن آج کی تاریخ لہذا اس آیت کی دو تفسیریں ہیں اسی طرح **دینکم** دو جگہ مذکور ہے ایک **الیوم یئس الذین کفروا من دینکم** اور دوسرا **الیوم اکملت لکم دینکم** پہلے **دینکم** میں دین میں دو احتمال ہیں۔ یا اس سے اسلام مراد ہو یا حضرات صحابہ کرام کی دینداری۔ پہلی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ کفار اسلام کو مٹانے سے مایوس ہو گئے دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اے صحابہ! کفار تم کو بہکانے سے مایوس ہو گئے غرض کہ عجیب پر لطف آیت ہے مگر ہم ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ اے مسلمانو! آج کے دن آج کی تاریخ کفار عرب تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ اب تک انہیں آس لگی تھی کہ اسلام ایک عارضی دین ہے۔ کچھ دن بعد ختم ہو جائے گا اور مسلمان پھر ہمارے دین میں آجاویں گے۔ مگر فتح مکہ حجتہ الوداع اسلام کی شان و شوکت ہر طرف سے لوگوں کا آنا مسلمان ہونا دیکھ کر اب مایوس ہو گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اس دین کی بنیادی بہت پختہ ہیں۔ لہذا اے مسلمانو تم کفار سے نہ ڈرو بے دھڑک ہو کر اپنے دین پر علانیہ عمل کرو۔ ہاں مجھ سے ڈرتے رہو۔ کہ مجھ سے ڈرنا تقویٰ و پرہیزگاری کی اصل ہے آج میں نے تمہارا دین کامل فرمادیا۔ کہ جو اصول و قواعد و احکام آنے تھے۔ سب آچکے۔ ذات' صفات' حالات حفاظت میں یہ دین کامل ہو گیا۔ اور تم پر اپنی نعمت میں نے پوری فرمادی کہ فتح مکہ ہو گئی۔ فرعی مسائل ضبط ہو گئے اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمالیا۔ اس دین سے میں راضی ہوں۔ اسلام کے سوا کسی دین میں اب میری رضا نہیں۔ اسلام کے سوا ہر دین میں میرا غضب ہی ہے۔ چونکہ یہ دین مکمل ہی ہے۔ قیامت تک اس میں انتظام ہے۔ بعض لوگ مجبور بھی ہوں گے۔ تو ان کے متعلق سن لو کہ اگر کوئی مسلمان ہلاکت کرنے والی بھوک پیاس میں پھنس کر حرام غذا کھانے پر مجبور ہو جاوے۔ گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو کہ مزے کے لئے یا ضرورت سے زیادہ کھالے تو اس مجبوری میں بقدر ضرورت پر مذکورہ جانور مردار سور وغیرہ جانور کا گوشت کھائے۔ یا خون کو اور طرح جسم میں داخل کرے تو ہم اس کی پکڑ نہ فرمائیں گے۔ کیونکہ ہم غفور بھی ہیں رحیم بھی۔ ہم ایسے مجبوروں کی پکڑ نہیں فرماتے ہماری عادت تو گنہگار کو چھوڑنا ہے نہ کہ مجبوروں کو پکڑنا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ مسلمانوں سے کفار کا مایوس ہو جانا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ مایوسی خواہ قومی ہو یا شخصی بہر حال نعمت ہے مسلم قوم کا اتنا قوی ہو جانا کہ کفار ان کو مغلوب کرنے سے مایوس ہو جاویں۔ یہ قوم مسلم پر رحمت ہے۔ کسی شخص کے متعلق کفار کا یہ یقین کرلینا کہ یہ ہمارے بہکائے بہکے گا نہیں اس شخص پر اللہ کی رحمت ہے۔ بعض اللہ کے بندے وہ ہیں جن سے شیطان مایوس ہو چکا ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ یہ فائدہ **الیوم یئس الذین کفروا** سے حاصل ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی مایوسی کو نعمت فرمایا۔ دوسرا فائدہ اسلام وہی ہے جو صحابہ کرام نے اختیار کیا۔ ان کے علاوہ اور ایجاد کئے ہوئے عقیدے اسلام نہیں۔ جیسا کہ **دینکم** کی پہلی

تفسیر سے معلوم ہوا۔ لہٰذا جس مذہب میں نمازیں دو ہوں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہ ہوں۔ وہ مذہب اسلام نہیں کیونکہ یہ صحابہ کرام کا دین نہ تھا۔ تیسرا فائدہ جو کوئی حضرات صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد کہے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔ جب صحابہ کرام کو بہکانے سے کفار بلکہ شیطان تک مایوس ہو چکا۔ تو پھر وہ کیسے بہک سکتے ہیں۔ اس آیت نے ان حضرات کے ایمان کی گارنٹی دے دی۔ چوتھا فائدہ اللہ کا خوف اس کی خشیت رب کی بڑی نعمت ہے۔ مگر یہ کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ جس کو خوف خدا عشق جناب مصطفیٰ نصیب ہو گیا اسے دونوں جہان مل گئے۔ یہ فائدہ **واخشون** سے حاصل ہوا۔ خوف چند قسم کا ہے۔ ایذاء کا خوف جیسے سانپ سے ڈر، ظلم کا خوف جیسے ظالم حاکم سے خوف، اپنے جرم و خطا کا خوف جیسے مجرم کو عادل حاکم سے خوف۔ ہیبت کا خوف جسے کہتے ہیں رعب۔ پہلے دو خوف نفرت پیدا کرتے ہیں۔ دوسرے آخری وہ خوف اطاعت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ ہم گنہگاروں کو رب سے خوف ہے۔ اپنی خطاؤں کی وجہ سے۔ حضرات انبیاء کو خوف ہے ہیبت شاہانہ سے۔ ایک طالب علم کو ماں باپ استاد کا خوف ہے۔ تو محنت سے پڑھتا ہے۔ یہاں **واخشون** میں یہ آخری دو خوف مراد ہیں۔ احتیاط کا خوف ظلم کا خوف کفار سے ضرور چاہیے تاکہ مسلمان ان سے محتاط رہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** یہاں یہ مطلب ہے کہ اولیاء اللہ کو غیر خدا کی اطاعت یا ہیبت کا خوف نہیں ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا کے پہلی بار سانپ بن جانے پر اس سے خوف کرنا ایذاء کا خوف تھا اور فرعون سے خوف کرنا ظلم کا خوف تھا۔ لہٰذا خشیت غیر خدا سے مسلمان کو نہیں ہوتی۔ جس دل میں خوف خدا رہتا ہے۔ اس میں خوف غیر نہیں ہوتا۔ پانچواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں یہ فائدہ **اکملت لکم دینکم** سے حاصل ہوا۔ جب دین کامل ہو چکا تو اب کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ سارے نبی ذات و صفات اور ساری غیبی چیزوں کے سمعی گواہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عینی گواہ اور عینی گواہ پر گواہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد کسی گواہ کی ضرورت نہیں رہتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ چھٹا فائدہ دین کے اصول و قواعد و قانون میں زیادتی کمی نہیں ہو سکتی وہ مکمل ہو چکے۔ اب نمازیں نہ چار ہوں نہ چھ یہ فائدہ بھی **اکملت لکم دینکم** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ دین کے فروعی مسائل کی حد نہیں۔ وہ ہمیشہ بڑھتے رہیں گے۔ نئی نئی ضرورتیں پیش آتی رہیں گی مسائل کا استنباط ہوتا رہے گا۔ یہ فائدہ **اتممت علیکم نعمتی** سے حاصل ہوا کہ اتمام کہتے ہی اسے ہیں کہ اس میں کمی نہ ہو سکے زیادتی ہو سکے اس لئے **اکملت** کے بعد دین ارشاد ہوا۔ اور **اتممت** کے بعد نعمت عقائد دین میں مسائل نعمت ہیں۔ آٹھواں فائدہ اسلام کے سوا کسی دین سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں۔ کوئی شخص کسی اور دین میں رہ کر کتنی ہی عبادتیں کرے مردود ہے۔ یہ فائدہ **رضیت لکم الاسلام دینا** سے حاصل ہوا۔ جڑ کٹ جانے کے بعد شاخوں کو پانی دینا بیکار ہے۔ نواں فائدہ قرآن کریم کی اصطلاح میں اسلام صرف دین محمدی کا نام ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دین خواہ آسمانی ہو یا زمینی اسلام نہیں یہ فائدہ

بھی اس جملہ **رضیت لکم الاسلام** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ اللہ تعالیٰ اسلام سے راضی ہے نہ کہ توحید سے توحید تو شیطان کے پاس بھی ہے اور بہت کافر فرقے توحید یے ہیں جیسے آریہ اور سکھ وغیرہ یہ فائدہ بھی الاسلام فرمانے سے حاصل ہوا اس لئے سارے قرآن مجید میں نہ لفظ توحید ہے نہ اس کا کوئی مشتق 'ایمان' اسلام اور اس کے مشتقات قرآن مجید میں ہیں۔ ہم کو پکارا گیا تو **الذین امنوا** کے خطاب سے **الذین وحدو** سے نہ فرمایا۔ خیال رہے کہ توحید کے ساتھ نبوت شامل ہو تو ایمان و اسلام بنتا ہے۔ نبوت سے خالی توحید دوزخ کی چابی ہے۔ گیارہواں فائدہ مجبوری و اضطرار کی حالت میں جبکہ بھوک سے جان نکل جانے کا اندیشہ ہو۔ بقدر ضرورت جان بچانے کے لئے حرام چیز کھا پی لینا معاف ہے۔ جیسا کہ **فان اللہ غفور رحیم** فرمانے سے معلوم ہوا۔ بارہواں فائدہ ایسی مجبوری کی حالت میں وہ مردار وغیرہ اس کے لئے حلال نہیں ہو جاتا۔ حرام ہی رہتا ہے۔ مگر اس کے کھانے پر پکڑ نہیں۔ چیز کا حرام ہونا اور ہے۔ اس کے استعمال کا حرام ہونا کچھ اور۔ غیر منکوحہ عورت ہمارے لئے حرام ہے۔ اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کرنا حرام تو حالت حیض میں خود بیوی حرام نہیں ہو جاتی۔ ہاں اس سے صحبت کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ اس فرق کا اثر یہ ہو گا کہ غیر منکوحہ عورت سے جو بچہ پیدا ہو گا حرامی ہو گا۔ اور حائضہ بیوی کی صحبت سے جو بچہ پیدا ہو گا۔ حلال ہو گا۔ یہ فائدہ بھی **غفور رحیم** سے حاصل ہوا۔ مسئلہ بحالت مجبوری مردار وغیرہ جانور، ہیں تو حرام مگر ان سے کچھ کھا لینا واجب ہے کہ اگر نہ کھائے گا اور مر جائے گا۔ تو گنہگار ہو گا۔ مگر مجبوری میں منہ سے کفریک دینا واجب نہیں۔ صرف اس کی اجازت ہے۔ اگر ایسا نہ کرے اور مر جاوے تو شہید ہو گا۔ تیرہواں فائدہ ضرورت سے زیادہ مردار وغیرہ کھانا حرام ہے۔ جس پر پکڑ ہے یہ فائدہ **لاثم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ چودھواں فائدہ مہلک بیماری کا مریض جب اس کا علاج صرف حرام چیز سے ہی ہو سکے۔ اس طرح کہ مسلمان حقق حاذق حکیم یہ بتائے تو وہ بھی بقدر علاج حرام چیز کھا سکتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **من اضطر** سے اشارۃ حاصل ہوتا ہے۔ مگر یہاں بھی وہ چیز حلال نہ ہو جاوے گی۔ صرف اس کے استعمال پر گناہ نہ ہو گا۔ اگر استعمال نہ کرے اور مر جاوے تو ثواب پائے گا۔ کیونکہ حرام دوا سے شفا حاصل ہونا یقینی نہیں۔ مگر حرام غذا سے جان بچ جانا یقینی ہے۔ لہذا غذا میں وجوب ہے۔ دوا میں اباحت۔ پندرہواں فائدہ بھوک ہڑتال کر کے اپنے کو ہلاک کر لینا حرام ہے۔ خود کشی ہے۔ جب مخمصہ میں حرام غذا کھا لینا واجب ہے۔ تو حلال غذا کھا کر جان بچانا اشد واجب ہے۔ سولہواں فائدہ اگر کسی بیمار سے نبی فرما دیں کہ تیری شفا فلاں حرام دوا میں ہے تو اس کا استعمال کر لینا واجب ہے کہ اس میں شفا یقینی ہے۔ دیکھو عرینہ کے بیمار لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹوں کے دودھ پیشاب پیو۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ صحابہ کے دین سے کفار آج ناامید ہوئے۔ حالانکہ بعض صحابہ وہ ہیں جن سے کفار تو کیا شیطان بھی پہلے ہی سے مایوس ہو چکے تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ تو اس آیت اور اس حدیث میں موافقت کیسے ہو گی۔ **جواب** یہاں **دینکم** سے مراد دین اسلام ہے۔ اور مطلب یہ کہ دین اسلام کی بربادی ناکامی

سے کفار آج مایوس ہوئے۔ اس سے پہلے ان کا خیال تھا کہ یہ بھی ایک تحریک ہے۔ جیسے دوسری تحریکیں وقتی ہوتی ہیں کہ کچھ روز چلیں ختم ہو گئیں آج کے حالات سے ان کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے حضرات کو اسلام سے ہٹا دینے سے شیطان مایوس ہو گیا۔ یہ مایوسی دین اسلام کی پختگی کی بنا پر ہوئی لہٰذا آیت و حدیث دونوں برحق ہیں۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے سوا کسی کا خوف نہ چاہیے۔ مگر مسلمان نبیوں ولیوں سے ڈرتے ہیں یہ ڈر شرک ہے۔ **جواب** ان سے ڈرنا رب تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ جیسے ان سے محبت رب تعالیٰ سے محبت ہے۔ حکام سے خوف سلطان ہی سے خوف ہے۔ کہ یہ سلطان ہی کے نائب ہیں۔ **تیسرا اعتراض** لوگ بادشاہوں سے ڈرتے ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ تمہارے بعض بیوی بچے تمہارے دشمن ہیں **فاحذروھم** ان سے ڈرتے رہو۔ وہ آیت اس آیت **واخشون** کے خلاف ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ خوف چار پانچ قسم کے ہیں جن میں سے دو پہلی قسم کے خوف صرف رب سے چاہئیں۔ باقی آخری دو تین قسم کے خوف بندوں سے چاہئیں۔ دشمن سے محتاط رہنا۔ اپنا بچاؤ اختیار کرنا ضروری ہے۔ **چوتھا اعتراض** اگر آج کفار دین اسلام سے مایوس ہو چکے تو پھر اس آیت کے نزول کے بعد بھی کفار نے مسلمانوں سے جنگ کیوں کی۔ ان کی لڑائیاں ہمیشہ مسلمانوں سے رہیں اور اب بھی ہیں۔ پھر مایوسی کہاں ہوئی۔ **جواب** کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ کفر اسلام کی ضد ہے۔ اس دشمنی و ضد کی وجہ سے لڑائیاں ہوتی رہیں اور ہوتی رہیں گی۔ وہ جانتے ہیں کہ اسلام ہمارے مٹائے مٹے گا نہیں مگر عداوت اور دلی عناد سے مجبور ہیں۔

شعر۔

☆ نیش کژدم نہ از پئے کیں است ☆ مقتضاء طبیعتش ایں است ☆

بچھو کی عادت ڈنک مارنا ہے۔ وہ تو مارے گا ہی کسی کا کچھ بگڑے یا نہ بگڑے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ میں نے تمہارا دین آج کامل کر دیا تو کیا آج حجۃ الوداع سے پہلے ناقص تھا اگر ناقص تھا تو جو صحابہ اس زمانہ میں وفات پا گئے وہ ناقص دین پر گئے۔ **جواب** اس وقت کے لحاظ سے اسلام کامل تھا اور جو احکام اس وقت تھے ذریعہ نجات تھے۔ مگر آج قیامت تک کے لئے دین کامل ہو گیا۔ کہ اب کوئی حکم منسوخ نہ ہو گا۔ مثلاً جس زمانہ میں زکوٰۃ، روزہ، حج فرض نہیں ہوئے تھے اس وقت صرف کلمہ و نماز پڑھ لینا بھی کامل تھا۔ اس پر نجات تھی۔ اب ان احکام کے آ جانے پر ان پر عمل کرنا کامل ہوا۔ شیر خوار بچے کے لئے ماں کا دودھ کامل غذا ہے۔ جوان ہو جانے پر روٹی چاول وغیرہ کامل غذا ہے۔ بیمار کے لئے سابودانہ کامل غذا ہے تندرست کے لئے دوسری غذائیں کامل ہیں۔ **دوسرا جواب** یہ ہے کہ یہاں کمال دین سے مراد ہے احکام اسلام کا نسخ نہ ہونا اور حضور کے بعد کسی نبی کا نہ ہو سکنا۔ اور "**الیوم**" سے مراد صرف آج کا خاص دن نہیں بلکہ یہ وقت اور یہ زمانہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے دین قابل نسخ تھے۔ بعد میں اور انبیائے کرام کی تشریف آوری کی امید

تھی۔ اب یہ دین کامل ہو گیا۔ کبھی منسوخ نہ ہو گا۔ چھٹا اعتراض جب دین اسلام کامل ہو چکا تو اماموں کی تقلید اور چار مذاہب کی کیا ضرورت ہے۔ اور بعد میں علم فقہ کیوں بنایا گیا۔ اسلام میں کونسی کمی تھی جو ان اماموں نے پوری کی اور قرآن و حدیث میں کیا نقصان تھا جو فقہ سے دور کیا گیا۔ (غیر مقلد) جواب دین عقیدوں اور کلی قانون اور اصول کا نام ہے۔ یہ مکمل ہو چکے رہے جزوی مسائل اور ضروریات زمانہ کے لحاظ سے فرعی احکام وہ ہمیشہ نکالے جاتے رہیں گے۔ مگر ان ہی قواعد و اصول پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکمل ہو چکے تھے۔ اس لئے آگے ارشاد ہوا **اتممت علیکم نعمتی کمال** اور تمام کا فرق ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ آج ریڈیو' لاؤڈ سپیکر' فونوگراف سے سجدہ کی آیت سنی جاوے تو سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔ یا نہیں یہ وہ مسئلہ ہے۔ جو زمانہ صحابہ میں پیش نہ آیا تھا۔ مگر شرعی قاعدے ایسے مقرر ہیں کہ یہ احکام ان سے نکل سکتے ہیں۔ ہوائی جہاز چلتی ریل میں نماز کا حکم شرعی قواعد سے نکالا جاتا ہے۔ ساتواں اعتراض اگر خدا تعالیٰ اسلام سے آج راضی ہوا تو کیا اس سے پہلے اسلام سے ناراض تھا۔ جواب یہاں رضا ناراضی کا مقابل نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولسوف یعطیک ربک فترضی** اے محبوب رب تعالیٰ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جاویں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں یہاں رضاء' بمعنی خوش ہو جانا ہے۔ رب تعالیٰ پہلے بھی راضی تھا۔ مگر اس پر کفایت فرمانے سے راضی نہ تھا۔ اس کریم کا منشا یہ تھا کہ ابھی اور احکام بھیجے جاویں اور موجودہ احکام میں کچھ رد و بدل کیا جاوے آج وہ منشا پورا ہو گیا رب تعالیٰ راضی ہو گیا۔ آٹھواں **اعتراض** دین مکمل ہو چکنے کے بعد سلسلہ نبوت کیوں ختم ہو چکا۔ نبوت تو اللہ کی رحمت ہے۔ وہ کبھی بند نہ ہونی چاہیے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبی آویں اسلام کی خدمت کریں تو کیا حرج ہے۔ نبوت تو رحمت کی بارش ہے۔ ہر وقت مفید (مرزائی) جواب بارش وقت پر ہو تو رحمت ہے کھیت پکنے کے بعد نقصان دہ ہے۔ دین کا کھیت پک چکا اب نبوت مضر ہے۔ طلوع سورج سے پہلے چراغ مفید تھا سورج نکل آنے پر بیکار ہے۔ اس کی تحقیق پہلے پارے میں ہو چکی۔ نواں اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ مخمصہ اور اضطرار کی حالت میں حرام گوشت کھا سکتے ہیں تو بیمار کو انسانی خون کا ٹیکہ کیوں نہیں لگا سکتے۔ جواب یہاں مردار جانور کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ نہ کہ انسان کا گوشت کھانے کی۔ انسان کا کوئی جز کسی حالت میں کسی طرح استعمال کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ ہم نے بحوالہ شامی عرض کیا اور آج کل خون چڑھانے کا استعمال بہت ہی عام ہو گیا۔ نہ تو مخمصہ ہوتا ہے نہ اس سے شفا یقینی ہوتی ہے۔ اور چڑھا دیا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ کہیں نہ ملے گا کہ ضرورۃً انسان کی کھال گوشت' خون استعمال کر لیا کرو یہ قطعاً جائز نہیں۔ دسواں اعتراض جب مخمصہ کی حالت میں حرام چیز کھا لینا جائز ہے۔ تو یہاں غفور رحیم کا کلمہ کیوں ارشاد ہوا۔ مغفرت گناہ کی ہوتی ہے اور یہ کھانا گناہ نہیں۔ جواب یا تو یہ بتانے کو کہ اس حالت میں وہ چیز حلال نہ ہوئی۔ وہ تو حرام ہی رہی۔ اس کے استعمال پر اللہ تعالیٰ پکڑ نہ فرمادے گا۔ یا مقصد یہ ہے کہ کبھی انسان بقدر حاجت کا اندازہ لگانے میں غلطی کر جاتا ہے اگر غلطی سے ایک دو لقمے زیادہ کھا

گیا تو ہم بخش دیں گے پکڑ نہ فرمائیں گے۔ گیارہواں اعتراض لفظ اسلام میں کیا خوبی ہے جو یہ نام صرف دین محمدی کو دیا گیا۔ اور کسی دین کو نہ دیا گیا۔ اور مسلم نام میں کیا خصوصیت ہے۔ جس کی وجہ سے صرف قوم محمدی کو مسلم کہا جاتا ہے۔ دوسری قوموں کو نہیں۔ ہر دین اسلام ہے ہر دین والا مسلم (ابو الکلام بے دینی) جواب اسلام بنا ہے سلم سے سلم کے چار معنی ہیں۔ اطاعت و فرمانبرداری۔ صلح رب فرماتا ہے **فان جنحوا للسلم فاجنح لھا** امن و امان حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **المومن من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ** اپنے کو کسی کے سپرد کر دینا کہ اپنا کچھ نہ رہے۔ سب کچھ اس کا ہو جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت فرماتے تھے **اللھم انی سلمت نفسی الیک** یہ چاروں خوبیاں صرف اسلام میں ہیں اور کسی دین میں نہیں اور یہ چاروں صفات صرف مسلمانوں میں ہیں۔ دوسری کسی قوم میں نہیں۔ مسلمان اپنے کو اللہ رسول کے سپرد اس طرح کر دیتا ہے۔ کہ سبحان اللہ۔ سر سے لے کر پاؤں کے ناخن تک اسلامی قوانین میں جکڑا ہوا ہے۔ جسم کے بعض بال کٹوانا حرام ہیں۔ جیسے بھویں پلک بعض بال کٹوانا واجب ہے۔ جیسے زیر ناف' ناک' کان' زبان' ہاتھ' پاؤں' سب زیر فرمان الٰہی استعمال کرنے کا حکم ہے۔ حتیٰ کہ سونا' جاگنا' بلکہ مرنا جینا سب اللہ رسول کے زیر فرمان ہے۔ اس لئے یہ ہی مسلمان کہلانے کا مستحق ہے۔ **قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔** اگر ہم صحیح طور پر مسلمان بن جاویں تو ہمارا ہر کام عبادت ہو جاوے اور پھر ہمارے اعضا میں قوت رحمانی کار فرما ہو۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت کریمہ میں یہ ظاہر خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ مگر بہ باطن خطاب طالبین مولیٰ سے ہے۔ طالبین مولا کے لئے دنیا مردار ہے۔ یہاں کی عام حلال چیزیں خون ہیں۔ حرام چیزیں سور یا تھوڑی دنیا میں جو پردہ بن جائے۔ وہ خون ہے۔ زیادہ دنیا جو دل پر غفلت کی مہر لگا دے وہ سور ہے اور ریا نام و نمود کی عبادت جس میں غیر خدا کو راضی کرنے کی نیت ہو وہ **ما اھل بہ لغیر اللہ** ہے وہ دل جنہیں نفس امارہ نے گھونٹا ہوا ہے یہ **منخنقہ** ہیں جو اوپر سے نیچے کی طرف دین سے دنیا کی طرف گر پڑے وہ متردیہ ہے اور متکبر دنیا دار لوگ جو ایک دوسرے پر فخر کریں۔ ستائیں۔ وہ گویا **نطیحہ** جانور ہیں۔ جنہیں ایک دوسرے نے سینگ مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ اور وہ عبادات جو بری حرکتوں اور محبت دنیا کی وجہ سے برباد ہو گئیں وہ گویا **ماذبح علی النصب** ہیں جو دنیا کے بت پر ذبح کر دی گئیں۔ جو اللہ کی عبادات شک کے ساتھ ادا کی جاوے کہ نہ معلوم قبول ہو یا نہ قبول ہو وہ گویا تیروں سے فال نکالی چیز ہے۔ فرمایا جا رہا ہے۔ کہ اے راہ حق پر چلنے والے مولیٰ کے طلبگارو! جو ہمارے ہاں مومنوں کی فہرست میں آ چکے ہیں تم پر غافل کرنے والی دنیا تھوڑی ہو یا بہت اور ریاکاری کی عبادتیں وہ نفوس جو دنیا میں پھنس کر رہ گئے اور ان لوگوں سے میل جول جو متکبرین ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش ہمیشہ کرتے رہتے ہیں اور دنیاداروں کی جھوٹی (نیم خوردہ) دنیا اور جو عبادات درست ہونے کے بعد برباد ہو جاویں وہ اور مشکوک عبادات حرام کر دی گئیں۔ ان سب سے پرہیز رکھو کہ یہ تمام چیزیں فسق اور راہ مار ہیں۔ تم سے

شیطان اور اس کی ذریت بفضلہ تعالیٰ مایوس ہو چکے ہیں۔ کیونکہ تم ہماری امان میں ہو۔ تم ان سے بے دھڑک رہو۔ ہمیشہ خوف خدا رکھو کہ اس قدم سے ہی تم یہ راستہ طے کر سکتے ہو۔ اس بازو سے تم اڑ سکتے ہو۔ اس سواری سے یہ سفر بہ آسانی کر سکتے ہو۔ حضرت سہل فرماتے ہیں بڑا عاجز وہ شخص ہے جو مجبور سے ڈرے قادر و قیوم سے بے خوف ہو جاوے۔ قادر مطلق کا خوف دل میں رکھو تاکہ دنیا کا خوف تمہارے دل میں نہ آوے۔ اے میرے محبوب کے دامن کرم سے وابستہ ہونے والو ہم نے اپنی نعمت تم پر کامل کر دی۔ کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ۔ تم پر بواسطہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تجلی ذات ڈالی۔ کیونکہ تمام انبیاء علیہ السلام آئینہ صفات الٰہی تھے اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ ذات الٰہی ہیں تمہارے لئے کشف بے حجاب معافی بے حساب وصول بے عذاب ہے اور تم پر اپنی نعمت کامل کر دی کہ تمہارے نبی کو صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کبریٰ۔ مقام محمود وغیرہ صفات خاص عطا فرمائے۔ ابو حفص فرماتے ہیں کہ دین کا کمال دو چیزوں میں ہے۔ رب تعالیٰ کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ الیوم سے اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی طرف ہے۔ اور کمال سے اشارہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم فتح کی طرف۔ اتمام نعمت سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام دینوں پر غالب ہونا۔ اسی کا تا قیامت باقی رہنا ہے۔ اے راہ رواں راہ محبت۔ اگر تم کبھی مجبور ہو کر دنیا کو اختیار کرو تو بقدر ضرورت ہی اختیار کرنا۔ اس میں تمہارے لئے معافی ہے مگر خیال رہے کہ ایسی مجبوری میں صرف دنیا وغیرہ کی طرف صرف التفات ہو اس میں پھنسا نہ ہو کہ یہ گناہ ہے اللہ تعالیٰ اسی قال کو حال بنا دے (روح البیان و عرائس البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے دین کو کامل نہ فرمایا۔ سواء دین اسلام کے کیونکہ جلسہ میں شامیانہ' فرش' بجلی' سامعین کا اجتماع جس صدر الصدور جس سلطان کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس کی آمد سے قبل اگرچہ وزراء امراء تقریریں۔ نعت خوان نعت خوانیاں کریں۔ مگر سلطان کی آمد کے بغیر جلسہ مکمل نہیں ہوتا۔ سلطان کی آمد اس کی تقریر پر جلسہ مکمل ہوتا ہے۔ اور اس کے جاتے ہی جلسہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر دنیا کو جلسہ گاہ بنایا۔ آسمان کا شامیانہ زمین کا فرش لگایا۔ مخلوق کو جمع فرمایا۔ سارے انبیاء علیہم السلام کے وعظ کرائے۔ سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیت گائے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار تھا جن کی خاطر یہ جلسہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگئے دین مکمل ہو گیا۔ نیز سماعی گواہی گزرنے پر عینی گواہی کا انتظار رہتا ہے۔ تمام انبیاء علیہ السلام کرام ذات و صفات' جنت و دوزخ کے سمعی گواہ تھے۔ انہوں نے کہا اشہد ان **لا الہ الا اللہ** مگر سن کر گواہی دی تھی۔ حضور نے معراج میں ذات و صفات' جنت و دوزخ کو دیکھا۔ دیکھ کر گواہی دی۔ گواہی مکمل ہو گئی۔ اعلان ہو گیا۔ **الیوم اکملت لکم دینکم۔** **الیوم** سے مراد خاص نویں ذی الحجہ نہیں بلکہ حضور کا زمانہ پاک ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ

سوال کرتے ہیں لوگ آپ سے کہ کیا ہیں وہ چیزیں جو حلال کی گئیں واسطے ان کے فرما دو حلال کی گئیں واسطے تمہارے پاکیزہ چیزیں

اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال ہوا۔ تم فرما دو کہ حلال کی گئیں تمہارے لئے پاک چیزیں اور جو

مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّاۤ

اور وہ جو سکھائے تم نے شکاری جانوروں سے شکار کراتے ہوئے سکھاتے ہو تم انہیں اس میں سے جو سکھایا تم کو اللہ نے پس کھاؤ

شکاری جانور تم نے سدھا لئے انہیں شکار پر دوڑاتے جو علم تمہیں خدا نے دیا اس میں سے انہیں سکھاتے تو

اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ

اس میں سے جو روک رکھیں وہ جانور اوپر تمہارے اور ذکر کرو نام اللہ کا اوپر اس کے اور ڈرو اللہ سے بیشک

کھاؤ اس میں سے جو وہ مار کر تمہارے لئے رہنے دیں اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو

سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾

اللہ جلد لینے والا ہے حساب

بے شک اللہ کو حساب کرتے دیر نہیں لگتی۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں حرام جانوروں کا ذکر تھا تاکہ مسلمان ان کے کھانے سے بچیں۔ اب حلال جانوروں کا تذکرہ ہے۔ جسے مسلمان کھائیں یہ دونوں چیزیں تقویٰ کی اصل ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ جس جانور کو تم ذبح کر لو اسے کھا سکتے ہو۔ **الا ما ذکیتم** اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جس جانور کو تمہارا شکاری کتا مار ڈالے۔ وہ بھی تم کھا سکتے ہو۔ مگر کچھ شرائط کے ساتھ گویا ذبح اختیاری کا ذکر پچھلی آیت میں تھا اور ذبح اضطراری کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جس جانور کو دوسرا جانور مار دے یعنی **نطیحہ** وہ کھانا حرام ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جس جانور کو تمہارا سکھایا ہوا شکاری جانور زخمی کرکے مار دے تو حلال ہے گویا غیر شکاری جانور کے مارے ہوئے کا ذکر پہلے ہوا اور سکھائے ہوئے شکاری جانور کے مارے ہوئے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں دین کے کامل ہونے اور نعمت کے پورے ہونے کی خبر دی گئی۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ کامل دین وہ جس میں انسان کی ساری ضروریات پوری کی گئیں ہو۔ زندگی کا کوئی شعبہ تشنہ نہ چھوڑا گیا ہو۔ ضروریات زندگی میں سے ایک اہم ضرورت شکار ہے۔ خصوصاً ملک عرب کے لئے جہاں بعض علاقوں میں صرف شکار پر گزارا ہوتا تھا۔ اس لئے اب شکار کے احکام بیان ہوئے۔

شان نزول اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ نمبر ا۔ طبرانی نے بروایت حضرت ابو رافع نقل فرمایا کہ

ایک بار حضرت جبریل امین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ شریف پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضور انور نے اجازت دے دی مگر وہ اندر آئے نہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اے جبریل ہم اجازت دے چکے۔ تم آتے کیوں نہیں۔ عرض کیا کہ حضور کے گھر ایک کتا ہے۔ اور ہم اس گھر میں نہیں جاتے۔ جہاں کتا موجود ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام کتے قتل کر دیئے جاویں چنانچہ مدینہ کے سارے کتے مارے جانے لگے۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ مجھے عوالی مدینہ کے ایک بوڑھی کے کتے پر رحم آیا۔ میں نے اسے نہ مارا۔ اور حضور کی بارگاہ میں یہ واقعہ عرض کیا۔ فرمایا اسے بھی مار دو۔ میں نے مار دیا۔ پھر عوالی مدینہ کے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کوئی کتا رکھنا جائز بھی ہے۔ یا سب ہی مار دیئے جاویں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے۔ اس کے بعد حضور نے ضرورۃ کتے پالنے کی اجازت دے دی جیسے شکار کے لئے یا گھر یا کھیتی و باغ کی حفاظت کے لئے یا جانوروں کی رکھوالی کے لئے کہ ان کاموں کے لئے کتا پالنا جائز ہے۔ نمبر۲۔ حضرت عدی بن حاتم۔ زید بن مہلہل جو قبیلہ بنی طے کے سردار ہیں اور ان زید کو لوگ **زید الخیل** کہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زید الخیر رکھا۔ ان دونوں حضرات نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے علاقہ میں شکار کا بہت رواج ہے۔ سرکار فرمادیں کہ کون کون جانور حلال ہیں اور کس کس جانور کا، اشکار حلال ہے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن) تفسیرات احمدیہ نے بھی یہی روایات نقل فرمائیں۔ مگر انہوں نے حضرت عدی ابن حاتم کی روایت میں یہ بیان کیا کہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا تھا کہ ہمارا گزارہ شکار پر ہے۔ اور اکثر ہمارے کتے شکار کو پکڑتے ہیں تو وہ ہم تک پہنچتے ہوئے مرجاتا ہے۔ اب ہم کیا کریں؟ تب یہ آیت کریمہ اتری (احمدی) تفسیر صاوی، ابن کثیر روح المعانی وغیرہ نے بھی یہ شان نزول بیان کئے مگر تھوڑے فرق سے۔

تفسیر یسئلونک ماذا احل لھم سوال کے معنی پوچھنا بھی ہیں۔ مانگنا بھی۔ **واما السائل فلا تنھر** جب اس کے بعد کسی مسئلہ کا ذکر ہو۔ تو بمعنی پوچھنا ہوتا ہے۔ ورنہ بمعنی مانگنا جیسے **والسائلین و فی الرقاب** چونکہ یہاں سوال کے بعد مسئلہ شرعی کا ذکر ہے۔ لہذا بمعنی پوچھنا ہے۔ اگرچہ پوچھنے والے ایک دو صحابہ تھے مگر چونکہ اس سوال کا تعلق تمام مسلمانوں سے تھا۔ اس لئے ان سب کو سائل قرار دیدیا گیا۔ اور **یسئلون** جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ سوال بمعنی پوچھنا تین قسم کا ہے۔ اور سوال بمعنی مانگنا دو قسم کا۔ یہ پانچوں قسم کے سوال حضور سے ہوتے تھے۔ مگر جواب کی نوعیت میں فرق ہوتا تھا۔ (۱) ضروری مسئلہ پوچھنا اس کا جواب سوال کے مطابق آجاتا تھا۔ نمبر(۲) غیر ضروری سوال ہو تو اس کا جواب کچھ فرق سے دیا جاتا تھا۔ جیسے لوگوں نے پوچھا کہ چاند کیوں گھٹتا بڑھتا ہے۔ تو جواب ملا **قل ھی مواقیت للناس** جس میں گھٹنے بڑھنے کی وجہ کی بجائے حکمت بیان کی گئی نمبر(۳) مضر سوالات جن کے جواب دینے سے لوگوں کا نقصان ہوتا۔ ان سوالوں سے منع فرمادیا جاتا تھا۔ **لا تسئلو عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم** سوال بمعنی مانگنا بھی حضور سے دو قسم کا ہوتا تھا۔ نمبر۱۔ دنیاوی نعمتیں مانگنا۔ نمبر۲۔ اخروی نعمتیں مانگنا۔ ان دونوں قسموں کے سوالات کے

متعلق ارشاد ہوا۔ **واما السائل فلا تنھر**۔ اے محبوب کسی سائل کو جھڑکو نہیں حضرات صحابہ نے حضور سے آنکھیں مال اولاد' تندرستی جنت مانگی ہے اور تاقیامت حضور کے دروازے سے بھیک سب شاہ و گدا مانگتے رہیں گے اور حضور کے ہاں سے عطائیں ہوتی رہیں گی۔ **شعر**:-

☆ منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھا دو ☆ جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو ☆

یہاں سوال سے مراد ان پانچوں قسم میں سے پہلی قسم کا ہے۔ **ما استفھامیہ** ہے۔ **ذا** اسم اشارہ ہے ان دونوں سے مراد جانور ہیں جیساکہ جواب سے ظاہر ہے۔ **احل** احلال سے بنا جس کے معانی ابھی کچھ پہلے عرض کئے گئے **لھم** سے مراد سارے مسلمان ہیں۔ کیونکہ حلال و حرام کے احکام مسلمانوں پر ہی جاری ہوتے ہیں یعنی اے محبوب لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جانور کون کون سے ہیں جو مسلمان کے لئے حلال کئے گئے۔ جنہیں مسلمان کھاسکتے ہیں۔ **قل احل لکم الطیبت** یہاں احل میں یا تو آج حلال فرمادینے کا ذکر ہے یا گزشتہ زمانہ میں حلال فرمادینے کا تذکرہ ہے۔ یعنی آج تم کو کہا جاتا ہے۔ کہ حلال کردی گئیں یا کہ پہلے سے ہی حلال کی جاچکی ہیں۔ طیبات سے مراد جانور ہیں جیسے کہ سوال و جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس سے ساری طیب چیزیں مراد ہوں۔ جانور ہوں یا کوئی اور چیز۔ طیب سے مراد یا لذیذ و مزیدار چیزیں ہیں یا وہ جن کی طرف انسانوں خصوصاً اہل عرب کا دل مائل ہو۔ بشرطیکہ وہ درست طبیعت والا ہو۔ ورنہ خبیث النفس لوگوں کے دل تو گندی چیزوں کی طرف بھی مائل ہوتے ہیں۔ یا طیب وہ جانور ہے۔ جو اللہ کے نام پر ذبح ہو گیا ہو۔ یا ہر وہ چیز جسے کتاب و سنت و اجماع و قیاس نے حرام نہ کیا ہو۔ (تفسیر خازن' کبیر' تفسیرات احمدیہ' روح المعانی' بیضاوی وغیرہ) تیسرے معنی زیادہ موزوں ہیں یعنی جسے شریعت نے منع نہ فرمایا ہو یعنی تمہارے لئے ہر وہ جانور حلال فرمادیا جسے شریعت نے منع نہ فرمایا یہ قاعدہ یاد رکھو۔ **وما علمتم من الجوارح** یہ عبارت **الطیبات** پر معطوف ہے۔ اور **ما** سے پہلے لفظ "صید" پوشیدہ ہے۔ ما سے مراد شکاری جانور ہیں **علمتم** سے مراد ہے شکار کرنے کی تعلیم دے دینا۔ **من** بیانیہ ہے ما کا **جوارح** جمع ہے **جارحۃ** کی جس کا مادہ "جرح" ہے۔ جرح کے معنی زخم بھی ہیں اور کمانا بھی اسی لئے انسان کے ظاہری اعضاء کو جوارح کہتے ہیں۔ کہ ان سے کمائی کی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والذین اجترحوا السیات** اور فرماتا ہے **ویعلم ما جرحتم بالنھار** ان دونوں آیتوں میں **جرح** بمعنی کسب ہے۔ یہاں جوارح سے مراد شکاری جانور چرندے ہوں جیسے کتا' چیتا یا پرندے جیسے باز' شکرہ شاہین وغیرہ کیونکہ یہ جانور زخمی بھی کرتے ہیں اور کمائی بھی کرتے ہیں۔ شکار کیا ہوا جانور ان کی کمائی ہے۔ یعنی تمہارے لئے حلال ہے ان شکاری جانوروں کا شکار جنہیں تم شکار کرنا سکھالو۔ **مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ مکلبین علمتم** کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ بنا ہے **تکلیب** سے۔ جس کے معنی ہیں کتے کو شکار' سکھانا یا کتے کو شکار کے لئے چھوڑنا۔ عربی میں ہر شکاری جانور کو کلب کہہ دیتے ہیں **تعلمونھن** الخ **مکلبین** کا بیان ہے۔ اور اس کی شرح ہے **ھن** کی ضمیر **جوارح** کی طرف لوٹتی ہے۔ یا **تعلمونھن**

مکلبین کی ضمیر سے حال ہے۔ یا یہ نیا جملہ ہے۔ جو معترضہ جملہ کے طور پر یہاں بیان ہوا۔ **علمکم اللہ** سے مراد وہ مسائل شکار ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سکھائے۔ خیال رہے کہ یہاں رب تعالیٰ نے شکاری کتوں کی تعلیم کے لئے تین عبارتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک **ما علمتم من الجوارح** دوسرے **مکلبین** تیسرے **تعلمونھن** الخ یا مبالغہ کے لئے علماء فرماتے ہیں کہ جب کتے میں تین وصف پیدا ہو جاویں تو وہ شکاری اور معلم ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ شکار پر چھوڑنے سے دوڑ جاوے۔ دوسرے بلانے پر واپس آجاوے یا دوڑتے ہوئے کو روکنے سے رک جاوے۔ تیسرے شکار سے کچھ نہ کھائے۔ صحیح سلامت مالک تک لے آوے یا وہاں شکار گاہ میں ہی دبوچ کر بیٹھ جاوے۔ نیز فرماتے ہیں کہ تین بار اسے آزما کر دیکھا جاوے۔ جب ہر دفعہ میں یہ تینوں کام کرے تو معلم یعنی شکاری ہو گیا۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی و خازن وغیرہ) شاید یہ تین چیزیں اس ہی آیت سے ماخوذ ہیں کہ یہاں تین بار تعلیم کا ذکر ہوا۔ **فکلوا مما امسکن علیکم** اس جملہ میں ف تفریعیہ ہے اور یہ جملہ گزشتہ جملوں پر متفرع ہے۔ یعنی جس شکار میں یہ مذکورہ اوصاف ہوں تو تم ان کا شکار کھاؤ "کلوا" امر اباحت کے لئے ہے **مما** کا من یا تو زائدہ جیسے **کلوا من ثمرہ اذا اثمر** میں من زائدہ ہے یا تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ حلال جانور خواہ شکار ہو یا کوئی اور اس کے تمام اجزا نہیں کھائے جاتے۔ خون' پتہ' فرج' ذکر خصیہ وغیرہ اعضاء حرام ہیں۔ یونہی اس کا گوبر۔ پیشاب حرام ہے۔ مما کا ما یا موصوفہ ہے۔ بمعنی شی یا موصولہ۔ بمعنی الذی اگر موصولہ ہے تو امسکن میں ضمیر پوشیدہ ہے۔ اصل میں **امسکنہ** تھا **امسکن** کا فاعل وہ جوارح یعنی شکاری جانور ہیں۔ **امساک** سے مراد ہے ان شکاری جانوروں کا شکار سے خود نہ کھانا۔ تمہارے واسطے محفوظ رکھنا۔ **علیکم** میں علی۔ بمعنی لام ہے یعنی ان شکاری جانوروں نے جو شکار مار کر خود نہ کھایا۔ تمہارے واسطے روک رکھا اسے تم کھا سکتے ہو۔ اگرچہ وہ زخمی ہو کر مر گیا ہو۔ تم اسے ذبح نہ کر سکے۔ کیونکہ اس کے لئے کتے کے دانت چھری کی طرح ہیں اور تمہارا اسے چھوڑنا گویا ذبح ہے۔ **واذکروا اسم اللہ علیہ** یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے واؤ عاطفہ ہے۔ ذکر سے مراد ہے زبان سے بسم اللہ پڑھنا علیہ میں ہ ضمیر یا تو **ما علمتم** کے ما کی طرف لوٹتی ہے یا **مما امسکن علیکم** کے ما کی طرف یا کلوا کے مصدر اکل کی طرف لہٰذا اس جملے کی تین تفسیریں۔ پہلی دو تفسیروں میں **اذکروا** وجوب کے لئے ہے۔ تیسری تفسیر میں استحباب کے لئے یعنی شکاری جانور کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لو۔ یا اگر شکار کا جانور تم کو زندہ مل جاوے تو اس پر تکبیر پڑھ لو اسے ذبح کر لو یہ دونوں چیزیں واجب ہیں۔ یا جس جانور کو تمہارے کتے نے روک رکھا ہے۔ اسے بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ یہ امر استحبابی ہے۔ **اتقوا اللہ** یہ مستقل جملہ ہے۔ واؤ یا عاطفہ ہے یا ابتدائیہ ہے۔ یعنی شکار کے احکام پر عمل کرنے میں اللہ سے ڈرو حرام شکار نہ کھاؤ خواہ شکاری حرام ہو جیسے جنگلی سور یا گوہ وغیرہ۔ یا شکار حرام ہو گیا ہو۔ جیسے وہ کتے کے منہ میں بغیر زخم کے مر جاوے۔ اسی طرح غیر معلم کتے کا شکار نہ کھاؤ۔ یوں ہی کتے چیتے وغیرہ کے سوا اور شکاری جانوروں کا شکار نہ کھاؤ۔ جیسے بلی کا شکار کیا ہوا جانور کہ یہ سب حرام ہیں۔ اللہ سے ڈرو **ان اللہ سریع**

الحساب یہ جملہ گزشتہ احکام کی علت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کا حساب لے گا۔ وہ بہت جلد آنا" فانا" حساب لینے والا ہے۔ کہ تمام مخلوق کے سارے نیک و بد چھوٹے بڑے نئے پرانے کھلے چھپے اعمال کا مکمل حساب صرف چار گھنٹے میں لے لے گا۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے۔ کہ رب تعالیٰ دنیا کے چھوٹے دن کے نصف میں ساری خلقت کا حساب لے لے گا۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جانثار صحابہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ حرام جانور تو قرآن کریم نے بتا دیئے۔ حضور فرما دیں کہ ہمارے لئے کون سے جانور یا کون کون سی چیزیں حلال ہیں فرما دو کہ تمہارے لئے تمام وہ لذیذ مزیدار پاک چیزیں اور جانور حلال ہیں۔ جنہیں شریعت نے حرام نہ فرمایا اور تمہارے لئے ان شکاری جانوروں کے شکار بھی حلال ہیں جنہیں تم سکھا کر سدھالو۔ خواہ وہ جانور چرندے ہوں جیسے کتا' چیتا وغیرہ یا پرندے جیسے باز' شکرہ' شاہین وغیرہ بشرطیکہ وہ تعلیم دیئے ہوئے ہوں۔ تم نے انہیں شکار کے وہ طریقے سکھا دیئے ہوں۔ جو رب تعالیٰ نے تم کو بتا دیئے ہوں یا براہ راست یا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت۔ ایسے جانور جب شکار کریں تو تم وہ شکار کھاؤ جو انہوں نے تمہارے لئے روک رکھا اس میں سے خود نہ کھایا۔ ان کتوں کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ اگر تم کتے کے منہ میں جانور زندہ پاؤ تو بسم اللہ سے ذبح کر لو یا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ ان تمام پابندیوں پر پورا عمل کرو۔ خدا سے ڈرو۔ شکار کے شوق میں حرام کو حلال کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور ساری مخلوق کا پورا حساب لے گا۔ اور بہت جلد لے گا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **اصل اشیاء میں اباحت ہے** یعنی حرام وہ چیز ہے۔ جسے شریعت حرام کرے۔ مگر حلال وہ چیز ہے۔ جسے شریعت نے حرام نہ کیا ہو۔ جس سے خاموشی ہو وہ حلال ہے۔ یہ فائدہ **الطیب** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے حرام جانوروں کے نام پچھلی آیت میں گنائے مگر حلال جانوروں کے لئے صرف طیبات فرمایا طیبات کے معنی ابھی ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ طیب وہ ہے جسے شریعت حرام نہ کرے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا** جس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں جس کی حرمت نہ ملے وہ حلال ہے۔ لہٰذا گیارہویں شریف کی مٹھائی' میلاد شریف کے تبرکات حلال ہیں۔ کیونکہ شریعت نے انہیں حرام نہ کیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ قرآن مجید میں سوا سور کے کسی حرام جانور کا ذکر نہیں ہاں کچھ مردار جانوروں کا ذکر ہے۔ باقی تمام حرام جانوروں کی تفصیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بیان فرمائی۔ اور سور کا بھی صرف گوشت ہی قرآن نے حرام کیا۔ اس کے باقی اعضاء بھی حضور انور نے ہی حرام فرمائے لہٰذا طیب و خبیث کی تفصیل حضور کے اقوال طیبہ سے ہو سکتی ہے۔ **دوسرا فائدہ** شکاری جانور کا مارا ہوا جانور حلال ہے اگرچہ وہ اس کے منہ میں مر جائے اور ہم اسے ذبح نہ کر سکیں یہ فائدہ **وما علمتم** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **مسئلہ** ایسے شکار کے

حلال ہونے کے لئے آٹھ شرطیں ہیں۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو شکار حرام ہے۔ نمبر ۱ جانور شکاری ہو غیر شکاری نہ ہو جیسے بلی۔ نمبر ۲ وہ جانور سکھایا ہوا ہو۔ چنانچہ آوارہ غیر شکاری کتے کا شکار حرام ہے۔ نمبر ۳ وہ شکاری جانور مسلمان کا ہو مشرک کا نہ ہو لہٰذا ہندو یا مجوسی کے شکارت کتے کا شکار حرام ہے۔ نمبر ۴ اس نے شکار کو زخمی کر کے مارا ہو...... گلا گھونٹ کر مار دیا تو حرام ہو گیا۔ نمبر ۵ اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا گیا ہو۔ اگر جان بوجھ کر بسم اللہ نہ پڑھی ہو تو حرام ہے۔ نمبر ۶ اگر شکار زندہ شکاری کے پاس پہنچ جائے تو اسے ذبح کر لیا جاوے۔ نمبر ۷ شکاری کتے کے ساتھ غیر شکاری کتا شریک نہ ہو گیا ہو۔ اگر غیر شکاری کتا یا مجوسی پارسی کا کتا شریک ہو گیا۔ تو شکار حرام ہے۔ نمبر ۸ شکار کیا ہوا جانور پانی میں گرا ہوا نہ ملے ورنہ حرام ہے۔ **تیسرا فائدہ** جنگل کا شکار کسی کی ملکیت نہیں اسے جو پکڑے یا شکار کرے وہی اس کا مالک ہے۔ جیسے جنگل کی گھاس خود رو درختوں کے پھل وغیرہ۔ **چوتھا فائدہ** جانوروں کے اور اکات کو بھی علم کہہ سکتے ہیں۔ یہ فائدہ **علمتم من الجوارح** اور **تعلمونھن** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** علم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ دیکھو معلم کتے کا مارا شکار حلال ہے۔ غیر معلم کتے کا مارا شکار حرام تو یقیناً عالم آدمی غیر عالم سے افضل ہے۔ **چھٹا فائدہ** کامل کی صحبت ناقص کو کامل کر دیتی ہے۔ آوارہ کتا معلم انسان کے صحبت میں رہ کر اس سے فیض لے کر کلب معلم یعنی شکاری کتا بن جاتا ہے کہ اس کا مارا شکار حلال ہو جاتا ہے۔ غیر صحبت یافتہ غیر تعلیم یافتہ آوارہ کتے کو سارا قرآن پڑھ کر شکار پر چھوڑو مگر اس کا مارا شکار حرام ہے۔ معلوم ہوا کہ صحبت و فیضان عجیب چیز ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحبت یافتہ ہدہد نے پورے شہر سبا۔ بلکہ پورے ملک یمن وہاں کی ملکہ بلقیس اور رعایا کو ایمان بخش دیا۔ یمن اور سبا کا مبلغ اعظم حضرت سلیمان علیہ السلام کا صحبت یافتہ ہدہد ہے۔ یہ ہے صحبت کا فیض۔ جب صحبت یافتہ حضرت سلیمان کے ہدہد کا یہ فیض ہے تو صحبت یافتہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے فیض کا کیا پوچھنا۔ **ساتواں فائدہ** شکاری جانور کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنی ضروری ہے۔ اگر دانستہ طور پر نہ پڑھی تو شکار کا جانور حلال نہ ہو گا۔ یہ فائدہ **واذکروا اسم اللہ علیہ** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** اگر شکار زندہ ہاتھ آجاوے تو اس کا باقاعدہ ذبح کرنا ضروری ہے۔ یہ فائدہ **واذکروا اسم اللہ علیہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ **نواں فائدہ** شکاری جانور کا شکار کو زخمی کرنا ضروری ہے۔ اگر بغیر زخم کئے یونہی دبوچ کر مار دیا تو شکار حلال نہ ہو گا۔ یہ فائدہ **اشارۃ من الجوارح** سے حاصل ہوا۔ جوارح کے معنی ہیں زخمی کرنے والے جانور۔ **دسواں فائدہ** اگر شکاری جانور شکار سے کچھ کھا لے تو شکار حرام ہو گیا۔ صرف وہ ہی شکار حلال ہے جس سے وہ کچھ نہ کھائے۔ یہ فائدہ **مما امسکن علیکم** سے حاصل ہوا۔ مگر یہ شرط چرندہ شکاری میں ہے۔ اگر پرندہ شکاری جانور باز وغیرہ شکار سے کھائے تو شکار حلال ہو گا۔ احناف کا یہی مذہب ہے۔ (روح المعانی) حضرت ابن عباس وغیرہ صحابہ کرام کا یہی قول ہے۔ **گیارہواں فائدہ** مجوسی کا سکھایا ہوا کتا معلم نہیں مسلمان خود سکھائے یہ فائدہ **تعلمونھن** سے حاصل ہوا۔ (روح المعانی) **بارہواں فائدہ** شکار کی طرف شکاری کتے کا

چھوڑنا ضروری ہے۔ اگر کتا خود شکاری پر جا پڑے تو شکار حرام ہے۔ یہ فائدہ **واذکروا اسم اللہ علیہ** سے حاصل ہوا۔ تیرہواں فائدہ شکار کے لئے کتا پالنا اسے شکار سکھانا شرعاً جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں یہ فائدہ بھی **تعلمونھن** سے حاصل ہوا۔ چودہواں فائدہ شکاری کتے کی خریدو فروخت جائز ہے۔ یہ مال ہے قابل فروخت ہے۔ (احناف) کیونکہ جب اس کتے سے شکار کھینا جائز قرار دیا گیا تو لامحالہ یہ کار آمد مال مانا گیا۔

پہلا اعتراض علم کے معنی ہیں صورت حاصلہ فی العقل پھر کتوں اور دوسرے شکاری جانوروں کو علم کیسے ہو سکتا ہے۔ ان کے پاس عقل کہاں ہے۔ جس میں صورت حاصل ہو تو یہاں **علمتم** اور **تعلمونھن** کہنا کیونکر درست ہوا۔ جواب یہ منطقیوں کی اصطلاح ہے وہ بھی علم حصولی حادث کے لئے ہے۔ علم حضوری اور علم قدیم وغیرہ کی یہ تعریف نہیں۔ فرشتوں یا منطقیوں کی عقول عشرہ جنات کو بلکہ خود رب تعالیٰ کو علم ہے۔ وہاں عقل وغیرہ کہاں ہے۔ خود ہم کو اپنا علم ہے۔ یہاں صورت کہاں ہے۔ علم کی تعریف ہے۔ **ما بہ الانکشاف** جس وصف سے کوئی چیز کھلے اور ظاہر ہو۔ قرآن کریم منطق کی اصطلاحوں کا پابند نہیں دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا **کلوا** یعنی کھاؤ اور **کلوا** امر ہے۔ امر وجوب کے لئے آتا ہے تو کیا شکار کا گوشت کھانا واجب ہے۔ جواب جو امر پابندی اٹھانے کے لئے ہو وہ صرف مباح کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ وجوب کے لئے جیسے **واذا حللتم فاصطادوا** یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ تیسرا اعتراض **مما امسکن** کے **من** سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پورا شکار نہ کھایا جاوے اس کے بعض حصہ کھایا جائے تو کیا پورا شکار کھانا حرام ہے ورنہ پھر **من** کے کیا معنی ہوں گے جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا۔ کہ **مما** کا **ما** یا تو زائدہ ہے پھر تو یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں اور اگر تبعیضیہ ہو تب بھی مطلب یہ ہے کہ اس کے حلال اعضاء کھاؤ۔ جیسے گوشت کلیجی گردے وغیرہ حرام اعضاء نہ کھاؤ جیسے پتہ خصیہ فرج ذکر دبر خون وغیرہ چوتھا اعتراض تم نے کہا کہ کتا پالنا بھی جائز ہے اور کتے کی خریدو فروخت بھی درست ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں جاندار کی تصویر۔ یا کتا یا جنبی انسان ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ جو چیز رحمت کے فرشتوں کی آمد کے لئے آڑ بنے وہ جائز کیونکر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا کتا پالنا حرام ہے۔ جواب یہ حدیث بالکل صحیح ہے مگر مخصوص البعض ہے تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے۔ اور وہ تصویر بھی ایسی جو بلا ضرورت ہو۔ شوقیہ ہو۔ عزت سے ہو روپیہ پیسہ نوٹ کی تصویری ضرورت کی بنا پر رکھی جاتی ہے۔ بستر یا فرش کی تصویر پاؤں سے روندی جاتی ہے۔ اس کی کوئی حرمت نہیں ہوتی۔ یہ دونوں ممنوع نہیں۔ یونہی جو کتا بلا ضرورت شوقیہ پالا جائے وہ ممنوع ہے۔ شکار یا گھر بار یا جانوروں یا کھیتی کی حفاظت کے لئے کتا پالنا جائز ہے۔ اس سے رحمت کے فرشتے نہیں رکتے۔ یونہی بلاوجہ جنبی رہنا حرام ہے۔ اگر رات میں جنبی ہوا۔ وضو کر کے سو رہا۔ فجر سے پہلے غسل کر لیا تو اس جنبی سے رحمت کے فرشتے نہیں رکیں گے۔ یہ تفصیل دوسری حدیث میں ہے۔ بہرحال بلاوجہ کتا پالنا جیسا کہ آج فیشن بن گیا ہے۔ حرام ہے۔ اور مذکورہ بالا ضرورتوں سے پالنا موجود ہے۔ چوتھا اعتراض تم نے کہا کہ کتے کی خرید و فروخت درست حالانکہ

حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ معلوم ہوا کہ کتے کی خرید و فروخت حرام ہے۔ جواب: یہ حدیث اس وقت کی ہے۔ جب کتا پالنا مطلقاً حرام تھا۔ اس کا قتل کر دینا واجب تھا۔ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور بعد میں ضرورۃً اس کے پالنے کی اجازت دے دی گئی۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔ لہٰذا اس کی خرید و فروخت بھی درست ہوئی تمہاری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے۔ جس چیز سے نفع لینا جائز ہے اس کی خرید و فروخت بھی درست ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ شکار کرنا درست ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار سے منع فرمایا دونوں میں تعارض ہے۔ **جواب** اگر وہ حدیث صحیح ہو تو اس سے مراد وہ شکار ہے جو عبادات سے غافل کر دے اور جسے شکاری اپنا پیشہ بنا لے کہ دن رات اس کی دھن میں رہے۔ ورنہ شکار صحابہ کرام نے کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کا گوشت قبول بھی فرمایا ہے۔ اور کھایا ہے اس لئے اس آیت کے آخر میں ارشاد ہوا۔ **واتقوا اللہ** "اللہ سے ڈرتے رہو۔" یعنی شکار میں ایسے مشغول نہ ہو جاؤ۔ کہ حرام و حلال کی تمیز نہ کرو۔ اور رب سے غافل ہو جاؤ۔ **چھٹا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں حساب بہت جلد لے لیا جاوے گا اور قیامت کے دن پچاس ہزار سال کا ہے تو اتنے بڑے دن کے باقی حصے میں کیا ہو گا اور وہ بڑا دن کس مشغلہ میں گزرے گا **جواب** اس کا جواب پہلے بارہا پہلے بارہا دیا جا چکا ہے کہ

شعر:۔

☆ فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا ☆ کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے ☆

صدہا سال خاموشی صدہا سال شفیع کی تلاش۔ صدہا بلکہ ہزارہا سال حضور کی نعت خوانی جو مقام محمود پر ہو گی رب فرماتا ہے۔ **عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا** ساری خلقت بلکہ خود خالق نعت ارشاد فرمائے گا۔ اتنا بڑا دن اس **مشغلہ** میں گزرے گا۔ آج جہاں دس نعت خوان **واعظین** جمع ہو جاویں تو رات گزر جاتی ہے تو جب اتنے نعت خوانوں کا اجتماع ہو جائے۔ کفار عام مومنین۔ صالحین، علماء اولیاء اللہ صدیقین شہداء انبیاء سوچ لو کہ کتنا وقت صرف ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرات صحابہ دو قسم کے ہیں۔ سائلین اور واصلین، سائلین حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل پوچھے۔ قرآن نے جواب دیئے۔ تاقیامت مسلمانوں کا بھلا ہو گیا **یسئلونک** میں انہیں سائلین حضرات کا ذکر ہے۔ ان سائلین کا احسان تاقیامت مسلمانوں پر رہے گا۔ جن کے سوالات کی برکت سے یہ شرعی مسائل آئے۔ واصلین حضرات کو سوال کی فرصت ہی نہ تھی۔ ان کا حال تو یہ تھا۔ **شعر:۔**

☆ فقط اتنی حقیقت ہے ہمارے دین و ایمان کی ☆ کہ اس جانِ جہاں کے حسن کا دیوانہ ہو جانا ☆

وہ حضرات مست الست ہیں انہیں سوالات کی فرصت ہی نہیں اسی لئے قرآن کریم میں حضرات خلفاء و راشدین کے سوالات کے جوابات کی آیات نظر نہیں آتیں۔ یہاں ارشاد ہوا کہ حضرات سائلین آپ سے یہ سوال کرتے ہیں۔

آپ ان سے اور ان کی معرفت تمام مسلمانوں سے فرمادو۔ حرام و حلال دو قسم کا ہے۔ حرام و حلال شرعی اور حرام و حلال عشقی شرعی حرام و حلال کی تفسیر ہو چکی۔ عشقی حرام و حلال یہ ہے کہ آخرت والوں کے لئے دنیا حرام ہے۔ اور دنیا والوں کے لئے آخرت حرام اور اللہ والوں کے لئے دونوں حرام۔ ان کا مقصود صرف ذات مولیٰ ہے فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم طالبین مولیٰ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کو اس سفر طلب مولیٰ میں کون چیزیں حلال ہیں تم فرمادو کہ تمہیں طیبات حلال ہیں جو رب تعالیٰ سے غافل نہ کریں۔ غفلت پیدا کرنے والی ریا کی نماز خبیث ہے۔ اور اطاعت اللہ و رسول کے ماتحت کاروبار طیب ہے۔ نفس کتا ہے۔ بعض نفوس آوارہ کتے ہیں۔ وہ جس چیز کو خواہش سے حاصل کریں۔ وہ آوارہ کتے کا شکار ہے۔ اور حرام ہے۔ بعض نفس ہیں تو کتے مگر ہیں معلم یعنی سیکھے ہوئے شکاری ہیں۔ وہ جس چیز کی خواہش کریں۔ وہ شکاری کتے کا شکار ہے وہ حلال ہے۔ غافل آدمی کا کھانا پینا سونا جاگنا طریقت میں حرام ہے کہ یہ نفس کتے کا شکار ہے۔ جو غیر شکاری ہے عاقل آدمی کے یہ سارے کام حلال بلکہ باعث اب ہیں کہ یہ معلم کتے کے شکار ہیں۔ ان کا استعمال کرو۔ مگر پھر بھی اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے کہ عامل کو عمل ختم کرنے سے پہلے بدلہ دیتا ہے کہ اپنا قرب و قبولیت عطا فرمادیتا ہے۔ جو خود ہی اپنی زندگی برباد کر کے اپنا خانہ خراب کرے تو وہ جائے۔ شعر:۔

☆ چرا از غیر شکایت کنم کہ ہم چو حباب ☆ ہمیشہ خانہ خراب و ہوائے خویشتم ☆

(از روح البیان) خیال رہے کہ کلب معلم کی نشانی یہ ہے کہ مالک کے چھوڑنے پر شکار پر جھپٹ پڑے بلانے پر لوٹ آئے۔ شکار سے بغیر مولیٰ کی اجازت خود کچھ نہ کھائے نفس معلم جب بنے گا جب اس کا یہ حال ہو جاوے۔ شعر:۔

☆ رہ حق میں ہو دوڑ اور بھاگ ان کی ☆ شریعت کے قبضہ میں ہو باگ ان کی ☆

☆ جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ ☆ جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ ☆

صوفیا فرماتے ہیں کہ کسی کا مملوک جانور یعنی پالتو کوئی شکار نہیں کر سکتا۔ اس کی جان شکاریوں سے محفوظ ہے مگر غیر مملوک، جنگلی آوارہ جانور کی جان محفوظ نہیں۔ ہر شکاری اسے شکار کر سکتا ہے یونہی جو بندہ کسی بندے کا بندہ نہ بنے اس کا ایمان و تقویٰ غیر محفوظ ہے۔ شیطان نفس امارہ۔ برے ساتھی جب چاہیں۔ اسے شکار کر لیں۔ اگر اپنے ایمان کی حفاظت چاہتے ہو تو کسی کے بن کر کسی کے ہو کر رہو۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

☆ خدا کے بندے ہیں ہزاروں بندوں میں پھرتے ہیں مارے مارے ☆

☆ میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا ☆

جس لفافہ پر بیمہ کمپنی کی مہر نہ ہو۔ رجسٹری نہ ہو وہ خطرے میں ہوتا ہے خدا کرے ہمارے دلوں پر حضور کے نام کی مہر لگ جاوے تاکہ اس کا ایمان خیریت سے اپنے ٹھکانہ پر پہنچے۔ شعر:۔

☆ دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم ☆ الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغری تیرا ☆

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ

آج حلال کردی گئیں واسطے تمہیں پاکیزہ چیزیں۔ اور کھانا ان لوگوں کا جو دیئے گئے کتاب حلال ہے واسطے تمہارے

آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال ہوئیں اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور کھانا تمہارا حلال ہے واسطے ان کے اور پاک دامن عورتیں مسلمانوں میں سے اور پاک دامن ان

لئے حلال ہے اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی جب تم انہیں ان کے مہر دو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے جب کہ دے دو تم ان کو مہران کے

قید میں لاتے ہوئے نہ مستی نکالتے اور نہ آشنا

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ

پاک دامنی کرتے ہوئے نہ کہ زنا کرتے اور نہ بنانے والے چھپے یار اور جو انکار کرے

بناتے اور جو مسلمان کافر ہوا

بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

ایمان کا پس بے شک ضبط ہو گئے عمل اس کے اور وہ آخرت میں ٹوٹا خسارہ پانے والوں سے ہے

اس کا کیا دھرا سب اکارت گیا اور وہ آخرت میں زیاں کار ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمان کے شکار کی حلت کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں اہل کتاب کافروں کے شکار کئے ہوئے جانور کے حلال ہونے کا ذکر ہے کہ کافر کتابی کا معلم کتا جو شکار کرے وہ حلال ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمان کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا ذکر تھا کہ ارشاد ہوا تھا **واذكروا اسم الله عليه** اب اہل کتاب کفار کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حلال جانوروں کا ذکر تھا۔ اب حلال عورتوں کا تذکرہ ہے کیونکہ غذا کے بعد بیوی کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ **چوتھا تعلق** گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا۔ کہ اسلام بہت مکمل دین ہے۔ اب اس کے کامل ہونے کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ کہ اسلام میں صرف عبادات کی تفصیل نہیں۔ بلکہ اس میں معاملات حتی کہ کھانے' عورتوں کی حلت و حرمت کی تفصیل ہے۔ گویا وہ آیت مجمل تھی اور یہ آیت اس کی تفصیل ہے۔

تفسیر **اليوم احل لكم الطيبت** الیوم کی تفسیر ابھی کچھ پہلے **اليوم اكملت لكم دينكم** کی تفسیر میں

عرض کر دی گئیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس جگہ الیوم سے یا تو اس آیت کے نزول کا دن مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ شروع اسلام میں ضرورت کے لحاظ سے بعض خبیث چیزیں حلال تھیں۔ جیسے شراب یا عورتوں سے متعہ اور بعض طیب چیزیں حرام تھیں۔ جیسے بیوہ سے نکاح کرنا ایک سال عدت سے پہلے۔ مگر یہ احکام عارضی تھے۔ آج اسلام کے اصل احکام جاری ہو گئے۔ کہ صرف طیب چیزیں ہی حلال کر دی گئیں۔ اور خبیث چیزیں سب حرام کر دی گئیں۔ اور ساری طیب چیزیں حلال کر دی گئیں کوئی طیب چیز حرام نہ رہی۔ یا **الیوم** سے مراد ہے یہ زمانہ اور یہ وقت تب مطلب یہ ہو گا کہ گزشتہ دینوں میں بعض خبیث چیزیں حلال تھیں۔ اور بعض طیب چیزیں حرام۔ مگر اب اسلام میں خبیث چیزیں ساری حرام کر دی گئیں۔ طیب چیزیں ساری حلال فرما دی گئیں۔ لہٰذا احل سے یا تو آج حلال فرمانا مراد ہے یا گزشتہ حلال ہو چکنے کی خبر دینا مراد ہے۔ **لکم** میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ طیبات کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں عرض کر دی گئی کہ جس چیز کو شریعت نے حرام نہ کیا ہو۔ وہ طیب ہے۔ یہ ہی قول قوی ہے۔ یعنی اے مسلمانو آج کے دن یا اسلام میں تمہارے لئے تمام طیب چیزیں حلال کر دی گئیں۔ کہ تم پر کوئی خبیث چیز حلال نہ رہی اور کوئی طیب چیز حرام نہ رہی۔ **وطعام الذین اوتوا الکتب** یہ عبارت طیبات پر معطوف ہے۔ اور احل کا نائب فاعل طعام کی تین تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد دال، چاول، گندم وغیرہ غذائیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد تمام غذائیں ہیں۔ مذبوحہ جانور ہوں یا کوئی اور چیز۔ تیسرے یہ کہ اس سے مراد ذبیحہ ہے۔ یعنی اہل کتاب کے کھانے تمہارے لئے حلال ہیں بلاوجہ انہیں حرام مت سمجھو۔ چنانچہ آج تک یورپ کی تیار کردہ غذائیں دوائیں ولایتی گھی وغیرہ اسلامی ممالک میں کھائے جاتے ہیں۔ یا اہل کتاب کے بھیجے ہوئے کھانے پینے کے ہدیہ تحفے تمہارے لئے حلال ہیں۔ پڑوسی کفار اور کفار کے پڑوسی ملک کو اخلاقاً ہدیہ دو اور ان کے ہدیے قبول کرو کہ اسی میں اخلاق کا برتاؤ بھی ہے۔ اور تبلیغ اسلام بھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ہدیے قبول بھی کئے ہیں۔ انہیں ہدیے دیئے بھی ہیں۔ یا اہل کتاب کے ذبیحے تمہارے لئے اور تمہارے ذبیحہ ان کے لئے حلال ہیں ان تینوں تفسیروں میں یہ تفسیر تیسری ہی قوی ہے۔ کیونکہ دوسری غذائیں تو مشرکین مجوسی وغیرہ کی بھی حلال ہیں **اوتوا الکتب** سے سارے اصلی کتابی کفار مراد ہیں۔ خواہ خاندانی اہل کتاب ہوں یا وہ جو پہلے مشرک یا مجوسی تھے پھر عیسائی یا یہودی بن گئے۔ مگر جو مسلمان عیسائی یا یہودی بن جاوے اس کا ذبیحہ حرام ہے۔ کیونکہ وہ اہل کتاب نہیں بلکہ مرتد ہے اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہے۔ اہل کتاب سے تمام کتابی مراد ہیں۔ عربی ہوں یا عجمی۔ عام صحابہ کرام کا یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اہل کتاب کا ذبیحہ حرام ہے۔ وہ یہاں اہل کتاب سے مراد لیتے ہیں مسلمان ہو جانے والے کتابی۔ اور حضرت علی کے نزدیک اس سے عرب کے کتابی علیحدہ ہیں۔ ان کے نزدیک عربی اہل کتاب خصوصاً بنی تغلب کا نہ ذبیحہ حلال ہے نہ ان کی عورتیں۔ مگر قوی تفسیر وہی ہے۔ جو عام صحابہ کرام نے فرمائی۔ یعنی سارے اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی۔ خیال رہے کہ اہل کتاب کا وہی ذبیحہ حلال ہو گا جو وہ اللہ تعالیٰ کے

نام پر ذبح یا شکار کریں۔ اگر وہ حضرت مسیح یا مریم کے نام پر ذبح کریں یا ویسے ہی گلا گھونٹ کر مار دیں۔ وہ حرام ہے۔ بعض مفسرین نے اسے بھی حلال فرمایا۔ مگر یہ صحیح نہیں (تفسیر کبیر' خازن روح المعانی و بیان وغیرہ)

یہ بھی خیال رہے کہ آج کل جو عیسائی دہریہ ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر ہو گئے۔ یا قیامت یا آسمان کی ہستی کے منکر ہو گئے۔ وہ اہل کتاب نہیں نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے نہ ان کی عورتیں حلال' آج کل عموماً انگریز دہریے ہو چکے ہیں۔ اس کا بہت لحاظ چاہیے۔ **وطعامکم حل لھم** یہ جملہ پہلے **الیوم احل لکم** پر معطوف ہے اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے مذہب میں بھی تمہارے ذبیحہ ان کے لئے حلال ہیں۔ یہ حلت دو طرفہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کتابی کفار تمہیں گوشت وغیرہ کا تحفہ دیں تو قبول کرلو۔ کھالو۔ ساتھ تم بھی انہیں ماکولات میں سے ہدیہ دو۔ یعنی تمہارے لئے ان کے ذبیحوں کا ہدیہ لینا بھی حلال ہے اور ہمارا ذبیحہ تمہارے لئے حلال۔ یہ مسئلہ عورتوں کی طرح نہیں کہ کتابیوں کی عورتیں مسلمانوں کو حلال۔ مگر مسلمانوں کی عورتیں کتابیوں کے لئے حلال نہیں۔ اس تیسری تفسیر کی بنا پر بعض مفسرین نے فرمایا کہ بعض احکام قرآنیہ کے اہل کتاب بھی مکلف ہیں۔ **والمحصنت من المؤمنت** یہ عبارت **الطیبت** پر معطوف ہے اور **احل** کا نائب فاعل **محصنات** کی تفسیریں پانچویں پارہ کی پہلی آیت کی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو **محصنہ** بنا ہے **احصان** سے جس کا مادہ ہے **حصن** بمعنی قلعہ اور مضبوطی حفاظتی جگہ۔ **احصان** کے معنی ہیں مضبوط حفاظتی قلعہ میں رکھ دینا۔ **محصنۃ** محفوظ کی ہوئی عورت یہ لفظ قرآن کریم میں تین معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نمبر(۱) خاوند والی عورت رب فرماتا ہے۔ **والمحصنت من النساء الا ما ملکت ایمانکم** نمبر(۲) پارسا نیک عورت' نمبر(۳) مومنہ عاقلہ بالغہ پارسا نیک عورت۔ حدیث شریف میں جو رجم میں محصن آیا ہے۔ وہاں مراد ہے......

شادی شدہ مرد و عورت۔ یہاں محصنات سے مراد ہیں پاک دامن عفیفہ عورتیں من تبعیضیہ ہے اور یہ قید ترغیب کے لئے ہے۔ احترازی نہیں۔ یعنی بہتر یہ ہے کہ مسلمان پارسا نیک مومنہ سے نکاح کرے تاکہ اس کی اولاد بھی نیک ہو۔ اگرچہ فاسقہ سے بھی نکاح جائز ہے۔ **والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم** یہ عبارت پہلے **والمحصنت** پر معطوف ہے۔ یہاں بھی محصنات سے مراد پاکدامن عفیفہ عورتیں ہیں۔ اس کا مقابل ہے **فاسقات** یعنی بدچلن زانیہ۔ فاحشہ عورتیں۔ خیال رہے کہ زنا کی سزا رجم میں جو محصن آتا ہے۔ وہاں اس سے مراد ہے۔ وہ مسلمان بالغ عاقل جو شادی شدہ ہو اور حلال صحبت کر چکا ہو اور تہمت کی سزا میں جو محصنہ آتا ہے **والذین یرمون المحصنت** وہاں محصنہ سے مراد وہ عاقلہ بالغہ مومنہ عورت ہے جو عفیفہ ہو۔ ان دونوں جگہ۔ محصنات میں ایمان کی قید ہے۔ مگر یہاں محصنات سے مراد صرف نیک چلن عورت ہے۔ یہاں ایمان کی قید نہیں۔ صرف پاکدامن مراد ہے۔ غرضیکہ محصنہ کے تین معنی ہیں۔ خاوند والی عورت' اس سے نکاح حرام ہے۔ رب فرماتا ہے **والمحصنت من النساء الا ما ملکت**

ایمانکم عاقلہ' بالغہ' مومنہ عورت' پاکدامن عورت' یہاں تیسرے معنی میں محصنہ ارشاد ہوا ہے۔ حضرت امام شافعی کے ہاں یہاں محصنات سے مراد آزاد کتابیہ عورتیں ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں کتابیہ لونڈی سے مسلمان کا نکاح درست نہیں۔ ہمارے ہاں درست ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں محصنات سے مراد مطلقاً کتابی عورت ہے۔ خواہ حربیہ ہو یا ذمیہ۔ بعض صحابہ کے نزدیک ذمیہ کتابیہ مراد ہے۔ ان کے ہاں حربیہ کتابیہ سے مسلمان کا نکاح جائز نہیں (خازن' کبیر روح المعانی' ابن کثیر وغیرہ) یہ من بھی تبعیضیہ ہے اور یہ محصنات بھی ترغیب اور بیان استحباب کے لئے ہے۔ ورنہ فاسقہ کتابیہ سے بھی نکاح درست ہے۔ **اذا اتیتموھن اجورھن** اس کا تعلق دونوں مذکورہ محصنات سے ہے۔ مومنہ ہوں یا کتابیہ اور **اذا** ان کی حلیت کا ظرف ہے **اتیتم** بنا ہے **ایتاء** سے ۔ بمعنی دینا اور دینے سے مراد دے دینا' سپرد کر دینا ہے۔ یا اس کا وعدہ کر لینا۔ **اجور** جمع اجرت کی۔ اس سے مراد یہاں مہر ہے۔ اگر عورت آزاد ہے۔ تو اس کو یا اس کے ولی کو مہر دیا جاوے گا۔ اگر لونڈی ہے تو اس کے مولیٰ کو دیا جاوے گا کہ یہ اس ہی کا حق ہے۔ یہاں مہر دینے کا حق اس کی تاکید کے لئے ہے۔ شرطیت کے لئے نہیں۔ کیونکہ نکاح کا جواز نہ تو مہر مقرر کرنے پر موقوف ہے نہ مہر دے دینے پر۔ اگر بغیر مہر کے بھی نکاح کر لیا گیا۔ تب بھی درست ہے۔ اور مہر مثل واجب ہو گا **محصنین غیر مسفحین** یہ عبارت **اتیتموھن** کے فاعل ضمیر سے حال ہے۔ محصنات میں تو عورتوں کی پاکدامنی کا ذکر تھا۔ اور یہاں مردوں کی پاکدامنی کا ذکر ہے۔ یہاں بھی احصان سے صرف پاکدامنی مراد ہے۔ **غیر مسافحین** اسی **محصنین** کا بیان ہے **مسافحین** بنا ہے **سفاح** سے ۔ بمعنی زنا۔ یہاں علانیہ زنا مراد ہے۔ کیونکہ خفیہ زنا کا ذکر تو آگے آ رہا ہے۔ چونکہ ابھی فرمایا گیا تھا **اذا اتیتموھن اجورھن** تو شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید عورت کو صحبت کی اجرت (خرچی) دے کر اس سے صحبت کرنا حلال ہے۔ اسی لئے اس کی تصریح فرما دی گئی کہ وہاں اجور سے مراد مہر ہیں جو کہ نکاح سے واجب ہوتے ہیں۔ یہ خرچی تو خالص حرام ہے اور اس سے صحبت زنا **ولا متخذی اخدان** یہ عبارت **غیر مسافحین** پر معطوف ہے۔ اور اسی کی طرح **اتیتموھن** کے فاعل سے حال۔ **اخدان** جمع ہے **خدن** کی ۔ بمعنی دوست و یار۔ مذکر و مونث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ یہاں **اخدان** مفعول مضاف الیہ ہے **متخذی** کا اس سے مراد یا تو ان عورتوں سے ناجائز تعلق ہے۔ یا خفیہ زنا یعنی تم نہ تو ان سے علانیہ زنا کرو نہ خفیہ زنا کرو نہ ان سے ناجائز تعلق آشنائی رکھو بلکہ نکاح کرو۔ (روح المعانی و خازن) اس میں اشارۃً یہ بھی بتایا گیا۔ کہ اے مردو تم ہو گھر کے راجا حاکم تم پرہیزگار پاکدامن ہو تاکہ تمہارے طور طریقہ دیکھ کر تمہاری بیویاں بچے نیک پاک دامن بنیں۔ پاک دامن رہیں۔ تم ان کے لئے نمونہ ہو۔ اگر تم علانیہ یا خفیہ زنا کرو گے تو تمہارے گھر والے بھی تمہارے نقش قدم پر چلتے ہوئے بدمعاش ہی ہوں گے۔ کما تدین تدان' (جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔) اگر تم دوسروں کی بیویوں بیٹیوں سے خیانت کرو گے تو دوسرے تمہاری بہو بیٹیوں بیویوں سے خیانت کریں گے۔ جب اس آیت کریمہ کا یہ حصہ نازل ہوا تو اہل کتاب بولے ہم بحکم قرآن کافر نہیں بلکہ مومن ہیں۔ اگر ہم کافر ہوتے تو مسلمانوں کے لئے ہمارا ذبیحہ اور ہماری

عورتوں سے نکاح حلال نہ ہوتا۔ تب یہ حصہ نازل ہوا **ومن یکفر** الخ (تفسیر احمدی) نیز اندیشہ تھا کہ کتابیہ عورت سے نکاح کر کے اس کی صحبت و محبت سے خود مرتد ہو جائے یا اس عورت سے جو اولاد پیدا ہو وہ ماں کی صحبت سے کافرہ ہو جائے۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ **ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ** یہ نیا جملہ ہے۔ لہذا واؤ ابتدائیہ ہے۔ **من** سے مراد ہے ہر جن و انس۔ کفر بمعنی انکار ہے۔ اور ایمان سے مراد مومن بہ وہ چیزیں ہیں جن پر ایمان لانا ضروری جیسے توحید و رسالت کتاب اللہ حشر و نشر وغیرہ۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جو چیز حضور اپنے رب کے پاس سے لائے ان میں سے ہر ایک کا ماننا ایمان ہے۔ فرض واجب مستحب سنت میں فرق۔ صرف عمل میں ہے کہ فرض کا کرنا ضروری ہے۔ مستحب کا کرنا ثواب ہے۔ ضروری نہیں۔ مگر احترام و عقیدت میں سب برابر ہیں۔ حتی کہ سنن زوائد کی توہین بھی کفر ہے۔ نماز فرض ہے۔ **اقیموا الصلوۃ** قرض لکھ لینا مستحب **فاکتبوہ** اور احرام سے کھل کر شکار کرنا صرف جائز ہے۔ **واذا حللتم فاصطادوا** مگر ان سب کو برحق ماننا سب کے لئے ضروری ہے۔ **من یکفر بالایمان** سب کو شامل ہے۔ **حبط** بنا ہے حبط سے بمعنی گر جانا۔ ساقط ہو جانا۔ یہاں بمعنی ضبط ہو جانا ہے۔ عمل سے مراد سارے نیک اعمال ہیں۔ یعنی جو انسان مرد یا عورت کسی ایمانی چیز کا انکار کرے گا اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاویں گے۔ خیال رہے کہ مکروہ کام کرنے سے عبادت کا ثواب کم ہو جاتا ہے۔ حرام کام ریا وغیرہ سے عبادت کا ثواب جاتا رہتا ہے۔ اصل عمل باقی رہتا ہے۔ فرض اسلامی ادا ہو جاتا ہے مگر کفر سے ثواب بھی جاتا رہتا ہے۔ اصل عمل بھی برباد ہو جاتا ہے۔ یہ ہے حبط عمل۔ شیطان کے تمام رکوع و سجود اصل سے ہی برباد ہو گئے۔ اس کے برعکس مستحب کام سے عبادت کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ مسواک وضو اور عمامہ سے نماز کا ثواب ستر گنا ہے۔ ادب و احترام سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایمان لانے سے کفر کے زمانہ کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور بعض اچھے عمل سے گناہ نیکیاں بن جاتے ہیں۔ **فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنت** حبط۔ ضبط اور عفو کا یہ فرق خوب یاد رہے۔ یا اے مسلمان! تو اس کتابیہ کی محبت و صحبت میں نہ تو خود کافر ہو جانا۔ نہ اپنی اولاد کو کافر ہونے دینا۔ ورنہ تیرے سارے اعمال برباد ہو جاویں گے۔ بلکہ کوشش کرنا کہ وہ کتابیہ تیری صحبت سے مسلمان ہو جائے **وھو فی الاخرۃ من الخاسرین**۔ یہ جملہ فقط **حبط عملہ** پر معطوف ہے۔ اس میں کفر کے دوسرے نتیجہ کا ذکر ہے۔ **ھو** کا مرجع **من یکفر** کا من ہے۔ آخرت سے مراد برزخ و حشر دونوں مقام ہیں۔ **خاسرین** بنا ہے **خسارہ** سے۔ خسارہ وہ نقصان ہے جس میں ساری ہی کمائی ضائع ہو جائے۔ یہ دونوں سزائیں یعنی ضبطی اعمال اور آخرت میں خسارہ اس صورت میں ہے کہ کافر کفر پر مرجائے۔ اگر مرتے مرتے توبہ کر کے مسلمان ہو گیا تو دونوں سزاؤں سے بچ جائے گا۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو آج یعنی اسلام کی تشریف آوری پر یا آیت کریمہ کے نزول کے دن تمام پاکیزہ و ستھری چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں۔ اس طرح کہ حرام چیزوں کی تفصیل بیان کر دی گئی۔ ان کے علاوہ تمام چیزیں جو شریعت

میں حرام نہ کی گئی ہوں۔ وہ حلال قرار دی گئیں۔ اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ تمہارے لئے حلال کئے گئے اور تمہارے ذبیحے اہل کتاب کے لئے حلال کئے گئے یا تو ان کی کتابوں میں یا قرآن مجید میں اس آیت سے یونہی اے مسلمانو مومنہ عورتیں جو پاکدامن عفیفہ ہوں وہ بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔ اور کتابیہ پاکدامن عفیفہ عورتیں..... تمہارے لئے حلال۔ جب کہ تم ان کے طے شدہ مہر ادا کر دو کہ انہیں نکاح سے استعمال کرو نہ تو علانیہ طور سے ان کے ساتھ زنا کرو نہ ان کے ساتھ خفیہ طریقہ سے یارانہ گانٹھو۔ خیال رکھو کہ کتابیہ عورتوں سے نکاح تو کر سکتے ہو۔ مگر ان کی صحبت ان کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنے آپ کو یا اپنی اولاد کو کافر نہ ہونے دینا۔ ان کی صحبت میں کسی اسلامی ایمانی عقیدے کا انکار نہ کرنا۔ کیونکہ جو شخص کسی اسلامی عقیدے سے انکار کر دے تو اس کے سارے نیک اعمال ضبط ہو جاتے ہیں اور آخرت میں وہ بہت ہی خسارہ میں رہتا ہے۔ اس لئے کفر سے اپنے کو اور اپنی اولاد کو بچائے رہنا۔

نوٹ ضروری اہل کتاب کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں کے نکاح کرنے کے **متعلق** علمائے اسلام کے چند قول ہیں۔ چنانچہ ان کے ذبیحہ کے **متعلق** چار قول ہیں **ایک** یہ کہ عربی بنی تغلب کتابیوں کا ذبیحہ حرام ہے۔ اور باقی اہل کتاب کا ذبیحہ حلال یہ قول سیدنا علی مرتضیٰ کا ہے۔ **دوسرے** یہ کہ اہل کتاب کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے۔ خواہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کریں یا کسی اور کے نام پر جیسے حضرت مسیح یا حضرت مریم یا حضرت عزیر کے نام پر۔ یہ قول امام **شعبی** اور عطاء کا ہے۔ **تیسرے** یہ کہ کتابیوں کا ذبیحہ مطلقاً حرام ہے۔ خواہ اللہ کے نام پر ذبح کریں یا کسی اور کے نام پر یہ مذہب روافض کا ہے ان کے ہاں اس آیت میں طعام سے مراد دانہ، غلہ وغیرہ ہیں۔ نہ کہ ذبیحہ۔ **چوتھے** یہ کہ سارے کتابیوں کا ذبیحہ حلال ہے۔ اگر وہ اللہ کے نام پر ذبح کریں۔ اور اگر..... غیر خدا کے نام پر ذبح کریں یا بغیر کچھ پڑھے ذبح کریں تو حرام ہے۔ یہ قول عام علمائے دین کا ہے یہی احناف کا قول ہے۔ اسی طرح کتابیہ عورتوں کے ساتھ نکاح کے **متعلق** چار اقوال ہیں۔ **ایک** یہ کہ کسی کتابیہ عورت سے مسلمان کا نکاح درست نہیں خواہ ذمیہ ہو یا حربیہ۔ آزاد ہو یا لونڈی یہ قول سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ وہ آیت ہے **ولا تنکحوا المشرکات حتٰی یومن** وہ فرماتے ہیں کہ کتابی ڈبل مشرک ہے کیونکہ عام مشرک تو خدا کا شریک مانتے ہیں۔ یہ خدا کا شریک بھی مانتے ہیں اور اس کا بیٹا، بیٹی، بیوی بھی، وہاں فقط شرک ہے۔ یہاں شرک بھی ہے۔ نسبی و سسرالوی رشتہ بھی۔ (نعوذ باللہ) حضرت عطاء کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت کی ہے جب مسلمان عورتیں کم تھیں۔ تب کتابیہ عورتیں حلال کر دی گئی تھیں۔ جب مسلمان عورتیں کثرت سے ہو گئیں۔ یہ حکم ختم ہو گیا۔ کیونکہ کفار سے محبت بحکم قرآن حرام ہے۔ اور بیوی محبوبہ بھی ہوتی ہے۔ اور مشیر بھی۔ اس لئے کتابیہ سے نکاح حرام ہے۔ **دوسرے** یہ کہ ذمیہ کتابیہ سے نکاح حلال ہے۔ حربیہ کتابیہ سے حرام۔ **تیسرے** یہ کہ آزاد کتابیہ سے نکاح حلال ہے لونڈی کتابیہ سے نکاح حرام یہ قول امام شافعی کا ہے۔ ان کے یہاں محصنات سے مراد آزاد کتابیہ ہیں **چوتھے** یہ کہ مطلقاً کتابیہ عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ آزاد ہوں یا لونڈی، ذمیہ ہوں یا حربیہ، عفیفہ ہوں یا

فاسقہ یہی قول ہے عام علماء اسلام کا یہی ہمارا احناف کا مذہب ہے (تفسیر کبیر' خازن' روح المعانی وغیرہ) امام اعظم کا قول نہایت قوی ہے کیونکہ یہ پوری آیت محکم ہے۔ منسوخ نہیں۔ کسی آیت کو بغیر دلیل منسوخ نہیں کہہ سکتے۔ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کا ذبیحہ گوشت قبول فرمایا ہے۔ کھایا ہے۔ خیبر میں ایک یہودیہ نے جس کا نام زینب تھا۔ زہر آلود گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور انور اور حضرت بشیر صحابی نے وہ گوشت کھایا۔ بشیر تو وفات پا گئے۔ حضور انور کو تکلیف ہوئی۔ نیز ایک یہودی نے حضور انور کی دعوت کی جس میں اپنا ذبیحہ گوشت کھلایا۔ غزوہ خیبر میں چربی کا ایک تھیلہ یہود نے اپنے قلعہ سے پھینکا۔ ایک صحابی نے اٹھالیا اور فرمایا اسے میں کھاؤں گا۔ کسی کو نہ دوں گا۔ حضور انور نے ان کو یہ کرتے دیکھا۔ تبسم فرمایا منع نہ فرمایا۔ اسی طرح بہت صحابہ نے یہودیہ۔ نصرانیہ عورتوں سے نکاح کئے ہیں حضور انور کی وفات کے بعد (تفسیر ابن کثیر) حتی کہ حضرت عثمان نے نائلہ بنت قرافصہ عیسائی سے نکاح کیا اور حضرت طلحہ ابن عبید اللہ نے ایک یہودیہ سے نکاح کیا (تفسیر خازن) بہرحال مذہب احناف نہایت قوی ہے۔ خیال رہے کہ اگرچہ کتابیہ عورت سے نکاح درست ہے مگر وہ مسلمان جو اپنے ایمان اور دیگر احتیاطوں پر قابو نہ رکھتا ہو وہ ہرگز ہرگز کتابیہ سے نکاح نہ کرے۔ اس نکاح میں چار باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اولاً یہ کہ اپنا ایمان بچا سکے اس کی صحبت سے خود عیسائی یہودی نہ بن جائے۔ دوسرے یہ کہ اپنے بچوں گھر والوں کو بھی کفر سے بچا سکے۔ ایمان پر قائم رکھ سکے۔ تیسرے یہ کہ اس کتابیہ سے دلی محبت اس کی طرف میلان پیدا نہ ہو۔ رب فرماتا ہے **ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار** چوتھے یہ کہ اس کتابیہ کو اپنا اپنی قوم اپنے ملک کا رازدار نہ بنائے۔ جس سے وہ ہم کو نقصان پہنچا سکے۔ جو شخص اتنی احتیاطیں کر سکے وہ اس نکاح کی جرات کرے ورنہ یہ نکاح اسے دین' ایمان' قوم بلکہ ملک کے لئے زہر قاتل ہو گا۔ **ضروری ہدایت** آج کل عام انگریز اور میمیں دہریہ ہو چکے ہیں۔ عیسائیت پر قائم نہیں رہے۔ ان سے نکاح حرام ہے۔ وہ اہل کتاب نہیں' وہ صرف قومی لحاظ سے اپنے کو عیسائی یا یہودی کہتے ہیں۔ گرجے میں جاتے ہیں۔ غرض کہ اس نکاح میں بڑی ہی احتیاط کی جائے اندھا دھند نہ کیا جائے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اسلامی قانون یہ ہے کہ جو چیز شریعت نے حرام نہ کی ہو۔ وہ حلال ہے یعنی حرام ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے مگر حلال ہونے کے لئے کسی خاص دلیل کی ضرورت نہیں۔ دلیل حرمت نہ ہونا حلت کی دلیل ہے۔ یہ فائدہ **احل لكم الطيبات** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حرام کی تفصیل فرمائی۔ مگر حلال چیزوں کی تفصیل نہ کی۔ صرف طیبات فرما کر اجمالی ذکر فرما دیا۔ یعنی جو چیز شریعت میں حرام نہ کی گئی ہو وہ طیب ہے۔ اور ہر طیب چیز حلال ہے۔ **دوسرا فائدہ** اسلام بہت مکمل دین ہے۔ اس میں تمام طیب چیزیں حلال ہیں اور تمام خبیث چیزیں حرام۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو طیب ہو مگر حلال نہ ہو۔ یونہی ایسی کوئی چیز نہیں جو خبیث ہو اور حرام نہ ہو۔ یہ فائدہ **الطيبات** کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ پچھلے دینوں میں بہت سی طیب چیزیں حرام تھیں۔ رب تعالیٰ فرماتا

ہے۔ **فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبٰت احلت لھم** تیسرا فائدہ ہر کتابی کا ذبیحہ حلال ہے خواہ وہ عربی ہو یا عجمی۔ آزاد ہو یا غلام یہ فائدہ **طعام الذین اوتوا الکتب** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ مگر خیال رہے کہ ذبیحہ ہو محض مارا ہوا نہ ہو۔ یعنی (کتابی) اسے اللہ کے نام پر ذبح کرے **چوتھا فائدہ** کفار کا ہدیہ لینا انہیں ہدیہ دینا جائز ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ ہمارے پڑوسی یا رشتہ دار ہوں۔ جیسا کہ **وطعامکم حل لھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ ہم ابھی خلاصہ تفسیر میں عرض کر چکے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ہدیے ان کی دعوت قبول فرمائیں۔ مگر خیال رہے کہ یہ ہدیے اور دعوتیں ان سے محبت اور کفر کی طرف میلان کی وجہ سے نہ ہوں۔ لوائے حقوق کے ہدیے تبلیغ کے ہدیے۔ اخلاق اسلامی کے اظہار کے ہدیے ان کالین دین کفار سے جائز ہے۔ **کافر پڑوسی۔ کافر ماں باپ کافر عزیزوں کے حق** ادا کرو۔ اجنبی کفار کو ہدیے دینا تبلیغ اسلام کے لئے جائز ہیں۔ **مگر محبت و پیار کے ہدیے۔** رشوت کے ہدیے۔ ذلت کے ہدیے۔ ان کا لین دین کفار سے ہرگز جائز نہیں۔ ہدیوں کے اقسام و احکام خیال رکھنے چاہئیں۔ **پانچواں فائدہ** کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح حلال ہے۔ خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی ہو ذمیہ ہو یا حربیہ۔ یہ فائدہ **والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتب** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **مگر** ذبیحہ اور نکاح کی حلت مذہبی کتابوں کے لئے ہے۔ جو عیسائیت یا یہودیت پر قائم ہوں۔ بعض میں قادیانی یا بہائی مذہب رکھتی ہیں ان سے نکاح حرام ہے کہ وہ مرتد ہیں عیسائی نہیں یوں ہی جو مسلمان عیسائی ہو جائے اس سے نکاح حرام ہے۔ کہ وہ مرتد ہے عیسائی نہیں اور مرتد سے نکاح حرام ہے۔ کہ وہ مرتد ہیں عیسائی نہیں۔ یونہی جو مسلمان عیسائی ہو جائے اس سے نکاح حرام ہے۔ اولاد حرامی ہوگی۔ **چھٹا فائدہ** بہتر یہ ہے کہ پاک دامن، صالحہ، نیک عورت سے نکاح کیا جائے۔ کہ بیوی ہمارے بچوں کی کان ہے۔ خراب کان سے اچھا لوہا کیسے نکل سکتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔ **شعر:-**

☆ بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں ☆ معدن زر معدن فولاد بن سکتی نہیں ☆

یہ فائدہ **المحصنٰت** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** متعہ حرام ہے۔ کیونکہ اس میں احصان یعنی پاکدامنی نہیں یہ محض سفاح یعنی شہوت رانی اور عیاشی ہے۔ اسی لئے متاعی عورت بیوی نہیں ہوتی نہ اسے فوت شدہ خاوند کی میراث ملے اگر خاوند مدت متاع میں فوت ہو جاوے۔ نیز متاعی بیوی کے لئے کوئی حد نہیں جتنی چاہو کر لو۔ اگر وہ بیوی ہوتی تو چار سے زیادہ حلال نہ ہوتیں۔ اس کی بحث ہم پچھلے پاروں میں کر چکے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ** جسے کتابیہ عورت سے نکاح کرنے میں اپنے یا اپنی اولاد کے کافر ہو جانے کا اندیشہ ہو اس کے لئے یہ نکاح حلال نہیں یہ فائدہ **ومن یکفر بالایمان** الخ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** کافر کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ گناہ قائم رہتے ہیں یہ فائدہ **فقد حبط عملہ** سے حاصل ہوا۔ **حبط** کہتے ہیں نیکیاں ضبط ہونے کو۔ گناہ ختم ہونے کا نام حبط نہیں بلکہ معافی ہے۔ دسواں فائدہ مسلمان عورت کا نکاح کتابی یا کسی کافر مرد سے حرام ہے۔ یہ فائدہ **والمحصنٰت** جمع مونث فرمانے

سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ نکاح میں مہر یقیناً لازم ہے۔ خواہ اس کا ذکر ہو یا نہ ہو اور اگر ذکر ہو تو مقرر کردہ مہر لازم ہوگا۔ اگر نہ ہو تو مہر مثل دینا ہوگا۔ جیسا کہ کتاب فقہ میں مذکور ہے۔ یہ فائدہ **اذا اتیتموھن اجورھن** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ نکاح کے لئے مہر لازم ہے۔ نہ کہ ذکر مہر۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں **طعام الذین اوتو الکتب** میں طعام سے مراد ذبیحہ نہیں۔ بلکہ عام کھانے پینے کی خشک چیزیں ہیں۔ کتابیوں کا ذبیحہ تو حرام ہے (شیعہ) جواب یہ غلط ہے۔ کیونکہ دانہ غلہ وغیرہ تو تمام کفار مشرکین سے حاصل کیا ہوا حلال ہے۔ پھر اہل کتاب کی قید لگائی گئی۔ اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ اور عبداللہ ابن عباس کا یہی مذہب ہے۔ ہاں حضرت علی عرب کے عیسائیوں بنی تغلب کا ذبیحہ حرام فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ درحقیقت عیسائی ہی نہیں بجز شراب خوری کے اور کوئی کام عیسائیوں کا جیسا نہیں کرتے۔ دوسرا اعتراض جب کفار سے ہدیے کا لین دین جائز ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کے ہدیہ نہایت حقارت سے کیوں واپس کردیئے یہ بھی تو خلاف اخلاق ہے۔ جواب یا اس لئے واپس کردیئے کہ ملکہ بلقیس نے بطور امتحان یہ ہدیے بھیجے تھے کہ اگر حضرت سلیمان سچے نبی ہیں تو میرے ہدیے قبول نہ کریں گے اور اگر آپ صرف بادشاہ ہیں تو قبول کرلیں گے۔ اس لئے واپس فرما دیئے یا وہ ہدیے نہ تھے بلکہ بطور رشوت تھے تاکہ آپ یہ ہدیے لے کر سبا شہر یا ملک یمن پر حملہ نہ کریں۔ لہٰذا واپس کردیئے گئے۔ حکام کو ہدیے رشوت ہوتے ہیں۔ تیسرا اعتراض اگر کافر ماں باپ کافر بہن بھائیوں کو ہدیے تحفے لینے دینے جائیں تو جناب ام حبیبہ نے اپنے مہمان باپ ابو سفیان کو اپنے بستر سے کیوں اٹھا دیا۔ ان کی خاطر کیوں نہ کی۔ جواب اس لئے کہ اس وقت ابو سفیان بظاہر مہمان تھے۔ درپردہ جاسوس تھے۔ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے معلوم کرنے آئے تھے۔ چوتھا اعتراض اس آیت کریمہ میں **"الیوم"** کیوں ارشاد ہوا۔ کیا اس دن سے پہلے طیبات حرام تھیں۔ جواب ابھی تفسیر میں اس کے دو جواب عرض کئے گئے۔ ایک یہ "الیوم" سے مراد اسلام کے دنیا میں تشریف لانے کا زمانہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اسلام سے پہلے دوسرے دینوں میں طیب چیزیں حرام تھیں۔ اسلام میں حلال ہوئیں۔ دوسرے یہ کہ الیوم سے مراد اس آیت کے نزول کا دن ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ آج سے پہلے اسلام میں ضرورۃً بعض خبیث چیزیں حلال تھیں۔ جیسے شراب۔ اور بعض طیب چیزیں حرام تھیں جیسے اپنے مورثوں کا ورثہ وغیرہ مگر یہ عارضی احکام تھے۔ آج تمام طیب چیزیں حلال کردی گئیں اور خبیث چیزیں حرام۔ پانچواں اعتراض اس کی کیا وجہ ہے کہ کتابیہ عورتوں سے نکاح درست ہے اور مسلمان عورت کا کتابی مردوں سے نکاح حرام۔ ذبیحہ کی طرح یہ حلت دو طرفہ کیوں نہیں ہوئی۔ جواب چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ خاوند حاکم ہے۔ بیوی محکوم **الرجال قومون علی النساء** مسلمان کا کافر کے محکوم بننا اسلام کی توہین ہے۔ دوسرے یہ کہ اولاد باپ کی ہوتی ہے۔ اگر خاوند کافر ہو بیوی مسلمان تو اولاد کافر ماننا پڑے گی۔ یہ بھی شان اسلام کے خلاف ہے۔ تیسرے یہ کہ اکثر عورت خاوند کے دین پر آجاتی ہے۔ خاوند عورت

کے دین پر کم آتا ہے۔ اگر خاوند کافر بیوی مسلمان ہو تو عورت کا مسلمان رہنا مشکل ہو جاوے گا۔ خاوند اپنے گھر ہو کفریہ رسوم بیوی سے کرائے گا۔ اسے کرنا پڑیں گی۔ اس لئے اس کے دین کا خطرہ ہے۔ بیوی خادمہ خاوند مخدوم ہے۔ **چھٹا اعتراض** یہاں **المحصنٰت** سے مراد پاک دامنی نہیں بلکہ آزاد کتابیہ عورتیں ہیں۔ کتابیہ لونڈی سے نکاح جائز نہیں اس لئے کہ تم بھی کہتے ہو کہ فاسقہ کتابیہ سے نکاح حلال ہے۔ اگر محصنات سے مراد پاک دامنی ہے تو یہ آیت تمہارے بھی خلاف ہے۔ نیز یہاں ارشاد ہوا کہ تم ان بیویوں کو ان کا مہر دو حالانکہ لونڈی کا مہر اس کو نہیں دیتا بلکہ اس کے مولا کو ملتا ہے۔ ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ **والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب** میں محصنات سے مراد آزاد عورتیں ہیں نہ کہ پاک دامن (تفسیر کبیر) امام فخر الدین رازی نے نہایت اہتمام سے یہ دلائل مذہب شافعی کی تائید میں بیان فرمائے **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں المحصنات دو جگہ ارشاد ہوا ہے۔ ایک تو **المحصنٰت من المومنٰت** دوسرا **المحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب** اگر آپ دوسرے محصنات کو آزاد عورت کے معنی میں لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کتابیہ لونڈی سے نکاح حرام ہے۔ تو چاہیے کہ پہلے محصنات کو بھی آزاد مومنہ کے معنی میں لیں اور فرمادیں کہ مسلمان لونڈی سے بھی نکاح مطلقاً حرام ہے۔ حالانکہ مومنہ لونڈی سے آپ بھی نکاح جائز مانتے ہیں۔ لہٰذا جیسے پہلا محصنات۔ بمعنی پارسا ہے ایسے ہی یہ محصنات بھی۔ بمعنی پارسا ہونا چاہیے۔ نیز آپ بھی فرماتے ہیں کہ مومنہ لونڈی کا مہر اس کے مولیٰ کو دیا جائے گا۔ حالانکہ یہاں ارشاد ہوا **اذا اتیتموھن اجورھن** لہٰذا یہ آیت آپ شوافع کے بھی خلاف ہے۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ یہاں دونوں جگہ محصنات سے مراد پاک دامن عورت ہی ہے۔ مگر یہ قید ترغیب کے لئے ہے۔ کہ اگرچہ نیک اور فاسقہ دونوں سے نکاح حلال ہے۔ مگر پارسا نیک صالحہ سے نکاح کرنا بدرجہ اتم موجود ہے یعنی مستحب ہے۔ اور قید استحباب کے لئے ہے۔ ایسی مثالیں قرآن کریم میں بہت ہیں جہاں استحباب کے لئے قیدیں لگائی گئیں اور چونکہ لونڈی خود اپنے مولیٰ کی ملک ہے لہٰذا مولیٰ کو اس کا مہر دینا گویا لونڈی کو ہی دینا ہے۔ بہر حال نہایت قوی یہ ہی ہے کہ یہاں دونوں جگہ محصنات۔ بمعنی پارسا ہے۔ **ساتواں اعتراض** جب کتابیہ عورت سے نکاح بہت خطرناک ہے تو اس کی اجازت ہی کیوں دی گئی۔ **جواب** یہ خطرناک بھی ہے۔ اور فائدہ مند بھی۔ امید ہے کہ کتابیہ عورت ہماری صحبت سے مسلمان ہو جاوے۔ اس کے پیٹ کی اولاد ساری مسلمان ہو گی اس نکاح کے ذریعہ اس کے میکہ والے عیسائی ہم سے قریب ہو جاویں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نکاح ان کے اسلام لانے کا ذریعہ بن جاوے۔ کیونکہ وہ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے ہم سے پہلے ہی کچھ قریب ہیں۔ غرض کہ یہ نکاح وہ کرے جو اپنے کو ان کے شر سے بچا سکے۔ انہیں اپنی خیر دے سکے۔ ثقیل غذائیں وہ کھائے جس کا معدہ قوی ہو۔ کہ وہ اگرچہ بادی اور دیر ہضم ہوتی ہے مگر قوت باہ وغیرہ فوائد بھی دیتی ہیں۔ لہٰذا کمزور معدہ والا نہ کھائے **آٹھواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بغیر مہر دیئے ہوئے بیوی حلال نہیں ہوتی کیونکہ یہاں **احل** کو مقید فرمایا مہر دینے سے حلال فقہا فرماتے

ہیں کہ بغیر مہر دیئے بلکہ بغیر مہر مقرر کئے بھی نکاح درست ہے۔ بیوی حلال ہے وہ مسئلہ اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ یہاں دینا عام ہے حقیقتہً دے دینا یا حکماً" دینا یعنی اپنے ذمہ لازم کر لینا اور واقعی نکاح سے مہر لازم ہو جاتا ہے۔ خواہ مقرر کرے یا نہ کرے ورنہ یہ آیت دوسری آیات اور بہت احادیث کے خلاف ہو گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان تبتغوا باموالکم** دیکھو اس آیت میں مال دینے کی قید نہیں بلکہ تلاش بالمال فرمایا گیا۔ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو بی بی صفورا کے نکاح کا پیغام دیا۔ مگر ان سے مہر طلب نہ فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے کہا۔ **ارید ان انکحک احدی ابنتی ھتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج** یہاں مہر کا ذکر فرمانا اس کی اہمیت دکھانے کے لئے ہے کہ یہ خاوند کے ذمہ لازم و ضروری ہے **نواں اعتراض** قرآن کریم میں نکاح سے متعلق صرف مردوں سے خطاب کیوں ہوتا ہے کہ تم پر فلاں فلاں عورتیں حرام ہیں فلاں فلاں حلال۔ عورتوں سے خطاب کیوں نہیں ہوتا۔ کہ تم پر فلاں فلاں مرد حلال ہیں فلاں فلاں حرام۔ نکاح کا تعلق تو عورتوں مردوں دونوں سے ہے۔ **جواب** اس لئے کہ یہ عورت نعمت ہے دولت ہے۔ مرد نعمت والا دولت والا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں میں وہاں کے پھل' پھول' دودھ' شہد کے ساتھ پاک بیویوں کا ذکر بھی فرمایا اور حلال و حرام نعمت کی صفت ہے نعمت حلال یا حرام ہوتی ہے۔ اور نعمت والے پر حلال یا حرام ہوتی ہے۔ گائے بکری ہم پر حلال ہے ہم گائے بکری پر حلال نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اے راہ خدا کے مسافرو اے حقیقت والو ازل میں جب کہ تمہارے لئے یہ کمال لکھا گیا تھا اس دن سے تمہارے لئے طیب چیزیں یعنی دین و دنیا کی سعادت کے اسباب اخلاق الہیہ سے موصوف ہونا حلال کر دیا گیا تھا۔ تمہارے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا کہ تم ان خوبیوں سے موصوف ہو گے۔ نیز تمہارے لئے کتاب والوں یعنی نبیوں کی غذائیں جو انہوں نے شریعت و طریقت کے دودھ نبوت و ولایت کے پستانوں سے تمہارے لئے حلال کر دیں۔ تمہارے مقدر میں لکھ دیں اور تمہاری غذائیں جو تم نے ولایت کے پستانوں سے لی ہیں ان حضرات کے لئے حلال تھیں کہ تم نے جو معرفت الٰہی شیر خالص ولادت کے پستانوں سے چوسا ہے انہوں نے وہی دودھ نبوت و ولایت دونوں پستانوں سے چوسا۔ دودھ ایک ہے پستان دو۔ نیز تمہارے لئے مومنہ محصنہ یعنی قرآن کریم کے وہ حقائق جو دوسروں سے مخفی ہیں وہ بھی حلال ہے اور پچھلی آسمانی کتابوں کے وہ حقائق و معارف جو گزشتہ اہل کتاب نبیوں کو عطا ہوئیں حلال کی گئیں تمہارے مقدر میں کی گئیں۔ مگر چاہیے کہ تم ان حقائق و معارف کو ان کا مہر دو۔ ان کا مہر ترک وجود ہے۔ اپنے وجود کو فنافی اللذات کر دو اس میں محصن رہو کہ ترک وجود مشائخ واصلین کے ذریعہ کرو۔ مسافحین نہ بنو۔ یعنی نفس کے لئے ترک وجود نہ ہو نہ کسی اور ماسوی اللہ کے لئے کہ یہ اخدان میں داخل ہے۔ لطف یہ ہے کہ وہ ہی ساقی ہو۔ وہ ہی مشرب۔ وہ ہی شراب۔ جو کوئی مومن بن کر کافر ہو جاوے یعنی اس راستہ پر پڑ کر ہٹ جاوے۔ اس کی ساری کوششیں بیکار گئیں۔ اور آخرت میں وہ پورے نقصان میں رہا۔

(روح البیان)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے جب اٹھو تم طرف نماز کے تو دھلاؤ تم منہ اپنے اور ہاتھ اپنے کہنیوں
اے ایمان والو جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک
اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ
تک اور مسح کرو تم سروں کا اپنے اور دھوؤ پاؤں اپنے ٹخنوں تک
ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھوؤ
وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا
اور اگر ہو تم بے غسلے تو خوب پاک ہوؤ
اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو لو

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو شکار کے مسائل بتائے گئے۔ شکاری آدمی کبھی شکار کے شوق میں نماز و وضو وغیرہ عبادات سے غافل ہو جاتا ہے۔ لہذا اب وضو غسل و تیمم کے مسائل بیان فرمائے جا رہے ہیں تاکہ مسلمان شکار کی وجہ سے نماز و طہارت سے غافل نہ ہو جائیں۔ گویا مشاغل کے بعد نماز کے مسائل کا ذکر فرمایا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی۔ چونکہ خطرہ تھا کہ غافل مسلمان کتابیہ عورتوں کی صحبت میں کفر اختیار نہ کر لیں یا ان کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچے ماں کی صحبت سے کافر نہ ہو جائیں۔ اس لئے ارشاد ہوا تھا۔ **ومن یکفر بالایمان** الخ اب وہ عمل بتایا جا رہا ہے جو ان کے ایمان کی حفاظت کرے انہیں کفر سے بچائے یعنی نماز اور طہارت' وضو' غسل وغیرہ نماز کی پابندی ایمان کو پختہ کرتی ہے۔ اور جسم کی پاکی دل کو پاک رکھتی ہے گویا کفر سے ڈرایا دھمکایا تھا پہلے اور اب اس سے بچنے کا ذریعہ بیان ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** سورت کے شروع میں حکم دیا گیا تھا۔ **اوفوا بالعقود** عہد و پیمان پورے کرو۔ عہد دو قسم کے ہیں بندے کے اللہ تعالیٰ سے عہد اور بندے کے بندے سے عہد۔ پہلے عہد کو معاملات کہتے ہیں دوسرے قسم کے عہد کو عبادات۔ اب تک معاملات کا ذکر تھا کھانا پینا نکاح وغیرہ اب عبادات کے عہد کا ذکر ہے۔ عبادات میں سے بڑی عبادت نماز ہے اور نماز کی چابی طہارت ہے۔ اس لئے اب اس کے احکام دیئے گئے۔ (تفسیر کبیر) **چوتھا تعلق** انسان کے اندر حیوانی صفات بھی جیسے ہیں۔ بھوک پیاس شہوت غصہ وغیرہ اور ملکی (فرشتوں کے) صفات بھی معرفت الٰہی اطاعت الٰہی۔ قرب الٰہی کی قابلیت پچھلی آیتوں میں کھانے پینے اور نکاح کا حکم دیا گیا تھا تاکہ انسان ان چیزوں میں آزاد نہ ہو جائے۔ جانوروں کی طرح انہیں استعمال نہ کرے کہ جو چاہا کھا پی لیا۔ جس مادہ سے چاہا صحبت کر لی۔ ان احکام کا تعلق اس کی حیوانیت سے تھا۔ اب عبادات

یعنی نماز و وضو کا ذکر ہے۔ جس کا تعلق انسان کی ملکیت سے ہے گویا ایک صفت کی تکمیل کے بعد اب دوسری صفت کی تکمیل فرمائی جارہی ہے۔ پانچواں فائدہ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو علانیہ اور خفیہ زنا سے بچنے کا تاکیدی حکم دیا کہ فرمایا **محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان** اب اس نماز و وضو کا حکم دیا جارہا ہے۔ جو زنا بلکہ تمام گناہوں سے انسان کو بچاتی ہے۔ **ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر** گویا زنا سے بچنے کے حکم کے بعد زنا سے محفوظ رکھنے والے حفاظتی قلعہ یعنی نماز و طہارت کی طرف اب رہبری کی جارہی ہے۔

تفسیر **یایھا الذین امنوا** چونکہ وضو و غسل نہایت اہم چیزیں ہیں کہ یہ نماز کی چابیاں ہیں اسی سے جسم پاک ہوتا ہے۔ اور جسم کی پاکی کے ذریعہ دل و روح پاک ہوتے ہیں۔ نیز یہ طہارت نفس پر گراں ہے۔ سردی گرمی میں اس سے کلفت بہت ہوتی ہے۔ اسی لئے اس حکم سے پہلے مسلمانوں کو **الذین امنوا** سے خطاب فرمایا گیا۔ پھر حکم سنایا گیا۔ مریض کو ٹیکہ لگا کر بیہوش کرتے ہیں۔ پھر آپریشن کرتے ہیں یہاں **الذین امنوا** سے خطاب فرمایا گیا۔ پھر حکم سنایا گیا۔ فرشتے اس سے خارج ہیں۔ کیونکہ ان پر وضو فرض نہیں کہ ان کے لئے وضو توڑنے والی چیزیں نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور نبوت سے پہلے ہی طہارت و وضو و غسل کے پابند تھے۔ نیز احکام وضو میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مسلمانوں سے ممتاز ہیں۔ مسلمان سو کر اٹھیں تو ان پر وضو فرض ہے۔ حضور سو کر اٹھیں تو وضو فرض نہیں۔ حضور کی نیند وضو نہیں توڑتی۔ لہٰذا **اذا قمتم الی الصلوٰۃ** کے ایک معنی حضور کے حق میں جاری نہیں جیسا کہ ابھی عرض کیا جائے گا **اذا قمتم الی الصلوٰۃ** اذا ظرفیہ ہے۔ جس میں شرط کے معنی ملحوظ ہیں۔ یہاں قیام سے مراد یا تو نماز کا قیام ہے جو نماز میں فرض ہے تو اس سے مراد ہے ارادہ قیام جیسے قرآن میں ہے۔ **واذا قرات القران فاستعذ باللہ** جب تم قرآن پڑھو تو **اعوذ باللہ** پڑھ لو۔ یعنی قرآن پڑھنے لگو۔ ایسے ہی یہاں ہے۔ کہ جب تم نماز میں کھڑے ہونے لگو۔ اور یا قیام نماز سے مراد ہے نماز کے لئے اٹھنا۔ گھر یا دوکان یا آرام گاہ سے نماز کو چلنا یہ ہی ظاہر ہے۔ کیونکہ یہاں فرمایا گیا۔ **الی الصلوٰۃ** اگر نماز کا قیام مراد ہوتا تو **فی الصلوٰۃ** ہوتا نہ کہ **الی الصلوٰۃ** ان صورتوں میں ایک قید لگانی پڑے گی کہ جب تم نماز کے لئے چلو اور بے وضو ہو کیونکہ وضو کرنا بے وضو پر فرض ہے۔ باوضو پر نہیں۔ یا **فاغسلوا** کا امر استحبابی ہو۔ کیونکہ جس کا پچھلا وضو ہو اسے بھی نماز کے لئے وضو کرلینا مستحب ہے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک ہر نماز کے لئے وضو فرض ہے خواہ انسان بے وضو ہو یا باوضو اس کی دلیل یہی آیت ہے (تفسیر کبیر) بعض مفسرین نے کہا کہ ابتداء ہر نماز کے لئے وضو فرض تھا بعد میں ایک وضو سے چند نمازیں جائز ہوئیں۔ یہ آیت کریمہ اسی وقت کی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ **قمتم** سے مراد سو کر اٹھنا ہے۔ یعنی جب تم سو کر نماز کی طرف چلو۔ اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے خارج ہوں گے۔ کیونکہ حضور کی نیند وضو نہیں توڑتی۔ چونکہ یہاں قیام سے مراد نماز کے لئے اٹھ کر جانا ہے اس لئے اس کے بعد الیٰ لایا گیا۔ صلوٰۃ سے مراد فرض، نفل، واجب ہر نماز ہے کہ نماز پنج گانہ، نماز عید، نماز نفل سب کے لئے وضو

فرض ہے۔ کوئی نماز بغیر وضو جائز نہیں۔ ہاں نماز پنج گانہ کے لئے وضو پر وضو کرنا مستحب ہے یعنی اگر ظہر کا وضو ہو تو عصر کے لئے تازہ وضو کر لینا بہتر ہے۔ مگر فرض کے وضو سے سنتیں و نفل ادا کرنا سنت ہے کہ ظہر کے لئے۔ جو وضو کیا گیا۔ اس سے ظہر کی سنتیں و نفل بھی پڑھے حتیٰ کہ نماز اشراق فجر کے وضو سے پڑھنا سنت ہے اس کے لئے تازہ وضو کرنا سنت کے خلاف ہے۔ خیال رہے کہ کپڑے۔ جسم کی صفائی پاکی یونہی جنابت سے غسل بہر حال ضروری ہے۔ جسم گندہ نہ رکھو ناپاک کپڑے نہ پہنو۔ بے غسلے مت رہو۔ مگر وضو صرف نماز کے ارادہ کرنے پر کرو۔ ویسے بغیر وضو رہنا منع نہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے وضو کے لئے قید لگائی **اذا قمتم الی الصلوۃ** کی مگر غسل کے لئے فرمایا۔ **وان کنتم جنبا** اور کپڑے و بدن کی پاکی کے لئے فرمایا **وثیابک فطھر** اور فرمادیا۔ **والرجز فاھجر۔ فاغسلوا وجوھکم** یہ جملہ **اذا قمتم** کی جزا ہے وضو میں چار فرض ہیں۔ پہلا فرض چہرہ دھونا ہے۔ دوسرا فرض کہنیوں سمیت ہاتھ دھونا تیسرا فرض کچھ سر کا مسح کرنا۔ چوتھا فرض ٹخنوں سمیت پاؤں دھونا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے چہرہ دھونے کا ذکر فرمایا۔ **اغسلوا** بنا ہے **غسل** بمعنی دھونے سے غسل۔ غین کے فتح سے دھونا اور غسل غین کے پیش سے نہانا۔ نہانے کے لئے **اغتسال** بولا جاتا ہے۔ اتنا پانی ڈالنا کہ بہہ کر کم از کم ایک قطرہ ٹپک جاوے۔ دھونا ہے اس سے کم مسح ہے۔ **وجوہ** جمع ہے وجہ کی بمعنی چہرہ۔ جس کی لمبائی سر کے بالوں کی ابتدا سے ٹھوڑی کے نیچے تک ہے۔ اور چوڑائی ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔ عربی میں وجہ چہرے کو کہتے ہیں اور فم منہ کو یعنی داخل ہونٹ سے حلق تک۔ فم میں کلی ہوتی ہے۔ چہرہ دھویا جاتا ہے۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا ہونٹ بند کرنے سے جو حصہ ڈھک جاتا ہے وہ فم یعنی منہ ہے۔ جو کلی میں تر ہوگا اور جو حصہ کھلا رہتا ہے وہ وجہ یعنی چہرہ ہے۔ چونکہ ہر آدمی کا ایک ہی چہرہ ہوتا ہے اس لئے وجوہ بھی جمع ارشاد ہوا۔ اور کم بھی جمع تاکہ مضاف کی اکائیاں مضاف الیہ پر تقسیم ہو جاویں جیسے کہا جاتا ہے **ارکبوا فروسکم** تم اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔ یعنی ہر شخص ایک گھوڑے پر۔ ایسے ہی یہاں ہے کہ ہر شخص اپنا ایک چہرہ دھوئے **وایدیکم الی المرافق** یہ عبارت **وجوھکم** پر معطوف ہے۔ اور **اغسلوا** کا مفعول ہے **ایدی** جمع ہے **ید** کی انگلیوں کے کنارے سے بغل تک عضو کا نام یعنی ید ہاتھ ہے پھر اس کے اجزا کے مختلف نام ہیں۔ انگلی اصبع' ساعد' کلائی' مرفق کہنی وغیرہ وضو میں انگلی کے سرے سے کہنی تک کا حصہ دھونا فرض ہے۔ یہاں الیٰ بمعنی مع ہے جیسے **لا تاکلوا اموالھم الی اموالکم** میں الیٰ بمعنی مع ہے کیونکہ یہاں الیٰ اسقاط کے لئے ہے۔ اگر الی المرافق نہ فرمایا جاتا تو بغل تک دھونا فرض ہو جاتا۔ اس انتہا نے باقی حصہ کو نکالا اسے غایت اسقاط کہتے ہیں۔ غایت اسقاط حکم میں داخل ہوتی ہے خیال رہے کہ مرفق اسم آلہ ہے۔ رفق بمعنی نفع و آرام کا۔ اس کے معنی ہوئے آرام کرنے کا آلہ۔ کہنی کو مرفق اس لئے کہتے ہیں کہ انسان تھک کر ہاتھ پر ٹیک لگاتا جس میں ٹیک کا بوجھ کہنی پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ آرام کا آلہ ہوئی یعنی اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوؤ۔ **وامسحوا برءوسکم** یہ عبارت **اغسلوا** الخ پر معطوف ہے۔ چونکہ سر دھویا نہیں جاتا بلکہ اس کا مسح کیا جاتا ہے۔ اس لئے علیحدہ فعل ارشاد ہوا۔

مسح کے معنی ابھی بیان ہوئے۔ تری پہنچانا اس طرح کہ پانی کا قطرہ اس سے نہ گرے۔ مسح کے لفظی معنی ہیں چھونا۔ اصطلاح میں گیلا ہاتھ پھیرنا مسح ہے۔ ب زائدہ ہے۔ جو سر کی **بعضیت** بتانے کے لئے لائی گئی یعنی بعض سر کا مسح کرو اگر چہرے کی طرح سارے سر کا مسح ہوتا۔ تو ب نہ آتی بلکہ **وامسحوا رؤسکم** فرمایا جاتا۔ اس بعض کی مقدار کو حدیث شریف نے بیان فرمایا کہ وہ چہارم سر ہے۔ اتنے ہی کا مسح فرض ہے یہی احناف کا مذہب ہے کہ چہارم سر کا مسح ہمارے ہاں فرض ہے۔ سارے سر کا مسح سنت۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ ب تبعیض کی ہے اور فرمایا کہ ب بھی تبعیض کے لئے آتی ہے اور دلیل میں یہ شعر پیش کیا۔

☆ **شربنا بماء البحر ثم ترفعت ☆ متی الحج خضر لهن نئیج** ☆

یہاں بماء البحر میں ب **تبعیضیہ** ہے۔ جہاں سر کا مسح فرض ہونے کے دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرماؤ۔ یا یہاں تفسیر روح المعانی و تفسیر ابن کثیر میں **وارجلکم الی الکعبین** یہ عبارت **وجوھکم** پر معطوف ہے اور **فاغسلوا** کا مفعول یہ تو **ارجل** جمع ہے **رجل** کی۔ بمعنی پاؤں انگلیوں سے لے کر ران کے آخری حصے یعنی جنگاسہ تک کو رجل کہا جاتا ہے اس کے اجزاء کے نام الگ الگ ہیں۔ ایک حصہ کا نام قدم ہے دوسرے کا نام ساق یعنی پنڈلی ہے۔ تیسرے کا نام **رکبه** یعنی گھٹنا ہے۔ اسی طرح **فخذ** یعنی ران وغیرہ۔ عربی میں قدم کی بیچ کی ابھری ہوئی ہڈی کو بھی کعب کہتے ہیں اور قدم کے آخری حصہ کی دو طرفہ ابھری ہوئی ہڈیوں کو بھی کعب کہا جاتا ہے۔ جو ہر قدم میں دو ہوتی ہیں اور جہاں سے پنڈلی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔ اس لئے **کعبین تثنیه** لایا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ایک قدم میں دو کعب ہیں۔ جس قاعدے سے کہنیاں ہاتھ کے ساتھ دھونا فرض تھا اسی قاعدے سے ٹخنوں کا پاؤں کے ساتھ دھونا فرض ہے۔ اس قاعدے سے ٹخنوں کا پاؤں کے ساتھ دھونا فرض ہے کہ یہاں بھی الی غایت اسقاط ہے۔ خیال رہے کہ کعب کے لفظی معنی ہیں بلند یا ابھرا ہوا۔ اس لئے جوان عورت جس کے پستان ابھرے ہوئے ہوں اسے کاعب کہتے ہیں جمع کواعب ہے **وکو اعب اترابا** کعبہ معظمہ کو کعبہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بلند عمارت ہے اور وہاں زمین سطح سمندر سے بہت اونچی ہے۔ چونکہ ٹخنے بھی اٹھی ہوئی ہڈیاں ہیں اس لئے اسے کعب کہتے ہیں۔ **وان کنتم جنبا فاطھروا** چھوٹی طہارت یعنی وضو کے بعد بڑی طہارت یعنی غسل کا حکم دیا واؤ یا تو عاطفہ ہے اور یہ جملہ **فاغسلو وجوھکم** پر معطوف ہے۔ اور **اذا قمتم الی الصلوۃ** کی جزاء ہے لہذا اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم نماز کے لئے اٹھو اور ہو جنبی تو غسل کر لو۔ مقصد یہ ہوا کہ نماز کے لئے اٹھنے پر بے وضو پر وضو واجب ہے۔ اور بے غسلے پر غسل ضروری۔ یا واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ نیا ہے۔ تب اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تم جنبی ہو تو غسل کر لو۔ نماز کی قید نہ ہو گی۔ **کنتم** یا تو اپنے ہی معنی میں ہے یا بمعنی **صرتم** یعنی اگر تم جنبی ہو یا جنبی ہو جاؤ۔ مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ کیونکہ جو شخص بحالت کفر جنبی ہو جائے بعد میں مسلمان ہو تو غسل واجب ہے۔ غرض کہ بحالت اسلام جنبی ہو جانا ضروری نہیں۔ لہذا **کنتم** اپنے معنی میں ہونا

بستر ہے۔ جنب بنا ہے جنابت سے بمعنی دوری۔ رب فرماتا ہے۔ **فبصرت عن جنب وھم لا یشعرون** یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم نے دور سے دیکھا اور فرعونیوں کو اس کی خبر نہ تھی۔ اس لئے پرہیز اور بچنے کو اجتناب کہتے ہیں۔ کہ اس میں نقصان دہ چیز سے دوری اختیار کی جاتی ہے۔ کروٹ کو جنب کہتے ہیں۔ کہ جس کی طرف سے کروٹ لی جائے اس سے دوری ہو جاتی ہے۔ چونکہ بے غسلا آدمی نماز' تلاوت قرآن' مسجد' طواف وغیرہ سے دور رہتا ہے۔ اس لئے اسے جنبی کہا جاتا ہے۔ جنب اسم جنس ہے واحد و جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ **فاطھروا** کی ف جزائیہ ہے۔ اور **اطھرو باب تفعل** کا امر ہے۔ اصل میں **تطھروا** تھا۔ ت ط سے بدل کر ط میں ادغام ہو گی۔ ہمزہ زائد لائی گئی (روح المعانی) مگر قوی یہ ہے۔ کہ باب **افعل** کا امر ہے۔ اس کا مصدر ہے **اطھرو** بمعنی خوب پاک ہونا۔ معنی یہ ہوئے کہ اگر تم جنبی ہو تو پاک ہو جاؤ۔ جنابت کی تین صورتیں ہیں شہوت سے منی نکلنا صحبت کرنا کہ حشفہ غائب ہو جائے۔ احتلام ہونا۔ خوب پاک ہونے کا مطلب ہے کہ سر سے پاؤں تک کے سارے ظاہری اعضاء دھو لو اور منہ میں کلی اور ناک میں پانی ڈال لو کہ یہ دونوں مقام ایک اعتبار سے ظاہری جسم ہیں۔ **نکتیہ عجیبہ** اللہ تعالیٰ نے وضو میں اعضا کا نام لیا کہ یہ تین عضو دھوؤ اور سر کا مسح کرو۔ مگر غسل میں کسی عضو کا نام نہ لیا بلکہ فرمایا خوب پاکی کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ جنبی کو سارا جسم دھونا فرض ہے نیز اگر یہ عبارت مستقل جملہ ہے تو نکتہ یہ ہے کہ وضو کے لئے ارادہ نماز کی قید لگائی۔ کہ جب نماز کے لئے اٹھو تو وضو فرض ہے۔ مگر غسل کے لئے یہ قید نہیں بلکہ فرمایا گیا کہ اگر تم جنبی ہو' یا جنبی ہو جاؤ تو غسل کر لو معلوم ہوا کہ نماز کے علاوہ اوقات میں بے وضو رہنا گناہ نہیں۔ مگر بلاوجہ بے غسل رہنا گناہ ہے۔ بے نمازی آدمی پر صرف نماز نہ پڑھنے کا گناہ ہے۔ لیکن اگر وہ بے غسل رہے تو اس پر نماز نہ پڑھنے کا گناہ بھی ہے۔ اور بے غسل رہنے کا بھی گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں جنبی (بے غسلا) یا کتا یا جاندار کی تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ یہاں جنبی فرمایا گیا۔ محدث یعنی بے وضو نہ فرمایا گیا۔ ہاں اگر رات میں نہانے کی حاجت ہو جاوے تو اسے اجازت ہے کہ نماز فجر کے وقت غسل کرے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

خلاصہ تفسیر اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے اٹھو یا جب تم نماز کا ارادہ کرو' اور ہو گئے بے وضو تو تم پر فرض ہے کہ اپنا سارا منہ دھو لو سر کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک اور کہنیوں تک یعنی کہنیوں سمیت ہاتھ دھو لو اور اپنے سر کے بعض حصے کا مسح کر لو۔ اور دونوں ٹخنوں تک پاؤں دھو لو یہ حکم اس وقت ہے۔ جب تم صرف بے وضو ہوؤ۔ اور تم جنبی ہو تو وضو کی طرح کچھ خاص اعضاء نہ دھوؤ بلکہ خوب پاک ہوؤ اس طرح کہ سر سے پاؤں تک تمام کا تمام جسم دھو ڈالو۔ ان دو پاکیوں کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ وضو اور نماز مسلمانوں پر ہی فرض ہے۔ کافر پر نہیں

اس لئے اس آیت کو **الذین امنوا** سے شروع فرمایا۔ مسئلہ اگر کافر بحالت کفر وضو یا غسل کرے پھر مسلمان ہو جاوے تو اس وضو اور غسل سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں غسل میں نیت فرض نہیں۔ بغیر نیت بھی ہو جاتے ہیں جیسے کپڑے کی طہارت بغیر نیت بھی ہو جاتی ہے۔ اگر کافر بحالت کفر ناپاک کپڑا پاک کرے تو مسلمان ہو کر اس کپڑے سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ مسئلہ اگر کافر بحالت کفر جنبی ہو پھر مسلمان ہو جاوے تو اس پر غسل فرض ہے۔ کہ اگرچہ جنبی ہونا کفر کی حالت میں پایا گیا۔ مگر جنبی رہنا بحالت اسلام بھی موجود ہے۔ جیسے اگر بحالت کفر کپڑے میں ناپاکی لگے پھر وہ مسلمان ہو جاوے تو کپڑا دھونا اس پر فرض ہے۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے ہی شرعی احکام سے واقف تھے اور ان پر عامل تھے۔ دیکھو وضو کی یہ آیت مدنیہ ہے۔ سورہ مائدہ پوری کی پوری مدنیہ ہے۔ اور یہ سورت احکام کی آخری سورت ہے ۶ھ کے بعد اس کا نزول شروع ہوا۔ اور نماز ہجرت سے تین سال پہلے فرض ہو چکی تھی۔ یعنی نبوت کے گیارہویں سال معراج کی رات۔ تو یوں سمجھو کہ وضو کا حکم نماز کی فرضیت سے آٹھ نو سال بعد آیا۔ مگر اس زمانہ میں کسی مسلمان نے بے وضو یا بے غسل نماز نہ پڑھی۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ظہور نبوت سے پہلے نمازیں پڑھیں۔ مگر وضو اور غسل کے ساتھ۔ یوں سمجھو کہ حضور نے مسلمانوں کو وضو و غسل کا حکم آنے سے سالہا سال پہلے وضو و غسل کا حکم دیا۔ یہ آیت تو حضور کے حکم کی تصدیق کے لئے آئی۔ آپ عالم علم لدنی ہیں۔ تیسرا فائدہ ہر نماز کے لئے وضو فرض ہے۔ کوئی نماز بغیر وضو نہیں ہو سکتی۔ نماز خواہ فرض ہو یا واجب یا سنت یا نفل یہ فائدہ **اذا قمتم الی الصلوۃ** میں صلوۃ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ وضو میں ترتیب 'نیت' 'اعضا کا ملنا' بے تاخیر پے در پے اعضاء کا دھونا یہ سب چیزیں فرض نہیں سنت ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل فرمایا (حنفی) پانچواں فائدہ اسی طرح وضو میں کلائی تک ہاتھ دھونا۔ کلی کرنا' ناک میں پانی لینا فرض نہیں سنتیں ہیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے یہاں ان تین کا ذکر نہیں فرمایا۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کئے ہیں۔ لہٰذا یہ سب سنت ہیں۔ چھٹا فائدہ مگر کلی اور ناک میں پانی لینا اور تمام جسم پر پانی بہانا غسل میں فرض ہیں۔ کیوں اس آیت میں غسل کے لئے اعضا مقرر نہیں فرمائے گئے بلکہ فرمایا **فاطھروا** خوب پاکی حاصل کرو **اطھروا** سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم کے وہ اعضاء جو بعض اعتبار سے ظاہر بدن ہیں وہ بھی دھوئے جائیں۔ منہ کا اندرونی حصہ اور ناک بانسے تک ظاہر جسم ہے اس لئے روزے میں ان جگہوں میں پانی وغیرہ پہنچ جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگر یہ دونوں اندرونی حصہ ہوتے۔ تو روزہ ٹوٹ جاتا۔ ساتواں فائدہ اعضاء وضو میں چہرہ دھونا فرض ہے۔ مگر ہاتھ پاؤں پورے دھونا فرض نہیں۔ کیونکہ چہرے کے ساتھ الی نہ فرمایا گیا۔ ہاتھوں اور پاؤں کے ساتھ الی ارشاد ہوا ہے۔ یعنی ان دونوں عضووں کے لئے حدود بیان ہوئے۔ آٹھواں فائدہ وضو میں سارے سر کا مسح فرض نہیں۔ بعض سر کا مسح فرض ہے کیونکہ یہاں بروسکم فرمایا گیا۔ ب کے ساتھ اس بعض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک بار چوتھائی سر کا مسح کیا۔ اس سے کم کبھی نہ کیا۔ اگر چوتھائی سے کم کا مسح بھی جائز ہوتا تو حضور بیان کے

نے کبھی کم پر بھی مسح فرماتے۔ (احناف) نواں فائدہ پاؤں پر مسح نہ ہو گا بلکہ انہیں دھویا جاوے گا کیونکہ یہاں ارشاد ہوا **وارجلکم** لام پر فتح کے ساتھ جس سے معلوم ہوا کہ یہ **وجوھکم** پر معطوف ہے اور **اغسلوا** کا مفعول ہے اگر یہ روسکم پر معطوف ہوتا اور **امسحوا** کے متعلق ہوتا تو **ارجلکم** لام کے کسرہ کے ساتھ ہوتا دسواں فائدہ وضو نماز کے لئے فرض ہے۔ کسی اور عبادت کے لئے فرض نہیں جیسا کہ **اذا قمتم الی الصلوۃ** سے معلوم ہوا مگر غسل مطلقاً فرض نہیں۔ جیسا کہ **وان کنتم جنبا** سے معلوم ہوا۔ دیکھو کہ اس کی دوسری تفسیر جیسے نماز کے علاوہ بھی ستر کھولنا ننگا رہنا منع ہے۔ ایسے ہی بے غسلا جنبی رہنا منع ہے۔ **مسئلہ** آٹھ چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے اور پانچ چیزوں سے نمبر ا غسل' پیشاب' پاخانہ کی راہ سے کسی چیز کا نکلنا۔ نمبر ۲ بہتا خون جو ظاہر جسم پر بہے۔ نمبر ۳ منہ بھر کر قے۔ نمبر ۴ سونا بیہوشی نشہ' جنون' رکوع سجدہ والی نماز میں ٹھٹھا مار کر ہنسنا۔ اسباب غسل یہ ہیں۔ منی کا شہوت سے نکلنا۔ صحبت کرنا' احتلام' حیض' نفاس کا ختم ہونا' ان تمام کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرماؤ۔ یہ مذکورہ پانچ غسل تو فرض ہیں باقی اور موقعوں پر غسل کرنا یا سنت ہیں یا مستحب یا جائز جیسے جمعہ' عیدین' احرام کے وقت عرفات میں پہنچنا حاجی کے لئے۔ مسلمان ہوتے وقت۔ میت کو غسل دے کر کہ یہ غسل سنت یا مستحب ہیں۔ ٹھنڈک کے لئے غسل جائز ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بھی نماز کے لئے اٹھے۔ وضو ضرور کرے خواہ پچھلا وضو ہو یا نہ ہو ٹوٹ ضروری یہ اعتراض داؤد کا ہے جو فرقہ ظاہریہ کا امام ہے ظاہری فرقہ آیات کے بالکل ظاہری معنی کرتے ہیں کسی آیت میں کوئی تاویل نہیں کرتے۔ ان مردودوں کے ہاں صرف سور کا گوشت حرام ہے۔ اس کی کلیجی گردے وغیرہ سب حلال وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں **لحم الخنزیر** ہی کو حرام کیا گیا ہے۔ یہ اعتراض بھی انہیں کا ہے۔ ان کے لئے ہر نماز کے لئے وضو فرض ہے **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اوجاء احدکم من الغائط** تم میں جو کوئی پاخانہ سے ہو کر آئے وہ وضو کرے تو چاہیے کہ جو آدمی پاخانہ دیکھنے یا کسی بچہ کو رفع حاجت کرانے کے لئے جائے۔ اس کا وضو ٹوٹ جاوے اور جو جنگل میں یا نالی پر پیشاب یا پاخانہ کرے کسی کو ہوا نکلے اس کا وضو نہ ٹوٹے کیونکہ یہ شخص پاخانہ ہو کر نہ آیا۔ اگر آیات قرآنیہ کے ایسے معانی کئے جائیں تو دین برباد ہو جاوے گا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف اس آیت کی تفسیر ہے۔ حضور نے خندق کے دن پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں اور سوال کرنے پر فرمایا کہ ہم نے عمداً یہ کام کیا۔ معلوم ہوا کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا بہتر ہے۔ اور ایک وضو سے چند نمازیں پڑھنا جائز ہے۔ **دوسرا اعتراض** اعضاء میں وضو میں ترتیب فرض ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے یہاں پہلے چہرہ کا ذکر فرمایا۔ پھر ہاتھ کا پھر سر کا پھر پاؤں کا اس ترتیب سے وضو فرض ہے (شوافع) **جواب** یہاں درمیان میں واؤ عاطفہ فرمایا گیا۔ اور واؤ ترتیب نہیں چاہتا وہ صرف جمعیت کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا ترتیب فرض نہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب وار وضو فرمایا ہے۔ لہٰذا ترتیب سنت ہے۔ **تیسرا اعتراض** وضو میں

نیت فرض ہے۔ جو ٹھنڈک کے لئے اعضاء وضو دھولے وہ اس سے نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ وضو نماز کی شرط ہے۔ تو چاہیے کہ نماز کی طرح اس میں بھی نیت شرط ہو۔ نیز حدیث شریف میں ہے۔ **انما الاعمال بالنیات** عمل نیت سے ہوتے ہیں اور وضو بھی ایک عمل ہے۔ چاہیے کہ وہ بھی نیت سے ہو (شوافع) **جواب** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ غسل 'کپڑا پاک کرنا' نماز کی جگہ پاک کرنا بھی نماز کی شرط ہے۔ تو چاہیے کہ ان میں بھی نیت فرض ہو۔ حالانکہ آپ کے ہاں بھی ان چیزوں میں نیت شرط نہیں۔ یہ بھی شرائط نماز ہیں اور عمل ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں آیت میں رب تعالیٰ نے صرف اعضاء مذکورہ کے دھونے کا ذکر فرمایا۔ نیت کا ذکر نہ کیا تو قرآنی مطلق کو قیاس وغیرہ سے مقید نہیں کر سکتے۔ حدیث **انما الاعمال بالنیات** کے معنی یہ ہیں کہ اعمال کا ثواب نیت سے ملتا ہے نہ یہ کہ اعمال بغیر نیت درست ہی نہیں ہوتے۔ لہٰذا وضو کا ثواب نیت سے ملے گا مگر وضو کا جواز بغیر نیت بھی ہو گا۔ غسل اور کپڑے پاک کرنے کا حکم بھی یہی ہے۔ کہ نماز کی نیت سے کئے گئے تو ثواب ہے ورنہ جواز ہے۔ ثواب نہیں۔ **چوتھا اعتراض** سر کے مسح میں چوتھائی کی پابندی نہیں۔ ایک بال کا مسح بھی کافی ہے۔ کیونکہ **بروسکم** میں مطلق بعض کا حکم دیا گیا۔ تم چوتھائی کی قید کہاں سے لگاتے ہو (شوافع) **جواب** یہ آیت کریمہ مسح کے متعلق مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور اس مجمل کا بیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار چہارم سر کا مسح کیا۔ مگر چہارم سے کم کبھی نہیں کیا۔ اگر ایک بال کا مسح بھی درست ہوتا تو آپ کبھی اس پر عمل فرماتے۔ مطلق میں کل مطلوب ہوتی ہے۔ مجمل میں فرد خاص مطلوب ہوتا ہے مگر اس کا بیان نہیں ہوتا۔ **پانچواں اعتراض** وضو میں پاؤں دھونے نہ چاہئیں بلکہ سر کی طرح ان پر بھی مسح کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس آیت کی ایک قرائت **وارجلکم** لام کے کسرہ سے بھی ہے اور یہ روسکم پر معطوف ہے تو سر کی طرح اس کا بھی مسح ہی چاہیے۔ **نوٹ ضروری** پاؤں کے متعلق چار مذہب ہیں۔ پاؤں کا مسح ہی کیا جاوے دھوئے نہ جاویں۔ حضرت ابن عباس' انس ابن مالک' شعبی' ابو جعفر' محمد ابن علی الباقر رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی قول ہے۔ شیعوں کا مذہب بھی یہی ہے۔ پاؤں دھو بھی لو اور مسح بھی کر لو۔ یعنی دونوں فرض ہیں (داؤد ظاہری) اختیار ہے خواہ مسح کر لو یا دھو لو (خواجہ حسن بصری' محمد ابن جریر طبری) پاؤں دھونا فرض ہیں۔ اگر مسح کیا گیا تو نماز نہ ہو گی۔ یہ قول عامۃ المسلمین' ائمہ دین' سلف صالحین قریباً ساری امت رسول اللہ کا ہے۔ (از تفسیر روح المعانی) یہ اعتراض موجود شیعوں کا ہے۔ **جواب** قرآن مجید کی عام قرات متواترہ متعاملہ **وارجلکم** لام کے فتح سے اور یہ **وجوھکم** پر معطوف ہو کر **اغسلوا** کا مفعول ہے۔ تو جیسے منہ اور ہاتھ کا دھونا فرض ہے۔ مسح کافی نہیں۔ ایسے ہی پاؤں کا دھونا فرض ہے مسح کافی نہیں **ارجلکم** لام کے جر سے یہ بھی ایک قرائت ہے۔ ہمارا اس پر بھی عمل ہے کہ چمڑے کے موزے پہنے ہوں تو ہم مسح ہی کرتے ہیں ننگے پاؤں کو دھوتے ہیں۔ اور موزوں پر مسح کرتے ہیں۔ ہمارا عمل دونوں قرائتوں پر ہے۔ مگر تمہارا عمل صرف کسرہ کی قراءۃ پر ہے۔ فتحہ کی قرائت پر نہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام اہل بیت عظام نے ہمیشہ

پاؤں دھوئے ہیں کبھی ان پر مسح نہ کیا۔ بغیر چمڑے کے موزوں کا ان کا عمل اس آیت کی تفسیر ہے۔ نیز دھونے میں مسح بھی ہو جاتا ہے۔ مگر مسح میں دھونا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم پاؤں مل کر دھوتے ہیں۔ ملنا مسح ہے تو ہمارا عمل دونوں قراءتوں پر ہے۔ مسح کرنے والوں کا عمل ایک قراءۃ پر نہیں لہذا دھونا ہی چاہیے۔ **چھٹا اعتراض** تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت انس، جابر، ابن عباس اور بہت صحابہ کرام پاؤں پر مسح کرتے تھے اور وہ حضرات اس مسح پر بہت دلائل دیتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت انس نے ایک بار حجاج ابن یوسف سے کہا کہ پاؤں کا مسح تو حکم خداوندی ہے اور پاؤں کا دھونا تیرا حکم ہے۔ پھر تم لوگ وضو میں پاؤں پر مسح کیوں نہیں کرتے۔ (شیعہ) **جواب** جی ہاں تفسیر ابن کثیر میں ہے ایک جگہ یہ بھی ہے کہ یہ تمام روایات غریب ہیں ان میں سے صحیح کوئی نہیں۔ اور وہاں ہی پاؤں کے مسح کی پرزور تردید کی ہے۔ پاؤں دھونے کا سخت تاکیدی حکم ہے۔ ابن کثیر کی پوری عبارت دیکھو۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے صحابہ اہل بیت ہمیشہ پاؤں دھوتے تھے مسح کبھی نہیں کرتے تھے۔ بتواتر ثابت ہے۔ ان کا عمل اس آیت کی تفسیر ہے۔ **ساتواں اعتراض** تیمم میں صرف منہ اور ہاتھوں کی طرح پاؤں بھی دھلتے ہوتے تو تیمم میں ان کا بھی مسح ہوتا تیمم میں مغسول اعضاء کا مسح ہے ممسوح اعضاء چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ **جواب** تمہارا قاعدہ ہی غلط ہے کہ تیمم میں مغسول اعضاء کا مسح ہوتا ہے ورنہ غسل کے تیمم میں سارے جسم کا مسح چاہیے تھا بلکہ گھوڑے کی طرح زمین پر لوٹنا پڑتا کیونکہ غسل میں کسی عضو کا مسح نہیں ہوتا وہاں سارے اعضاء دھونے پڑتے ہیں **آٹھواں اعتراض** پیشاب پاخانہ کی نجاست بہت سخت ہے کہ بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتے۔ منی کی نجاست معمولی ہے کہ مل دینے یا رگڑ دینے سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ نیز منی انسان کا مادہ ہے انسان نہایت ہی پاک و صاف ہے تو کیا وجہ ہے کہ پیشاب پاخانہ سے صرف چند اعضاء کا دھونا یعنی وضو کرنا فرض ہوا۔ اور منی نکلنے سے تمام اعضاء کا دھونا یعنی غسل فرض ہوا۔ اس کا برعکس ہونا چاہیے تھا **جواب** وضو نماز کی رکعات میراث کی مقدار ہماری عقل و فہم سے وراء ہیں۔ یہ تو تعبدی مسائل ہیں کہ سمجھو مت مان لو۔ اس کی حکمتیں رب تعالیٰ جانتا ہے۔ یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔ جہاں تک ہماری عقل کام کرتی ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ غذا کھانے کا نتیجہ ہے۔ سب سے پہلے دانہ کھانے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ آپ قدم شریف سے اس درخت کی طرف گئے۔ ہاتھ سے دانہ پکڑا۔ منہ سے کھایا اور ان اعمال سے پہلے دماغ میں کھانے کا خیال آیا۔ حکم دیا گیا کہ اس خطا میں ان چار اعضا نے کام کئے لہذا جب اس کا نتیجہ ظاہر ہوا تو یہ چار اعضاء ہی دھویا کرو۔ نیز قیامت میں ہاتھ پاؤں اور چہرے وضو کے پانی کی برکت سے چمکیں گے۔ گویا وضو کے پانی میں چمکانے کی تاثیر ہے۔ غسل کے پانی میں یہ اثر نہیں۔ اور قیامت میں صرف ان اعضاء کا ہی چمکنا ہے۔ اسی لئے پیشاب پاخانہ سے وضو کرایا گیا اور وضو میں صرف یہ اعضاء دھلوائے گئے اور منی کے نکلنے سے غسل واجب کیا گیا۔ کیونکہ منی تمام اعضاء کا نچوڑ ہے اور تمام بدن کو ہی لذت منی کے نکلنے سے ملتی ہے۔ دیکھو زیادہ صحبت کرنے سے تمام جسم کمزور ہو جاتا ہے اور اگر منی محفوظ رہے تو تمام جسم قوی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے

نکلنے سے غسل واجب کیا گیا۔ نیز پیشاب پاخانہ ہوا روزانہ بلکہ دن میں کئی کئی بار خارج ہوتے ہیں۔ منی کبھی کبھی نکلتی ہے۔ اگر پیشاب پاخانہ سے غسل واجب ہوتا۔ تو مسلمانوں کو بہت تکلیف ہوتی۔ دیکھو نمازیں دن رات میں پانچ مگر روزے سال میں ایک بار وہ بھی صرف ایک ماہ کے۔ کیونکہ روزے میں مشقت زیادہ ہے۔ (از روح البیان) اس قسم کے سوال جواب ہر عبادت معاملات کے متعلق ہماری کتاب اسرار الاحکام میں دیکھو۔ **نواں اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ وضو کے لئے نماز کا ذکر فرمایا مگر غسل کے لئے نماز کا ذکر نہیں۔ وہاں فرمایا **وان کنتم جنبا** حالانکہ نماز کے لئے وضو غسل دونوں ضروری ہیں۔ **جواب** دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ وضو صرف نماز کے لئے فرض ہے۔ دوسری عبادات کے لئے نہیں۔ مگر غسل نماز تلاوت قرآن طواف مسجد میں جانے قرآن چھونے وغیرہ تمام بدنی عبادات کے لئے ضروری ہے۔ حتیٰ کہ روزے میں بے وضو بن جانا جائز ہے۔ مگر صحبت کرنا حرام ہے دوسرے یہ کہ بلاوجہ بے غسل رہنا ممنوع ہے۔ بے وضو رہنا ممنوع نہیں ان وجوہ سے وضو کے لئے **واذا قمتم** فرمایا اور غسل کے لئے **وان کنتم**۔

تفسیر صوفیانہ نماز جسمانی کے لئے کئی طہارتیں درکار ہیں۔ کپڑا پاک ہو۔ جگہ پاک ہو۔ جسم پاک ہو۔ پھر جسم کی پاکی کی چند صورتیں ہیں۔ ظاہری گندگی سے پاک ہو۔ حکمی گندگی سے پاک ہو پھر حکمی طہارت دو قسم کی ہے چھوٹی طہارت وضو اور بڑی طہارت غسل۔ اسی طرح جنانی روحانی 'ایقانی' عرفانی نماز کے لئے بھی بہت طہارتیں ضروری ہیں چھوٹی طہارتیں دس لازم ہیں۔ دل کی پاکی ماسواء اللہ سے۔ روح کی پاکی بذریعہ مشاہدہ سینے کی پاکی بذریعہ امید و قناعت۔ سر کی پاکی بذریعہ حیاء و ہیبت' پیٹ کی پاکی حلال غذا اور محرمات و مشتبہات سے بچنے کے ذریعے۔ بدن کی پاکی ترک شہوات کے ذریعہ ہاتھوں کی پاکی بذریعہ تقویٰ و کوشش۔ زبان کی پاکی ذکر و استغفار کے ذریعہ۔ جب یہ پاکیاں ان پانیوں کے ذریعہ حاصل ہو جاویں۔ تب یہ نماز شروع کی جائے۔ اگر طالب مولیٰ غیر کی طرف متوجہ ہو کر دل کا جنبی ہو جائے۔ اسے چاہیے کہ سارے اندرون کا غسل کرے کہ نفس کے گناہوں سے دل کو فخر و ریا سے دماغ کو خیال غیر سے بلکہ اپنے کو اپنے وجود سے پاک کرے۔ کہ نفس کو گناہوں سے۔ لذت دنیا کو توبہ ندامت 'اخلاص کے پانی سے دھوئے۔ تب اس مسجد قرب میں آنے اور رب سے مناجات کی نماز کے قابل ہو گا۔ (روح البیان) غرض کہ شریعت کی نماز کا وضو غسل ظاہری اعضاء کا ہوتا ہے۔ ظاہری پانی سے اور حقیقت معرفت کی نماز کا وضو باطنی اعضاء کا ہوتا ہے۔ تو یہ ندامت وغیرہ کے پانی سے شریعت کی نماز کے ارکان سجدہ و سجود ہیں۔ اس نماز کے رکن ترک وجود ہے۔ **شعر:**

☆ نماز عابداں سجدہ سجودے ☆ نماز عاشقاں ترک وجودے ☆

مگر شریعت کی نماز فرض سب پر ہے۔ گنہگار ہو یا ولی۔ وہ نماز کسی کسی کو میسر ہوتی ہے اللہ اس قال کو حال بنادے اور وہ نماز بھی نصیب کرے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

اور اگر ہو تم بیمار یا اوپر سفر کے یا آئے کوئی تم میں سے پاخانہ سے یا چھوا تم

اور اگر تم بیمار یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے

النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ

عورتوں کو پس نہ پاؤ تم پانی پس قصد کرو تم مٹی پاک کا پس مسح کرو تم اپنے چہروں

صحبت کی اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں سے

اَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ

کا اور اپنے ہاتھوں کو اس سے نہیں ارادہ کرتا ہے اللہ کہ بنائے اوپر تمہارے کوئی تنگی اور لیکن

مسح کرو اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی رکھے ہاں یہ

یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝

ارادہ کرتا ہے کہ پاک کرے تم کو اور کہ پورا کردے اپنی نعمت کو اوپر تمہارے شاید کہ تم شکر کرو

چاہتا ہے کہ تمہیں خوب ستھرا کرے اور اپنی نعمت پوری کرے تم پر کہ کہیں تم احسان مانو

تعلق اس جملہ کا پچھلے جملہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلے جملہ میں حقیقی وضوو غسل کا ذکر تھا۔ اب حکمی وضوو غسل کا ذکر ہے یعنی تیمم وضواور تیمم غسل کا چونکہ وضواور غسل اصل تھا تیمم ان کا نائب اس لئے اصل کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور نائب کا ذکر بعد میں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی عبارت میں چھوٹی بڑی طہارتوں کی وہ صورت بیان ہوئی اس لئے الگ طریقوں سے ادا کی جاتی ہیں کہ وضو کا طریقہ اور تھا غسل کا طریقہ اور ان کے ارکان بھی الگ الگ ہیں۔ کہ وضو کے فرض چار غسل کے فرض تین اب اس چھوٹی بڑی طہارت کی وہ صورت بیان ہو رہی ہے۔ جن کا طریقہ اور رکن ایک ہی ہے۔ صرف نیت کا فرق ہے۔ یعنی تیمم کہ غسل اور وضودونوں کے تیمم بالکل ایک ہی ہیں۔ دونوں تیمموں کے رکن صرف دو بار جنس زمین پر ہاتھ مارنا ہے۔ صرف نیت میں فرق ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلے جملہ میں وہ طہارت بیان فرمائی گئی۔ جو تمام امتوں کو دی گئی یعنی وضواور غسل اب اس طہارت کا ذکر ہے جو مسلمانوں کے سوا کسی دین والوں کو نہ ملی۔ یعنی تیمم کہ تیمم صرف اسلام ہی میں ہے اور کسی دین میں نہ تھا۔ **شعر:**

☆ شد وجودش رحمتہ اللعالمین ☆ مسجد او شد ہمہ روئے زمین ☆

وجہ نزول تیمم کا ذکر سورہ نساء میں ہو چکا ہے۔ اب سورہ مائدہ میں وضواور غسل کا حکم ہوا اور سورہ مائدہ احکام کی آخری سورت ہے۔ جس کے سارے احکام محکم ہیں۔ اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید وضواور غسل سے تیمم کا حکم منسوخ ہو چکا ہو

گا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے یہاں وضو و غسل کے بعد پھر تیمم کا ذکر فرمادیا تاکہ معلوم ہو کہ حکم تیمم وضو و غسل کے احکام آجانے پر بھی باقی ہے منسوخ نہیں ہوا اور مسلمان مجبوری کی حالت میں اب بھی تیمم کر سکتے ہیں (روح المعانی)

تفسیر **وان کنتم مرضی** یہ پوری آیت **بعینیہ** سورت نساء میں گزر چکی ہے وہاں ہی اس کی تفسیر اور اس پر مکمل بحث کی جا چکی ہے۔ یہاں بقدر ضرورت کچھ عرض کیا جائے گا۔ **مرضی** جمع مریض کی ہے اور مریض سے وہ بیمار مراد ہے جس کو پانی سے وضو یا غسل کرنا مضر ہو یا اس طرح کہ اس سے مرض بڑھ جاوے یا اس طرح کہ اس سے صحت دیر میں حاصل ہو۔ اگر جنبی یا بے وضو کے بعض اعضاء پر زخم ہوں۔ جنہیں پانی نقصان دے اور بعض اعضاء صحیح ہوں تو وہ تندرست اعضاء کو دھوئے اور زخمی اعضاء کے لئے تیمم کرے۔ یوں ہی اگر وضو یا غسل میں پانی کم پڑ گیا۔ بعض اعضاء دھل گئے بعض سوکھے رہ گئے تو ان خشک اعضاء کے لئے تیمم کرے۔ غرض کہ غسل و تیمم یوں ہی وضو و تیمم کا اجتماع درست ہے۔ ہم اس کا ذکر بحوالہ تفسیر خازن و کتب فقہ پانچویں پارے میں سورہ نساء میں کر چکے ہیں۔ وہاں مطالعہ فرماؤ۔ یوں سمجھو کہ جیسے زکوۃ کے لئے مختلف مالوں کے مختلف نصاب میں سونے کی زکوۃ کا نصاب کچھ اور ہے چاندی کا نصاب کچھ اور پیداوار کا نصاب اور۔ جانوروں کا نصاب کچھ اور۔ یونہی نماز بیٹھ کر پڑھنے کی بیماری کی حد کچھ اور ہے روزہ قضاء کرنے کی بیماری کی حد کچھ اور بلکہ روزہ توڑ دینے کی بیماری کی حد اور۔ تیمم جائز ہونے کی بیماری کی حد کچھ اور یہاں تیمم جائز کرنے والی بیماری کا ذکر ہے۔ اگر کوئی امیر آدمی گرمیوں میں اپنے وطن میں روزہ نہ رکھ سکے تو ٹھنڈے پہاڑ پر جا کر روزہ رکھے۔ یونہی کوئی بیمار آدمی ٹھنڈے پانی سے وضو نہ کر سکے تو گرم پانی سے کرے۔ تیمم ہرگز نہ کرے علی سفر یہ عبارت مرضی پر معطوف ہو کر **کنتم** کی خبر ہے علی سفر سے مراد ہے راستہ میں ہونا کسی جگہ بستی میں ٹھہرا ہوا نہ ہونا۔ کہ بستی میں عموماً پانی مل جاتا ہے۔ سفر سے مراد شرعی سفر نہیں۔ جس میں قصر ہوتا ہے۔ مطلقاً راستہ یا جنگل میں ہوتا ہے جہاں کہ پانی نہ ملے۔ خلاصہ یہ کہ تیمم کے جواز کی دو صورتیں ہیں۔ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا اور پانی موجود نہ ہونا۔ پہلی صورت کو "مرضی" میں بیان فرمایا اور دوسری صورت کو علی سفر نے بیان فرمایا یعنی جب تم پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو بیماری کی وجہ سے یا تمہارے پاس موجود نہ ہو۔ **اوجاء احد منکم من الغائط** ہو سکتا ہے کہ یہ او بمعنی واؤ ہو اور اس عبارت کا تعلق علی سفر سے ہو اور یہ تیمم کے وجوب کی ایک صورت کا بیان ہو **منکم** میں خطاب ہر اس مسلمان سے ہے..... جس پر نماز فرض ہو۔ لہٰذا اس سے **حائضہ** اور نفاس والی عورت علیحدہ ہے۔ **غائط** نشیبی زمین کو کہتے ہیں اس کی جمع ہے غیطان۔ جیسے حائط کی جمع ہے حیطان۔ اہل عرب حاجت پوری کرنے کے لئے نشیبی جگہ تلاش کر کے بیٹھتے تھے۔ تاکہ پردہ رہے اور قضائے حاجت پوری کرنے کو کہتے ہیں غائط سے آنا جیسے آج کل بعض دیہاتی اسے جنگل پھر کے آنا کہتے ہیں یہ نہایت نفیس و باریک کنایہ ہوتا ہے یعنی جب تم بستی سے باہر ہو۔ راہ طے کر رہے ہو اور تم مسافروں میں

سے کوئی غائط سے آئے (جنگل پھر کر آئے) مطلب وہ ہی ہوا کہ پیشاب یا پاخانہ کرکے آئے۔ خیال رہے کہ اب پاخانہ کی عمارت کو بھی عربی میں غائط کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اور آج کل کی عربی میں مرحاض کہتے ہیں۔ **او لمستم النساء** یہ **او** اپنے معنی میں ہے۔ اور یہ عبارت **جاء احد منکم** پر معطوف ہے اس تیمم کی دوسری صورت کا بیان ہے۔ یعنی غسل کا تیمم **لمستم** بنا ہے **ملامسة** سے جس کا مادہ ہے لمس، عرف میں لمس کہتے ہیں چھونے کو اور ملامسہ کہتے ہیں صحبت کرنے کو۔ نساء سے مراد بیوی یا لونڈی ہیں۔ کیونکہ یہاں **لا مستم** میں حلال صحبت مراد ہے اور ہو سکتا ہے۔ کہ **لا مستم** سے مراد ہو چمٹنا۔ پورا پورا چھونا جس سے تمام جسم عورت کے تمام جسم سے مل جائے۔ پورا مس ہو جائے جسے مباشرت فاحشہ کہا جاتا ہے۔ یعنی عورت سے ننگے ہو کر چمٹنا کہ شرمگاہیں مل جاویں اس سے وضو ٹوٹتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ وضو تم پر واجب ہو جاوے یا اس لئے کہ تم نے پیشاب پاخانہ کر دیا اس لئے کہ بیوی سے چمٹو۔ مگر پہلے معنی نہایت ہی موزوں ہیں کہ اس میں وضو و غسل دونوں کے تیمموں کا ذکر ہو جائے گا۔ **فلم تجدوا ماء** اس عبارت کا تعلق **جاء احد** اور **لمستم** دونوں سے ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ نہ پانے سے مراد پانی موجود نہ ہونا ہے۔ اور اس کا تعلق **او علی سفر** سے ہے **ماء** سے مراد بقدر کفایت پانی۔ ہے۔ یعنی اگر تم سفر میں راستہ طے کر رہے ہو اور اس حال میں تم مسافروں ہی سے کوئی پیشاب پاخانہ کرے۔ جس سے اس پر وضو واجب ہو جائے یا اپنی بیوی لونڈی سے صحبت کرے جس سے اس پر غسل واجب ہو جاوے اور وضو یا غسل کے لائق پانی پائے نہیں کہ نہ راستہ میں پانی ہو نہ اپنے پاس سواری میں ہو۔ بعض مفسرین نے **لم تجدوا** کے معنی کئے ہیں تم پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو خواہ اس لئے کہ پانی ہو مگر تم وضو یا غسل نہ کر سکو بیماری کی وجہ سے خواہ اس لئے کہ پانی موجود ہی نہ ہو اس صورت میں اس عبارت کا تعلق مرضی اور علی سفر دونوں سے ہو گا اور معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم بیمار یا مسافر ہو اور پھر پیشاب یا پاخانہ یا بیوی سے صحبت کر لو اور پانی استعمال نہ کر سکو کہ بیمار ہو یا پانی موجود نہیں تو **فتیمموا صعیدا طیبا** یہ جملہ گزشتہ عبارت کی جزا ہے اور ف جزائیہ ہے **تیمموا** بنا ہے **یمم** سے جو اصل میں امم تھا۔ بمعنی قصد و ارادہ کرنا اسی سے ہے۔ امت اور امام امت۔ وہ جماعت جو کسی پیشوا کی پیروی کا ارادہ کرے۔ امام وہ پیشوا جس کی پیروی کا ارادہ کیا جائے **صعید** صفت مشبہ ہے اس کا مصدر صعود ہے۔ بمعنی چڑھنا۔ اونچا ہونا **صعید** بمعنی اونچی چیز۔ ظاہری چیز یعنی زمین کا ظاہری حصہ۔ خواہ مٹی ہو یا ریت یا پتھر یا کوئی اور جنس زمین کی چیز یہ ایک لفظ تمام ان چیزوں کو شامل ہے۔ طیب بمعنی طاہر ہے۔ طہارت ظاہری پاکی کو کہتے ہیں اور طیب باطنی کو۔ یہاں ظاہری پاکی مراد ہے۔ یعنی اگر یہ حالت ہوں تو ظاہری پاک زمین کا ارادہ کرو۔ اسے استعمال کر لو۔ چونکہ تیمم میں نیت شرط ہے اور وضو میں شرط نہیں اسی لئے وضو میں قصد و ارادہ کا ذکر نہ فرمایا **فاغسلوا** الخ فرمایا۔ اور یہاں پہلے ہی مسح کا ذکر نہ فرمایا پہلے بلکہ مسح قصد کا پھر مسح کا۔ **فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منه** یہ جملہ معطوف ہے۔ پہلے جملہ **فیتمموا** پر ف عاطفہ **تعقیبیہ** ہے۔ مسح کے معنی ابھی پچھلی آیت میں بیان ہو چکے۔ چھونا' ہاتھ پھیرنا' چہرے اور ہاتھوں

کی حد تیمم میں بھی وہی ہے جو وضو میں تھی۔ کیونکہ تیمم وضو کا نائب ہے۔ ب زائدہ ہے۔ کیونکہ مسح خود ہی متعدی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ تیمم میں وضو کی طرح تمام چہرے پر ہاتھ پھیرنا فرض نہیں۔ اگر کچھ حصہ باقی بھی رہ جائے۔ جہاں ہاتھ نہ پہنچے۔ تب بھی تیمم جائز ہے۔ وضو میں اگر بال برابر جگہ خشک رہ جائے تو وضو نہ ہو گا۔ اس لئے یہاں ب زائدہ لائی گئی۔ ہاتھ پر بھی کہنیوں تک ہی مسح کیا جائے گا۔ لہذا دونوں کے لئے ب فرمانا موزوں ہے **منه** کا من ابتدائیہ ہ ضمیر **صعید** کی طرف راجع ہے۔ یعنی اس ظاہر زمین سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو خواہ اس طرح کہ اس پر ہاتھ مار کر مسح کرو یا اس طرح کہ آندھی وغیرہ سے تمہارے چہروں ہاتھوں پر غبار موجود ہو۔ تم ہاتھ پھیر لو **منه** ان دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ غرض کہ تیمم میں مسح فرض ہے۔ زمین پر ہاتھ مارنا فرض نہیں۔ اس لئے یہاں مسح کا ذکر ہوا۔ ہاتھ مارنے کا ذکر نہ ہوا اس کے لئے **تیمموا** فرمایا گیا۔ یعنی قصد کرو اضربوا نہ فرمایا **ما یرید اللّٰه لیجعل علیکم من حرج** اس عبارت کا تعلق یا تو صرف تیمم کے حکم سے ہے۔ یا وضو غسل و تیمم سب سے یہ ان تمام کی علت یا حکمت ہے۔ **لیجعل** میں لام زائدہ ہے اور **لیجعل** الخ **یرید** کا مفعول ہے **علیکم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ خصوصاً نمازوں سے حرج کے معنی ہیں تنگی یا دشواری **جعل** اگر خلق کے معنی میں ہو تو ایک مفعول چاہتا ہے۔ اگر بنانے کے معنی میں ہو۔ تو دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے۔ یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی طہارت میں یہ آسانیاں کہ نماز کے لئے صرف وضو کا حکم دیا۔ ہر نماز کے لئے غسل فرض نہ فرمایا اور پانی نہ ملنے یا پانی معتر ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم دیا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اے مسلمانوں اللہ تعالٰی تم پر تنگی فرمانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ تم اس کے محبوب کی امت ہو۔ دوسری امتوں پر سخت احکام تھے۔ خیال رہے کہ ناممکن چیزوں کا حکم کسی امت کو نہ دیا گیا اور دشوار چیزوں کا حکم اس امت مرحومہ کو نہیں دیا گیا۔ یہاں یہ ہی بتایا ہے کہ ہم نے تم کو مشکل و دشوار احکام نہیں دیئے۔ آسان حکم دیئے **ولکن یرید لیطهرکم** یہ جملہ وضو۔ غسل اور تیمم کے احکام کی حکمتیں بیان فرما رہا ہے۔ یہاں بھی **لیطهرکم** مفعول ہے **یرید** کا اور لام زائدہ ہے۔ **کم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے **یطهر** بنا ہے **تطهیر** سے۔ معنی خوب پاک وصاف فرما دینا۔ اس کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ وضو سے صرف وہ اعضاء پاک ہوں گے جن کو پانی لگے نہیں بلکہ تم دھوگے چار اعضاء اور اس سے پاک ہو جائے گا تمہارا سارا جسم پیشاب، پاخانہ سے تمام جسم پر حدث (بے وضو ہونا) طاری ہو گیا تھا ہم نے چار اعضاء دھلوا کر سارا جسم پاک فرما دیا۔ یہ اس کا کرم ہے۔ دوسرے یہ کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ تیمم سے تمہارے جسم پر ناپاکی رہے گی۔ صرف دب جائے گی۔ اور تم کو اس دبی ہوئی نجاست کے باوجود نماز کی اجازت دے دی جائے گی۔ نہیں بلکہ جیسے وضو ناپاکی دور کر دیتا ہے یوں ہی تیمم ناپاکی بالکل دور کر دیتا ہے۔ اور تم تیمم سے بھی یونہی پاک ہو جاتے ہو۔ جیسے وضو سے پاک ہوتے ہو۔ تیسرے یہ کہ تم یہ نہ گمان کرنا کہ وضو غسل یا تیمم سے صرف ظاہری جسم پاک ہو گا۔ اور تم کو نماز کی اجازت ہو جائے گی۔ بلکہ رب تعالٰی وضو وغیرہ سے تم کو گناہوں خطاؤں سے بھی

پاک فرما دیتا ہے۔ یہ وضو وغیرہ تمہارے جسم ‘دل ‘دماغ خیال کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ جب انسان وضو میں ہاتھ دھوتا ہے۔ تو اس کے ہاتھوں سے کئے ہوئے سارے گناہ (صغیرہ) معاف ہو جاتے ہیں۔ جب کلی کرتا ہے۔ تو منہ سے کئے ہوئے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ جب منہ دھوتا ہے تو آنکھوں کے کئے ہوئے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر کے گناہ (بدگمانی ‘برے خیالات) معاف ہو جاتے ہیں۔ جب پاؤں دھوتا ہے۔ تو پاؤں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ وضو کی برکت سے بندہ پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ہمارا غسالہ اچھا نہیں۔ اس کے پینے سے مرگی کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ یہ پانی ہمارے گناہ لے کر گرتا ہے۔ حضور کا غسالہ شفا ہے کہ وہ نور سے مس ہو کر گرا ہے۔ اس کا بیان انشاء اللہ فوائد میں ہو گا۔ غرض کہ اس عبارت کا تعلق یا صرف وضو سے ہے یا وضو غسل دونوں سے ہے یا صرف تیمم سے۔ خیال رہے کہ جیسے طبی لحاظ سے بعض اعضاء پر دوا لگانا دوسرے عضو کو فائدہ دیتا ہے۔ کہ تلووں میں نمک و گھی کی مالش کرو تو آنکھوں میں دماغ میں ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ دل خوش ہو تو چہرہ کھل جاتا ہے۔ دل غمگین ہو تو چہرہ مرجھا جاتا ہے۔ یونہی طب ایمانی کے علاج کا اثر ہے۔ کہ چار اعضاء دھونے سے باقی دوسرے اعضاء بھی پاک ہو جاتے ہیں قالب کو پاک وصاف کرنے سے قلب دماغ خیالات ارادے۔ نیت پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔ **ولیتم نعمتہ علیکم** یہ جملہ **لیطھرکم** پر معطوف ہے۔ **یرید** کا مفعول ہے۔ اس میں وضو وغیرہ کی دوسری حکمت کا ذکر ہے۔ اتمام سے مراد نعمت کا مکمل کر دینا ہے ہم اتمام اور اکمال کا فرق **الیوم اکملت لکم دینکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ نعمت سے مراد یا دنیاوی نعمت ہے۔ یا اخروی نعمت ‘دنیاوی نعمت تو وہ ثواب ہے۔ جو غسل و وضو کرنے والے کو عطا ہوتا ہے۔ ہر عضو کے دھونے پر الگ ثواب ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔ اور اخروی نعمت قیامت کے دن اعضاء وضو کا چمکنا ہے۔ جس سے مسلمان دوسری امتوں سے ممتاز ہوں گے۔ خیال رہے کہ وضو پچھلی امتوں میں بھی تھا۔ مگر اس کے یہ مذکورہ فوائد صرف مسلمانوں کو عطا ہوئے۔ اس لئے یہاں پہلے جملے میں **کم** اور اس جملہ میں **علیکم** فرمایا گیا۔ یعنی وضو کی یہ طہارت وصفائی اور وضو پر یہ انعام واکرام صرف تمہارے لئے ہیں۔ اگرچہ وضو دوسری امتوں کو عطا ہوا۔ **لعلکم تشکرون** اس عبارت میں ان نعمتوں کی عطا پر شکریہ کرنے کا نفیس حکم دیا گیا۔ شکر کے معنی اور اس کے اقسام و احکام ہم دوسرے پارے میں **واشکروا لی ولا تکفرون** کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ یہاں شکر سے مراد وضو و نماز کی پابندی اور رب تعالیٰ کا دل سے احسان ماننا ہے۔ کہ اس نے ہم کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں وضو ‘غسل تیمم کی اعلیٰ نعمتیں عطا فرمائیں۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانوں تم یہ تو سن چکے کہ تم پر چھوٹے حدث میں ہر نماز کے لئے وضو کرنا فرض ہے۔ اور بڑے حدث میں غسل کرنا ضروری۔ ان دونوں طہارتوں وضو اور غسل میں پانی کا استعمال ہوتا ہے۔ اگر ایسا اتفاق ہو کہ تم بیمار ہو اور تمہیں پانی کا استعمال نقصان دے۔ یعنی پانی موجود ہو مگر اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو یا تم بستی سے باہر جنگل میں گزر

رہے ہو۔ پانی نہ وہاں جنگل میں ہے نہ تمہارے پاس سواری میں۔ تمہاری حالت تو یہ ہو اور تم نے پیشاب پاخانہ کرلو۔ جس سے بے وضو ہو جاؤ یا اس مجبوری کی حالت میں اپنی بیویوں سے صحبت کر بیٹھو۔ جس سے تم پر غسل فرض ہو جائے۔ تم پانی پاؤ نہیں تو تم پریشان نہ ہوؤ بلکہ ایسے حالات میں پاک زمین کی طرف رخ کرلو۔ ادھر کا قصد کرو کہ اس سے تیمم کرلو اور اس زمین سے ہاتھ لگا کر اپنے کہنیوں تک ہاتھوں کا مسح کرلو۔ وضو اور غسل دونوں کا یہی تیمم ہے۔ یہ تمام احکام اس لئے بیان کئے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر پچھلی امتوں کی تنگی فرمائے۔ تم محبوب کی امت ہو۔ تمہارے لئے احکام آسان اور ثواب زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں ان وضو' تیمم' غسل کے ذریعہ خوب اچھی طرح پاک صاف فرما دے کہ تم وضو میں دھو صرف چار اعضاء مگر پاک ہو جاوے سارا جسم۔ نیز وضو کا پانی لگے تو ظاہری جسم کو اور پاک ہو جائے۔ دل' دماغ بھی اور اس وضو سے تمہارے سارے گناہ بھی معاف ہو جائیں نیز رب چاہتا ہے۔ کہ تم پر اپنی نعمت کامل فرماوے کہ اس وضو سے دنیا میں تم کو ثواب ملے۔ آخرت میں تمہارے اعضاء وضو چمکیں۔ تم مقرب بارگاہ الٰہی ہو جاؤ۔ یہ نعمتیں تم کو اس لئے دی ہیں کہ تم بندہ شاکر بنو۔ اس شکریہ میں ہمیشہ وضو و نماز کامل طریقہ سے ادا کرو۔ خیال رہے کہ اکمال کے معنی بھی ہیں پورا کرنا اور اتمام کے معنی بھی ہیں پورا کرنا۔ مگر اجزاء پورے کر کے ذات کو پورا کر دینا اکمال ہے۔ اور صفات کو پورا کر دینا اتمام یہاں وضو' غسل وغیرہ کے متعلق یتم فرمایا گیا۔ کیونکہ گزشتہ امتوں کے وضو اور غسل اجزاء کے لحاظ سے کم نہ تھے۔ ان کے وضو میں چار اعضاء دھلتے تھے۔ غسل میں تمام جسم' اسلامی وضو و غسل میں بھی یہی چیزیں دھلتی ہیں۔ مگر صفات میں فرق ہے کہ ان کے وضو صرف نماز کی چابی تھے۔ ہمارا وضو نماز کی چابی بھی ہے۔ گناہوں کا کفارہ بھی اور کل قیامت میں چہرے اور ہاتھ پاؤں کا نور بھی۔ لہٰذا یہ عبادات ان کے لئے نعمت تھیں اور ہمارے لئے تمام نعمت۔ پھر نعمتیں دو قسم کی ہیں ایک ظاہری نعمت جو بظاہر نعمت بھی ہوں اور باطن بھی نعمت دوسری نعمت باطنیہ جو بظاہر تکلیف دہ ہوں۔ در حقیقت نعمت۔ باپ اپنے بچے کو اعلیٰ غذائیں۔ پھل لباس دیتا ہے۔ یہ ظاہری نعمتیں ہیں اور علم بھی سکھاتا ہے۔ اس پر سختی بھی کرتا ہے۔ یہ باطنی نعمت ہے۔ یہاں نعمت سے مراد باطنی نعمت ہے۔ کہ وضو و نماز بظاہر سختی ہے پابندیوں کا مجموعہ ہے۔ ایک نماز انسان کو پابندیوں میں جکڑ دیتی ہے۔ نمازی آدمی کا سونا جاگنا۔ پابندی کا کپڑوں جسم پر پابندیاں جماعت کا سچا پابند بلاوجہ سفر نہیں کرتا مگر حقیقت میں یہ ہیں نعمتیں۔ یہاں نعمت سے مراد نعمت باطنیہ ہے۔

نکتہ عجیبہ اس پوری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے چند دوہری عبادتیں بیان فرمائیں۔ دو طہارتیں ایک اصل ایک بدل۔ چنانچہ وضو اصل ہے۔ تیمم بدل۔ یوں ہی غسل اصل ہے۔ تیمم اس کا بدل۔ ان طہارتوں کے دو سبب۔ وضو کا سبب چھوٹا حدث۔ غسل کا سبب بڑا حدث۔ تیمم کی دو وجہیں۔ پانی نہ ملنا۔ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا۔ تیمم کی دو قسمیں۔ چھوٹے حدث سے تیمم یعنی تیمم وضو اور بڑے حدث سے تیمم یعنی تیمم غسل۔ تیمم کے دو رکن۔ یعنی دو دفعہ ہاتھ مٹی سے لگانا۔ ایک بار چہرے کے مسح کے لئے دوسری بار ہاتھ کے مسح کے لئے۔ پھر ان کے چھ فائدے بیان فرمائے۔ خوب

پاک ہونا۔ اور رب تعالیٰ کی نعمت کا کامل ہونا جیسا کہ ابھی تفسیر سے معلوم ہوا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ تیمم جائز ہونے کی صرف دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پانی موجود نہ ہو دوسرے یہ کہ پانی تو ہو مگر اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو۔ یہ فائدہ **ان کنتم مرضی او علی سفر** سے حاصل ہوا۔ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک ایسی بیماری جس میں پانی کا استعمال مضر ہو۔ دوسرے پانی پر دشمن یا موذی جانور کا قبضہ جو پانی نہ لینے دے۔ جیسے کربلا میں حضرت سید الشہداء جناب حسین رضی اللہ عنہ کو پیش آیا۔ تیسرے یہ کہ وضو کرنے سے ایسی نماز فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جس کی قضا نہیں جیسے نماز عیدین یا نماز جنازہ۔ اگر یہ جاری ہوں تو تیمم کرکے نماز ادا کرے۔ مگر نماز جنازہ میں یہ حکم غیرولی کے لئے ہیں۔ دوسرا فائدہ تیمم وضو کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ اور غسل کے لئے بھی۔ مگر دونوں تیمم ایک ہی طرح ہوں گے۔ یعنی منہ اور ہاتھوں پر مسح سے صرف نیت کا فرق ہو گا۔ یہ فائدہ **او جاء احد منکم** الخ اور **او لمستم النساء** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ سفر یا بیماری میں جب کہ غسل ناممکن ہو اپنی بیوی سے صحبت کرنا بالکل جائز ہے۔ پانی کے خوف سے صحبت ممنوع نہیں۔ یہ فائدہ بھی **لمستم** سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ عربی زبان خصوصاً قرآن مجید کی زبان بہت ہی مہذب ہے۔ کہ اس میں شرمیلے مضمون کو اشارۃً کنایۃً سے بیان کیا جاتا ہے دیکھو یہاں بیوی سے صحبت کو کس قدر لطیف اشارہ سے بیان فرمایا۔ **لا مستم** فرمایا اس کے لئے صریحی لفظ بھی عربی میں ہے۔ **نیک** مگر سارے قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال نہیں ہوا۔ پانچواں فائدہ تیمم میں نیت شرط ہے۔ وضو میں نیت شرط نہیں۔ دیکھو یہاں بیان تیمم میں **فتیمموا صعید** الخ علیحدہ فرمایا اور **وامسحوا بوجوھکم** علیحدہ فرمایا۔ تیمم کے معنی ہیں۔ ارادہ کرنا' قصد کرنا' نیت کرنا مگر وضو کے بیان میں صرف **فاغسلوا وجوھکم** الخ فرمایا۔ وہاں قصد یا ارادہ کا ذکر نہیں۔ لہٰذا یہ آیت امام اعظم کی قوی دلیل ہے۔ چھٹا فائدہ تیمم کے لئے مٹی شرط نہیں بلکہ ہر جنس زمین سے ہو سکتا ہے۔ جنس زمین وہ ہے جو زمین سے نکلے اور آگ میں نہ پگھلے نہ راکھ بنے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں **ترابا** طیبہ نہ فرمایا بلکہ **صعیدا طیبا** فرمایا۔ ساتواں فائدہ تیمم صرف پاک مٹی وغیرہ سے ہو سکتا ہے۔ ناپاک سے نہیں ہو سکتا یہ فائدہ طیبا سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ تیمم میں جنس زمین یعنی مٹی وغیرہ پر ہاتھ مارنا فرض نہیں بلکہ مسح یعنی چہرے اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لینا فرض ہے۔ لہٰذا اگر چہرے اور ہاتھوں پر غبار پہلے ہی ہو یہ اس پر ہاتھ پھیرے تو تیمم ہو جائے گا۔ ہاں جب ہاتھ اور چہرہ صاف ہو تو پھر زمین وغیرہ پر مارنا فرض ہو گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں **اضربوا ایدیکم** نہ فرمایا۔ بلکہ **فامسحوا** فرمایا یعنی **صعید طیبا** کا بھی ذکر فرمایا اور مسح کا ذکر فرمایا۔ ہاتھ مارنے کا ذکر نہ فرمایا نواں فائدہ تیمم بھی وضو و غسل کی طرح حدث (حکمی ناپاکی) کو بالکل دور کرکے انسان کو پاک کر دیتا ہے۔ یہ نجاست یعنی حدث کا ساتر (چھپانے والا) نہیں جیسا کہ **لیطھرکم** سے معلوم ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے تیمم کے حکم کے بعد فرمایا کہ ہم تم کو پاک کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت امام اعظم کی دلیل ہے۔ نوٹ امام اعظم

تیمم کو وضو کی طرح نجاست یعنی حدث کا مزیل مانتے ہیں۔ امام شافعی صرف ساتر مانتے ہیں۔ اس پر بہت سے مسائل فقیہ کا استخراج ہوتا ہے۔ دسواں فائدہ تیمم مسلمانوں کے سوا کسی امت کو نہ ملا۔ یہ اسلام کی خصوصیات سے ہے۔ یہ فائدہ **ولیتم نعمتہ** سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ وضو' تیمم اور غسل سے صرف مغسولہ اعضاء ہی پاک نہیں ہوتے۔ بلکہ تمام جسم پاک ہو جاتا ہے یہ فائدہ **لیطھرکم باب تفعیل** سے حاصل ہوا۔ **بارہواں فائدہ** وضو' غسل تیمم سے صرف ظاہری جسم ہی پاک نہیں ہوتا۔ بلکہ دل' دماغ سب چیزیں پاک ہو جاتی ہیں یہ فائدہ بھی **لیتم نعمتہ** سے حاصل ہوا۔ **تیرہواں فائدہ** اگرچہ وضو پچھلی امتوں میں بھی تھا مگر وضو کے یہ خصوصی فوائد جو ابھی ذکر ہوئے اور بروز قیامت اعضاء وضو کا چمکنا صرف اسی امت کو عطا ہوئے اور ہوں گے۔ یہ فائدہ بھی **لیتم نعمتہ** کے ساتھ **علیکم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چودھواں فائدہ** حقیقی ناپاکی تو ہر تپلی چیز سے پاک ہو جاتی ہے۔ جو نچوڑی جا سکے۔ جیسے شربت' دودھ شوربا وغیرہ مگر وضو اور غسل صرف پانی سے ہی ہو سکتے ہیں۔ کسی اور چیز سے نہیں ہو سکتے۔ یہ فائدہ **وان لم تجدوا ماء** الخ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ پانی نہ ملنے پر تیمم کا حکم دیا گیا۔ **لہٰذا** اگر شوربا دودھ ہو پانی نہ ہو۔ **تو** تیمم کرو وضو نہ کرو۔

پہلا اعتراض تم نے کہا کہ پانی استعمال نہ کر سکنے کی تین صورتیں ہیں۔ بیماری' پانی پر دشمن کا مسلط ہونا اور نماز جنازہ یا عیدین جاتے رہنے کا اندیشہ۔ مگر قرآن کریم نے صرف ایک وجہ بیان فرمائی **وان کنتم مرضی** یعنی بیماری۔ تم نے اور دو کہاں سے نکالیں **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ **جواب الزامی** تو یہ ہے کہ قرآن کریم نے وضو توڑنے والی صرف ایک چیز بیان فرمائی۔ پاخانہ سے آنا کہ فرمایا **اوجاء احد منکم من الغائط** پھر آٹھ چیزیں کہاں سے نکالی گئیں۔ جہاں سے وہ آٹھ چیزیں آئیں وہاں سے ہی یہ دو بھی آ سکتی ہیں۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ قرآن مجید متن ہے۔ حدیث شریف شرح فقہ گویا اس کا حاشیہ 'متن کو حاشیہ اور شرح واضح کرتا ہے یہ چیزیں حدیث پاک اور فقہ سے حاصل ہوئیں۔ یہاں قرآن مجید نے دو وجہوں کا اجمالی ذکر فرمایا ہے پانی استعمال نہ کر سکنے کو **مرضی** سے بیان کیا اور پانی نہ ملنے کو **علی سفر** سے۔ باقی رہی تفصیل وہ بولتے ہوئے قرآن کریم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تابعین علماء نے بیان فرمائیں۔ **دوسرا اعتراض** یہاں **لمستم النساء** سے مراد ہے عورتوں کو چھونا۔ انہیں ہاتھ لگانا۔ عورت کو چھونا وضو توڑ دیتا ہے۔ صحبت کرنا مراد نہیں۔ **جواب لامستم** کے یہ معنی کرنے سے تین خرابیاں ہوں گی۔ ایک یہ کہ اس صورت میں بڑے حدث یعنی جنابت کے تیمم کا ذکر نہ ہو گا۔ حالانکہ یہاں دونوں حدثوں کے تیمم کا ذکر فرمانا مقصود ہے۔ آیت ناقص ہو گی۔ دوسرے یہ کہ **لمستم** کو باب مفاعلہ سے لانے کا فائدہ کوئی ہو گا لمس کے معنی ہیں چھونا **ملامسة** کے معنی ہیں دو طرفہ۔ ایک دوسرے کو اچھی طرح چھونا۔ یعنی صحبت تیسرے یہ کہ یہ معنی حدیث پاک کے خلاف ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد پڑھتے تھے تو میں آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی۔ حضور سرکار جب سجدہ فرمانے لگتے تو مجھے ہاتھ لگا دیتے۔ میں پاؤں سمیٹ لیتی۔ آپ

سجدہ کر لیتے تو میں پاؤں پھیلاتی تھی۔ اگر عورت کو ہاتھ لگانا وضو توڑ دیتا تو دوران نماز حضور ام المومنین کو ہاتھ نہ لگاتے۔ نیز اگر عورت کو ہاتھ لگنے سے مرد کا وضو ٹوٹ جائے تو چاہیے کہ عورت کا وضو ہرگز نہ ہو سکے۔ جو دوسرے کا وضو توڑے وہ خود باوضو کیونکر ہو گی۔ تیسرا اعتراض تم نے **وامسحوا برءوسکم** کی تفسیر میں کہا کہ بعض سر کا مسح فرض ہے نہ کہ کل کا کیونکہ یہاں **رؤس** پر ب آئی ہے ب سے **بعضیت** معلوم ہوتی ہے۔ تو یہاں فرمایا گیا **بوجوھکم** یہاں **بوجوھکم** میں ب ہے تو چاہیے تھا کہ تیمم میں بھی بعض چہرے کا مسح ہو نہ کہ کل کا (مالکی حضرات) **جواب** واقعی "ب" تو یہی چاہتی تھی۔ مگر چونکہ تیمم میں چہرے کا مسح وضو میں منہ دھونے کے قائم مقام ہے۔ اور وضو میں چہرہ پورا دھلتا ہے اس لئے تیمم میں پورے چہرے کا مسح فرض ہوا۔ **چوتھا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا۔ **ایدیکم** اور ساتھ ہی **الی المرافق** ارشاد نہ ہوا۔ تو چاہیے کہ تیمم میں بغل تک ہاتھوں کا مسح فرض ہو۔ کیونکہ پورا ہاتھ بغل تک ہی ہے۔ **جواب** اس کا جواب بھی اسی مذکورہ جواب سے معلوم ہو گیا۔ کہ چونکہ تیمم میں ہاتھوں کا مسح وضو میں ہاتھ دھونے کے قائم مقام ہے اس لئے وہاں تک ہی مسح کیا جاوے گا۔ جہاں تک وضو میں دھلتا ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کے آخر میں فرمایا گیا **لیطھرکم** اور ارشاد ہوا **لیتم نعمتہ علیکم** حالانکہ پچھلی امتوں کو بھی وضو دیا گیا تھا۔ ان کا وضو بھی انہیں پاک کرتا تھا۔ اللہ کی نعمت تھی تو ہم کو خصوصیت سے یہ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا۔ کہ خوب پاکی جس سے جسم کے ساتھ دل بھی پاک ہو جاوے۔ یہ صرف اس امت کے لئے ہے۔ ان کا فقط جسم پاک ہوتا تھا۔ اسی طرح وضو سے قیامت میں اعضاء وضو کا چمکنا صرف اسی امت کے لئے ہے ان کے لئے نہیں اس لئے اسے اتمام نعمت فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ اے **طالبین** مولیٰ اگر تم محبت دنیا کی بیماری کے مریض ہو۔ نفس کے نقش قدم پر چل پڑنے کی وجہ سے مسافر ہو چکے ہو اپنے وطن سے دور ہو گئے ہو۔ یا تم دنیا کی شہوتوں میں سے کسی شہوت کے بیت الخلاء سے آ گویا تم دنیا کی لذتوں میں نفس کے لئے ہم آغوش ہو کر جنبی ہو جاؤ اور اس آستانہ قدس میں حاضری کے قابل نہ رہو اس حالت میں تمہارے پاس توبہ استغفار کا پانی نہ ہو۔ آنکھوں کے آنسو نہ ہوں۔ کیونکہ آنکھیں خشک ہو چکی ہوں۔ طیب طاہر مقبول بندوں کے آستانوں ان کے قدموں کی خاک کا ارادہ کرو۔ کیونکہ یہ خاک بڑے بڑے دلی گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ ہیں۔ اسی خاک کو اپنے چہروں پر ملو۔ اپنے ہاتھوں کا مسح کرو کہ اس میں دلوں کی شفا اور گناہوں کی بیماری کا علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عمل سے تم کو ذلیل نہ کرے گا۔ وہ تم پر ذلت کی تنگی نہ ڈالے گا۔ بلکہ تم کو اس کے ذریعہ پاک فرمائے گا۔ سب سے بڑا گناہ بندہ کا اپنا وجود ہے۔ حالانکہ معبود کا وجود ازلی ابدی ہے حقیقت کے ہوتے مجاز کیسا۔ نور کے ہوتے ہوئے ظلمت کیسی۔ دن کے ہوتے ہوئے رات کیسی۔ اس سے پاکی جب ہی میسر ہو گی۔ جب کسی ایسے بندے کے آستانہ پر لوٹ لگاؤ جو فنافی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو چکا ہو۔ نیز رب تعالیٰ چاہتا ہے۔ تم کو انانیت سے پاک کرے کہ تمہاری انا کو نار عشق میں ملا

گرفتاکی آسیر ما گر اسے کیمیا بنادے اور چاہتا ہے کہ تم اس کا شکر کرو کہ تم پر وہ بڑا مہربان ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومنین کا جسم عالم شہادت ہے۔ اور اس کا دل ورد عالم غیب۔ جیسے عالم غیب و شہادت میں تعلقات ہیں۔ ایسے ہی جسم و قلب کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جیسے دل کے آثار جسم پر نمودار ہوتے ہیں۔ ایسے ہی جسم کے آثار دل پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ظاہری جسم کو پاک کرو تاکہ دل بھی پاک ہو جائے۔ اور جیسے سورج کے انوار کے سامنے والے شیشے میں نمودار ہو کر اس جگہ کو چمکا دیتے ہیں جو سورج سے آڑ میں ہو۔ یونہی آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار اولیاء اللہ کے سینوں کے ذریعہ ہم جیسے دور افتادگان کو بھی چمکا سکتے ہیں۔ نور حضور کا ہے مگر ملتا ہے اولیاء اللہ کی معرفت۔ شعر:۔

☆ فیض ازل بزور وزرار آمدے بہ دست ☆ آب خضر نصیبہ اسکندر آمدے ☆

یہ فیض زور و زر سے نہیں ملتا زاری سے ملتا ہے۔ (تفسیر روح البیان)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا
اور یاد کرو نعمت اللہ کی جو اوپر تمہارے ہے اور اس کا عہد و پیمان وہ جو عہد لیا اس نے تم سے جبکہ کہا
اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر اور وہ عہد جو اس نے تم سے لیا۔ جب کہ تم نے کہا ہم نے سنا
وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞
جب کہ کہا تم نے سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے اور ڈرو تم اللہ سے بیشک اللہ جاننے والا ہے سینوں والیوں کو
اور مانا اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں عمومی نعمتوں کا ذکر ہوا۔ جو تاقیامت سارے مسلمانوں کو عطا ہوئیں۔ یعنی تیمم کی رعایتیں وضو کی کرامتیں۔ اب ان خصوصی نعمتوں کا ذکر ہے۔ جو صرف حضرات صحابہ کرام کو خصوصیت سے عطا فرمائی گئیں۔ یعنی صحابیت اور حضور کی بیعت جو انہیں حضرات کو میسر ہوئیں۔ ہم لوگوں کو نصیب نہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں تیمم کا ذکر ہوا۔ تیمم وہ فضیلت ہے جو امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کے صدقہ سے نصیب ہوئی۔ یعنی یہ نعمت متعدی ہے۔ اب اس خاص نعمت کا ذکر ہے جو صحابہ کرام پر لازم رہیں۔ یعنی متعدی فضیلت کے بعد لازم فضیلت کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں غذا، نکاح، وغیرہ معاملات پر پابندیاں لگائی گئی تھیں اور وضو تیمم وغیرہ عبادات کا حکم دیا گیا تھا۔ نفس پر یہ پابندیاں اور عبادت گراں تھے۔ اس لئے اب اس چیز کا ذکر فرمایا۔ جو ان تمام مشکلات کو آسان کر دے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرنا اس کے انعام سوچنا کہ اگر یہ کام نفس پر گراں ہوں۔ تو اللہ کی نعمتیں اور اپنے عہد و پیمان سوچ لیا کرو۔

پھر فیصلہ کیا کرو کہ جس منعم کے ایسے احسانات ہیں اس کے احکام ماننا لازم ہیں۔ غرض کہ مشکل چیزوں کا ذکر پہلے تھا اور مشکل کو آسان کرنے والی چیز کا ذکر اب ہے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ تم شکر کرو جس سے معلوم ہوا تھا کہ گزشتہ احکام پر عمل کرنا عملی شکر ہے۔ اب قولی شکر کا حکم دیا جارہا ہے۔ غرض کہ شکر کی ایک قسم کا ذکر پہلے تھا۔ دوسری قسم کا ذکر اب ہے۔

تفسیر واذکروا نعمة اللّٰہ علیکم یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے **اذکروا** بنا ہے۔ ذکر سے ∙ معنی یاد کرنا۔ یا یاد رکھنا۔ یاد دلانا۔ چرچا کرنا۔ پھر یاد کرنا زبان سے بھی ہوتا ہے۔ دل سے بھی۔ عمل سے بھی۔ جیسے ذکر زبانی۔ ذکر جنانی' ذکر ارکانی کہا جاتا ہے۔ یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے۔ ممکن ہے کہ عام مسلمانوں سے خطاب ہو۔ یا عام انسانوں سے۔ اس لئے نعمت میں بھی تین احتمال ہیں کہ **نعمة اللہ** سے مراد یا صحابیت ہے یا ایمان و قرآن وغیرہ۔ یا انسانیت اور انسانوں پر اللہ کے احسانات خصوصی ہیں۔ لہٰذا جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ نعمت کے معنی اس کے اقسام اور دنیاوی دینی۔ دینی نعمتوں کی کچھ تفصیل سورہ فاتحہ کی تفسیر **انعمت علیھم** کے ماتحت بیان ہو چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ قیمت' اجرت' رحمت' نعمت ان چاروں میں فرق ہے۔ قیمت وہ مال جو مال کے عوض دیا جائے اجرت وہ جو کام کے عوض دیا جائے۔ رحمت و نعمت دونوں بغیر معاوضہ ہوتے ہیں۔ مگر رحمت جڑ ہے نعمت اس کی شاخ یا رحمت شاخ ہے۔ نعمت پھل' کسی کا حال زار دیکھ کر ترس آجانا رحمت ہے۔ پھر کچھ اسے دے دینا نعمت ہے۔ رحمت ہوئی تو نعمت ملی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور کو رحمت للعالمین فرمایا کہ ارشاد ہوا **وما ارسلنک الا رحمة للعلمین** کہ آپ تمام نعمتوں کا ذریعہ ہیں۔ اگرچہ حضور خود بھی نعمت الٰہی ہیں مگر رحمت بھی ہیں۔ یعنی دوسری نعمتوں کا ذریعہ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اللہ کی نعمت سے مراد ایمان کی توفیق۔ صحابیت حضور کے دست اقدس پر بیعت حضور کے ساتھ نمازیں۔ حضور کی معیت میں جہاد۔ حضور کا کلام سننا وحی اترتے ہوئے دیکھنا ہے۔ اس تفسیر پر **علیکم** میں خطاب حضرات صحابہ سے ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ نعمت اللہ سے مراد ایمان' تقویٰ خوف خدا عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور **علیکم** سے وہی سارے انسان مراد۔ خیال رہے کہ نعمت سے مراد جنس نعمت ہے جو ایک اور زیادہ بلکہ تمام نعمتوں پر صادق آتی ہے۔ اس کی نوعیں' فردیں بہت ہیں۔ مگر چونکہ نعمت یاد رکھنا۔ نعمت دینے والے سے محبت پیدا ہو جانے کا ذریعہ ہیں۔ اور نعمت والے سے محبت اس کی اطاعت کا باعث ہے۔ اس لئے اللہ کی نعمت یاد رکھنے کا حکم دیا گیا۔ **ومیثاقه الذی واثقکم به** واؤ عاطفہ ہے اور میثاق معطوف ہے۔ نعمت اللہ پر میثاق بروزن مفعال مصدر ہے۔ جس کا مادہ وثق ∙ معنی مضبوطی ہے۔ جیسے ولادت سے میلاد۔ عروج سے معراج۔ وعدے سے میعاد۔ یوں ہی وثق سے میثاق ہے۔ ہم وعدہ' عہد اور میثاق کا فرق پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ وعدہ تو ہر وعدے کو کہتے ہیں۔ عہد مضبوط و محفوظ وعدہ میثاق بوجھل وعدہ جس کی خلاف ورزی کرنے پر کچھ سزا مقرر ہو۔ یہاں میثاق حاصل مصدر ہے ∙ معنی بوجھل مضبوط و پختہ وعدہ۔ وعدہ کی

نسبت فاعل کی طرف بھی ہوتی ہے۔ مفعول کی طرف بھی یہاں مفعول کی طرف اضافت ہے۔ ہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس میں گفتگو ہے کہ یہاں کونسا عہد و پیمان مراد ہے۔ بعض نے فرمایا کہ بیعت عقبہ میں جو عہد و پیمان صحابہ کرام نے حضور انور سے کیا تھا وہ مراد ہے۔ پہلی بیعت عقبہ میں بارہ انصار نے یہ وعدہ کیا تھا۔ اگلے سال دوسری بیعت عقبے میں ستر صحابہ نے وعدہ کیا کہ حضور انور ہمارے مدینہ میں ہجرت فرما کر تشریف لائیں۔ ہم حضور کی اطاعت اور ہر طرح دین کی مدد کریں گے۔ اگرچہ یہ وعدہ کرنے والے صرف بارہ اور ستر تھے۔ مگر چونکہ یہ لوگ ساری قوم کے نمائندے تھے۔ اس لئے یہ وعدہ تمام حضرات اہل مدینہ کا وعدہ ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے بیعت الرضوان کے موقعہ پر کئے ہوئے وعدے مراد ہیں کہ ہم مرجائیں گے مگر جہاد میں پیٹھ نہ دیں گے۔ بعض نے فرمایا یہ وہ عہد و پیمان ہے جو ہر صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتا تھا۔ بیعت اسلام کرتے وقت کہ ہم حضور کی فرمانبرداری کریں گے۔ ان تمام صورتوں میں میثاق سے مراد حضرات صحابہ کرام کے وعدے ہیں۔ بیعت الرضوان کا عہد بھی بلاواسطہ ان چودہ سو حضرات نے کیا۔ جو حدیبیہ میں موجود تھے اور ان کے واسطے سے تمام صحابہ کرام نے عہد کرلیا۔ نیز حضرات صحابہ کرام کے عہد بالواسطہ تمام مسلمانوں کے عہد ہیں کہ وہ حضرات مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ وعدہ ہے۔ جو ہر مسلمان کلمہ پڑھتے وقت رب تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اسلام قبول کرنا بھی ایک قسم کا وعدہ ہے۔ اس صورت میں میثاق سے مراد سارے مسلمانوں کے وعدے ہیں۔ جب مسلمان کلمہ طیبہ پڑھتا ہے۔ تو رب کا بندہ ہونے اور حضور کا امتی ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ اس اقرار میں رب تعالیٰ کی عبادات حضور کی اطاعات کا پختہ وعدہ ہے۔ جیسے کوئی کسی کے نوکر یا غلام ہونے کا اقرار کرے اور اس کو اپنا آقا تسلیم کرے تو اس کی اطاعت کا وعدہ کرلیتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد یوم الست کے دن کا وعدہ ہے۔ جو تمام روحوں سے لیا گیا۔ **الست بربکم قالوا بلی** اس صورت میں تمام انسانوں کا وعدہ ہے۔ خواہ مومن ہو یا کافر۔ فقیر کے نزدیک تین تفسیریں قوی ہیں اور اس سے صحابہ کرام کے وعدے مراد ہیں یہ وعدے صاحب تفسیر کبیر نے بہت تفصیل سے بیان فرمائے **الذی** میثاق کی صفت ہے۔ واثق کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ **کم** میں وہی تین احتمال ہیں جو ابھی عرض ہوئے۔ کہ اس سے مراد صحابہ کرام ہیں یا تمام مسلمان یا سارے انسان پہلی توجیہ قوی ہے۔ **بہ** کا مرجع میثاق ہے۔ یعنی اپنا وہ عہد و پیمان بھی یاد رکھو جو اللہ تعالیٰ نے تم سے لیا۔ صحابہ کرام کے وہ عہد اگرچہ حضور کے لئے تھے۔ مگر چونکہ حضور کا عہد لینا رب تعالیٰ کا ہی عہد لینا ہے۔ حضور سے وعدہ رب تعالیٰ سے وعدہ ہے۔ اس لئے واثق کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف بالکل درست ہے۔ (تفسیر خازن و کبیر وغیرہ) **اذ قلتم سمعنا واطعنا** یہ عبارت واثق کا ظرف ہے۔ اور اذ ظرفیہ یا یہ **واذکروا** الخ کی علت ہے اور اذ **تعلیلیہ قلتم** میں وہی تین احتمال ہیں کہ اس میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے۔ یا عام مسلمانوں سے یا تمام انسانوں سے۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ میثاق کے دن تمام روحوں نے صرف بلیٰ کہا تھا۔ **سمعنا واطعنا** نہیں کہا تھا۔ یوں ہی ہر مسلمان ایمان لاتے وقت یہ الفاظ صراحۃً" کہتا۔ **سمعنا** اور **اطعنا** دونوں ماضی

ہیں مگر **سمعنا** اپنے ہی معنی میں ہے اور **اطعنا** بمعنی مستقبل **سمعنا** کا مفعول آحضور کے وہ فرمان ہیں جو بوقت بیعت حضور فرماتے تھے۔ **اطعنا** کا مفعول وہ فرمان ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرماتے رہیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ **سمعنا** بھی بمعنی مستقبل ہو۔ یعنی تم نے عہد کرتے وقت کہا تھا کہ ہم نے آپ کا فرمان سن لیا اور ہمیشہ آپ کے احکام کی اطاعت کریں گے۔ یا ہمیشہ ہم آپ کے فرمان سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ **واتقوا اللہ** اگر یہ خطاب حضرات صحابہ سے ہے۔ تو اس کے معنی ہیں تقویٰ پر قائم رہو۔ کیونکہ صحابہ کرام متقی تو تھے ہی۔ اگر عام مسلمانوں سے خطاب ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ اللہ سے ڈرو۔ تقویٰ کے معنی اس کے اقسام عام انسانوں، مسلمانوں، اولیاء اللہ، حضرات انبیاء کرام کے تقووں میں فرق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ جیسا متقی ویسا اس کا تقویٰ۔ **ان اللہ علیم بذات الصدور** اس جملہ نے گزشتہ سارے احکام کی تائید فرمادی۔ علیم و عالم اور علام کا فرق بارہا بیان ہو چکا۔ ذات مونث ہے۔ ذو کا بمعنی والا۔ لہٰذا ذات کے معنی ہوئے والی **الصدور** جمع ہے **صدر** کی بمعنی سینہ یہاں اس سے مراد دل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ دل والی باتوں کو ہمیشہ سے اچھی طرح جانتا ہے۔ لہٰذا ظاہری تقویٰ کے ساتھ باطنی تقویٰ بھی اختیار کرو۔ اپنے خیالات و ارادے درست رکھو۔ ہمیشہ خیال رکھو کہ ہم تمہارے دلوں کے ارادوں خطرات سے خبردار ہیں۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کی تین تفسیریں ہیں۔ ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ جو ہمارے نزدیک قوی ہے اے میرے محبوب کے صحابہ جنہیں میں نے اپنے محبوب کی صحبت کے لئے چن لیا۔ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو یا یاد رکھو یا چرچا کرو۔ لوگوں کو سناؤ جو صرف تم کو عطا کی گئی نہ تم سے پہلے کسی کو ملی نہ تمہارے بعد کسی کو ملے۔ ہم نے تم کو اپنے محبوب کی صحبت کے لئے چنا۔ تمہارے چرچے آسمانی کتب میں کئے تمہیں تاقیامت تمام مسلمانوں کا پیشوا بنایا۔ تم کو ایمان کی کسوٹی بنایا۔ کہ جس کے دل میں تمہاری لگن ہو وہ مومن ہے۔ ورنہ کافر مطلق۔ تمہارے متعلق فرمایا **فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا** اور اے جماعت صحابہ تم اس عہد و پیمان کو بھی یاد رکھو جو بیعت عقبہ و بیعت رضوان بیعت اسلام وغیرہ کے موقعوں پر ہم نے تم سے لئے۔ اپنے محبوب کی معرفت کہ تم نے اقرار کیا تھا۔ کہ یا رسول اللہ ہم نے ہمیشہ آپ کے فرمان قبول کئے۔ کانوں سے سنا کریں گے۔ اور آپ کے تمام احکام پر عمل کریں گے۔ آپ کی اطاعت ہمارا مشغلہ زندگی ہو گا۔ تم محبوب کے ساتھی ہو لہٰذا ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ ظاہری۔ باطنی تقویٰ تمہارا شعار ہو۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے۔ تمہارے خیالات ارادے سب اس کے علم میں ہیں لہٰذا ہر وقت اس سے ڈرو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان زبان سے بیان کرنا۔ انہیں دل سے ماننا عمل سے اس کی یادگار قائم کرنا لوگوں سے اس کا چرچا کرنا عبادت ہے۔ یہ فائدہ **اذکروا نعمة**

اللہ کی تفسیروں سے حاصل ہوا۔ لہٰذا میلاد شریف حضور کا ذکر۔ نعت خوانی بہترین عبادت ہے۔ کہ حضور خود اللہ کی نعمت ہیں اور یہ چیزیں اس نعمت کی یاد کا ذریعہ ہیں۔ **دوسرا فائدہ** ساری مخلوق میں انسان بڑا نافرمان وعدہ فراموش ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے صرف انسان سے ہی عہد و پیمان لئے۔ میثاق کے دن عالم ارواح میں بھی اور اس کے علاوہ بھی پھر ان کے یاد دلانے کے لئے انبیاء کرام بھیجے۔ کتب نازل فرمائیں۔ کسی اور مخلوق سے عہد و پیمان نہ لئے۔ پھر اس کے باوجود مشرک' کافر' جھوٹے نبی بلکہ جھوٹے خدا بنے۔ انسان کے سوا اور کسی مخلوق میں یہ بیماریاں نہیں۔ شیطان بھی دعویٰ خدائی دعویٰ نبوت نہیں کرتا۔ **تیسرا فائدہ** اقرار وعدہ کے لئے صرف بلیٰ یا نعم یا ہاں ہاں کہہ دینا بھی کافی ہے۔ اس سے بھی وعدہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ **میثاقکم** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے قالوا بلیٰ کو میثاق فرمایا۔ **چوتھا فائدہ** وعدہ کی پختگی چند طرح ہوتی ہے۔ الفاظ زوردار ہوں۔ وعدہ اعلیٰ جگہ پر ہو۔ جیسے کعبہ معظمہ' منبر رسول یا مسجد میں وعدہ لینا اعلیٰ وقت میں وعدہ لینا ہے۔ جیسے جمعہ کے دن' شب قدر' ماہ رمضان میں وعدہ لینا۔ بزرگوں کے سامنے وعدہ لیا جاوے جیسے حضور کے سامنے قرآن کریم کے سامنے' منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وعدہ لینا ان سے وعدہ اعلیٰ ہو کر میثاق بن جاتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **میثاقکم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے **قالوا بلیٰ** کو میثاق فرمایا۔ کیونکہ وہ عالم ارواح میں رب کے سامنے حضرات انبیاء کرام کی موجودگی میں فرشتوں کے سامنے وعدہ لیا۔ اس سے وہ لفظ بلیٰ میثاق بن گیا۔ **پانچواں فائدہ** کوئی شخص اپنے نیک اعمال پر کبھی فخر نہ کرے۔ اسے رب تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ سمجھے یہ توفیق اللہ کی نعمت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام کے ایمان' صحابیت' عبادات' جہاد وغیرہ کو **نعمت اللہ** فرمایا۔ ہاں اس پر شکر کرے فخر برائے شکر اچھا۔ **چھٹا فائدہ** بیعت عقبہ اور بیعت رضوان والے سارے صحابہ رب تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں۔ جنہیں رب تعالیٰ نے یہ بیعت کا شرف بخشا۔ یہ فائدہ بھی نعمت اللہ سے حاصل ہوا۔ کہ ان بیعتوں کو رب نے نعمت اللہ فرمایا۔ **ساتواں فائدہ** کوئی شخص کسی درجے پر پہنچ کر صحابہ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تمام غوث و قطب و ابدال صحابہ کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہ فائدہ علیکم کی ضمیر خطاب سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** تمام انبیاء کے صحابہ سے حضور کے صحابہ افضل ہیں۔ یہ فائدہ بھی اسی **علیکم** سے حاصل ہوا جس میں فرمایا کہ وہ نعمت یاد کرو جو صرف تم پر کی گئی کسی اور نبی کے صحابہ پر نہ کی گئی سبحان اللہ۔ **نواں فائدہ** حضرات صحابہ نے حضور سے کئے ہوئے سارے وعدے پورے کئے۔ وہ اپنے وعدوں کے سچے تھے۔ کیونکہ یہاں رب تعالیٰ نے ان کے وعدوں کا ذکر تو فرمایا۔ مگر ان کی مخالفت وعدہ کا ذکر نہ فرمایا۔ یعنی یہ تو فرمایا کہ تم نے کہا تھا **سمعنا واطعنا** مگر یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ عہد پورا نہ کیا۔ غرض کہ اسی آیت کریمہ نے حضرات صحابہ کرام کے وہ مناقب بیان کئے کہ سبحان اللہ۔ **دسواں فائدہ** اپنے فضائل و مناقب بطور شکریہ لوگوں کو سنانا جائز بلکہ بہتر ہے۔ یہ فائدہ **واذکروا** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ اس کے معنی یہ کئے کہ اے صحابہ اللہ کی جو نعمت تم پر ہے وہ لوگوں سے ذکر کرو کہ ہم کو رب نے یہ انعام دیا۔ حضور فرماتے ہیں **انا سید ولد آدم** میں اولاد آدم کا

سردار ہوں یہ فرمان رب کے شکر کے لئے ہے۔ نہ کہ فخرو بڑائی کے طور پر۔ گیارہواں فائدہ کئے ہوئے وعدے یاد دلانا سنت **الٰہیہ** ہے جیسا کہ **میثاقہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ بارہواں فائدہ حضور سے وعدہ رب تعالیٰ سے وعدہ ہے۔ یونہی حضور کا وعدہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جیسا کہ واثق سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ سے وعدہ لیا تھا۔ حضور نے مگر فرمایا کہ رب نے وعدہ لیا۔ کیونکہ آپ رب تعالیٰ کے مختار خاص ہیں۔ تیرہواں فائدہ وعدہ پورا کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ رب نے فرمایا **اوفو بالعهد** اور فرمایا **اوفوا بعهدی اوف بعهدكم** حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا **وانه كان صادق الوعد** اور فرمایا **وابراهيم الذی وفی** ہمارے حضور کو نبوت سے پہلے کفار **صادق الوعد** کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ جو شخص وعدہ کا پختہ ہو جائے تو اس کے کئے ہوئے وعدے رب تعالیٰ بھی پورے فرماتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے **لو اقسم على الله لابره۔**

پہلا اعتراض یہاں نعمت اللہ واحد کیوں ارشاد ہوا۔ حضرات صحابہ پر تو بہت سی نعمتیں ہیں۔ **نعماء الله** جمع فرمانا چاہیے تھا۔ **جواب** تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں نعمت جنس ہے۔ جو واحد و جمع سب کو شامل ہے۔ یعنی جنس نعمت میں غور کرو کون ہے جو رب تعالیٰ کی نعمتیں گن سکے۔ یا نعمت سے مراد خاص نعمت ہے یعنی صحابیت جس میں تمام نعمتیں داخل ہیں۔ (تفسیر کبیر) **دوسرا اعتراض** **واذكروا** سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام اللہ کی نعمتیں بھول گئے تھے۔ کیونکہ بھولی چیز یاد دلائی جاتی ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر کبیر نے یہ دیا کہ اللہ کی نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا یاد رکھنا مشکل ہے۔ کثرت کی وجہ سے بھول جاتی ہیں جیسے زیادتی ظہور خفا کا سبب بن جاتی ہے **هو الظاهر والباطن۔** **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ متقی و پرہیزگار نہ تھے اگر وہ متقی ہوتے۔ تو انہیں تقویٰ کا حکم نہ دیا جاتا۔ دیکھو فرمایا **اتقوا الله** **جواب** یہاں **اتقوا الله** کے معنی ہیں۔ تقویٰ پر قائم رہو۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا **یایها النبی اتق الله** اے نبی اللہ سے ڈرتے رہو۔ ہم ہر رکعت میں پڑھتے ہیں **اهدنا الصراط المستقيم** ہم کو سیدھے راہ کی ہدایت کر۔ حالانکہ ہم **بفضله** تعالیٰ گمراہ نہیں ہیں۔ ہدایت پر ہیں مطلب یہ ہی ہے کہ ہم کو ہدایت پر قائم رکھ۔ بہرحال یہ آیت کریمہ حضرات صحابہ کرام کی مدح و ثنا کی آیت ہے

تفسیر صوفیانہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور خود بھی نعمت ہیں اور تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہیں۔ دینی و دنیاوی نعمتیں سب حضور کے طفیل حضور کے ذریعہ سے ہیں۔ **شعر:۔**

☆ **فان من جودك الدنيا و ضرتها** ☆ **ومن علومك علم اللوح والقلم** ☆

☆ رب اعلیٰ کی نعمت پر اعلیٰ درود ☆ حق تعالیٰ کی منت میں لاکھوں سلام ☆

حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام نعمتیں جسمانی ہو یا روحانی۔ ظاہری ہوں یا باطنی۔ چھوٹی ہوں یا بڑی اس وقت نعمتیں

ہیں۔ جب حضور کے ذریعہ حاصل ہوں۔ ورنہ حضور کو چھوڑ کر یہ سب عذاب ہیں۔ غذا' پھل فروٹ حتیٰ کہ کلمہ قرآن' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اگر حضور کو چھوڑ کر اختیار کئے جاویں تو خدا کا عذاب ہیں اور حضور پر نور کے ذریعہ اختیار کئے جائیں تو نعمت ہیں۔ منافقوں کی قرآن خوانی' نمازیں' جہاد سب عذاب تھے کہ ان کے دل میں حضور جلوہ گر نہ تھے۔ ابلیس کے سجدے سجود سب عذاب ہی بنے کہ نبوت کے فیض سے خالی تھے مومنوں کے لئے یہ چیزیں نعمت ہیں کہ حضور کی معرفت ہیں۔ لہٰذا حضور نعمت بھی ہیں اور نعمت گر بھی نیز تمام نعمتیں صرف دنیاوی زندگی میں کار آمد ہیں۔ حضور کا دامن کرم۔ دنیا' قبر' حشر میں کار آمد ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی نعمت کے لئے **لقد من اللہ** نہیں فرمایا۔ صرف حضور کی بعثت کے لئے فرمایا۔ اس نعمت کے ذکر سے مراد ہے ان کے تصور میں رہنا فرمایا گیا۔ کہ اللہ کی اس نعمت کی یاد میں لگے رہو کہ اسی یاد پر تمہاری کامیابی ہے۔ دنیا میں قبر حشر میں بلکہ قبر میں تو اسی یاد اسی دھیان کا امتحان ہے۔ کہ فرشتے پوچھتے ہیں۔ تم انہیں کیا کہتے تھے۔ ان کی یاد ان کا دھیان عبادات کی اصل ہے۔ ان کے دھیان کے بغیر نماز روزہ حج و زکوٰۃ جہاد بلکہ زندگی و موت بیکار ہے۔ اس نعمت اللہ کو ہر وقت یاد رکھو۔ اگر تم نے انہیں یاد رکھا تو ان کے ہاں تمہاری یاد رہے گی۔ یاد کرو یاد کئے جاؤ گے۔

☆ تیرے رستے میں مرمٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں ☆
☆ تیرے کوچہ میں ہونا دفن جنت اس کو کہتے ہیں ☆
☆ تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا ☆
☆ حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں ☆
☆ ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا ☆
☆ تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں ☆

کیا لطف ہے کہ اس قرآن نے ایک جگہ فرمایا **فاذکرونی اذکرکم** تم مجھے یاد کرو۔ یہاں فرمایا **اذکروا نعمت اللہ علیکم**۔ اللہ کی نعمت یعنی محمد رسول اللہ کو یاد کرو۔ اور اپنا وہ وعدہ اور عہد بھی یاد رکھو۔ جو تم میثاق کے دن ہم سے کر گئے تھے۔ ہماری الوہیت اور ان محبوب کی نبوت پر ایمان لانے۔ عہد ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کے جھگڑوں میں پھنس کر ہمارا عہد و پیمان بھول جاؤ۔ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ جسم سے اور کام بھی کرو مگر دل میں دھیان ہمارے محبوب کا رکھو۔ ہم دل کی باتوں کو جانتے دیکھتے ہیں۔ اگر تمہارا دل ہمارا نشانہ بن گیا تو وہاں دنیا نہ پہنچنے پائے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے شہر میں تمام مکانات عمارتیں انسانوں کی ہوتی ہیں۔ جہاں نماز اور تلاوت بھی ہوتی ہے۔ اور دنیاوی کام بھی۔ مگر مسجدیں خاص اللہ کی جہاں صرف عبادات ہوتی ہیں۔ ایسے ہی انسان کے دوسرے اعضاء سے دنیاوی کاروبار بھی کئے جائیں اور اللہ کا ذکر بھی مگر دل صرف اللہ کی یاد کے لئے ہونا چاہیے۔ اور جیسے کوٹھی میں سارے کمرے دوسرے کاموں کے لئے

مگر مالک کے آرام کا کمرہ صرف مالک کے لئے وہاں نہ کوئی سامان رہے نہ کوڑا کچرا۔ یونہی اے انسان تیرا دل صرف خدا خانہ ہو جہاں یار کے سوا کچھ نہ ہو۔ **واذکروا نعمت اللہ** کی ہر وقت وہاں تجلی ہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ١٘ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو جاؤ تم قائم رہنے والے واسطے اللہ کے گواہ ساتھ انصاف کے اور نہ
اے ایمان والو اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا١ؕ اِعْدِلُوْا١۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى١٘ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ
اکسائے تم کو عداوت کسی قوم کی اوپر اس کے کہ نہ انصاف کرو تم انصاف کرو وہ زیادہ قریب ہے
قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے
اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۠
پرہیزگاری کے اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ خبردار ہے اوپر اسکے جو تم عمل کرتے ہو
اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں عبادات کی درستی کا حکم دیا کہ وضو یوں کرو کہ نماز درست ہو اب اصلاح معاملات کا حکم ہے۔ گواہی صحیح دینا انصاف کرنا وغیرہ چونکہ عبادات کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے اور معاملات کا تعلق بندوں سے ہے اس لئے عبادت کا حکم پہلے دیا معاملات کا حکم بعد میں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حکم تھا کہ اللہ کی نعمت اور اپنے عہد و پیمان یاد رکھو اب یاد رکھنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ کہ صرف زبان سے اس کا بیان کر دینا کافی نہیں بلکہ عملی یاد ضروری ہے۔ کہ گواہ بنو یا حاکم عادل بنو۔ یہ عدل اس نعمت کی صحیح یاد ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کے آخر میں حکم دیا تقویٰ و پرہیزگاری کا۔ اب اس تقویٰ کے ارکان کا ذکر فرمایا۔ ہر حال میں عدل و انصاف کرنا کہ اس کے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہوتا۔

شان نزول جب کفار قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مکہ معظمہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روکا تو حضرات صحابہ کو بہت ہی صدمہ ہوا ایک تو انہیں مکہ معظمہ سے ہجرت کر جانے کا صدمہ تھا اب دوسرا صدمہ مکہ معظمہ سے روکے جانے کا ہوا۔ ان حضرات کے دل میں کفار سے ان حرکتوں کا بدلہ لینے کا بہت جوش پیدا ہوا تب ان کا جوش ٹھنڈا فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ اتری جس میں فرمایا گیا کہ تم کفار مکہ پر غالب آجانے کی صورت میں انصاف سے کام لینا۔ جوش میں آکر انتقام نہ لینا (از تفسیر کبیر)

تفسیر یایها الذین امنوا اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تین حکم دیئے گئے۔ احکام پر قائم رہنا گواہی سچی دینا۔ فیصلے انصاف سے کرنا یہ تینوں کام بہت ہی دشوار ہیں۔ بغیر توفیق خداوندی ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے۔ اس لئے رب کریم نے پہلے ہم کو پیارے خطاب سے پکارا۔ پھر احکام سنائے تاکہ اس خطاب کی لذت سے یہ مشکل آسان ہو جائے۔ دوسری قوموں کو نسبی خطاب سے پکارا گیا۔ جیسے **یبنی اسرائیل** مگر ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خود اپنے ذات کریم کی نسبت سے پکارا۔ ایمان ان دو نسبتوں ہی کا نام ہے۔ حق یہ ہے کہ یہاں **الذین امنوا** سے صرف انسان مومنوں سے خطاب ہے کہ اگرچہ جن و فرشتے بھی مومن ہیں مگر وہ گواہ یا حاکم نہیں ہو سکتے ایمان کا ذکر فرما کر اعمال کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اعمال دین کے بعد ہیں۔ اگر کافر سچی گواہیاں دے۔ عدل و انصاف میں عمر گزارے۔ جنتی نہیں۔ اگرچہ ان اعمال کی وجہ سے اس کا عذاب ہلکا ہو جاوے۔ جیسے نوشیرواں۔ مگر جنتی نہیں۔ اس خطاب میں ہر زمانہ ' ہر جگہ ہر طبقہ کے مسلمان داخل ہیں۔ ہر مومن کو ان احکام پر عمل لازم ہے۔ **کونوا قومین للہ کونوا** امر ہے۔ **تکونون** کا جس کا مصدر ہے **کون** ' معنی ہونا یا رہنا۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں ہوؤ تم یا رہو تم۔ یہ **کان تامہ** سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور **کان ناقصہ** سے بھی **قوامین** جمع ہے **قوام** کی جو مبالغہ ہے قیام کا ' معنی بہت ہی قائم رہنے والے یا بہت ہی قائم رکھنے والے۔ دوسرے معنی پر اس کا مفعول پوشیدہ ہے احکام اللہ یا لاوامر اللہ یا لحقوق اللہ۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دونوں احتمال پر درست ہے۔ اگر **کونوا** تامہ ہے تو قوامین حال ہے اگر ناقصہ ہے تو قوامین اس کی خبر ہے۔ یعنی اے مسلمانوں اللہ کے لئے قائم رہو کہ تمہاری زندگی اور زندگی کا ہر حال نفس کے لئے نہ ہو۔ رب تعالیٰ کے لئے ہو۔ تمہاری موت اس کے لئے ہو ان **صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین** غرض کہ تمہاری زندگی و موت نہ شیطانی ہو۔ نہ نفسانی ہو۔ بلکہ رحمانی یعنی رحمان کے لئے ہو۔ (تفسیر خازن عن ابن عباس) خیال رہے کہ ہر چیز کسی مقصد کے لئے بنائی جاتی ہے۔ جب تک اس کا مقصد پورا ہو اس کی قدر ہوتی ہے۔ بیکار ہونے پر پھینک دی جاتی ہے۔ ہماری زندگی کا مقصد اللہ کی اطاعت ہے۔ اگر ہم نے یہ مقصد پورا کیا تو ہماری قدر ہے ورنہ ہماری زندگی بیکار ہے۔ جمادات ' حیوانات بلکہ ہر چیز میں یہ قاعدہ جاری ہے گھڑی وقت دے تو اس کی جگہ جیب ہے۔ اگر ٹھہر جائے تو اس کی جگہ کوڑا گھر بھینس دودھ دے ' بیل کھیتی کرے تو اس کی جگہ ہمارے گھر میں ورنہ بیکار ہو جانے پر اس کی جگہ ذبح خانہ ہے۔ یہ باتیں دیکھو اور عبرت پکڑو تمہارے مملوک جانور تمہارے ہر حکم پر صابر و شاکر ہیں اور تم ان کی ہر طرح خبر گیری کرنے والے۔ تم ہمارے ہر حکم پر صابر و شاکر و فرمانبردار رہو۔ ہر طرح تمہاری خبر رکھیں گے۔ یا اے مسلمانوں اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو قائم کرنے قائم رکھنے والے۔ ان پر قائم پابند رہو۔ حتیٰ کہ اگر تم کو بادشاہت ملے تو وہ بادشاہت تمہاری نہ ہو۔ بلکہ ہماری حکومت ہو۔ تم ملک میں ہمارے قوانین نافذ کرو۔ **الذین ان مکنہم فی الارض اقاموا الصلوۃ** غرض کہ اس فرمان کی دو تفسیریں ہیں ہر تفسیر دریا ناپید اکنار ہے۔ **شھداء بالقسط** یہ یا تو "کونوا" کی دوسری خبر ہے۔ یا دوسرا حال یا **قوامین** کا

ہیں پہلے دو احتمال قوی ہیں **شھداء** جمع ہے **شھید** یا شاہد کی ۔ بمعنی گواہ **بالقسط** کی ب مصاحبت کی ہے ۔ بمعنی ساتھ ۔ قسط کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ اس کے معنی حصہ بھی ہیں اور انصاف بھی ۔ یہاں ۔ بمعنی انصاف ہے ۔ شہادت بہت عام ہے ۔ اللہ و رسول کی گواہی ۔ اپنے نفس کی گواہی ۔ دوسروں کے متعلق گواہی ۔ مقدمات میں گواہی ۔ یہ سب اس میں داخل ہیں ۔ ہر گواہی میں انصاف لازم ہے ۔ کہ سچی گواہی دی جائے ۔ اگرچہ وہ گواہی اپنے عزیز کے خلاف ہو یا دشمن کے موافق ہو کسی کی رعایت سے یا کسی کی دشمنی سے جھوٹی گواہی نہ دو قسط سے بنا ہے قسطاس ۔ بمعنی ترازو کا پلہ ۔ کیونکہ اس کے ذریعے حصے برابر کئے جاتے ہیں ۔ غرضیکہ گواہی کی پانچ صورتیں ہیں ۔ اللہ کی ذات و صفات کی گواہی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات حمیدہ کی گواہی ۔ اپنے نفس کے قصور و جرم کی گواہی ۔ شریعت کے حقوق کی گواہی ۔ کسی حقدار کے حق کی گواہی ۔ آخری دو گواہیاں تو حاکم کی عدالت میں ہوتی ہیں ۔ اور کسی کسی کو کبھی کبھی ان کا موقع ملتا ہے ۔ مگر پہلی تین گواہیاں ہر مسلمان ہر وقت دے کہ یہ مدار ایمان و تقویٰ ہے ۔ نیز آخری دو گواہیاں صرف زبان سے ہوتی ہیں ۔ مگر پہلی تین گواہیاں دل ' زبان اور کان سب سے ادا ہوتی ہیں حتیٰ کہ شہید اپنے خون کے قطروں سے وہ گواہیاں دیتا ہے ۔ آج ہم اللہ رسول کی گواہی دیں کل حضور ہماری گواہی دیں گے ۔ **ولا یجرمنکم شنان قوم** یہ جملہ **کونوا قوامین** پر معطوف ہے **لا یجرمن** تاکیدی نہی ہے ۔ یہ بنا ہے جرم سے ۔ بمعنی حمل اور برا نگیختگی یا ابھارنا قصور کو ۔ اسی لئے جرم کہتے ہیں کہ اس پر نفس امارہ یا شیطان مجرم کو ابھارتا ہے ۔ **کم** میں خطاب یا تو ان ہی صحابہ سے ہے جنہیں کفار مکہ کی حرکتوں پر بہت غصہ تھا یا تمام مسلمانوں سے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے ۔ کہ شان نزول اگرچہ خاص ہے مگر الفاظ عام ہیں ۔ شنان کے معنی ہیں انتہائی غیظ و غضب اور بہت سخت غصہ جس میں انسان ہانڈی کی طرح ابلنے لگے ۔ قوم سے مراد یا کفار مکہ ہیں یا سارے کفار ۔ یا سارے وہ لوگ جن سے ہم کو عداوت ہے ۔ پہلا احتمال شان نزول کے بہت مناسب ہے ۔ تیسرا احتمال عموم عبارت کے مناسب ہے ۔ یعنی اے صحابیو! یا اے مسلمانو تم کو کفار مکہ کی عداوت و بغض یا مطلقاً کفار کا بغض یا مطلقاً کسی قوم کا بغض اس پر نہ ابھارے **علی ان لا تعدلوا** یہ عبارت **لا یجرمن** کا متعلق ہے ۔ عدل عین کے فتح سے ۔ بمعنی معاملات میں برابری ہے اور عدل عین کے کسرہ سے ناپ تول میں برابری کو کہا جاتا ہے ۔ عدل کی کئی صورتیں ہیں ۔ احسان کے عوض احسان کرنا ۔ تکلیف دور کرنے کے عوض تکلیف دور کرنا ۔ قصاص و سزاؤں وغیرہ میں انصاف کرنا ۔ یہاں تیسرے معنی زیادہ موزوں ہیں کہ شان نزول کے ہی مناسب ہیں ۔ عدل نہ کرنے کی بھی چند صورتیں ہیں ۔ محسن کے احسان کا بدلہ نہ کرنا ۔ باوجود قدرت کے جس نے تکلیف دور کی ہو موقع پڑنے پر قادر ہوتے ہوئے ۔ اس کی تکلیف دور نہ کرنا ۔ قصاص و سزاؤں میں مجرم کو سزائیں نہ دینا اس کی رعایت کر کے چھوڑ دینا ۔ مگر بے قصور کو سزا دے دینا بے انصافی نہیں بلکہ ظلم ہے ۔ بے انصافی اور چیز ہے ۔ ظلم دوسری چیز ۔ یہاں بے انصافی سے ممانعت ہے ۔ ممانعت کی دوسری آیات ہیں ۔ **اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ** یہ تیسرا فرمان عالی ہے ۔ یعنی عدل و انصاف کرو ۔ **ھو** کا مرجع عدل ہے

جو **اعدلوا** کا مشتق منہ ہے۔ یعنی عدل و انصاف کرو۔ یہ عدل و انصاف تقویٰ و پرہیزگاری سے بہت ہی قریب ہے یا بہت ہی قریب کرنے والا ہے۔ جس نے عدل کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ تقویٰ سے بہت ہی قریب ہے۔ خیال رہے کہ اس عدل کی بہت صورتیں ہیں۔ اے صحابہ کرام اگر تم کل کو حاکم بنو اور تمہارے پاس کفار مکہ کا مقدمہ آئے تو تم اس جوش میں ظلم نہ کرنا بلکہ ان کے متعلق حق فیصلہ کرنا یا جب تم فاتحانہ شان سے مکہ معظمہ میں داخل ہو تو اس وقت بدلہ لینے کی کوشش نہ کرنا عدل و انصاف کرنا کہ جو اہل مکہ مسلمان ہو جائیں۔ ان سے ہاتھ کھینچ لینا۔ ان کے ایمان کو منافقت مت سمجھنا۔ یا آئندہ تم کسی جنگ کے موقع پر مقتول کفار کا مثلہ نہ کرنا۔ یا اے مسلمانو تم حاکم ہو کر ظلم نہ کرنا عدل و انصاف کرنا یا اے مسلمانو ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ حتیٰ کہ اپنے نفس کے ساتھ عدل و انصاف کرو۔ پچھلے اقسام کے عدل کبھی کبھی کسی کو میسر ہوتے ہیں۔ مگر یہ آخری عدالت تو ہر شخص ہر وقت کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اس عدل کی توفیق دے **واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون** یہ آخری حکم ہے جس سے تمام احکام آسان ہو جاتے ہیں۔ جس کے دل میں تقویٰ ہو گا۔ وہ نہایت آسانی سے عدل بھی کرے گا۔ اور قائم بالقسط بھی ہو جاوے گا۔ اور تقویٰ حاصل ہونے کا ذریعہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو علیم و خبیر صرف جانے ہی نہیں بلکہ مانے کہ وہ ہماری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی اے جماعت صحابہ یا اے مسلمانو ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال' احوال افعال سے خبردار ہے۔ ایسے علیم و خبیر و قدیر سے ڈرنا چاہیے۔ خیال رہے کہ ہم گنہگاروں کو اپنے جرموں کی وجہ سے خوف خدا ہوتا ہے۔ یعنی سزا کا خوف اور نیک کاروں کو نیکیاں قبول نہ ہونے کا خوف کہ ہماری نیکیاں اس بارگاہ کے لائق نہیں۔ مگر ابرار کو بارگاہ الٰہی کی ہیبت کا خوف لہٰذا گنہگار پرہیزگار اور ابرار کے خوف میں بہت فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو آخری درجہ یعنی گنہگاروں کا خوف ہی عطا فرمادے۔

خلاصہ تفسیر تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی بہت سی تفسیریں ہیں۔ ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کا تاکیدی حکم دیا۔ "**قوام للہ**" رہنا۔ انصاف سے گواہی دینا۔ جوش غضب میں بے انصافی نہ کرنا۔ ہمیشہ عدل و انصاف کرنا۔ اللہ سے ڈرنا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے۔ ہمیشہ اللہ کی رضا کے لئے اس کے تمام احکام پر خوب مضبوطی سے قائم رہو۔ گواہ بنو تو انصاف سے گواہی دو۔ اپنی گواہی میں اپنے پرائے کا لحاظ نہ کرو۔ اگر اپنی ذات یا اپنے عزیز کے خلاف گواہی دینا پڑے تو دے دو۔ اگر دشمن کے موافق دینا پڑے تو دے دو اور کسی قوم کی عداوت و بغض کی وجہ سے عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑو ہمیشہ انصاف کرو۔ بات کہو انصاف کی۔ فیصلہ کرو انصاف کا۔ بدلہ لو تو انصاف سے کہ یہ عدل و انصاف مسلمان کا طرہ امتیاز ہے۔ ہمیشہ ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ ہر طرح عدل و انصاف کرو۔ یہ عدل و انصاف تقویٰ سے بہت ہی قریب ہے۔ عادل شخص بہت جلد متقی و پرہیزگار بن جاتا ہے۔ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ جان رکھو کہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔ خبیر و قدیر حاکم سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے۔ خیال رہے کہ **الذین امنوا** کے خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا داخل ہونا لازم نہیں۔

حضور کے لئے خطاب **یاایھا النبی یاایھا الرسول یاایھا المزمل** ہیں۔ یہاں بھی عدل و انصاف تقویٰ کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پیدائشی عادل اور بے مثال انصاف فرمانے والے ہیں۔ جو ذات کریم شیر خوارگی میں جناب حلیمہ کا صرف ایک پستان چوسیں۔ دوسرا پستان حلیمہ کے بچے کے لئے چھوڑ دیں۔ ان سے بے انصافی کا اندیشہ ہی نہیں ہو سکتا۔ **شعر:۔**

☆ بھائیوں کے لئے ترک پستان کریں ☆ بچپنے کی **نصافت** پہ لاکھوں سلام ☆

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** تمام نیک اعمال پر ایمان مقدم بلکہ شرط جواز اور شرط قبول ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے عدل و انصاف وغیرہ معاملات کا خصوصیت سے مومنین کو حکم دیا پہلے **الذین امنوا** سے خطاب کیا۔ پھر یہ احکام دیئے۔ **دوسرا فائدہ** ہر مومن کو چاہیے کہ صرف عبادات پر ہی کفایت نہ کرے بلکہ عبادات و معاملات دونوں درست کرے۔ جیسا کہ **قومین للہ** اور **شھداء بالقسط** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ** کسی کو اس کی پیدائش سے پہلے یا وفات کے بعد یا اس کی غیر موجودگی میں پکارنا شرک نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان جیسی آیات میں **یاایھا الذین امنوا** فرما کر قیامت تک کے مسلمانوں کو پکارا۔ جو اس ندا کے وقت موجود نہ تھے پیدا نہ ہوئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر تاقیامت مسلمانوں کو پکار کر فرمایا۔ اے اللہ کے بندو آؤ بیت اللہ کی طرف۔ نیز ابراہیم علیہ السلام نے چار جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد پکارا۔ یہ واقعات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ ہم آج التحیات میں حضور کو پکار کر سلام کرتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ** مسلمان کی زندگی اور زندگی کا ہر حال اور موت اللہ کے لئے ہونا چاہیے جیسا کہ **قومین للہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ** مسلمان پر ایسی گواہی دینا فرض ہے۔ جس کی گواہی سے کسی کا حق وابستہ ہو کہ اگر یہ گواہی نہ دے تو کسی مسلمان کا حق مارا جائے۔ یہ فائدہ **شھداء بالقسط** سے حاصل ہوا۔ جس گواہی سے انصاف کا تعلق نہ ہو۔ ایسی گواہی دینا فرض نہیں۔ یونہی جس گواہی سے شریعت کا حق وابستہ ہو۔ وہ گواہی دینا فرض ہے جیسے عید یا رمضان کے چاند کی گواہی۔ جب اس کی گواہی کے بغیر ان کا ثبوت نہ ہوتا ہو۔ **چھٹا فائدہ** جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے۔ خصوصاً جب کہ اس سے کوئی حق مارا جاوے۔ اگر جھوٹی گواہی سے کسی کی جان گئی تو گواہ ضامن ہے۔ جیسے زنا یا قتل کی جھوٹی گواہی دے کر کسی کو رجم یا قتل کرا دیا جائے۔ **ساتواں فائدہ** اسلامی حکام پر عدل و انصاف کرنا فرض ہے۔ اگرچہ ان کے عدل سے کسی مسلمان کا نقصان یا کسی کافر کا نفع ہوتا ہو۔ اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمر فاروق کے فیصلے میں عدل و انصاف مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ عدل فاروقی کے کفار بھی قائل ہیں۔ **حکایت** سلطان ہارون الرشید اپنے مصاحبوں کے ساتھ اپنے محل یا دیوان خاص میں بیٹھا تھا۔ اس کا شہزادہ مامون الرشید روتا ہوا آیا۔ بولا فلاں سپاہی زادے نے مجھے گالی دی ہے۔ ہارون الرشید نے اپنے مصاحبوں سے پوچھا کہ ایسے بچے کی کیا سزا ہونی چاہیے جو شہزادہ کو گالی دے۔ اس پر خوشامدی مصاحبوں نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے علیحدہ

علیحدہ سزائیں مقرر کیں کوئی بولا اسے قتل کر دیا جاوے کسی نے کہا اس کی زبان منہ سے نکال لی جاوے۔ کوئی کہنے لگا کہ اس کا گھر بار سب ضبط کر لیا جاوے۔ سلطان یہ سب کچھ سن کر اپنے شہزادہ سے مخاطب ہو کر بولا۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو معاف کر دے۔ اگر نہیں معاف کر سکتا تو تو بھی اس سپاہی زادہ کو گالی دے آ۔ مگر خیال رکھنا کہ ایک ہی گال دینا۔ اگر دو دیں تو ابھی تو ب مدعی ہے۔ وہ مدعی علیہ پھر وہ مدعی ہو گا تو مدعی علیہ۔ اسلام میں تو اور وہ برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔ مگر اعمال سے (از گلستان) بہر حال اسلامی عدالت میں امیر و غریب شہزادہ فقیر زادہ برابر ہیں یہ ہے **اعدلوا ھو اقرب للتقوی** آٹھواں فائدہ عدل و انصاف والا سلطان یا حاکم تقویٰ سے قریب تر ہے۔ لوگوں میں اس کی عزت اس کا نام دنیا میں روشن۔ ملک میں امان' سلطنت کا نظام عدل سے ہے۔

شعر:۔

☆ زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل ☆ گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند ☆

نواں فائدہ ہر مسلمان کو کفر سے نفرت کفار سے عداوت چاہیے کہ رکن ایمان ہے کفر سے محبت کفار سے الفت ایمان کے لئے مضر ہے۔ ہم دعاء قنوت میں پڑھتے ہیں **ونخلع ونترک من یفجرک** مگر جب عدل کا وقت آئے تو اس میں مومن و کافر کا فرق نہ رہے۔ حق فیصلہ کرے۔ امانت' قرض کافر کا بھی ادا کرے وعدے عہد جو کفار سے کئے ہوں۔ وہ بھی پورے کرے۔ دیکھو رب تعالیٰ **شنان قوم** یعنی کفار سے عداوت کی ممانعت نہ کی بلکہ انصاف نہ کرنے کی ممانعت فرمائی۔ دسواں فائدہ عدل کے بہت درجے ہیں۔ اپنے اور رب تعالیٰ کے معاملہ میں عدل۔ اپنے میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں عدل۔ اپنے اور ماں باپ کے معاملہ میں عدل۔ اپنے میں اور عزیزوں کے درمیان عدل۔ آس پڑوسیوں سے عدل۔ عزیزوں دوستوں سے عدل مسلمانوں کے ساتھ عدل۔ مملوک جانوروں' غلاموں سے عدل۔ بیوی بچوں کے درمیان عدل اور مدعی مدعی علیہ کے درمیان عدل۔ آخری عدل تو صرف حکام بادشاہ کریں گے۔ مگر باقی عدل ہر مسلمان کرے۔ ہم کسی کی تنخواہ لے کر اس کے ہو جاتے ہیں تو کتنی بے انصافی ہے۔ رب کی نعمتیں استعمال کر کے اس کے نہ ہو رہیں۔ جب رب نے دنیا کی تمام چیزیں ہمارے لئے بنائیں تو ہم اس کے لئے کچھ نہ کریں بڑی بے انصافی ہے۔ دنیا کے معمولی کام کے لئے بارش وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ مگر معمولی بہانہ سے نماز یا مسجد چھوڑ دیتے ہیں۔ کتنی بے انصافی ہے نیز ہر نعمت ہم کو حضور کے ہاتھوں ملی۔ اگر حضور کی عظمت و اطاعت نہ کریں تو کیسی بے انصافی ہے۔ ہر ادنیٰ چیز اعلیٰ پر قربان ہوتی ہے۔ جمادات' نباتات پر اور نباتات حیوانات پر۔ حیوان انسان پر قربان۔ یونہی مال جسم پر جسم جان پر اور جان عزت پر قربان کرتے ہیں تو ہم کیوں نہ قربان ہوں اس محبوب حقیقی پر صلی اللہ علیہ وسلم یہ کتنی بے انصافی ہے۔ پھر اپنے ماں باپ کے معاملہ میں انصاف کرو کہ یہ تمہاری بے کسی کے وقت کے ساتھی ہیں۔ سب رشتہ دار تم کو بعد میں کام آئے۔ مگر یہ تمہارے اس وقت کام آئے جب تمہارا مددگار کوئی نہ تھا۔ اب تم بھی ان کی ایسے وقت خدمت کو تیار رہو۔ جب

ان کے اعضا بھی جواب دے جائیں اولاد عزیز و اقارب کے درمیان انصاف کرو۔ تمام بیویوں اور اولاد کو ایک نظر سے دیکھو۔ غریب عزیزوں کی خدمت کرو تمہیں رب نے زیادہ مال اس لئے دیا ہے کہ اس میں غریبوں کا بھی حصہ ہے۔ پڑوسیوں مسلم قوم کے ساتھ عدل کرو غرضیکہ اس ایک جملہ میں بہت گنجائش ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت میں فرمایا گیا کہ تم کسی قوم کی عداوت میں بے انصافی نہ کرو تو کیا کسی شخص کی عداوت میں ناانصافی کرنا جائز ہے۔ بے انصافی تو بہرحال بری چیز ہے خواہ کسی قوم کی دشمنی کی وجہ سے کی جائے۔ پھر قوم کی عداوت کی قید کیوں لگائی۔ **جواب** شخصی عداوت معمولی اور عارضی ہوتی ہے۔ قومی عداوت ذاتی اور دائمی ہوتی ہے۔ بعض مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے شخصی دشمن بن جاتے ہیں۔ مگر قومی دشمن نہیں بن سکتے۔ اگر قومی دشمن بنیں تو کافر ہو جائیں۔ مگر پھر یہ شخصی دشمنی عارضی چند روزہ ہوتی ہے۔ جب کفر و اسلام کا سوال پیدا ہو جائے تو یہ تمام دشمن ایک ہو کر کفر کے مقابلہ میں جان دے دیتے ہیں۔ دیکھو آج پاکستان بنے اٹھارہ سال ہو گئے مگر جب کچھ لاہور' سیالکوٹ وغیرہ محاذوں پر کفار نے یلغار کی اور ان سے ہم مسلمانوں کی جنگ صرف سترہ دن رہی۔ ان سترہ دن میں پاکستانی مسلم قوم میں وہ اتحاد اور یگانگت ہو گئی کہ ساری سیاسی' مذہبی جماعتیں شیر و شکر ہو کر دشمن کے مقابل سینہ سپر ہو گئیں۔ غرضیکہ اٹھارہ سال امن والے وہ کام نہ کر سکے۔ جو جنگ کے سترہ دن کر گئے۔ بہرحال قومی دشمنی بہت قوی۔ دائمی اور سخت ہوتی ہے جب قومی دشمنی کی بنا پر بے انصافی کرنا درست نہ ہوا تو شخصی دشمنی جو نہایت معمولی ہے اس کی بنا پر بے انصافی کیوں کر درست ہے۔ اس آیت کریمہ نے بے انصافی کی جڑ کاٹی ہے جس سے شاخیں خود بخود ختم ہو جائیں۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت نے بے انصافی سے کیوں منع فرمایا۔ ظلم سے کیوں منع نہ فرمایا۔ **ان لا تعدلوا** کیوں ارشاد ہوا۔ **ان تظلموا** کیوں نہ فرمایا۔ **جواب** ہم ابھی تفسیر میں بے انصافی اور ظلم کا فرق عرض کر چکے ہیں۔ کہ بے انصافی عام ہے۔ ظلم خاص۔ کسی کو اس کا حق نہ دینا بے انصافی ہے اور کسی کو ستانا ظلم ہے۔ قاتل کو سزا نہ دینا بے انصافی ہے۔ اور کسی کو ناحق قتل کر دینا ظلم ہے۔ جب بے انصافی ہی حرام کر دی گئی تو ظلم بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔ خیال رہے کہ اکثر بے انصافی کو بھی ظلم کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی قرآن حکیم نے ظلم کی جڑ کاٹ دی۔ کہ جب بے انصافی ہی حرام کر دی۔ تو ظلم بدرجہ اولیٰ حرام ہو گیا۔ ظلم کی ممانعت دوسری بہت سی آیات میں ہے۔ **تیسرا اعتراض** اگر کفار مکہ نے مسلمانوں کو حدیبیہ کے سال عمرہ سے روکا تو فتح مکہ کے بعد مسلمانوں نے ہمیشہ کے لئے کفار کو حج عمرہ۔ طواف سے روک دیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ اب کوئی ننگا اور کافر طواف کعبہ نہ کرے تو مسلمانوں نے کفار پر بہت ظلم کیا۔ انہوں نے اس آیت پر عمل کیوں نہ کیا۔ **جواب** کفار نے مسلمانوں کو قومی دشمنی میں کعبہ سے روکا تھا۔ مسلمانوں نے کعبہ معظمہ کو کفر کی گندگی سے بچانے اس حرم کو پاک رکھنے کے لئے کفار کو کعبہ سے روکا۔ جیسے جنبی حائضہ نفاس والی عورت کو کعبہ سمیت تمام مساجد سے روکا جاتا ہے۔ یہ روکنا قانون کے ماتحت تھا۔ کفار مکہ کا حضور انور کو روکنا قومی عداوت میں تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان کو طواف کے

لئے عرض کیا۔ چوتھا اعتراض اگر کفار مکہ نے مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تو مسلمانوں نے مدینہ سے یہود کو صاف کردیا کہ بنی **قریظہ** کو قتل اور بنی نضیر کو دیس نکالا دیا۔ یہ کہاں کا انصاف ہوا۔ اس پر مسلمانوں نے عمل کیوں نہ کیا۔ **جواب** بنی **قریظہ** کا قتل اور بنی نضیر کا جلاوطن فرمانا کسی ذاتی عناد کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ ان لوگوں نے وطن سے بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری کی کہ اولا" حضور سے معاہدہ کیا۔ پھر غزوہ احد میں مسلمانوں کی ظاہری شکست دیکھ کر معاہدہ سے پھر گئے۔ کفار مکہ کے پاس پہنچے۔ تمام عرب کے کافروں کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ اور ان سے وعدہ کیا کہ بیرونی حملہ تم کرو مدینہ پر اندرونی حملہ ہم کریں گے اور مسلمانوں کو ایسا پیس دیں گے جیسے چکی میں دانہ غزوہ خندق انہیں کی غداری کی بناپر ہوا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے ہی مسلمانوں کو بچایا۔ تب اس ملکی غداری کی بناپر ان کے ناپاک وجود سے مدینہ شریف پاک کرایا گیا۔ آج بھی غداروں کو گولی ماردی جاتی ہے۔ غرضیکہ اس آیت کا منشا کچھ اور ہے۔ ان یہود کو یہ سزا دینے کی وجہ کچھ اور تھی۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت میں فرمایا گیا۔ کہ کسی قوم پر انتہائی غیظ و غضب میں تم بے انصافی نہ کرو۔ توکیا معمولی غصہ میں بے انصافی کرنا جائز ہے۔ **شنان** کیوں فرمایا۔ غضب کیوں نہ ارشاد ہوا۔ **جواب** اس کا جواب پہلے اعتراض و جواب سے معلوم ہوگیا۔ کہ جب انتہائی غیظ و غضب میں ناانصافی جائز نہ ہوئی۔ تو معمولی غصہ میں کیوں کر جائز ہوگی۔ آیت کریمہ نے بے انصافی کی جڑ کاٹی ہے۔ جس سے شاخیں خود ختم ہو جاتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ساری عبادات انسان کی زندگی سے وابستہ ہیں کہ مرتے ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ **مگر قوامین للہ** یعنی قائم للہ باقی باللہ ہونا وہ عبادت ہے کہ مرنے کے بعد بھی مومن سے جاری ہوتی ہے۔ جس کی زندگی اور زندگی کا ہر شعبہ للہ ہو تو اس کی موت اور موت کے بعد کا ہر حال بھی للہ ہی ہوتا ہے۔ اس کی موت کی حقیقت یہ ہوتی ہے۔ **شعر:۔**

☆ مرگ مومن چیست ہجرت سوئے یار ☆ ترک ایں عالم و رفتن کوئے یار ☆

مومن کی موت یار کی طرف ہجرت ہے۔ اس دنیا کو چھوڑ کر یار کی گلی میں جا بستا ہے۔ یہاں عمل پر قائم رہتا ہے۔ وہاں یار کے دربار میں قائم رہنا جو کسی چیز کے سہارے پر ہو تو اگر سہارا مضبوط و قوی ہے۔ وہ چیز قوی اور اگر سہارا کمزور ہے تو وہ چیز کمزور۔ اگر بنیاد قوی ہے تو دیوار قوی اور اگر دیوار قوی ہے تو چھت قوی۔ بغیر سہارے پتا ہو تو جنگل میں اڑتا پھرتا ہے۔ اگر کسی مضبوط پتھر کا سہارا مل جائے تو پھر اسے کوئی آندھی نہیں اڑا سکتی۔ اگر مومن کی زندگی للہ کے سہارے پر ہو تو اللہ تو باقی ہے۔ مومن بھی باقی ہو جاتا ہے اسے موت بھی فنا نہیں کر سکتی اس کی موت وصال یار ہے۔ دنیا میں انصاف والی گواہی دو توحید کی رسالت کی حشر نشر کی قرآن مجید کی حقانیت کی سچی گواہی دو تاکہ کل قیامت میں یہ چیزیں تمہاری گواہی دیں۔ بلکہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اپنے خلاف یہاں دنیا میں گواہی دیتے رہو تاکہ کل قیامت میں تمہارے اعضاء تمہارے حق میں گواہی دیں۔ یونہی اللہ کے دوستوں اور اس کے دشمنوں کے بلکہ اپنے نفس و قلب و روح کے درمیان

عدل و انصاف کرو۔ اپنے بیوی بچوں دوست و دشمن میں عدل کرو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ عیش و طیش یہ دو حالتیں انسان کو عدل سے ہٹا دیتی ہیں۔ تم ان دونوں حالتوں میں عدل کرو۔ کسی قوم کے خلاف طیش میں آکر ظلم نہ کرو تاکہ متقی بن جاؤ۔ یہاں تفسیر روح البیان میں ہے کہ نوشیرواں کے تخت پر لکھا تھا کہ ملک بغیر امارت نہیں چلتا اور امارت یعنی حکومت بغیر مردوں کے نہیں چلتی اور انسان بغیر عدل کے مرد نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ سچی گواہی اور انصاف کی توفیق دے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾

وعدہ فرمایا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور کام کئے انہوں نے اچھے کہ ان کے لئے بخشش ہے اور ثواب بڑا

ایمان والے نیکو کاروں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ یہی ہیں دوزخ والے

اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ ہی دوزخ والے ہیں۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں مسلمانوں کو **قوامین للہ** بننے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اس کی تفسیر یا تفصیل فرمائی جا رہی ہے کہ **قوامین للہ** وہ ہیں جو ایمان اور نیک اعمال دونوں سے موصوف ہوں۔ یعنی صرف زبان سے دعویٰ کرنا کہ ہم قوامین للہ ہیں۔ ہم متقی ہیں۔ یہ معتبر نہیں بلکہ دل و جسم سب اللہ کے سپرد کر دو۔ تب قوامین اور متقی بنو گے۔ اس بارگاہ میں محض زبان کا اعتبار نہیں۔ وہاں دل کی گہرائیوں کو دیکھا جاتا ہے۔ منافقین کلمہ پڑھیں تو جھوٹے ہیں۔ **واللہ یشھد ان المنفقین لکذبون** ابو امیہ ضمیری مجبوری میں منہ سے کفر کہہ دیں تو سچے ہی رہیں لہٰذا امنو فرما کر دل کی اصلاح کا ذکر فرمایا اور **عملوا الصلحت** فرما کر قالب کی اصلاح کا ذکر کیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں **قوامین للہ** بنے کا حکم تھا۔ اب اس کی جزا کا ذکر ہے یعنی مغفرت اور بڑا ثواب۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں سچی گواہی دینے عدل و انصاف کرنے کا حکم تھا۔ اب اس سے محروم رہنے والوں یعنی کفار و مکذبین کی سزا کا ذکر ہے۔

تفسیر **وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت** لفظ **وعد** ہے تو ماضی مگر یہ حکایت کے لئے بھی آتا ہے۔ اور عقد کے لئے بھی جیسے خریدار کہتا ہے۔ میں نے خریدا۔ یا تاجر کہتا ہے۔ میں نے بیچا۔ اس لفظ سے ہی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ گزشتہ خرید و فروخت کی خبر نہیں یونہی یا تو اس کلام سے وعدہ فرمانا مقصود ہے یا کئے ہوئے وعدے کی حکایت ہے۔ دوسری

صورت میں یا تو میثاق کے دن کا وعدہ مراد ہے۔ یا توریت و انجیل میں کیا ہوا وعدہ یا قرآن کریم میں فرمایا ہوا وعدہ یا معراج کی شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ مراد ہے۔ بہر حال **وعد** ماضی میں بہت ہی گنجائش ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں **الذین** سے مراد صرف مومن انسان ہیں۔ فرشتے اور جن اس میں داخل نہیں کیونکہ فرشتوں کے لئے نہ تو مغفرت ہے نہ بڑا ثواب۔ مومن جنات کے لئے مغفرت تو ہے مگر ان کے لئے بڑا ثواب یعنی جنت نہیں۔ جنت صرف انسان مومنوں کے لئے ہے۔ ایمان کے معنی اس کے اقسام ایمان بیانی' ایمان عیانی' ایمان شہودی ایمان بالغنا اور ان اقسام کے درجات یونہی۔ نیک اعمال اس کے اقسام جسمانی' مالی' جنانی اعمال ہم تفصیل کے ساتھ۔ سورہ بقر کے اول میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں **امنو** اور **عملوا** دونوں ماضی ارشاد ہوئے۔ مگر ایمان ایک بار لا کر اس پر قائم رہنا کافی ہے۔ اور نیک اعمال ہمیشہ کرتے رہنا ضروری ہے۔ نماز روزانہ پانچ بار' روزہ و زکوۃ ہر سال ایک بار لہذا **عملوا** میں دوام و استمرار ہے۔ صالحات بقدر طاقت ضروری ہیں۔ یعنی جو انسان ایمان لائے اور نیک عمل کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ کرتا ہے یا وعدہ کر چکا ہے۔ وعد کا مفعول یا تو پوشیدہ ہے۔ یا جنات اس کا مفعول بہ ہے کہ **لهم مغفرة واجر عظيم لهم** میں لام ملکیت یا نفع کا ہے **هم** کا مرجع **الذین** ہے **لهم** کے مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ اور یہ حصر ان دونوں چیزوں کے لحاظ سے ہے۔ یعنی بخشش اور بڑا ثواب صرف نیکو کار مومنوں کے لئے ہے رہے گنہگار مومن ان کے لئے مغفرت تو ہے۔ مگر اجر عظیم نہیں۔ بلکہ انہیں جنت وغیرہ کی عطا فضل ربانی اور شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوں گے۔ اجر معاوضہ کو کہا جاتا ہے۔ جب ان کے پاس اعمال ہی نہیں یا ہیں مگر اجر عظیم کے لائق نہیں تو انہیں فضل ملے گا۔ لہذا حصر درست ہے۔ **والذين كفروا وكذبوا بايتنا** یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ یہ وعد کا مفعول نہیں۔ کیونکہ وعدہ اچھی چیز کا ہوتا ہے عذاب کا وعدہ نہیں ہوتا۔ وعید ہوتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں **الذین** سے مراد تمام کفار ہیں۔ خواہ انسان ہوں یا جنات کیونکہ عذاب سارے کفار کو ہوگا۔ آیات سے مراد آیات قرآنیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور احکام **البیہ** سب ہی ہیں۔ خیال رہے کہ ہر کفر تکذیب ہے اور ہر کافر اللہ کی آیتوں کا جھٹلانے والا ہے خواہ دانستہ طور پر ہو جیسے کفار کے علماء۔ پوپ پادری وغیرہ یا بے خبری سے کافر جیسے وہ جو اپنے پیشواؤں کی پیروی میں کافر ہوئے۔ کیونکہ جھٹلانے والے کی پیروی کرنا بھی جھٹلانا ہے **اولئك اصحب الجحيم** یہ عبارت **والذين كذبوا** کی خبر ہے **جحيم** یا تو دوزخ کا نام ہے۔ یا اس کے خاص طبقہ کا نام خیال رہے کہ دوزخ میں جانا اور ہے۔ مگر دوزخ والا ہونا کچھ اور مکان میں جانا رہنا اور ہے۔ مگر مکان والا ہونا کچھ اور۔ کرایہ دار یا ہمارا ملاقاتی جو مہمان بن کر ہمارے گھر آئے۔ وہ مکان میں آتا ہے اور رہتا تو ہے۔ مگر مکان والا نہیں۔ گنہگار مسلمان اگرچہ عارضی طور پر دوزخ میں جائیں گے۔ مگر دوزخ والے نہ ہوں گے۔ دوزخ والے صرف کفار ہیں۔ لہذا آیت کریمہ واضح ہے۔ یعنی جنہوں نے ایک بار بھی کفر و تکذیب کو اختیار کر لیا اور اس پر قائم رہے وہ دوزخ والے ہیں۔ دوزخ ان کا ہے وہ دوزخ کے ہیں۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں اللہ کریم و رحیم کے ایک بڑے اہم وعدہ کا ذکر ہے۔ کریم کے وعدہ فرمانے کی چار صورتیں ہوتی ہیں کسی بندے نواسے فرمادینا کہ اس مضمون کی عرضی ہم کو دے دو۔ وہ بے نوا یقین کرتا ہے۔ کہ کریم نے عطا کا وعدہ فرمالیا۔ کسی بھکاری سے کہہ دینا کہ کل مانگنے آنا۔ یہ بھی وعدہ ہے۔ کسی سے فرمادینا کہ ممکن ہے کہ ہم تم کو کچھ دیں یہ بھی وعدہ ہے۔ صاف صاف کہہ دینا کہ ہم تم سے یہ دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ یہ بڑا ہی اہم وعدہ قرآن کریم میں وعدہ کی یہ چاروں صورتیں استعمال ہوئی ہیں۔ دعاؤں کی آیات نازل فرمائیں۔ عرضی دینے کے لئے ہم کو آستانہ عالیہ پر حاضری کا حکم دیا۔ یہ بھی وعدہ ہے۔ ہم سے فرمایا **لعلکم تتقون لعلکم تفلحون** یہ بھی وعدہ ہے۔ اپنے حبیب سے فرمایا ہے **عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا** یہ بھی وعدہ ہے اور یہاں صراحۃ **وعد اللہ** فرمایا یہ بھی وعدہ ہے یہاں چوتھی قسم کا وعدہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی دو قسمیں ہیں بلاواسطہ وعدے جو بذریعہ وحی کتاب اللہ میں کئے گئے اور بالواسطہ وعدے، جو پیغمبر نے خود کسی سے کرلیے۔ وہ ربانی و رحمانی وعدے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں کسی مسلمان کا نام لے کر کوئی وعدہ نہیں فرمایا گیا۔ حضور انور نے نام بنام صحابہ سے وعدے کئے کہ ابو بکر جنتی حسنین جنتی جوانوں کے سردار ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے وعدے ہیں۔ غرضیکہ وعد اللہ میں بہت گنجائش ہے۔ ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان سب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خلاصہ عرض کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اب یا اس سے پہلے پچھلی کتابوں میں یا لوح محفوظ میں یا شب معراج اپنے محبوب کی معرفت ان لوگوں سے جنت کا وہاں کی حور و قصور کا بلکہ رضاء رب غفور کا وعدہ فرمالیا جو ایمان لاکر اس پر قائم رہے اور ہمیشہ بقدر طاقت نیک اعمال کرتے رہے۔ جسمانی نیکیاں، قلبی نیکیاں، مالی نیکیاں غرض کہ ہر طرح کی نیکیاں کرتے رہے۔ جسمانی نیکیاں، قلبی نیکیاں گناہوں کی بخشش ہیں اور بڑا ثواب بھی جو لوگوں کو وہم و گمان سے وراہوں ان کے برخلاف جو کفر کرے۔ ہماری قرآنی آیات محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و معجزات کا انکار کریں۔ پھر اس پر قائم رہیں۔ توبہ نہ کریں تو دوزخ والے ہیں کہ دوزخ ان کی ہے وہ دوزخ کے ہیں وہاں ہی ہمیشہ رہیں گے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ایمان پر قائم رہنا اور بقدر طاقت نیکیاں ہمیشہ کرتے رہنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے جو ان دونوں صفتوں کے جامع ہوں ان سے یہ وعدہ الٰہی ہے۔ یہ فائدہ **امنوا** اور **عملوا** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ انسان کو چاہیے کہ ہر قسم کی نیکیاں کرے۔ کوئی نیکی معمولی سمجھ کر چھوڑ نہ دے یہ فائدہ **الصلحت** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ متقی مومن کی بخشش نہ ہونا اسے اجر نہ ملنا ناممکن ہے۔ یہ فائدے **وعد اللہ** فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں جن کا خلاف ناممکن ہے۔ چوتھا فائدہ متقی مومنین کا ثواب مخلوق کے وہم و گمان سے ورا ہے کوئی اس کا حساب یا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ یہ فائدہ اجر عظیم

سے حاصل ہوا پانچواں فائدہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر رب تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص کا بیڑا اس رب رحیم کے کرم سے ہی پار ہو گا۔ یہ فائدہ **لھم مغفرۃ** سے حاصل ہوا۔ مگر ہم گنہگاروں کے لئے مغفرت اور قسم کی ہے۔ نیکوں کے لئے اور قسم کی ہے۔ مقبولین بارگاہ کے لئے اور قسم کی۔ مگر ہیں سب اس کی مغفرت کے حاجت مند۔ چھٹا فائدہ کفار کے لئے دوزخ اور وہاں کا عذاب دائمی ہے۔ جس سے وہ کبھی نہیں نکل سکتے۔ جیسا کہ **اصحٰب الجحیم** سے معلوم ہوا۔ مگر جیسا کافر اس کے لئے ویسا ہی مقام اس لئے دوزخ کے طبقے مختلف ہیں کہ وہاں جانے والے کافر مختلف۔ ساتواں فائدہ مومن کیسا ہی گنہگار ہو۔ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ وہ اصحاب النار میں سے نہیں۔ اس کا وہاں جانا عارضی ہے۔ یہ فائدہ **اولئک** سے حاصل ہوا۔ کہ یہ عبارت حصر کے لئے مفید ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ مغفرت اور اجر کے لئے ایمان بھی ضروری ہے۔ اور ہر قسم کی نیکیاں بھی لازم ہیں۔ تو گنہگار مومن اور مسلمانوں کے فوت شدہ شیر خوار بچے دوزخی ہونا چاہئیں۔ کہ ان میں یہ صفات موجود نہیں۔ حالانکہ وہ بھی جنتی ہیں پھر یہ آیت کیوں کر درست ہوئی۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جنت کی عطا دو قسم کی ہے۔ کسبی' وہبی' عطائی' یہاں کسبی جنت کا ذکر ہے۔ یہ ایمان و اعمال پر موقوف ہے۔ مسلمانوں کے بچوں کو جنت وہبی یعنی ماں باپ کے طفیل ملے گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الحقنا بھم ذریتھم وما التنھم من عملھم من شئی** عطا کی جنت ان لوگوں کو ملے گی۔ جنہیں جنت بھرنے کے لئے پیدا فرمایا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ یہاں دو قیدیں اجر عظیم کے لئے ہیں۔ نیک کاروں کے لئے اجر عظیم ہے اور ہم جیسوں کے لئے فضل عظیم۔ اجر تو اس کو ملے جس کے پاس اجرت کی چیز ہو۔ **شعر:۔**

☆ یا رب تیرے فضل و کرم ہوں میرے گواہ صفائی کے ☆

☆ ورنہ رضا سے چور پہ تیرے ڈگری تو اتبالی ہے ☆

دوسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوزخی صرف وہی کافر ہیں جو آیات **الٰہیہ** کا جھٹلانے والا بھی ہو تو چاہیے کہ جو صرف کافر ہو۔ آیات **الٰہیہ** کا جھٹلانے والا نہ ہو۔ وہ دوزخی نہ ہو۔ حالانکہ ہر کافر دوزخی ہے۔ **جواب** اس کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ ہر کافر اللہ کی آیت کا انکاری ہے۔ اگر انکاری نہ ہو تو کافر کیسے ہو۔ حضور کی نبوت کا انکار کرنا ہی آیات **الٰہیہ** کا انکار ہے۔ **وکذبوا بایتنا** یہ جملہ **کفروا** کی تفسیر ہے دوسرے یہ کہ اصحاب جحیم ہونا یعنی دوزخ کے سخت ترین طبقے میں رہنا یہ ان کافروں کے لئے ہے جو منکر آیات بھی ہیں۔ تقلیدی کافر ہلکے طبقے میں ہوں گے۔ یعنی یہاں جحیم سے مراد دوزخ کا خاص طبقہ ہے۔ جہاں عذاب بہت سخت ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر متقی مومن کی بخشش ہے اور بخشش تو گناہ سے ہوتی ہے جن کے پاس گناہ ہی نہ ہوں۔ جیسے حضرات انبیائے کرام یا خاص صحابہ

کرام اور خاص اولیاء اللہ ان کی بخشش کیسی پھر یہ آیت عام کیسی ہوئی۔ جواب اس کا جواب ابھی فائدوں میں گزر گیا کہ گناہوں کی بخشش گنہگاروں کے لئے ہے۔ خطاؤں کی بخشش نیک کاروں کے لئے ہے عبادات میں قدرے کوتاہی کی بخشش مقبولین کے لئے ہے۔ شعر:۔

☆ زاہداں از گناہ توبہ کنند ☆ عارفاں از اطاعت استغفار ☆

چوتھا اعتراض اگر **وعد اللہ** میں معراج کی رات والے خلوت خاص کا وعدہ فرمایا۔ تو وہ وعدہ رب تعالیٰ نے حضور اقدس سے کیا نہ کہ مسلمانوں سے تو **وعد اللہ الذین امنوا** فرمانا کیوں کر درست ہوا۔ جواب غلاموں کے متعلق آقا سے جو وعدہ کیا جائے۔ وہ غلاموں سے ہی وعدہ ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سب کے آقا و مولیٰ ہیں۔ اور اس رات تو ساری امت کی نمائندگی بھی فرما رہے تھے۔ لہٰذا وہ وعدہ سب سے ہوا۔ حضور کی معرفت ہوا۔ جیسے رب تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان و مال جنت کے عوض خرید لی۔ حالانکہ اس خرید و فروخت کی ہم کو خبر نہیں۔ وہ بھی حضور ہی کی معرفت ہوئی ایسے ہی یہ وعدہ۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش عام ہے مگر اس کے لینے والے صرف مومن ہیں اودھر کی عطا میں کمی نہیں۔ اس طرف کے لینے میں کمی ہے۔ جیسے سورج اور بارش کا فیض عام ہے مگر اندھا آدمی نہیں لے سکتا۔ اور کھاری زمین سبز نہیں ہوتی۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ☆ خاک شو تاگل بروید رنگ رنگ ☆

موسم بہار میں پتھر سرسبز نہیں ہوتے تو خاک ہو جا تاکہ رنگ برنگے پھول تجھ میں کھلیں۔

اس آیت کریمہ میں خوش نصیبوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا لے سکتے ہیں اور بدنصیبوں کا تذکرہ ہے جو اس عطا کو حاصل نہ کر سکے۔ ایمان و عمل جس میں عدل و انصاف بھی داخل ہے۔ اس عطا کے لینے کی شرط ہے۔ لہٰذا کافر عطا سے محروم ہے۔ اس لئے نہیں کہ عطا میں تنگی ہے بلکہ اس لئے کہ اس کے پاس جھولی نہیں۔ اللہ کا فضل لینا ہے تو دنیا میں عدل کرو۔ عدل ذریعہ ہے فضل ملنے کا۔ یہاں روح البیان میں ہے کہ قیامت کے دن خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام کے مختلف جھنڈے ہوں گے۔ و مومن ان جھنڈوں کے نیچے۔ چنانچہ صدیقین حضرت ابوبکر صدیق کے جھنڈے تلے۔ عادلین فاروقی جھنڈے کے نیچے۔ تمام سخی داتا لوگ عثمانی جھنڈے کے نیچے تمام شہداء جھنڈے حیدری کے نیچے۔ فقہاء حضرت معاذ بن جبل کے جھنڈے کے نیچے۔ تمام زاہدین حضرت ابوذر غفاری کے جھنڈے تلے۔ تمام فقراء و مساکین حضرت ابوالدرداء کے جھنڈے تلے۔ ہر قاری ابی بن کعب کے جھنڈے تلے۔ تمام موذن حضرت بلال کے جھنڈے تلے۔ اور تمام مظلوم مومنین حضرت حسین کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یوم ندعوا کل اناس بامامھم۔**

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو اوپر تمہارے ہے جب ارادہ

اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں

اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ

کیا ایک قوم نے یہ کہ دراز کریں تمہاری طرف ہاتھ اپنے پس روک دیئے ہاتھ انکے تم سے اور ڈرو اللہ سے

تو اس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کو اللہ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

اور اللہ پر ہی چاہیئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے

ہی بھروسہ چاہیئے ۔

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں نیک کار مسلمانوں کو بخشش اور بڑے ثواب کی خوشخبری دے کر ایمان و تقویٰ کے اخروی فائدے بتائے گئے تھے اب اس ایمان و تقویٰ کے دنیاوی فائدے بتائے جارہے ہیں۔ یعنی دنیاوی آفتوں سے نجات تاکہ لوگ ایمان و تقویٰ میں رغبت کریں۔ **دوسرا فائدہ** پچھلی آیت میں کفر کے اخروی وبال کا ذکر تھا۔ یعنی کافروں کا دوزخی ہونا۔ اب ان کی دنیاوی ناکامیوں کا تذکرہ ہے۔ مسلمانوں پر قابو نہ پا سکنا۔ اسلام کا فروغ دیکھ کر ہمیشہ جلتے بھنتے رہنا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو عدل و انصاف کا حکم دیا گیا تھا۔ اب کفار کی زیادتیوں چیرہ دستیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کہ بتایا جائے کہ ایسے بد باطن خائن کفار کے ساتھ بھی وقت آنے پر عدل کرو۔

شان نزول اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں نمبرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتویں غزوہ میں تھے جسے غزوہ ذی انمار بھی کہتے ہیں اور غزوہ ذات الرقاع بھی۔ حضور نے مقام عسفان میں نماز ظہر باجماعت ادا کی بنی **ثعلبہ** اور بنی محارب جو کفار تھے اور حضور کے مقابل۔ انہوں نے یہ نماز باجماعت دیکھ کر بہت افسوس کیا کہ ہمیں مسلمانوں کو قتل عام کا موقع ملا مگر ہم نے ہاتھ سے کھو دیا۔ جیسے ہی یہ لوگ سجدے میں گئے تھے۔ ویسے ہی ان کو قتل کر دیتے۔ اس پر بعض کفار بولے کہ ابھی ایک نماز آرہی ہے۔ جو مسلمانوں کو جان و مال سے زیادہ پیاری ہے۔ اس وقت اپنی حسرت نکال لینا چنانچہ کفار تیار ہوئے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور انور کو کفار کے برے ارادے کی خبر دی اور نماز خوف کے احکام نازل ہوئے۔ جس میں مسلمان دو ٹولیاں ہو کر نماز باجماعت پڑھتے ہیں۔ آدھے نماز میں آدھے کفار کے مقابل رہ کر ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ اور دوسری رکعت میں ان ٹولیوں کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اور

دوسری رکعت نماز بھی اسی طرح ادا ہوتی ہے۔ اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن، روح البیان و تفسیر کبیر، مسلم شریف) نمبر ۲ جب بیئر معونہ کا واقعہ ہوا کہ کفار ستر صحابہ کرام کو دھوکہ سے اپنے علاقہ میں لے گئے۔ تو انہوں نے ۶۷ صحابہ کو تو شہید کر دیا۔ تین حضرات بچ گئے۔ جن میں عمرو بن امیہ ضمیری بھی تھے ان تین بچنے والے حضرات میں سے ایک بزرگ پر ایک کافر نے حملہ کیا وہ بھی مارا گیا یہ بھی یہ کہتے ہوئے شہید ہوئے **الجنة ورب العالمین** قسم رب کی جنت یہ ہے باقی دو صحابی مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ انہیں بنی سلیم کے دو کافر ملے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امان نامہ لکھ کر دیا ہوا تھا۔ ان بزرگوں کو اس امان کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے ان دونوں کافروں کو قتل کر دیا۔ ان مقتولین کی قوم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں کی دیت (خون بہا) مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ صحابہ کے ساتھ بنی نضیر (یہود مدینہ) کے محلہ میں تشریف لے گئے۔ اور ان سے اس دیت میں مدد مانگی۔ کیونکہ بنی نضیر نے جن شرطوں پر معاہدہ کیا تھا ان میں ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ ہمارے خطاء قتل کی دیت میں تم مدد دیا کرنا۔ وہ لوگ بڑی محبت ظاہر کرتے ہوئے بولے۔ حضور تشریف رکھیں۔ ہم کھانا بھی لاتے ہیں اور دیت کی رقم کا بھی انتظام کرتے ہیں۔ حضور کو ایک گھر کی دیوار کے نیچے بٹھایا۔ اور اوپر چھت سے بڑا بھاری پتھر حضور انور پر پھینکا تاکہ آپ اس سے دب کر شہید ہو جائیں۔ جبریل امین نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ فوراً ہٹ جاویں۔ حضور ہٹ گئے اور ان کے شر سے محفوظ رہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی، خازن، کبیر وغیرہ) نمبر ۳ غزوہ بنی غطفان کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل میں ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ صحابہ کرام بھی اس جنگل میں متفرق جگہ ٹھہرے ہوتے تھے کہ ایک غطفانی کافر آیا۔ حضور انور کی تلوار قبضہ میں کر لی۔ سونت لی۔ حضور انور بیدار ہوئے تو وہ بولا کہ اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ حضور انور نے فرمایا اللہ۔ یہ سنتے ہی اس کا بدن کانپا۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ حضور انور نے اٹھائی۔ اور فرمایا اب بتا تجھے مجھ سے کون بچائے گا۔ وہ بولا کوئی نہیں۔ تب حضور انور نے اسے چھوڑ دیا۔ اس سے بدلہ نہ لیا۔ روح البیان نے فرمایا کہ وہ شخص یہ کرم دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ تب یہ آیت کریمہ اتری (روح المعانی و روح البیان وغیرہ)

تفسیر **یایھا الذین امنوا** یہ پکارنا اظہار کرم کے لئے ہے۔ **الذین امنوا** سے مراد نہ تو سارے مومن جن وانس ہیں نہ تمام مومن انسان بلکہ صرف صحابہ کرام مراد ہیں کہ مضمون انہیں کے لائق ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ سارے مومن مراد ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار سے محفوظ رہنا سارے مسلمانوں کے لئے نعمت ہے۔ جس کا شکریہ سب ہی ادا کریں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری حضور کی معراج سارے مسلمانوں کے لئے نعمت ہے۔ **واذکروا نعمة اللہ علیکم** ذکر کے چھ سات معنی ہیں۔ جو ہم دوسرے پارے میں **فاذکرونی اذکرکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ یہاں ذکر سے مراد ہے یاد کرنا۔ یاد رکھنا۔ چرچا کرنا۔ پھر یاد کرنا۔ خواہ لسانی ہو یا جنانی۔ یا ارکانی اور زبانی یاد کرنے میں خواہ تنہائی میں ہو کرنا ہو یا مجمع میں غرض کہ اس ذکر میں بہت وسعت و گنجائش ہے۔ بلا معاوضہ عطاء

نعمت ہے۔ معاوضہ کی اجرت۔ دنیا میں رب تعالیٰ کی تمام دینی و دنیاوی عطائیں ہمارے اعمال کی اجرتیں نہیں۔ جسمانی نعمتیں فانی ہیں۔ روحانی نعمتیں باقی۔ مگر جب جسمانی نعمتوں میں روحانی نعمتیں شامل کردی جائیں تو وہ بھی باقی بن جاتی ہیں کھانا پینا جسمانی نعمتیں ہیں۔ مگر جب انہیں اللہ کی عبادت کے لئے اللہ کے ذکر سے کھایا جائے تو وہ نعمتیں روحانی بن جاتی ہیں ان پر ثواب جاودانی ملتا ہے۔ اگرچہ ہر نعمت کو یاد کرنا چاہیے مگر یہاں نعمت اللہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار کے شر سے محفوظ رہنا ہے۔ چونکہ حضور انور کی سلامتی سارے مسلمانوں پر اللہ کی نعمت ہے۔ اسی لئے علیکم فرمایا گیا۔ یعنی ایمان والو تم اس خاص نعمت کو جو تم پر ہوئی۔ زبانی جسمانی' جنانی طور پر یاد کرو یا یاد رکھو۔ یا لوگوں میں اس کا چرچا کرو اذھم اذ ظرفیہ ہے اور یہ عبارت **اذکروا** کا ظرف نہیں کیونکہ ذکر کا زمانہ اور ہے اور اس واقعہ کا زمانہ دوسرا۔ بلکہ یہ جملہ الحاصل یا "الکائن" پوشیدہ کا ظرف ہو کر **نعمت اللہ** کی صفت ہے یعنی اس نعمت کو یاد کرو۔ جو اس وقت عطا ہوئی۔ جب ایک قوم نے برا ارادہ کیا مفید چیز دنیا میں بھی نعمت ہے اور برائی سے بچالینا بھی اللہ کی نعمت ہے۔ یہاں دوسری قسم کی نعمت کا ذکر ہے۔ یعنی کفار کے شر سے بچالینا اور ھم ارادہ کا فرق بارہا بیان ہو چکا کہ ھم وہ ارادہ ہے جس کے ساتھ کوشش بھی ہو اور ارادہ عام ہے۔ اگرچہ یہ حرکت ایک شخص نے کی تھی۔ مگر چونکہ سب قوم کے مشورہ سب کی رضامندی سے تھی۔ اسی لئے ھم کا فاعل قوم کو قرار دیا گیا۔ اور اگر اس آیت کا نزول نماز باجماعت کے متعلق ہو۔ تب تو قوم فرمانا بالکل ظاہر ہے۔ کہ وہاں پوری قوم نے مسلمانوں کو نماز میں ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ **ان یبسطوا الیکم ایدیھم** یہ عبارت ھم کا مفعول ہے **یبسطوا** بنا ہے **بسط** سے ' بمعنی پھیلانا دراز کرنا۔ جب اس کا مفعول **ید** یعنی ہاتھ ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے۔ پکڑنا' قتل یا ہلاک کرنے کے لئے اور اگر اس کا مفعول لسان یعنی زبان ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں گالی دینا۔ برا بھلا کہنا۔ بہرحال درست درازی یا زبان درازی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ **ایدی** مفعول ہے لہذا اس کے معنی قتل و ہلاکت ہے۔ اگر اس آیت کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ پر ہے تو الیکم فرمانا اس لئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی ساری امت کی ایذا رسانی ہے۔ اور اگر اس کا نزول نماز باجماعت کے متعلق ہے تو الیکم بالکل ظاہر ہے۔ یعنی ایک قوم نے تمہاری طرف دست درازی کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ **فکف ایدیھم عنکم** یہ جملہ ھم پر معطوف ہے۔ ف عاطفہ ہے کف بنا ہے کف سے ' بمعنی روکنا ہتھیلی کو کف اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے چیز روکی جاتی ہے۔ مٹھی کی چیز گرنے سے رک جاتی ہے۔ ساری جماعت کو کافہ کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قاتلوا المشرکین کافۃ** اس لئے کہ پوری جماعت دوسری کو اپنے اندر آنے سے روکتی ہے۔ **ایدی** سے مراد یا تو ذات ہے یا خود ہاتھ ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یا ان کے شر کو تم سے روک لیا کہ تم تک ان کا شر نہ پہنچ سکے۔ **واتقوا اللہ** یہ عبارت **اذکروا نعمت اللہ** پر معطوف ہے۔ اور مسلمانوں کو تقویٰ کا حکم دے رہی ہے۔ بلکہ **اذکروا نعمت اللہ** کا نتیجہ بیان فرما رہی ہے۔ یعنی اللہ کی یہ نعمت یاد کرو۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرو کہ مخلوق اس کے قبضے میں ہے۔

اس کے بغیر ارادہ تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تقویٰ کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ اگر اس کے بعد دوزخ یا آگ کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بچنا۔ جیسے **واتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة** اور اگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ڈرنا۔ لہٰذا یہاں ۔ معنی ڈرنا ہے۔ ڈرنا دل سے بھی ہوتا ہے۔ زبان سے بھی اور اعمال سے بھی۔ یہاں تینوں ڈر مراد ہیں تقویٰ کی حقیقت اس کے اقسام و احکام و فوائد شروع سورہ بقر میں عرض کئے جا چکے۔ **علی اللہ فلیتوکل المؤمنون** یہ نیا جملہ ہے۔ لہٰذا و ابتدائیہ ہے **علی اللہ** کے مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ **توکل** کا مادہ **وکل** ہے ۔ معنی سونپنا سپرد کرنا۔ اب ۔ معنی بھروسہ کرنا آتا ہے۔ توکل کی حقیقت اس کے درجات و اقسام پہلے عرض کئے جا چکے ہیں۔ یعنی مومنوں کو چاہیے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں کہ کار ساز حقیقی وہ ہی ہے خیال رہے کہ **توکل علی اللہ** اسباب پر عمل کرنے کے خلاف نہیں۔ حضورؐ نے اسباب جہاد جمع فرمائے۔ جہاد کیا پھر ساتھ ہی خدا پر بھروسہ فرمایا۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو اللہ کی وہ نعمت یاد کرو یا یاد رکھو یا اس کا چرچا کرو۔ جب کہ ایک کافر قوم نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کرے۔ ان کا ارادہ بڑا خطرناک تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی نے تم پر کرم فرمایا کہ تم سے ان کے ہاتھ روک لئے۔ اور تم کو ان کے شر سے بچالیا۔ اس وقت تم سے سارے اسباب منقطع تھے۔ صرف اس کے کرم سے تم بچے۔ لہٰذا یہ نعمت یاد رکھو اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو مومنوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں۔ وہ مہربان ہو تو سب مہربان ہیں۔ شعر :۔

☆ سائیں تیری روٹھ سے مرا آور کرے نہ کوئی ☆ در در کریں سیلیاں میں مڑ مڑ دیکھو توئے ☆
☆ سائیں اکھیاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام ☆ ذرا سی جھانکی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام ☆

خیال رہے کہ دو چیزیں یاد رکھنا عبادت ہے۔ اور دو چیزیں بھول جانا عبادت۔ اپنے گناہ یاد رکھنا۔ توبہ کرتے رہنا عبادت ہے۔ اللہ کی نعمتیں یاد رکھنا۔ شکر کرتے رہنا عبادت ہے۔ اپنی عبادات اور نیکیاں جو کسی کے ساتھ کی جائیں ان کا بھول جانا عبادت ہے۔ ان پر فخر نہ کرنا تقویٰ ہے۔ دوسرے کی برائیاں جو اس نے ہمارے ساتھ کیں بھول جانا عبادت ہے۔ یہاں اللہ کی نعمت یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو عبادت بلکہ عبادات کا مغز ہے۔ جو اللہ کی نعمتیں یاد رکھے گا۔ وہ عبادات سے غفلت گناہوں پر ہمت نہ کر سکے گا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اللہ کی ؛ ہیں۔ کیونکہ حضور خود اللہ کی نعمت ہیں۔ دیکھو حضور کا کفار کی شر سے بچ جانا اس کو اللہ نے نعمت فرمایا اور اس کی دیا۔ لہٰذا حضور کی ولادت حضور کی معراج حضور پر وحی کی ابتداء حضور کی ہجرت غرضیکہ ان کا ہر واقعہ ہمارے

نعمت ہے۔ دوسرا فائدہ اللہ کی نعمت جو ایک بار آچکی ہو اس کی یادگار منانا رضاء الٰہی کا ذریعہ ہے۔ دیکھو اسی خاص واقعہ کی یاد کا حکم دیا گیا۔ کہ فرمایا گیا۔ **اذکرو نعمت اللہ علیکم** لہٰذا عید میلاد شریف' عید معراج منانا بہت اچھا ہے۔ کہ یہ اللہ کی نعمت کا یاد کرنا یاد رکھنا یاد دلانا ہے۔ **تیسرا فائدہ** ہمیشہ کفار مسلمانوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ ہر طرح ہر حال میں انہیں ستانا بلکہ انہیں تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیشہ ان سے محتاط و خبردار رہنا چاہیے یہ فائدہ **اذھم قوم** سے حاصل ہوا۔ کافر کبھی مسلمان کی رعایت نہیں کرتا۔ **چوتھا فائدہ** اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا والی رکھوالی ہے۔ اس کے کرم سے مسلمان زندہ و باقی ہیں۔ دیکھو رب نے کیسے نازک موقع پر کفار کی کیسی زبردست سازش سے بچالیا۔ خواہ اپنے حبیب کو یا مسلمانوں کو اس کی یہ کرم نوازیاں اب بھی دیکھنے میں آ رہی ہیں۔ **پانچواں فائدہ** جنگ میں کفار کے دل میں مسلمانوں کی ہیبت ڈال دینا یا مسلمانوں کے دل میں ہمت و جرات پیدا فرما دینا یا کفار کی تدبیروں سے مسلمانوں کو بچالینا اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ یہ فائدہ **فکف ایدیھم عنکم** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** مسلمانوں کو ہر حال میں خصوصاً جہاد میں تقویٰ و پرہیزگاری چاہیے۔ اس کی برکت سے اللہ کی مدد و نصرت نازل ہوتی ہے۔ یہی وہ ہتھیار ہے جو صرف مسلمانوں کے پاس ہے۔ کفار کے پاس نہیں اور یہ ایسا ہتھیار ہے جس کا مقابلہ کوئی مادی ہتھیار نہیں کر سکتا۔ یہ فائدہ **واتقوا اللہ** سے حاصل ہوا۔

ہدایت غازی کو جہاد میں تین چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے اور تین چیزوں پر عمل۔ جہاد میں محض حصول مال۔ ملک گیری کی نیت ہرگز نہ کرے۔ اللہ کے دین کی خدمت مظلوم مسلمانوں کی نصرت و حمایت کی نیت ہو۔ اپنی تعداد یا اپنی قوت یا اپنے ہتھیار پر ہرگز بھروسہ نہ کرے۔ دوران جہاد غنیمت لوٹنے کی کوشش نہ کرے۔ پہلے فتح حاصل کرے۔ پھر سب مال غنیمت بفضلہ تعالیٰ اپنا ہے۔ کرنے والے کام یہ ہیں۔ جہاد میں تقویٰ و توکل اختیار کرے۔ ہاتھ میں تلوار ہو۔ منہ میں اللہ کا نام فتح و نصرت کو رب تعالیٰ کا عطیہ جانے۔ اس کا شکر کرے۔ نماز ہرگز نہ چھوڑے افراتفری کی حالت میں پیدل یا سواری پر چلتے ہوئے اشارہ سے نماز پڑھے۔ رب فرماتا ہے۔ **فرجالا** اور **رکبانا** **ساتواں فائدہ** مجاہد صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔ مخلوق پر توکل نہ کرے۔ سب سے مدد لے مگر توکل کسی پر نہ کرے۔ یہ فائدہ **وعلی اللہ فلیتوکل المومنون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض **اذھم قوم** بقاعدہ نحوی **اذکروا** کا ظرف نہیں ہو سکتا کیونکہ **اذکروا** مستقبل ہے اور **ھم** ماضی۔ اس قدر اختلاف زمانہ ہوتے ہوئے ظرفیت کیسی۔ پھر یہاں **اذھم** کو **اذکروا** کا ظرف کیوں بنایا گیا **جواب** ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ **اذھم قوم۔ نعمت اللہ** کی صفت یا حال ہے۔ اور ظرف ہے **کائنۃ** یا **الکائنہ** کا۔ یعنی اس نعمت کو یاد کرو جو تم کو اس وقت ملی جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کر لیا۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ **نعمت اللہ علیکم** اللہ کی وہ نعمت یاد کرو جو تم پر ہے حالانکہ دشمنوں کے برے ارادے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا گیا تھا۔

تو یہ نعمت حضور پر بھی **علیک** کیوں نہ فرمایا۔ **جواب** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنا مسلمانوں کے لئے نعمت **الٰہیہ** ہے۔ حضور انور پر تو ہر جگہ ہر حال میں اللہ کا کرم ہے ہی۔ دنیا میں رہیں تو رحمت ہیں۔ رب کے پاس حاضر ہو جائیں تو نعمت ہیں۔ جان کا جسم میں رہنا بدن کے لئے نعمت ہے۔ نور نظر کا آنکھ میں رہنا آنکھ کے لئے نعمت ہے۔ کہ جان سے جسم کی بقا ہے اور نظر سے آنکھوں کی بہار۔ ان کے بغیر دونوں بے کار۔ **شعر:۔**

☆ وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو ☆

☆ جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے ☆

تیسرا اعتراض ذکر سے کیا فائدہ ہے اللہ کی اطاعت چاہیے محض ذکر بیکار ہے۔ پانی پانی کئے جاؤ۔ پیاس نہیں بجھے گی۔ پیاس تو پانی پینے سے بجھے گی پھر ذکر کا حکم کیوں دیا۔ **جواب** ذکر و فکر دونوں ہی اعلیٰ ہیں۔ عظمت سے جس کا ذکر کیا جائے اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ برائی سے جس کا ذکر ہو تا رہے اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ ہم کو بفضلہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ حالانکہ دیکھا نہیں۔ کیوں آپ کا ذکر کرتے کرتے اور ذکر سنتے سنتے اللہ کا ذکر اس کی نعمتوں کا ذکر اس سے محبت کا ذریعہ ہے۔ اور محبت اطاعت کا ذریعہ۔ اطاعت میں دارین کی سعادت ہے۔ پانی کی مثال غلط دی۔ غذائیں کھائی جاتی ہیں بعض دوائیں سونگھی جاتی ہیں۔ بعض دکھائی جاتی ہیں اور بعض سنائی جاتی ہیں۔ منہ میں خشکی ہو تو لیمون نچوڑتے ہوئے دیکھنے بلکہ اس کا ذکر سننے سے منہ میں تری آجاتی ہے۔ اللہ کے ذکر سے دل بے چین کو چین آجاتا ہے۔

چوتھا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ غازیوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ چاہیے۔ تو مسلمان جہاد میں بندوں سے کیوں مدد مانگتے ہیں۔ آج پاکستان جہاد کشمیر میں کفار سے بھی مدد حاصل کر رہا ہے۔ یوں ہی نبیوں ولیوں سے مدد لینا خصوصاً جہاد میں عین شرک ہے۔ اور آیت کے خلاف۔ **جواب** توکل صرف خدا تعالیٰ پر چاہیے استمداد و استعانت بندوں سے بھی لینی چاہیے۔ مدد لینا اور ہے۔ توکل کرنا کچھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد ہجرت تبلیغ تمام امور میں صحابہ سے مدد لی ہے حتیٰ کہ ایک جماعت کا نام ہی انصار ہے۔ یعنی مدد کرنے والی جماعت عہد فاروقی میں جہادوں میں کفار سے مدد لی گئی ہے۔ حضرت خالد ابن ولید جہاد میں وہ ٹوپی سر پر رکھتے تھے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال شریف تھا۔ یہ ہے حضور کے تبرکات سے جہاد میں مدد لینا ہم حکیموں سے دوا حاکموں سے داد فریاد لیتے ہیں۔ مگر توکل رب تعالیٰ پر ہی کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمت مسلمانوں پر یہ ہے کہ انہیں ظاہری کفار کی شر سے بچالے اور باطنی نعمت مسلمانوں پر یہ ہے کہ انہیں باطنی کفار یعنی نفس و شیطان کی شر سے بچالے جو ہر وقت ہر مسلمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہر وقت اس کی تاک میں ہیں۔ اگر مسلمان سے کوئی نیکی ہو جائے تو اسے رب کی نعمت سمجھے یہ خیال کرے کہ دست قدرت نے مجھے نفس و شیطان کے ہاتھ سے بچالیا۔ اور اپنے در پر بلا لیا۔ میرے سر کو اپنے آستانہ پر جھکا لیا۔ اس کا بھی

شکریہ ادا کرے غرض کہ توفیق خیر ملنے کا شکر کرے اور اس شکر کی توفیق کا بھی شکر کرے کہ یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اس ذکر و شکر کے دو بازو ہیں جن سے یہ بارگاہ الٰہی تک پہنچتے ہیں۔ ایک تقویٰ دوسرا توکل ہے۔ صوفیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ ہر غافل کرنے والی چیز سے بچے اگر مال و اولاد رب سے غافل کرے تو اس سے پرہیز کرے۔ ان تمام چیزوں کو رب کے لئے برتے اور صوفیاء کا توکل یہ ہے کہ انسان اپنے کو قدرت کے ہاتھ میں ایسا سمجھے جیسے میت غسال کے ہاتھ میں کہ میت کی ہر حرکت غسال کے ہاتھ سے ہوتی ہے۔ ایسے متوکل بندے کی ہر جنبش قدرت کے ہاتھ سے شریعت کے اشارہ سے ہو۔ شریعت سے ہٹنا انسان کے توکل کی موت ہے مولانا فرماتے ہیں۔ شعر :-

قصہ عاد و ثمود از بہر چیست
تابدانی کا نبیارا ناز کیست

خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو رنج و خوشی راحت و تکلیف سے آزماتا ہے۔ ان آزمائشوں میں کامیاب ہو جانا بھی اس کے فضل سے ہوتا ہے۔ یہاں روح البیان نے فرمایا کہ ایک پہاڑ پر حضرت عیسیٰؑ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ کی خدمت میں ابلیس آیا بولا کہ آپ کیا کہتے ہیں کہ ہر چیز قضا و قدر سے ہے۔ فرمایا ہاں۔ وہ بولا کہ آپ اپنے کو پہاڑ سے گراویں اور کہیں کہ میرا یہ گرنا اللہ کے ارادہ سے ہے۔ اور دیکھیں کہ آپ بچتے ہیں کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ مردود خیال رکھ کہ اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ بندہ کو آزماوے مگر بندے کو حق نہیں کہ رب کو آزمائے۔ بندہ کا حق ذکر، فکر، تقویٰ اور توکل ہے۔ راضی برضا رہنا توکل کی جان ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ

اور البتہ تحقیق لیا اللہ نے مضبوط عہد بنی اسرائیل سے اور بھیجا ہم نے ان میں سے بارہ افسروں

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں بارہ سردار قائم کئے اور فرمایا میں بیشک

نَقِيْبًا ۗ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۗ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ

کو　اور فرمایا اللہ نے بیشک میں ساتھ ہوں تمہارے اگر تم نے نماز قائم کی اور دی تم نے زکوٰۃ

تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور میرے

وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ

اور ایمان لائے تم رسولوں پر میرے اور عزت کی تم نے ان کی اور قرض دیا تم نے اللہ کو قرض اچھا تو البتہ مٹا

رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو بیشک میں تمہارے گناہ

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ

دوں گا میں تم سے برائیاں تمہاری اور ضرور داخل کروں گا میں تم کو باغوں میں کہ بہتی ہیں نیچے سے انکے

اتار دوں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جنکے نیچے نہریں رواں

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

نہریں۔ پس جو کفر کرے گا بعد اس کے تم میں سے پس بے شک بہک جاوے گا وہ سیدھے راستہ سے

پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بھٹکا

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں یہود مدینہ کی وہ بد عہدی بیان ہوئی جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی اب ان یہود کے اسلاف کی وہ بد عہدی بیان ہو رہی ہے جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی ہو کہ جب یہود اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے بھی بد عہدی سے باز نہ رہے تو اگر ہم سے بد عہدی کریں تو ان پر کیا تعجب ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نعمت الٰہیہ یاد رکھنے کا حکم دیا تھا اب گزشتہ یہود کی نعمت فراموشی کا ذکر ہو رہا ہے۔ تاکہ مسلمان ان کے اعمال سے بچیں۔ گویا بد عہدوں کی بد عہدی کا ذکر اس لئے ہے تاکہ ہم بد عہد نہ بنیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے صرف ہم کو کچھ احکام دیئے۔ اب گزشتہ قوم بنی اسرائیل کو احکام دینے کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ رب تعالیٰ نے صرف ہم کو ہی احکام کا **مکلف** نہیں کیا۔ بلکہ ہم سے پہلے بھی قوموں کو مکلف کیا تھا۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے ہم کو تقویٰ اور توکل کا حکم دیا تھا۔ اب بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا ذکر فرمایا۔ جس سے پتہ لگے کہ تقویٰ کیا ہے اور توکل کی حقیقت کیا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں نماز قائم کرنے زکوٰۃ دینے نبی کی مدد کرنے۔ صحیح مومن بننے کا ذکر ہے۔ یہی تقویٰ اور توکل کی اصل ہے۔ جو یہ اعمال کرے وہ متقی ہے۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہو گا۔ انشاء اللہ۔

تفسیر ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل جس واقعہ کا اس آیت میں ذکر ہے۔ وہ بنی اسرائیل اس کے منکر ہو چکے تھے۔ جو اس آیت کے نزول کے وقت عرب میں تھے اس لئے اسے لام اور قد کی تاکیدوں سے موکد فرمانے کے لئے **لقد** سے شروع فرمایا اخذ کی نسبت اللہ کی طرف مجازی ہے کیونکہ یہ عہد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے لیا تھا۔ قدس کی سرزمین پر جہاد کرتے وقت چونکہ نبی کا کام رب تعالیٰ کا کام ہوتا ہے۔ اس لئے **اخذ اللہ** فرمایا گیا۔ میثاق کے معنی اور وعدہ' عہد' میثاق میں فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ کہ میثاق بنا ہے وثق سے۔ بمعنی مضبوطی و پختگی۔ میثاق وہ پختہ وعدہ ہے جس کی مخالفت پر کچھ سزا دی جائے۔ یہاں میثاق سے مراد وہ میثاق نہیں جو عالم ارواح میں بندوں سے لیا گیا تھا۔ وہ

تو کل تین عہد تھے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا عہد جو سب سے لیا گیا۔ جس کے بعد ہے۔ قالوا بلٰی سب نے ہاں کہا دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے آپ کی مدد کرنے کا عہد جو انبیائے کرام سے لیا گیا۔ **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** اور تیسرا وہ عہد جو علمائے بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا۔ تبلیغ توریت کے متعلق بلکہ یہاں وہ عہد و پیمان مراد ہے جو جبارین کنعانی کفار سے جہاد کرتے وقت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے لیا کہ جہاد میں بزدل نہ بنیں۔ ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کریں۔ لہذا آیت واضح ہے **وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا** یہ عبارت **اخذ اللہ** پر معطوف ہے۔ اس عبارت میں غائب سے متکلم کی طرف التفات ہے کہ **اخذ** غائب کا صیغہ تھا اور **بعثنا** جمع متکلم **منھم** کا مرجع بنی اسرائیل ہیں۔ چونکہ اس وقت بنی اسرائیل کے بارہ گروہ تھے۔ اس لئے بارہ نقیب چنے گئے۔ ہر گروہ سے ایک نقیب۔ ان **نقباء** میں حضرت کالب ابن یوقنا بھی تھے۔ جو یہودا کی اولاد سے تھے۔ ان کے علاوہ دس نقیب اور تھے۔ ہر سبط سے ایک نقیب بعث سے مراد ہے۔ یا ہر سردار کو اپنی قوم اپنے سبط میں بھیجنا تبلیغ کے لئے یا مراد ہے۔ مقام اریحاء میں بھیجنا قوم کنعانیین کی جاسوسی کرنے ان کے حالات معلوم کرنے کے لئے نقیب بنا ہے۔ نقب سے بمعنی نقب وسیع یعنی بڑا سوراخ اسی لئے پہاڑ کے بڑا راستہ کو نقب کہتے ہیں کہ وہ پہاڑ میں وسیع سوراخ کر کے بنایا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **ونقبوا فی البلاد۔ منقبت** اور مناقب ان صفات کو کہتے ہیں جو چھان بین اور کرید کے بعد معلوم یا بیان کئے جائیں۔ اصطلاح میں نقب کے معنی ہیں تفتیش اور تجسس و تلاش یہاں نقیب یا بمعنی اسم مفعول ہے یعنی چنے ہوئے۔ تلاش کئے ہوئے لوگ جنہیں قوم نے اپنی سرداری یا نمائندگی کے لئے چن لیا یا بمعنی اسم فاعل ہے یعنی اپنے قوم کے حالات کی تلاش و تجسس میں رہنے والے لوگ۔ بہر حال نقیب اس سردار کو کہتے ہیں جو قوم کا نگران ہو ان میں مبلغ ہو۔ خیال رہے کہ یہ نقیب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے چنے گئے اور قوم میں تبلیغ کے لئے اور کنعانی کفار میں جاسوسی کے لئے بھیجے گئے تھے۔ مگر چونکہ اللہ کے مقبولوں کا کام خود رب تعالیٰ کا کام ہوتا ہے۔ اس لئے **بعثنا** فرمایا یعنی ہم نے بھیجے جیسا کہ ابھی ہم نے **اخذ اللہ** سے عرض کیا۔ **وقال اللہ انی معکم** یہ عبارت بھی "اخذ اللہ" پر معطوف ہے۔ اس میں خطاب یا تمام بنی اسرائیل سے ہے جن سے عہد و میثاق لیا گیا تھا یا ان نقیبوں سے جنہیں بنی اسرائیل کی طرف تبلیغ کے لئے یا جبارین کی طرف جاسوسی کے لئے بھیجا گیا۔ **معکم** میں معیت (ہمراہی) سے مراد رحمت و کرم کی ہمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ زمانی اور مکانی ہمراہی سے پاک ہے۔ ہم ہمراہی کے معانی اور اس کے اقسام **ان اللہ مع الصابرین** کی تفسیر میں کر چکے۔ یعنی رب تعالیٰ نے ان بنی اسرائیل سے یا بارہ نقیبوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت فرمادیا کہ ہماری رحمت ہمارا کرم تمہارے ساتھ ہے۔ **لئن اقمتم الصلوۃ** اس جملہ میں معیت و ہمراہی کی تفسیر فرمائی گئی لام تاکیدی ہے۔ ان شرطیہ اس شرط کی جزا آگے آرہی ہے۔ **لا کفرن عنکم** الخ صلوٰۃ کے معنی اور نماز قائم کرنے کی تفسیر اور نماز پڑھنے نماز قائم کرنے میں بہت فرق ہے۔ ہم **اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** کی تفسیر اور شروع سورہ بقر **یقیمون الصلوۃ**

کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ بنی اسرائیل پر نماز فرض تھی۔ دن رات میں دو نمازیں۔ چونکہ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوۃ مالی عبادت۔ بدنی نیکی سے افضل ہے۔ اس لئے نماز کا ذکر پہلے ہوا۔ اسلامی نماز اور اسرائیلی نماز میں چند طرح فرق ہے۔ اسلامی نماز دن رات میں پانچ بار ہے۔ اسرائیلی نماز دو بار۔ اس نماز میں رکوع ہے یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا جیسا کہ **وارکعوا مع الراکعین** کی تفسیر میں عرض کیا جا چکا ہے۔ اسلامی نماز میں تلاوت قرآن فرض ہے۔ ان کی نماز میں تلاوت توریت فرض نہ تھی۔ ورنہ توریت ضائع نہ ہوتی۔ تو ہمارے قرآن کی بقا کا ذریعہ نماز ہے کہ اس کی وجہ سے مسلمان کے بچہ بچہ کو کچھ سورتیں یاد کرنا پڑتی ہیں۔ تراویح کی برکت سے بعض لوگ حافظ ہوتے ہیں۔ ہماری نماز میں التحیات ہے۔ ان کی نماز میں نہ تھی بہر حال اصل نماز تھی نوعیت میں فرق تھا۔ یونہی ان کے ہاں نماز جمعہ' نماز عیدین' نماز کسوف نماز استخارہ وغیرہ نہ تھی۔ اسلام میں یہ نمازیں ہیں۔ **واتیتم الزکوۃ** یہ عبارت **اقمتم** پر معطوف ہے۔ اور دوسری شرط زکوۃ کے معنی اور ایتاء الزکوۃ کی تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ بنی اسرائیل پر مال کا چوتھائی حصہ زکوۃ فرض تھی۔ ہمارے ہاں سونے چاندی وغیرہ کی زکوۃ چالیسواں حصہ ہے۔ **وامنتم برسلی وعزرتموھم** اگرچہ ایمان اور حضرات انبیاء کرام کی تعظیم و مدد نماز و زکوۃ پر مقدم ہے کہ ایمان پہلے اختیار کرو۔ نماز وغیرہ بعد میں مگر چونکہ یہود و نصاریٰ نماز و زکوۃ کے اس وقت تک منکر نہ تھے۔ بعض انبیاء کرام کے منکر ہو گئے تھے۔ جیسے یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے اور عیسائی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر۔ اس لئے نماز و زکوۃ کا ذکر پہلے کیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ بغیر ایمان و تعظیم انبیاء نماز و زکوۃ بیکار ہے جیسے درستی نماز کے لئے باوضو ہونا اور آخر نماز تک باوضو رہنا ضروری ہے۔ یونہی تمام اعمال کی درستی کے لئے مومن ہونا اور آخر دم تک مومن رہنا ضروری ہے اس لئے **امنتم برسلی** بطور شرط یا بطور حال ان احکام کے بعد مذکور ہوا۔ وسیلہ بنی ریل کے طرح نہیں کہ منزل پر پہنچ کر چھوڑ دیا جائے بلکہ شمع کی طرح کہ نور اس سے وابستہ ہے۔ نور کے لئے ہر وقت شمع کی ضرورت ہے۔ رسل سے مراد سارے نبی ہیں۔ از آدم علیہ السلام تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم **عزرتم** بنا ہے **تعزیر** سے جس کا مادہ عزر ہے۔ بمعنی قوت' دفع' منع اسی لئے سزا کو تعزیر کہتے ہیں کہ اس سے جرم رکتے ہیں۔ مدد کو بھی تعزیر کہتے ہیں۔ کہ اس سے دوسرے کے مخالف کو دفع کیا جاتا ہے۔ عام مفسرین نے اب کے معنی کئے ہیں اگر تم نے ان کی مدد کی۔ تفسیر کبیر نے اس کے معنی تعظیم و توقیر کئے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ یہاں تعزیر کے معنی ہوں۔ امداد مع تعظیم و توقیر یعنی اگر زکوۃ و نماز پر کاربند رہے اس حال میں کہ تم رسولوں پر ایمان لا چکے ہو۔ ان کی مدد کرو تعظیم و توقیر کرو۔ خیال رہے کہ وفات یافتہ رسولوں کی صحیح تعلیم کی اشاعت کرنا ان کی مدد ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ تعزیر کے معنی ہیں مدد مع تعظیم اور خواجہ حسن بصری نے اس کے معنی صرف مدد کئے۔ ابن زید نے صرف تعظیم (معانی) فقیر کے نزدیک پہلے معنی زیادہ اصح ہیں یعنی امداد مع تعظیم نبی سے جس چیز کو نسبت ہو جائے۔ اس کی بھی تعظیم ضروری ہے۔ صفا مروہ پہاڑ مکہ معظمہ شہر آب زمزم وغیرہ کی تعظیم نبی کی نسبت سے ہے۔ **وعزرتموھم** میں بڑی گنجائش ہے

واقرضتم اللہ قرضا حسنا قرض حسن کی تفسیر ہم **من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا** کی تفسیر میں کر چکے ہیں کہ قرض حسن وہ صدقہ ہے جو حلال اور پیارے مال سے برغبت کیا جائے۔ ریا کو دخل نہ ہو۔ آئندہ کسی طرح اسے باطل نہ کر دیا جائے۔ یہاں قرض حسن سے مراد وہ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات ہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ کا ذکر تو پہلے ہو چکا (روح البیان وغیرہ) **لا کفرن عنکم سیاتکم** یہ جملہ **لئن اقمتم** الخ کی جزا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ قسم کا جواب ہے اور شرط کی جزا کا قائم مقام کیونکہ **لئن اقمتم** میں لام قسم کا تھا اور ان شرطیہ۔ قسم پہلے تھی۔ شرط بعد میں اور پہلے کا اعتبار مقدم ہوتا ہے (روح المعانی) **لا کفرن** اور **سیات** کے معنی پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ تکفیر کے معنی ہیں مٹا دینا۔ سیات سے مراد یا چھوٹے گناہ ہیں یا شریعت کے حقوق۔ بندوں کے حقوق سیات سے خارج ہیں۔ لہذا کافر اگر مسلمان ہو جائے تو اسے قرض ادا کرنا ہی ہو گا۔ حق والوں کے حق دینا ہی ہوں گے۔ اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان پانچ اعمال کے ذریعہ تمہارے گناہ مٹا دوں گا یہ اعمال گویا دل کے لئے صابن ہوں گے یا ان اعمال کی برکت سے تم کو کفارہ سیات کی توفیق ملے گی کہ تم مرنے سے پہلے گناہ معاف کرالو گے **ولا دخلنکم جنت تجری من تحتھا الانھر** یہ دوسرا کرم ہے۔ چونکہ گناہوں کی معافی پہلے ہے اور جنت کا داخلہ بعد میں اس لئے اس کا ذکر گناہوں کی معافی کے بعد فرمایا۔ جنات جمع فرمانے میں اسی جانب اشارہ ہے کہ ایک مومن کو رب تعالیٰ بہت سی جنتیں باغات عطا فرمائے گا۔ چونکہ باغ کی سرسبزی پانی سے ہے اس لئے نہروں کا ذکر فرمایا۔ نہر حسین بھی ہوتی ہے اور خطرناک نہیں ہوتی۔ مفید ہی ہوتی ہے۔ نیز نہر کا پانی قبضے میں ہوتا ہے۔ بحر یعنی دریا میں یہ بات نہیں۔ اس لئے جنت میں نہریں ہیں۔ بحر یعنی دریا نہیں۔ چونکہ جنت میں صرف پانی کی نہر نہ ہو گی۔ بلکہ پانی، دودھ، شہد، شراب طہور ہر چیز کی نہریں ہوں گی اس لئے جمع ارشاد ہوا۔ یعنی ہم ایسے مخلص باعمل مومنوں کے سارے عمل بخش دیں گے۔ اور اس کے علاوہ ایسے باغات میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں **فمن کفر بعد ذلک منکم فقد ضل سواء السبیل** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ ف **تعقیب** کی ہے اور یہ جملہ گزشتہ اعلان پر مرتب ہے۔ من سے مراد یا تو وہ اسرائیلی ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے یا عام اسرائیلی یا تمام انسان یا سارے جن و انس **کفر** بنا ہے کفر بمعنی انکار سے اس کا مفعول محذوف ہے۔ یا حضرات انبیاء کرام یا نماز و زکوٰۃ تعظیم انبیاء کرام وغیرہ وہ چیزیں جو ابھی مذکور ہوئیں۔ **ذلک** سے اشارہ ایمان کی طرف نہیں بلکہ اسی مذکورہ اعلان کی طرف ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ کرایا گیا تھا۔ منکم میں من تبعیضیہ ہے **سواء السبیل** سے مراد وہ عقیدے و اعمال ہیں جو رب تعالیٰ تک یا جنت تک پہنچا دیں یعنی اس اعلان اور وعدہ انعام کے بعد اب جو کوئی ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا یا کسی نبی کا انکار کرے گا سمجھ لو کہ وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔ کبھی رب تعالیٰ تک یا جنت تک نہیں پہنچ سکتا۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل سے ایک پختہ عہد لیا اور اس عہد

کی پابندی کی۔ نگرانی کرنے اور دشمن کی طاقت و قوت کا اندازہ لگانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینے کے لئے موجودہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے بارہ سردار مقرر کئے فی قبیلہ ایک سردار۔ یہ بارہ سرداروں کا تقرر بھی موسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان اسرائیلیوں سے وعدہ فرمایا کہ میری رحمت میرا کرم میری نگرانی تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم لوگوں نے نمازیں قائم رکھیں کہ ہمیشہ صحیح طور پر صحیح وقت پر پڑھتے رہے اور تم زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لاکر قائم رہے۔ ان کی تعظیم و توقیر و مدد کرتے رہے۔ اور زکوٰۃ کے علاوہ اور نفلی صدقے خوش دلی سے حلال و مرغوب مال سے ادا کرتے رہے۔ یا غریب مسلمانوں کو بغیر سود قرضہ دیتے رہے یا غیرت مند مسلمانوں غریبوں کو جو خیرات لینے سے شرم کریں۔ قرض کے بہانہ صدقہ دیتے رہو۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے کرم پر قرض قرار دیا ہے۔ کہ تم کو اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔ اگر تم نے یہ اعمال کئے تو ہم تمہارے سارے چھوٹے بڑے گناہ معاف فرمادیں گے اور تم کو ایسے باغات عطا فرمائیں گے جن کے نیچے دودھ 'شہد' پانی' شراب طہور کی نہریں رواں ہیں وہاں سے تم کو کبھی نکالیں گے نہیں۔ پھر اس اعلان کے بعد ان وعدوں کے بعد بھی جو کوئی تم میں سے حضرات انبیاء کرام کا یا ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا انکار کرے گا تو سمجھ لو کہ وہ اللہ تک یا جنت تک پہنچانے والے سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ وہ کسی طرح اللہ تعالیٰ تک یا جنت تک نہیں پہنچ سکتا۔ خیال رہے کہ بنی اسرائیل کی نماز و زکوٰۃ کے صرف اخروی دو فائدے تھے۔ یعنی گناہوں کی معافی جنت کا داخلہ۔ اسلام میں نماز و زکوٰۃ کے دنیاوی برزخی۔ اخروی بہت فائدے ہیں۔ نماز سے وضو سے چہرے کی چمک حاجتیں پوری ہونا۔ نزع کی آسانی قبر میں روشنی رب کی رضا خلقت میں مقبولیت وغیرہ کیونکہ ہم کو یہ عبادتیں حضور کے وسیلہ سے ملیں۔ اس ہاتھ کی یہ برکتیں ہیں۔ بارش کا قطرہ سیپ کے ذریعہ سے ملے تو موتی بن کر ملتا ہے لہٰذا اسلامی نماز و زکوٰۃ اسرائیلی نماز و زکوٰۃ سے بہت ہی افضل ہے۔ اسی طرح ہماری نماز سے بہت ہی افضل ہے۔ صحابہ کرام کی نماز کیونکہ اگرچہ دونوں نمازوں میں قرآن ارکان شرائط یکساں ہیں۔ مگر ہم اس شان کا کہاں نصیب ہو جو صحابہ کرام کو نصیب تھے۔ اس لئے صحابہ کرام کو سوا سیر جو خیرات کرنے پر جو ثواب ملتا ہے۔ وہ دوسرے مسلمانوں کو پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے پر نہیں مل سکتا۔ حضرت علی نے چند روٹیاں خیرات کیں۔ تو ان کے فضائل میں سورہ دہر کی بہت سی آیات نازل ہوئیں۔ ہم لاکھوں روپیہ خیرات کریں ایک اچھی خواب بھی نہیں آتی۔ لہٰذا کوئی شخص اپنے آپ کو صحابہ کرام کے برابر نہ کہے۔

اصل واقعہ

غرق فرعون کے بعد جب بنی اسرائیل مصر میں مقیم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم سب زمین شام کی بستی اریحاء کی طرف چلو۔ اریحاء قوم جبارین کنعانین کا دار الخلافہ تھا۔ یہ کفار جبارین ایک ہزار بستیوں کے بادشاہ تھے۔ ہر بستی

باغات و سبزہ سے پر تھی۔ دارالخلافہ اریحاء کو بنایا تھا۔ اریحاء بیت المقدس سے قریباً تیس چالیس میل فاصلہ پر تھی۔ اب اس بستی کو ریحان کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان اسرائیلیوں سے فرمایا تھا کہ وہ جگہ تمہاری جائے قرار ہوگی۔ ہم مجاہدین کی مدد فرمائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم پروردگار ان میں سے بارہ شخص چنے۔ ہر قبیلہ میں ایک ایک جن کو اپنی اپنی قوموں کا کفیل بنایا گیا کہ یہ لوگ اپنی اپنی قوم سے وعدہ جہاد پورا کرائیں۔ ان بارہ ضامنوں کو نقیب کہا جاتا ہے۔ نقیب کے معنی ہم ابھی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ ان نقیبوں میں حضرت کالب ابن یوقنا اور یوشع ابن نون بھی تھے۔ اسرائیلیوں سے ان نقیبوں کے ذریعہ جہاد کا پختہ وعدہ لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب کے ساتھ بہت شان و شکوہ سے اریحاء کی طرف بہ ارادہ جہاد چلے۔ اریحاء پر حملہ کرنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے ان نقیبوں کو جاسوسی کی غرض سے اریحاء بھیجا تاکہ دیکھ کر آئیں کہ قوم کنعانین کی حالت کیا ہے اور ان کی جنگی تیاریاں کیسی ہیں۔ اور آپ مع اس لشکر جرار کے اریحاء سے قریب ہی ٹھہرے رہے۔ ان نقیبوں سے عہد لیا۔ کہ وہاں کے حالات صرف ہم سے بیان کریں۔ اپنی قوم یعنی اسرائیلیوں سے ہرگز نہ کہیں۔ یہ بارہ نقیب جب اریحاء پہنچے تو انہوں نے کنعانیوں کو بہت قد آور اور شہ زور پایا۔ اور ان کے پاس مالوں کی فراوانی دولت کی بہتات تھی۔ ان کی شہ زوری قد و قامت اور جوانی دیکھ کر یہ بارہ نقیب مرعوب ہو گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو سوائے حضرت کالب اور یوشع علیہ السلام کے سب نے اپنا عہد توڑ دیا۔ اپنی اپنی قوموں سے قوم کنعانین کی طاقت و قوت، دولت اور کثرت مال کا خوب چرچا کیا جس سے بنی اسرائیل گھبرا گئے اور کنعانیوں سے جہاد کرنے سے انکار کر دیا اور بولے کہ اے موسیٰ آپ اور آپ کا رب جا کر اس قوم سے جنگ کریں۔ ہم تو یہاں ہی رہیں گے۔ ہم میں اس قوم سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ اس آیت میں یہی واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ پھر بمشکل ان پر جہاد ہوا۔ اور ان کے سردار عوج بن **عنق (واللہ اعلم)** کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنفس نفیس قتل کیا۔ خیال رہے کہ اکثر مورخین نے اور ان کی پیروی میں بہت سے مفسرین نے اس قوم کنعان کے سردار کا نام عوج ابن **عنق** یا ابن عناق یا ابن عوق لکھا ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی عمر تین ہزار سال تھی۔ قوم عاد سے تھا اس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس گز تھا۔ حتی کہ اس کا سر بادل سے اوپر ہوتا تھا۔ اور طوفان نوح اس کے گھٹنوں تک پہنچا تھا اور وہ ان نقیبوں کو اپنی آستینوں میں ڈال کر لئے پھرا۔ اور کہانی اسرائیل سے ہماری شہ زوری کا ذکر کر دینا۔ اور بھی بہت مبالغہ آمیز باتیں لکھی ہیں مگر یہ روایات عقل و نقل سب کے خلاف ہیں۔ اس لئے کہ اتنے قد کا آدمی زندہ نہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس کا سر طبقہ زمہریر اور کرہ آگ سے بھی اوپر نکلا ہوا ہوگا۔ پھر وہ زندہ کیسے رہا۔ ان بزرگوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ عوج سمندر سے مچھلی پکڑ کر سورج سے بھون لیتا تھا۔ تعجب ہے کہ مچھلی بھون لیتا تھا۔ مگر اس کا سر نہیں بھنتا تھا۔ نیز طوفان نوح میں کوئی کافر نہ بچا۔ سب غرق ہو گئے اور صرف نوح علیہ السلام کی ذریت سے آئندہ نسل انسانی چلی۔ اسی لئے انہیں آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وجعلنا ذریتھم الباقین** پھر عوج کیسے بچ رہا۔ بہر حال یہ درست ہے۔ کہ کنعانین بہت شہ زور طاقتور مالدار

اور عیش و عشرت والی تھی۔ بنی اسرائیل نے ان کے مقابلہ سے انکار کر دیا۔ ان کے عہد جہاد کا ذکر تو اس آیت میں ہے۔ اور عہد توڑنے کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔ ہم نے بہت احتیاط سے یہ واقعہ عرض کیا۔ ان اسرائیلی روایات پر بہت سے اعتراضات ہو سکتے ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اللہ کے محبوب بندوں کے کام رب تعالیٰ کے کام ہیں۔ وہ حضرات فنافی اللہ ہوتے ہیں۔ دیکھو بنی اسرائیل سے جہاد کا یہ وعدہ اور ان میں سے بارہ نقیبوں کا چناؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ آپ نے انہیں قوم کنعانیین میں جاسوسی کے لئے بھیجا۔ مگر رب العالمین نے فرمایا کہ یہ کام ہم نے کئے جیسا کہ **اخذ اللہ** اور **بعثنا** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ** جہاد بڑی پرانی عبادت ہے۔ عہد موسوی میں بھی تھا۔ **تیسرا فائدہ** ایمان اور نیک اعمال کے ذریعے سیات یعنی چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ اعمال گویا میلے دل کے لئے صابن ہیں یہ فائدہ **لا کفرن عنکم** الخ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ ایمان سے زمانہ کفر کے سارے چھوٹے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور نیک اعمال کے ذریعہ گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں۔ مگر حقوق العباد کسی چیز سے معاف نہیں ہوتے۔ لہذا کافر مسلمان ہونے کے بعد بھی زمانہ کفر کے قرض ادا کرے گا۔ یہ بھی خیال رہے کہ عفو' مغفرت' تکفیر ان سب سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مگر عفو و مغفرت میں براہ راست رب تعالیٰ معافی دے دیتا ہے۔ اور تکفیر یہ ہے کہ بعض اعمال کے ذریعہ گناہ معاف فرمائے۔ جیسے گھوڑا لوٹ کر جب جسم ہلاتا ہے تو ساری مٹی جھڑ کر وہ صاف ہو جاتا ہے۔ لگا کیچڑ میں لوٹنے۔ مگر جہاں اس نے پر جھاڑے۔ صاف ہو گیا۔ یہ ہے عفو اور ہم نے اپنا میلا کپڑا پانی و صابن سے دھویا۔ یہ ہے کفارہ۔ یہاں کفارہ کا ذکر ہے۔ **چوتھا فائدہ** دین موسوی میں نماز بھی تھی اور زکوٰۃ بھی۔ اگرچہ وہ نماز و زکوٰۃ ہماری نماز و زکوٰۃ سے مختلف تھی۔ چنانچہ ان پر دن رات میں دو نمازیں فرض تھیں۔ اور زکوٰۃ چوتھائی مال۔ **پانچواں فائدہ** سارے نبیوں پر ایمان اور تمام نبیوں کا ادب و احترام اسلام کا رکن ہے۔ کسی نبی کا انکار اور کسی پیغمبر کی بے ادبی کفر ہے۔ یہ فائدہ **امنتم برسلی وعزرتموھم** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** زکوٰۃ کے علاوہ اور نفلی صدقات بھی دیتے رہنا چاہئیں۔ صرف زکوٰۃ پر قناعت نہ کی جائے۔ یہ فائدہ **واقرضتم اللہ** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** سلطان اسلام کو چاہیے کہ قوم کے حالات سے بے خبر رہے اور خبرداری کے لئے قوم نمبردار سردار مقرر کرے۔ مگر اہل کو یہ عہدے سونپے یہ فائدہ **اثنا عشر نقیبا** سے حاصل ہوا۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بیعت عقبہ کے موقع پر مسلمانان مدینہ کے لئے بارہ نقیب مقرر فرمائے تھے جو مسلمانان مدینہ کا دینی انتظام کریں۔ ان کی اصلاح کرتے رہیں۔ آج بھی حکومتیں پنچ۔ حاکم وغیرہ مقرر کرتی ہیں۔ ان کا ماخذ یہ آیت کریمہ ہے۔ **آٹھواں فائدہ** سلطان اسلام کو چاہیے کہ دشمن کے ملک میں اپنے جاسوس مقرر کرے۔ ان کے حالات سے باخبر رہے۔ کہ اس کے بغیر جنگ ناممکن ہے۔ یہ فائدہ بھی **اثنا عشر نقیبا** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** غرباء و مساکین رب تعالیٰ کو بڑے پیارے ہیں۔ دیکھو ان پر خرچ کرنے کو

رب تعالیٰ نے اپنے ذمے قرض قرار دیا۔ بلا تشبیہ ہماری اولاد پر خرچ کرنا ہم پر قرض ہوتا ہے۔ **دسواں فائدہ** پیغمبری تعظیم اتنی ضروری و اہم چیز ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا عہد لیا۔ اور پھر تعظیم میں کوئی قید نہیں لگائی۔ کہ کس قسم کی تعظیم کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر قسم ہر طرح کی تعظیم کی جائے۔ جو تعظیم شریعت نے حرام نہ کی ہو وہ کی جائے۔ تعظیم میں نقل کی ضرورت نہیں کہ منقول تعظیم کرو۔ دوسری نہ کرو۔ یہ فائدہ **عزرتموھم** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ لہذا کسی نبی ولی کو سجدہ نہ کرو کہ یہ حرام ہے۔ انہیں خدا کا بیٹا بیٹی نہ کہو کہ یہ شرک ہے۔ باقی ہر طرح کی تعظیم اور جائز کلمات کا استعمال کرو۔ **گیارھواں فائدہ** ایمان کی برکت سے زمانہ کفر کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حقوق معاف نہیں ہوتے۔ لہذا زمانہ کفر کے قرض ادا کرنے ہوں گے۔ اس زمانہ کی نمازیں قضا نہیں کی جائیں گی یہ فائدہ **لا کفرن عنکم سیئاتکم** سے حاصل ہوا۔ اسلام وہ سمندر ہے کہ ہر گندے کو جو اس میں غوطہ لگائے۔ پاک فرما دیتا ہے۔ **بارھواں فائدہ** اللہ تعالیٰ ایک مومن کو کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔ ایمان کی جنت' نماز کی جنت' روزے کی جنت' غرض کہ وہ کریم ہے۔ جب کرم نوازی فرمائے گا تو اپنی شان کے لائق عطا کرے گا۔ نہ کہ بندہ کی حیثیت کے لائق۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف متقی مومنوں کے ساتھ ہے تو کیا وہ کافروں اور گنہگاروں سے دور ہے۔ دیکھو فرمایا گیا۔ **انی معکم لئن اقمتم الصلوۃ** میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو۔ وہ تو ہر بندہ کے ساتھ ہے۔ **جواب** معترض نے آیت کا ترجمہ غلط کیا **لئن اقمتم** کا تعلق آئندہ مضمون سے ہے۔ اس کی جزا اور جواب ہے۔ **لا کفرن عنکم سیاتکم** یعنی اگر تم نماز قائم رکھو اور نیک بنو تو میں تمہارے گناہ بخش دوں گا اس لئے "معکم" پر (ط) کی علامت ہے یعنی یہاں ٹھہرو یہ وقف مطلق ہے۔ اگر مان لیا جائے جب بھی مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ مومنوں کے ساتھ رہے۔ رحمت و کرم' بندہ نوازی' ستاری' غفاری اور کافروں کے ساتھ قہاری جباری سے ہے۔ ساتھ ہونے کی بہت قسمیں ہیں۔ لہذا آیت کریمہ بالکل صاف ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت کریمہ میں نماز و زکوۃ کے بعد ایمان کا ذکر کیوں فرمایا۔ ایمان تو نماز زکوۃ بلکہ تمام اعمال سے پہلے ہے **جواب** اس کے کئی جواب **تفسیر** سے معلوم ہو گئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ نماز و زکوۃ درست ہونے کے لئے ایمان کی قید ہے کہ ایمان کے ساتھ ہوں تو درست ہیں۔ ورنہ نہیں۔ مومن ہونا نماز و زکوۃ سے پہلے چاہیے۔ مگر مومن رہنا آخر دم تک ضروری ہے۔ قید مقید کے بعد مذکور ہوتی ہے۔ **تیسرا اعتراض** ایمان اللہ تعالیٰ نبیوں' کتابوں' قیامت جنت و دوزخ فرشتوں سب پر ہی لایا جاتا ہے۔ تو یہاں فقط رسولوں کا ذکر کیوں ہوا۔ **امنتم برسلی جواب** یا اس لئے کہ ان تمام کا ماننا ایمان کا ڈھانچہ ہے اور رسولوں کو ماننا ایمان کی روح ہے۔ ابلیس سب کو مانتا تھا مگر کافر رہا۔ بہت سے کفار توحید وغیرہ سب کو مانتے ہیں۔ مگر کافر ہیں۔ یوں اس لئے کہ رسول کے منکر ہیں۔ دین بدلتا ہے۔ نبی بدلنے سے تمام آسمانی دینوں میں توحید یکساں ہے۔ نبوت میں فرق ہے تو یہ سب دین الگ ہو گئے۔ قبر میں توحید کے جواب پر نجات نہیں۔ نبوت کے جواب پر نجات ہے یا اس لئے کہ نبی کو ماننے میں

ان سب کا ماننا آ جاتا ہے۔ جیسے سو کے عدد میں تمام اکائیاں دہائیاں آ جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی خدا کو مانے نبی کو نہ مانے۔ مگر نا ممکن ہے کہ نبی کو مانے خدا کو نہ مانے ان وجوہ سے صرف رسل کا ذکر ہوا۔ **چوتھا اعتراض** رسولوں پر ایمان کے بعد ان کی تعظیم کا ذکر کیوں ہوا۔ کہ فرمایا **وعزرتموهم** **جواب** اس لئے کہ تعظیم رسول بقاء ایمان بلکہ صحت ایمان کا ذریعہ ہے۔ ایمان کے بعد بقاء کے ذریعہ کا ذکر ہوا۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو اسلام لا چکنے کے بعد کافر ہو وہ گمراہ ہے۔ یعنی مرتد۔ تو کیا اصلی کافر گمراہ نہیں۔ دیکھو فرمایا گیا۔ **فمن کفر بعد ذلک** حالانکہ سارے کافر گمراہ ہیں۔ **جواب** **ذلک** سے اشارہ ایمان و اعمال کی طرف نہیں بلکہ مذکورہ اعلان کی طرف یا مذکورہ عہد و پیمان کی طرف ہے یعنی اس عہد و پیمان کے بعد یا ہمارے اس اعلان عام کے بعد جو کفر کرے وہ بہت بڑا گمراہ ہے کیونکہ بے خبری کی حالت کا کفر یا گناہ قابل پکڑ نہیں۔ جسے نبوت کی روشنی نہ پہنچے۔ اس کے لئے صرف عقیدہ توحید ہی نجات کے لئے کافی ہے۔ **چھٹا اعتراض** بنی اسرائیل سارے رسولوں پر ایمان کیسے لا سکتے تھے۔ اس وقت سارے نبی تشریف نہ لا چکے تھے۔ بہت رسول بعد میں آنے والے تھے۔ جو نبی ابھی آئے ہی نہ ہوں ان پر ان کی تعظیم ان کی مدد کیسے ممکن ہے۔ لہذا ان سے یہ کہنا کیوں کر درست ہوا کہ **امنتم برسلی وعزرتموهم** **جواب** اجمالی ایمان آئندہ رسولوں پر بھی لایا جا سکتا ہے یہ خیال کیا جائے کہ آئندہ جس قدر رسول آئیں گے وہ برحق ہوں گے۔ ہمارا سب پر ایمان ہے۔ یونہی آئندہ تعظیم و مدد کا حال ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک موقع پر مدینہ منورہ کی زمین کا ادب کیا کہ جب آپ کا تخت اس سرزمین پر پہنچا جو کہ ہوا میں اڑتا ہوا یہاں سے گزرا تھا۔ تو آپ اس خطہ زمین پر اڑتے ہوئے نہ گزر گئے بلکہ اس سرزمین کو پیادہ طے کیا اور ساتھیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سے باخبر کیا اور فرمایا کہ یہ میدان آگے چل کر شہر بنے گا۔ اور اس شاہ رسل کا دائمی قیام گاہ بنے گا یہی سن کر تبع مع اپنی جماعت کے یہاں آباد ہو گئے اور ان ہی سے مدینہ کی بستی آباد ہوئی جیسا کہ ہم اس آیت کی تفسیر میں انشاء اللہ عرض کریں گے۔ **وقوم تبع**۔ یہ ہے حضور کی تعظیم اور حضور کے دین کی مدد جو حضور کی تشریف آوری سے ایک ہزار سال پہلے ہوئی۔ بہرحال تعظیم مدد، ایمان یہ تمام چیزیں گزشتہ موجودہ آئندہ نبیوں کی ہو سکتی ہے۔ **ساتواں اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز کے لئے **اقمتم** ارشاد ہوا۔ اور زکوٰۃ' ایمان' قرض حسن کے لئے **اقمتم** نہ ارشاد ہوا۔ قرآن کریم میں ہم کو نماز کا حکم دیا گیا **اقیموا** فرما کر اور کسی عبادت زکوٰۃ' روزہ' حج جہاد وغیرہ کے لئے قائم کرنے کا حکم نہیں۔ **جواب** اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ساری عبادات یا سال میں ایک بار ہیں یا عمر میں ایک بار۔ نماز ہی وہ عبادت ہے جو ہر دن پانچ بار ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز میں پابندیاں بہت ہیں۔ دوسری عبادت میں نہیں۔ چنانچہ غسل وضو کپڑے جگہ کی پاکی قبلہ کو منہ صرف نماز میں ضروری' زکوٰۃ' حج' روزہ' بغیر غسل وضو بھی ادا ہو جاتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ نماز صحیح پڑھنا بہت مشکل ہے۔ اس کے احکام بہت ہیں۔ ایک قصدی نماز کو بھی۔ اس کے فرائض واجبات' سنن' مستحبات کی خبر نہیں ہوتی۔ امام بھی ایک متحرک جسم

ہوتا ہے۔ جو مصلے پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ چوتھے یہ کہ نماز درست کر لینے والا تمام عبادات کو درست کر لیتا ہے۔ جس کی نماز درست نہیں اس کی کوئی عبادت درست نہیں۔ پانچویں یہ کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہو گا۔ بعد میں دوسری عبادات کا۔ قبر میں نمازی کو نماز کی ہی فکر ہو گی کہ وہ فرشتہ سے کہے گا کہ مجھے عصر کی نماز پڑھ لینے دو۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی امت میں بارہ نقیب چنے یہ چناؤ ایک خاص وقت میں ہوا جو خاص وقت تک رہا۔ مگر رب تعالیٰ کی طرف سے یہ چناؤ امت محمدیہ سے ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ چنانچہ اس امت میں ہمیشہ چالیس ابدال' سات امناء' تین خلفاء ایک قطب ہمیشہ رہیں گے۔ جن کی برکت سے عالم میں بارشیں آئیں گی۔ لوگوں کو رزق ملیں گے باقی اولیاء اللہ تو شمار سے باہر ہیں قطب کے ذریعہ مرکز عالم قائم ہے۔ داہنے امام کی برکت سے عالم ارواح بائیں امام کی برکت سے عالم اجسام قائم ہے۔ اوتاد کی برکت سے چار سمتیں مشرق و مغرب' جنوب' شمال قائم ہیں۔ ابدال کی برکت سے ساتوں اقلیم محفوظ ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نماز قائم رکھنا یہ ہے کہ مومن ہر وقت نماز میں رہے۔ رب فرماتا ہے **هم على صلاتهم دائمون** نماز کے چار ارکان ہیں۔ قیام' رکوع' سجود' قعود اور ہمارے چار عناصر ہیں۔ ان چار ارکان سے اپنے چار عناصر کو عروج دو۔ تاکہ رب ودود تک پہنچو۔ جس نماز میں مشاہدہ یار نہ ہو وہ نماز پڑھنا ہے۔ نماز قائم کرنا نہیں نماز قائم کرنا یہ ہے قالب نماز میں ہو اور یار قلب میں ہو۔ اللہ تعالیٰ وہ نماز عطا فرمائے مال خرچ کرنا عوام کی زکوۃ ہے۔ ذات خرچ کرنا خواص کی زکوۃ۔ جیسی زکوۃ ویسی اس کی جزاء یہ تمام خوبیاں حضرات انبیاء کرام کی انتہائی تعظیم سے حاصل ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کی تعظیم نصیب کرے۔ آمین (از روح البیان) یہاں تفسیر عرائس البیان نے مقبولین الہی کی بہت قسمیں ان کے احکام ان کے فیوض و برکات بیان فرمائے۔ چنانچہ فرمایا **نقباء**' بدلاء' نجباء' اصفیاء' اتقیا' مقربین' عارفین' موحدین' صدیقین' شہداء' صالحین' اخیار ان سب کے سردار غوث ہیں۔ ان سے ہی نظام عالم قائم ہے (عرائس البیان)

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ
پس توڑنے ان کے اپنے عہدوں کو لعنت کی ہم نے ان پر اور کر دیا ہم نے دلوں کو ان کے سخت بدلتے
تو ان کی کیسی بد عہدیوں پر ہم نے انہیں پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے اللہ کی باتوں کو
الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ
ہیں کلموں کو جگہوں سے اپنے اور بھول گئے وہ ایک حصہ اس میں سے نصیحت کی گئی تھی جس کی اور
ان کے ٹھکانوں سے بدلتے ہیں اور بھلا بیٹھے بڑا حصہ ان نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں اور تم ہمیشہ

عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ اِنَّ

رہیں گے آپ مطلع ہوتے اوپر خیانت کے ان کی طرف سے سوا تھوڑوں کے ان میں سے بس معاف کر دو ان سے

ان کی ایک نہ ایک دغا پر مطلع ہوتے رہو گے سوا تھوڑوں کے تو انہیں معاف کرو اور درگزر کرو

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور درگزر کرو بے شک اللہ پسند کرتا ہے نیک کاروں کو

بے شک احسان والے اللہ کو محبوب ہیں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں اس عہد و پیمان کا ذکر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل سے لئے گئے تھے۔ اب انہیں اسرائیلیوں کے ان عہد و پیمان کے توڑنے ان کی مخالفت کرنے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں عہد و پیمان کے پورا کرنے کے فوائد کا ذکر تھا۔ اب عہد و پیمان توڑنے اس کے خلاف کرنے کی برائیوں کا ذکر ہے۔ تاکہ لوگ عہد توڑنے سے بچیں۔ عہد پورے کرنے کے پابند رہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ جو اس کے بعد کفر کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹکے گا۔ یہ اجمالی حکم تھا۔ اب اس اجمال کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ کہ ان لوگوں نے کیسے کفر کئے اور سیدھے راستہ سے کیسے بھٹکے۔ گویا یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہے۔

تفسیر فبما نقضهم میثاقهم ف یا **تعقیبیہ** ہے یا تفریعیہ۔ ب سببیہ ہے ما زائدہ ہے یا تنکیریہ بمعنی شی۔ اس ما کی وجہ سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ یعنی آئندہ مذکورہ لعنت وغیرہ صرف اس وجہ سے ہوئیں **نقض** کے معنی ہیں توڑنا یا مخالفت وعدہ کرنا۔ **هم** اس کا فاعل مضاف الیہ ہے اور **میثاقهم** اس کا مفعول بہ میثاق کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف اس لئے ہے کہ ان سے عہد لیا گیا۔ عہد توڑنے سے مراد یا گزشتہ انبیاء کرام کو شہید کرنا ہے یا موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرنا۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توریت والی نعت چھپانا ہے۔ یا نماز و زکوٰۃ کا انکار کر دینا ہے۔ (روح المعانی و کبیر وغیرہ) یا حضرات انبیاء کی نبوت کا انکار ہے۔ (خازن) خیال رہے کہ پچھلی آیت میں پانچ عہدوں کا ذکر ہوا ہے۔ نماز قائم کرنا' زکوٰۃ دینا' انبیاء کرام پر ایمان لانا' انبیاء کرام کی تعظیم کرنا۔ رب تعالیٰ کو قرض حسن دینا یہ عہد بنی اسرائیل سے لئے گئے یہود نے وہ عہد توڑا جو تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ یعنی توقیر و تعظیم انبیاء نہ کی۔ بلکہ دشمن انبیاء رہے۔ نبیوں کو عیب لگانا۔ انہیں شہید کرنا ان کا شیوہ رہا۔ اس عہد کے توڑنے سے وہ باقی سارے عہد توڑ بیٹھے اور گناہوں کے دریا میں ڈوب گئے۔ توقیر انبیاء تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ توہین انبیاء تمام گناہوں کی جڑ اسی توہین کی بیماری نے ہی شیطان کو مردود کیا۔ لہٰذا یہاں **میثاقهم** میں میثاق سے مراد **وعزرتموهم** کا وعدہ ہے جسے یہود نے توڑا۔ **لعنهم** یہ عبارت **بما نقضهم** جار مجرور کا متعلق ہے۔

یعنی عہد توڑنا سبب ہے اور لعنت مسبب۔ لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دوری اگر اس کا فاعل بندے ہوں تو اس کے معنی ہوں گے رحمت سے دوری کی بد دعا کرنا اور اگر اس کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ رحمت سے دور کرنا۔ یہاں یہ ہی دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ فاعل رب تعالیٰ ہے۔ یہاں لعنت اور سختی دل میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ لعنت سے مراد سختی دل ہو اور یہ عطف تفسیری ہو۔ سختی دل خدا تعالیٰ کی پھٹکار ہے۔ دوسرے یہ کہ لعنت اور سزا ہے۔ سختی دل دوسری سزا۔ اس صورت میں یا تو لعنت سے مراد اخروی لعنت ہے۔ اور سختی دل دنیاوی عذاب یا لعنت بھی دنیاوی عذاب ہے اور سختی دل بھی دنیاوی عذاب۔ لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ بعض مفسرین نے لعنت سے دنیاوی لعنت مراد لی ہے۔ بعض نے اخروی۔ چنانچہ امام مقاتل اور حسن فرماتے ہیں کہ یہاں لعنت سے مراد ان اسرائیلیوں کو سور اور بندر بنا دینا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ لعنت سے مراد ان پر جزیہ قائم کرنا انہیں دوسری قوموں کا غلام بنا دینا ہے۔ اس صورت میں لعنت سے دنیاوی لعنت مراد ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ لعنت سے مراد وہ پھٹکار ہو جو قیامت میں اور بعد قیامت ان پر ہوتی رہے گی۔ تب اخروی لعنت مراد ہو گی۔ بہر حال لعنت میں بڑی گنجائش ہے۔ **وجعلنا قلوبھم قسیۃ** یہ جملہ لعنا پر معطوف ہے اور عہد توڑنے کا دوسرے نتیجہ یہاں جعل بمعنی خلق نہیں ہے۔ بلکہ بمعنی صیر ہے۔ اس لئے اس کے دو مفعول آئے۔ پہلا مفعول **قلوبھم** دوسرا **قسیۃ** **ھم** کا مرجع وہی عہد توڑنے والے اسرائیلی ہیں **قاسیۃ** بنا ہے۔ قسوۃ سے قسوۃ کے بہت معنی ہیں۔ خشکی، سختی، فساد، روی ہونا، دور ہونا۔ توفیق کا سلب ہو جانا۔ یہاں سارے معنی درست ہیں (تفسیر کبیر) حق یہ ہے کہ جو دل سخت ہو جائے۔ اس میں یہ تمام عیوب خشکی وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ **قاسیۃ** اسم فاعل ہے۔ ت مبالغہ کی بعض قراءتوں میں **قسیۃ** ہے دل کی سختی یہ ہے کہ اللہ کا ذکر اور نصیحت وغیرہ اس میں اثر نہ کرے۔ رب فرماتا ہے۔ **فویل للقسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ یحرفون الکلم عن مواضعہ** یہ نیا جملہ ہے جس میں لعنت اور دل کی سختی کے انجام کا ذکر ہے۔ تحریف کے معنی ہیں۔ کنارہ سے دور کر دینا۔ یہ بنا ہے حرف سے بمعنی طرف و کنارہ۔ اصطلاح میں بدل دینے کو تحریف کہتے ہیں کہ اس میں بدلی ہوئی چیز کو حد سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اسے حال کے صیغہ سے ارشاد فرمانا یا تو گزشتہ واقعہ کا نقشہ ذہن میں قائم کرنے کے لئے ہے کیونکہ توریت شریف کی تحریف یہودی پہلے ہی کر چکے تھے۔ یا ان کی موجودہ تحریف کا ذکر ہے۔ کیونکہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تحریف کرتے رہتے تھے۔ یا حال استمراری ہے یعنی تبدیلی کرتے رہتے ہیں **کلم** سے مراد توریت شریف کی آیات میں خواہ احکام کی آیات ہوں۔ یا سزاؤں کی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیہ آیات۔ **مواضع** جمع ہے **موضع** کی بمعنی جگہ۔ اس جگہ سے مراد یا تو توریت شریف کے اوراق ہیں کہ وہ اصلی آیات کو مٹا کر ان کی جگہ دوسری آیات بناوٹی لکھ دیتے ہیں۔ تب تحریف سے مراد لفظی تحریف ہے۔ یا مواضع سے مراد صحیح معنی و مطلب ہے۔ یعنی وہ آیات توریت کی باطل تاویلیں کر کے اصل مقصد سے ہٹا دیتے ہیں۔ تب تحریف سے مراد تحریف معنوی ہو گی۔ یہود توریت شریف میں دونوں

قسم کی تحریفیں کرتے ہیں۔ آج مسلمانوں کے باطل فرقے قرآن مجید میں تحریف معنوی تو کرتے ہیں۔ مگر بحمدہ تعالیٰ تحریف لفظی نہیں کر سکتے اور ان کی تحریف معنوی کی بھی دھجیاں اڑا دی جاتی ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ رب تعالیٰ اس قرآن کا محافظ ہے چونکہ کلم اسم جنس ہے اس لئے مواضعہ میں ضمیر واحد لائی گئی۔ اسم جنس کے لئے واحد اور جمع دونوں ضمیریں آسکتی ہیں۔ **ونسوا حظا مما ذکروا بہ** یہ جملہ "یحرفون" الخ پر معطوف ہے اور اس میں سختی دل کے دوسرے نتیجہ کا ذکر ہے۔ نسوا بنا ہے نسیان سے بمعنی بھول جانا کبھی مجازاً چھوڑ دینے کو نسیان کہہ دیتے ہیں۔ یہاں بہت سے مفسرین نے چھوڑنے کے معنی بھی کئے ہیں مگر حقیقی معنی بن سکتے ہوں تو بلاوجہ مجازی معنی نہیں کرنا چاہئیں۔ **حظ** کے معنی ہیں نصیب یا حصہ **مما** کا من تبعیضیہ ہے **ما** سے مراد دین موسوی کے شرعی احکام ہیں **ذکروا** بنا ہے تذکیر سے بمعنی امر اور ہو سکتا ہے کہ تذکیر بمعنی نصیحت کرنا یا یاد دلانا ہی ہو۔ یعنی یہ یہودی توریت شریف کے بہت سے احکام کو جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ چھوڑ بیٹھے' یا توریت کا بہت سا حصہ بھول گئے۔ وہ حصہ ان کے حافظہ سے نکل ہی گیا یہ ہے ان کی بدکاریوں کا نتیجہ کہ علم بھول گئے۔ ان کا حافظہ کمزور ہو گیا۔ **ولا تزال تطلع علی خائنۃ منھم** یہ جملہ نیا ہے جس میں ان کے دائمی عیب کا ذکر ہے **لا تزال** میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے ہے یا ہر مسلمان سے **تطلع** کے ساتھ **لا تزال** لگانے سے اطلاع کی ہمیشگی بتائی گئی **خائنۃ خیانۃ** سے بنا جو امانت داری کا مقابل ہے یا تو یہ مصدر ہے۔ جیسے **کاذبۃ** یا **لا غیۃ** یا **کافیۃ** یا **عافیہ** یا **طاغیہ** رب فرماتا ہے۔ **اھلکوا بالطاغیہ** اور **لا تسمع فیھا لاغیہ** اور **لیس بوقعتھا کاذبۃ** (کبیر) یا اسم فاعل ہے۔ **فعلۃ** یا نفس یا شخص پوشیدہ کی صفت ہے۔ (روح المعانی) **منھم حاصلۃ** کے متعلق ہو کر **خائنۃ** کی صفت ہے۔ خیانت سے مراد حضور سے کئے ہوئے عہد توڑنا یا حضور کے مقابل مشرکین کی مدد کرنا یا حضور انور کو زہر دینا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیچے بٹھا کر اوپر سے بھاری پتھر لڑھکانا تاکہ حضور شہید ہو جائیں۔ یہ تمام حرکتیں یہود عرب خصوصاً بنی قریظہ اور بنی نضیر سے وقتاً فوقتاً صادر ہوتی رہیں۔ **الا قلیلا منھم** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت **خائنۃ منھم** کی **ھم** ضمیر سے استثناء ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ سارے یہود کی خیانتوں پر وقتاً فوقتاً مطلع ہوتے رہیں گے۔ مگر ان میں سے بعض وہ یہود بھی ہیں جو نہایت امانتدار قول کے سچے اور وعدوں کے پکے ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی جو پہلے یہودی تھے اور یہود عرب کے سردار اور ان کے بڑے عالم۔ مگر حضور انور پر ایمان لے آئے اور جلیل القدر صحابی ہوئے ان کی ایمانداری وفاشعاری احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ عبارت "**خائنۃ**" سے استثناء ہے بعض کے نزدیک **قلوبھم قسیۃ** سے مستثنیٰ ہے۔ تب مطلب یہ ہو گا ان کی خیانتیں کھلی ہیں۔ جن پر آپ خبردار ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں تھوڑی خیانتیں چھپی ہوئی ہیں۔ جو ظاہر نہیں ہوتیں۔ یا ان سب کے دل ہم نے سخت کر دیئے۔ مگر تھوڑی جماعت نرم دل بھی ہے۔ (روح المعانی) **فاعف عنھم واصفح** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے اور ف جزائیہ ہے۔ عفو کے معنی ہیں مٹانا چونکہ معافی کو عفو اسی لئے کہتے ہیں

کہ اس سے جرم مٹ جاتا ہے۔ صفح چہرہ کے چوڑے حصے کو کہا جاتا ہے۔ اب اصطلاح میں منہ پھیر لینے در گزر کرنے کو صفح کہنے لگے۔ کیونکہ جس سے منہ پھیرا جائے۔ اس کی طرف منہ نہیں رہتا بلکہ منہ کی چوڑائی یعنی رخسارہ ادھر ہو جاتا ہے۔ پوشیدہ شرط یا تو **ان اسلموا** ہے یا **ان ادوا الجزیۃ** یا **ان لم ینقضوا عھدھم** ہے یعنی اگر یہ حرکتیں کرنے والے اب بھی اسلام لے آئیں تو ان کی ساری خطائیں معاف فرمادو۔ اور ان سے کریمانہ شان سے کرم فرماتے ہوئے در گزر کر دیا۔ اگر یہ لوگ جزیہ ادا کئے جائیں۔ یا اگر یہ لوگ کھلم کھلا بغاوت نہ کریں بلکہ اسلام کی رعایا بن کر رہیں۔ تو ایسی حرکتوں کی معافی دے کر ان سے در گزر کرو۔ لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ (تفسیر خازن) غرضیکہ کمزوری کی معافی اور ہے۔ اخلاق کی معافی کچھ اور۔ شخصی مجرم کی معافی کچھ اور ہے۔ قومی و قانونی مجرم کی معافی کچھ۔ اور دوسری قسم کی معافی منسوخ ہے۔ پہلی قسم کی معافی قیامت تک جاری ہے۔ بعض نے فرمایا کہ **فاعف عنھم** کی ضمیر **ھم** کا مرجع **قلیلا منھم** ہے۔ یعنی وہ تھوڑے اسرائیلی جنہوں نے بد عہدی نہ کی۔ بلکہ مسلمان ہو گئے۔ ان کی خطائیں بخش دو۔ گزشتہ سے در گزر کرو۔ اس صورت میں بھی آیت محکم ہے۔ (روح المعانی) **ان اللّٰہ یحب المحسنین** یہ عبارت معافی کے حکم کی علت ہے۔ اور روئے سخن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ یعنی آپ انہیں معافی دیں۔ کیونکہ معافی دینے والے محسن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔ آپ محسن ہیں لہٰذا رب کے محبوب ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق **الا قلیلا** سے ہو اور معنی یہ ہوں کہ وہ تھوڑے وفادار بنی اسرائیل محسنین ہیں۔ خدا کو پیارے ہیں۔ **لہٰذا** آپ ان سے معافی اور در گزر کا سلوک کریں (تفسیر کبیر) مگر پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے۔ خیال رہے کہ محسن بنا ہے احسان سے جس کا مادہ حسن۔ بمعنی بھلائی ہے۔ کسی سے سلوک کرنا ہی بھلائی ہے۔ معافی دینا بھی بھلائی ہے۔ اور نماز میں خشوع و خضوع دل لگا کر پڑھنا بھی احسان و بھلائی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ کہ احسان یہ ہے کہ تم رب تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ سمجھ سکو تو یہ سمجھ لو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے یہاں احسان دوسرے معنی میں ہے یعنی مجرموں کو معافی دینا۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں یہود کے پانچ گناہوں کا اور ان کی پانچ سزاؤں کا ذکر ہے ان کے پانچ گناہ ایک کلمہ میں فرمائے گئے۔ **فبما نقضھم میثاقھم** کیونکہ پچھلی آیت میں یہود کے پانچ عہد و پیمان کا ذکر ہے۔ نماز' زکوٰۃ' ایمان وغیرہ ان پانچ عہدوں کے توڑنے کو اس ایک لفظ میں بیان فرمادیا۔ پانچ سزائیں لعنت۔ دل کی سختی تحریف **کلمت الٰہیہ** بہت سے عہد بھول جانا۔ ہمیشہ خیانتیں کرنا۔ یہ ہیں سزائیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل سے پانچ عہد تو وہ لئے گئے تھے۔ جو ابھی بیان ہوئے مگر ان لوگوں نے سارے عہد توڑ دیئے۔ حضرات انبیاء کو شہید انہوں نے کیا نماز زکوٰۃ کے یہ انکاری ہو گئے۔ آپ کے یہ... دشمن ہو گئے اس بد عہدی کی وجہ سے ہم نے ان پر دین و دنیا میں پھٹکار کر دی۔ ان کے دل سخت کر دیئے جس سے کوئی نصیحت اللہ کی آیت ان میں اثر نہیں کرتی اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگ دن

رات توریت شریف کی آیتیں "لفظاً" و "معناً" بدلتے رہتے ہیں۔ کتاب اللہ کی حفاظت کرنے کی بجائے اس کے بگاڑنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس پھٹکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ توریت شریف کا بہت حصہ بھول گئے اب ان کا حال یہ ہے کہ آپ ان کی خیانتوں پر برابر اطلاع پاتے رہیں گے۔ مگر ان میں تھوڑے لوگ وہ ہیں جو سچے پکے وفادار اطاعت شعار ہیں۔ جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کی جماعت۔ لہٰذا اے محبوب آپ ان کو معافی دیں۔ ان سے درگزر فرمائیں کہ یہ کام احسان ہیں اور اللہ تعالیٰ محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔ فقیر نے یہ اجمالی تفسیر اور اس کی تفصیل ابھی تفسیر میں عرض کردی۔ ملاحظہ فرمالیں۔ خیال رہے کہ دینی' قومی' قانونی مجرموں سے درگزر جو مسلمانوں کی کمزوری کی بنا پر تھی۔ وہ جہاد کی آیتوں سے منسوخ ہو چکی۔ ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو حکم تھا کہ سرکش' ظالم' خونخوار کفار سے کچھ نہ کہو۔ ابھی ان پر جہاد نہ کرو۔ اس قسم کی آیات جہاد والی آیات سے منسوخ ہے۔ یہاں اخلاقی معافی کریمانہ درگزر کا حکم ہے۔ یہ معافی تاقیامت باقی ہے۔ حضور انور نے فتح مکہ کے دن ابوسفیان وغیرہ کو معافی دی۔ کونسی معافی' اخلاق والی' اب اسلامی حکام بڑے لوگوں دوستوں' ماں باپ خاوند کو چاہیے اپنے تعلق والوں اور ماتحتوں کی ہربات پر پکڑ نہ کریں ورنہ گھر بگڑ جائیں گے۔ ملک برباد ہو جائیں گے۔ آپس میں فتنہ و فساد برپا ہوں گے۔ اکثر مواقع پر چشم پوشی کریں تاکہ گھر اور ملک و قوم کا نظام قائم رہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** وعدہ خلافی بدعہدی بڑا ہی جرم ہے۔ جس پر لعنت سختی دل وغیرہ ہوتی ہے۔ خصوصاً اللہ تعالیٰ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے وعدے کہ ان کے خلاف کرنا بڑا ہی جرم ہے۔ **دوسرا فائدہ** دل کی سختی اللہ کا عذاب ہے اور دل کی نرمی اللہ کی رحمت یہ فائدہ **وجعلنا قلوبهم قسية** سے حاصل ہوا سختی دل کی علامت آنکھوں کی خشکی ہے اور نرمی دل کی علامت آنکھوں کی تری ہے۔ **تیسرا فائدہ** بعض گناہوں کی وجہ سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی بعض نیکیوں کی برکت سے دل نرم پڑ جاتا ہے۔ اللہ کے محبوبوں کی بے ادبی عموماً دل سخت کردیتی ہے۔ اور نرم دلوں کی صحبت مقبولین بارگاہ سے الفت و محبت دل نرم کردیتی ہے۔ یہ فائدہ **فبما نقضهم** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** زیادہ گناہوں فسق و فجور سے حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ بھول جانے کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **ونسوا حظا** الخ سے حاصل ہوا۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ **شعر:۔**

☆ شکوت الی وکیع سوء حفظی ☆

☆ فاوصانی الی ترک المعاصی ☆

☆ فان العلم نور من الہ ☆

☆ وان النور لایعطی لعاصی ☆

یعنی میں نے اپنے استاد **وکیع** سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ گناہ چھوڑ دو۔ کیونکہ علم اللہ کا نور ہے اور نور گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔ خصوصاً علم دین تو بہت تقویٰ و طہارت چاہتا ہے **تفسیر روح البیان** نے یہاں

فرمایا کہ امیہ ابن صلت عرب کا بڑا مبلغ عالم و شاعر تھا مگر تھا فاسق و فاجر ایک دن اچانک ایک پرندہ نے اس کے منہ میں اپنی چونچ ڈالی اور اڑ گیا۔ امیہ اپنا تمام علم بھول گیا۔ **پانچواں فائدہ** ذمی کفار جب تک کہ بغاوت نہ کریں یا ان سے بغاوت کی علامت نہ پائی جائے۔ ان کا ذمہ نہ ٹوٹے گا۔ معمولی جرموں سے در گزر کی جائے گی کیونکہ وہ ہمارے رعایا ہیں۔ یہ فائدہ **فاعف عنھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو خیبر کے یہودیوں نے حضور انور کو زہر دیا۔ بنی **قریظہ** نے حضور پر بھاری پتھر اوپر سے گرایا۔ رب نے اپنے محبوب کو بچالیا مگر ان حرکتوں کے باوجود انہیں ذمی ہی رکھا گیا۔ ان کو حربی قرار دے کر ان سے جنگ نہ کی گئی ہاں جب بنی **قریظہ** کے اسلام کے خلاف کفار سے سازش کی اور کفار مکہ بلکہ کفار عرب کو مسلمانان مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا۔ تب انہیں باغی اور غیر ذمی قرار دیا گیا۔ **چھٹا فائدہ** شرعی خطاء گناہ کی معافی حضور انور دے سکتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی **فاعف عنھم** سے حاصل ہوا۔ ہم اپنے حقوق کی معافی دے سکتے ہیں۔ شرعی حقوق کی معافی نہیں دے سکتے۔ **ساتواں فائدہ** معافی دینا در گزر کرنا اچھی چیز ہے جس سے بندہ رب تعالیٰ کا پیارا ہو سکتا ہے۔ یہ فائدہ **یحب المحسنین** سے حاصل ہوا۔ سرکار فرماتے ہیں معافی سے عزت بڑھتی ہے۔ صدقہ سے مال بڑھتا ہے۔ اس میں برکت ہوتی ہے۔ **آٹھواں فائدہ** آیات و حدیث کے ہمیشہ وہ معنی کئے جائیں جو اب تک عام مسلمانوں نے سمجھے رہتے ہیں۔ نئے معانی نئی توجیہیں گھڑنا بے دینی ہے۔ یہ فائدہ **یحرفون الکلم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا جو کہے کہ **اقیموا الصلوٰۃ** میں صلوٰۃ کے معنی نماز نہیں بلکہ دعا ہے یا خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں بلکہ اصلی نبی ہیں وہ اسلام سے خارج ہے۔

پہلا اعتراض جب اللہ تعالیٰ نے یہود کے دل سخت کر دیئے جس سے وہ ایمان و تقویٰ کے لائق نہ رہے تو پھر ان کو کفر و بد عملیوں کی سزا کیوں دی جائے گی۔ وہ تو بے قصور ہیں۔ **جواب** اس کا جواب آیت کریمہ **ختم اللہ علی قلوبھم** کی تفسیر میں گزر گیا کہ سختی دل کا خالق رب تعالیٰ ہے اور اس کا سبب خود یہ لوگ ہیں کسب کے مجرم یہ ہیں۔ جیسا کہ **فبما نقضھم** سے معلوم ہو رہا ہے۔ قاتل مجرم ہے کیونکہ مقتول کی موت کا سبب بن جاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** رب تعالیٰ نے ان یہود کا ایک عیب یہ بیان کیا۔ **یحرفون الکلم عن مواضعہ** کہ وہ آیات توریت کو اپنی جگہ سے ہٹاتے ہیں۔ وہ لوگ آیات کو بدلتے تھے۔ یعنی اصلی آیت مٹا کر دوسری بناوٹی آیت لکھ دیتے تھے آیات کی ترتیب نہیں بدلتے تھے۔ رب تعالیٰ نے مٹانے کو ہٹانا کیوں فرمایا۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اگر تحریف سے مراد تحریف معنوی ہے تو مواضع سے مراد آیات کے محل اور آیات کے مقصد ہیں۔ یعنی وہ آیات توریت کے مقصد غلط بیان کرتے ہیں۔ ان کو مقاصد سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور اگر تحریف لفظی مراد ہے تو ہٹانے سے مراد مٹانا ہی ہے کہ مٹائی ہوئی آیت اپنی جگہ سے ہٹا دی جاتی ہے۔ ہٹانا عام ہے۔ **تیسرا اعتراض** **عفو و صفح** یعنی معافی اور در گزر میں کیا فرق ہے۔ یہاں ارشاد ہوا۔ **فاعف** اور فرمایا **واصفح** دونوں ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ **جواب** کسی جرم کو دل سے

نکال دینا مجرم پر ناراض نہ رہنا معافی ہے۔ عفو کے معنی ہیں مٹانا اور مجرم کو منہ سے کچھ نہ کہنا سزا نہ دینا صفح یعنی درگزر ہے۔ غرض کہ عفو کا تعلق دل سے ہے اور درگزر کا تعلق زبان و ارکان سے ہے یہ دونوں ایک نہیں ہیں۔ چوتھا اعتراض بعض مفسرین نے اس آیت **فاعف عنھم** کو منسوخ مانا ہے۔ وہ کیوں جواب وہ حضرات معافی اور درگزر کے معنی کرتے ہیں۔ حربی کفار سے جنگ نہ کرنا یہ حکم واقعی آیات جہاد سے منسوخ ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہاں ذمی یہود کی حرکتوں سے درگزر کرنا ہے۔ یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ سورہ مائدہ کی کوئی آیت منسوخ نہیں جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں یہود کے متعلق ارشاد ہوا۔ **لعنھم** ہم نے ان کو رحمت سے دور کر دیا۔ ان پر پھٹکار کر دی۔ مگر یہود تو بڑے مالدار ہیں۔ اب تو ان کی بادشاہت بھی قائم ہو گئی۔ خاص فلسطین میں۔ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ **جواب** لعنتی آدمی کے پاس جو دنیاوی اخروی نعمت آئے وہ رحمت نہیں ہوتی۔ پھٹکار و عذاب ہی ہوتی ہے۔ صفراوی مزاج والا جو کھائے۔ اس سے صفرا بنتا ہے۔ یہود کا مال دولت ان کا ظاہری عزت ان کی زندگی موت قبر و حشر ان کے لئے سب لعنت ہے۔ وہ مال سے اور زیادہ گناہ کرتے ہیں۔ مومن کے لئے سب چیزیں رحمت ہیں کہ وہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیتا ہے۔ لہٰذا آیت بالکل حق ہے۔ اور انشاء اللہ ان کی یہ سلطنت ان کی بڑی ذلت و خواری کا پیش خیمہ ہے۔ کسی کمزور کو بڑے پہلوانوں کے مقابلہ میں اکھاڑے میں کھڑا کر دیا جائے۔ تو انشاء اللہ یہ اس کے پچھاڑے جانے کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ رسول سچے ہیں۔ انہوں نے جو خبر دی ہے۔ حق ہے۔

تفسیر صوفیانہ بے وفائی بدترین جرم ہے۔ جس سے انسان جانور سے بدتر ہو جاتا ہے وفاداری اور صادق الوعد ہونا بہت اعلیٰ وصف ہے۔ کفار مکہ ظہور نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امین اور صادق الوعد کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

☆ بیوفائی چوں سگاں را عار بود ☆ بیوفائی چوں روا داری نمود ☆
☆ حق تعالیٰ فخر آورد از وفا ☆ گفت **من اوفی بعهد غیرنا** ☆

صدق وعدہ اور وفاء عہد حق تعالیٰ کی صفات ہیں۔ جس بندے کو اللہ تعالیٰ یہ نعمتیں دے۔ وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے۔ وعدہ کسی سے کرو تو ضرور اسے پورا کرو۔ خصوصاً حق تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیخ سے کئے ہوئے وعدے پورے کرنا تو علامت ایمان سے ہے۔ بے وفائی وعدہ خلافی کی نحوست سے انسان کا دل سخت حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اور یہ بہت سے گناہوں کی جڑ ہے۔ یونہی وفاداری وعدہ پکا ہونے کی برکت سے انسان کا دل نرم اور حافظہ قوی ہو جاتا ہے۔ اس کی برکت سے نیک اعمال کی دولت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کی تعریف فرماتا ہے **کان صادق الوعد وکان رسولا نبیا**۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنا پیارا بنانا چاہتا ہے۔ اسے نرمی دل کی نعمت بخشتا ہے۔ کوئی چیز بغیر نرم ہوئے کچھ نہیں بنتی۔ سخت لوہا اوزار نہیں بنتا۔ سخت سونا زیور نہیں ہوتا۔ سخت زمین قابل کاشت نہیں۔ یوں

ہی سخت دل قابل پذیر نہیں اور دل کی نرمی درد دل سے حاصل ہوتی ہے۔ ہمیشہ درد دل کی دعا کرو۔

☆ لوگ جو چاہیں خدا سے مانگ لیں ☆ میں نہ کچھ مانگوں سواء درد دل ☆

☆ کوچہ محبوب ہو کشکول ہو ☆ اور لب پہ ہو صدائے درد دل ☆

درد دل کی دوکانیں حضرات اولیاء اللہ کے آستانہ ہیں۔ یہ سودا وہاں ہی ملتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک درگزر دو قسم کی ہے۔ ایک تو نعمت ہے۔ دوسری عذاب دشمنوں سے درگزر خدا کا عذاب ہے۔ یہاں درگزر کی دوسری قسم مراد ہے۔ یعنی ان بے وفاؤں کو منہ نہ لگاؤ ان سے درگزر کرو۔ ان کی طرف رخ نہ فرماؤ۔ یہ منہ لگانے کے قابل نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ چند چیزیں سختی دل کی علامات ہیں۔ آیات الٰہیہ وعظ و نصیحت کا دل میں اثر نہ کرنا۔ اپنے گناہوں کا احساس و پرواہ نہ ہونا۔ دوسروں خصوصاً مقبولوں میں عیب نکالنا آنکھوں میں کبھی آنسو نہ آنا اور اصلی سختی کسی چیز سے نہیں جاتی۔ لوہا آگ میں نرم پڑ جاتا ہے۔ مگر پتھر آگ میں گرم تو ہو جاتا ہے۔ نرم نہیں ہوتا۔ عارضی سختی دل کے چند علاج ہیں۔ نرم دل والوں کی صحبت یا ان کے حالات زندگی پڑھنا' سننا' دنیا کی مصیبتیں ناکامیاں یہ بھی دل میں نرمی پیدا کرتی ہیں۔ کثرت سے درود شریف پڑھنا۔ یہ سختی دل کا اعلیٰ علاج ہے۔ فرعونی جادوگر صحبت موسوی سے نرم دل ہو گئے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا
اور ان لوگوں سے جنہوں نے کہا ہم نصرانی ہیں لیا ہم نے عہد ان کا پس بھول گئے وہ لوگ ایک
اور وہ جنہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے عہد لیا تو وہ بھلا بیٹھے بڑا حصہ ان
ذُكِّرُوْا بِهٖ ۪ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ
حصہ اس سے جس سے نصیحت کئے گئے پس ڈال دی ہم نے درمیان ان کے دشمنی اور بغض دن قیامت تک
نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں تو ہم نے ان کے آپس میں قیامت کے دن تک بیر اور بغض ڈال دیا
وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾
اور عنقریب خبر دے گا ان کو اللہ اس کی جو وہ کرتے تھے
اور عنقریب اللہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں یہود کی بد عہدیوں وعدہ خلافیوں کا ذکر ہوا اب عیسائیوں کی بد عہدیوں وعدہ خلافیوں کا ذکر ہے۔ چونکہ یہود پہلے ہیں۔ عیسائی بعد میں۔ اس لئے یہود کا ذکر پہلے ہوا۔ عیسائیوں کا بعد میں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کی تحریفوں کا ذکر ہوا۔ کہ انہوں نے

توریت کو بدل دیا۔ اب عیسائیوں کی تحریف کا ذکر ہے کہ یہ بھی یہود سے پیچھے نہ رہے۔ تبدیلی انجیل میں ان کی طرح بلکہ ان سے بھی سوا ہو گئے جیسا کہ **نسوا حظاء** الخ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں بد عہد یہود سے درگزر فرمانے کا حکم دیا گیا اب اشارۃً وعدہ خلاف عیسائیوں سے درگزر کا ذکر ہے۔

تفسیر ومن الذین قالوا انا نصری اخذنا میثاقھم واؤ سر جملہ ہے اور من ابتدائیہ۔ یہ من متعلق مقدم ہے۔ **اخذنا** کا یہ مقدم کرنا اہتمام کے اظہار کے لئے ہے۔ رب العلمین نے عیسائیوں کو خود نہ فرمایا۔ **النصاری** بلکہ فرمایا **قالوا انا نصاری** جنہوں نے اپنے کو نصاریٰ کہا۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ یہ نام رب نے انہیں نہ دیا بلکہ انہوں نے خود اپنا نام نصاریٰ رکھ لیا۔ بخلاف ہم مومنوں کے کہ ہمارا نام رب نے مسلمین رکھا۔ فرماتا ہے **ھو سمکم المسلمین** دوسرے یہ بتانے کے لئے کہ وہ صرف زبانی طور پر اپنے کو نصاریٰ یعنی اللہ کے دین کا یا اللہ کا مددگار کہتے ہیں۔ مگر عملاً مدد نہیں کرتے۔ ان کا یہ محض دعویٰ ہے عمل اس کے خلاف ہے۔ نصاریٰ یا ناصر بمعنی مددگار کی جمع ہے۔ چونکہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا **نحن انصار اللہ** ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ اس لئے ان کو نصاریٰ کہا گیا۔ یا چونکہ یہ لوگ شام کی ایک بستی ناصرہ یا نصوریہ کے رہنے والے تھے۔ اس لئے نصاریٰ کہلائے۔ بعض نے فرمایا کہ نصاریٰ نصران کی جمع ہے۔ جیسے ندمان کی جمع ندامیٰ یا نصری کی جمع ہے جیسے مہرائے کی جمع مہاریٰ خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسکندر رومی کے تین سو چار سال بعد بیت اللحم میں پیدا ہوئے۔ بیت اللحم بیت المقدس سے بارہ میل فاصلہ پر ہے۔ پھر جناب مریم انہیں مصر لے گئیں۔ جب آپ بارہ سال کے ہوئے تو آپ کو شام کی بستی ناصرہ میں لائیں۔ ناصرہ کے رہنے والوں کو ناصری یا نصاریٰ کہا جانے لگا۔ پھر دین عیسائیت کا نام نصرانیت اور عیسائیوں کا نام نصاریٰ ہو گیا۔ دیکھو تفسیر روح المعانی یہ ہی مقام۔ میثاق کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں۔ ھم کا مرجع یا تو نصاریٰ ہیں۔ یا یہود جن کا ذکر پچھلی آیت میں گزرا۔ دوسری صورت میں یہاں کاف تشبیہ پوشیدہ ہو گا۔ اور یہ منصوب بنزع الخافض ہو گا۔ یعنی جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ ہم نے ان سے بھی ان کا وعدہ لیا تھا۔ اس وعدہ سے مراد وہ وعدہ ہے جو انجیل میں لیا گیا کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ یا ہم نے ان سے یہود کے وعدہ کی طرح وعدہ لیا تھا۔ آپ کے دین کی مدد کریں **فنسوا حظا مما ذکروا بہ** ف تعقیبیہ ہے۔ چونکہ عیسائی انجیل شریف کے عہد و پیمان کو بہت جلد ہی بھول گئے۔ اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی۔ باقی کلمات کی تفسیر ابھی پچھلی آیت کریمہ کی تفسیر میں عرض ہوئی۔ یعنی یہ نصاریٰ ہونے کے مدعی بہت جلدی ہی انجیل کی نصیحتوں کے بہت بڑے حصہ کو بھلا بیٹھے۔ انجیل میں بھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بھی کہ ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے۔ آپ پر ایمان لانے کا مضبوط عہد کیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے سب بھلا دیا۔ خیال رہے کہ بھول جانے اور بھلا دینے میں فرق ہے۔ اسلام میں بھول جانے پر سزا نہیں بھلا دینے پر سزا ہے۔ روزہ میں بھول کر کھا پی لیا۔ روزہ نہ ٹوٹا نہ وہ گنہگار ہوا۔ مگر جو شخص قرآن مجید یاد کر کے دور چھوڑ دے۔ حتیٰ کہ

قرآن بھول جائے تو مجرم ہے کہ یہ بھولنا نہیں بھلانا ہے۔ عیسائیوں نے احکام الٰہی بھلا دیئے تھے۔ دانستہ طور پر ان سے بے پرواہ ہو کر انہیں چھوڑ بیٹھے۔ لہذا مجرم ہوئے **فاغرینا بینھم العدوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ ف تعقیبیہ** ہے۔ **اغرینا** بنا ہے غری سے غری کے معنی ہیں لگ جانا چمٹ جانا کسی کے ہاتھ لگا دینے کو **اغراء** کہتے ہیں **ھم** کا مرجع یا تو یہود و نصاریٰ ہیں یا خود عیسائی ہیں۔ ان کے آپس کے فرقے ہمیشہ لڑتے رہیں گے۔ **بینھم** یا تو **اغرینا** کا ظرف ہے یا **العداوۃ** کا ظرف مقدم کیونکہ مصدر ظرف متقدم میں عمل کر سکتا ہے۔ **عداوت** کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ یہ بنا ہے عدو سے بمعنی حد سے بڑھ جانا۔ دشمنی کو عداوت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بھی دوستی کی حد سے بڑھنا ہوتا ہے۔ دشمنی کرنا عداوت ہے اور دشمنی دل میں رکھنا بغض یعنی دشمنی کی بنا بغض ہے۔ اگر بغض رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ناراضی۔ **الی یوم القیمۃ** دوام کے لئے ہے جیسے کہا جاتا ہے میں تجھ سے قیامت تک نہ بولوں گا۔ یعنی کبھی نہ بولوں گا اور ممکن ہے کہ انتہا کے لئے ہو۔ کیونکہ دنیاوی دشمنیاں جن سے لڑائی وغیرہ ہوتی ہے۔ وہ قیامت تک محدود ہیں۔ قیامت میں اور اس کے بعد کفار کی عداوتیں دوسری نوعیت کی ہوں گی۔ لہذا **الی یوم القیمۃ** فرمانا بالکل حق ہے یا مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں کی فرقہ بندی کی عداوتیں قیامت تک ہیں کہ ان کا **نسطوریہ** فرقہ یعقوبیہ ملکانیہ فرقے آپس میں قیامت تک **مختلف الخیال** اور لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔ قیامت میں کوئی کافر نہ رہے گا۔ سب مومن بن جائیں گے اگرچہ اس وقت کا ایمان معتبر نہ ہو گا **وسوف ینبئھم اللہ بما کانوا یصنعون** یہ جملہ گزشتہ جملہ **فاغرینا** پر معطوف ہے۔ اس جملہ میں عیسائیوں کے دنیاوی عذاب کا ذکر تھا۔ اس میں اخروی سزا و عذاب کا ذکر ہے۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے اور آنے والی چیز قریب ہے۔ اگرچہ بظاہر دور ہو اور جانے والی چیز دور ہے اگرچہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں **سوف** ارشاد ہوا۔ یہ خبر دینا سزا دینے کے لئے ہو گا۔ جیسے حاکم پھانسی کے مجرم کو پہلے اس کے جرم کی خبر دیتا ہے۔ پھر فرد جرم لگا کر سزا سناتا ہے۔ اس نوعیت کی خبر قیامت ہی میں دے دی جائے گی۔ ورنہ ان کے جرموں کی خبر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی معرفت دنیا میں بھی دے دی گئی ہے۔ **ما** سے مراد عیسائیوں کی تمام بدعقیدگیاں اور بد عملیاں اور ان کے مظالم ہیں۔ وہ جو دنیا میں کرتے رہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ان کے سارے کرتوتوں کی خبر عنقریب دے گا اور ان پر فرد جرم قائم فرما کر سزا سنائے گا۔

خلاصہ تفسیر وہ لوگ جو نصرانیت کے مدعی ہیں اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی معرفت ان سے مضبوط عہد لیا کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ان کے دین کی مدد کرنا۔ اگرچہ سارے نبیوں نے ہی اپنی امتوں سے یہ عہد لیا تھا کہ نبی آخر الزماں کا زمانہ پائیں تو ایمان لائیں۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام نے خصوصیت سے حضور پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ کیونکہ اب انتظار کی گھڑیاں قریباً ختم ہو چکی تھیں۔ اب اور کسی نبی کی آمد نہ تھی۔ حضور ہی آنے والے تھے۔ آپ وہ صبح کا ستارہ تھے جو آفتاب کی آمد کی خبر دیا کرتا ہے۔ اس لئے آپ نے خصوصیت سے

یہ عہد لیا۔ مگر وہ بہت جلد انجیل کی نصیحتوں کا بڑا حصہ بھول گئے۔ یا انہوں نے بھلا دیا۔ ہم نے انہیں اس بھلاوے کی سزا دنیا میں تو یہ دی کہ ان کے فرقے بنا دیئے اور ان فرقوں کے درمیان قیامت تک دشمنی ڈال دی۔ کہ وہ ہمیشہ آپس میں لڑتے بھڑتے اور دھول جوتا کرتے رہیں گے۔ ان کا ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا اس پر لعنت کرتا رہے گا۔ اور عنقریب وقت آرہا ہے کہ قیامت میں ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ اور ہم ان کو ان کی ساری بدعقیدگیاں بدعملیاں بتا کر گنا کر ان سے اقرار کرا کر انہیں سخت سزا دیں گے۔ للذا بہتر یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں ہی توبہ کر کے اسلام کے دامن میں آ جائیں۔

عیسائی تفرقہ بازی کی ابتدا کیسے ہوئی صاحب روح البیان نے اس جگہ عیسائیوں کی فرقہ بندی کا عجیب واقعہ بیان فرمایا وہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو عیسائیوں سے سخت عداوت تھی۔ ان کی عیسائیوں سے بارہا خطرناک جنگیں ہوئیں۔ یہود کا ایک بہت بڑا پوپ اپنی قوم سے بولا کہ میں ایسی تدبیر کرتا ہوں جس سے عیسائی ہمیشہ آپس میں ہی لڑتے رہیں۔ ہم سے لڑنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اس نے اپنی ایک آنکھ پھوڑی اور اپنے کو کانا کر کے عیسائیوں کے علاقہ میں گیا۔ اور بولا کہ تم مجھے پہچانتے ہو میں یہودی تھا۔ اور میری تمہاری بہت لڑائیاں ہوئی ہیں۔ مجھے تم سے سخت عداوت تھی۔ ایک رات حضرت روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام خواب میں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا تو میری قوم سے کیوں عداوت رکھتا ہے اور میرے منہ پر طمانچہ مارا جس سے میری یہ آنکھ جاتی رہی۔ میں نے حضرت روح اللہ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ عیسائی بنا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے مجھے اپنے خاص علوم عطا فرمائے اور مجھے حکم دیا کہ میں تم لوگوں میں آ کر وہ علوم تمہیں سکھاؤں۔ عیسائیوں کی زود اعتقادی تو مشہور ہی ہے۔ سارے عیسائی بولس کے بہت ہی معتقد ہو گئے۔ بولس ایک بالا خانہ میں رہنے سہنے لگا۔ جس میں ایک کھڑکی تھی۔ یہ اس بالا خانے میں اکیلا رہتا۔ اس بالا خانہ کے ارد گرد عیسائیوں کا مجمع لگا رہتا۔ وہ کبھی اپنی کھڑکی کھولتا انہیں اپنا دیدار دیتا اور احکام شرعیہ سناتا۔ کبھی بری باتوں کا حکم دیتا پھر اس کی ایسی توجیہ کرتا کہ عیسائی حیران رہ جاتے۔ آہستہ آہستہ اس کے علم و عمل کا شہرہ دور دور عیسائیوں میں ہو گیا۔ عیسائی دور دراز سے اس کی زیارت کرنے اس کا کلام سننے آتے۔ جب بولس نے اپنا پورا اثر جما لیا تو آہستہ آہستہ عیسائیوں میں بدعقیدگیاں پھیلانا شروع کر دیں۔ چنانچہ ایک بار بولا کہ اے عیسائیو! تمہاری عبادات کا قبلہ مشرق ہے۔ کیونکہ اسی سمت سے سورج چاند ستارے طلوع کرتے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں نے اپنا قبلہ مشرق کو بنا لیا۔ ادھر منہ کر کے نمازیں پڑھنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد بولا کہ میں عنقریب عیسیٰ مسیح پر اپنی جان کی قربانی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جو سیکھنا ہے مجھ سے جلد سیکھ لو پھر تم مجھے نہ پاؤ گے چنانچہ عیسائی اس کے پاس آنے لگے۔ ایک رات اس نے اپنے پاس پادری کو تنہائی میں بلایا اور سمجھایا کہ میں تجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاص علم دیتا ہوں تو اس کی تبلیغ اپنی قوم میں کر تجھے خبر ہے کہ حضرت مسیح مردوں کو زندہ بیماروں کو تندرست کرتے تھے۔ یہ کام صرف خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ للذا وہ خدا ہی تھا جو شکل مسیح میں آیا تھا۔ یہ عقیدہ اس کے دل میں خوب پیوست کر دیا۔ دوسری شب کسی اور پادری کو بلا کر اکیلے میں سمجھایا کہ ہر انسان اپنے باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کوئی نہیں۔ ان کا

باپ تو اللہ تعالیٰ ہے وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ اور جناب مریم اس رب کی زوجہ ہیں۔ تیسرے پادری کو بلا کر سمجھایا کہ ایک خدا اتنا بڑا جہاں نہیں چلا سکتا۔ خدا تین ہیں۔ ایک رب تعالیٰ دوسرے حضرت مسیح تیسرا رب جناب مریم اس طرح اور بہت قسم کی بد عقیدگیاں مختلف پادریوں کے دلوں میں جمادیں۔ اور ایک شب پر اسرار طریقہ سے غائب ہو گیا۔ عیسائیوں کو یقین ہو گیا۔ کہ اسے عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پاس بلا لیا۔ بہت روز تک ان کا سوگ کر کے ان پادریوں نے اس کے سکھائے ہوئے عقائد کی تبلیغ شروع کی۔ ہر پادری کہتا تھا کہ بولس کا علم میرے پاس ہی ہے۔ مجھے اس کی معرفت حضرت مسیح کا علم پہنچا ہے۔ چنانچہ مختلف پادریوں نے مختلف عقیدے لوگوں میں شائع کئے۔ اور ہر ایک پادری کے ساتھ عیسائیوں کی ایک جماعت ہو گئی۔ چنانچہ عیسائی اس وقت بارہ فرقوں میں بٹ گئے اور ان کا آپس میں بہت خون خرابہ ہوا۔ اور یہ جنگ ان فرقوں کے درمیان دائمی ہو گئی۔ ہر فرقہ دوسرے فرقوں کو کافر لعنتی کہنے لگا۔ چنانچہ **نسطوریہ**' یعقوبیہ' ملکانیہ فرقوں کی آپس کی جنگ بڑی خطرناک ہوئی۔ اس آیت کریمہ میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان کی فرقہ بندی اور فرقوں میں بغض و عداوت ہمارا دنیاوی عذاب ہے جو عیسائیوں پر نازل ہوا۔ (روح البیان) آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہو گا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ امت محمدیہ وہ خوش نصیب امت ہے۔ جن کا نام رب تعالیٰ نے مومن مسلم رکھا فرمایا ہے۔ **ھو سمکم المسلمین** باقی تمام دین والوں نے اپنے نام خود اپنی تجویز سے رکھے یہ فائدہ **قالوا انا نصاری** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ اگر کسی کا نام تو اچھا ہے مگر کام برے تو اچھا نام اسے سجتا نہیں۔ نام مطابق کام کے چاہیے یہ فائدہ بھی **قالوا انا نصاریٰ** سے حاصل ہوا۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ انہوں نے صرف زبان سے نصاریٰ یعنی مددگار عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا۔ عملاً" وہ مددگار نہ رہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو برے لوگوں کے اچھے نام بدل دیئے۔ ایک شخص کا نام ابو الحکم تھا۔ مگر تھا بڑا جاہل تو اس کا نام بدل کر رکھا ابو جہل۔ **تیسرا فائدہ** غیر اللہ سے مدد لینا جائز ہے۔ شرک نہیں بلکہ یہ سنت انبیاء ہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خدام سے فرمایا **من انصاری الی اللہ** اللہ تعالیٰ کے لئے میرا مددگار کون ہے تو حواریوں نے جواب دیا **نحن انصار اللہ** ہم ہیں اللہ کے مددگار اس لئے ان کو نصاریٰ کہا گیا۔ یعنی حضرت مسیح کے مددگار حضور کے صحابہ کی ایک جماعت کا نام انصار ہے۔ یعنی اسلام و مسلمین و مہاجرین کے مددگار حضرات اولیاء اللہ میں ایک طبقہ کا نام غوث ہے۔ یعنی عالم کے مددگار یہ فائدہ بھی انا نصاریٰ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** انسان کو چاہیے کہ اپنے نام اپنے لباس اپنی قوم کی لاج رکھے۔ ایسے کام کرے جو نام' مقام اور لباس کے مناسب ہوں یہ فائدہ قالوا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ عالمگیر کے بہروپیا نے فقیری لباس کی شرم کی تھی۔ علماء کو چاہیے کہ کام بھی عالموں کے سے کریں۔ **شعر:۔**

☆ کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کریں ☆ ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود ☆

پانچواں فائدہ بد عقیدگی اور بد عملی کی سزا دنیا میں آپس کی پھوٹ 'عداوت' دشمنی ہے یہ فائدہ **فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء** سے حاصل ہوا۔ قوم میں اتفاق اللہ کی رحمت ہے۔ **چھٹا فائدہ** عیسائی فرقوں کی آپس کی عداوتیں دشمنیاں دائمی ہیں کبھی ختم نہیں ہو سکتیں یہ فائدہ **الی یوم القیامۃ** سے حاصل ہوا جیسا کہ اب بھی دیکھا جارہا ہے۔ اور دیکھا جاتا رہے گا۔ **ساتواں فائدہ** قیامت میں رب تعالیٰ مجرموں کو ویسے ہی دوزخ میں نہیں بھیج دے گا بلکہ پہلے ان کے جرم بتائے گا۔ دکھائے گا۔ ان سے اقرار کرالے گا۔ پھر سزا دے گا۔ باقاعدہ پیشی۔ گواہی۔ جرح وغیرہ سب کچھ ہو گی۔ پھر سزا۔ یہ فائدہ **وسوف ینبئھم** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** قیامت اگرچہ بظاہر بہت دور ہے۔ مگر حقیقتاً بہت ہی قریب ہے۔ اس لئے اس کی تیاری چاہیے۔ یہ فائدہ **سوف ینبئھم** میں سوف فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں کو احکام الٰہی بھول جانے کی دنیا میں بھی سزا دی گئی۔ آخرت میں بھول جانا تو گناہ نہیں۔ پھر اس پر سزا کیسی؟ **جواب** اس اعتراض کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام میں بھول و خطا پر معافی ہے۔ اس سے پہلے نہ تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام پر عتاب محبوبانہ ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ یہاں بھول سے مراد چھوڑ دینا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ونسیٰھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا** عیسائیوں نے دیدہ دانستہ احکام انجیل چھوڑ دیئے تیسرے یہ کہ بھول جانے اور بھلا دینے میں بڑا فرق ہے۔ بھول جانے پر سزا نہیں۔ بھلا دینے پر سزا ہے۔ انہوں نے احکام انجیل بھلا دیئے تھے۔ **دوسرا اعتراض** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں میں فرقہ بندی ایک یہودی بولس نے قائم کی۔ پھر رب تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا **فاغرینا** ہم نے عداوت ڈال دی۔ یہ تو بولس کا کام تھا۔ **جواب** بولس کا یہ کام حق تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا بندہ مظہر ہے۔ فاعل حقیقی رب تعالیٰ ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ میں آپس میں قیامت تک بغض و عداوت رہے گی۔ مگر اب تو عیسائیوں یہودیوں میں بڑا اتفاق ہے۔ امریکہ عیسائی ہے۔ مگر یہودیوں کو اس نے فلسطین میں بسایا۔ اور ان کی پوری پوری مدد کر رہا ہے۔ پھر یہ آیت کیوں کر درست ہوئی۔ **جواب** یہ ان کی محبت نہیں بلکہ خود غرضی ہے۔ ایک خاص غرض کے ماتحت فلسطین میں مسلمانوں کو کچلنے کے لئے یہود کو مسلمانوں پر مسلط کیا ہے۔ ورنہ ان کے دل ملے ہوئے نہیں۔ عیسائیوں کے عقیدے میں یہود نے حضرت مریم کو عیب لگایا۔ یہود نے ہی حضرت مسیح کو سولی دی۔ یہودی اب تک حضرت مسیح کو گالیاں دیتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض** تمہاری دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں کے فرقوں میں ہمیشہ عداوت و دشمنی رہے گی۔ حالانکہ عیسائیوں میں بہت اتفاق ہے وہ لوگ ایک دل ایک جان ہیں۔ پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب** ان تمام فرقوں میں اتفاق صرف ظاہری دکھلاوا ہے۔ دل سب کے الگ الگ ہیں۔ انگلستان و جرمنی کی جنگ نے اس ظاہری اتفاق کی حقیقت دکھا دی۔ یہ دونوں عیسائی ہیں۔ مگر انہوں نے ایک دوسرے کے ہزارہا افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عیسائیوں کے ایک فرقے کے لوگ بھی متفق نہیں۔ گورے کالے عیسائیوں کے گرجے الگ بلکہ قبرستان الگ۔ یہ تو مرنے کے بعد بھی ایک

نہیں۔ پانچواں اعتراض مسلمانوں بلکہ خود صحابہ میں بڑی عداوتیں و نااتفاقیاں ہوئیں۔ حضرت علی و معاویہ یوں ہیں۔ جناب علی و عائشہ کی جنگیں دنیا جانتی ہے اگر عداوت و بغض خدا کا عذاب ہے۔ تو اس عذاب میں مسلمان بلکہ مسلمانوں کے پیشوا حضرات یعنی صحابہ کرام بھی مبتلا ہیں۔ (عیسائی) **جواب۔ نعوذ باللہ** ان جنگوں کو اس فرقہ بندی کے فسادوں سے کیا تعلق۔ ان بزرگوں میں اختلاف رائے تھا۔ اس اختلاف رائے کے نتیجہ میں یہ لڑائیاں ہوئیں۔ فرقہ بندی عقائد کے اختلاف کی بنا پر کوئی جھگڑا نہ تھا۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں میں یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویوں جناب سارہ اور ہاجرہ کے جھگڑے یہ سب اختلاف رائے کے نتیجے تھے اسی لئے وہ حضرات ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے اور ایک دوسرے کو اپنا بھائی کہتے اور سمجھتے تھے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔ عیسائیوں کے ہاں تو اس کا جھگڑا ہے کہ خدا ایک ہے یا تین۔ اگر ایک ہے تو اولاد ہے یا اولاد سے پاک **انجیلیں چار** ہیں۔ یا تین یا تمیں حضرت مسیح اللہ کے بندے ہیں۔ یا اس کے بیٹے یا وہ خود خدا ہیں۔ **چھٹا اعتراض** اب مسلمانوں کے تہتر فرقے ہیں۔ ان میں آپس میں جھگڑے ہیں تو مسلمان بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ (عیسائی) **جواب** مسلمانوں کے صرف چار فرقے ہیں۔ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی ان چاروں کا اختلاف ہے۔ جو سراپا رحمت ہے۔ یہ چاروں فرقے ایک دوسرے کو اپنا بھائی اور چاروں اماموں کو برحق مانتے ہیں۔ رہے دوسرے مرتد یا گمراہ فرقے یہ مسلمانوں کے فرقے نہیں۔ انہوں نے اسلام چھوڑ کر اور راستے اختیار کر لئے پھر یہ فرقے اللہ کی توحید حضور کی نبوت قرآن کی حقانیت۔ کعبہ کے قبلہ ہونے میں متفق ہیں۔ عیسائیوں کی طرح رب کی ذات و صفات میں آپس میں مختلف نہیں۔ **ساتواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ قیامت تک کے لئے ان میں عداوت و بغض ڈال دیا تو کیا قیامت میں اور اس کے بعد ان کی عداوتیں ختم ہو جائیں گی۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ قیامت میں دوست بھی دشمن ہو جائیں گے۔ سوا پرہیزگاروں کے۔ ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا۔ کہ اس سے مراد ہمیشگی ہے۔ نہ کہ انتہا۔ اور اگر انتہا ہی مقصود ہو تو قیامت کے دن ان دنیاوی عداوتوں کی انتہا ہو جائے گی۔ اس دشمنی کا نتیجہ جنگ لڑائیاں ہیں۔ قیامت اور بعد قیامت دشمنی کی نوعیت دوسری ہوگی۔ بہرحال قیامت میں ایک نوعیت کی دشمنی کی انتہا ہوگی۔ نہ کہ جنسی دشمنی کی انتہا لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ **آٹھواں فائدہ** یہاں فرمایا کہ ہم نے عداوت و بغض ڈال دیا۔ عداوت و بغض تو ایک ہی چیز ہے۔ پھر انہیں الگ الگ کیوں فرمایا۔ **جواب** اس آیت کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ دشمنی عداوت ہے اور دل میں عداوت کا محفوظ رہنا بغض ہے۔ لہذا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ان دونوں کے ذکر میں تکرار نہیں۔

تفسیر صوفیانہ محبتیں تین قسم کی ہیں۔ نفسانی' شیطانی' رحمانی و روحانی۔ نفسانی و شیطانی محبتیں مرتے ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ بلکہ عداوتوں میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ مگر رحمانی و روحانی محبتیں ابدالآباد تک قائم رہتی ہیں۔ دنیا میں بھی یہ دونوں

محبتیں صرف ظاہری ہوتی ہیں۔ حقیقت میں عداوتیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ محبتیں دل کی دل سے یا روح کی روح سے نہیں ہوتیں۔ بلکہ نفس کی نفس سے ہوتی ہیں۔ مگر رحمانی و روحانی محبتیں حقیقی ہوتی ہیں۔ کیونکہ اس میں دل دل سے اور روح روح سے محبت کرتے ہیں۔ عیسائی فرقوں کی آپس کی محبتیں نفسانی یا شیطانی تھیں نہ کہ رحمانی و روحانی۔ کیونکہ ان میں سے روحانیت ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے فرمایا گیا کہ ہم نے ان میں عداوت و بغض تا قیامت ڈال دیا۔ یعنی ان کے دل و جان ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ لہٰذا ان کی ظاہری محبتیں بھی حقیقی عداوتیں ہیں جو محبت کی شکل میں نمودار ہیں۔ قیامت میں چونکہ حقیقت اللہ ہوگی۔ اس لئے اس دن یہ محبتیں اپنی اصلی حالت میں نمودار ہوں گی۔ اس لئے فرمایا **وسوف ینبئھم اللہ بما کانوا یصنعون** اہل وفاق میں عداوت و بغض نہیں اور اہل نفاق میں آپس میں محبت و انس نہیں ہو سکتی۔ اس آیت میں حقیقت کا بیان ہے۔ مخلصین مومنین کی دنیاوی عداوتیں بھی عارضی ہیں بلکہ حقیقی محبتیں ہیں جو ظاہری عداوتوں میں نمودار ہیں۔ قیامت کے دن اصلی روپ میں نظر آئیں گی۔ رب فرماتا ہے۔

ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقبلین۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ

اے کتابیو تحقیق تمہارے پاس رسول ہمارا جو بیان کرتا ہے واسطے تمہارے بہت اس میں سے جو تھے

اے کتاب والو بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی چیزیں جو تم نے کتاب

مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾

تم چھپاتے کتاب سے اور معاف کر دیتے ہیں بہت سے تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور

میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سی معاف فرماتے ہیں بے شک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن

يَهْدِى بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضْوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ

اور کتاب ظاہر کرنے والی ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعہ اللہ اس کو جو پیروی کرے رضامندی کی اس کی سلامتی کے راستوں

کتاب اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے راستے اور انہیں اندھیروں سے

ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِهِۦ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾

کی اور نکالتا ہے انہیں اندھیروں سے طرف روشنی کے ساتھ حکم اپنے اور ہدایت دیتا ہے انہیں طرف راہ سیدھی کی

روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں عیسائیوں کے اس عہد کے بھول جانے کا ذکر تھا جو ان سے انجیل سے لیا گیا تھا۔ اب ان آیات کریمہ میں وہ ہی بھولے ہوئے عہد یاد دلائے جارہے ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی تشریف آوری اور ان پر ایمان لانا گویا بھولنے کا ذکر پہلے ہوا۔ اور اسی بھولی ہوئی چیز کی یاد ان آیات میں کرائی گئی۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں عیسائیوں کی آپس کی عداوت و بغض کا ذکر تھا۔ اب اس نعمت کا تذکرہ ہے۔ جس سے یہ بغض و عداوت محبت و مودت میں تبدیل ہو جاوے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان نہ آنا گویا بیماری کا ذکر پہلے ہوا تھا۔ اور اس کی دوا و علاج کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں عیسائیوں کے اخروی عذاب کا ذکر تھا **وسوف ینبئھم** الخ اب اس سے بچنے کا ذریعہ بتایا جارہا ہے۔ یعنی عیسائیت سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں چھپ جانا۔ یہی وہ دامن ہے جہاں پہنچ کر عیبوں کا ارتکاب کرنے والے ڈھک جاتے ہیں اور سارے عیب چھپ جاتے ہیں۔

شان نزول ابن جریر نے بروایت حضرت عکرمہ بیان کیا کہ ایک بار یہود کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور اس نے حضور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے رجم کے متعلق پوچھا یعنی زانی کو سنگسار کرنا کیسا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں بڑا عالم کون ہے۔ انہوں نے اپنے بڑے پادری ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا۔ کہ عرب میں یہود کا بڑا پادری عالم یہی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اے ابن صوریا تجھے قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت اتاری تجھے قسم ہے اس کی جس نے بنی اسرائیل پر طور اکھیڑا۔ تجھے قسم ہے اس کی جس نے بنی اسرائیل کے لئے من و سلوا اتارا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شان سے اسے قسمیں دیں کہ ابن صوریا کانپ گیا۔ فرمایا سچ بول توریت میں زانی کے رجم کا حکم ہے یا نہیں۔ ابن صوریا بولا۔ قسم ہے اس رب کی جس کی قسمیں مجھے آپ نے دیں کہ توریت میں رجم کا بہت تاکیدی حکم ہے۔ فرمایا کہ پھر تم لوگوں نے رجم کرنا کیوں چھوڑ دیا ہے۔ وہ بولا کہ ہماری قوم میں زنا بہت پھیل گیا۔ خصوصاً بڑے لوگ زیادہ کرنے لگے۔ تب ہم نے اس بڑھتی ہوئی وبا کو قابو سے باہر دیکھ کر اس کی سزا ہلکی کر دی۔ یعنی زانی کا سر مونڈ دینا۔ منہ کالا کر دینا اور سو کوڑے مارنا۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و تائید فرمائی گئی۔ (روح المعانی)

تفسیر یاھل الکتب قد جاءکم رسولنا قرآن مجید میں اکثر آیات توحید میں قل کا ارشاد ہوتا ہے۔ جیسے **قل ھو اللہ احد** اور آیات بعثت میں قل ارشاد نہیں ہوتا۔ کیونکہ توحید کے گواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں **انا ارسلنک شاھدا** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ کا گواہ حق تعالیٰ ہے **وکفی باللہ شھیدا** چونکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ کا ذکر ہے اس لئے قل ارشاد نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی بعثت سارے انسانوں کی طرف ہے۔ اس لئے ایک جگہ فرمایا گیا۔ **یایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم** لیکن بمقابلہ دوسرے کفار کے اہل کتاب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت زیادہ ضروری ہے کیونکہ دوسرے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے بے خبر تھے۔ اہل کتاب کو سب کچھ خبر تھی۔ کہ توریت و انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا پورا پورا بیان تھا۔ نیز عرب میں اہل کتاب کی عزت تھی۔ ان کے ایمان لانے سے دوسروں کے ایمان لانے کی قوی امید تھی۔ اس لئے یہاں خصوصیت سے اہل کتاب سے خطاب فرمایا گیا۔ اہل کتاب سے مراد یا کتاب اللہ ماننے والے ہیں یا اسے جاننے والے۔ پہلی صورت میں سارے کتابیوں سے خطاب ہے۔ دوسری صورت میں ان کے پادریوں سے۔ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔ جس میں توریت انجیل وغیرہ سب داخل ہیں۔ لہٰذا یہاں یہود و عیسائی دونوں مراد ہیں۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تمام دنیا والوں کو مفید ہے مگر اہل کتاب کو زیادہ مفید کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف آوری سے ان کی کتابوں کی تصدیق ہو گئی۔ ان کے نبیوں کی عظمت و عزت کو چار چاند لگ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی والدہ مریم سے یہود کی تہمتیں دور ہو گئیں۔ غرض کہ دوسرے کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان ملا۔ مگر اہل کتاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان بھی ملا۔ اور یہ تصدیقیں بھی۔ جیسے سورج سے عام زمین کو روشنی ملتی ہے۔ اچھی زمین ہو یا زمین شور مگر اعلیٰ زمین کو سورج سے روشنی بھی ملتی ہے۔ اور سرسبزی بھی۔ ان وجوہ سے فرمایا گیا۔ **جاءکم** تمہارے پاس تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ معظمہ میں ہے۔ رہنا سہنا ملک عرب یا مدینہ منورہ میں۔ مگر تشریف آوری سارے جہان میں ہے۔ جیسے سورج کا رہنا چوتھے آسمان پر ہے۔ مگر چمکنا سارے جہان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ولادت یا سکونت ختم ہو گئی۔ مگر تشریف آوری ختم نہ ہوئی جیسے سورج کے غروب ہو جانے سے اس کا طلوع ختم ہو گیا۔ مگر اس کی اپنی نورانیت۔ تجلی شعاعیں ختم نہیں ہوتیں۔ اس لئے یہاں **ولد فیکم** نہ فرمایا۔ **جاءکم** فرمایا۔ رسول کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ لینے کا اور مخلوق سے تعلق ہے دینے کا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب بھی فرماتا ہے **رسولنا** اور سب مخلوق بھی کہتی ہے **رسولنا** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بھی رسول ہیں اور خدا تعالیٰ کے بھی رسول ہیں۔ یہاں پہلی نسبت سے فرمایا گیا ہے **رسولنا** خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آ کر رسول نہ بنے بلکہ رسول بن کر دنیا میں آئے۔ کیونکہ یہاں جاء کا فاعل رسولنا ہے جیسے کہا جاوے کہ عالم مرد میرے پاس آیا تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ عالم اور مرد تو پہلے سے تھا۔ آنا بعد میں ہوا۔ چالیس سال کی عمر شریف میں رسالت کا ظہور ہوا نہ کہ رسالت کا وجود جیسے آج چھ بجے گجرات پر سورج کا طلوع ہو تو آفتاب کی ساری صفات پہلے سے ہی موجود ہیں۔ گجرات پر ظہور چھ بجے ہے۔ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پردہ فرمانے کے بعد بھی رسول ہیں۔ ہمارے ہم بتا رہے ہیں جیسے سورج ڈوبنے کے بعد بھی چمکیلا ہے۔ وقت مغرب وقت عشاء اور وقت فجر بتا تا رہتا ہے۔ بلکہ چاند تاروں کو چمکا تا رہتا ہے۔ یعنی اے توریت و انجیل کے ماننے والو یا ان کتابوں کے

جاننے والو تم سب کے پاس ہمارے وہ نبی رسول تشریف لے آئے جن کا تمہاری کتابوں میں اعلان تھا۔ جن کا تمہیں انتظار تھا۔ جن کی دھوم میں تمہارے نبی مچا گئے تھے۔ **قد** اور **جاء** اور **کم** کی تحقیقات بارہا ہو چکی ہیں۔ **یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتب** یہ جملہ حال ہے۔ **رسولنا** سے **یبین** کے معنی ہیں خوب اچھی طرح بیان فرماتے رہتے ہیں **یبین** باب **تفعیل** سے ہے اور ہے مضارع **لکم** میں لام نفع کا ہے یا صلہ کا **کثیر** سے مراد ہے حقیقی کثرت و زیادتی ہے نہ کہ اضافی زیادتی۔ **مما** میں **من** تبعیضیہ ہے اور **ما** سے مراد توریت و انجیل کی آیات و احکام سب ہی ہیں **من الکتب** میں من بیان ہے۔ جس نے **ما** کو ظاہر کیا اور کتاب سے مراد توریت و انجیل ہیں۔ یعنی ہمارے ان رسول کی شان یہ ہے کہ وہ تمہاری کتابوں کی بہت سی وہ آیات و احکام جو تم برابر چھپاتے رہتے ہو خوب اچھی طرح بیان فرماتے رہتے ہیں جیسے توریت میں رجم کے احکام کی آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کی آیات جنہیں یہود نے چھپا دیا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ظاہر فرمایا۔ عیسائیوں نے انجیل میں تبدیلی کر کے وہ خرافات بھر دیں کہ خدا تعالیٰ کی پناہ۔ اب موجودہ انجیل کا پرانا عہد نامہ اور نیا عہد نامہ دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب.... انجیل اور توہین انبیاء میں انجیل کی وہ آیات جمع کر دی ہیں۔ جن میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو برے گندے بہتان لگائے گئے ہیں۔ ہم یہاں صرف چند عبارات پیش کرتے ہیں۔ مسلمان غور کریں کہ عیسائیوں نے انجیل میں کیسی تحریفیں کیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو کیسی گالیاں دیں۔ پرانا عہد نامہ پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۳ میں ہے کہ لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا۔ جن سے دو قومیں چلیں نمبر ۲ کتاب گلیتون باب ۲ آیت ۱۳ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہماری خاطر لعنتی بنا ہے جو صولی دیا جاوے وہ لعنتی ہے نمبر ۳ کتاب یرمیاہ باب ۲۳ آیت گیارہ میں ہے کہ نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں اسی کی آیت ۱۶ میں ہے۔ یروشلم کے نبیوں سے ہی تمام ملک میں بے دینی پھیلی ہے نمبر ۴ حضرت یہودا (یوسف علیہ السلام کے بھائی) نے اپنی بہو سے زنا کیا۔ اسے چھنالے کا حمل رہا۔ دیکھو کتاب پیدائش باب ۳۹ آیت ۲۰ تا ۲۴۔ یہ ہیں عیسائیوں کی انجیل شریف پر مہربانیاں مسلمان بلکہ تمام انسان سوچیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیائے کرام پر کتنے احسانات فرمائیں۔ کہ انہیں عیسائیوں کی ان تہمتوں سے بری فرمایا۔ **ویعفوا عن کثیر** یہ جملہ پہلے جملہ **یبین لکم** پر معطوف ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صفت کا ذکر ہے۔ **یعفوا** کا فاعل حضور انور ہیں صلی اللہ علیہ وسلم **کثیر** سے مراد انہیں یہود و نصاریٰ کی بہت سی وہ دوسری قسم کی خیانتیں ہیں۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر نہ فرمایا۔ یہاں بھی **کثیر** سے حقیقی کثرت مراد ہے نہ کہ اضافی یعنی وہ محبوب تمہاری بہت سی خیانتوں کی معافی دیتے ہیں۔ انہیں ظاہر نہیں کرتے ورنہ وہ تمہاری ساری خیانتوں ساری اصلی آیات سے پورے پورے واقف ہیں۔ یہ وہ خیانتیں ہیں جن کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دوسرے نبیوں یحییٰ و ذکریا ذکر علیہما السلام وغیرہ کی طرح توریت

جاری کرنے اس پر عمل کرانے کے لئے تشریف لائے۔ بلکہ تمام گزشتہ کتابیں منسوخ فرمانے تشریف نہیں لائے ہیں۔ اس لئے ساری توریت کو ظاہر نہیں کرتے ان کے ظاہر نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خبردار بھی نہیں۔ خبردار تو وہ ہر چیز سے ہیں مگر جن کے ظاہر کرنے کی ضرورت سے ہے وہ ظاہر کرتے ہیں۔ جن کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں وہ ظاہر نہیں فرماتے عدم اظہار بے علمی کی دلیل نہیں **قد جاء کم من اللہ نور وکتب مبین** یہ جملہ نیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صفات کا ذکر ہے۔ **کم** میں خطاب یا تو سارے انسانوں سے ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے پاس ہی تشریف لائے یا اہل کتاب سے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ ابھی ابھی انہیں سے خطاب ہوا **من اللہ** کا تعلق یا تو **جاء** سے ہے **من** ابتدائیہ ہے یعنی اللہ کی طرف سے۔ یا **من اللہ** نور کا حال مقدم ہے۔ یعنی اللہ کا نور لِلہ اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔ پہلی تفسیر کا منشا یہ ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آکر نور نہ بنے۔ کسی سے نورانیت حاصل نہ کی بلکہ رب کی طرف سے اس کی عطا سے نور بن کر دنیا میں آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صفات ربانی ہیں۔ ہم صرف انسانیت لے کر دنیا میں آتے ہیں باقی تمام صفات عالم' حاکم' حافظ قاری یہاں آکر بنتے ہیں اور یہ تمام صفات یہاں ہی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ صرف انسانیت لے جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ رب کی طرف سے لائے۔ اور ان میں سے کوئی صفت دنیا میں چھوڑ کر نہ گئے تمام صفات سے اب بھی موصوف۔ آپ اب بھی رسول' نور' برہان' شفیع ہیں اور رہیں گے۔ دوسری تفسیر میں آیت کا منشاء یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں۔ انہیں رب نے نور بنایا ہے۔ کسی انسان نے منور نہیں کیا لہٰذا کسی کے بجھائے بجھ نہیں سکتے۔ گیس' بجلی انسان کے مصنوعاتی نور ہیں تو انہیں انسان بجھا دیتا ہے۔ مگر چاند' سورج ربانی نور ہیں کسی کے بجھائے نہیں بجھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور کوئی نہیں بجھا سکتا۔ اس نور کی تنوین **تعظیمی** ہے۔ یعنی بڑا نور۔ خیال رہے کہ نور وہ ہے جو خود ظاہر ہو۔ دوسرے کو ظاہر کرے یہ نور دو قسم کا ہوتا ہے۔ نور حسی جیسے سورج' چاند' تارے' بجلی' گیس' چراغ وغیرہ جس سے آنکھیں منور ہوتی ہیں۔ دوسرا نور عقلی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید' یا علم کا ان سے عقل منور ہوتی ہے۔ یہاں نور عقلی مراد ہے کتاب سے مراد قرآن مجید ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے مبین کتاب کی صفت ہے بمعنی ظاہر کرنے والی۔ چونکہ قرآن مجید نے غیبی' خبریں' شرعی احکام' رب تعالیٰ کی ذات و صفات معاش و معاد کو ظاہر فرمایا اس لئے اسے مبین فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ یہاں نور و کتاب میں مفسرین کے پانچ قول ہیں **ایک** یہ کہ نور اور کتاب دونوں قرآن مجید ہیں یہ قول ابو علی معتزلی کا ہے (روح المعانی) اس قول کو تفسیر کبیر نے بہت ہی ضعیف فرمایا اور کہا کہ معطوف اور معطوف علیہ ایک ہی نہ چاہئیں بلکہ الگ الگ چاہئیں دوسرے یہ کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور اللہ کا نور بھی ہیں۔ اللہ کی کتاب بھی۔ (روح المعانی) **تیسرے** یہ کہ نور سے مراد مومن کی عقل اور کتاب سے مراد ہے قرآن مجید (روح المعانی) **چوتھے** یہ کہ نور سے مراد اسلام ہے اور کتاب سے مراد قرآن مجید (کبیر) **پانچویں** یہ کہ نور

سے مراد حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید یہ آخری قول ہی نہایت قوی ہے۔ چند وجہ سے ایک وجہ یہ کہ اکثر مفسرین و محدثین نے یہ ہی فرمایا۔ حتیٰ کہ تفسیر روح المعانی نے نور کی تفسیر میں یہاں فرمایا **ھو نور الانوار والنبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم** یہ ہی قتادہ اور زجاج کا قول ہے۔ (تفسیر خازن' مدارک' بیضاوی' روح البیان' کبیر' تفسیر جلالین' جمل' تفسیری مظہری وغیرہ) دوسری وجہ یہ کہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر گزرا کہ فرمایا گیا **قد جاءکم رسولنا** یہ آیت اس کا بیان ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ خود قرآن کریم نے اس کی تفسیر دوسرے مقام پر یہ ہی کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ وسراجا منیرا چوتھی تفسیر یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انا نور من نور اللہ** وہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔ چونکہ دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تشریف لائے۔ قرآن مجید بعد میں۔ نیز مومن کے دل میں پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوتے ہیں۔ بعد میں قرآن مجید زبان اور ہاتھ میں آتا ہے کہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں۔ قرآن مجید بعد میں پڑھتے ہیں۔ اس لئے نور کا ذکر پہلے ہوا۔ کتاب کا ذکر بعد میں۔ نیز کتاب نور سے دیکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور کسی کی کوشش سے بجھ نہیں سکتا جیسے سورج و چاند کا نور۔ اس لئے **من نور اللہ** فرمایا گیا۔ یعنی اللہ کا نور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کونین چمکے دل و جسم چمکے اور اس نور کے لئے کبھی چھپنا' بجھنا غروب ہونا نہیں اس لئے **نور** تنوین سے فرمایا۔ یعنی بڑا نور۔ دائمی نور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ یعنی قرآن مجید سے افضل ہیں جیسا کہ ہم انشاء اللہ فوائد میں عرض کریں گے۔ اس لئے نور کو بہت اہتمام سے بیان فرمایا **یھدی بہ اللہ** یہ جملہ یا تو کتاب کی دوسری صفت ہے یا اس کا حال یا نور کی صفت ہے یا حال یا **رسولنا** کا حال یا **یبین لکم** کا بدل ہے یا نور و کتاب دونوں کی صفت (روح المعانی وغیرہ) آخری احتمال زیادہ قوی ہے **بہ** کا مرجع یا کتاب یا نور یا رسول۔ یا نور و رسول دونوں آخری احتمال نہایت قوی ہے چونکہ کتاب یعنی قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہیں اس لئے کہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم معجزے والے جیسے عصاء موسوی سے موسیٰ علیہ السلام افضل ایسے ہی کتاب اللہ یعنی قرآن مجید سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا مقصد ایک ہی ہے۔ یعنی ہدایت اس لئے دونوں مرجع کے لئے ضمیر واحد لائی گئی۔ (روح البیان و روح المعانی) بہ کو لفظ اللہ سے پہلے فرمایا گیا۔ تاکہ حصر کا فائدہ ہو۔ کیونکہ اب اللہ تعالیٰ لوگوں کو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صرف قرآن سے ہی ہدایت دیتا ہے۔ اب کسی اور نبی کسی اور کتاب سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ ہدایت کے دو معنی ہیں۔ راہ دکھانا اور منزل پر پہنچا دینا۔ حضور نے سارے جہان کو راہ خدا دکھائی۔ **لیکون للعلمین نذیرا** اور مسلمانوں کو رب تک پہنچا دیا۔ **یھدی** مضارع فرما کر ہمیشگی بتائی گئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہدایت دیتا رہے گا۔ جب سورج ہمیشہ نور دیتا ہے۔ دن نکالتا رہتا ہے۔ موسم بتاتا

پچھلی بکاؤ زمانہ گزارہ رہتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نبوت کے آسمان کے سورج ہیں۔ ہمیشہ آپ سے ایمان عرفان وغیرہ ملتے ہی رہیں گے۔ گزشتہ نبیوں کی ہدایتیں وقتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت دائمی ہے۔ **بہ** سے اشارۃً دو باتیں بتائی گئیں۔ ایک یہ کہ اب کسی نبی کی پیروی ہدایت نہیں۔ ہدایت صرف حضور کے پاس ہے دوسرے یہ کہ عقل یا دلائل سے ہی توحید ماننے والا ہدایت پر نہیں۔ حضور کی معرفت توحید ماننے والا ہدایت پر ہے۔ رات کو ہر گھر میں الگ چراغوں سے نور لیا جاتا ہے۔ مگر دن میں ہر شاہ و گدا کے گھر میں ایک سورج کی ہی دھوپ ہوتی ہے۔ رات کے نور مختلف ہیں۔ مگر دن کا نور ایک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں اسلام دھوپ ہے۔ تیسرے یہ کہ اگرچہ ہادی حقیقی رب تعالیٰ ہے مگر ہدایت کا وسیلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے رب ہدایت دیتا ہے۔ اگر یہ واسطہ بیچ میں نہ ہو تو ہدایت ملنا غیر ممکن ہو جاوے۔ جیسے ہماری پیدائش کے لئے ماں باپ، علم کے لئے استاد وسیلہ ہیں۔ ایک **بہ** نے بہت سے مسئلے حل کر دیئے۔ وسیلوں کے دروازوں پر جانا پڑتا ہے۔ ان کا احسان بھی ماننا پڑتا ہے۔ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جاؤ ان کا احسان مانو۔ ہدایت کے معنی اور اقسام ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں **من اتبع رضوانہ سبل السلم** من موصولہ ہے۔ یا موصوفہ اتبع صلہ ہے یا صفت یہ **یھدی** کا مفعول اول ہے۔ اتباع اور اطاعت کے معنی اور ان کے آپس میں فرق ہم **اطیعو اللہ واطیعو الرسول** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اتباع سے مراد ہے تقدیری اتباع یعنی جس کے متعلق علم الٰہی میں آچکا کہ یہ اتباع کرے گا۔ **رضوان** مصدر ہے بمعنی رضاء اس سے مراد ہے۔ رضائے الٰہی کے اسباب دین اسلام اور اچھے اعمال۔ ہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے۔ **سبل** جمع ہے سبیل اور طریق کا فرق سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ سلام سے مراد یا تو سلامتی ہے۔ بمعنی امن یا اس سے دار السلام یعنی جنت مراد ہے۔ یا رب تعالیٰ کا نام ہے اور سبل السلام یا تو رضوانہ کا بدل ہے یا یھدی کا مفعول بہ دوم ہے۔ خیال رہے کہ رضوان ر کے کسرہ سے بھی آتا ہے۔ اور ر کے پیش سے بھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس نور یا اس کتاب یا ان دونوں کے ذریعہ۔ ان لوگوں کو جنت کے راستوں یا رب کے راستوں یا سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے۔ جس کے مقدر میں لکھا ہے۔ رب کی مرضی پر چلنا **ویخرجھم من الظلمت الی النور باذنہ** یہ جملہ **یھدی** پر معطوف ہے۔ **ھم** کا مرجع وہی **من** ہے جو **من اتبع** میں گزرا۔ چونکہ وہ معنی جمع تھا۔ اس لئے اس کے لئے ضمیر جمع لائی گئی۔ **ظلمات** سے مراد کفر، گمراہی، بد عملی ہے۔ اور نور سے مراد ایمان۔ خوش عقیدگی، نیک عمل ہیں۔ چونکہ کفر بہت ہیں۔ ایمان صرف ایک۔ اس لئے ظلمات کو جمع اور نور کو واحد لایا گیا۔ **اذن** سے مراد حکم یا ارادہ یا توفیق ہے اس کا تعلق **یخرج** فعل سے ہے۔ یعنی ان اتباع کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ **ویھدیھم الی صراط مستقیم** یہ جملہ پہلے جملہ **یخرجھم** الخ پر معطوف ہے اور **یھدی بہ** کا بیان ہے **صراط مستقیم** سے وہی **سبل السلم** مراد ہیں۔ یہ وہاں **سبل السلم** سے اسلام کے راستے مراد تھے۔ اور یہاں صراط مستقیم سے جنت کا راستہ

مراد ہے۔ یا اس کے برعکس۔ لہٰذا پہلے جملہ **یهدی به الله** کا تعلق دنیا سے تھا۔ اور اس جملہ کا تعلق آخرت سے ہے۔ یا اس کے برعکس بہرحال آیت کریمہ میں بے فائدہ تکرار نہیں اور ہو سکتا ہے کہ پہلے جملہ **یهدی به الله** میں اچھے عقائد کی ہدایت مراد ہے۔ اور یہاں نیک اعمال کی ہدایت مراد یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دنیا میں نیک اعمال کی توفیق و ہدایت دیتا ہے۔ یا آخرت میں جنت کے راستہ کی ہدایت دے گا۔ کہ وہ اپنے جنتی مقام پر بغیر کسی سے پوچھے پہنچ جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر جب کوئی شخص کہیں آئے تو اس کے متعلق چار باتیں پوچھی جا سکتی ہیں۔ کہاں سے آئے۔ کس کے پاس آئے ہو۔ کیوں آئے ہو۔ کیا لائے ہو۔ اس آیت کریمہ میں ان چاروں سوالوں کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں سے آئے رب کے پاس سے کس کے پاس آئے۔ سارے کتابیوں کے پاس۔ کیا لائے فرمان الٰہی اور فیضان الٰہی کہ رسول کہتے ہیں۔ اسے جو فرمان رساں۔ فیضان رساں ہو کیوں آئے۔ چھپی آیات توریت کو ظاہر فرمانے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے اہل کتاب یعنی توریت و انجیل کو ماننے والو یا جاننے والو تمہارے پاس ہمارے وہ ہی رسول آگئے جن کی بشارتیں تمہاری کتابوں تمہارے رسولوں نے دی تھیں۔ ان کے تم پر بہت احسانات ہیں جن میں سے ایک احسان یہ ہے کہ تم توریت و انجیل کی جو آیات اب تک چھپاتے بدلتے رہے۔ ان میں سے بہت سی آیتوں کو خوب ظاہر فرماتے رہتے ہیں قول سے بھی۔ عمل سے بھی اور بہت سی معافیاں بھی دے دیتے ہیں۔ تمہاری چھپائی آیتوں کو ظاہر نہیں کرتے۔ ان کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ وہ بلاوجہ تمہارے عیب ظاہر نہیں کرتے۔ تم سب لوگوں کے پاس یا سب اہل کتاب کے پاس اللہ تعالیٰ کا بڑا عظیم الشان نور آیا۔ جو ہمیشہ چمکے گا نہ چھپے گا نہ بجھے گا۔ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک کتاب آئی۔ جو ہر بات ظاہر فرماتی ہے۔ یعنی قرآن مجید۔ اس نور و کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جنت کے راستوں کی ہدایت ان لوگوں کو دیتا ہے۔ اور دیتا رہے گا جو اللہ کی مرضی کی اتباع کرے۔ اس کی رضا پر چلے۔ خیال رہے کہ اطاعت عقل سے ہوتی ہے۔ اتباع عشق سے۔ یعنی عقل کو چھوڑ کر اطاعت میں یہ ہے کہ حکم سنو' سمجھو' فرمانبرداری کرو۔ اتباع یہ ہے کہ بغیر سوچے سمجھے اس کے نقش قدم پر چلو۔ انجن تو اطاعت کرتا ہے کہ جھنڈی سگنل دیکھ کر چلتا ہے۔ ڈبے انجن کی اتباع کرتے ہیں جس کام سے رب تعالیٰ راضی ہو اسے بے جھجک بغیر وجہ پوچھے کر گزرنا اتباع رضاء الٰہی ہے۔ جیسے حضرت خلیل کا رضاء الٰہی کے لئے بچہ قربان کر دینا۔ خود آگ میں چلا جانا۔ یہ ہے اتباع ایسے لوگوں کے لئے بشارت ہے کہ اللہ ان لوگوں کو کفر' گمراہی' بدکاری کی اندھیروں سے ایمان' ہدایت تقویٰ کی نور طرف نکالے گا۔ اس طرح کہ انہیں اچھے اخلاق کی توفیق دے گا اور ان ہی لوگوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا رہے گا۔ دنیا میں اس طرح کہ وہ جنت تک پہنچانے والے عقائد و اعمال اختیار کریں گے آخرت میں اس طرح کہ وہ بے تکلف جنت میں اپنے مقام پر پہنچ جاویں گے انہیں کسی سے پوچھنا نہ پڑے گا یہ سب نعمتیں رب کا خاص فضل ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کتب آسمانی کی آیات واحکام پر مطلع ہیں اور یہود و نصاریٰ کی خیانتوں سے بھی پورے پورے واقف ہیں کہ کونسی آیات اصل میں کیا تھی۔ پھر تبدیل کرکے کیا بنائی گئی۔ یا کس طرح چھپادی گئی یہ فائدہ **یبین لکم** سے حاصل ہوا۔ کسی چیز کو وہی بیان کر سکتا ہے جو اس چیز سے واقف ہو۔ اس سے پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام زبانوں کو جانتے ہیں کیونکہ توریت زبان عبرانی میں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فریادی جانوروں لکڑیوں' پتھروں کی زبان بھی جانتے ہیں تو انسانوں کی زبانیں کیوں نہ جانیں۔ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر ہر زبان ہر ملک کے لوگ صلوٰۃ و سلام عرض و معروض کرتے ہیں۔ کوئی فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجمہ کرکے نہیں بتاتا۔ نیز لوگوں کی خفیہ حرکتوں سے خبردار ہیں۔ یہود توریت کی آیتوں میں چھپ کر تبدیلیاں کرتے تھے مگر حضور کو پتہ تھا۔ **دوسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کی بہت سی خیانتوں کو ظاہر فرمادیا۔ جن کے اظہار کی ضرورت تھی اور بہت سی خیانتوں سے درگزر فرمائی۔ جن کے اظہار کی ضرورت نہ تھی مگر جانتے سب تھے۔ یہ فائدہ **یعفوا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں۔ رب تعالیٰ نے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بہت صفات بخشے۔ حضور رسول اللہ' نبی اللہ' حبیب اللہ ہیں یونہی حضور نور اللہ ہیں یہ فائدہ **من اللہ نور** کی پانچویں تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت صرف عقلی نہیں بلکہ حسی بھی ہے۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے نور دیکھا جاتا تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء طیبہ میں ایک نام نور بھی ہے۔ روح سب کی نور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر بھی نور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد مطہرات بھی نور ہے۔ اس لئے حضرت عثمان کا لقب ذوالنورین ہے یعنی دو نور والے اس لئے کہ آپ کے نکاح میں حضور کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ و کلثوم آگے پیچھے آئیں۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح منہ یعنی روح اللہ ہیں۔ یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم **من اللہ نور** یعنی نور اللہ ہیں۔ کسی شہر کو منورہ نہیں کہا جاتا۔ سوائے مدینہ منورہ کے یہ شہر نورانی کیوں کہلایا اس لئے کہ یہاں اللہ کے نور کا ظہور ہے۔ ان کی تجلی گاہ ہے۔ **چوتھا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت میں کمی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے نور ہیں۔ یہ فائدہ **من اللہ** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھ لو اس نور کو بجھانے کی کوشش کرنے والے بجھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چمکتے ہی رہے۔ **یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون** اور کیوں نہ ہو کہ حضور اللہ کی حفاظت میں ہیں۔ جیسے لیمپ کی بتی چمنی کی حفاظت میں ہوتی ہے فرماتا ہے **مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح** ان دونوں آیتوں میں بھی نور سے مراد حضور انور ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ **پانچواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کتاب اللہ سے افضل ہیں یہ فائدہ نور کو کتاب اللہ پر مقدم کرنے سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیر خلق اللہ ہیں یعنی تمام مخلوق سے بہتر اور قرآن مجید یعنی نقوش کاغذ کتابی

مخلوق ہیں۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی افضل ہیں۔ نیز حضور انور نبی ہیں۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ نبی کا درجہ معجزہ سے بڑھا ہوتا ہے۔ نیز قرآن مجید کو دیکھنے والا پڑھنے والا قاری ہے۔ کعبہ کو دیکھنے والا حاجی۔ جہاد کرنے والا غازی اور فیصلہ کرنے والا قاضی۔ مگر محبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھنے والا صحابی ہے۔ صحابی کا درجہ تمام اولیاء اللہ سے افضل ہے۔ جس ذات کریم کا چہرہ صحابی بنادے وہ خود کیسے ہوں گے۔ نیز جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکی رہے تب تک آیات و سورتیں مکی ہوئیں اور جب حضور مدنی ہو گئے تو آیات بھی مدنی ہو گئیں۔ کیونکہ نہ قرآن بھیجنے والا رب تعالیٰ مکی مدنی ہے۔ وہ تو جگہ سے پاک ہے نہ قرآن لانے والے حضرت جبرائیل مکی مدنی ہیں وہ تو سدرۃ المنتہیٰ پر رہتے ہیں نہ لوح محفوظ مکی مدنی ہے۔ جہاں سے قرآن مجید آرہا ہے۔ ہاں قرآن کے لینے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مکی مدنی ہیں جن کی وجہ سے قرآنی آیات و سورتیں مکی مدنی ہوئیں۔ بلکہ قرآن کریم کا عربی میں آنا بھی اسی وجہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں۔ **شعر:-**

☆ ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور ☆ زاں سبب آمد قرآن بزبان عربی ☆

چھٹا فائدہ کوئی شخص بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے قرآن مجید سمجھ نہیں سکتا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا۔ قرآن مجید کو کتاب اور کتاب بغیر روشنی نہ پڑھی جاتی ہے نہ سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے نماز روزہ وغیرہ سارے احکام قرآنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھائے تو سمجھ میں آئے۔ قرآنی نقوش دیکھنے کے لئے ظاہری روشنی کی ضرورت ہے اور قرآنی احکام رموز و اسرار دیکھنے کے لئے اس نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے۔ جیسے قرآنی نقوش چھونے کے لئے ان پانیوں سے طہارت کرنا ضروری ہے یونہی قرآنی مضامین احکام اسرار چھونے کے لئے ضروری ہے کہ مدینہ طیبہ کے پانی سے غسل و وضو کیا جاوے۔ دل و دماغ خیالات اس پانی سے پاک کئے جاویں **ساتواں فائدہ** کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت بلکہ کسی وصف کی پیمائش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں جیسے چاند' سورج کی نورانیت' سمندر کا پانی' ہوا پیمائش میں نہیں آسکتی۔ ان کی پیمائش کے لئے کوئی آلہ یا میٹر نہیں بنا۔ **آٹھواں فائدہ** اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دیتا ہے حضور کے ذریعہ دیتا ہے۔ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی و بے نیاز نہیں جیسا کہ **یھدی بہ اللہ** میں **بہ** کو مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ اب ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں محدود و منحصر ہے۔ **نواں فائدہ** کفر بے شمار ہیں مگر ایمان صرف ایک یہ فائدہ ظلمات کو جمع اور نور کو واحد فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ** ایمان کے لئے ضروری ہے کہ ہر کفر سے بچا جاوے۔ اگر ایک کفر بھی اختیار کیا تو انسان مومن نہیں ہو سکتا یہ فائدہ **یخرجھم من الظلمت** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ** ایمان و کفر ایک دل یا ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کفر کو ظلمت و تاریکی فرمایا اور ایمان کو روشنی و نور۔ اور ظاہر ہے کہ روشنی و اندھیرا ضدیں ہیں۔ دو ضدیں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے دیکھا گیا ہے آزمائش ہے کہ کافر و مومن میں

اتحاد و یگانت نہیں ہوتی۔ بارہواں فائدہ دنیا میں ایمان و اعمال وغیرہ کی ہدایت اور قبر و حشر میں جوابات کی ہدایت آخرت میں جنت میں اپنے ٹھکانہ پر پہنچنے کی ہدایت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ملی ہے اور ملے گی یہ فائدہ یہاں دو جگہ **یهدی** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **سبل السلم** اور صراط مستقیم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ پہنچا جا سکتا ہے۔

پہلا اعتراض جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تمام جہان کی طرف تمام جہان کے لئے ہوئی یہاں صرف اہل کتاب سے کیوں فرمایا کہ ہمارے رسول تمہارے پاس آئے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے پاس نہیں آئے۔ **جواب** اس کے چند جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے۔ ایک یہ کہ اس آیت کریمہ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف تمہارے پاس ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ تمہارے پاس بھی آئے یہ نہ سمجھو کہ ہم اہل کتاب کو حضور کی ضرورت نہیں۔ سورج کی ضرورت سب کو ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ رسول جن کی دھوم میں تمہاری کتابوں تمہارے پیغمبروں کی بشارتوں سے مچی ہوئی ہیں۔ وہ تمہارے پاس آئے۔ تم سے پہلے اہل کتاب ترستے چلے گئے۔ تم فخر کرو اور ان کی اطاعت کرو۔ تیسرے یہ کہ رسول دوسروں کے پاس بشیر و نذیر بن کر آئے۔ تمہارے پاس تمہاری کتابوں کے مصدق بن کر بھی آئے۔ تم پر ان کا احسان زیادہ ہے۔ بارش و سورج کا احسان اعلیٰ زمین پر بمقابلہ بنجر زمین کے زیادہ ہے۔ لہٰذا آیت بالکل ظاہر ہے۔ چوتھے یہ کہ دوسروں کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے آئے کہ انہیں علم دین سے پاک کریں۔ اور قرآن و حکمت سنائیں اور سکھائیں۔ اور تمہارے پاس اس لئے بھی آئے کہ تمہاری کتابوں کی چھپی آیات۔ چھپے احکام ظاہر فرمادیں یعنی تم کو دوسروں سے زیادہ فائدے پہنچے۔ **دوسرا اعتراض** جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نور ہیں تو پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ یہ نور کونسا ہے جس کی طرف نکالا گیا۔ **جواب** حضور بیرونی ہیں جیسے سورج اور اس نور سے مراد انسان کا اندرونی نور ہے۔ جیسے آنکھوں کی روشنی یہ روشنی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ملتی ہے۔ اس نور میں تین احتمال ہیں۔ ہم کو صفاتی ظلمتوں سے نورانی صفات کی طرف نکالتا ہے۔ ہم ماں کے پیٹ سے جاہل بے شعور۔ بے ادب ناواقف پیدا ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو علم' دانش' شعور وغیرہ کے نور ملتے ہیں۔ کچھ ماں کی گود میں کچھ باپ کے سایہ میں کچھ استاد و شیخ کی معرفت۔ دوسرے ظلماتی اعمال سے نورانی اعمال کی طرف نکالتا ہے۔ نماز روزہ وغیرہ نورانی اعمال ہیں۔ محرمات شرعیہ نورانی اعمال۔ تیسرے یہ کہ دل کی ظلمتوں سے دل کے نور کی طرف نکالتا ہے۔ دل زمین کی طرح ہے بذات خود تاریک کسی کی تجلی سے روشن۔ جب روشن ہو جاتا ہے تو متقی بن جاتا ہے۔ وہ جو حدیث پاک میں ہے کہ اپنے دل سے فتویٰ لو۔ جسے یہ اچھا کہے وہ نیکی ہے اور جسے برا کہے وہ گناہ یا عثمان غنی سے فرمایا کہ تم جو چاہو کرو تم جنتی ہو چکے۔ یہ انہیں نورانی دلوں کا ذکر ہے۔ نورانی دل ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رہتا

ہے۔ جیسے مانوس بکری کو رسی کی ضرورت نہیں۔ مانوس چڑیا کو پنجرے میں رکھنے کی حاجت نہیں۔ وہ تو ویسے ہی مالک سے ہل مل گئی اب کہا جاوے۔ یونہی منور دل مانوس دل ویسے ہی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے دامن میں رہے گا۔ جسم کے وطن مختلف ہیں مگر دل کا وطن یار کی گلی ہے۔ **تیسرا اعتراض** حضور صلی اللہ علیہ و سلم نور نہیں ہیں وہ تم ہم جیسے بشر ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ **قل انما انا بشر مثلکم جواب** حضور صلی اللہ علیہ و سلم بشر بھی ہیں نور بھی ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ و سلم رسول بھی ہیں نبی بھی۔ یا جیسے عیسٰی علیہ السلام بشر بھی ہیں مگر کلمۃ اللہ اور روح اللہ بھی ہیں۔ اس آیت میں بشر مثلکم کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم خالص بشر ہیں۔ آپ میں الوہیت نہیں۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے وغیرہ خالص بندے ہیں۔ لہٰذا بشریت نورانیت کے خلاف نہیں۔ **چوتھا اعتراض** اگر حضور صلی اللہ علیہ و سلم نور ہیں تو حضور کھاتے پیتے کیوں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی بیویاں۔ اولاد کیوں ہے۔ نور کھانے پینے اور نکاح و اولاد سے پاک ہوتا ہے۔ دیکھو فرشتے نور ہیں تو نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ نکاح و اولاد والے ہیں (نوٹ) یہ منکرین نورانیت یعنی بے نوروں کا انتہائی اعتراض ہے جو وہ نورانیوں پر یعنی حضور انور کو نور ماننے والوں پر کرتے ہیں۔ **جواب** اس جیسے بہت سے اعتراضات کے جوابات ہم نے اپنی کتاب رسالہ نور میں دیئے ہیں وہاں دیکھنا چاہیے۔ اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے نور من اللہ ہونے پر بہت مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نور بھی ہیں بشر بھی۔ یعنی نورانی بشر اور نورانی بشر کے لئے کھانا پینا اولاد خلاف شان نہیں۔ جیسے عیسٰی علیہ السلام روح اللہ بھی ہیں۔ کلمۃ اللہ بھی مگر کھاتے پیتے رہے اور قریب قیامت تشریف لاکر نکاح کریں گے۔ صاحب اولاد ہوں گے۔ جب روح اللہ کلمۃ اللہ کھاپی سکتے ہیں۔ تو نور اللہ بھی کھاپی سکتے ہیں۔ بعض جنتی لوگ اولاد کی خواہش کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی۔ دیکھو جنتی انسان بھی نورانی ہوں گے۔ حوریں بھی نورانی مخلوق ہیں۔ مگر کھانا پینا اولاد سب ہوگی۔ ہاں ہاروت و ماروت فرشتوں کو جب لباس بشری میں زمین پر بھیجا گیا۔ تو وہ کھانے پینے لگے۔ شہوت بھی ان میں ہوگئی۔ عصا موسوی جب سانپ بن جاتا تھا تو کھاتا پیتا تھا **تلقف ما یافکون** ہاں جب حضور صلی اللہ علیہ و سلم روزہ وصال رکھتے تھے تو مسلسل روزے رکھتے نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے کسی قوت میں فرق نہ آتا تھا۔ اس وقت نورانیت کی جلوہ گری ہوتی تھی۔ عادۃً نہ کھاتے پیتے تو تکلیف محسوس فرماتے تھے اس وقت بشریت کا ظہور تھا عیسٰی علیہ السلام صدہا برس سے آسمان پر زندہ ہیں۔ کھانے پینے سے پاک ہیں یہ ہے نورانیت کا ظہور۔ قرآن مجید نور ہے تو اس کے حرف کالے کیوں ہیں نور تو کالا نہیں ہوتا یہ آگ میں جل کیوں جاتا ہے۔ نور تو نہیں جلتا۔ یہ پریس میں چھپتا کیوں ہے نور تو چھپتا نہیں۔ وجہ ظاہر کہ قرآن نور بھی ہے۔ کتاب بھی۔ یہ سارے حالات کتاب ہونے کی وجہ سے ہیں۔ نورانیت کے نہیں۔ قرآن کا نور کتاب کے خلاف میں ہے۔ حضور کا نور بشریت کے لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آمنہ خاتون کے فرزند حضرت عبداللہ کے نور نظر ہیں۔ اور نورانیت کے لحاظ سے سب کی اصل ہیں۔ سب حضور سے ہیں۔ تمام

عالم نور محمدی سے ہے۔ شعر:۔

☆ ظاہر میں میری نخل حقیقت میں میری اصل ☆ اس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے ☆

پانچواں اعتراض اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور ہمارے پاس حاضر بھی تو روشنی کیوں نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کے گھروں میں اندھیرا کیوں ہوتا ہے۔ لہٰذا یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور نہیں یا حاضر نہیں۔ **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن کریم اور فرشتے نور ہیں اور ہمارے گھروں میں موجود بھی ہیں پھر گھروں میں اندھیرا کیوں ہوتا ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت دیکھنے کے لئے بصیرت کی نورانیت چاہیے اللہ تعالیٰ ہم کو وہ بصیرت دے کہ اس نور مجسم کی نورانیت دیکھ سکیں۔ ورنہ بصیرت والوں سے سن کر مان لیں اندھے کو چاہیے کہ اگر وہ خود نہ دیکھ سکے تو دیکھنے والوں کی مان لے۔ دیکھنے والوں کا ایک شعر سنو۔

☆ گرچہ صد مرحلہ دورم زبہ پیش نظرم ☆ **وجهه فی نظری کل غدات وعشی** ☆

چھٹا اعتراض اگر حضور نور ہیں تو والدین سے پیدا کیوں ہوئے۔ نور کسی سے پیدا نہیں ہوتا۔ **جواب** نور کا ماں باپ سے پیدا نہ ہو سکنا کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں۔ ہماری روح' آنکھ کی روشنی' قوت خیالیہ یہ سب چیزیں نور ہیں اور ماں باپ سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب روح اللہ' کلمتہ اللہ ماں کے شکم سے پیدا ہو سکتے ہیں تو نور اللہ بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جنت میں حوروں کے شکم سے نورانی مخلوق پیدا ہو گی۔ جس کا حوالہ ابھی گزرا۔ ان سب باتوں کا لحاظ بھی کرو تب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں بشر بھی بشریت کی بنا پر پیدائش ہے۔ **ساتواں اعتراض** یہاں **سبل السلم** جمع کیوں فرمایا گیا۔ سلامتی کا راستہ تو ایک ہی ہے۔ یعنی اسلام پھر جمع فرمانے کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** یہ راستہ نوعاً "ایک ہے۔ مگر فرداً" بہت یعنی اسلام راستہ ہے سلامتی کا۔ پھر اسلام کا ہر رکن سلامتی کا راستہ ہے۔ اور اسلام کے ارکان تو بہت ہیں لہٰذا سلامتی کے یہ راستے بھی بہت نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ سب سلامتی کے راستے ہیں۔ یہاں جمع فرمانا افراد کے لحاظ سے ہے۔ اور **اهدنا الصراط المستقیم** میں **صراط** واحد فرمانا نوعیت کے لحاظ سے ہے۔ **آٹھواں اعتراض** پھر **یهدیهم الی صراط مستقیم** میں **صراط** واحد کیوں ارشاد ہوا۔ وہاں بھی جمع ہی فرمانا چاہیے تھا۔ **جواب** اگر صراط مستقیم سے مراد آخرت میں جنت کا راستہ ہے تب تو وہ ایک ہی ہے۔ جس میں پل صراط پڑتا ہے۔ **لہٰذا** اسے واحد فرمانا نہایت صحیح ہے اور اگر اس سے مراد جنت کا وہ راستہ ہے۔ جو دنیا میں ہے تو یہاں نوع کی واحدانیت مراد ہے۔ کیونکہ دنیا میں جنت کا راستہ صرف ایک ہے یعنی اسلام باقی تمام دین گمراہی ہیں اور دوزخ کے راستے تب بھی واحد فرمانا درست ہے۔ **نواں اعتراض** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ جو رضائے الٰہی کی اتباع کرے ہم اسے سلامتی کے راستوں کی رہبری فرمائیں گے۔ جو شخص رضاء الٰہی کی اتباع کر چکا وہ تو ہدایت پا چکا پھر ہدایت دینے راہ دکھانے کے کیا معنی **جواب** اس اعتراض کا ایک

جواب تو وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ یہاں اتباع کرنے سے مراد علم الٰہی میں اس کا اتباع کرنا یعنی جس کے متعلق علم الٰہی میں آچکا۔ کہ یہ رضاء الٰہی پر چلے گا۔ لہٰذا مطلب واضح ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہدایت سے مراد ہے ہدایت پر قائم رکھنا یعنی جو اللہ کی مرضی پر چلے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ سلامتی کے راستوں کی ہدایت پر قائم رکھے گا۔ جیسا کہ **اھدنا الصراط المستقیم** میں عرض کیا گیا۔ **خلاصہ** یہ ہے کہ علماء کرام کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو رضاء الٰہی کی اتباع کرنا چاہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اس نور کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے جیسے شہروں کے چوراہوں پر راستہ بتانے والے لکڑی یا لوہے کے ہاتھ کھڑے ہوتے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ سڑک فلاں طرف جاوے گی اور رات کو ان لکڑی کے ہاتھوں پر روشنی ہوتی ہے تاکہ بخوبی تحریر پڑھی جاسکے۔ دنیا ہزارہا سڑکوں کا چوراہا ہے۔ اور یہاں اندھیرا بھی ہے۔ اللہ کا راستہ دکھانے کے لئے قرآن کریم وہ اشارہ والا ہاتھ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نور۔ ان دونوں کی مدد سے یہ راستہ ملتا ہے۔ اور صوفیاء کرام کے نزدیک اسکے معنی یہ ہیں کہ جو کوئی اتباع رضوان کر بھی لے۔ تمام نیک اعمال کرے وہ بھی اس نور سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس کے دل کو سلامتی کے راستوں کی ہدایت اس نور سے ملے گی۔ جیسے خار دار غار دار راستہ بغیر روشنی طے نہیں ہوتا۔ دنیا خار دار راستہ ہے۔ محمدی نور کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔

تفسیر صوفیانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ معظمہ میں ہے۔ رہنا سہنا مکہ اور مدینہ میں کہ "کچھ زندگی مکی ہے کچھ مدنی" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مدینہ منورہ میں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سارے عالم میں ہے۔ ولادت اور آمد میں بہت فرق ہے۔ جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر طلوع ہوتا ہے جانب مشرق میں مگر آتا ہے چمکتا ہے ساری دنیا میں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو ختم کیا۔ آمد کو ختم نہ کیا۔ یعنی موت شریف سے ولادت پاک ختم ہوئی۔ تشریف آوری ختم نہ ہوئی۔ جیسے سورج کے غروب سے سورج کا طلوع ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا وجود ختم نہیں ہوتا۔ اگر وجود ختم ہو جاتا تو چاند تاروں کو روشنی کون دیتا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے ہوتے تو ولیوں' غوثوں' قطبوں کو نور ولایت کون بخشتا۔ لہٰذا حضور کی تشریف آوری ناقابل فنا ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ اب بھی پڑھا جاتا ہے۔ نماز وغیرہ میں سلام اب بھی عرض کیا جاتا ہے۔ حضور کی آمد صفت رسالت شان نورانیت سے ہوئی۔ حضور آمد سے پہلے بھی نور تھے رسول تھے۔ آمد پر بھی نور اور بعد وفات بھی نور یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چوبیس ہزار سال پہلے رب کی تسبیح و تقدیس کرتے تھے اور آپ کی تسبیح و تقدیس سن کر فرشتے تسبیح و تقدیس عرض کرتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ نور جناب آدم علیہ السلام کی پشت میں امانت رکھا گیا۔ پھر درجہ بدرجہ پاک پشتوں میں منتقل ہوتا ہوا اپنے والدین کریمین **طیبین** طاہرین سے ظاہر ہوا۔ ہر زمانہ اور ہر دور میں اس نور کی کرامتیں و برکتیں دیکھی جاتی رہیں۔ چونکہ حضور نور ہیں۔ **لہٰذا** خود ایسے ظاہر کہ عالم کا ذرہ ذرہ آپ کو پہچانتا ہے۔ **چاند اشارہ سے پھٹا** سورج اشارہ سے لوٹا۔ کنکر پتھروں نے کلمہ پڑھا۔

جانوروں نے گواہی دی۔ غرض کہ ایسے ظاہر کہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اور دوسروں کو ایسا ظاہر فرمایا کہ جس چیز کو حضور سے نسبت ہو گئی وہ چمک گئی عرب کے ذرے آپ سے چمکے۔ آپ کے والدین بلکہ سات پشت بلکہ دائی حلیمہ حضور سے چمکیں۔ تمام انبیائے کرام کے ہاں ان کے کام حضور سے چمکے۔ جس عالم یا درویش کو حضور سے نسبت ہو گئی۔ وہ چمک گیا۔ جب حضور کسی سے نہیں چھپے کہ نور ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی نہیں چھپا کہ سب حضور سے منور ہیں ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

☆ اے فروغت صبح آثار و دھور ☆ چشم تو بینندہ ما فی الصدور ☆

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک سے آسمانی صحیفے کتابیں مخفی نہیں۔ ہاں سب کا اظہار نہیں اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ یہ رسول تمہاری چھپائی ہوئی آیات کو ظاہر فرماتے ہیں۔ پھر خیال رہے کہ حضور نور ہیں اور قرآن مجید مبین ہے۔ حضور قرآن کو ظاہر کرتے ہیں۔ چمکاتے ہیں قرآن کریم حضور کے صفات حمیدہ بیان کرتا ہے۔ اب ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وابستہ ہے۔ جو حضور کے دامن سے وابستہ ہو گا۔ ہدایت پر ہو گا۔ جو الگ ہو گا گمراہ ہو گا۔ حتی کہ قرآن سے ہدایت ملے گی تو حضور کے ذریعہ ملے گی۔ قرآن کتاب ہے۔ حضور نور ہیں۔ نور کے بغیر کتاب سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا کہ نظر آئے نہ سمجھا جائے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَن

البتہ تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا بے شک اللہ وہ مسیح ہیں بیٹے مریم کے فرما دو کہ تو کون

بیشک کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں تم فرما دو پھر اللہ کا

يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ

مالک ہوتا ہے طرف سے اللہ کے کسی چیز کا اگر ارادہ کرے اللہ یہ کہ ہلاک کر دے مسیح بیٹے مریم کو اور ماں کو ان کی

کوئی کیا کر سکتا ہے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کر دے مسیح ابن مریم اور اس کی ماں اور تمام

وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا

اور ان کو جو ہیں زمین میں سب کو اور اللہ کا ہی ہے مالک آسمانوں اور زمین کا اور ان

زمین والوں کو اور اللہ ہی کے لئے سلطنت آسمانوں اور زمین اور ان کے

بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾

کا جو درمیان ہے ان کے پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے

درمیان جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی بہت سی چھپائی ہوئی چیزوں کو ظاہر فرماتے ہیں۔ اب اہل کتاب کے ایک خصوصی عقیدے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو انہوں نے تبدیل کر دیا کہ اصل عقیدہ چھپایا۔ نیا عقیدہ اختیار کر لیا۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل یا تفسیر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اے کتابیو تمہارے پاس نور بھی آیا اور ظاہر کتاب بھی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم ان سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان کفریات سے توبہ کرو۔ گویا پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا ذکر تھا اب اس نور سے فیض لینے کی شرائط کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس نور و کتاب کے ذریعہ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اب ان اندھیروں کا ذکر ہے جن میں اہل کتاب پھنسے ہیں گویا اندھیروں کے اجمالی ذکر کے بعد ان کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ اور یہ آیت کریمہ اس آیت کی شرح ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ ہدایت نورانیت وغیرہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں منحصر ہے۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ کہ دیکھو عیسائی اگرچہ حضرات انبیاء' آسمانی کتابوں' اللہ کی ذات' فرشتوں' جنت و دوزخ وغیرہ سب کچھ مانتے ہیں مگر ہیں پکے کافر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض نہیں لیتے۔ گویا دعویٰ کے بعد دلیل کا ذکر ہے اور دلیل بھی جیتی جاگتی۔ جس سے پتہ چلے کہ اب تاقیامت قرآن مجید اور تمام سے ہدایت نہیں ملتی۔ ذریعہ ہدایت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

شان نزول یہ آیت کریمہ نجران کے عیسائیوں یعقوبیہ اور ملکانیہ فرقوں کے متعلق نازل ہوئی جن کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح ان کے جسم میں حلول کر لیا ہے۔ اس لئے جناب عیسیٰ علیہ السلام میں خدائی اس طرح حلول کئے ہوئے ہے جیسے آفتاب میں چاند کی روشنی یا آگ میں حرارت یا پھول میں رنگ و بو۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں بہت مدلل طریقہ سے ان کے اس عقیدے کا رد کیا گیا۔ (از روح البیان)

تفسیر لقد کفر الذین قالوا چونکہ الوہیت مسیح کے عقیدے کو یعقوبیہ و ملکانیہ عیسائی کفر نہ سمجھتے تھے بلکہ اسے ایمان جانتے تھے۔ اس لئے اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے لام تاکید اور قد تحقیق سے شروع فرمایا۔ جس مضمون کے انکاری موجود ہوں یا آئندہ پیدا ہونے والے ہوں اسے تاکیدوں سے شروع فرمایا جاتا ہے۔ پھر جیسا انکار ویسی تاکیدیں۔ معمولی انکار کے لئے صرف قسم کافی۔ سخت انکار کے لئے اعلیٰ تاکیدیں' کچہری میں مدعی گواہ اور دوسرے ثبوت پیش کرتا ہے۔ کیونکہ مدعی علیہ زبردست انکاری ہوتا ہے۔ چونکہ عیسائی زبردست انکاری تھے لہٰذا لام اور قد دونوں سے تاکیدیں کی گئیں۔ **کفروا** بنا ہے کفر سے ' بمعنی کافر ہو جانا۔ ہدایت سے نکل جانا یا انکار کرنا یعنی اس قول سے عیسائی آدھے یا چوتھائی کافر نہیں ہوئے۔ پورے ہی کافر ہو گئے یا عبدیت مسیح کے انکار سے عیسائی ساری ایمانیات کے انکاری ہو گئے۔ از شریعت آدم علیہ

اسلام تا شریعت محمدیہ کسی شریعت کے رو سے یہ مومن نہ رہے کہ کسی بندے کو الہ مان لینا تمام دینوں میں ہی کفر رہا ہے۔ اگرچہ یہ عقیدہ شرک ہے مگر چونکہ ہر شرک کفر ہے۔ اس لئے اسے کفر قرار دیا گیا۔ **الذین** سے مراد وہی نجرانی عیسائی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الہ مانتے تھے۔ **قالوا** سے مراد یا زبان سے کہنا اور دعویٰ کرنا ہے یا دل سے سمجھنا اور عقیدہ رکھنا۔ مناسب یہ ہے کہ عام معنی مراد ہوں۔ کیونکہ ان کے پادری تو زبان سے یہ دعویٰ کرتے تھے اور اس پر مناظرے کرتے تھے۔ عوام عیسائی صرف دل میں یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ اس پر بحث نہ کر سکتے تھے۔ یہ آیت کریمہ ان دونوں پر فتویٰ کفر صادر فرما رہی ہے۔ **ان اللہ ھو المسیح ابن مریم** عیسائیوں کا ایک فرقہ تین الہ مانتا ہے کہ ایک الہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ دوسرا الہ روح القدس تیسرا الہ اللہ تعالیٰ دوسرا فرقہ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا مانتا ہے۔ تیسرا فرقہ توحید کا قائل ہے۔ مگر حضرت مسیح میں الوہیت کا حلول مانتا ہے۔ یہاں اس ہی تیسرے فرقہ کا بیان ہے۔ دوسری آیات میں باقی دو فرقوں کا تذکرہ ہے۔ خیال رہے کہ یعقوبیہ اور ملکانیہ فرقے صراحتہ" حضرت مسیح کو خدا نہیں کہتے تھے۔ وہ توحید کے مدعی تھے۔ مگر ان کے عقیدے سے یہ لازم آتا تھا۔ کہ حضرت مسیح خود اللہ ہوں۔ یہاں ان کے عقیدے کا نتیجہ اور اس کا لازم مراد ہے وہ کہتے تھے کہ حضرت مسیح میں لاہوت اور ناسوت ہے۔ لاہوت رب تعالیٰ کو کہتے تھے۔ اس لئے ان کا عقیدہ اسی طرح بیان ہوا۔ (روح المعانی وغیرہ) جیسے انسان میں حیوانیت اور ناطقیت ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ انسان حیوان ہے۔ اور انسان ناطق ہے۔ لفظ اللہ اسم ان ہے اور المسیح الخ اس کی خبر **ھو** بیان حصر کے لئے ہے۔ یہاں حصر میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ الوہیت کو مسیح میں منحصر کیا گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ مسیح کو الوہیت میں منحصر کیا جاوے۔ تیسرے یہ کہ جانبین میں حصر ہو یعنی اللہ مسیح ہی ہیں یا مسیح اللہ ہی ہیں یا اللہ مسیح ہیں اور مسیح اللہ ہیں۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے جیسے زید ھو المنطلق کے ہوتے ہیں۔ زید چلنے والا ہی ہے کہ چلنے کو زید میں منحصر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ زید کو چلنے میں منحصر کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ جناب مسیح کو اس لئے الہ کا محل مانتے تھے کہ آپ بغیر باپ پیدا ہوئے۔ آپ مٹی سے پرندے کو اصل پرندہ بنا دیتے تھے۔ لہذا آپ خالق ہوئے۔ آپ ناقابل علاج بیماروں کو شفا دیتے تھے۔ لہذا آپ شافی الامراض ہوئے۔ آپ مردہ زندہ کر دیتے تھے۔ لہذا آپ محی یعنی زندہ کرنے والے ہوئے۔ یہ صفات رب تعالیٰ کی ہیں نہ کہ بندے کی لہذا آپ بندے نہیں الہ ہیں۔ ان تینوں دلائل کے نہایت نفیس جوابات یہاں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمائے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم فرما کر ان عیسائیوں کی پر زور تردید فرما دی گئی۔ کیونکہ کسی کا بیٹا ہونا الوہیت کے خلاف ہے۔ یونہی کسی سے جنا کسی میں سے نکلنا الوہیت کے خلاف ہے۔ لہذا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہو سکتے ہیں نہ حضرت آدم علیہ السلام کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام۔ حضرت مریم کے بیٹے ہیں ان کے شکم سے پیدا ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنے۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ آپ بغیر باپ صرف ماں سے پیدا ہوئے۔ **قل فمن یملک من اللہ شیئا** اس جملہ میں الوہیت مسیح کی دوسری پر زور تردید ہے۔ **قل** میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے

یا ہر عقل رکھنے والے سے۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی ذات وصفات کے گواہ ہیں۔ توحید الٰہی پر حملہ کرنے والوں کو جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی دیں تو مناسب ہے۔ مدعی پر جو اعتراض مدعیٰ علیہ کا ہو اس کا جواب گواہ دیتا ہے۔ **فمن** کی ف یا تو عاطفہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے یا جزائیہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا (روح المعانی) **من** میں انکاری سوال ہے۔ **یملک** بنا ہے ملک۔ بمعنی قدرت سے اور یہاں دفع کرنے کی قدرت مراد ہے۔ **من اللہ** میں ایک مضاف پوشیدہ ہے۔ یعنی **من امر اللہ** یا **من ارادۃ اللہ شیئا یملک** کا مفعول بہ ہے یا **من اللہ** حال مقدم ہے۔ **شیئا** کا اور معنی یہ ہیں کہ جو شئی رب کی طرف سے جاری ہو گئی اس کے ارادے میں آ گئی اس کا مالک رب کے مقابلہ میں کون ہے کہ خلاف ارادہ الٰہی اسے روک دے یا یہ معنی ہیں کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں تو کون ہے جو اللہ کے ارادہ اللہ کے چاہے میں سے کسی چیز کو دور کر سکے۔ دفع کر سکے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ان **تکلفات** سے پاک ہے۔ یہ ترجمہ بہت ہی شاندار ہے۔ یعنی اللہ کا ارادہ کوئی نہیں ٹل سکتا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو ٹال دیتے۔ کیونکہ قدرت الوہیت کے لئے ضروری ہے یا کوئی اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا کر سکتا ہے۔ **ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم** یہ عقیدہ الوہیت کی تیسری وجہ تردید ہے **یھلک** بنا ہے "اہلاک" سے بمعنی وفات دینا۔ موت دینا۔ غضب کی ہلاکت یا بربادی مراد نہیں جیسے **کل شئی ھالک الا وجھہ** میں ہلاکت سے مراد فنا ہے نہ کہ عذاب کی ہلاکت مسیح فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب نے یہ قدرت دی تھی کہ چھو کر بیماروں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے مگر یہ قدرت بہ عطاء الٰہی تھی۔ رب تعالیٰ کے مقابلے میں کام نہ آ سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح کو جب رب تعالیٰ وفات دینا چاہے گا تو آپ اس کے مقابل اپنے کو زندہ رکھنے پر قادر نہ ہوں گے۔ یہ مقدوریت دلیل عبدیت ہے۔ **وامہ ومن فی الارض جمیعا** یہ عبارت المسیح پر معطوف ہے اور **یھلک** کا مفعول بہ ان دو چیزوں یعنی حضرت مسیح کی والدہ۔ اور زمین کی ساری جاندار چیزوں کا ذکر ہے اس بات کی وضاحت کے لئے ہے جو ابھی عرض کی گئی کہ حضرت مسیح کو مردے زندہ کرنے کی قدرت بہ عطاء الٰہی تھی۔ اور یہ ارادۃ الٰہی اس کا ظہور ہوتا تھا کہ ان کے چھونے پھونکنے سے رب تعالیٰ بیماروں کو تندرست مردوں کو زندہ فرماتا تھا۔ یہ ناممکن ہے کہ جسے خدا موت دینا چاہے اسے عیسیٰ علیہ السلام نہ مرنے دیں یا زندہ کر دیں چنانچہ خود حضرت مسیح ان کی والدہ بلکہ سارا جہان رب تعالیٰ کی قدرت و ارادہ سے وابستہ ہیں۔ جب تک چاہے زندہ رکھے جب چاہے وفات دیدے فنا کر دے پھر ان میں الوہیت کیوں مانتے ہو۔ **وللہ ملک السموت والارض وما بینھما** یہ جملہ یا تو نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ یا یہ **فمن۔ ملک** پر معطوف ہے **قل** کا مفعول ہے۔ یہ عبدیت مسیح کی چوتھی دلیل ہے۔ یعنی آسمانوں، زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کی ملکیت حقیقتاً رب تعالیٰ ہی کی ہے۔ تمام چیزیں اس کی مملوک ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ بھی اسی کے مملوک ہوئے وہ ان کا مالک پھر الوہیت مسیح کے قائل تم کیوں ہو مملوکیت اور الوہیت جمع نہیں ہو سکتی۔ چونکہ ہمارے سامنے عالم

اجسام ہی ہے اور یہ عالم آسمان و زمین میں محدود ہے۔ اس لئے ان ہی کا ذکر ہوا۔ ورنہ رب تعالیٰ عالم ارواح عالم امکان سب ہی کا مالک ہے۔ **یخلق ما یشاء** اس عبارت میں ان نجرانی عیسائیوں کے دلائل کا جواب ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے پرندے بنا کر پھونک مار کر زندہ کر دیتے تھے تو وہ بھی رب تعالیٰ ہی پیدا فرماتا تھا۔ خالق وہ تھا اس خلق کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوتا تھا وہ جسے چاہے پیدا کرے۔ اگر خود عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے تو یہ بھی رب تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ انہیں بغیر باپ صرف ماں سے پیدا کر دیا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دم سے مردے زندہ ہو جاتے تھے تو وہ بھی رب تعالیٰ ہی کی قدرت سے تھا۔ اگر حضرت حوا بغیر ماں صرف حضرت آدم علیہ السلام کے جسم سے پیدا ہوئیں تو یہ بھی اس رب کی قدرت ہے اگر آدم علیہ السلام مٹی و پانی سے بغیر ماں باپ پیدا ہوئے تو ان کا خالق بھی رب ہی ہے۔ اگر دن رات کیڑے مکوڑے گھاس پھوس صرف پانی مٹی وغیرہ سے بغیر باپ ماں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ بھی رب تعالیٰ ہی کی قدرت ہے۔ ان چیزوں کی وجہ سے حضرت آدم یا حضرت حوا یا حضرت عیسیٰ یا ان چڑیوں کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہو کیونکہ **واللہ علی کل شئی قدیر** اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہر طرح قادر ہے۔ جسے چاہے جیسے چاہے پیدا فرمادے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر شئی کے معانی اور قدرت کے اقسام اور اس جملہ کے مضمون کی پوری شرح پارہ **الم** میں عرض کی جا چکی ہے وہاں مطالعہ فرماؤ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خلق پر قادر ہے نہ کہ ہر چیز کے کسب پر۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ نے عیسائیوں کے مشہور عقیدے الوہیت مسیح کی تردید میں چار قوی دلائل فرمائے۔ اور عیسائیوں کے تین دلائل کے بہترین جوابات دیئے چنانچہ تردید الوہیت مسیح کے لئے حسب ذیل دلائل قائم فرمائے۔ آپ کا ابن مریم ہونا۔ ماں کے شکم سے پیدا ہونا آپ کو موت آسکنا اللہ تعالیٰ کا تمام آسمانی زمینی چیزوں کا مالک ہونا جن میں حضرت مسیح بھی داخل ہیں۔ یعنی آپ کا مملوک الٰہی ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا قادر و غالب ہونا اور حضرت مسیح کا مقدور یعنی تحت قدرت داخل ہونا۔ یہ دلائل عبدیت مسیح کے ہیں اور عیسائیوں کے تمام دلائل کے جوابات **یخلق ما یشاء** میں دے دیئے گئے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ عیسائی نرے کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خود اللہ ہی ہیں کیونکہ ان میں الوہیت ایسے حلول کئے ہے جیسے پھول میں رنگ و بو یا آگ میں روشنی و گرمی' اے محبوب صلی اللہ علیہ سلم آپ ان کے جواب میں فرمادو کہ کیا کوئی شخص جناب مسیح ہوں یا کوئی اور ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو موڑ دے کہ خدا جو کرنا چاہے اسے نہ کرنے دے اگر اللہ تعالیٰ خود جناب مسیح ان کی والدہ بلکہ تمام زمینی چیزوں زمینی آدمیوں کو موت دینا چاہے۔ تو وہ انہیں نہ مرنے دے۔ عیسائی بھی ایسی جرات نہ کر سکیں گے کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں رب تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کی طاقت مانیں نہیں ہے یہ خیال رکھو کہ تمام آسمان اور ساری زمین اور ان کے درمیان کی تمام چھوٹی بڑی چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں وہ مالک حقیقی ہے یہ سب اس کی مملوک جناب مسیح آسمان و زمین کے درمیان کی ہی مخلوق ہیں تو وہ بھی اللہ کے بندے اللہ کے مملوک ہوئے پھر وہ اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ بندہ مالک کا ہمسر نہیں ہو سکتا اور تم لوگ نہ تو حضرت مسیح علیہ

السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے سے دھوکہ کھاؤ۔ نہ ان کے اس معجزہ سے دھوکہ کھاؤ۔ کہ وہ مٹی کے پرندے بنا کر ان میں دم کر کے اصل پرندہ جاندار بنا دیتے تھے۔ مردوں کو زندہ بیماروں کو اچھا کر دیتے تھے۔ ان صفات کی وجہ سے وہ الٰہ نہیں ہو گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے جیسے چاہے پیدا فرماتا ہے۔ اسے ہر چیز پر ہر طرح قدرت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ پیدا ہونا رب تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔ یونہی ان کے ہاتھ پر مردوں کا زندہ ہونا۔ بیماروں کا تندرست ہونا رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ہے۔ یونہی حضرت مسیح کے دم سے مٹی کے پرندوں کا جاندار بن جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے ان معجزات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے قائل ہو جاؤ۔ خود جناب مسیح کو خدا مت مان لو۔ اللہ اللہ ہے بندہ بندہ ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں بغیر کسی اصل کے پیدا فرما دیں محض اپنی قدرت سے جیسے آسمان و زمین بعض چیزیں کسی اصل سے بنائیں۔ بعض غیر جنسی اصل۔ سے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور بہت جاندار چیزیں جو مٹی سے بنیں اور بنتی رہتی ہیں اور بعض ہم جنس اصل سے صرف مذکر سے جیسے حضرت حوا۔ یا صرف عورت سے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا نر و مادہ دونوں سے جیسے عام انسان اور بعض چیزیں دوسری مخلوق کے واسطہ سے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے کچھ چڑیاں پیدا فرما دیں۔ ان سب کا خالق رب تعالیٰ ہی ہے۔ ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز الٰہ نہیں۔ سب اس کے بندے ہیں۔ اور اس کی قدرت کاملہ کے مظہر ہیں (روح المعانی وغیرہ)

نوٹ ضروری: موجودہ زمانہ میں بعض نادان یہ آیت کریمہ حضرات انبیاء کرام کی مجبوری بے بسی' بندہ ناچیز بالکل غیر مختار ہونے کی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کا منشا یہ نہیں۔ یہاں تو الوہیت مسیح کی نفی ہے نہ کہ ان کے اختیار خداداد کا انکار مقصد یہ ہے کہ وہ جناب خدا تعالیٰ سے مستغنی یا اس کے مقابل کسی قدرت کے مالک نہیں۔ وہ خدا کے چاہے کو نہیں ٹال سکتے۔ مگر جب خدا تعالیٰ ہی ان کے ہاتھ سے لوگوں کی مصیبت ٹالنا چاہے تو وہ مختار ہے اس کے چاہے سے حضرت مسیح علیہ السلام بھی مختار ہیں۔ ان کے اختیار خداداد کی دوسری آیات ہیں۔ **واحی الموتی باذن اللہ** وغیرہ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** سارے عیسائی کافر ہیں خواہ یعقوبیہ ہوں یا ملکانیہ یا کوئی اور فرقے کے عیسائی یہ فائدہ **لقد کفر الذین** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** کفر کی بہت نوعیتیں ہیں۔ خالق کا انکار ایک قسم کا کفر ہے۔ رب تعالیٰ کے لئے اولاد بیوی ماننا دوسری قسم کا کفر۔ اسے کسی چیز میں حلول ماننا اور نوعیت کا کفر ہے۔ مگر یہ سب اصل کفر میں برابر ہیں۔ یہ فائدہ بھی **لقد کفر الذین** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے۔ دیکھو عیسائی باوجود عقل و ہوش و گوش رکھنے کے ایسے عقیدے رکھتے ہیں جو عقل سلیم کے بالکل ہی خلاف ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہیں۔ حالانکہ وہ جناب والدہ کے شکم سے پیدا ہوئے دنیا میں کھاتے پیتے سوتے تھے۔ جس ذات کے یہ حالات ہوں وہ الٰہ کیسے ہو سکتا ہے مگر وہ اتنی ظاہریات کو نہیں سمجھ سکے۔ نور

عقل نور نبوت کا محتاج ہے یہ فائدہ **مسیح ابن مریم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** بعض مقبول بندے باذن پروردگار خدائی کام کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ خدا نہیں ہو جاتے بندہ ہی ہوتے ہیں۔ ان عجائبات کا ان کے ہاتھ پر ظہور رب تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہوتا ہے۔ خالق رب ہے۔ مظہر وہ بندہ آئینہ میں سورج کا عکس سورج کے سے کام کرتا ہے۔ مگر سورج سورج ہے عکس عکس ہے۔ یہ فائدہ **یخلق ما یشاء** سے حاصل ہوا۔ رب و مربوب خالق و مخلوق میں فرق غنا اور احتیاج سے ہے۔ رب وہ ہے جو غنی و بے نیاز ہو۔ بندہ وہ جو حاجت مند و نیاز مند ہو۔ **پانچواں فائدہ** خدا تعالیٰ حلول سے پاک ہے نہ کسی چیز میں سمائے نہ اس میں کوئی چیز سمائے نہ وہ کسی کی جگہ ہے نہ وہ کسی جگہ میں ہے۔ جو کوئی اس کے لئے حلول مانے وہ کافر ہے۔ حلول حادث ہے۔ رب تعالیٰ قدیم ہے یہ فائدہ **اللہ هو المسیح** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کا حلول عیسیٰ علیہ السلام میں مانا تو انہیں رب تعالیٰ نے صراحتہ کافر فرمایا۔ **چھٹا فائدہ** کوئی شخص رب تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف نہیں کر سکتا۔ جو کوئی کسی کو نفع پہنچاتا ہے رب تعالیٰ کے ارادے سے پہنچاتا ہے۔ جو کسی نبی ولی پیر فقیر یا کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ رب تعالیٰ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس کے ارادہ اس کے حکم کو رد کر سکتا ہے۔ وہ کافر مطلق ہے یہ فائدہ **فمن یملک** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** اگر کچھ لوگ کسی مقبول بندے کو خدا یا خدا کا بیٹا مان لیں تو ان کے جواب میں ان ماننے والوں کو برا کہا جائے گا۔ ان مقبولوں کا احترام قائم رکھا جاوے گا۔ اور اگر کسی مردود کو لوگ خدا کہنے لگیں تو عابد و معبود دونوں کی برائی بیان کی جائے گی۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان عیسائیوں کو تو کافر کہا جو جناب مسیح کو خدا کہتے تھے۔ کہ فرمایا **لقد کفر الذین قالوا**۔ مگر جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کا نہایت احترام سے نام لیا کہ انہیں مسیح فرمایا یعنی چھو کر مردے زندہ فرمانے والے اور بیماروں کو شفا دینے والے اور انہیں ابن مریم فرمایا۔ یعنی بغیر والد کے معجزانہ طور پر صرف ماں سے پیدا ہونے والے۔ ان کے معجزات ان کی عظمتوں کو قائم رکھا۔ لیکن جہاں بت پرستوں کی تردید فرمائی گئی۔ تو ان کے ساتھ ان کے بتوں کی بھی خبر لی گئی۔ کہ فرمایا گیا۔ کہ اگر ان سے مکھی بھی کچھ چھین لے تو چھڑا نہ سکیں۔ حتی کہ فرمایا **ضعف الطالب والمطلوب** یعنی یہ عابد و معبود طالب و مطلوب دونوں ہی ضعیف ولاچار و حقیر ہیں حتی کہ ایک جگہ ارشاد ہوا **انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جهنم** تم اور تمہاری معبود چیزیں اینٹ پتھر سب دوزخ کا ایندھن ہو دونوں فرقوں کی تردید میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقبولوں کی مقبولیت ان کے پوجا کئے جانے سے کم نہیں ہو جاتی۔ کعبہ میں بت رکھ دیئے جاویں تو کعبہ کعبہ ہی رہتا ہے۔ افسوس کہ موجودہ زمانہ کے وہابی یہ فرق نہ سمجھ سکے۔ **آٹھواں فائدہ** اللہ کے سوا ہر چیز قابل فنا ہے یعنی ممکن ہے رب تعالیٰ کی ذات و صفات فنا سے وراء ہیں۔ یعنی واجب ہیں۔ یہ فائدہ **ان یهلک المسیح** سے حاصل ہوا۔ مسئلہ اللہ کے سوا ہر چیز قابل فنا ہے۔ یعنی ممکن ہے مگر بعض ممکنات کو فنا نہیں وہ ابدی ہیں۔ جیسے جنت اور وہاں کی نعمتیں اور بعد قیامت جنتی لوگ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اکلها دائم** اور فرماتا ہے **خلدین فیها ابدا** یونہی دوزخ اور وہاں کے

عذاب۔ اور بعد قیامت دوزخی لوگ کہ انہیں فنا نہیں۔ فنا کے قابل ہونا اور ہے اور فنا ہو جانا کچھ اور۔ بہر حال بہت سی مخلوق ابدی ہے کہ اسے فنا نہیں۔ مگر ماسوی اللہ کوئی چیز ازلی نہیں۔ ازلیت مخلوقیت کے خلاف ہے۔ کوئی چیز ہمیشہ سے نہیں۔ رب کے پیدا کرنے سے ہوئی۔ **نواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت شان والے ہیں۔ تمام نبیوں میں آپ کی انوکھی ہی آن ہے۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار معجزے دیکھ کر عیسائیوں نے انہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں معجزات دیکھ کر کسی مسلمان نے انہیں خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہا۔ سب نے عبداللہ ورسولہ ہی مانا۔ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت خدا داد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کل چار مردے زندہ کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن پروردگار اس سے کہیں زیادہ مردے زندہ کیے۔ دیکھو مدارج النبوت۔ لکڑی پتھروں سے کلمہ پڑھوالیا۔ ڈوبا سورج واپس کیا چاند توڑ کر جوڑ دیا۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے عیسائی کافر ہیں۔ مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف بعض عیسائی کافر ہیں کل نہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے **ان الذین کفروا من اهل الکتب والمشرکین** یعنی اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہوئے۔ **من** تبعیضیہ سے معلوم ہوا کہ بعض اہل کتاب کافر ہیں۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** اس آیت کریمہ میں **کفروا** کے معنی ہیں کافر رہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جو کتابی و مشرکین مرتے دم تک کافر رہے۔ وہ دوزخی ہیں اور جو کتابی یا مشرکین مسلمان ہو جائیں۔ وہ دوزخی نہیں لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے جو ان کی وفات کے منکر ہیں وہ اس آیت کے منکر ہیں جیسا کہ **یهلک المسیح** سے معلوم ہوا (مرزائی) **جواب** کوئی مسلمان یہ نہیں مانتا کہ حضرت مسیح کو موت نہیں انہیں موت ہے اور یقینی ہے مگر ابھی موت آئی نہیں قریب قیامت آوے گی۔ اس آیت میں کسی لفظ کے معنی یہ نہیں کہ انہیں موت آچکی اس آیت کا مقصد تو یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ہو سکتی ہے۔ اور جس کی وفات ہو سکے وہ خدا نہیں۔ موت آسکنا اور ہے۔ اور موت آچکنا کچھ اور۔ لہذا آیت بالکل واضح ہے۔ **تیسرا اعتراض** بعض مسلمان نبیوں ولیوں میں خدائی طاقتیں مانتے ہیں انکا عقیدہ یہ ہے۔ **شعر:**

☆ خدا جس کو پکڑے، چھوڑا لے محمد ☆ محمد جو پکڑیں چھوڑا کوئی نہیں سکتا ☆

یہ عقیدہ بالکل مشرکیہ ہے۔ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ سے بڑھا دیا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ (وہابی) **جواب** نعوذ باللہ یہ مسلمانوں پر صاف بہتان ہے۔ اس شعر کا مطلب ظاہر ہے کہ جو گنہگار مسلمان اپنے گناہوں سے رب کی پکڑ میں آجاوے اسے حضور شفیع المذنبین شفاعت کر کے رب سے معافی دلا کر چھڑا سکتے ہیں۔ مسئلہ شفاعت بالکل برحق۔ اس آیت میں رب تعالیٰ کے مقابلہ کی نفی ہے کہ اس کا مقابل کوئی نہیں۔ شفاعت کی نفی نہیں۔ **چوتھا اعتراض** عیسائی الوہیت مسیح کے قائل ہیں۔ پھر ان کی تردید میں حضرت مریم کا ذکر کیوں ہوا۔ کہ فرمایا گیا کہ اگر

اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی ماں اور تمام جہان کو فنا کرنا چاہیے الخ جواب دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ ماننے سے ان کی والدہ جناب مریم کو بھی اللہ ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ماں بیٹے کی جنس سے ہوتی ہے۔ بلکہ عیسائی ان میں بھی الوہیت کی صفات مانتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ ان کی والدہ ماجدہ بھی اپنے سے موت کو دفع نہیں کر سکتیں۔ تو نہ جناب مسیح اللہ ہیں نہ جناب مریم۔ دوسرے اس لئے کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے مردوں کو زندہ فرمانے کے معجزہ سے دھوکہ کھایا۔ وہ سمجھے کہ مردے زندہ کرنا رب کا کام ہے۔ اور یہ کام تو جناب مسیح علیہ السلام کرتے ہیں لہٰذا ان میں الوہیت ہے۔ ارشاد ربانی ہوا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود مستقل طور پر مردے زندہ نہیں کرتے۔ یہ کام رب تعالیٰ کرتا ہے۔ مگر حضرت مسیح اس کا مظہر ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ نہ چاہے تو حضرت مسیح نہ اپنے سے موت ٹال سکتے ہیں۔ نہ اپنی والدہ سے نہ کسی اور سے۔ کیونکہ ہر شخص پہلے اپنے سے آفت دفع کرتا ہے۔ پھر اپنے عزیزوں خصوصاً اپنی ماں سے پھر دوسرے لوگوں سے۔ پانچواں اعتراض اس آیت کریمہ میں یعقوبیہ عیسائیوں کا عقیدہ نقل فرمایا کہ وہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ اللہ ہرگز نہیں کہتے وہ توحید کے قائل ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو الوہیت کا محل جانتے ہیں۔ جس میں الوہیت نے سرایت کی ہے۔ پھر یہ نقل کیونکر درست ہوئی۔ جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ الوہیت کی سرایت ماننے سے اللہ ماننا لازم آجاتا ہے۔ پانی میں شکر حلول کرے تو یقیناً پانی کو میٹھا کہا جاوے گا یہاں لزومی قول مراد ہے۔ خیال رہے کہ بندہ رب تعالیٰ کا مظہر تو ہو سکتا ہے بلکہ ہے۔ مگر اس کا محل نہیں ہو سکتا۔ آئینہ سورج کے مقابل ہو کر سورج کا مظہر بن جاتا ہے۔ مگر سورج کا محل نہیں ہو جاتا۔ بندہ کو رب کا مظہر ماننا ایمان ہے۔ محل ماننا کفر یہ فرق خیال رہے کہ حال ہمیشہ محل کا محتاج ہوتا ہے۔ اور مظہر اصل کا محتاج ہے۔ چھٹا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی ولی کسی چیز کے مالک نہیں قادر نہیں۔ ملکیت قدرت سب رب کی ہے۔ جیسا کہ **قل فمن یملک** الخ سے معلوم ہوا۔ جو مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک قادر مانیں وہ بھی عیسائیوں کی طرح کافر ہیں۔ جواب یہاں ذاتی ملکیت ذاتی عرفانی قدرت کی نفی ہے جو لازم الوہیت ہے۔ کسی بندے میں ایسی ملکیت وقدرت ماننا کفر و شرک ہے۔ اللہ کی عطا سے اس کے چاہنے سے ہم اپنے مکان و جائیداو کے مالک ہیں کہ انہیں فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ ان کا کرایہ بھی کھا سکتے ہیں۔ بادشاہ ملک کا مالک ہے۔ حضرت سلیمان ہوا۔ جنات' انسانوں کے مالک تھے۔ رب فرماتا ہے۔ **وسخر ناله الریح تجری بامره** حضرات انبیاء کرام علیہ السلام رب کے بندے اس کے مملوک ہیں۔ مگر ہمارے آقا ہمارے مولیٰ ہیں۔ شر کا ڈی۔ سی بادشاہ کا نوکر ہے۔ مگر ہمارا حاکم ہے ہماری ماں ہمارے باپ کی خادمہ ہے۔ مگر ہماری مخدومہ ہے۔ حضرات انبیاء علیہ السلام کو اپنی نسبت سے دیکھنا چاہیے کہ وہ ہمارے کون ہیں۔

تفسیر صوفیانہ بندے سے خدا تعالیٰ کو جاننا معرفت ہے اور بندہ میں اس کو ماننا کفر ہے۔ عیسائی اس میں اور سے میں فرق نہ کر سکے۔ مظہر کو محل مان بیٹھے کافر ہو گئے۔ رب وہ ہے جو اوپر نیچے ہونے سے پاک ہے۔ مولانا فرماتے ہیں **شعر:۔**

☆ دامن او گیر اے یار دلیر ☆

☆ کو منزہ باشد از بالا و زیر ☆

☆ نے چو عیسیٰ سوئے گردوں بر شود ☆

☆ نے چوں قارون در زمین اندر رود ☆

☆ ربی الاعلیٰ ست درو آں جہاں ☆

☆ رب اولیٰ و در خور ایں الجماں ☆

عیسائی آئینہ اور آئینہ دار میں فرق نہ کر سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئینہ جمال الٰہی تھے انہیں رب مان بیٹھے۔ للذا کافر ہوئے۔ اس آیت کریمہ میں یہ ہی بیان فرمایا گیا۔ کہ ظل اصل کے تابع ہوتا ہے۔ اصل ظل کے تابع نہیں ہوتا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام اصل میں اللہ ہیں تو ان کے افعال و معجزات حکم الٰہی کے تابع کیوں ہیں۔ پھر تو چاہیے تھا کہ وہ رب تعالیٰ کی مخالفت بھی کر سکیں کہ رب تعالیٰ انہیں یا ان کی ماں کو یا کسی اور کو موت دینا چاہے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچا لیں۔ جب یہ ناممکن ہے تو ان کا الٰہ ہونا بھی ناممکن ہے۔ شعر:۔

☆ آئینہ روئما است دے روئی شود ☆ بندہ خدا نما است دے اونمی شود ☆

بہر حال یہ آیت کریمہ معرفت الٰہی کا خزانہ ہے۔ بندہ فنافی اللہ ہو کر اللہ کے سے کام کرتا ہے۔ مگر بندہ بندہ ہے رب رب ہے۔ پانی گرم ہو کر آگ کا سا کام کرتا ہے۔ مگر پانی پانی ہے۔ آگ آگ ہے۔ کام کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ۔ اڑانے والی پتنگ ہے۔ مگر اڑنے والا وہ ہے۔ جس کے ہاتھ میں ڈور ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ

اور بولے یہودی اور عیسائی کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں فرمادو پس

اور یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تم فرماؤ پھر تمہیں کیوں تمہارے

يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ

کس نے عذاب دینا ہے تم کو بوجہ گناہوں تمہارے کے بلکہ تم انسان ہو ان میں جنہیں پیدا کیا بخشتا ہے واسطے اس کے کہ چاہے اور عذاب

گناہوں پر عذاب فرماتا ہے۔ بلکہ آدمی ہو اس کی مخلوقات سے جسے چاہے بخشتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ ہی کا ملک آسمانوں اور زمین کا اور ان کا جو درمیان ہے ان دونوں کے اور اسی کی طرف ہے لوٹنا

اور اللہ کے لئے ہے سب سلطنت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں اہل کتاب کے ان اعتقادات کا ذکر تھا جو جناب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھیں۔ اب ان کی اس خوش فہمی کا تذکرہ ہے جو ان کو اپنے متعلق ہے۔ یعنی اللہ کا محبوب ہونا اس کا بیٹا ہونا۔ جنت کا بہرحال ٹھیکیدار ہونا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی عبدیت ان کے ابن مریم ہونے ان کے قابل موت ہونے ان کے امرالٰہی کے ماتحت ہونے سے ثابت کی گئی کہ جس میں یہ صفات ہوں وہ اللہ یا اللہ کا ابن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ اب عیسائیوں یہودیوں کا عام بشر میں سے ہونا ان پر عذاب الٰہی آنے سے ثابت فرمایا جارہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام موت سے اپنے کو بھی نہیں بچاسکتے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ وہ جناب باوجود نبی اللہ ہونے کے عیسائی کفار کو عذاب الٰہی سے نہیں بچاسکتے۔ کیونکہ عیسائیوں کے متعلق رب تعالیٰ عذاب کا ارادہ فرماچکا۔ ان کے کفر و طغیان کی وجہ سے اور کوئی شخص ارادہ الٰہی کو بدل نہیں سکتا۔

شان نزول ابن جریر اور بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نعمان ابن آصی' بحری ابن عمرو' شاش ابن عدی یہود کی جماعت حاضر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور اسلام قبول نہ کرنے پر خدا کے عذاب سے ڈرایا۔ یہ لوگ بولے کہ ہم تو اللہ کے پیارے اللہ کے بیٹے ہیں ہم کو عذاب ہو سکتا ہی نہیں۔ آپ دوسروں کی فکر کریں انہیں عذاب سے ڈرائیں۔ اور عیسائی عموماً اپنے کو اللہ کا بیٹا اور اللہ تعالیٰ کو آسمانی باپ کہتے تھے۔ کیونکہ ایک بار حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ میں اپنے اور تمہارے باپ کے پاس جارہا ہوں۔ اور ہم کو عذاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت مسیح ہمارے گناہوں کے کفارہ میں صولی پاچکے۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی' تفسیر صاوی' خازن وغیرہ)

تفسیر **وقالت الیهود والنصری نحن ابنوء اللہ واحباؤہ** چونکہ یہاں یہود و نصاریٰ سے ان کی جماعتیں مراد ہیں اور جماعت مونث ہے۔ اس لئے **قالت** مونث ارشاد ہوا۔ جب فاعل جمع مکسر ہو تو فعل مذکر کا صیغہ بھی آسکتا ہے۔ اور مونث کا بھی جیسے **قالت لهم رسلهم** اور جیسے **وقال نسوۃ فی المدینة** یہاں قول سے مراد یا تو زبانی دعویٰ ہے۔ یا دلی اعتقاد۔ یہود و نصاریٰ سے مراد یا تو وہی جماعت ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر یہ دعویٰ کیا تھا یا اس زمانہ کے سارے یہودی عیسائی یا ان کے سارے اولین و آخرین تاقیامت ہونے والے۔ تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ تمام عیسائیوں' یہودیوں کا یہ ہی عقیدہ ہے **ابناء** جمع ہے ابن کی۔ ابن کے معنی ہوتے ہیں بیٹا۔ مگر یہاں بمعنی اولاد ہے کیونکہ ان کے مرد تو اپنے کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور کہتے ہیں اور ان کی عورتیں اپنے کو اللہ کی بیٹیاں کہتی ہیں **ابنو اللہ** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہاں مضاف پوشیدہ ہے۔ یعنی **انبوا انبیاء اللہ** ہم اللہ کے نبیوں کے

بیٹے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ عیسائی و یہودی بنی اسرائیل تھے اور اولاد انبیاء اس لئے ان کا یہ دعویٰ تھا۔ یا یہود تو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کو بیٹا کہتے ہیں اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور یہودی اپنے کو حضرت عزیر کا کنبہ سمجھتے ہیں۔ عیسائی اپنے کو جناب مسیح علیہ السلام کا قریبی عزیز سمجھتے ہیں اور بیٹے کے پیارے بھی گویا بیٹے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اپنے کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ کلمہ مجاز ہو۔ یعنی ہم خداوند تعالیٰ سے ایسا قرب رکھتے ہیں۔ جیسا بیٹا باپ سے بہر حال یہ دونوں جماعتیں اپنے کو حقیقۃً خدا کا بیٹا نہیں مانتیں۔ بلکہ یہودی صرف حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی صرف عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے ان کی اس بکواس کی تردید میں اپنا اولاد و ماں باپ سے پاک ہونے کا ذکر نہ فرمایا بلکہ دوسرے طریقہ سے ان کی تردید کی۔ خیال رہے کہ توریت و انجیل میں خدا تعالیٰ کو آسمانی باپ اور مخلوق کو خدا کی اولاد کہا گیا ہے اور بنی اسرائیل عموماً اپنے کو خدا کی اولاد کہتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کو آسمانی باپ کہہ کر پکارتے تھے اور پکارتے ہیں۔ باپ۔ بمعنی مربی اور اولاد۔ بمعنی مربوب اس معنی سے یہاں **ابناء اللہ** ارشاد ہوا اب بھی عرب میں دنیاداروں کو **ابناء الدنیا** اور دینداروں کو **ابناء الاخرۃ** کہا جاتا ہے۔ **احباء** جمع ہے حبیب کی۔ بمعنی محبوب یا بمعنی محب یہ یا تو عطف تفسیری ہے۔ جو ابناء کو بیان فرما رہا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ہم خدا کے بیٹے بھی ہیں پیارے بھی نالائق عاق بیٹے نہیں۔ جس سے باپ ناراض ہو۔ **قل فلم یعذبکم بذنوبکم** یہ عبارت ان کے دعووں کی تردید ہے۔ قل میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے۔ **یعذب** یا تو بمعنی دوام و استمرار ہے یا بمعنی حال یا بمعنی استقبال۔ ب سببیہ ہے **ذنوب** جمع ہے **ذنب** کی بمعنی گناہ اس سے جسمانی و جنانی سارے گناہ مراد ہیں یعنی بد عملیاں اور بد عقیدگیاں۔ بد عملیوں میں حقوق الٰہی حقوق العباد چھوٹے بڑے گناہ سب شامل ہیں۔ یعنی اے محبوب یا اے مسلمان تم ان کو جواب یہ دو کہ اگر تم اللہ کے پیارے بیٹے ہو تو رب تعالیٰ تم کو دنیا میں عذاب کیوں دیتا رہا کہ تم گزشتہ زمانہ میں اپنی حرکتوں کے سبب بندر سور بنے۔ تم پر پتھر برسے اور قسم قسم کے آسمانی عذاب آئے۔ یا تم کو اب ہمارے ہاتھوں کیوں عذاب دے رہا ہے۔ کہ تم ہمارے ہاتھوں قتل 'قید' جلاوطن ہوتے ہو۔ تم پر جزیہ قائم ہوتا ہے۔ یا تم کو آخرت میں کیوں عذاب دے گا۔ تم خود کہتے ہو کہ ہم یہودی چالیس دن دوزخ میں رہیں گے۔ کیونکہ ہم نے اتنی مدت بچھڑا پوجا تھا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اگر تم خدا کے پیارے بیٹے یعنی اس کے نہایت فرمانبردار بندے ہو تو تم ہمیشہ ایسے گناہ ایسی حرکتیں کیوں کرتے رہے۔ کہ تم پر عذاب آتے رہے۔ بچھڑے کی پوجا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بت سے بہتان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل جناب مسیح کی صولی۔ حضرت مریم کو تہمت لگانا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہنا۔ کونسا وہ جرم ہے جو تم نے نہ کیا۔ ایسی حرکتیں کرو پھر بھی خدا کے پیارے بیٹے بنے رہو یہ عجیب محبوبیت ہے۔ **بل انتم بشر ممن خلق** یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے۔ یعنی **لیس الامر کذلک** بات یہ نہیں بلکہ تم عام مخلوق میں سے ایک مخلوق ہو۔ عام انسانوں میں انسان ہو۔ انسانیت کے سواء تم میں

اور کوئی خصوصی امتیاز نہیں۔ یہاں بشر موصوف ہے۔ اور **ممن خلق** کائن کے متعلق ہو کر اس کی صفت ہے۔ یہ مختصر سی عبارت ان کے دعوٰی کی پرزور تردید ہے۔ یہاں دو چیزیں خیال میں رہیں۔ ایک یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے محبوب بالذات ہیں۔ ان کی محبوبیت کسی شرط یا عمل پر موقوف نہیں۔ دوسرے لوگ محبوب بالعرض ہیں۔ نبی کے واسطہ سے محبوب کہ جو ان کا مطیع ہو وہ رب کا محبوب ہو جاوے۔ **فاتبعونی یحببکم اللہ** جیسے اپنا بیٹا ہم کو محبوب بالذات ہے اور اس کے دوست ہم کو محبوب بالعرض۔ بیٹے کی وجہ سے فرمایا گیا کہ نہ تو تم لوگ نبی ہو کہ محبوب بالذات ہو نہ تم حضرات انبیاء کے مطیع تاکہ محبوب بالعرض ہو جاؤ۔ جب کچھ بھی نہیں تو تم محبوب نہیں ہو صرف دوسری مخلوق کی طرح 'بشر مخلوق ہو۔' لہٰذا **بل** فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں بشر کہنے کی تین نوعیتیں ہیں۔ انتہائی تعظیم کے لئے بشر کہنا جیسے **انی خالق بشرا** یعنی رب تعالیٰ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی مخلوق مباشرت بالید سے بنا۔ فرمایا گیا۔ **خلقت بیدی** دوسرا تواضع انکسار کے لئے بشر کہنا۔ جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے کو بشر کہا **انا بشر مثلکم** تیسرے اہانت کے لئے بشر کہنا جیسے شیطان نے کہا تھا **ما کنت لاسجد لبشر** یہاں اہل کتاب کو بشر فرمانا ان کی اہانت کے لئے ہے۔ یعنی تم میں سوا بشریت کے اور کوئی کمال نہیں۔ متقی مومن بنو گے بخشے جاؤ گے۔ ورنہ سزا پاؤ گے **یغفر لمن یشاء ویعذب لمن یشاء** یہ عبارت پچھلے مضمون کی دلیل ہے یعنی دیگر انسانوں کی طرح تم بھی عام انسان ہو۔ تم میں مومن بھی ہیں۔ کافر بھی' متقی بھی ہیں اور فاجر بھی۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے مومنوں کو بخشے گا۔ کافروں کو سخت عذاب دے گا۔ متقیوں کو بخشے گا۔ فاجروں کو اگر چاہے گا بخش دے گا۔ چاہے گا تو گناہوں کی سزا دے گا۔ خیال رہے کہ مغفرت رب تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم میں سے مومن گنہگاروں کو جنہیں چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا یہ مطلب نہیں کہ مومن متقیوں کو چاہے گا۔ تو بخشے گا۔ چاہے گا تو بلاوجہ سزا دے گا۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ **وللہ ملک السموت والارض وما بینھما والیہ المصیر** اس آیت کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے کہ **للہ** میں لام ملکیت کا ہے اور یہاں عالم اجسام کا ذکر ہے جو آسمان و زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کا نام ہے دوسرے عالم جیسے عالم انوار' عالم ارواح' عالم امر کا یہاں ذکر نہیں اس فرمان عالی کا منشا یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف ملکیت۔ عبدیت سے نسبت کرے۔ یہ کہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے مملوک ہیں۔ اس کی مخلوق ہیں اس کے قبضہ میں ہیں اس کے عابد ہیں۔ کہ انسان کی عزت اسی میں ہے۔ کوئی اپنے کو رب کا بیٹا اس کا بھائی بھتیجا نہ کہے۔ تم سب یہاں اس کی مملوک و مخلوق ہو۔ اور سب کو وہاں اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسے اپنے عقائد' اعمال' اقوال کا حساب دینا ہے تو یہاں اپنے اعمال و اقوال کو درست کرو۔ مقصد یہ ہے کہ کسی کی پکڑ سے بچنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ زور سے بچا جاوے۔ یا زر سے یا زاری سے۔ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں۔ قادر مطلق ہیں۔ اس کی پکڑ سے بچنے کے لئے زور یا زر کام نہیں آسکتے وہاں صرف زاری کام آتی ہے۔ **شعر:۔**

☆ زور راہگذار زاری راہگیر ☆ رحم سوئے زاری آید اے فقیر ☆

خلاصہ تفسیر یہود و نصاریٰ جہاں اور بہت سی بے دینیوں۔ گمراہیوں ' کفریت میں مبتلا ہیں وہاں وہ اپنے متعلق اس خوش فہمی میں بھی مبتلا ہیں کہ ہم کو اچھے عقائد اچھے اعمال کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہم جو چاہیں اعمال کریں۔ جنت ہماری ہے۔ کیونکہ ہم خدا کے محبوب بیٹے بیٹیاں ہیں۔ اس لئے کہ ہم خدا کے بیٹے کے گروہ اس کے خاندان سے ہیں۔ یہود کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ ہم ان کے خاندان سے ہیں۔ عیسائی سمجھے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ ہم ان کے خاندان سے ہیں۔ ہم کو رب تعالیٰ نہ پکڑے گا۔ نہ عذاب دے گا' اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمانوں تم ان کو جواب دو کہ اگر تم خدا کے پیارے بیٹے ہو کسی گناہ پر تمہیں کوئی عذاب نہ ہو گا۔ بہر حال جنتی ہو تو تم پر گزشتہ زمانوں میں تمہاری بد اعمالیوں کی وجہ سے دنیا میں آسمانی عذاب کیوں آئے حتیٰ کہ تم ایک زمانہ میں بندر سور بنا کر ہلاک کر دیئے گئے۔ اور اب تم پر عذاب الٰہی کیوں آ رہے ہیں کہ تمہاری بدکاریوں کی وجہ سے سلطنت تم سے چھنی۔ عزت تمہاری ختم ہوئی۔ دوسری قوموں کے دست نگر تم بنا دیئے گئے۔ اور آخرت میں بھی تم دوزخ میں کیوں جاؤ گے۔ تم خود کہتے ہو کہ یہود چالیس دن دوزخ میں رہیں گے۔ دنیاوی اخروی عذابوں کا تم پر آنا تمہارے اس دعویٰ کو باطل کرتا ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ قول محض غلط ہے عام مخلوق کی طرح تم بھی انسانی مخلوق ہو۔ لہٰذا اگر تم نیک بنو۔ نیک رہو تو بخشے جاؤ گے۔ بد بنو گے سزا پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ پر کسی کا دعویٰ نہیں۔ وہ مالک و مختار ہے۔ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چھوٹی بڑی چیزیں اس کی مخلوق اس کی مملوک ہیں۔ اس کے قبضہ میں ہیں۔ تم حیلے بہانے نہ بناؤ ابھی وقت ہے سنبھل جاؤ۔ آخر کار تمہیں اس کی طرف لوٹنا ہے۔ وہاں کوئی بہانہ نہ بنا سکو گے آج اپنے کو محبوب بیٹا نہ سمجھو۔ گنہگار بندہ سمجھو توبہ کرو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جاویں جن کے اچھے معنی بھی ہوں برے معنی بھی۔ لہٰذا اسے باپ میاں ' جی نہ کہو کہ باپ مربی کو بھی کہتے ہیں اور اسے بھی جس کے نطفے سے پیدائش ہو۔ یہ فائدہ **ابنؤا اللہ** سے حاصل ہوا۔ عام مسلمان اللہ میاں کہتے ہیں۔ یہ ممنوع ہے کیونکہ میاں مالک کو بھی کہتے ہیں۔ خاوند کو بھی ' عیسائی یہودی اپنے کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے تو اللہ کو اپنا باپ کہتے تھے۔ وہ اس کے مجرم تھے۔ دوسرا فائدہ کوئی شخص ایمان و نیک اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ کسی درجہ کا انسان ہو ایمان کا بھی حاجت مند ہے۔ اور نیک اعمال کا بھی۔ آج کل بعض محبت اہل بیت کے مدعی اور بعض جاہل بے دین پیر فقیر اس دھوکے میں ہیں۔ کہ حضرت حسین شہید ہو کر ہمارے گناہوں کا کفارہ دے گئے۔ ہم علی کے حسین کے یا غوث پاک کے ملنگ ہیں ہم کو اعمال کی کیا ضرورت ہے۔ یہ خیال کافر ہے۔ اور ایسے خیال والا کفر ہے۔ یہ وہی عیسائیوں والا عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام

کی صولی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گئی۔ جب ہر شخص جسمانی زندگی کے لئے دھوپ' آسمان' زمین' غذا' پانی' ہوا کا حاجت مند ہے۔ تو روحانی زندگی کے لئے خدا اور رسول کی اطاعت سے بے نیاز کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم نے آج تک کوئی محب حسین یا کوئی پیر فقیر ایسا نہ دیکھا جو بغیر سانس لئے بغیر کھائے پئے بغیر زمین پر رہے۔ بغیر آسمان کے سایہ کے زندہ رہے۔ اسلام روحانی زمین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانی رحمت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت گویا سانس ہے۔ جس کی ہروقت ضرورت ہے۔ نماز و روزہ وغیرہ آسمانی غذائیں ہیں۔ جو اپنے اپنے وقت پر استعمال کی جاتی ہیں۔ ہم تو مر کر بھی اللہ کی بندگی حضور کی امت سے نہیں نکل سکتے۔ تیسرا فائدہ دنیاوی عذاب بلکہ دنیاوی تکالیف بندگی کی دلیلیں ہیں نافرمان عیسائیوں' یہودیوں پر بارہا آسمانی عذاب آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی بندے ہیں۔ بلکہ دنیاوی پریشانیاں و تکالیف بندہ بنا دیتی ہیں۔ فرعون عیش و آرام میں رہ کر خدا بن بیٹھا۔ جب ڈوبنے لگا تو بندہ بنا بولا **قال امنت انه لا اله الا الذی امنت به بنو اسرائیل** یہ فائدہ **فلم یعذبکم** الخ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ نافرمانی کرکے اپنے کو رب کا محبوب جاننا حماقت ہے۔ محبوبیت اور محبیت کی علامت اطاعت ہے۔ **شعر:۔**

☆ **تعصی الرسول وانت تظهرحبه** ☆ **هذا العمری فی الفعال بدیع** ☆
☆ **لو کان حبک صادقا لا طعته** ☆ **ان المحب لمن یحب مطیع** ☆

حضرت سعدی نے کیا خوب فرمایا۔ **شعر:۔**ت

☆ ہر کہ سیمائے راستاں دارد ☆ سر خدمت بر آستاں دارد ☆

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام رب کے محبوب اور اس کے اعلیٰ درجے کے مطیع ہیں۔ بلکہ اطاعت سے محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔ ہاں کبھی محبوبیت سے اطاعت نصیب ہوتی ہے۔ حضرت مریم پیدائشی محبوبہ رب العالمین تھیں۔ تو انہیں اطاعت بھی علی الکمال میسر ہوئی پانچواں فائدہ بغیر ایمان و عمل اچھا نسب محض بے کار ہے۔ کافر کے لئے نسب سے کچھ فائدہ نہیں۔ نہ اس کے لئے نبی کی اولاد ہونا فائدہ مند یہ فائدہ **بل انتم بشر ممن خلق** سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے ان بنی اسرائیل کو جو نبیوں کی اولاد تھے۔ محض بشر فرمایا۔ ان کی تمام فضیلتوں کی نفی فرمادی۔ کنعان نبی زادہ تھا مگر کفار کے ساتھ ڈوبا۔ کیونکہ خود کافر تھا۔

پہلا اعتراض یہودی صرف عزیر علیہ السلام کو عیسائی صرف عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اپنے سارے لوگوں کو نہ خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ نہ کہتے ہیں پھر قرآن کریم کا یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ یہود و نصاریٰ اپنے کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ یہ لوگ پیدائش کے لحاظ سے صرف ان دو حضرات کو ہی خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ مگر دوسرے معنی سے اپنے کو خدا کا بیٹا بتاتے تھے۔ یعنی ہم خدا تعالیٰ کو بیٹے کی طرح پیارے ہیں۔ یا ہم خدا کے بیٹے عزیر یا عیسیٰ علیہ السلام کے کنبے ہیں۔ لہٰذا گویا اس کے بیٹے ہی ہیں۔ وہاں حقیقتہً بیٹا مراد ہے اور یہاں مجازی بیٹا مراد

دوسرا اعتراض اگر دنیاوی تکالیف بندے کی محبوبیت کے خلاف ہیں۔ تو نبیوں ولیوں کو یہ تکالیف کیوں پہنچتی ہیں۔ وہ تو رب تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں۔ پھر **فلم یعذبکم** درست کیسے ہوا۔ پھر یہود و نصاریٰ اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے تھے۔ کہ ہم کو دنیاوی تکالیف ایسے ہی پہنچیں جیسے حضرات انبیاء کرام کو پہنچیں۔ حالانکہ وہ محبوب بندے ہیں۔ ایسے ہی ہم کو بھی محبوب ہیں اور ہم کو یہ تکالیف پہنچیں۔ لہٰذا یہ دلیل مکمل کیسے ہوئی۔ **جواب** یہاں تکالیف کا ذکر نہیں بلکہ دنیاوی اور اخروی عذابوں کا ذکر ہے جیسے دنیا میں صورتیں مسخ ہونا۔ آسمان سے پتھر برسنا جنہیں خود یہود بھی عذاب کہتے تھے۔ یوں ہی آخرت میں چالیس دن دوزخ میں رہنا جس کے یہود بھی قائل تھے۔ یونہی یہود کو دنیاوی عزت و عظمت سے محروم کردیا جانا۔ باوجودیکہ وہ اولاد انبیاء ہیں۔ یہ وہ عذاب ہے جن سے ان کی مردودیت ثابت ہوتی ہے۔ **تیسرا اعتراض** رب تعالیٰ نے یہاں تو یہود کو **بشرا ممن خلق** فرمایا۔ اور ان کے تمام کمالات کی نفی فرمادی۔ مگر دوسری آیت میں یہود کے متعلق ارشاد ہوا۔ **وانی فضلتکم علی العلمین** میں نے تم کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** اس آیت کریمہ میں موجودہ یہودیوں سے خطاب ہے۔ جو بد عقیدہ' بد عمل بے دین ہو چکے تھے۔ اور تمہاری پیش کردہ آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے وہ یہود مراد ہیں۔ جو صحیح العقیدہ اور نیک اعمال والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے تھے۔ اس زمانہ میں وہ یہود اپنے وقت میں تمام جہان سے افضل تھے۔ لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ مومن کے لئے شرافت نسبی مفید ہے۔ کافر کے لئے بالکل بیکار۔ اب بھی جو اہل کتاب مسلمان ہو جاوے تو اسے دوسرے نو مسلموں سے دوگنا ثواب ملے گا۔ جیساکہ حدیث شریف میں ہے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے ہاں قانون کوئی نہیں۔ جسے چاہے بخش دے۔ جسے چاہے پکڑ کر سزا دے دے۔ یہ تو بڑے اندھیر کی بات ہے کہ چاہے تو بے گناہ مسلمان کو نرک (دوزخ) میں جھونک دے۔ چاہے تو کافر بدکار کو **بیکنٹھ** (جنت) میں بھیج دے۔ اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے خدا کا ظلم کیا ہو سکتا ہے (ستیارتھ پرکاش) **جواب** پنڈت جی نے آیت سمجھی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ جس مجرم کو چاہے اپنے فضل و کرم سے بخش دے۔ کیونکہ وہ رحیم ہے اور جس مجرم کو چاہیے سزا دیدے کیونکہ وہ مقسط یعنی عدل والا ہے۔ مجرم کو سزا دینا اس کا عدل ہے۔ بخش دینا اس کا فضل ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ بے گناہوں کو سزا دے دے۔ سزا یا عذاب کہتے ہی اسے ہیں جو مجرم کو جرم کی عوض دی جاوے بے قصور کو سزا دینا ظلم ہے۔ **وما انا بظلام للعبید** اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔ اسلام میں آریوں کی سی سختی نہیں کہ بخشش کوئی چیز ہی نہ ہو۔ **پانچواں اعتراض** ایک حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان جو چاہیں کریں۔ وہ جنتی ہو چکے۔ دوسری حدیث پاک میں ہے جب بندہ قرب حق حاصل کرلیتا ہے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ ان دونوں **حدیثوں** میں وہ ہی کہا گیا جو یہاں یہود و نصاریٰ کا عقیدہ بیان ہوا۔ اگر عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو چاہیں کریں۔ اگر مقبول بندہ جو چاہے کرے وہ جنتی ہے تو کتابی کہہ سکتے ہیں کہ ہم جو چاہیں کریں جنتی ہیں۔ ان **حدیثوں**

میں اور عیسائیت میں کیا فرق ہے (منکرین حدیث) جواب اس اعتراض کا جواب بارہا دیا جا چکا ہے کہ ان احادیث میں ان حضرات کو گناہ کرنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ گناہوں سے حفاظت ہے۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ یہ حضرات بفضلہ تعالیٰ گناہ نہ کریں گے کہ رب تعالیٰ کی حفاظت میں آئے گا جیسے پرندے کے پر کاٹ کر اس کو کہا جائے۔ اب اڑ تا پھر۔ اب وہ اڑے کس چیز سے۔ چنانچہ اس خبر کے بعد حضرت عثمان نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کتابی لوگ تو کفار تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ پھر کہتے تھے کہ ہم جنتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ سعید وہ ہے جو کرے اور ڈرے۔ شقی و بدبخت وہ ہے جو نہ کرے اور اکڑے۔ مومن ہر طرح ہر وقت نیکی کرتا ہے۔ پھر ڈرتا ہے۔ کہ میری کسی حرکت سے یہ نیکیاں برباد نہ ہو جائیں۔ کافر نیکی نہیں کرتا۔ پھر بھی اکڑتا ہے۔ کہ فلاں کی اولاد سے ہوں۔ میں دوزخ میں نہیں جا سکتا۔ مذکورہ یہود و عیسائی شقی تھے جو کفر شرک ہر قسم کی بدکاریاں کرتے تھے۔ اور کہتے تھے ہم اللہ کے پیارے بیٹے ہیں۔ جیسے بیٹا کیسا ہی قصور کرے مگر رہتا ہے بیٹا باپ کی مہربانی کا مستحق، کیچڑ لگ جانے سے نسب ختم نہیں ہوتا۔ ہم گناہ کر لیں تو ہماری محبوبیت میں فرق نہیں پڑتا۔ یہ وہ دھوکہ تھا جس نے ان کا بیڑہ غرق کر دیا۔ یا رب العالمین نے دنیا کو آخرت کا نمونہ بنایا ہے۔ یہاں کے حالات دیکھو وہاں کا پتہ لگاؤ۔ جب یہاں دنیا میں تم پر تمہاری بدکاریوں کی وجہ سے عذاب آگئے۔ تو وہاں بھی عذاب آئیں گے۔ تم اپنے کو خدا کا بیٹا پیارا نہ سمجھو بلکہ مجرم بندہ سمجھ کر توبہ کرو۔ رب کے ہاں محض نسب نہیں دیکھا جاتا ایمان و عمل کی پرستش ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس غلط خوش فہمی سے بچائے۔ توبہ کی توفیق دے۔ اے مسلمان خیال رکھ کہ دنیا میں بار بار نہیں آنا جو کرنا ہے کر لے حضرت بلھے شاہ قصوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ **شعر:۔**

☆ نت نت کیسی استغفار ☆ توبہ کر لے ایک ہی بار ☆
☆ ایس وطن دا ایک ہی پھیرا ☆ مڑ نہیں آونا دوجی بار ☆
☆ توبہ کر لے ایک ہی بار ☆

☆ قرآن کتاباں چاروں فیر ☆ کردے چانن وچ اندھیر ☆
☆ پہلے پھیرے دل کا پھیر ☆ پھر کر توبہ استغفار ☆
☆ توبہ کر لے ایک ہی بار ☆

☆ بلھے شاہ دی سنو حکایت ☆ جس کا مرشد شاہ عنایت ☆
☆ مرشد ملیا ہوئی ہدایت ☆ مرشد کر گیا بیڑا پار ☆
☆ توبہ کر لے ایک ہی بار ☆

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ

اے کتابیو بے شک آئے تمہارے پاس ہمارے رسول جو بیان کرتے ہیں واسطے تمہارے اوپر بند

اے کتاب والو بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے کہ تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں بعد اس

اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ

ہو جانے رسولوں کے یہ کہ کہو تم نہیں آیا ہمارے خوشخبری دینے والا اور نہ ڈرانے والا پس بے شک آگیا تمہارے

کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا، کہ کبھی کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہیں آیا تو یہ خوشی اور

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

پاس خوشخبری دینے والا اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے

ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے اور اللہ کو سب قدرت ہے۔

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اہل کتاب کے غلط دعوئ عزت اور بیہودہ دعوئ محبوبیت کا ذکر ہوا۔ اب سچی عزت اور صحیح محبوبیت الٰہی کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان حضور کی اطاعت و فرمانبرداری گویا کتابیوں کی غلطیوں کا ذکر پہلے ہوا۔ اصلاح اب فرمائی جارہی ہے کہ اولاد انبیاء ہونا خدا کا محبوب نہیں بنا دیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہونے سے محبوبیت خداوندی نصیب ہوتی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کے عذابوں و سزاؤں کا ذکر تھا۔ اب وہ طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ جس سے گناہ معاف ہوں۔ عذاب سے نجات ملے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم میں پناہ لینا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالٰی جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب دے۔ اب بخشش و عذاب کے استحقاق کے ذریعہ کا ذکر ہے کہ حضور سے دور رہنا عذاب الٰہی کا ذریعہ ہے اور حضور سے قرب بخشش حاصل کرنے کا ذریعہ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔

شان نزول حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت معاذ ابن جبل، سعد ابن عبادہ عقبہ ابن وہب نے دو یہود راہبوں سے کہا جن کا نام رافع ابن حرملہ اور وہب ابن یہودا تھا کہ اے رافع اور اے وہب تم لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں ہم لوگوں کو نبی آخری الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی تھی اور تم نے ہم سے نبی پاک کے اوصاف حمیدہ بیان کرکے ہم کو حضور کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مدینہ میں تشریف لے آئے اور تمہاری بتائی ہوئی علامات سے ہم نے حضور کو جانا پہچانا اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ حیرت در حیرت ہے کہ تم لوگ حضور پر ایمان کیوں نہیں لائے۔ ارے اللہ سے ڈرو۔ حضور پر ایمان لاؤ یہی تو وہ نبی ہیں۔ جن کی خبر تم نے

ہم کو دی تھی۔ وہ دونوں بولے کہ ہم نے تم کو اس بارے میں کوئی خبر نہیں دی تھی اور بولے کہ ہماری کتب میں نبی آخر الزمان کے متعلق کوئی خبر نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آیا۔ کوئی بشیرونذیر نہیں آیا۔ رب تعالیٰ نے ان کے بعد نبوت جاری نہیں رکھی۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن) ضد میں ان بدنصیبوں نے یہ کہا ورنہ یہ بکواس تو ان کے عقائد کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ یہود حضرت داؤد علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں۔ زبور شریف کو آسمانی کتاب تسلیم کرتے ہیں حالانکہ داؤد علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت عرصہ بعد ہوئے۔

تفسیر یااھل الکتب یہاں ندا یا اظہار غضب کے لئے ہے یا اظہار کرم کے لئے۔ یا غافلوں کو بیدار فرمانے کے لئے۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کہ اظہار غضب کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ اہل کتاب عناد و بغض کی وجہ سے حضور کی نبوت کے انکاری تھے۔ اہل کتاب سے مراد یا تو صرف یہود ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے یا یہود و عیسائی دونوں۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔ کہ قرآن کریم میں الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ خصوصی شان نزول کا اگرچہ اہل کتاب عقیدۃً مشرک و کافر تھے انہیں مشرکین و کافرین کے لفظ سے خطاب ہونا چاہیے تھا۔ مگر چونکہ ان کو اللہ کے سچے نبیوں کچی کتابوں سے نسبت تھی۔ اگرچہ جھوٹی و غلط نسبت ہی سہی۔ اس نسبت کا احترام کرتے ہوئے انہیں کافر یا مشرک کے بجائے اہل کتاب کے لفظ سے خطاب ہوا۔ اہل کتاب کے معنی ہیں کتاب کو جاننے والے یا کتاب آسمانی کو ماننے والے۔ پہلی صورت میں کتابیوں کے پوپ و پادریوں سے خطاب ہے۔ دوسری صورت میں عام کتابیوں سے دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ **قد جاء کم رسولنا** چونکہ مدینہ کے اہل کتاب مشرکین و کفار کی طرح محمد ابن عبداللہ کی تشریف آوری تو مانتے تھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے منکر تھے یا حضور انور کی ولادت کے تو قائل تھے۔ مگر حضور کی تشریف آوری آپ کی بعثت کے انکاری تھے۔ اس لئے اس مضمون کو تاکیدی **قد** سے شروع فرمایا گیا۔ حضور کی ولادت اور تشریف آوری یعنی بعثت کا فرق ہم ابھی کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ حضور کی تشریف آوری نبوت کے لحاظ سے ساری مخلوق کی طرف ہے۔ دعوت کے لحاظ سے سارے انسانوں کی طرف اور کتب آسمانی کی تصدیق کے لحاظ سے سارے مومنین اہل کتاب کی طرف اور پوپ پادریوں کے چھپائے ہوئے مسائل بدلی ہوئی آیات کو ظاہر فرمانے کے لحاظ سے کفار اہل کتاب کی طرف ہے۔ یہاں چوتھی حیثیت کا ذکر ہے۔ اس لئے خصوصی طور پر کتابیوں کو مخاطب کر کے فرمایا **قد جاء کم** کیونکہ آگے حضور کی صفت بیان کا ذکر ہے۔ جیسے سورج نورانیت دینے کے لئے سارے عالم پر طلوع کرتا ہے۔ اور دانہ پکانے کے لئے باغوں پر پھل پکانے پھول پکانے کے لحاظ سے باغوں پر گندی زمین کو خشک کر کے پاک بنانے کے لئے ناپاک زمین پر۔ لعل بنانے کے لئے بدخشاں کے پہاڑوں پر طلوع کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا ایک طلوع عام ہے۔ باقی چند طلوع خاص۔ پھر جیسے سورج کے غروب سے اس کا طلوع یعنی چمکنا اور ظہور ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا وجود ختم نہیں ہوتا۔ یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے حضور کا ظہور ختم ہوا۔ آپ کا وجود یا نبوت ختم نہ ہوئی۔ ہم موت سے فنا ہو

جاتے ہیں حضرات انبیاء خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ وفات ہم سے چھپ گئے وہاں فناہ نہیں بہر حال یہاں صرف اہل کتاب سے خطاب فرمانا کہ تمہارے پاس یہ رسول تشریف لائے۔ بالکل مناسب ہے چونکہ ان اہل کتاب نے حضور کو رسول نہیں مانا اور حضور سے فیض نہ لیا اس لئے **رسولکم** نہ فرمایا بلکہ **رسولنا** ارشاد ہوا۔ مسلمانوں نے حضور کو مانا۔ حضور سے سب کچھ لیا۔ لہٰذا ان کے متعلق **رسولکم** بھی ارشاد ہوا۔ اور **من انفسکم** بھی۔ **یبین لکم** یہ عبارت **رسولنا** سے حال ہے۔ **یبین** بنا ہے۔ **یبین** سے ۔ معنی آہستہ آہستہ ظاہر کرتے رہنا یا خوب ہی ظاہر فرمادینا۔ اس کا مفعول یہ پوشیدہ ہے یعنی ان پادریوں کی چھپائی ہوئی آیات۔ چھپائے ہوئے توریت و انجیل کے احکام بدلا ہوا دین وغیرہ اور ہو سکتا ہے کہ سارے شرعی احکام غیبی خبریں مراد ہوں۔ چونکہ ان چیزوں کا بیان فرمادینا ان کے لئے ہی مفید تھا۔ اس لئے **لکم** فرمایا گیا۔ لام نفع کا ہے۔ یعنی وہ محبوب تم لوگوں کے لئے آیات انجیل و توریت تمہارے لئے بدلے ہوئے احکام تمہارے چھپائے ہوئے سچے عقیدے یا دین کے سارے احکام رب تعالیٰ کی ذات و صفات غرض کہ جو چیزیں پردہ غیب میں چھپی ہوئی تھیں سب کی سب خوب بیان فرماتے رہتے ہیں۔ **علی فترة من الرسل** یہ عبارت جاء کے متعلق ہے۔ **علی** کے بعد **حین** پوشیدہ ہے۔ **من الرسل کائنة** کے متعلق ہو کر **فترة** کی صفت ہے **فترت** بنا ہے **فتو**۔ یا **فتور** سے۔ اس کے لغوی معنی ہیں بند ہو جانا۔ ہلکا پڑ جانا۔ ٹھہر جانا کہا جاتا ہے **فتر بشش ای سکنت** اردو میں بھی کہا جاتا ہے۔ عقل میں فتور آگیا۔ فلاں قوم میں فتور پڑ گیا۔ اصطلاح میں فترت دو نبیوں کے درمیان کے زمانہ کو کہتے ہیں جبکہ پہلے نبی کے احکام دنیا سے منقطع ہو جاتے تھے۔ دین سست و ہلکا پڑ جاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے تک کے زمانہ کو زمانہ فترت کہتے ہیں اور اس زمانہ کے لوگوں کو اصحاب فترت کہا جاتا ہے۔ وہی یہاں مراد ہے۔ یہ زمانہ قریباً چھ سو سال کا ہے۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک ۵۶۹ء (پانچ سو انہتر عیسوی) میں ہے۔ جن مفسرین شارحین نے چھ سو سال کہے ہیں وہ تقریبی ہیں۔ اس زمانہ کے لوگوں کو صرف عقیدہ توحید کافی تھا۔ اتنے عرصہ میں دنیا میں کوئی نبی تشریف نہیں لائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا **لیس بینی وبینہ نبی** میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ وہ جو روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد چار رسول آئے۔ تین تو وہ جو عیسیٰ علیہ السلام نے خود بھیجے **اذ ارسلنا علیهم اثنین** پھر فرماتا ہے **وعززنا بثالث** اور چوتھے رسول خالد ابن سنان جو قبیلہ بنی عبس سے ہیں اور عربی ہیں۔ وہاں رسول سے مراد لغوی پیغام بر یا ہادی ہیں۔ خالد ابن سنان کی بیٹی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائی (تفسیر روح المعانی) اس زمانہ میں تمام عالم میں تاریکی ہی رہی۔ نور نبوت بالکل ختم ہو چکا تھا۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے قیامت تک کبھی زمانہ فترت نہ آئے گا۔ کیونکہ نہ تو حضور کے بعد کوئی نیا نبی ہے۔ اور نہ حضور کی تعلیم دنیا سے غائب ہوگی۔ بلکہ علماء اولیاء اللہ کے ذریعہ ہمیشہ آپ کا دین تابندہ رہے گا۔ اور حضور کی

نبوت کے فیوض جاری رہیں تے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ایک ہے زمانہ نبی اور ایک ہے زمانہ نبوت۔ نبی کی حیات ظاہری کا زمانہ زمانہ نبی ہے۔ اور جب تک کہ نبوت منسوخ نہ ہو۔ تب تک زمانہ نبوت ہے۔ حضور کا زمانہ نبی۔ جب کہ لوگ حضور کی زیارت سے صحابہ بنتے تھے آپ کی حیات ظاہری ختم ہونے پر ختم ہو گیا۔ اب صحابیت کا دور گزر چکا اور آپ کا زمانہ نبوت تاقیامت بلکہ ابدالاباد تک ہے۔ دیگر نبیوں کا زمانہ نبوت دوسرے نبی کے تشریف لانے اور ان کی نبوت منسوخ ہو جانے پر ختم ہو جاتا تھا۔ حضور کی نبوت منسوخ نہیں لہٰذا زمانہ نبوت کبھی ختم نہیں۔ **ان تقولوا ما جاءنا من بشیر ولا نذیر** یہ عبارت **قد جاءکم** کا مفعول لہ جس میں حضور انور کی تشریف آوری کی حکمت کا بیان ہے۔ **ان تقولوا** سے پہلے کراہتہ پوشیدہ ہے۔ یا ان سے پہلے لام پوشیدہ ہے اور ان کے بعد لا مقدر۔ اصل میں **لئلا** تھا۔ قول سے مراد یا تو دنیا میں لوگوں سے کہنا ہے۔ یا آخرت میں بارگاہ الٰہی میں عرض کرنا ہے۔ من زائدہ تنکیریہ ہے بشارت کے ساتھ اگر تصدیق کا ذکر ہو تو اس سے کسی نبی کی تشریف آوری کی بشارت مراد ہوتی ہے اور اگر اس کے ساتھ ڈرانے کا ذکر ہو تو رحمت بخشش معافی کی بشارت و خوشخبری مراد ہوتی ہے۔ یہاں بشارت دوسرے معنی میں ہے کیونکہ اس کے بعد **ولا نذیر** ہمارے حضور کسی نبی کے بشیر نہیں۔ کیونکہ آپ کے بعد نبی کوئی نہیں۔ ہاں حضور اللہ کی رحمت بخشش وغیرہ کے بشیر ہیں یعنی یہ محبوب اس لئے تشریف لائے تاکہ تم کل قیامت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی بدکاریوں کا یہ عذر نہ کر سکو۔ کہ مولیٰ گزشتہ نبیوں کی تعلیم دنیا سے گم ہو چکی تھی۔ کوئی اور نبی ہمارے پاس پہنچا نہیں۔ ہم نیک اعمال کس کی تعلیم سے کرتے یا تم دنیا میں لوگوں سے نہ کہو کہ ہماری کتابوں نبیوں نے آخری بشیر و نذیر کی آمد کی خبر دی تھی۔ مگر وہ تو کوئی نہ آئے۔ لہٰذا ہماری کتابیں غلط ہیں **فقد جاءکم بشیر و نذیر** یہ عبارت ان کی معذرت کا جواب ہے۔ بشیر و نذیر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور **کم** سے خطاب اہل کتاب سے ہے۔ **فقد** کی ف نصیحہ ہے۔ جس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی اب تم اپنی بے علمی کا عذر نہ کر سکو گے کہ تمہارے پاس عربی قریشی ہاشمی مطلبی نبی تشریف لے آئے۔ جو بشیر بھی ہیں نذیر بھی۔ اب تم کو ان کی اطاعت سے بغیر چارہ نہیں۔ سارے نبی بشیر و نذیر تھے۔ مگر ان کی بشارت و نذارت اور حضور کی بشارت و نذارت میں تین طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ وہ حضرات خاص قوم کے بشیر و نذیر ہوتے تھے۔ ہمارے حضور سارے جہان کے بشیر و نذیر ہیں **لیکون للعلمین نذیرا** دوسرے یہ کہ وہ حضرات ایک خاص وقت تک بشیر و نذیر ہوتے تھے۔ ہمارے حضور تاقیامت بلکہ روز قیامت کے بھی بشیر و نذیر۔ کیونکہ آپ کی نبوت کبھی منسوخ نہیں۔ تیسرے یہ کہ ان تمام حضرات کی بشارت و نذارت سن کر تھی۔ حضور کی بشارت و نذارت دیکھ کر حضور نے معراج میں جنت وہاں کے طبقے دوزخ وہاں کے درکات ان سب کے مستحقین بلکہ رب کی ذات و صفات کو دیکھا۔ اس لئے بشیر و نذیر تنوین سے فرمایا گیا۔ یعنی شاندار بشیر و نذیر **واللہ علی کل شئ قدیر** اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ صدیوں پیغمبر نہ بھیجے۔ اس پر بھی قادر ہے کہ آخر میں ایک ایسا رسول بھیج دے جو صدیوں کی تاریکی و کفر کو دور فرما

کرنہ مٹنے والا دن نکال دے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مظہر ہیں۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ گزشتہ زمانوں میں بیک وقت صدہا پیغمبر ہوں۔ مگر لوگ ہدایت کم لیں۔ اور اس پر بھی قادر ہے کہ اکیلے حضور سارے عالم کو ہدایت دیں۔ اس کی ہی قدرت تو ہے کہ رات کو لاکھوں چراغوں تاروں چاند سے نور دے۔ مگر پورا نہ ہو۔ پھر وہ قادر و قیوم دن میں ایک سورج سے سارے جہان میں روشنی کردے۔ جب ایک سورج ہر حصہ زمین کو چمکا سکتا ہے۔ تو ایک محمد رسول اللہ سارے جہان کے دلوں کو چمکا سکتے ہیں فرماتا ہے **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** ایک رسول تمام لوگوں کی زندگیوں کے لئے نمونہ ہیں۔ حالانکہ لوگوں کی زندگیاں مختلف ہیں۔ کسی کی زندگی شاہانہ ہے۔ کسی کی گدایانہ۔

خلاصہ تفسیر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تمام عالم کے لئے رحمت ہے عالم انسان کے لئے باعث فخر ہے۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے لئے حضور کی تشریف آوری بہت ہی بابرکت ہے۔ کہ حضور کی برکت سے ان کے نبیوں کے نام دنیا میں روشن ہو گئے ان کی کتب کی تصدیق دنیا نے کر دی حتیٰ کہ ان کے بعض اولیاء اللہ کی کرامات قرآن کریم میں منقول ہوئیں۔ جو تمام عالم میں مشہور ہو گئیں۔ یہود و نصاریٰ کے پوپ پادریوں کے چھپائے ہوئے توریت و انجیل کے بعض احکام درست ہو گئے ان وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں خصوصیت سے اہل کتاب کو مخاطب فرما کر نبی کریم کی تشریف آوری کا ذکر فرمایا۔ کہ ارشاد کیا اے آسمانی کتابوں توریت و انجیل وغیرہ کے جاننے ماننے والو تم سب کے پاس ہمارے وہ رسول تشریف لائے جن کی آمد کا تم کو بے چینی سے انتظار تھا۔ جن کی آمد کی خبر تمہارے انبیاء دے گئے تھے تمہاری کتب میں ان کی بشارتیں تھیں۔ جہاں ان کے تم پر اور بہت سے احسان ہیں وہاں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ وہ تمہارے سامنے تمہاری کتب کے اصلی و صحیح احکام ظاہر فرماتے ہیں تمہاری کتابوں تمہارے نبیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگر ان کی عظمت و قوت دیکھنا ہو تو اس میں غور کرو۔ کہ یہ اس وقت تشریف لائے جب مدتوں سے حضرات انبیاء کرام کی آمد بند ہو چکی تھی۔ دنیا نبوت کے نور سے محروم ہو گئی تھی۔ عالم میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ انہوں نے ایسے گھٹا ٹوپ میں تشریف لا کر عرب و عجم بلکہ سارے عالم کو نور سے معمور کر دیا۔ ان کی بعثت اس لئے ہوئی کہ تم قیامت میں یہ نہ کہہ سکو کہ مولا ہمارے پاس بشارت و نذارت والا کوئی نبی نہیں آیا۔ جو نبی آئے تھے۔ ہمارے زمانے میں ان کی تعلیم باقی نہ رہی تھی۔ اور ہمارے زمانہ میں کوئی نبی آیا نہیں۔ ہم تیری عبادت کیسے کرتے ایمان کیسے لاتے۔ اب تمہارے پاس بشیر و نذیر آخری نبی تشریف لے آئے تمہارا یہ عذر ختم ہو گیا۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کرے۔ اگر چاہے تو ایک وقت میں بہت سے نبی بھیجے۔ پھر ان کے پردہ فرمانے کے بعد ان کی تعلیم گم ہو جاوے۔ اور اگر چاہے تو ایک نبی سے سارے عالم میں اجالا کر دے اور ان کے نور کو تاقیامت باقی رکھے۔ رات میں لاکھوں تارے کھلیں مگر دن نہ نکلے۔ اور سویرے کو ایک سورج چمکے اور دن نکل آوے۔ یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت موسیٰ و

عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان سترہ سو یعنی تقریباً دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ اس دوران میں **ایک** ہزار رسولوں سے زیادہ تشریف لائے اور حضرت عیسیٰ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قریباً چھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اس درمیان میں کوئی نبی نہ آئے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ملک عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی نہ آئے۔ اسماعیل علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قریباً **چار** ہزار سال کا فاصلہ ہے اہل عرب بنی اسماعیل ہیں اور وہ سارے رسول بنی اسرائیل کے رسول تھے۔ بنی اسماعیل پر ان کی اطاعت واجب نہ تھی۔ عربی لوگ اولاً دین ابراہیمی پر رہے پھر دین محمدی میں آئے۔ ان میں کوئی یہودی عیسائی نہ تھا۔ نہ ہو سکتا تھا کہ انبیاء بنی اسرائیل ان کے نبی ہی نہ تھے۔ لہٰذا دوسرے لوگوں اور بنی اسرائیل کے لئے زمانہ فترت چھ سو سال تھا۔ اور اہل عرب کے لئے فترت قریباً چار ہزار سال ہے۔ غور کرو کہ جس خطہ میں چار ہزار سال تک نور نبوت نہ پہنچا ہو۔ وہاں تاریکی کا کیا حال ہو گا۔ یہ حال تھا کہ اہل عرب اسلامیت تو کیا انسانیت کھو چکے تھے۔ جانوروں میں بھی ماں اپنے بچوں کو خود نہیں کھاتی۔ مگر عرب کی عورت اپنی لڑکیوں کو اپنے ہاتھوں زندہ دفن کر دیتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قوم کو صرف تیرہ برس میں ٹھیک کیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ **شعر:**

☆ سب چمک والے اجلوں میں چمکا کئے ☆ اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی ☆

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے اہل کتاب امتوں کے بھی نبی ہیں۔ حضور کی نبوت کسی ملک کسی قوم کسی زمانہ سے خاص نہیں۔ ہر ملک ہر قوم کے لئے تاقیامت نبی ہیں یہ فائدہ **اهل الكتاب** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تمام دنیا کو فائدہ پہنچا۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ یہ فائدہ بھی **جاءكم** میں **كم** خطاب سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل توریت و انجیل سے بھی خبردار ہیں اور یہود و نصاریٰ کی تحریفوں سے بھی باخبر ہیں یہ فائدہ **يبين** الخ سے حاصل ہوا۔ اصل توریت و انجیل اور اس کی تحریفوں کو وہ ہی بیان کر سکتا ہے۔ جو ان سے واقف ہو۔ **چوتھا فائدہ** حضور کی تشریف آوری سے صدیوں پہلے انبیاء کرام کی تشریف آوری بند ہو چکی تھی۔ دنیا میں اندھیرا چھا چکا تھا۔ یہ فائدہ **على فترة من الرسل** سے حاصل ہوا۔ اس فاصلہ کی رفتار ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ دنیا میں چھ سو برس اور عرب میں چار ہزار سال سے کوئی نبی نہ آئے تھے۔ **پانچواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا پر اللہ کی حجت ہیں۔ جن سے اہل کفر و عناد کی زبانیں بند ہو گئیں۔ یہ فائدہ **ان تقولوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** حضور سے لے کر قیامت تک کبھی زمانہ فترت نہ ہو گا۔ نہ کبھی دنیا سے نور نبوت غائب ہو۔ کیونکہ اس مدنی سورج صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کبھی غروب نہیں۔ یہ سورج ہمیشہ چمکے گا۔ یہ فائدہ **على فترة من الرسل** سے حاصل ہوا۔

☆ کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے ☆ پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی ☆

ساتواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبشر و مصدق نہیں۔ بلکہ تمام نبیوں کے صرف مصدق ہیں۔ ہاں حضور بشیر و نذیر ہیں۔ یعنی ثواب و عذاب کی خبریں دینے والے۔ مگر حضور کی بشارت و نذارت دیکھی ہوئی ہے دیگر انبیاء کرام کی بشارتیں سنی تھیں۔

پہلا اعتراض جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تمام انسانوں بلکہ تمام جہانوں کے لئے ہے اور سب کی طرف ہے تو یہاں صرف اہل کتاب کو مخاطب کر کے کیوں فرمایا گیا۔ کہ تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے۔ **جواب** چند وجوں سے۔ ایک یہ کہ عرب میں اہل کتاب کی بڑی عزت تھی۔ کیونکہ وہ اہل علم بھی تھے اور اولاد انبیاء بھی۔ ان کے ایمان لے آنے سے دوسرے لوگوں کے ایمان کی قوی امید تھی۔ اس لئے انہیں خصوصیت سے دعوت ایمان دینے کے لئے انہیں خطاب فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ اہل کتاب ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے۔ اور لوگوں کو منتظر بنائے ہوئے تھے تیسرے یہ کہ حضور کی تشریف آوری سے زیادہ فائدہ اہل کتاب کو ہی پہنچا کہ حضور کے دم قدم سے ان کے نبیوں ان کی کتابوں کی تصدیق تائید ہوئی۔ ان کی کتب کی تصحیح ہوئی۔ **دوسرا اعتراض** یہاں اللہ تعالیٰ نے **رسولنا** کیوں فرمایا **رسولکم** یا **رسولکم منکم** یا **رسول من انفسکم** کیوں نہ فرمایا جیسا کہ مسلمانوں سے فرمایا ہے۔ **لقد جاءکم رسول من انفسکم** **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اگرچہ سارے انسان حضور کے امت دعوت ہیں۔ مگر امت اجابت صرف مسلمان ہیں۔ جنہوں نے حضور کو نبی مانا۔ اپنے کو حضور کا امتی جانا۔ لہذا **رسولکم** یا **رسول منکم** یا **رسول من انفسکم** مسلمانوں سے ہی فرمانا موزوں ہے۔ اہل کتاب جن سے یہاں خطاب ہے انہوں نے حضور کو رسول مانا ہی نہیں۔ اپنے کو حضور کا امتی جانا ہی نہیں۔ اس لئے **رسولکم** نہ فرمانا ہی موزوں ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں یہ کیوں ارشاد فرمایا **علٰی فترۃ من الرسل** کیا نبیوں کی آمد کا بند ہو جانا اور اس کے بعد تشریف لانا اس میں کوئی خوبی ہے۔ **جواب** جی ہاں یہ بڑی خوبی ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ نعت ہے۔ حضور کے زمانہ میں کسی نبی کا نہ ہونا صرف حضور ہی کا اکیلے سب کی اصلاح فرمانا بھی حضور کا کمال ہے۔ حضور کے بعد تاقیامت کسی نبی کا نہ آنا اس میں بھی حضور کا کمال ہے کہ گزشتہ انبیاء کرام کے پردہ فرمانے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ان کی کتابیں اور دین مسخ ہو جاتے تھے۔ حضور کی یہ خصوصیت ہے کہ تاقیامت نہ آپ کی کتاب قرآن مسخ ہوا نہ آپ کا دین بدلا نہ بدلے۔ علماء کے ذریعہ دین باقی رکھا گیا۔ یونہی حضور کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ حضور نے ایسے وقت میں ایسے لوگوں کو درست کیا جب نبوت کا نور صدیوں سے بجھ چکا تھا۔ خصوصاً عرب تو چار ہزار برس سے نبوت سے محروم تھا۔ پھر حضور نے صرف ان لوگوں کی اصلاح ہی نہیں کی بلکہ ان میں سے ایسے موتی بنائے کہ سبحان اللہ انہیں میں صدیق و فاروق بنائے انہیں میں عثمان و علی جیسے چمکدار ستارے چمکائے۔ غرض کہ یہ فرمان حضور کی شان ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ **چوتھا**

اعتراض اس آیت کریمہ میں حضور انور کی تشریف آوری کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس بشیرونذیر نبی نہ آئے۔ حضور کے بعد والے قیامت تک کے لوگ بھی یہ ہی کہہ سکتے ہیں لہٰذا حضور کے بعد بھی نبوت لازمی ہے۔ نبی آنا چاہیے۔ لہٰذا حضور انور کے بعد بھی نبی آئے اور آئیں گے۔ (مرزائی) جواب اس کا جواب ابھی تیسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہوگیا۔ کہ حضور کے پردہ فرمانے سے تاقیامت زمانہ فترت نہ آدے گا کہ نور نبوت بجھ جاوے۔ لوگ بے خبرہ جاویں۔ حضور کا سورج ہمیشہ چمکتا ہی رہے گا۔ پھر لوگوں کو یہ شکایت کیسی ہو سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہمیشہ کے لئے تشریف لے آئے۔

تفسیر صوفیانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کی طرف سب کے پاس تشریف لائے۔ مگر کفار کے صرف کانوں میں آئے کہ انہوں نے صرف حضور کا نام سن لیا۔ بعض کفار کی صرف آنکھوں میں آئے جیسے ابو جہل ابولہب نے صرف چہرہ انور دیکھ لیا۔ بعض مسلمانوں کے دماغوں میں بھی آئے کہ انہوں نے حضور انور کو نبی مان لیا۔ بعض عشاق کے سینوں میں تشریف لائے۔ جس سے ان کا سینہ رحمت کا گنجینہ بن گیا۔ مگر فنافی الرسول لوگوں کے دلوں میں تشریف لائے جن سے ان کے دل عرش معلی بن گئے۔ غرضیکہ آنے والے محبوب ایک ہیں۔ مگر آمد کی نوعیتوں میں فرق ہے جیسے قرآن کریم کسی کے صرف ہاتھوں میں آتا ہے کسی کے دماغ میں رہتا بستا ہے۔ کسی کے دل میں جلوہ گن ہوتا ہے۔ عام مسلمانوں کے ہاتھوں میں حافظوں کے دماغوں میں علماء و صوفیاء کے دلوں میں آتا ہے یا جیسے سورج زمین شورہ کے صرف ظاہر کو چمکاتا ہے۔ مگر اعلیٰ زمین کے اندرون میں بھی پہنچتا ہے۔ کہ وہاں دانہ کو پرورش کر کے اگاد یتا ہے لہٰذا اہل کتاب سے جاءکم فرمانا اور نوعیت کے لئے ہے۔ مومنین سے جاءکم فرمانا اور نوعیت کا ہے۔ جو چیز انتظار کے بعد ملتی ہے اس کی قدر ہوتی ہے۔ حضور کی آمد کا انتظار صدیوں کرایا۔ پھر بھیجا تاکہ لوگ اس نعمت عظمیٰ کی قدر جانیں۔ حضور اللہ کی طرف سے گواہ ہیں۔ کسی کے لئے گواہ کسی پر اس کے خلاف گواہ کہ قیامت میں رب تعالیٰ کے فیصلے کفار کی زبان بندی حضور ہی کے ذریعہ ہوگی۔ اس آیت میں حضور کے اس وصف کا ہی بیان ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یبین لکم میں یبین کا مفعول پوشیدہ ہے۔ جس کی وجہ سے اس میں بہت گنجائش ہوگئی۔ حضور ہمیشہ ہر مفید چیز بیان فرماتے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کو اس کی اپنی حقیقت بتاتے ہیں کہ تو کون ہے اور تیرا درجہ کیا ہے۔ جس نے یہ سمجھ لیا وہ عارف باللہ ہوگیا۔ اور اپنے کو رب تک پہنچنے کا ذریعہ بتاتے ہیں۔ بندے کی بڑی ترقی یہ ہے کہ حضور کے قدم تک پہنچ جاوے۔ شعر:۔

☆ تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا ☆ میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا ☆

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے واسطے اپنی قوم کے اے قوم میری یاد کرو تم نعمت اللہ کی جو اوپر تمہارے ہے جب کہ بنائے اس نے

اور جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو کہ تم میں سے پیغمبر

اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢٠

تم میں نبی اور بنایا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو وہ جو نہ دیا کسی کو جہان والوں میں سے

کئے اور تمہیں بادشاہ کیا اور تمہیں وہ دیا جو آج سارے جہان میں کسی کو نہ دیا

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا

اے قوم میری داخل ہو جاؤ زمین پاک میں وہ جو لکھی اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ پھر

اے قوم اس پاک زمین میں داخل ہو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھی ہے اور پیچھے

عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝٢١

جاؤ اوپر پیٹھوں کے اپنی ورنہ لوٹو گے تم خسارہ پانے والے

نہ پلٹو کہ نقصان پر پلٹو گے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان فرمائی گئی۔ **یبین لکم** کہ وہ تم کو بھولی باتیں بھولے واقعات بھولا دین بتاتے اور بیان فرماتے ہیں۔ اب حضور ہی کی معرفت بنی اسرائیل کا ایک بڑا پرانا بھولا ہوا واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ گویا یہ آیت **یبین لکم** کی تفصیل یا دلیل ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہ محبوب اس وقت تشریف لائے۔ جب عرصہ تک دنیا نبوت کے نور سے محروم رہ چکی تھی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ بنی اسرائیل میں اس کثرت سے نبی تشریف لائے کہ ایک زمانہ ایک شہر میں بہت سے انبیاء کرام تشریف فرما ہوتے تھے۔ گویا فترت کے بعد کثرت کا ذکر ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں اہل کتاب سے خطاب فرما کر حضور کی بشارت دی گئی تھی۔ اب انہیں اہل کتاب کو گزشتہ اعلیٰ نعمتیں سنائی جا رہی ہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اہل کتاب کو دعوت اسلام دی گئی۔ اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ پر ایمان نہ لائیں۔ تو آپ غم نہ کریں۔ کیونکہ یہ پرانے پاپی ہیں۔ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہمیشہ پریشان کرتے رہے۔ اگر آپ کو تنگ کریں تو ان سے کیا بعید ہے۔

تفسیر واذ قال موسیٰ لقومه یہ نیا جملہ ہے۔ واؤ ابتدائیہ ہے اذ سے پہلے ایک فعل پوشیدہ ہے **اذکروا** یا **اذکر**۔ اگر **اذکروا** پوشیدہ ہے تو بنی اسرائیل سے خطاب ہے اور اگر **اذکر** پوشیدہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب

ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے۔ اگر حضور سے خطاب ہے تو اس کے معنی ہیں یاد فرماؤ یا بنی اسرائیل کو یاد دلاؤ یا مسلمانوں کو سناؤ یاد کراؤ۔ غرض کہ اس کی پانچ چھ تفسیریں ہیں۔ **لقومہ قال** کے متعلق ہے۔ ہ ضمیر کا مرجع موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ قوم کے معانی اس کی اقسام ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ یہاں قوم سے یا نسبی قوم مراد ہے یا ملکی قوم۔ کیونکہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ہم نسب بھی تھے ہم ملک بھی' اور ہو سکتا ہے کہ مذہبی قوم مراد ہو۔ یہ بنی اسرائیل سارے مومن تھے۔ یعنی اے بنی اسرائیل وہ واقعہ یاد کرو یا یاد رکھو یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ واقعہ دھیان میں رکھو یا بنی اسرائیل کو یاد دلاؤ یا اس واقعہ کا اپنی امت سے ذکر کرو۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نسبی یا ملکی یا مذہبی قوم سے یہ فرمایا تھا۔ یعنی بنی اسرائیل سے **یقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم** یہ جملہ **قال موسیٰ** کا مفعول بہ ہے۔ **اذ** سے پہلے **اذکر** پوشیدہ ہے۔ یعنی اے محبوب وہ واقعہ یاد کرو۔ جو آپ کے علم و مشاہدہ میں ہے۔ ہماری آنکھ کی بصارت کے لئے پانچ شرطیں ہیں۔ چیز موجود ہو معدوم نہ ہو۔ سامنے ہو پیچھے نہ ہو۔ نزدیک ہو۔ دور نہ ہو۔ کچھ دور بھی ہو بالکل نزدیک نہ ہو۔ روشنی میں ہو اندھیرے میں نہ ہو۔ بے پردہ ہو پردہ کی آڑ میں نہ ہو۔ مگر دل کی بصیرت اور دماغ کے خیال کے لئے یہ کوئی چیز شرط نہیں۔ خیالی موجود' معدوم' دور قریب اگلی پچھلی سب چیزیں دیکھ لیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت نظری ہماری قوت خیال سے زیادہ قوی ہے۔ اگلی پچھلی باتیں سب دیکھتی ہے۔ اس لئے **اذ** سے پہلے **اذکر** ارشاد ہوا۔ جناب کلیم اللہ کا ان سرکشوں کو **یقوم** فرما کر پکارنا تالیف قلوب کے لئے ہے۔ طریقہ تبلیغ یہ ہی ہے کہ نرمی سے کلام کیا جاوے **اذکروا' اذکر** سے مشتق ہے ۔ بمعنی یاد کرنا۔ یاد زبانی بھی ہوتی ہے۔ جنانی بھی۔ ارکانی بھی۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا بھی عبادت ہے۔ دل سے ان کا اعتراف و اقرار کرنا بھی عبادت ہے۔ نعمتوں کے شکریہ میں نیک اعمال کرنا گناہ سے بچنا بھی عبادت ہے۔ یہاں تینوں قسم کے ذکر مراد ہیں۔ یہاں نعمت اللہ سے مراد عام نعمتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ اور خاص نعمتیں بھی۔ جو خصوصاً بنی اسرائیل کو عطا ہوئیں۔ دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں جیسا کہ **علیکم** سے معلوم ہو رہا ہے اس نعمت کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ یعنی اے میری قوم اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو۔ یاد رکھو جو خصوصیت سے تم پر ہیں۔ ان نعمتوں کا زبان سے چرچا کرو۔ دل سے بھی اقرار و اعتراف کرو نیز اس شکریہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میری فرمانبرداری کرو۔ وہ نعمتیں یہ ہیں۔ **اذجعل فیکم انبیاء اذ** یا تو ظرفیہ ہے اور یہ جملہ **اذکروا** کا مفعول بہ ہے یا **اذ تعلیلیہ** ہے اور یہ جملہ **اذکروا** کی علت ہے موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر تین خصوصی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ پہلی نعمت نبوت ہے۔ بنی اسرائیل میں بہت زیادہ نبی تشریف لائے۔ کسی قوم کسی قبیلہ میں اتنے نبی نہ آئے جتنے بنی اسرائیل میں۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام سے لے کر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام نبی بنی اسرائیل میں آئے۔ صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل میں تشریف لائے۔ اگرچہ بہت نبی بنی اسرائیل میں آنے والے تھے مگر چونکہ ان کی تشریف آوری یقینی تھی اس لئے **جعل** ماضی فرمایا گیا (تفسیر کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

بعد سے سارے نبی جناب ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد میں ہوئے بنی اسحاق میں انبیاء بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل میں ہمارے حضور۔ یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ صرف بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل میں ہی نبی بھیجے گا۔ **وجعلکم ملوکا** یہ عبارت **جعل فیکم** پر معطوف ہے۔ اور **قال موسیٰ** کا مقولہ۔ یہاں بھی **کم** میں خطاب بنی اسرائیل سے ہے۔ اس میں حق تعالیٰ کی دوسری نعمت کا ذکر ہے۔ یعنی بنی اسرائیل کو سلطنت عطا ہونا۔ **ملوک** جمع ہے **ملک** کی بمعنی سلطان و بادشاہ جیسے بنی اسرائیل میں نبی بہت ہوئے ایسے ہی ان میں سلاطین و بادشاہ بہت ہوئے۔ حتیٰ کہ بعض وہ ہستیاں بھی ہیں جو نبی بھی ہیں سلطان و بادشاہ بھی۔ جیسے یوسف علیہ السلام اور داؤد و سلیمان علیہما السلام۔ چونکہ قوم کے ایک فرد کا بادشاہ ہونا گویا کل قوم کی سلطنت ہے اس لئے یہاں **جعلکم** فرمایا۔ **جعل فیکم** نہ فرمایا اور کسی قوم میں کسی فرد کا نبی ہونا ساری قوم کی نبوت نہیں۔ اس لئے وہاں **جعل فیکم انبیاء** فرمایا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں ملوک سے مراد آزاد ہونا۔ وسیع مکانوں کا مالک ہونا جس میں نہریں ہوں۔ خادم و لونڈیوں کا مالک ہونا کہ بنی اسرائیل پہلے فرعون کی رعایا تھے۔ رب نے اسے غرق کر کے انہیں آزاد مختار کیا۔ لہٰذا یہ سب لوگ ملک یعنی آزاد و مختار و مالدار ہوئے۔ اس صورت میں تمام بنی اسرائیلی ملوک ہوئے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں جو شخص ایک گھر ایک خادم کا مالک ہوتا اور اس کی بیوی ہوتی تو اسے ملک کہا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے کسی نے کہا کہ ہم فقراء مہاجرین ہیں۔ فرمایا کیا تمہارے پاس بیوی ہے۔ بولا ہاں۔ فرمایا کیا تیرے پاس رہنے کو گھر ہے۔ بولا ہاں۔ فرمایا تو غنی ہے۔ وہ بولا میرے پاس ایک خادم بھی ہے فرمایا تو بادشاہ ہے (خازن) بہر حال بنی اسرائیل کو ملوک فرمانا ہر طرح درست ہے۔ **واتکم مالم یوت احدا من العلمین** یہ بنی اسرائیل کی تیسری خصوصی نعمت کا ذکر ہے اتا کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ **ما** سے مراد دریا چیرنا' فرعون کو ہلاک کرنا۔ پتھر سے پانی کے چشمے جاری فرمانا جس سے بنی اسرائیل سیراب ہوں ان پر من و سلویٰ اتارنا۔ بادل سے ان پر سایہ کرنا ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض نعمتیں وہ ہیں جو اس فرمان کے بعد انہیں ملیں۔ مگر چونکہ ان کا ملنا یقینی تھا اس لئے **اتی** ماضی فرمایا گیا۔ اس تفسیر سے **العلمین** بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ کیونکہ واقعی یہ مذکورہ انعامات بنی اسرائیل کے سوا نہ ان سے پہلے کسی قوم کو ملے نہ ان کے بعد تاقیامت کسی کو ملیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس جملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے خطاب ہے۔ مگر یہ تفسیر گزشتہ اور آئندہ مضامین کے خلاف ہے۔ بعض نے فرمایا **العلمین** سے مراد اس زمانہ کے جہانوں والے ہیں۔ مگر ہماری اس تفسیر سے اس قید کی ضرورت نہیں۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بنی اسرائیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے افضل ہو جاویں۔ **یقوم ادخلوا الارض المقدسة** یہ عبارت یا تو **اذکروا نعمة اللہ** کی عملی تفسیر ہے۔ یا اس کا نتیجہ دوبارہ **یقوم** فرمانا اس قوم کی عزت افزائی اور جہاد کی ترغیب کے لئے ہے **دخول** سے مراد مجاہدانہ فاتحانہ شان سے وہاں داخل ہونا ہے۔ **ارض مقدسة** کے معنی ہیں صاف کی ہوئی زمین کہ وہ جگہ وبائی بیماریوں' قحط' بھوک' آفات سے صاف

کردی گئی ہے۔ کہ وہاں یہ بلائیں نہیں آتیں یا پاک و ستھری کی ہوئی زمین جسے اللہ نے شرک و کفر سے پاک فرمادیا۔ کیونکہ وہ حضرات انبیاء کرام کی قیام گاہ ہے۔ قوم جبارین کا وہاں تسلط عارضی ہے۔ جس سے اس کی اصلی پاکی و بزرگی میں فرق نہیں پڑتا۔ اس سے مراد زمین بیت المقدس ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس' امام سدی' اور ابن زید نے فرمایا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے زمین طور مراد ہے۔ بعض نے کہا زمین شام یعنی دمشق وغیرہ۔ مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ یعنی اے میری قوم بنی اسرائیل زمین بیت المقدس میں مجاہدانہ غازیانہ' فاتحانہ طور پر داخل ہو جاؤ۔ قوم جبارین کو وہاں سے نکال دو۔ جو وہاں قبضہ کئے بیٹھے ہیں **التی کتب اللہ لکم** یہ ارض مقدسہ کی صفت ہے لکھنے سے مراد بنی اسرائیل کی تقدیر میں لکھنا ہے۔ یا لوح محفوظ میں لکھنا اور مطلب یہ ہے کہ میں لوح محفوظ اور اس کی تحریر دیکھ رہا ہوں۔ وہاں لکھا ہوا ہے کہ یہ زمین تم کو ملے گی۔ یا لکھنے سے مراد ہے فرض فرمانا۔ جیسے **کتب علیکم الصیام** مگر یہ توجیہ کچھ ضعیف سی ہے۔ کیونکہ جب **کتب** بمعنی فرض ہو تو اس کے بعد **علی** آتا ہے۔ لام نہیں آتا۔ یہ مطلب ہے کہ میرے منہ سے نکل گیا کہ یہ زمین تم کو ملے گی۔ یہ رب تعالیٰ کی تحریر ہو گئی کہ میری زبان **کن** کی کنجی ہے۔ پہلے دو معنی ہیں لکھنا حقیقت ہے باقی معانی میں مجاز ہے۔ **لکم** کا متعلق یا مسکنا ہے یا **تکون** ہے یا لام بمعنی **علی** ہے اور یہ کتب کے متعلق یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری تقدیر میں یا لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ یہ زمین مقدسہ تمہارا وطن و مسکن بنے گی۔ یا آخر کار تم کو ملے گی۔ یا اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض فرمادیا کہ اس زمین پر جہاد کر کے فاتحانہ شان سے داخل ہو۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے تحریریں چار قسم کی ہیں۔ تین تحریریں تو چیز کے ہونے سے پہلے اور ایک تحریر اشیاء کے وجود کے ہونے کے بعد۔ سارے عالم کے بننے سے پہلے ایک ایک واقعہ کی تحریر لوح محفوظ میں۔ دوسرے پندرھویں شعبان کی شب میں سال بھر کے آنے والے واقعات کی تحریر فرشتوں کے صحیفوں میں۔ تیسرے ماں کے پیٹ میں بچے کے آئندہ حالات کی تحریر۔ چوتھے اعمال کرنے پر نامہ اعمال کی تحریر۔ یہاں پہلی تحریر مراد ہے۔ **ولا ترتدوا علی ادبارکم** یہ عبارت **ادخلوا الارض** الخ پر معطوف ہے۔ **ارتداد** سے مراد ہے پھر جانا۔ **ادبار** سے مراد ہیں جمع دبر کی۔ یعنی یہ حکم سن کر تم آگے بڑھو غازیانہ شان سے چلو۔ بزدل ہو کر پیٹھوں کی طرف یعنی پیچھے مصر وغیرہ کی جانب مت لوٹ جاؤ۔ ہو سکتا ہے۔ کہ **ارتداد** سے مراد دین سے پھر جانا۔ مرتد ہو جانا ہو۔ یعنی اس حکم پر فوراً عمل کرو۔ اس کا انکار کر کے مرتد نہ ہو جاؤ کیونکہ نبی کے حکم کا انکار کفر ہے پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ **فتنقلبوا خسرین** یہ عبارت یا تو **لا ترتدوا نہی** کا جواب ہے یا ایک پوشیدہ شرط کی جزاء۔ انقلاب سے مراد یا زمین میں لوٹ جانا ہے۔ یا دین سے پھر جانا **خسرین** حال ہے **تنقلبوا** کے فاعل **انتم** سے یہ خسارہ سے بنا ہے۔ بمعنی پورا گھاٹا عظیم نقصان یعنی اگر تم نے جہاد نہ کیا اور مصر کو واپس لوٹ گئے۔ تو پورا پورا نقصان اٹھا کر لوٹو گے۔ کہ پھر قوم جبارین تم کو بزدل سمجھ کر تم پر حملہ کردے گی۔ تم کو مصر سے بھی نکال دے گی۔ یا اگر تم مرتد ہو گئے تو دونوں جہان میں نقصان پاتے ہوئے مرتد ہو گے۔ جس سے تمہاری دنیا بھی خراب دین بھی برباد ہوگا۔

جہاد کبھی فرض ہوتا ہے کبھی نہیں۔ اور جب فرض ہوتا ہے تب بھی سب پر قتل و جنگ فرض نہیں ہوتی۔ بعض غازی لڑتے ہیں بعض ان کا کھانا پکاتے زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے ہیں۔ بعض شہروں میں رہ کر ملک کی حفاظت اور دوسرے کام کرتے ہیں۔ مگر جب نبی لڑنے کو فرمادیں تو لڑنا فرض ہو جاتا ہے۔ اس کا انکار کفر۔ یہ ہی آپ نے فرمایا کہ میرے اس فرمانے سے کہ **ادخلوا الارض المقدسة** تم سب پر وہاں داخل ہو جانا فرض ہو گیا۔ اب اس کا انکار کرکے مرتد نہ ہو۔

خلاصہ تفسیر ہماری بیان کردہ تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت بھی یاد فرماؤ جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ اے میری قوم اللہ کی وہ نعمتیں یاد کرو جو تم پر ہیں کہ اس نے تم میں بہت سے نبی مبعوث فرمائے کہ اتنے نبی کسی قوم میں نہیں آئے۔ یہ تمہاری بڑی عزت ہے۔ نیز تم سب کو دنیاوی بادشاہ بنایا کہ بنی اسرائیل میں بڑے بڑے سلطان و حکمران کئے۔ جس سے تم شاہی قوم ہوئے۔ اور تم کو وہ نعمتیں بخشیں جو نہ تم سے پہلے کسی قوم کو ملیں اور نہ تمہارے بعد تاقیامت کسی کو ملیں۔ تمہاری خاطر فرعونی لوگ غرق کئے گئے۔ دریا چیرا گیا۔ تم پر من و سلویٰ اترنے والا ہے۔ تم میں کثرت سے اولیاء اللہ ہوئے اور رہوں گے۔ لہٰذا تم ان نعمتوں کا شکریہ اس طرح ادا کرو۔ کہ بیت المقدس کی پاک زمین پر قوم جبارین کا قبضہ ہے۔ تم ان پر جہاد کرو اور فاتحانہ شان سے بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ اس ظالم و جابر و کافر قوم کو ہلاک کر دو۔ اس پاک خطہ کی بادشاہت وہاں کا رہن سہن تمہاری ہی قسمت میں لکھا گیا ہے۔ لہٰذا تم اس میں کوشش کرو۔ خیال رکھو کہ اب پیٹھ پھیر کر مصر کی طرف نہ لوٹ جانا ورنہ تم لوگ دنیا و آخرت میں سخت نقصان پاؤ گے۔ تمہاری یہ حرکت بزدلی ہو گی جس سے دشمن کی ہمت بڑھ جاوے گی۔ اور اس میں رب تعالیٰ کی نافرمانی اور میری مخالفت ہو گی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ خیال رہے کہ اس زمانہ میں دو مقدس بستیوں پر کفار کا غلبہ تھا اور وہاں کفر کا غلبہ تھا۔ مصر اور فلسطین، مصر پر فرعون قابض تھا فلسطین پر قوم عمالقہ۔ رب چاہتا تھا کہ یہ بستیاں تو نہ اجڑیں مگر کفار سے خالی ہو جائیں یہاں اسلام و ایمان کا راج ہو۔ چنانچہ مصر تو فرعونیوں سے اس طرح خالی کرالیا کہ بنی اسرائیل کو ان پر جہاد نہ کرنا پڑا۔ باہر نکال کر اسے غرق کر دیا گیا۔ کیونکہ اس وقت بنی اسرائیل غلام تھے۔ ان کی نہ حکومت تھی نہ ان میں جہاد کی قوت۔ اب یہ لوگ آزاد ہو چکے تھے۔ قوت و سلطنت والے تھے۔ حکم ہوا کہ اب فلسطین کو تم جہاد کرکے کفار سے خالی کراؤ۔ جیسی بندے کی طاقت ویسے رب کے احکام۔ درختوں کو اپنی جگہ کھڑے کھڑے پانی کھاد پہنچایا جاتا ہے۔ پرندوں کو روزی کے لئے جانا تو پڑتا ہے۔ مگر کمانا نہیں پڑتا۔ انسان کو جانا بھی پڑتا ہے۔ کمانا بھی، پھر انسان کو لڑکپن میں بغیر کمائے وہ روزی ملتی ہے۔ جو چبانا بھی نہیں پڑتی جوں جوں قوت آتی ہے غذا اور طریقہ غذا بدلتی ہے یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقدس شہر مکہ بھی کفار کے قبضہ میں تھا۔ اسے بھی حضور کی معرفت خالی کرایا گیا۔ مگر وہاں سے کفار نکالے نہ گئے۔ بلکہ کفار کے دلوں سے کفر نکال کر انہیں مسلمان کر دیا گیا۔ یہ فرق ہے کلیم و حبیب میں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی نئی و پرانی نعمتیں یاد کرنا۔ یاد رکھنا ان کا چرچا کرنا بڑی عبادت ہے۔ خواہ شخصی نعمتیں ہوں یا قومی دنیاوی نعمتیں ہوں یا اخروی۔ پھر یاد کرنا خواہ قولاً ہو یا اعتقاداً یا عملاً" یہ فائدہ **اذکروا** اور **نعمت اللہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ لہذا عرس بزرگان مجلس میلاد شریف بچوں کی سالگرہ۔ یوم آزادی' یوم انقلاب وغیرہ منانا بھی محبوب ہے کہ ان سب میں اللہ کی نعمت کی یاد منانا ہے۔ **دوسرا فائدہ** نبیوں کی اولاد ہونا ان کا ہم قوم ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ یہ فائدہ **اذجعل فیکم انبیاء** سے حاصل ہوا۔ لہذا آج حضرات سادات کرام بہت شرافت و عظمت والے ہیں کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہیں۔ بشرطیکہ مومن ہوں۔ کافر کے لئے نبی کا بیٹا ہونا بھی بیکار ہے۔ دیکھ لو آج اسرائیلیوں کی کوئی عزت نہیں حالانکہ وہ اولاد انبیاء ہیں۔ کیونکہ وہ کافر ہو چکے۔ کنعان ذلیل ہوا اگرچہ نبی زادہ تھا کیونکہ کافر تھا۔ **تیسرا فائدہ** حکومت و سلطنت بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ ہر آزاد قوم کو اس کی قدر اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ یہ فائدہ **وجعلکم ملوکا** سے حاصل ہوا۔ دیکھ لو ہجرت سے پہلے تیرہ سالہ تبلیغ سے صرف چند لوگ مسلمان ہوئے اور بعد ہجرت جب اللہ نے حضور کو سلطنت و حکومت دی تو دس سالہ تبلیغ سے ہزارہا بلکہ لاکھ سے زیادہ آدمی اسلام لائے۔ زمانہ فاروقی کی فتوحات اسلامی تبلیغ تاقیامت مشہور رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پاکستان کو دائم قائم رکھے۔ تمام اسلامی ممالک کو ترقیاں دے۔ **چوتھا فائدہ** نبی کی قوم نبی نہیں کہلاتی مگر بادشاہ کی قوم بادشاہ کہلاتی ہے۔ یعنی نبی شہزادے اپنے کو نبی نہیں کہہ سکتے۔ مگر شاہزادے اپنے کو بادشاہ کہہ سکتے ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ملوک فرمایا مگر انہیں نبی نہ فرمایا بلکہ فرمایا **وجعل فیکم انبیاء** **پانچواں فائدہ** بنی اسرائیل کو رب تعالیٰ نے بعض ایسی نعمتیں دیں جو نہ ان سے پہلے کسی کو دیں نہ بعد میں جیسے من و سلویٰ برسانا۔ غیبی روشنی کے لئے اسمان سے نورانی ستونوں کا اترنا۔ پتھر سے پانی کے چشمے بہتے رہنا۔ بحر قلزم کا چیرنا وغیرہ۔ یہ فائدہ **واتکم** الخ سے حاصل ہوا۔ مگر ان بے قدروں نے ہمیشہ احسان فراموشی کی جس سے تاقیامت ذلیل و خوار ہو گئے۔ **چھٹا فائدہ** جس سرزمین میں اللہ کے مقبول بندے رہیں۔ وہ مقدس ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ **الارض المقدسۃ** سے حاصل ہوا کہ سرزمین فلسطین اس لئے مقدس ہے۔ کہ وہ حضرات انبیاء کا جائے مقام ہے۔ **ساتواں فائدہ** اگر کسی متبرک مقام پر مشرکین و کفار غلبہ کرلیں تو اس سے ان مقامات کے تقدس میں فرق نہیں آتا۔ دیکھو اس وقت زمین بیت المقدس پر قوم جبارین کا قبضہ تھا مگر اسے ارض مقدسہ فرمایا گیا۔ جب کعبۃ اللہ شریف میں بت تھے۔ تب بھی وہ بیت اللہ تھا۔ اگر مسجد میں کتے گھس جاویں تو مسجد کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ **آٹھواں فائدہ** جہاد بڑی پرانی عبادت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی تھا۔ یہ فائدہ **یقوم ادخلوا** الخ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہاں داخلہ سے مراد بیت المقدس میں فاتحانہ غازیانہ مجاہدانہ داخلہ ہے۔ **نواں فائدہ** اللہ کی نعمتوں کا شکریہ عملی یہ ہے کہ اس کی اطاعت اس کے نبیوں کی فرمانبرداری کی جاوے۔ صرف زبان سے الفاظ ادا کر دینا کافی نہیں دیکھو یہاں **اذکروا نعمۃ اللہ** کے بعد **ادخلوا**

الارض فرمایا گیا۔ کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر یہ ہے کہ بیت المقدس پر جہاد کرو۔ **دسواں فائدہ** جس بستی میں اللہ کے مقبول بندے رہتے ہوں یا مقبولوں کی قبریں ہوں۔ ان بستیوں کو شریف یا مقدس یا معظم کہنا چاہیے جیسے **مکہ معظمہ** 'مدینہ منورہ یا بغداد شریف' اجمیر شریف وغیرہ۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے فلسطین کی زمین کو جہاں حضرات انبیاء کرام کے مزارات ہیں۔ ارض مقدسہ فرمایا۔ یہ آیت اس مسئلہ کی ماخذ ہے کہا جاتا ہے مزاج شریف۔ اسم شریف' جب مزاج اور اسم شریف ہو سکتا ہے۔ تو بغداد و اجمیر و سرہند کو بھی شریف کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ مقامات بزرگوں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہیں **گیارہواں فائدہ** اللہ کے مقبول بندوں کی نگاہ لوح محفوظ میں لگی ہے۔ وہ حضرات وہاں کے واقعات جانتے ہیں۔ یہ فائدہ **کتب اللہ لکم** سے حاصل ہوا۔ اگر رب تعالیٰ نے کسی کو کچھ بتانا ہی نہ تھا تو لوح محفوظ میں یہ سب لکھا کیوں خدا کو اپنے بھول جانے کا اندیشہ تو نہ تھا۔ بلکہ کسی کو بتانا مقصود تھا۔ اس لئے سب کچھ لکھ دیا۔ اس وجہ سے اسے کتاب مبین کہتے ہیں یعنی خاص بندوں پر ظاہر کرنے والی کتاب۔

پہلا اعتراض بنی اسرائیل کو نبوت بھی دی گئی اور سلطنت بھی۔ مگر نبوت کے متعلق فرمایا گیا **جعل فیکم انبیاء** اور سلطنت کے متعلق ارشاد ہوا **جعلکم ملوکا** بیان میں فرق کیوں ہے۔ دونوں جگہ عبارت یکساں کیوں نہ ہوئی۔ **جواب** اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے ایک یہ کہ یہاں ملوک سے مراد آزاد خود مختار ہے۔ نہ کہ سلطان و بادشاہ۔ چونکہ سارے اسرائیلی فرعون کی غلامی سے آزاد و خود مختار ہوئے تھے۔ لہٰذا انکا ہر فرد ملک تھا۔ مگر ہر فرد نبی نہ تھا بلکہ ان میں سے بعض حضرات نبی ہوئے۔ لہٰذا **ملوک** کے لئے **جعلکم** اور نبی کے لئے **جعل فیکم** ہی مناسب ہے۔ دوسرے یہ کہ بادشاہ کی قوم بادشاہ کہلاتی ہے۔ مگر نبی کی قوم نبی نہیں کہلاتی۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت میں ارشاد ہوا۔ کہ اے بنی اسرائیل تم کو وہ دیا جو عالمین میں سے کسی کو نہ دیا۔ تو کیا بنی اسرائیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بھی افضل ہیں۔ **جواب** یہاں **مالم یوت** میں **ما** سے مراد درجات و مراتب نہیں۔ بلکہ وہ خصوصی نعمتیں ہیں جو بنی اسرائیل کے سوا کسی کو نہ ملیں۔ جیسے من و سلویٰ وغیرہ۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ انعام اور چیز ہے۔ درجہ و مرتبہ کچھ اور چیز۔ اور **ما** سے مراد درجات ہوں تو **العلمین** سے مراد اس زمانہ کے عالم والے ہیں۔ مسلمان بہت عرصہ بعد ہوئے تب بھی کوئی اعتراض نہیں۔ **تیسرا اعتراض** جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم جہاد دیا۔ اس وقت بیت المقدس میں قوم جبارین آباد و قابض تھی۔ وہ سب مشرک و کافر تھے۔ وہ جگہ مشرکین و کفار کی تھی۔ وہاں شرک و کفر کا مرکز تھا پھر اسے ارض مقدس کیوں فرمایا۔ **جواب** اس لئے کہ وہاں بیت المقدس بھی تھا۔ اور حضرات انبیاء کرام کے مزارات بھی نبیوں کا مسکن (جائے قیام) بھی۔ لہٰذا وہ جگہ مقدس تھی۔ وہاں مشرکین کا بس جانا۔ وہاں شرک و کفر ہونا اس کی عظمت کو مٹا نہ سکا۔ موتی کیچڑ میں لتھڑ جاوے تب بھی موتی ہی ہے۔ کعبہ معظمہ میں بت رہے تب بھی وہ کعبہ شریف ہی رہا۔ ذاتی عظمت عارضی شرارت سے نہیں مٹ سکتی۔ **چوتھا اعتراض** یہاں ارض مقدسہ کے متعلق ارشاد ہوا۔

کتب اللہ لکم جب اللہ تعالیٰ نے وہ زمین بنی اسرائیل کے لئے لکھ دی تھی تو وہاں کفار کیسے قابض ہو گئے۔ **جواب** جیسے کسی کے گھر میں کوئی غاصب ناجائز طور پر گھس جاوے۔ پھر وہاں سے دھکے دے کر نکالا جاوے۔ یہاں تفسیر خازن نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لبنان کے پہاڑ پر چڑھے۔ ان سے فرمایا گیا۔ کہ آپ یہاں سے چو طرف نظر دوڑائیں۔ جہاں تک آپ کی نظر جاوے گی۔ وہاں تک کی زمین مقدس ہے اور وہ آپ کی اولاد کی جائے قیام ہے۔ بہرحال قوم جبارین کے قبضہ کی وجہ سے وہ زمین بنی اسرائیل کے استحقاق سے نہ نکل گئی۔ **لکم** میں لام استحقاق کا ہے۔ کعبہ معظمہ میں بت رہے تو وہ بت خانہ نہ بن گیا۔ رہا خانہ خدا۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیات قرآنیہ چند قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن میں رب تعالیٰ نے خود کلام فرمایا۔ دوسری وہ جن میں حق تعالیٰ نے شیطان اور شیطانی لوگوں کا کلام نقل فرمایا۔ جیسے **ما کنتم لا سجد لبشر** جیسے عزیر ابن اللہ یا جیسے المسیح ابن اللہ تیسری وہ جن میں رب نے انبیاء و اولیاء کا کلام نقل فرمایا۔ جیسے یہ آیت **یا قوم اذکروا** یہ تیسری قسم کی آیت قرآن بھی ہیں اور حدیث بھی ہیں۔ رب نے اپنے محبوب کا کلام نقل کیا **امسک علیک زوجک واتق اللہ** یہ کلمات کلام اللہ یعنی قرآن کی آیت بھی ہے۔ اور حدیث بھی کہ فرمان مصطفوی بھی ہے۔ یہ آیات بہت ہی شاندار ہیں کہ ان میں دونوں جمع ہیں نور الوہیت اور نور نبوت۔ اس لئے ہماری اپنی دعاؤں سے وہ دعائیں افضل ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں۔ یعنی ماثورہ دعائیں اور وہ دعائیں تو بہت ہی افضل ہیں جو نبیوں کی دعائیں قرآن مجید میں نقل ہوئیں کہ ان میں الفاظ زبان نبی اور کلام الٰہی کی تاثیریں جمع ہو گئیں۔ **اذکروا نعمۃ اللہ علیکم** بہت ہی مقدس فرمان ہے کہ یہ قرآن بھی ہے اور کلیم اللہ کی حدیث بھی **اذکر** پہلے پوشیدہ ہے۔ یعنی اے نبی آپ وہ واقعہ یاد کرو۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا۔ یاد وہ چیز کرائی جاتی ہے۔ جو علم میں تو ہو توجہ میں نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ تمام اگلی پچھلی باتیں حضور کے علم میں ہیں بلکہ حضور کے مشاہدہ میں ہیں رب فرماتا ہے **الم تر کیف فعل ربک بعاد** یا فرماتا ہے۔ **الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل** صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان کا دل گویا مقدس زمین ہے جسے دنیاوی آلائشوں سے پاک و صاف رکھنا ضروری ہے۔ دل میں دنیا اور دنیاوی جھگڑوں، بغض و حسد و کینہ یا کفر و شرک و بدعقیدگیوں کا آ جانا گویا قوم جبارین کا ارض مقدسہ پر قبضہ کر لینا ہے۔ اللہ کے مقبولوں کی جماعت گویا قوم موسیٰ ہے۔ جن کے متعلق ارشاد ہوا کہ اے قوم موسیٰ یعنی مقبولین بارگاہ الٰہی تم پر اللہ کے بڑے فضل و کرم ہیں۔ تم میں انبیاء، رسل، اولیاء ہیں اس نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ پس ماندہ دلوں پر نظر کرو اور مجاہدانہ و غازیانہ نظر ڈال کر وہاں سے اس قوم جبارین کو نکال دو۔ تاکہ وہ دل پاخانہ اغیار نہ رہیں بلکہ کاشانہ یار بن جاویں۔ دل ہمارے ہیں۔ مگر ان پر قبضہ غیروں نے جما لیا ہے۔ ان ناجائز **قابضین** کو وہاں سے نکالو۔ تاکہ یہ دل کی بستیاں اصل مالک کی تجلی گاہ بن جاویں جیسے کسی ملک پر سلطان کا قبضہ فوج کے ذریعہ ہوتا ہے۔ کہ فوج ہی دشمن کو وہاں سے نکالتی یا دباتی ہے۔ اسے فتح کر کے سلطان کے حوالے کرتی ہے۔

یونہی دل پر تجلی یار کا قبضہ ان مقبول بندوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جو ربانی فوج ہے۔ جس دل میں اس فوج کا داخلہ نہ ہو وہاں نور الٰہی نہیں پہنچتا۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ **یقوم ادخلوا الارض المقدسة** جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع مہاجرین و انصار مکہ معظمہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہو گئے۔ تب کعبۃ اللہ سے بت اور مکہ معظمہ سے شرک و کفر نکلے۔ رحمت رب تعالیٰ کی ہوتی ہے مگر اس کے داخلہ کے لئے جماعت انبیاء کا داخلہ شرط ہے۔ جسم میں دوا جاتی ہے تو بیماری نکلتی ہے اور وہاں شفا داخل ہوتی ہے۔ جو بغیر واسطہ اولیاء و انبیاء اپنے دل کی صفائی چاہے۔ وہ احمق ہے۔ ہمیشہ نامراد رہے گا۔ شعر:۔

☆ کھول دو سینہ مرا فاتح مکہ آ کر ☆
☆ کعبہ دل سے صنم کھینچ کے کر دو باہر ☆
☆ آپ آ جائیے سینہ میں مرے جاں ہو کر ☆
☆ سلطنت کیجئے اس جسم میں سلطان ہو کر ☆

گھر میں گھر والا آتا ہے تو مع سامان آتا ہے۔ جب نکلتا ہے تو سامان پہلے نکل جاتا ہے۔ حب رسول حب اولیاء، خوف خدا نور الٰہی کا سامان ہے۔ جب دل میں یہ نور آنے والا ہوتا ہے تو پہلے وہاں یہ سامان آتا ہے اور جس دل پر پھٹکار ہونے والی ہوتی ہے۔ تو پہلے وہاں سے یہ سامان نکل جاتا ہے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ
انہوں نے کہا اے موسیٰ بے شک اس زمین میں قوم ہے جبارین اور بے شک ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے اس میں یہاں
بولے اے موسیٰ اس میں تو بڑے زبردست لوگ ہیں اور ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ وہاں
فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ
تک کہ نکل جاویں اس سے پس اگر نکل جاویں وہ اس سے پس بے شک ہم داخل ہونے والے ہیں کہا دو مردوں
سے نکل نہ جاویں تو ہم وہاں جائیں   دو مرد کہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ
نے ان میں سے جو خوف کرتے تھے انعام کیا اللہ نے اوپر ان کے داخل ہو جاؤ تم اوپر ان کے دروازہ میں
اللہ نے انہیں نوازا بولے کہ زبردستی دروازہ میں ان پر داخل ہو اگر تم

غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

پس جب کر داخل ہو گئے تم اس میں بس بے شک تم غالب ہو گے۔ اور اللہ پر ہی بھروسہ کرو اگر ہو تم ایمان والے
دروازے میں داخل ہو گئے تو تمہارا ہی غلبہ ہے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم کا ذکر تھا۔ جو انہوں نے بنی اسرائیل کو دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی عملی یاد اس آیت میں بنی اسرائیل کی احسان فراموشی اور رب تعالیٰ کی نعمت بھول جانے کا تذکرہ ہے کہ وہ لوگ ہماری تمام وہ نعمتیں بھول گئے جو ہم نے ان کو دیں۔ غرق فرعون، بحر قلزم کو ان کے لئے چیرنا وغیرہ اور جہاد سے انکار کر دیا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاص حکم جہاد کا ذکر تھا۔ اب بنی اسرائیل کی اس حکم سے سرتابی کا تذکرہ ہے کہ وہ اپنے نبی کے فرمان سے سرتابی کر بیٹھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موجودہ یہود کی سرتابیوں سے صدقہ نہ ہو۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں کریم بندہ نواز کی عطا کا ذکر تھا۔ اب ناسمجھ بندوں کی اس عطا سے محرومی کا تذکرہ ہے۔ دین کے بعد لین کا ذکر ہے کہ داتا نے عطا کی پیشکش کی مگر لینے والے نے انکار کر دیا۔

تفسیر قالوا یموسیٰ یہ نیا جملہ ہے جس میں بنی اسرائیل کے جواب کا ذکر ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیا۔ **قالوا** کا فاعل وہ سارے اسرائیلی ہیں جن سے بیت المقدس میں داخلہ کے لئے کہا گیا۔ اگرچہ یہ عرض چند شخصوں نے کی ہوگی۔ مگر چونکہ وہ چند ساری قوم کے نمائندے تھے۔ اور نمائندوں کا کہنا سب کا کہنا ہوتا ہے۔ اس لئے سب کو کہنے والا قرار دیا گیا۔ اور فرمایا گیا۔ **قالوا** ان میں سے بعض صالح اسرائیلی مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ان لوگوں کا اپنے پیغمبر کو نام لے کر پکارنا بھی سرکشی ہے۔ ان بدنصیبوں کے جواب کی ابتداء ہی بے ادبی سے ہوئی۔ کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو یا نبی اللہ یا کلیم اللہ کہہ کر خطاب نہ کیا۔ جسے اللہ کوئی درجہ دے اسے نام سے پکارنا گویا اس درجہ کا انکار کرنا ہوتا ہے۔ اگر بیٹا اپنے ماں باپ کو نام لے کر پکارے تو گویا وہ اس کے ماں باپ ہونے کا انکار کرتا ہے۔ ڈی۔ سی کو نام لے کر پکارو تو گویا اس کے اس عہدے کا انکار کرتے ہو۔ اس لئے اس پکارنے والے سے حکومت بھی ناراض ہوتی ہے۔ یونہی پیغمبر کو صرف نام لے کر پکارنے سے رب تعالیٰ ناراض ہے۔ حضور کے صحابہ حضور کو نہ تو نام لے کر پکارتے تھے۔ نہ بھیا، ابا کہہ کر۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے ادب سے پکارنا ضروری ہے۔ صرف نام سے پکارنا ممنوع ہے۔ **لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا** چونکہ انہیں داخلہ کا حکم موسیٰ علیہ السلام نے ہی دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے جواب بھی آپ ہی کو دیا۔ یا اللہ کہہ کر رب تعالیٰ سے عرض نہ کیا۔ اگرچہ وہ حکم رب تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ **ان فیھا قوما جبارین** یہ عبارت **قالوا** کا مفعول بہ ہے۔ اس لئے **ان** کسرہ سے آیا۔ **فیھا** کا مرجع وہ

زمین بیت المقدس ہے۔ جہاں جانے کا۔ جس کے فتح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ قوم جبارین سے مراد وہی عمالقہ قوم ہے۔ جو قوم عاد کی بقیہ تھی۔ جو اس وقت بیت المقدس پر قابض تھی۔ (خازن) جبار مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جب یہ خدا تعالیٰ کی صفت ہو تو یہ بنتا ہے۔ جبر، معنی تلافی کر دینا۔ تحقیق غلبہ سرکشی۔ دوسرے کو دبانا سے بنتا ہے۔ اس سے ہے مجبور۔ یعنی دبایا ہوا یا بنتا ہے جبارہ سے، معنی بلند قامت۔ کہا جاتا ہے۔ **نخلة جبارة** اونچی کھجور جہاں تک ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں (خازن، معانی، کبیر وغیرہ) یعنی اس بستی میں بہت سخت، غالب، سرکش قوم ہے۔ یا بہت بلند قامت جسم پہلوان لوگ ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مصر میں صرف ایک جابر بادشاہ تھا فرعون۔ باقی اس کے سارے تابع اور تابعین میں بعض لوگ مومن تھے۔ پھر وہ فرعون بھی قد و قامت میں ہماری طرح تھا۔ اس کے باوجود رب تعالیٰ نے ہم کو اس پر جہاد کرنے کا حکم نہ دیا۔ بلکہ خود ہی اسے غرق کر دیا۔ تو یہاں فلسطین میں تو ہزاروں جباروں کی تعداد ہے۔ رب تعالیٰ ہم کو ان سے جہاد کرنے کا حکم کیوں دے رہا ہے۔ انہیں بھی وہ خود ہی ہلاک کر دے۔ پھر ہم کو وہاں آباد کر دے۔ خیال رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ نقیب اس قوم کی تحقیقات کے لئے بھیجے تھے۔ انہوں نے وہاں جا کر ان کی جسامت کا یہ حال دیکھا کہ ان کے ایک جوتے میں ایک اسرائیلی سو سکتا تھا۔ (روح البیان) اور طاقت کا یہ حال دیکھا کہ ایک عملقی بازار سے زنبیل میں کچھ سبزی لا رہا تھا۔ اس نے ان نقیبوں میں سے چند کو اپنی زنبیل میں ڈال لیا اور اپنے بادشاہ کے سامنے اٹھائے زنبیل میں لے آیا۔ ایسے گرایا۔ جیسے ہم چیونٹی جوں کو کپڑے سے جھاڑ دیتے ہیں اور بولا کہ یہ لوگ ہم سے لڑنے آ رہے ہیں (تفسیر کبیر) جب یہ نقیب وہاں سے لوٹے اور موسیٰ علیہ السلام کو یہ واقعات بتائے تو آپ نے فرمایا کہ اسرائیلیوں سے یہ نہ کہنا ورنہ وہ بزدل ہو جائیں گے۔ سوا دو **نقیبوں** کے باقی دس نے وعدہ خلافی کی۔ اور بنی اسرائیل سے یہ حالات کہہ دیئے۔ تب ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ عرض کیا کہ وہاں بیت المقدس میں بڑی قد آور زور آور قوم ہے۔ یہ دس بد عہد نقیب مقام تیہ میں بڑی آفتوں میں مبتلا ہو کر مرے (تفسیر کبیر) ان بقیہ دو نقیبوں پر اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی کرم فرمایا جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔ **وانا لن ندخلها حتى يخرجوا منها** یہ جملہ ان کا دوسرا مقولہ ہے۔ پہلا کلام گویا اس کلام کی علت تھا۔ **دخول** سے مراد ہے غازیانہ طریقہ فاتحانہ شان سے داخل ہونا۔ جس کا انہیں حکم دیا گیا۔ عمالقہ کے نکلنے سے مراد ہے۔ ان کا کسی اور وجہ سے بیت المقدس سے نکل جانا۔ ہماری بغیر جنگ یعنی ہم میں ان کے نکالنے کی طاقت نہیں۔ اگر وہ خود ہی اپنے آپ یا کسی اور وجہ سے وہاں سے نکل جاویں۔ تب ہم وہاں آرام کرنے پھل فروٹ کھانے سیر تفریح کرنے پہنچ جائیں بھی تو ہم فاتحانہ حیثیت سے نہ وہاں جا سکتے ہیں نہ اس قوم کو وہاں سے نکال سکتے ہیں۔ یہ ہے اس قوم کی سرکشی اپنے نبی سے۔ **قال رجلان من الذين يخافون انعم الله عليهما** اس عبارت میں اس جواب کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے دو مقبول بندوں نے دیا۔ امت میں بڑے درجہ والے وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو اس وقت نبی کی تائید کریں۔ جب لوگ ان کی مخالفت کر رہے ہوں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق، علی مرتضیٰ اور بلی

بی خدیجۃ الکبریٰ کہ انہوں نے سب سے پہلے حضور کی تصدیق و تائید کی۔ اسی طرح یہ دونوں حضرات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس وقت مئوید ہوئے۔ جب کہ قوم نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے نبی کی تصدیق کے بعد ان دونوں کی تائید کا ذکر فرمایا۔ اور ذکر بھی کیا نہایت شاندار طریقہ سے انہیں خوف الٰہی انعام الٰہی کی نعمتوں سے مالا مال فرمانے کا تذکرہ فرمایا۔ اس عبارت کی چند ترکیبیں اور چند ہی تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ **رجلان** سے مراد وہی دو نقیب ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ اور قوم عمالقہ کے حالات اسرائیلیوں سے بیان نہ کئے۔ ایک تو حضرت کالب ابن یوقنا یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی یعنی آپ کی بہن حضرت مریم بنت عمران کے خاوند۔ دوسرے حضرت یوشع ابن نون ابن افرائیم ابن یوسف علیہ السلام یعنی یوسف علیہ السلام کے پوتے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی بعد میں آپ کے خلیفہ (روح البیان) اس صورت میں من تبعیضیہ ہے۔ اور **من الذین یخافون** صفت اول ہے۔ **رجلان** کی۔ اور **انعم اللہ** الخ دوسری صفت اور انعام سے مراد وفاء عہد کی توفیق ملنا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ انہیں ڈرانے والے اسرائیلیوں میں سے دو شخص جن پر اللہ نے یہ انعام فرمایا کہ انہیں رازداری اور وفاداری کی توفیق دی۔ انہوں نے یہ کہا۔ دوسرے یہ کہ **رجلان** سے مراد قوم عمالقہ کے دو آدمی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر **بفضلہ تعالیٰ** ایمان لے آئے تھے۔ اس صورت میں **الذین یخافون** سے مراد قوم عمالقہ ہے۔ اور **یخافون** کا مفعول **ہم** پوشیدہ ہے۔ اور انعام سے مراد ایمان لانے کی توفیق ہے۔ یعنی جس قوم سے یہ اسرائیلی ڈر رہے تھے۔ اسی قوم کے دو آدمیوں نے انہیں یہ جواب دیا۔ ان دو آدمیوں پر اللہ نے یہ انعام کیا تھا۔ کہ وہ ایمان لے آئے تھے۔ تیسرے یہ کہ **من** بمعنی لام ہے اور **الذین** سے مراد ڈرنے والے اسرائیلی ہیں۔ یعنی دو شخصوں نے ڈرنے والے اسرائیلیوں سے یہ کہا ان دونوں پر اللہ نے انعام کیا تھا کہ ان کے دل قوی بنائے تھے۔ گویا اسرائیلی دو قسم کے ہو گئے۔ ڈرنے والے جو کہ بہت تھے اور نہ ڈرنے والے جو کہ تھوڑے تھے ڈرنے والوں سے یہ کلام کیا گیا۔ مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے۔ **ادخلوا علیہم الباب** یہ **قال رجلان** کا مقولہ ہے جس میں اسرائیلیوں کی جنگی تدبیر بتائی گئی ہے۔ **علیہم** کا مرجع قوم عمالقہ ہے۔ اور باب سے مراد شہر قدس کا دروازہ ہے۔ **دخول** سے مراد ہمت کر کے گھس جانا ہے۔ یعنی ہمت کر کے دروازہ بیت المقدس میں گھس جاؤ۔ اس پر قبضہ کر لو۔ جس سے قوم عمالقہ نہ نکل سکے۔ اور بے بس ہو کر ہتھیار ڈال دے۔ ان پر ایسی تنگی کرو کہ انہیں جائے قرار اور جائے فرار کچھ نہ رہے۔ اچانک ان پر جا پڑو ٹوٹ پڑو۔ **فاذا دخلتموہ فانکم غلبون** یہ پہلی عبارت کا نتیجہ ہے ہ کا مرجع دروازہ ہے یعنی ہم تم کو یقین دلاتے ہیں کہ جب تم دروازہ شہر پر قبضہ کر لو گے تو انشاء اللہ تم نہایت آسانی سے فتحیاب ہو جاؤ گے۔ کیونکہ ان کے جسم بڑے ہیں مگر ان کے پہلوؤں میں دل نہیں۔ جنگ صرف جسم و ہتھیار سے نہیں بلکہ دل سے ہوتی ہے۔ جنگ میں دلیری چاہیے۔ صرف گدھے کا سا موٹا جسم کافی نہیں۔ **وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین** یہ مومن کا وہ روحانی ہتھیار ہے۔ جس کا توڑ کافر کے پاس نہیں۔ ایمان تقویٰ اور اللہ پر بھروسہ یعنی اگر

تم سچے مسلمان ہو۔ تو اللہ پر ہی بھروسہ کرو۔ وہ چاہے تو ابابیل سے فیل مروادے۔ یہاں توکل سے مراد توکل عام مومنین ہے۔ یعنی اولاً اسباب جمع کرنا۔ پھر مسبب الاسباب پر بھروسہ کرنا۔ ترک اسباب والا توکل مراد نہیں کہ یہ خواص کا توکل ہے۔ وہ بھی خاص حالات میں۔ جہاد میں توکل مع اسباب چاہیے۔ (تفسیر خازن)

خلاصہ تفسیر جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس پر جہاد کا حکم دیا۔ بنی اسرائیل پہلے ہی قوم عمالقہ کی قد آوری شہہ زوری کا حال اپنے دس نقیبوں کی زبانی سن کر ڈر چکے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں جو قوم ہے جس سے جہاد کرنے کا آپ ہم کو حکم دیتے ہیں۔ وہ قوم تو بڑی شہہ زور قد آور ہے۔ بڑے جابر لوگ ہیں۔ ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم وہاں داخل نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر وہ خود بخود وہاں سے نکل جاویں تو ہم بھی سیر و تفریح کرنے وہاں پہنچ جاویں گے۔ خیال رہے کہ ان لوگوں کے اس جواب کے چار جز ہیں ایک **یموسیٰ** دوسرا **ان فیھا** تیسرا **انا لن ندخلھا** چوتھا **فان یخرجوا** الخ اس جواب کی ابتداء جناب کلیم اللہ کی بے ادبی سے شروع ہوئی۔ کہ انہوں نے صرف نام لے کر پکارا یا موسیٰ لہٰذا ساری باتیں ہی غلط ہوئیں جس دیوار کی پہلی اینٹ ٹیڑھی ہو وہ ساری دیوار ٹیڑھی ہوتی ہے۔ پیغمبر کا ادب ایمان کی پہلی اینٹ ہے۔ اللہ اس اینٹ کو سیدھا کرے۔ ان ڈرنے والوں کی جماعت میں سے دو شخص بولے جن پر اللہ نے بڑا فضل و کرم کیا تھا۔ ان کے دل پختہ تھے۔ وعدہ موسوی پر انہیں اعتماد تھا۔ کہ اللہ کے بندو' ہمت کرو' دروازہ شہر میں گھس جاؤ۔ انشاء اللہ اگر تم نے دروازہ پر قبضہ کر لیا۔ تو غالب تم ہی رہو گے۔ کیونکہ ان لوگوں کے جسم قوی ہیں۔ مگر دل کمزور۔ ایسے موٹے بیل لڑنے میں بہادر نہیں ہوتے۔ اگر تم سچے مسلمان ہو۔ تو اپنے رب پر بھروسہ کرو۔ وہ ہی کافی کار ساز ہے۔ ایمان و توکل وہ ہتھیار ہے جس کا جواب کفار کے پاس نہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** نبی کو بغیر خصوصی القاب صرف نام سے پکارنا بہت ہی برا ہے۔ رب تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اس کا وبال دنیا میں بھی پڑ جاتا ہے۔ یہ فائدہ **قالوا یموسیٰ** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا یہ جواب عتابانہ ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے نقل کیا۔ ان کے ایک ایک لفظ سے رب تعالیٰ ناراض ہوا۔ اس کا وبال بنی اسرائیل پر وہ پڑا جو آگے بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا فائدہ** جس کے دل میں نبی کی عظمت و ہیبت نہ ہو۔ اس کے دل میں کفار کی ہیبت بیٹھ جاتی ہے۔ یہ فائدہ **لن ندخلھا** سے حاصل ہوا کہ بنی اسرائیل کے دل میں قوم جبارین کی بغیر دیکھے ہیبت بیٹھ گئی۔ کیوں اس لئے کہ وہ اپنے پیغمبر کے بے ادب تھے۔ دیکھو فرعونی جادوگر جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا۔ کہ آپ سے اجازت لے کر جادو دکھایا۔ انہیں ایمان ملا اور ایمان کے ساتھ دل کی جرات کی ہمت و نصیب ہوئی کہ فرعون سے کہہ دیا **فاقض ما انت قاض** جو تجھ سے ہو سکے کر لے۔ ہم ایمان نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ فرق ہے بے ادب اور با ادب کا۔ **تیسرا فائدہ** جنگی راز عوام سے چھپانا صرف خواص پر ظاہر کرنا۔ جن کو جنگی مہارت ہو۔ بہت ہی ضروری ہے جنگ کا مدار اسی چیز پر ہے۔ جو قوم رازداری نہ کر سکے وہ کبھی جنگ نہیں جیت سکتی دیکھو دس نقیبوں نے

قوم جبارین کی جسامت و شہ زوری بنی اسرائیل کو بتادی تو اس کا وہ انجام ہوا جو یہاں مذکور ہے۔ چوتھا فائدہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ دیکھو **ادخلوا الارض المقدسۃ** میں **ادخلوا** امر تھا۔ اس امر کی مخالفت کی وجہ سے بنی اسرائیل پر مختلف عتاب بلکہ عذاب آئے۔ پانچواں فائدہ اللہ کی بڑی نعمت بندہ پر یہ ہے کہ بندہ کو نبی کی فرمانبرداری کی توفیق مل جاوے۔ یہ فائدہ **انعم اللہ علیھم** سے حاصل ہوا۔ ان دو شخصوں یعنی یوشع ابن نون اور کالب ابن یوقنا پر اللہ کا بڑا انعام یہ ہوا۔ کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی اطاعت کی کہ راز چھپائے۔ رب تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔ چھٹا فائدہ اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کو علوم غیبیہ بخشتا ہے۔ دیکھو یہ دونوں بزرگ اس وقت ولی تھے۔ یوشع علیہ السلام نبی بنے ہیں موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد مگر انہوں نے پہلے ہی خبر دے دی کہ اگر تم بیت المقدس کے دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہو گی اور واقعی ہوا بھی ایسا ہی۔ اس لئے رب تعالیٰ نے ان دونوں ولیوں کا فرمان بغیر تردید نقل فرمایا۔ ساتواں فائدہ اللہ کے مقبولین سیاسیات عالم' جنگی تدبیروں' سلطنت کے طریقوں سے قدرتی طور پر واقف ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی چیز کسی سے سیکھنی نہیں پڑتی یہ فائدہ **ادخلوا علیھم الباب** سے حاصل ہوا کہ ان دونوں ولیوں نے دشمن کے محاصرہ کرنے کی وہ تدبیر بتائی جس پر آج تک عمل ہو رہا ہے۔ آج بھی دشمن کی فوج کو گھیرے میں لے لینا بڑی کامیاب تدبیر سمجھی جاتی ہے دشمن کے نکلنے کا دروازہ بند کرے' پھر وہ تمہارے قابو میں ہے۔ یوسف علیہ السلام نے سلطنت کے امور سارے عالم کو رزق الٰہی کی تقسیم اس خوش اسلوبی سے انجام دیئے کہ سبحان اللہ۔ وہ حضرت یہ کام کسی سے سیکھ کر مصر میں آئے تھے۔ رب تعالیٰ سے سیکھ کر ہمارے حضور نے جو سلطنت رانی جنگ کے قوانین بنائے۔ وہ آج تک دوسری قومیں بھی برت رہی ہیں یہ ہے ان کا علم خداداد۔ آٹھواں فائدہ فتح و نصرت فوج کی کثرت ہتھیاروں کی فراوانی پر موقوف نہیں۔ یہ تو رب تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے۔ اگر وہ چاہے تو ابابیل سے فیل مروا دے۔ یہ فائدہ **فتوکلوا** الخ سے حاصل ہوا۔ اس کا تجربہ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی اس جنگ سے ہوا۔ جس میں ہندوستان نے پوری طاقت سے غافل پاکستان پر حملہ کیا' ان کا پروگرام یہ تھا۔ کہ بہتر گھنٹوں میں لاہور سے پشاور تک کو فتح کر لینا ہے۔ ان کی فوج پینتالیس ہزار تھی' ٹینک ہوائی جہاز توپیں سینکڑوں تھیں۔ مگر چھ سو اسلامی فوج نے ان کی یلغار روک لی اور سترہ دن کی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے چھ سو ٹینک' سوا سو ہوائی جہاز ایک بحری جہاز اسلامی فوج کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔ اور تیس ہزار کے قریب فوج ہلاک ہوئی۔ مختلف محاذوں پر سولہ سو میل سے زیادہ علاقہ پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ یہ ہے **وعلی اللہ فتوکلوا** کا ظہور۔ اے مولی تیری شان کریمی کے قربان' بدر و حنین کی نصرتیں اب بھی اتر سکتی ہیں۔ خدا کرے ہم بندے بنیں۔ نواں فائدہ مومن غازیوں کا سب سے اعلیٰ ہتھیار ایمان اور توکل ہے ان ہتھیاروں کا توڑ کفار کے پاس نہیں۔ یہ فائدہ **ان کنتم مومنین** سے حاصل ہوا۔ بحالت جنگ ان دو ہتھیاروں سے ضرور کام لیں۔

پہلا اعتراض وہ بنی اسرائیل اس سرتابی سے مرتد ہو گئے تھے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ پیغمبر کے حکم کا انکار کفر ہے۔

اگر مرتد ہو گئے تھے تو انہیں ارتداد کی سزا کیوں نہ دی گئی۔ **جواب** مرتد نہیں ہو گئے تھے۔ گنہگار ہو گئے تھے۔ پیغمبر کے حکم پر عمل نہ کرنا کفر نہیں گناہ ہے۔ ہاں ان کے حکم کو غلط سمجھنا کفر ہے۔ اس کا یہاں ثبوت نہیں کیونکہ وہ اسرائیلی اس بد عملی کی وجہ بیان کر رہے ہیں کفار کا شہ زور ہونا۔ اپنا کمزور ہونا۔ لہٰذا یہ گناہ ہوا فسق ہوا کفر نہیں ہوا۔ **دوسرا اعتراض ان کنتم مومنین** سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے لئے توکل ضروری ہے جو رب تعالیٰ پر توکل نہ کرے وہ مومن نہیں تو کیا بے صبرے لوگ کافر ہیں۔ **جواب** یہ فرمان ترغیب کے لئے ہوتا ہے۔ مومنین سے مراد کامل مومنین ہیں۔ جیسے ایک باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ نافرمان فرزند اپنے باپ کا بیٹا نہیں رہتا۔ اس کی نسل باپ سے ٹوٹ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ اگر لائق بیٹا ہے تو اطاعت کر۔ **تیسرا اعتراض** ان دونوں بزرگوں نے بنی اسرائیل کو یہ کیوں نہ کہا کہ چلو جنگ کرو۔ یہ کیوں کہا کہ دروازہ شہر میں داخل ہو جاؤ وہ موقع تو جہاد کا تھا۔ **جواب** یہ فرمان بھی بنی اسرائیل کی ہمت افزائی کے لئے تھا۔ مقصد یہ تھا کہ تم کو ان سے لڑنا نہ پڑے گا۔ تم شہر کے دروازہ پر قبضہ کر کے انہیں گھیرے میں لے لو۔ وہ شہر میں کچھ دن محصور رہ کر خود ہتھیار ڈال دیں گے۔ تم فقط وہاں داخل ہو جاؤ۔ جیسا کہ فتح مکہ میں ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن مکہ معظمہ کو گھیرے میں لے لیا۔ اور بغیر قتال مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ اولاد نبی یا قوم نبی ہونا جب ہی مفید ہے۔ جب کہ اطاعت نبی نصیب ہو۔ بنی اسرائیل انبیاء کی اولاد بھی تھے۔ ان کے ہم قوم بھی۔ مگر نافرمانیوں سرکشیوں کی وجہ سے اپنے سارے فضائل کھو بیٹھے۔ ان کی نظر اپنے مقابل کفار کی جباریت پر تو گئی جو ان سے بہت دور تھے مگر اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی محبوبیت رب تعالیٰ کی قدرت پر نہ گئی۔ اس لئے وہ بزدل ہو گئے۔ دماغ کی آنکھ میں تین قسم کی بیماریاں ہوتی ہیں کبھی تو آنکھ نہ دور کو دیکھتی ہے اور نہ نزدیک کو۔ وہ تو اندھی ہے کبھی نزدیک کو دیکھتی ہے دور کو نہیں کبھی اس کے برعکس دور دیکھتی ہے نزدیک کو بنی اسرائیل کے دل کی آنکھوں میں تیسری قسم کی بیماری تھی کہ انہیں قریب رہنے والے اللہ نبی کی رحمت نظر نہ آئی اور دور والے قوم جبارین کی وہمی طاقت نظر آئی اور وہ دو خوش نصیب باوجودیکہ قوم جبارین کی شہ زور جسامت دیکھ کر آئے تھے۔ مگر ان کی نظر اللہ اور کلیم اللہ پر گئی۔ قوم جبارین پر نہ گئی۔ اور پکار اٹھے کہ تم دروازے تک تو چلو۔ تم ہی غالب رہو گے۔ کیونکہ تم جناب کلیم کے ساتھ ہو۔ رب تعالیٰ بھی ان کے ساتھ ہے۔ تو تم ان کے واسطے سے رب کے ساتھ ہو۔ اور جو رب کے ساتھ ہو۔ رب تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ہو۔ اسے کیا کھٹکا۔ جس کے دل کی آنکھ بے نور ہو جاوے اسے دور کے کفار نظر آتے ہیں۔ ساتھ کے محبوب نہیں دکھائی دیتے۔ دل کی آنکھ بھی کسی حکیم کے سرمہ سے کھلتی ہے۔ یہ بنی اسرائیل غرق فرعون کے دن دیکھ چکے تھے۔ کہ آگے دریا تھا۔ پیچھے فرعونی لشکر۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی نے انہیں بچا لیا آج بھی یہ اسی طرح بچ جاتے۔ بلکہ کامیاب ہو جاتے جو ڈالتا ہے وہ سنبھالتا ہے سب کچھ دیکھ کر یہ جاہل بن گئے۔

حکایت تمثیلی صوفیائے کرام بطور تمثیل ایک حکایت فرماتے ہیں۔ کہ لب دریا ایک بڑا مضبوط درخت کھڑا تھا۔ دریا میں سیلاب آیا۔ درخت کو اکھیڑ کر بہا لے گیا۔ درخت قلا بازیاں کھاتا بہتا جا رہا تھا۔ کبھی جڑ اوپر کبھی شاخیں اوپر درخت نے ایک کشتی کو دیکھا کہ بڑے آرام سے بہت سامان بہت انسانوں کو اٹھائے تیرتی جا رہی ہے درخت بولا کہ میں بھی تیرا ہم قوم ہم جنس ہوں۔ تو بھی لکڑی میں بھی لکڑی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تو آرام سے تیر رہی ہے۔ میں مصیبت میں بہہ رہا ہوں۔ کشتی بولی کہ واقعی تو میرا ہم جنس ہے۔ مگر مجھے کاریگر کے ہاتھ لگ گئے ہیں تجھے وہ ہاتھ نہیں لگے نیز میرے ساتھ ملاح ہے۔ جو مجھے ڈوبنے بہکنے سے بچا رہا ہے۔ تو بے نوا بے پیرا ہے۔ اس لئے بہا جا رہا ہے۔ غوطے کھا رہا ہے۔ میری یہ ساری بہار اس ہاتھ اور اس ساتھ کی برکت سے ہے۔ مجھے کاریگر نے آرے سے چیرا۔ بسولے سے چھیلا۔ رندے سے صاف کیا۔ مجھ پر کیلیں ٹھونکیں۔ میں نے سب کچھ برداشت کیا۔ اب دائمی بہاریں دیکھ رہی ہوں۔ بنی اسرائیل نبی زادے تھے۔ مگر انہوں نے نبی کے ہاتھ قبول نہ کئے مشقتیں برداشت نہ کیں۔ اس سے محروم رہے۔ کھٹے درخت کی شاخ میٹھے سے پیوند کر دی جاوے۔ میٹھی ہو جاتی ہے بشرطیکہ پیوند لگانے والا کوئی کاریگر ہو جو آنکھ سے آنکھ ملا دے۔ کاغذ کو کاغذ سے ملاتے ہیں۔ بذریعہ گوند کے اینٹ کو اینٹ سے جوڑتے ہیں بذریعہ گارے یا سیمنٹ کے۔ لکڑی کو لکڑی سے جوڑتے ہیں بذریعہ کیلوں کے، بندے کو رب سے وصال ہوتا ہے بذریعہ نبوت کے اور ولایت کے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ

کہا انہوں نے اے موسٰی بیشک ہم وہاں ہرگز داخل نہ ہوں گے کبھی بھی جب وہ رہیں اس میں پس جاؤ تم اور رب

بولے اے موسٰی ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں ہیں تو آپ جائیے اور آپ کا رب

رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ

تمہارا پس لڑو۔ بے شک ہم یہاں بیٹھے رہیں گے عرض کیا اے میرے رب بے شک نہیں مالک ہوتا ہوں میں

تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ موسٰی نے عرض کی کہ اے رب میرے بے شک اختیار نہیں

اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ

مگر اپنی ذات کا اور اپنے بھائی کا پس فرق کر دے ہمارے درمیان اور درمیان قوم بدکاروں کے فرمایا پس تحقیق وہ حرام

مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو بے حکموں سے جدا رکھ فرمایا پس تو وہ زمین ان پر حرام

عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

ہے اوپر انکے چالیس سال تک حیران پھریں گے وہ زمین میں پس نہ افسوس کرو تم اوپر قوم

ہے چالیس برس تک بھٹکتے پھریں گے زمین میں تو تم ان بے حکموں کا

الْفٰسِقِيْنَ (۲۶)
بدکار کے
افسوس نہ کھاؤ

تعلق ان آیات کریمہ میں پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حضرت یوشع و کالب کے جواب کا ذکر تھا۔ جو انہوں نے بنی اسرائیل کو دیا۔ اب بنی اسرائیل کے جواب الجواب کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے ایسے حکیمانہ مشورہ کا کیسا احمقانہ جواب دیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کو توکل کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اس آیت میں ان کی بے توکلی گھبراہٹ اور گستاخی کا ذکر ہے۔ گویا وعظ کا ذکر پہلے تھے اور ان کے اثر نہ لینے کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو فتح و نصرت کی بشارت دی گئی تھی۔ اب بنی اسرائیل کے اس بشارت کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے ظہور بشارت میں دیر لگنے کا ذکر ہے۔

تفسیر **قالوا یموسیٰ انا لن ندخلها ابدا**۔ اگرچہ ان بنی اسرائیل سے کلام کیا تھا۔ ان دو بزرگوں نے مگر ان لوگوں نے براہ عناد جواب میں خطاب کیا موسیٰ علیہ السلام سے نہ کہ ان دونوں بزرگوں یوشع اور کالب سے۔ یہ بھی ان لوگوں کی انتہائی نافرمانی تھی۔ یہاں کلام میں وہ ہی بے ادبی ہے کہ اپنے پیغمبر جناب موسیٰ کلیم اللہ کو بغیر کسی پیارے لقب کے صرف نام سے پکار رہے ہیں۔ **ندخلها** میں **ھا** کی ضمیر کا مرجع وہ ہی بیت المقدس یا اریحاء کی بستی ہے۔ جس پر قوم جبارین مسلط تھی۔ **دخول** سے مراد ہے مطلقاً وہاں جانا۔ اگرچہ بغیر قتال ہی کے ہو۔ **ابدا** سے مراد ہے اپنی زندگی بھر۔ یعنی آپ تو ہم کو جہاد کے لئے کہتے ہیں ہم تو وہاں کبھی قدم بھی نہ رکھیں گے۔ جہاد تو بہت دور رہا۔ **ابدا** ظرف ہے **لن ندخل** کا۔ **ما داموا فیها** یہ عبارت **ابدا** کا بدل ہے۔ **ما** بمعنی **مادام** ہے۔ اور **داموا** دوام سے بنا ہے۔ یہاں بمعنی **دوانا** ٹھہرنا ہے۔ یعنی جب تک کہ وہ قوم جبارین بیت المقدس میں مقیم ہیں۔ تب تک ہم کبھی وہاں نہ جائیں گے۔ اس قسم کے بدل عرب میں مروج ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ **واکرم اخاک الدھر مادمتما معا** ☆

☆ **کفی بالممات فرقة وتنائیا** ☆

یعنی اپنے بھائی کا اکرام و احترام کرتے رہو زمانہ بھر جب تک کہ تم دونوں ایک ساتھ رہو۔ پھر موت تو فرقت اور دوری واقع کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہاں **دمتما** بدل ہے **الدھر** کا (روح المعانی) **فاذھب انت وربک فقتلا** یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے **ذھاب** سے مراد ہے بستی بیت المقدس میں جہاد کے لئے جانا۔ یعنی جب آپ نے ہمارا ارادہ معلوم کر لیا کہ ہم تو ہرگز جہاد نہ کریں گے۔ لہذا آپ اور آپ کا رب وہاں جائیں اور دونوں جہاد کریں۔ یہاں رب کے

جانے سے مراد ہے اس کی فتح و نصرت کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جانا ورنہ بنی اسرائیل رب تعالیٰ کو جسم و جسمانیات اور جانے آنے سے پاک مانتے تھے۔ یہ گفتگو کے انتہائی بزدلی کے اظہار کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا اتنا یقین ہے کہ ہم بیت المقدس کے دروازے میں داخل ہوتے ہی وہ بستی جیت لیں گے۔ تو آپ اکیلے کیوں نہیں جاتے۔ وہ رب کریم آپ اکیلے ہی کو فتح دے دیگا۔ ہم کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **ربک** سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے۔ اور اس زمانہ میں بڑے بھائی' والد' بادشاہ کو رب کہہ دیتے تھے۔ بمعنی مربی (تفسیر کبیر) جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **ارجع الی ربک** مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے۔ اس جملہ میں اور بہت سے احتمال ہیں۔ **انا ھھنا قعدون** اس جملہ میں **قاعدون** سے مراد ہے آگے نہ بڑھنا خواہ اس طرح کہ وہاں ہی ٹھہرے رہیں یا اس طرح کہ یہاں سے مصر کو واپس لوٹ جاویں۔ یعنی ہم یہاں ہی ٹھہریں گے۔ یہاں سے آگے نہ بڑھیں گے۔ ان بدنصیبوں کا یہ سرکشی کا جواب سن کر آپ نے منہ پھیرلیا اور نہایت خشوع و خضوع عجز و انکسار کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا **قال رب انی لا املک الا نفسی واخی** اب تک نبی اور ان کی امت کے درمیان کلام کا ذکر ہوا۔ اب کلیم اللہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان عرض و جواب کا ذکر ہے چونکہ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کو پکارنا سنت ہے۔ اس کی مہربانی حاصل کرنے کے لئے اس لئے آپ نے پہلے اسے پکارا اور رب کہہ کر پکارا۔ بیان استحقاق کے لئے کیونکہ مربوب کا رب پر حق ہے۔ مانگنے کا حق۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ماں کے پیٹ میں بلاواسطہ پالتا ہے اور پیدا ہونے کے بعد بالواسطہ۔ مگر اس نے موسیٰ علیہ السلام کو تو پیدائش کے بعد بھی بلاواسطہ پالا۔ کہ ماں تو آپ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا گئی تھیں۔ رب نے ہی انہیں ان کے انگوٹھے سے دودھ دیا اور پھر سارے سامان پرورش مہیا کئے۔ اس لئے آپ نے رب کہہ کر پکارا کہ قوم مجھے چھوڑ گئی۔ میرا تیرے سوا کوئی نہیں۔ خیال رہے کہ اس عبارت کی بہت سی ترکیبیں ہیں۔ مگر آسان ترکیب یہ ہے کہ اخی معطوف ہے نفسی پر اور **الا** کے ماتحت ہے۔ حالت نصب میں ہے۔ **ملک** سے مراد ہے قبضہ اور قابو و اختیار۔ عرفی ملکیت مراد نہیں۔ کیونکہ کوئی شخص اپنے ذات اور اپنے بھائی کا خصوصاً جب کہ بھائی نبی ہو مالک نہیں ہو سکتا۔ ظاہر یہ ہے کہ اخی سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اخی سے مراد دینی بھائی ہوں۔ یعنی حضرت ہارون و یوشع و کالب علیہم السلام یا اخ سے مراد رشتہ دار ہوں۔ کیونکہ حضرت ہارون تو آپ کے بھائی تھے۔ اور یوشع علیہ السلام بھانجا اور کالب ابن یوقنا بہنوئی (تفسیر کبیر) یعنی اے میرے رب مجھے صرف اپنی جان اور اپنے بھائیوں کا ہی اختیار ہے۔ بنی اسرائیل تو میرے قبضہ و اختیار سے باہر ہیں۔ میرے کہنے سے وہ جہاد نہیں کرتے۔ خیال رہے کہ نبی کا اپنی امت سے بیزار ہو جانا خدا تعالیٰ کا بڑا عذاب ہے۔ جب ماں باپ دینی استاد شیخ کی ناراضی انسان کو تباہ کر دیتی ہے تو نبی کی بیزاری خدا کی پناہ۔ نبی اپنی امت کے جان' مال' اولاد' بیوی گھر بار سب کے مالک ہوتے ہیں۔ دیکھو خاوند پر بیوی کو نہ تو بادشاہ حرام کر سکتا ہے۔ نہ مالک' نہ ماں باپ نہ کوئی اور مگر نبی بیوی

کو بیوی رہتے ہوئے حرام فرما سکتے ہیں۔ حضرت کعب پر زمانہ بائیکاٹ میں ان کی بیوی حرام کردی گئیں۔ یہ ہے نبی کی ملکیت۔ موسیٰ علیہ السلام کا **لا املک** فرمانا انتہائی غضب کا اظہار ہے۔ نبی ہی تو امت کی پناہ ہیں۔ جب وہ ہی ناراض ہو گئے تو سارا کون سا رہ گیا۔ لہٰذا جناب کلیم اللہ کا یہ فرمان ان لوگوں پر غضب الٰہی ہے **فافرق بیننا وبین القوم الفسقین** پچھلی عبارت دعا کی تمہید تھی۔ یہ عبارت اصل دعا ہے ف ترتیب کی ہے۔ فرق سے مراد فاصلہ و دوری۔ اگر جگہ کی دوری مراد ہے تو آخرت میں دوری ہوگی اور اگر فیصلہ کی دوری و فرق مراد ہے تو دنیا میں ہوگی۔ **بیننا** میں نا سے مراد خود اپنی ذات اور حضرت ہارون و یوشع اور کالب ہیں۔ **قوم فاسقین** سے مراد یہ ہی بے ادب ضدی اسرائیلی ہیں۔ یعنی چونکہ یہ لوگ میرے اختیار میں نہیں۔ میری بات نہیں مانتے۔ لہٰذا اے مولیٰ آخرت میں بھی یہ لوگ ہمارے ساتھ نہ رہیں ہمارا مقام اور ہو ان کا مقام کچھ اور یا دنیا میں ہم میں اور ان میں فیصلہ فرمادے کہ ہم سے تو راضی ہو جا۔ ان پر عتاب فرما۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ بعض نے فرمایا کہ دنیا میں مکانی دوری مراد ہے اور معنی یہ ہیں۔ کہ دنیا میں ہی ان کو ہم سے الگ کردے یہ مفسرین فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام میدان تیہ میں بنی اسرائیل کے ساتھ نہ رہے۔ یہ بددعا تین طرح کی ہوتی ہے۔ دنیا کی تباہی کی بددعا جسے کہتے ہیں۔ کوستا وہ مرجائے اس کی اولاد یا مال تباہ ہو جائے وغیرہ۔ ایمان کی بربادی کی بددعا کہ وہ بے ایمان ہو کر مرے۔ یہ بددعا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دی تھی۔ نبی سے دوری ان سے علیحدگی کی بددعا۔ یہاں تیسری بددعا ہے کہ مجھے ان بدنصیبوں سے دور کردے۔ جب قوم نبی سے دور ہو گئی تو اب رب تعالیٰ سے قرب کیسے حاصل کرے گی۔ اس بددعا کا اثر یہ ہے کہ یہودیوں کو اب تک موسیٰ علیہ السلام سے کوئی الفت نہیں۔ یہ لوگ ان جناب سے دور ہی ہیں۔ امت مصطفوی اپنے نبی پر آج بھی فدا ہے۔ حضور کے ہاں امت کے میلے لگے ہیں۔ دنیا کھچ کر وہاں پہنچتی ہے۔ جو نہ پہنچیں وہ فراق میں روتے ہیں۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام فلسطین میں یہودیوں سے صرف بارہ میل پر ہیں۔ لیکن یہ بدنصیب وہاں قطعاً نہیں جاتے۔ یہ ہے اس بددعا کا ظہور **قال فانها محرمة علیهم اربعین سنة یتیهون فی الارض** اس عبارت میں آپ کی دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ **قال** کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ یہ فرمان عالی بذریعہ وحی یا الہام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ ف ترتیب کی ہے۔ یہ جملہ آپ کی دعا پر مترتب ہے۔ ھا کا مرجع وہ بیت المقدس کی بستی ہے۔ محرم سے مراد شرعی حرمت نہیں۔ بلکہ محرومیت و ممانعت کی حرمت ہے۔ جیسے ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ **جالت لتصر عنی فقلت لها اقصری** ☆ **انی امرء صرعی علیک حرام** ☆

یعنی وہ مجھ پر جھپٹی تو میں نے اس سے کہا الگ رہ۔ میں وہ شخص ہوں کہ تجھ پر میرا پچھاڑنا حرام ہے یعنی ناممکن ہے **اربعین سنة** یا تو محرم کا ظرف ہے یا **یتیهون** کا ظرف مقدم **یتیهون** مضارع ہے۔ جس کا مصدر تیہ ہے۔ بمعنی حیرانی و پریشانی آوارگی۔ ارض سے مراد زمین شام و مصر کے درمیان ایک وسیع علاقہ ہے جسے علاقہ **تیہ** کہتے ہیں جہاں بنی اسرائیل

چالیس سال کے لئے قید کر دیئے گئے تھے اس میدان کی پیمائش میں اختلاف ہے۔ غالباً یہ نو کوس چوڑا اور تیس میل لمبا تھا۔ یہ بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے (تفسیر کبیر وغیرہ) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرماتے ہوئے رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ زمین مقدس ان لوگوں پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی۔ کہ وہاں ان کا داخلہ ناممکن ہو گیا۔ اب یہ لوگ اس میدان **تیہ** میں چالیس سال تک حیران و پریشان رہیں گے۔ اگر بستی قدس میں جانا بھی چاہیں گے تو نہ جا سکیں گے۔ **فلا تاس علی القوم الفسقین** اس جملہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی ہے۔ **تاس** بنا ہے **اسی** سے ۔ بمعنی رنج و غم' اسی سے ہے اساءة ۔ بمعنی غمگین کرنا۔ رب فرماتا ہے **فکیف اسی علی قوم کفرین۔ لا تاس** میں خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور **قوم فاسقین** سے مراد یہ ہی ضدی نافرمان اسرائیلی ہیں۔ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام آئندہ آپ ان اسرائیلیوں کی پریشانی دیکھ کر غم و رنج نہ فرمانا۔ یہ تو ہیں ہی اس لائق۔ اور ان کی یہ سزا آپ کی اس بددعا سے ہے۔ اس معنی سے یہ جملہ بالکل ظاہر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام یہ بددعا فرما کر رنجیدہ ہوئے تھے۔ تب فرمایا گیا کہ آپ اس پر غم نہ کریں۔ مگر بات وہ ہی ہے جو ہم نے عرض کی۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ان دو بزرگوں کا حکیمانہ جواب تو سن لیا جو انہوں نے بنی اسرائیل کے سمجھانے کے لئے دیا۔ اب بنی اسرائیل کا جواب الجواب بھی سنئے کہ وہ ایسی عظیم الشان فتح کی بشارتیں سننے کے باوجود بولے کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ اور آپ کے ساتھی **یوشع** و کالب خواہ کچھ بھی کہیں ہمارا جواب یہ ہے کہ جب تک قوم جبارین بیت المقدس میں ہے۔ ہم وہاں کبھی بھی قدم نہ رکھیں گے۔ جہاد بہت بڑی چیز ہے اگر آپ کو جہاد کا شوق ہے تو بسم اللہ آپ خود جائیں۔ اپنے رب کو ساتھ لے جائیں۔ آپ اور آپ کا رب دونوں جہاد کریں ہم تو یہاں ہی ٹھہریں گے۔ آگے نہ بڑھیں گے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اس نافرمان قوم سے مایوس ہو کر جناب باری میں دعا اور معذرت کی کہ میرے مولیٰ یہ قوم میرے قابو کی نہیں۔ مجھے تو صرف اپنی ذات اور اپنے بھائی ہارون و یوشع و کالب پر ہی اختیار ہے۔ میرے مولیٰ میں تو اس قوم سے تنگ آ گیا۔ ہم چاروں ہیں اور نافرمان قوم میں علیحدگی فرما دے کہ ہمارے لئے اور قسم کا فیصلہ فرما۔ ان کے لئے دوسری قسم کا فیصلہ کر دے۔ تب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی یا بذریعہ الہام فرمایا کہ اچھا وہ مقدس بستی انکے لئے چالیس سال تک حرام کر دی گئی کہ ان کا اس بستی میں اس عرصہ تک جانا ناممکن ہے۔ یہ ایک میدان میں ہی حیران و سرگرداں پھریں گے۔ اور آئندہ آپ ان کی پریشانی ملاحظہ فرما کر غم نہ کرنا۔ یہ لوگ ترس کھانے رحم کرنے کے لائق نہیں ہیں۔ یہ سزا ان کے لئے نہایت موزوں ہے۔ چنانچہ یہ چھ لاکھ اسرائیلی زمین شام و مصر کے درمیان ایک نو کوس چوڑے تیس میل لمبے میدان میں اس طرح قید کر دیئے گئے کہ یہ لوگ دن بھر چلتے کہ یہاں سے نکل جاویں مگر شام کو دیکھتے کہ جہاں سے چلے تھے وہاں ہی ہیں۔ اس عرصہ میں ان کی غذا کے لئے ان پر من و سلویٰ اتارا گیا۔ من میٹھا حلوا تھا اور سلویٰ نمکین کباب۔ جو روزانہ ان کو قدرتی طور پر مل جاتے تھے۔ ایک پتھر سے بارہ چشمے پانی کے

جاری کر دیئے گئے۔ جس سے یہ پانی پیٸں نہائیں۔ اس دوران میں ان کے کپڑے نہ گلے نہ پھٹے نہ میلے ہوئے۔ جو بچہ ان کے پیدا ہوتا۔ اس پر قدرتی ناخن کا لباس ہوتا تھا جو اس کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا تھا۔ رات کو روشنی کے لئے ایک ستون نمودار ہوتا تھا جو اس میدان میں بجلی کی ٹیوب کا کام دیتا تھا۔ دن کو ہلکا بادل ان پر سایہ کرتا تھا (از روح المعانی و بیان۔ کبیر و خازن وغیرہ) یہ پورا واقعہ باتفصیل پہلے پارہ میں گزر چکا ہے۔ چالیس سال پورے ہونے پر بنی اسرائیل حضرت یوشع علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوئے۔ اسے فتح کیا اس وقت بلعم ابن باعورا کے مردود ہونے اور سورج کے ٹھہر جانے کا واقعہ پیش آیا۔

وفات موسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں جو تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ نے بیان فرمائے **ایک** یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ میدان تیہ میں نہ رہے۔ آپ ان سے علیحدہ رہے۔ اور اس دوران میں بنی اسرائیل سے علیحدہ ہی آپ کی وفات واقع ہوئی کیونکہ مقام تیہ بنی اسرائیل کے لئے قید خانہ تھا۔ جہاں مجرم سرکشوں کو رکھا گیا۔ آپ وہاں کیوں رہتے نیز آپ نے دعا کی تھی کہ مولیٰ ہم میں اور ان فاسقین میں جدائی کر دے۔ پھر آپ ان کے ساتھ کیسے رہتے۔ **دوسرے** یہ کہ آپ بھی تیہ میں بنی اسرائیل کے ساتھ رہے۔ مگر ایسے جیسے جیل میں انتظام کے لئے پولیس بھی رہتی ہے۔ آپ کی برکتوں سے بنی اسرائیل کو وہاں غذا' پانی' ابر کا سایہ اور رات کو روشنی ملتی تھی۔ اگر آپ نہ ہوتے تو اسرائیلی وہاں جل بھن کر ختم ہو جاتے۔ آپ نے رب تعالیٰ سے فیصلہ میں جدائی کرنے کی دعا کی تھی نہ جگہ میں جدائی کی۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ آپ بنی اسرائیل کے ساتھ چالیس سال کے بعد تیہ سے آئے اور آپ کی معیت میں بیت المقدس پر جہاد ہوا۔ آپ نے ہی عوج ابن عناق کو مارا جو قوم جبارین کا سردار تھا۔ **تیسرے** یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام رہے تو بنی اسرائیل کا ساتھ مقام تیہ میں مگر چالیس سال پورے ہونے سے پہلے ہی آپ کی وفات مقام تیہ میں ہی واقع ہو گئی۔ ایک سال پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ اور ایک سال بعد آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو لے کر قوم جبارین پر جہاد کیا۔ اور بیت المقدس فتح کیا۔ یہ تیسرا قول زیادہ قوی ہے۔ **واللہ اعلم** جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے دعا کی کہ مولیٰ مجھے بیت المقدس سے قریب کر دے تاکہ میں اس زمین پاک میں دفن ہوؤں۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے آپ کو اس زمین پاک سے قریب فرما دیا۔ حضور فرماتے ہیں کہ اگر میں وہاں ہوتا تو تم کو موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا۔ لب سڑک ہے۔ ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ بستی قدس سے ایک پتھر پھینکنے کی بقدر دور ہے۔ آپ کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی (خازن) آپ کے بعد یوشع علیہ السلام آپ کے خلیفہ اور نبی بنے۔ انہوں نے بیت المقدس فتح کیا۔ جب حملہ کیا تو جمعہ کا دن تھا۔ سورج ڈوبنے لگا اگر ڈوب جاتا تو ہفتہ کی رات آ جاتی۔ اس دین میں ہفتہ کے دن جنگ حرام تھی۔ تو جہاد حرام ہو جاتا۔ دشمن ایک دن کی مہلت پا کر پھر تیاری کر لیتا۔ اس لئے آپ نے سورج سے کہا کہ تو بھی مامور ہے۔ میں بھی مامور ہوں۔ ذرا ٹھہر جا

مجھے فتح کر لینے دے۔ پھر ڈوبنا۔ چنانچہ سورج ٹھہر گیا۔ جب آپ نے بیت المقدس فتح فرما لیا۔ تب سورج ڈوبا۔ پھر یوشع علیہ السلام کی وفات ہوئی اور آپ کو افراثیم پہاڑ میں دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر ایک سو چھبیس سال ہوئی۔ آپ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ستائیس سال زندہ رہے (تفسیر خازن) اگر ان واقعات کی زیادہ تفصیل درکار ہو تو تفسیر روح البیان خازن' روح المعانی کا یہ مقام دیکھو۔ اس فقیر احمد یار خاں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر حاضری دی ہے۔ عمان سے جاتے ہوئے بیت المقدس کے قریب ایک معمولی سی بستی ہے۔ جس کا نام موسیٰ کلیم اللہ ہے۔ وہاں آپ کا مزار مقدس ہے۔ زبردست فوج کا وہاں پہرا ہے۔ کیونکہ بیت المقدس کے ادھر شہر پر یہود کا قبضہ ہے۔ ان سے ہر وقت خطرہ ہے۔ وہاں یہ فقیر کئی گھنٹے حاضر رہا۔ بہت جاذبیت اور فیض ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ سے کیسے افضل ہیں۔ باوفا ہیں۔ دیکھو ان لوگوں نے تو اپنے نبی سے کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا رب جائیں' جہاد کریں۔ ہم یہاں ہی رہیں گے۔ جہاد کی تکالیف آپ کو ہی پہنچیں۔ ہم تو جہاد بلکہ فتح کے بعد آرام حاصل کرنے وہاں پہنچیں گے گویا اپنے آرام پر نبی کو قربان کر رہے ہیں۔ مگر ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو متفکر دیکھ کر حضرت مقداد ابن اسود وغیرہم نے فرمایا تھا کہ یا رسول اللہ ہم اصحاب موسیٰ نہیں ہیں۔ جو آپ سے عرض کر دیں کہ آپ اور آپ کا رب جہاد کریں۔ ہم یہاں ہی رہیں گے۔ ہم اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ **شعر:**

☆ تعالیٰ اللہ یہ شیوہ ہی نہیں ہے باوفاؤں کا ☆
☆ پیا ہے دودھ ہم لوگوں نے غیرتمند ماؤں کا ☆
☆ اگر ارشاد ہو بحر فنا میں کود جائیں ہم ☆
☆ ہلاکت خیز گرداب بلا میں کود جائیں ہم ☆
☆ نبی کا حکم ہو تو پھاند جائیں ہم سمندر میں ☆
☆ جہاں کو محو کر دیں نعرہ اللہ اکبر میں ☆

ان صحابہ کرام نے اپنا سب کچھ حضور پر قربان کر دیا۔ اور جنگ بدر و حنین وغیرہ میں ساتھ دیا۔ عہد فاروقی میں تو ان حضرات نے کمال ہی کر دیا۔ جیسے حضور تمام نبیوں کے سردار ہیں ویسے ہی حضور کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ کے سردار ہیں۔ یوں سمجھو کہ امت مصطفوی اپنے نبی کے نام پر فدا اور قربان تھی اور ہے۔ امت موسوی اپنے آرام پر اپنے کو قربان کرنا چاہتی ہے۔ حضور انور پر ہجرت کی رات اور احد کے دن دشواریاں پیش آئیں۔ مگر ان دونوں وقتوں میں صحابہ نے حضور کا ساتھ نہ چھوڑا۔ حضور کی ہجرت کے وقت صرف دو صحابی مکہ میں تھے۔ حضرت ابوبکر اور علی۔ باقی حضرات ہجرت کر چکے تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے جو قربانیاں دیں وہ دنیا کو معلوم ہے۔ دوسرا فائدہ بنی اسرائیل ایسی سرکش قوم ہے

کہ ان سے ان کے نبی بھی بیزار تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ الٰہی مجھے صرف اپنے برادر اور اپنے بھائی پر ہی قابو ہے۔ اب بھی بنی اسرائیل یعنی یہود تمام دنیا کے لئے مصیبت بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے پیغمبر ہم سے کبھی بیزار نہیں ہوئے۔ ہمیشہ ہمارے لئے دعائیں ہی کرتے رہے۔ رات کو جب سب سوتے ہیں تو وہ رحمت والے کھڑے ہو کر مصلے پر امت کے لئے روتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ** بروں سے علیحدگی اچھی ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے علیحدگی کی دعا کی۔ **چوتھا فائدہ** جہاد کی فرضیت کے لئے فوج اور دوسرا جنگی سامان شرط ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل کے انکار کر دینے پر موسیٰ علیہ السلام کو جہاد کا حکم نہ دیا گیا۔ کیونکہ شرائط جہاد ختم ہو چکے تھے۔ ظاہری اعتبار صرف دو چار آدمی جہاد نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے لئے جہاد موخر کر دیا گیا۔ **پانچواں فائدہ** پیغمبر کی مخالفت کی وجہ سے کبھی دنیا میں بھی مصیبت آجاتی ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل کی اس حرکت میں ان پر دنیاوی آفت آگئی۔ کہ وہ مقام تیہ میں قید کر دیئے گئے۔ یوں ہی پیغمبر کی اطاعت سے دنیا میں بھی اللہ کی رحمتیں مل جاتی ہیں۔ حضرات صحابہ کرام کو رنگ لگ گئے کیونکہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے صدقہ میں ہم کو بھی حضور کی فرمانبرداری کی توفیق دے **چھٹا فائدہ** کبھی بروں کی وجہ سے اچھوں کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ دیکھو نافرمانی کی بنی اسرائیل نے مگر ان کے ساتھ مقام تیہ میں حضرت یوشع و کالب وہارون بلکہ دوسری روایت کی بنا پر موسیٰ علیہ السلام کو بھی رہنا پڑا۔ (روح البیان) **ساتواں فائدہ** کبھی مقبول بندوں کی برکت سے بروں کو بھی فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل کو اس قید کے زمانہ میں مقام تیہ میں غیبی روزی' قدرتی پانی' بادل کا سایہ رات کو غیبی روشنی چالیس سال تک ملتی رہی کیوں۔ اس لئے کہ ان میں حضرت ہارون' یوشع اور جناب کالب بھی تھے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام بھی تشریف فرما تھے۔ گویا ان بزرگوں کے صدقہ سے ان کی قید سی کلاس سے اے کلاس میں تبدیل ہو گئی۔ جہاں بجز نظر بندی کے اور کوئی تکلیف انہیں نہ ہوئی (روح البیان) **آٹھواں فائدہ** مقدس زمین میں اور بزرگوں کے قرب میں مقبولین الٰہی کی قبروں کے پاس دفن ہونا بڑی خوش نصیبی ہے دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت دعا کی کہ الٰہی مجھے ارض مقدسہ یعنی بیت المقدس کے پاس پہنچا دے۔ تاکہ میں اس زمین میں دفن ہوں۔ کیونکہ وہاں اس علاقہ میں حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب و یوسف علیہم السلام۔ مدفون ہیں۔ یوسف علیہ السلام کی نعش مبارک کئی سو برس کے بعد مصر سے بیت المقدس پہنچائی گئی۔ اب آپ کا مزار مقدس حضرت یعقوب علیہ السلام کی آغوش میں ہی ہے۔ اس گنہگار فقیر احمد یار نے ان تمام مزارات پر حاضری دی ہے۔ **الخلیل** بستی جو کہ بیت المقدس سے تیس کلومیٹر پر واقع ہے۔ وہاں غار انبیاء ہے۔ جس میں ستر ہزار پیغمبروں کے مزارات ہیں۔ ان میں یہ مزارات بھی ہیں۔ ان تمام کی تفصیل ہماری کتاب سفرنامہ تبلیغین میں ملاحظہ کرو۔ خیال رہے کہ تیہ میں قید ہوتے وقت جن اسرائیلیوں کی عمر بیس سال سے زائد تھی وہ تمام مقام تیہ میں فوت ہو گئے کہ یہ لوگ انکاری ہو گئے تھے جن کی عمر اس سے کم تھی یا جو وہاں ہی پیدا ہوئے وہ ارض مقدس میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے جیسا کہ تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے۔ **نواں فائدہ** جس دل میں نبی کی

حرمت نہ ہو اس میں اللہ تعالیٰ کی عزت اس کے احکام کا وقار کبھی نہیں آسکتا۔ دیکھو بنی اسرائیل کے دلوں میں موسیٰ علیہ السلام کا وقار نہ تھا تو ان کے دلوں میں نہ رب تعالیٰ کی عزت تھی اور نہ اس کے احکام کا احترام۔ غور کرو کہ انہوں نے حکم الٰہی کا کس بدتمیزی سے مذاق اڑایا۔ احترام نبی ایمان کی جان ہے۔ **دسواں فائدہ** جس کے دل میں اللہ رسول کی ہیبت نہیں اس کے دل میں کفار کی ہیبت ہوتی ہے اور جس دل میں اللہ رسول کی ہیبت ہو اس کے دل میں کسی کا خوف نہیں آتا۔ دیکھو حضرت کالب اور حضرت یوشع کے دلوں میں قوم جبارین کی ہیبت نہ آئی اور ان سات لاکھ اسرائیلیوں کے دل مٹھی بھر عمالقہ سے ڈر گئے کیوں' صرف اس لئے کہ ان دونوں کے دلوں میں خوف خدا تھا۔ ان تمام کے دل اس خوف سے خالی تھے۔

پہلا اعتراض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ خدایا میں صرف اپنی جان اور اپنے بھائی پر قابو رکھتا ہوں۔ کیا حضرت یوشع و کالب علیہما السلام آپ کے قابو میں نہ تھے اور ضرور تھے پھر یہ کلام کیوں کر درست ہوا؟ **جواب** مفسرین نے اس سوال کے کئی جواب دیئے ہیں۔ قوی اور بہتر جواب وہ ہے جو ہم نے تفسیر میں ابھی عرض کیا کہ یہاں اخ سے مراد صرف نسبی بھائی نہیں بلکہ دینی بھائی مراد ہے جس میں وہ سب حضرات شامل ہیں اخ جنسی معنی میں ہے۔ **دوسرا اعتراض** بنی اسرائیل تو اپنی اس سرکشی کی وجہ سے تیہ میں قید کیے گئے۔ حضرت موسیٰ و ہارون اور دوسرے مومنین وہاں کیوں قید کیے گئے انہوں نے کیا قصور کیا تھا۔ **جواب** وہ حضرات وہاں قید نہ کیے گئے۔ بلکہ ان قیدیوں کو سنبھالنے کے لئے وہاں رکھے گئے۔ جیسے جیل میں حکومت کا پورا عملہ رہتا ہے۔ سپرنڈنٹ جیل' ڈپٹی سپرنڈنٹ پولیس وغیرہ کیوں قیدیوں کو سنبھالنے ان کی حفاظت کے لئے تھے۔ اگر یہ حضرات وہاں نہ ہوتے تو بنی اسرائیل کو وہاں نہ من و سلویٰ ملتا۔ نہ پانی نہ روشنی نہ سایہ۔ یہ سب کچھ ان بزرگوں کی برکت سے ملا۔ ان کے قدم بابرکت تھے۔ **تیسرا اعتراض** جب موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ خدایا ہم کو ان فاسقوں سے الگ رکھ تو آپ کو تیہ میں ان مجرموں کے ساتھ کیوں رکھا گیا۔ کیا یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ **جواب** بعض مفسرین نے اسی وجہ سے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تیہ میں نہ رہے۔ مگر یہ قوی نہیں کیونکہ حضرت ہارون یوشع اور کالب علیہم السلام تو یقیناً وہاں رہے۔ پھر بھی اعتراض پڑ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنی علیحدگی کی دعا نہ کی تھی۔ بلکہ سب مسلمانوں کی علیحدگی کی دعا کی تھی۔ کہ عرض کیا تھا **فافرق بیننا وبین القوم الفسقین** قوی جواب یہ ہے کہ یہاں درجے مرتبے کی جدائی مراد ہے۔ نہ کہ جگہ یا وقت کی علیحدگی۔ لہذا آپ تیہ میں رہتے ہوئے بھی ان مجرمین سے الگ رہے۔ جیل کے حکام جیل میں ہوتے ہوئے بھی قیدیوں سے الگ رہتے ہیں۔ لہذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض** موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خبر دی تھی کہ یہ زمین مقدسہ اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ پھر وہ لوگ اس زمین کو کیوں حاصل نہ کر سکے۔ اور مقام تیہ میں کیوں قید ہوئے۔ کیا اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلط ہو گیا۔ **جواب** اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔ مگر چالیس سال کے بعد۔ ان کی سرکشی سے چالیس سال کی میعاد پڑ گئی۔ پھر یہ بنی

اسرائیل وہاں کے فاتح وہاں کے حاکم و سلطان ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ یہ زمین چالیس سال تک ان پر حرام ہے۔ یعنی اس مدت کے بعد ہم وہاں جائیں گے۔ **پانچواں اعتراض** رب تعالیٰ نے آخر میں کیوں فرمایا۔ کہ **فلا تاس علی القوم الفسقین** کہ آپ ان فاسقوں پر غم نہ کرو۔ جب خود ہی موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددعا کی تھی تو ان پر غم کرنے کے کیا معنی۔ پھر اس فرمان کا مطلب کیا ہے۔ **جواب** ہم اس کا جواب اشارۃً ابھی تفسیر میں دے چکے۔ مقصد یہ ہے کہ آئندہ آپ ان لوگوں کی تکلیف دیکھ کر غم نہ کریں۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام نے خود ہی کفار پر بددعا فرمائی۔ پھر آپ نے اپنے فرزند کنعان پر غم بھی کیا۔ ایسا آپ نہ کرنالہٰذا آیت واضح ہے۔ **چھٹا اعتراض** اصحاب موسیٰ نے اس وقت اپنے نبی کو چھوڑ دیا۔ اور اصحاب رسول اللہ نے ہجرت کی رات حضور کو چھوڑ دیا کہ سارے مکہ سے صرف ایک علی رضی اللہ عنہ ہی حضور کے بستر پر سوئے باقی تمام صحابہ غائب رہے اور احد کے دن سب ہی آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے (روافض) **جواب** یہ بالکل غلط ہے۔ ہجرت کی شب سوا حضرت علی و صدیق اکبر کے کوئی صحابی مکہ میں نہ تھے۔ سب پہلے ہی اسلام کی خاطر ہجرت کر گئے تھے۔ ان دونوں نے اپنی جانیں حضور پر فدا کر دیں۔ صدیق اکبر تو اول نمبر رہے۔ جنگ احد میں کوئی حضور کو چھوڑ کر نہ بھاگا۔ بلکہ یہ خبر مشہور ہو گئی تھی۔ کہ حضور شہید ہو گئے ادھر پیچھے سے حملہ ہوا۔ ان دو وجہوں سے افراتفری پھیل گئی۔ جنہیں حضور کی حیات کی خبر تھی وہ حضور پر ایسے فدا ہوئے جس کی مثال نہ ملے گی۔ **ساتواں اعتراض** اولاً بنی اسرائیل کو حکم جہاد دیا گیا۔ پھر ان کی سرکشی کی وجہ سے وہ حکم متوخر کر دیا گیا اور انہیں تیہ میں قید کر دیا گیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہی حکم جہاد کیوں نہ دیا گیا۔ ان سے فرما دیا جاتا کہ تم ہی جہاد کرو۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ جیسے ہمارے حضور سے کہا گیا۔ **وقاتل فی سبیل اللّٰہ لا تکلف الا نفسک** اور حضرت ابو بکر صدیق منکرین زکوٰۃ کے مقابلہ میں اکیلے جہاد کے لئے چل دیئے تھے۔ بعد میں مسلمان ملے اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب** جناب کلیم پر شریعت کا غلبہ تھا۔ اور حبیب پر فنافی اللہ کا غلبہ شریعت میں جہاد کے لئے فوج بھی شرط ہے۔ مقام فنا میں کوئی شرط نہیں۔ اپنے کو بہر حال پیش کر دینا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم کا نمرودی آگ میں چل دینا اپنے فرزند کو بلا حجت ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جانا اسی فنا کی جلوہ گری ہے۔ تحقیق میں کیوں۔ کیسے کس طرح کی گنجائش ہے مقام فنا میں اس کی گنجائش نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرات انبیاء کرام گویا نیسان بادل ہیں۔ اور ان کے فرمان اس کی بوندیں نیسان کی بوندیں اگر کسی سیپ میں پڑ جاویں تو در یتیم یا سچے موتی بن جاتے ہیں۔ اگر عمدہ زمین میں پڑیں تو سبزہ زار کر دیتے ہیں لیکن اگر زمین شورہ میں پڑیں تو ضائع جاتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام کے فرمان عالیہ سے ہی خوش نصیب لوگ صدیق ولی مجتہد بن جاتے ہیں۔ عوام انہیں فرمانوں سے مومن متقی پرہیزگار بن جاتے ہیں۔ مگر منافقین و کفار و بدنصیب لوگ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ فرمان ایسے شاندار تھے کہ اگر بنی اسرائیل خوش نصیب ہوتے اور ان پر عمل کرتے تو صالحین و صدیق بن جاتے مگر زمین بنجر تھی اس لئے وہ سب فرمان بیکار گئے بلکہ ان کا کفر عناد اور بھی بڑھ گیا۔ جس کے نتیجہ

میں وہ قید کر دیئے گئے۔ بارش ایک ہے مگر اثر لینے والے مختلف۔ شعر؎

☆ باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ☆ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ☆

تکلتہ حدیث شریف میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کا وقت وفات قریب آیا تو جناب ملک الموت آپ کی خدمت میں آئے۔ پیغام موت سنایا۔ آپ نے انہیں طمانچہ مارا جس سے ان کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ وہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر بولے کہ خدایا تو نے مجھے اس کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرماؤ کہ ایک بیل کی کھال پر ہاتھ پھیریں جس قدر بالوں پر آپ کا ہاتھ لگے فی بال ایک سال عطا ہو گا۔ چنانچہ ملک الموت پھر جناب کلیم اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے پیغام پہنچایا۔ فرمایا پھر کیا ہو گا۔ عرض کیا پھر موت۔ فرمایا تو ابھی سہی۔ صوفیاء اس طمانچہ مارنے کی نہایت عجیب وجہ بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ پہلے ملک الموت نے عرض کیا کہ میں اس لئے آیا ہوں تاکہ آپ کو دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف منتقل کر دوں۔ آپ نے طمانچہ مار دیا کہ ہم دارالفناء میں کب ہیں کہاں جو ہمیں منتقل کرو گے۔ ادب سے مارا اور وجہ پہچانتے ہوئے کلام کرو چنانچہ بعد میں دوبارہ حاضر ہو کر ملک الموت نے عرض کیا۔ اس لئے آیا ہوں لا وصل الحبیب الی الحبیب۔ پیارے کو پیارے سے ملا دوں۔ آپ فوراً تیار ہو گئے۔ اس طمانچہ میں تعلیم ادب تھی۔ اس حدیث کے بہت نکات سوالات کے جوابات ہمارے مواعظ میں ملاحظہ کرو۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا

اور تلاوت کرو ان پر ان کے خبر آدم کے دو بیٹوں کی ساتھ حق کے جبکہ قربانی دی ان دونوں نے قربانی پس قبول کر لی گئی ان دونوں میں

اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ

سے ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے وہ بولا کہ میں قتل کر دوں گا تجھے کہا اس کے سوا نہیں

ہوئی اور دوسرے کی نہ ہوئی بولا قسم ہے میں تجھے قتل کر دوں گا کہا اللہ

الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ

کہ قبول کرتا ہے اللہ پرہیزگاروں سے البتہ اگر پھیلایا تو نے میری طرف ہاتھ اپنا تاکہ قتل کر دے

اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا

يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّىْٓ

تو مجھے نہیں ہوں میں پھیلانے والا ہاتھ اپنا طرف تیری تاکہ قتل کر دوں تجھے بے شک

کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں میں اللہ

اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِكَ فَتَكُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ‌ۚ وَ

میں ڈرتا ہوں اللہ سے پالنے والا جہانوں کا بے شک میں ارادہ کرتا ہوں کہ لوٹے تو ساتھ گناہ میرے اور

سے ڈرتا ہوں جو مالک سارے جہان کا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے

ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيۡنَ‌ۚ ﴿۲۹﴾

گناہ اپنے کے پس ہو جاوے تو آگ والوں سے اور یہ بدلہ ہے ظالموں کا

ہی پلہ پڑیں تو تو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں نافرمان قوم کے سزا و عذاب کا ذکر تھا۔ جو اپنے کو اولاد نبی کہہ کر فخر کرتی تھی۔ اور نبی کی مخالفت کی وجہ سے عذاب کی مستحق ہوئی۔ یعنی بنی اسرائیل اب نبی کے نافرمان بیٹے کے انجام کا ذکر ہے۔ جو نبی زادہ ہونے کے باوجود نافرمانی کی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا۔ گویا نافرمان قوم کا انجام سنا کر نافرمان شخص کا انجام سنایا جا رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ نافرمانوں کے لئے نبی زادہ ہونا محض بیکار ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کے واجب قتل یعنی کفار پر جہاد نہ کرنے کا ذکر تھا کہ وہ یہ قتل نہ کر کے سزا کے مستحق ہوئے۔ اب قابیل کے حرام قتل کرنے کا ذکر ہے۔ کہ وہ خون ناحق کر کے عذاب نار کا مستحق ہوا۔ گویا قتل واجب کا ذکر فرمانے کے بعد قتل حرام کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حاسد یہودیوں کی بزدلی کا ذکر تھا۔ اب اس آیت کریمہ میں حاسد قابیل کی حرام خون پر جرأت کا تذکرہ ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ حاسد نیکیوں سے بزدل ہوتا ہے۔ گناہوں پر دلیر ہوتا ہے۔ غرض کہ حسد کے ایک انجام کا ذکر پہلے ہوا۔ دوسرے انجام کا ذکر اب ہے۔ یہود ہمیشہ سے ہی حاسد ہیں۔

تفسیر واتل علیهم یہ نیا جملہ ہے۔ اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے۔ **اتل** بنا ہے تلاوت سے صرف قرآن کریم کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے۔ احترام کے لئے۔ ورنہ **لغة** ہر پڑھنا تلاوت ہے۔ کیونکہ یہ بنا ہے **تلو** سے۔ بمعنی پیچھے اس لئے منطق جملہ شرطیہ کو قضیہ کہتے ہیں اور اس کی شرط کو مقدم اور اس کی جزاء کو جو پیچھے ہے تالی کہتے ہیں۔ یعنی پیچھے آنے والا جملہ۔ چوں کہ پڑھنے والا پڑھنے کے دوران ہر لفظ کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اس لئے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے۔ یہاں اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ یعنی آیات قرآنیہ کا پڑھنا **علیهم** میں ضمیر کا مرجع یا تو اہل کتاب ہیں کیونکہ اب تک انہیں کا ذکر ہوا ہے۔ نیز یہ واقعہ توریت و انجیل میں مذکور ہے۔ حضور کا اس واقعہ کو بالکل صحیح بیان فرمانا آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ یا اس کا مرجع مسلمان ہیں یا سارے انسان اہل کتاب ہوں۔ یا مومنین یا کوئی اور۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ **نبا ابنی آدم بالحق** **نبا** **اتل** کا مفعول بہ ہے۔ اس کے معنی ہیں خبر۔ اس لئے پیغمبر کو نبی کہتے ہیں۔ بمعنی خبر والا یعنی خبر رکھنے والا یا خبر دینے والا یا خبر لینے والا **ابنی ادم** کے متعلق بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں بنی اسرائیل کے دو شخص

ہیں۔ چونکہ سارے انسان بنی آدم ہیں اس لئے انہیں ابن آدم فرمایا گیا۔ کیونکہ آگے آرہا ہے۔ **من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسراءیل** الخ مگر حق یہ ہے کہ ان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹے ہیں قابیل اور ہابیل۔ کیونکہ اسی آیت کے بعد آرہا ہے کہ قاتل کو مقتول کی نعش دفن کرنے کا طریقہ نہ آیا تو کوے کو بھیج کر دفن کرنا سکھایا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی میت تھی۔ اور پہلا دفن۔ اگر بنی اسرائیل کے دو آدمی ہوتے تو انہیں دفن کا طریقہ معلوم ہوتا۔ **بالحق** یا تو **اتل** کے متعلق ہے یا **ثابتا** کے متعلق ہو کر نبا کی صفت ہے۔ یعنی اے محبوب آپ بنی اسرائیل کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی سچی خبر سنا دیجئے یا حق کے ساتھ تلاوت فرمادیجئے۔ خیال رہے کہ حضرت حوا کے بیس حمل سے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ ہر حمل میں ایک لڑکا ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ ان میں پہلے سے قابیل اور اس کی بہن اقلیمہ پیدا ہوئے۔ ایک سال کے بعد پھر حمل سے ہابیل اور لیوا پیدا ہوئے۔ ہابیل کے قتل ہو جانے پر ایک لڑکی زیادہ بچ رہی۔ اس لئے حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ بعض نے کہا کہ قابیل اور اقلیمہ جنت میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر صحیح یہ ہے۔ کہ زمین پر آکر پیدا ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی نسل میں ایسی برکت دی کہ آپ کی وفات کے وقت چالیس ہزار انسان موجود تھے۔ بیٹے' پوتے' نواسے سب ملا کر۔ اس زمانہ میں لڑکے پر اپنی توام (ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی حرام دوسرے حمل کی بچی حلال ہوتی تھی۔ اس لئے قابیل کے لئے لیوا حلال تھی۔ اور ہابیل کے لئے اقلیما حلال مگر اقلیما خوبصورت تھی۔ اس لئے قابیل نے چاہا کہ اس سے ہی نکاح کرے۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا یہ لڑکی تیرے لئے حرام ہے۔ یہ ہابیل کے نکاح میں جاسکتی ہے۔ قابیل بولا آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ کا یہ حکم نہیں ہے۔ آپ کی اپنی رائے ہے آپ ہابیل کو زیادہ چاہتے ہیں۔ اس لئے آپ کی کوشش یہ ہے کہ خوبصورت لڑکی اس کی بیوی بنے۔ تب آپ نے فرمایا۔ اچھا تم دونوں اقلیمہ کے متعلق قربانیاں پیش کرو۔ جس کی قربانی قبول ہو جاوے۔ وہ ہی اقلیمہ سے نکاح کرے۔ دونوں نے قبول کرلیا اس کا ذکر یہاں ہے۔ **اذ قربا قربانا۔ اذ** ظرف ہے۔ **نباہ** کا **نباء** ہی اس میں عامل ہے۔ کیونکہ **نبا** میں معنی مصدر ہیں۔ قربان اس پیش کش کا نام ہے۔ جس سے قرب الہٰی حاصل کیا جاوے۔ **قربا** کا فاعل وہ دو بیٹے ہیں۔ قابیل و ہابیل قربان میں جانور ہی کی قید نہیں کوئی چیز ہو قرب الہٰی کے لئے پیش ہو قربان ہے۔ قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا۔ ہابیل جانور پالتا تھا۔ چنانچہ ہابیل نے تو نہایت نفیس دنبہ ذبح کیا۔ اور قابیل نے نہایت ردی گندم کی بالیاں لیں حتی کہ جس بالی میں اچھی گندم تھی وہ مل کر خود کھالی۔ یہ دونوں چیزیں ایک پہاڑ پر رکھ دیں۔ قابیل کی نیت یہ تھی کہ اگر میری قربانی قبول نہ بھی ہوئی۔ جب بھی اقلیمہ کو چھوڑوں گا نہیں۔ ہابیل نہایت اخلاص سے قربانی لے گیا۔ دل میں سوچ لیا کہ میں اللہ کے حکم پر راضی ہوں۔ جو فیصلہ ہو گا مجھے منظور ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ **فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر**۔ یہ ہابیل و قابیل کی قربانیاں پیش کرنے کے نتیجہ کا بیان ہے **ف تعقیب** بلا تراخی کے لئے ہے۔ **احدھما** سے مراد ہے ہابیل اور **اخر** سے مراد ہے قابیل۔ اس زمانہ میں قربانی قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ سفید رنگ کی غیبی آگ

آسمان سے آتی اور قربانی کی چیز کو جلا جاتی تھی۔ مردود قربانی پر آگ نہ آتی تھی۔ نہ جلاتی تھی۔ وہ یونہی پڑی رہتی تھی۔ اس قاعدہ سے اس پہاڑ پر بھی آگ آئی اور ہابیل کا دنبہ جلا گئی۔ قابیل کی گندم کی بالیاں یوں ہی پڑی رہیں۔ **حضرت سعید ابن جبیر** فرماتے ہیں کہ ہابیل کا دنبہ آگ اٹھا کر لے گئی۔ یہ دنبہ جنت میں رہا اور پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ بنا۔ جسے رب فرماتا ہے۔ **وفدیناہ بذبح عظیم** (تفسیر صاوی و روح البیان) یعنی ہابیل کی قربانی قبول ہوئی اور قابیل کی قربانی رد ہو گی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اقلیمہ ہابیل کی بیوی بن سکتی ہے قابیل کی نہیں بن سکتی چاہیے تو یہ تھا کہ قابیل اس فیصلہ آسمانی کو مان کر خاموش ہو جاتا۔ مگر **قال لا قتلنک** بجائے توبہ کرنے کے اس پر حسد کا بھوت سوار ہو گیا اور ہابیل سے بولا کہ اب اگر اقلیمہ کا نکاح تجھ سے ہو گیا تو میری بڑی ذلت ہو گی۔ اس لئے میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ تاکہ تو اقلیمہ سے نکاح نہ کر سکے۔ مگر قابیل نے یہ دھمکی فوراً ہی نہ دی۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام حج کو تشریف لے گئے تب اس نے یہ کہا۔ **قال انما یتقبل اللہ من المتقین** اس قبولیت و مردودیت میں میرا کوئی قصور نہیں۔ قصور تیرا ہے کہ تو فاسق و فاجر ہے۔ تو نے حضرت آدم علیہ السلام کا کہنا نہ مانا۔ تو نے حرام عورت سے نکاح کرنا چاہا تو نے بدنیتی سے قربانی پیش کی۔ تو نے ردی مال کی قربانی دی۔ بفضلہ تعالیٰ میں ان برائیوں سے دور ہوں۔ اس لئے میری قربانی قبول ہوئی۔ تیری رد۔ غرضیکہ عمل قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ عمل کا اچھا ہونا۔ عامل کا متقی ہونا۔ تقویٰ دو قسم کا ہے۔ تقویٰ جسمانی' تقویٰ دل' تقویٰ جسمانی نفی و اثبات کا مجموعہ ہے۔ یعنی ممنوع کاموں سے بچنا۔ اچھے کام کرنا۔ تقویٰ دلی ہے۔ اللہ کی مقبول چیزوں کی تعریف کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔** تیرا عمل بھی خراب ہے کہ اپنی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ تو خود نہ جسمانی متقی ہے کہ تو ممنوع کام کرتا ہے۔ اچھے کام نہیں کرتا۔ نہ دلی متقی ہے۔ کہ تیرے دل میں حضرت آدم کا ادب نہیں جو نبی بھی ہیں تیرے والد بھی۔ پھر تیری قربانی میں قبولیت کہاں سے آئے۔ لہٰذا اب تیرا مجھے قتل کرنے کا ارادہ بھی فسق پر فسق ہے۔ سن لے میرا ارادہ یہ ہے کہ **لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لاقتلک۔** لام قسم کا ہے ان شرطیہ **بسط** کے معنی ہیں پھیلانا۔ اسی لئے بستر کو بساط کہتے ہیں کہ وہ پھیلایا اور بچھایا جاتا ہے۔ یہاں ہاتھ بڑھانا مراد ہے۔ دونوں جگہ قتل کے لئے ہاتھ بڑھانا مراد ہے۔ یعنی اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ تو میں اس کے جواب میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ بلکہ اگر تجھے قتل کئے بغیر میرا بچاؤ نہ ہو سکا تو اپنے بچاؤ کے لئے تجھے قتل نہ کروں گا۔ بلکہ خود قتل ہو جاؤں گا۔ تاکہ میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مظلوم مقتول ہو کر پیش ہوں۔ غرض کہ یہاں اپنے بچاؤ کی نفی نہیں۔ بلکہ قتل قابیل کے لئے ہاتھ اٹھانے کی نفی ہے۔ لہٰذا آیت واضح ہے کیونکہ **انی اخاف اللہ رب العلمین** یعنی میرا ہاتھ نہ اٹھانا کسی کمزوری و بزدلی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ صرف خوف خدا کے لئے ہے۔ ہابیل عمر میں قابیل سے بڑے تھے۔ اور طاقت و قوت میں بھی زیادہ۔ اگر ہابیل ہاتھ اٹھاتے تو قابیل یقیناً مارا جاتا۔ شاید اس قتل میں آپ سے کچھ زیادتی ہو جاتی۔ اس لئے

آپ نے ہاتھ نہ اٹھایا۔ **انی ارید ان تبوا باثمی واثمک** اس عبارت میں قابیل کو قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھانے کی دوسری وجہ کا ذکر ہے۔ ایک وجہ تھی خوف خدا۔ دوسری وجہ یہ ہے **تبوء** بنا ہے **بوء** سے۔ معنی لازم ہونا۔ اقرار کرنا۔ ہونا۔ رجوع کرنا۔ یہاں آخری معنی میں ہے چونکہ انسان کا اصل وطن آخرت ہے۔ دنیا تو ایک سفری منزل ہے۔ وہاں سے دنیا میں آیا ہے۔ وہیں ہی جاتا ہے اس کے وہاں جانے کو رجوع بوء یعنی لوٹنا واپس ہونا کہا جاتا ہے۔ **اثمی** میں مضاف پوشیدہ ہے اصل میں **اثم قتلی** تھا۔ یہاں گناہ کی نسبت ہابیل کی طرف **سببیت** کی نسبت ہے نہ کہ فاعلیت کی اور **اثمک** سے مراد قابیل کے پچھلے گناہ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا حکم نہ ماننا۔ ناجائز نکاح کا ارادہ کرنا۔ ہابیل کے قتل کا ارادہ کرنا۔ پھر قتل کے بعد مرتد ہو جانا' گانا' بجانا' باجے تاشے ایجاد کرنا وغیرہ اور ہو سکتا ہے کہ **اثمی** سے مراد ہابیل کے سارے گزشتہ گناہ ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ظالم قاتل پر مقتول کے گناہ لاد دیئے جائیں گے۔ لہذا آیت واضح ہے۔ یعنی میں چاہتا ہوں کہ میں ظالم نہ بنوں۔ مظلوم بنوں۔ تاکہ تو قیامت میں میرے تمام گناہوں کا بوجھ بھی اٹھالے اور اپنے گناہوں کا بھی۔ **فتکون من اصحب النار** یہ عبارت **ان تبوء** پر مرتب ہے۔ **اصحاب النار** سے مراد ہے۔ دائمی دوزخی ہو جانا۔ جو کافروں کے لئے ہوگا۔ یا تو قابیل اس وقت ہی مرتد ہو چکا تھا۔ نبی کے فرمان کو غلط سمجھنے کی وجہ سے یا آئندہ مرتد ہونے والا تھا۔ اس لئے ہابیل نے یہ کہا **وذلک جزاء الظلمین** ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام بھی ہابیل کا ہی ہے۔ جو انہوں نے قابیل سے کیا۔ **ظالمین** سے مراد مرتدین یا قاتلین ہیں۔ **ذلک** سے اشارہ گزشتہ سزاؤں کی طرف ہے۔ اپنے اور دوسرے کے گناہ لے کر لوٹنا دائمی دوزخی ہونا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ فرمان رب تعالیٰ کا ہو۔ اور خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔ یعنی اے محبوب ظالموں' قاتلوں' مرتدوں کی یہ ہی سزا ہے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان حاسدین' بے وفا معاندین یہودیوں کو یا اپنی امت کو یا تمام لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کا سچا واقعہ پڑھ کر سنا دو۔ جبکہ دونوں بھائیوں میں ایک لڑکی اقلیمہ کے متعلق اختلاف ہوا۔ تو آدم علیہ السلام کے حکم سے قرعہ اندازی کے طریقہ پر دونوں نے بارگاہ الٰہی میں اپنی اپنی قربانیاں پیش کیں۔ اس طرح کہ ہابیل نے تو اعلیٰ درجہ کا دنبہ نہایت خوش دلی نیک نیتی سے اور قابیل نے اپنے کھیت کے گندم کی ردی بالیاں نہایت بددلی بدنیتی سے ایک پہاڑ پر رکھ دیں۔ چنانچہ ہابیل کی قربانی تو قبول ہو گئی کہ غیبی آسمانی آگ ان کے دنبہ کو جلا گئی۔ یا اٹھالے گئی۔ اور قابیل کی قربانی رد ہو گئی کہ اسکی ردی بالیاں ویسے ہی پڑی رہیں تو قابیل بجائے توبہ کرنے کے حسد کی آگ سے اور بھڑک گیا بولا کہ اے ہابیل میں تجھے قتل کر دوں گا۔ تاکہ تو اقلیمہ سے نکاح نہ کر سکے۔ ہابیل نے کہا کہ اس قربانی کے رد ہونے میں میرا کیا قصور ہے۔ میں حق پر ہوں بے قصور ہوں۔ اخلاص سے میں نے قربانی پیش کی۔ نیک نیت میں تھا اور تو ناحق پر ہے۔ قصور مند ہے۔ قربانی میں نہ تجھے اخلاص نصیب ہوا۔ نہ نیک نیتی۔ لہذا تو فاسق ہے۔ فاسق کی قربانی قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ متقیوں پرہیزگاروں کی قربانیاں قبول کرتا ہے۔ اے قابیل سن لے۔ اگر تو نے مجھے قتل

کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ کیونکہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ قاتل کی سزا رب تعالیٰ کے یہاں بہت ہی سخت ہے۔ سن لے میں بزدل یا کمزور نہیں ہوں۔ تجھ سے عمر میں بڑا بھی ہوں۔ طاقت میں زیادہ بھی مگر میں چاہتا ہوں کہ میں تیرے گناہ لے کر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوں بلکہ تو میرے قتل کا گناہ اور اپنے باقی سارے گناہ لے کر یا میرے سارے گناہ اور اپنے سارے گناہ لے کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو تو تو دوزخی ہو جاوے۔ مجھے اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچائے۔ خیال رکھ کہ تو مجھے قتل کرنے میں ظالم ہو گا۔ اور ظالم کی یہ ہی سزائیں ہیں جو میں نے تجھے سنائیں۔ اب بھی ہوش کر۔ اور اپنے برے ارادے سے باز آجا۔ گزشتہ تمام گناہوں سے توبہ کر لے۔ تاکہ پاک و صاف رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دے سکے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ قوم کو گزشتہ محبوبین اور مردودین کے قصے سنانا تاکہ قوم کی اصلاح ہو' سنت الہیہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو مقبول بارگاہ ہابیل اور مردود بارگاہ قابیل کا قصہ سنانے کا حکم دیا۔ یہ قصے بھی اعلیٰ درجے کی تبلیغ ہیں۔ دوسرا فائدہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ سلم کو تمام اولین و آخرین کے علوم بخشے۔ یہ فائدہ **واتل علیھم** سے حاصل ہوا۔ ہابیل و قابیل کا واقعہ حضور کی ولادت سے قریباً سات ہزار برس پہلے کا ہے۔ مگر فرمایا گیا۔ کہ انہیں یہ واقعہ سنادو۔ کوئی قصہ اس سے سنوایا جاتا ہے۔ جسے وہ یاد ہو۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے یہ واقعہ بالکل اجمالی طور سے بیان کیا نہ یہ بتایا کہ وہ بیٹے کون تھے۔ ان میں کیا جھگڑا تھا۔ انہوں نے قربانی کن چیزوں کی پیش کی۔ کس عورت میں جھگڑا تھا۔ یہ سب چیزیں حضور علیہ السلام نے بتائیں۔ تیسرا فائدہ پیغمبر کی بے ادبی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ قابیل نے حضرت آدم کی بے ادبی کی کہ آپ غلط کہتے ہیں۔ اقلیمہ سے میرا نکاح درست ہے۔ تو آخر کار وہ قاتل۔ زانی' مرتد' بدمعاش سب کچھ بن گیا۔ چوتھا فائدہ شرعی قانون سب کے لئے لازم العمل ہیں۔ کوئی نبی زادہ ولی زادہ ان سے الگ نہیں ہو سکتا۔ جب سارے انسان اپنی زندگی کے لئے ہوا۔ پانی' غذا کے حاجت مند ہیں تو وہ سب ایمان زندگی کے لئے شرعی قوانین کے بھی پابند ہیں۔ دیکھو قابیل نبی زادہ تھا۔ مگر اس نے دین آدم علیہ السلام کو نہ مانا مارا گیا۔ پانچواں فائدہ دنیا میں پہلا قتل ایک عورت کی وجہ سے ہوا جھگڑے کی بنیادیں تین ہیں۔ زن' زر' زمین' جن میں زن بڑی بنیاد ہے۔ اس لئے شریعت میں عورت پر پردہ وغیرہ کی پابندی لگائی ہے۔ آگ محدود رہے تو مفید ہے۔ حد سے باہر آئے تو ہلاکت۔ چھٹا فائدہ رب تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ ایک ہی پیٹ سے کافر' مومن' سعید' شقی' کالے' گورے پیدا فرماتا ہے۔ حضرت حوا کا پیٹ ایک' مگر اسی پیٹ سے ہابیل پیدا ہوئے۔ سعید' قابیل پیدا ہوا' شقی' سانچہ ایک مگر ڈھلنے والے برتن مختلف۔ ساتواں فائدہ نبی کا گستاخ مخلوق میں سب سے پہلے شیطان ہے اور انسانوں سے پہلا گستاخ قابیل' دونوں کا انجام دیکھ لو۔ آٹھواں فائدہ مرتد و بے دین کو نبی زادہ ہونا بالکل ہی بیکار ہے۔ پیغمبر زادگی ایمان کے ساتھ مفید ہے۔ دیکھو قابیل نبی زادہ تھا۔ مگر ہلاک ہو گیا۔ نواں فائدہ جھگڑے چکانے کے لئے قرعہ اندازی بہت اچھی چیز ہے دیکھو

ہابیل و قابیل کے جھگڑے ختم کرنے کے لئے قربانی کے ذریعہ قرعہ اندازی کرائی گئی۔ یہ قربانی ایک قسم کی قرعہ اندازی ہی تو تھی۔ دسواں فائدہ قربانی بڑی پرانی رسم ہے۔ دیکھو ہابیل نے قربانی دی۔ اگرچہ اسلامی قربانی اور پچھلی قربانیوں میں کئی طرح فرق ہے۔ گیارہواں فائدہ قربانی کا گوشت کھانا اسلام میں جائز ہوا۔ جیسے مال غنیمت کا استعمال صرف اسلام میں ہی ہے۔ اس سے پہلے نہ تھا۔ یہ گوشت اور مال غنیمت پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ جسے غیبی آگ جلا جاتی تھی۔ ہر جگہ نماز ادا ہو جانا۔ تیمم قربانی کا گوشت مال غنیمت صرف اسلام میں حلال ہوئے۔ اس سے پہلے حلال نہ تھے۔ بارہواں فائدہ حسد تمام گناہوں کی جڑ ہے شیطان مردود ہوا تو حسد سے' قابیل ہلاک ہوا تو حسد سے' قتل ہابیل حسد کی بنا پر ہوا۔ اللہ تعالیٰ حسد سے بچائے۔ تیرہواں فائدہ تمام فتنوں میں عورت کا فتنہ بہت زبردست ہے۔ دنیا میں پہلا قتل عورت کی وجہ سے ہوا۔ قابیل نے ہابیل کو عورت ہی کی وجہ سے قتل کیا۔ زن' زر' زمین یہ جھگڑے کی بنیادیں ہیں۔ ان سب میں زن بہت خطرناک ہے۔ **شعر:۔**

☆ جھگڑے کی بنیادیں تین ☆ زن ہے۔ زر ہے اور زمین ☆
☆ اگر نیک ہووے سر انجام زن ☆ زنان رامزن نام ہووے نہ زن ☆

چودہواں فائدہ مظلوم مقتول کے گناہ ظالم قاتل پر ڈال دیئے جائیں گے۔ کہ وہ اپنے گناہوں کی بھی سزا بھگتے گا اور مظلوم کے گناہوں کی بھی جیسا کہ **باثمی واثمک** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ پندرہواں فائدہ مرتد دائمی دوزخی ہے کہ کفار کی کبھی بخشش نہیں۔ یہ فائدہ **من اصحب النار** سے حاصل ہوا۔ سولہواں فائدہ اگر مظلوم مقتول اپنی جان بچانے کے لئے قاتل کو قتل کر دے۔ جب کہ اس کے بغیر قتل کئے اپنی جان نہ بچتی ہو تو جائز ہے۔ اسے حفاظت خود اختیاری کہتے ہیں۔ لیکن اگر مظلوم خود قتل ہو جاوے۔ ظالم کو قتل نہ کرے تو جب کہ اسے اپنا قتل ہو جانا یقین سے معلوم ہو تو جائز بلکہ ثواب ہے۔ یہ فائدہ **ما انا بباسط یدی الیک لاقتلک** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ہابیل کے اس صبر کی تعریف فرمائی۔ دیکھو حضرت عثمان غنی نے ظالم قاتل کا مقابلہ نہ کیا صابر رہتے ہوئے۔ تلاوت قرآن کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ آپ کا یہ عمل اس آیت کی تفسیر ہے۔ باغیوں سے جنگ نہ کرنا' مظلوم شہید ہو جانا۔ اس آیت سے ثابت ہوا۔ اور حضرت علی نے باغیوں سے جنگ کی۔ ان کا عمل اس آیت پر تھا۔ **فقاتلوا التی تبغی حتی تفئی الی امر اللہ** یہ دونوں حضرات اللہ کے پیارے ہیں۔ سترہواں فائدہ قربانی کی قبولیت تقویٰ و اخلاص سے ہے نہ کہ محض ظاہری ٹیپ ٹاپ سے۔ یہ فائدہ **انما یتقبل اللہ من المتقین** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لن ینال اللہ لحومھا ولا دمائھا** الخ۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہابیل نے اپنے کو قابیل کے سامنے پیش کر دیا اپنے بچاؤ کی کوشش نہ کی۔ یہ تو

خود کشی ہے۔ جیسے زہر کھا کر یا اپنے کو پھانسی لگا کر ہلاک کرنا خود کشی ہے ایسے ہی ظالم قاتل کے سامنے لیٹ جانا اس کے ہاتھ میں تلوار دے دینا۔ اپنا گلا اس کے سامنے کر دینا بھی خود کشی ہے پھر ہابیل نے یہ کیوں کیا۔ اور رب تعالیٰ نے ان کی اس حرام موت کی تعریف کیوں فرمائی (بعض بے دین) جواب ظلماً" قتل سامنے آجاوے تو اس وقت چار صورتیں ہوتی ہیں جن میں سے تین صورتیں جائز ہیں۔ ایک صورت ناجائز۔ ایک اپنا دفاع کرنا یعنی ظالم کا مقابلہ کرنا اگرچہ اس دفاع میں حملہ آور کو قتل کرنا ہی پڑ جاوے۔ یا اس سے جنگ و قتال کی نوبت آجاوے۔ حضرت حسین اور حضرت علی کا قاتلین سے مقابلہ اسی بناء پر تھا۔ دوسرے یہ کہ ایسی حالت میں ظالم کو قتل نہ کرنا اپنے بچاؤ کی اور کوئی صورت اختیار کرنا۔ جیسے بھاگ جانا۔ یا اس کے وار کو روکنے کی کوشش کرنا یہ بھی جائز ہے۔ دیکھو ہجرت کی رات جب کفار مکہ نے قتل کے ارادہ سے حضور کا گھر گھیر لیا تو حضور انور نے اپنا بچاؤ کیا۔ کہ آپ وہاں سے نکل گئے۔ مگر دفاع نہ کیا یہ اسی دوسری صورت پر عمل ہے۔ تیسرے اپنے بچاؤ کی بھی کوشش نہ کرنا۔ یونہی صابر بن کے بیٹھے رہنا اور مقتول ہو جانا یہ بھی جائز ہے۔ خود کشی نہیں حضرت ہابیل کا یہ تیسرا ہی عمل ہے۔ جو بالکل جائز ہے۔ جیسے حضرت عثمان غنی کی شہادت چوتھے تلوار قاتل کے ہاتھ میں دینا۔ اس کا دیا ہوا زہر کھالینا یہ خود کشی ہے اور اس طرح مرنا حرام موت مرنا ہے۔ دیکھو زانی' ظالم قاتل کا حاکم کے سامنے پیش ہو کر اقرار جرم کر کے رجم یا پھانسی پا جانا حرام موت یا خود کشی نہیں۔ مگر اپنے کو خود قتل کر لینا یا کسی سے کہہ کر اپنے کو مروا دینا خود کشی ہے۔ قانون کے تحت موت حلال ہے۔ قانون کے خلاف حرام۔ دوسرا اعتراض ہابیل نے اپنا قتل کیوں منظور کیا۔ اقلیمہ کو ہی کیوں نہ چھوڑ دیا تاکہ اپنی جان بچ جاتی۔ جواب اقلیمہ قابیل کے لئے حرام تھی اگر ہابیل کہہ دیتے کہ تو ہی اس سے نکاح کر لے میں نہیں کرتا۔ یہ خلاف حکم ایمان تھا۔ یہ کفر کی اجازت دینا کفر ہوتا۔ آپ نے جان دے دی کفر اختیار نہ کیا۔ تیسرا اعتراض ہابیل نے یہ کیوں کہا **انی اخاف اللہ رب العلمین**۔ اگر آپ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے اسے مار دیتے تو گنہگار نہ ہوتے پھر اس میں خوف خدا کی کیا بات تھی۔ خوف خدا تو ناجائز کام پر چاہیے۔ جواب اس لئے کہ ہابیل بمقابلہ قابیل کے قوی و صحت مند بھی تھے اور عمر میں بھی زیادہ۔ اگر اپنا دفاع کرتے تو شاید دفاع میں حملہ آور بن جاتے اور حملہ آوری میں کوئی بات حد سے زیادہ ہو جاتی۔ جو رب تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہوتی۔ اس ناجائز کے احتمال سے آپ نے جائز دفاع بھی نہ کیا۔ حرام سے بچنے کے لئے مشتبہ سے بھی پرہیز کیا۔ یہ تقویٰ کی انتہا ہے۔ چوتھا اعتراض کسی کو کافر یا گنہگار بنانے کی کوشش کرنا بھی تو گناہ ہے۔ گناہ کرنا گناہ کرانا گناہ پر مدد دینا سب ہی گناہ ہے۔ تو ہابیل نے یہ کیوں کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ لے کر لوٹے۔ اس کے گنہگار ہو کر مرنے کی کوشش کیوں کی۔ جواب کسی کو گناہ کی رغبت دینا یا گناہ میں مدد دینا یہ ہے۔ گناہ کرانا۔ یہ ممنوع ہے۔ یہاں ان میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ ظلماً" قتل کرنا قابیل نے چاہا تھا۔ آپ نے اپنے دفاع نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تو مجھے قتل کرے گا تو میں تجھے قتل کرنے کا ارادہ نہ کروں گا۔ تاکہ گنہگار ہو کر تو مرے میں نہ مروں۔ نہ اس میں قتل کی رغبت ہے۔ نہ قتل کی مدد کرنا۔ بلکہ اپنے کو

قتل سے بچاناہے۔ اور قابیل کو قتل سے باز رہنے کی تبلیغ ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے۔ کہ قابیل اس ارادہ سے باز آ جاوے (تفسیر خازن) پانچواں اعتراض قابیل نے قتل ہابیل کا جرم کیا مردود ہوا۔ اور اولاد یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ستایا۔ حضرت یعقوب کو رلایا۔ مگر محبوب رہے۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ جواب وجہ ظاہر ہے کہ قابیل کے ان جرموں کی وجہ اقلیمہ عورت سے محبت حضرت آدم سے عداوت تھی۔ اور اولاد یعقوب علیہ السلام کے ان جرموں کی وجہ جناب یعقوب کی محبت تھی۔ کہ آپ یوسف علیہ السلام سے الگ ہو کر ہم سے محبت کرنے لگیں گے بنیادوں میں فرق تھا تو پھلوں اور نتیجوں میں فرق ہو گیا۔ چونکہ ابھی یہ واقعہ پورا بیان نہیں ہوا کچھ حصہ ابھی آرہا ہے۔ اس لئے اس کی تفسیر صوفیانہ انشاء اللہ آگے بیان ہوگی۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ

پس رغبت دی اس کو اس کے نفس نے قتل کی اپنے بھائی کے پس قتل کر دیا اس کو پس ہو گیا نقصان

تو اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ

والوں سے　پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کھودتا تھا زمین میں تاکہ دکھائے اس کو کیسے

نقصان میں　تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا تاکہ اسے دکھائے کیونکر اپنے

يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا

چھپائے جسم مردہ اپنے بھائی کا بولا ہائے خرابی میری کیا عاجز ہو گیا میں یہ کہ ہوؤں میں مثل

بھائی کی لاش چھپائے بولا ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا

الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اس کوے کے پس چھپا دیتا میں مردہ جسم اپنے بھائی کا تو ہو گیا وہ شرمندوں سے

کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا تو پچھتاتا رہ گیا۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں قابیل کے ارادہ قتل کا ذکر تھا۔ اب اس کے فعل قتل کا ذکر ہے۔ گویا یہ آیت اس مضمون کا نتیجہ بیان فرما رہی ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں ہابیل کی نصیحتوں کا ذکر تھا جو اس نے قابیل کو کیا تاکہ وہ اس ارادہ سے باز رہے۔ اب اس کی نصیحت قبول

نہ کرنے کا ذکر ہے۔ گویا تبلیغ کا ذکر پہلے تھا اور تبلیغ کے اثر نہ ہونے کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں ظلم و صبر کی ابتدا کا ذکر تھا۔ اب ان دونوں ظلم و صبر کی انتہا کا ذکر ہے۔ کہ قابیل نے ظلم کی انتہا کر دی اور ہابیل نے صبر و تحمل کی انتہا کر دی۔ گویا آیت ان آیات کا تتمہ ہے۔

تفسیر **فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ** اس جملہ میں ف صرف **تعقیب** کے لئے ہے۔ فوراً کے معنی میں نہیں۔ کیونکہ قتل ہابیل کا واقعہ قربانی کے واقعہ سے کچھ عرصہ بعد ہوا۔ فوراً نہ ہوا۔ جیسے **فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیا** میں **فانتبذت** کی ف صرف **تعقیب** کے لئے ہے۔ **طوعت** بنا ہے **طوع** سے طوع کے معنی ہیں خوشی۔ فرمانبرداری اور سہل و آسان کر دینا۔ اسی سے ہے اطاعت اس سے ہے **طوعا و کرھا** یہاں یا تو خوش کر دینے کے معنی میں ہے یا آسان کر دینے کے معنی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اولاً قابیل کو ہابیل کا قتل بہت ہی گراں معلوم ہوا۔ کیونکہ بڑا جرم تھا اور اس سے پہلے کبھی دنیا میں قتل انسانی نہ ہوا تھا۔ مگر اس کے نفس امارہ نے اسے سمجھا بجھا کر یہ کام اسے سہل کر دیا۔ اس پر اسے راضی و خوش کر لیا۔ اب بھی بڑا گناہ کرتے وقت پہلے ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔ پھر دلیری یہاں اسی کا بیان ہے۔ **لہ** کا مرجع قابیل ہے۔ **نفس** سے مراد اس کا نفس امارہ ہے۔ اخ سے مراد ہابیل ہے۔ کیونکہ ہابیل اگرچہ قابیل کا دینی بھائی نہ رہا تھا مگر نسبی بھائی تھا۔ اخ فرمانے میں بھی قابیل کی برائی ہے کہ بھائی بھائی پر مہربان بلکہ اس کا قوت بازو ہوتا ہے۔ مگر یہ اپنے بھائی کا قاتل بن گیا۔ یعنی اولاً قابیل کو ہابیل کے قتل میں تردد اور ہچکچاہٹ رہی۔ اتنے بڑے کام کی ہمت نہ کرتا تھا۔ مگر اس کے نفس امارہ نے آخر کار اس کو اس قتل پر راضی کر لیا۔ دلیر کر دیا کہ اپنے بھائی کو باوجود بے قصور ہونے کے باوجود بھائی ہونے کے قتل کر دے **فقتلہ فاصبح من الخسرین** قابیل کو قتل کرنے کی ترکیب نہیں آتی تھی۔ کیونکہ آج دنیا میں پہلا قتل ہو رہا تھا۔ ابلیس جانور کی شکل میں قابیل کے سامنے آیا۔ اس کے پنجہ میں ایک اور جانور تھا۔ اس نے اس جانور کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل دیا۔ جس سے وہ جانور مر گیا۔ تب قابیل کو قتل کرنے کا طریقہ آیا۔ چنانچہ ایک دن ہابیل اپنے جانور کسی پہاڑی پر چرا رہے تھے۔ دوپہری میں کسی سایہ دار درخت میں سو گئے۔ قابیل نے بڑا وزنی پتھر ان کے سر پر مارا۔ جس سے ان کا سر کچل گیا۔ اور وہ فوت ہو گئے (تفسیر خازن' روح وغیرہ) یہاں اسی کا بیان ہے۔ کس جگہ کس دن کس عمر میں قتل کیا۔ انشاء اللہ اس کا ذکر خلاصہ تفسیر میں آوے گا۔ **خاسرین** سے مراد ہے۔ دنیا و آخرت میں نقصان پانے والا۔ دنیا میں اس طرح کہ اپنے والد ماجد کو ناراض کر لیا۔ خود بغیر بھائی کے رہ گیا۔ رہتی دنیا تک جس قدر ظلماً قتل ہوں گے۔ ان سب میں اس کا بھی حصہ ہو گا۔ آخرت میں اس طرح کہ خدا تعالیٰ کی پھٹکار اور عذاب نار کا مستحق ہو گیا اگرچہ اس وقت قابیل کے سوا اور کوئی نہ قاتل تھا نہ ظالم نہ خاسر۔ مگر چونکہ آئندہ ایسے لوگ پیدا ہونے والے تھے۔ جن کا پہلا یہ ہوا۔ اس لئے **خاسرین** جمع اور **من** تبعیضیہ فرمایا گیا۔ **فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض** یہاں بھی ف **تعقیب** کے لئے ہے۔ فوراً کے معنی میں نہیں۔ کیونکہ دفن کا یہ واقعہ قتل کے واقعہ سے چالیس دن بعد ہوا۔ **بعث** کے

معنی ہیں بھیجنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذبعث فیھم رسولا**۔ وہاں بعثت کے معنی ہیں بذریعہ نبوت بذریعہ وحی تعلیم خلق کے لئے بھیجنا۔ یہاں اس کے معنی ہیں اس کوے کا اللہ کے ارادے سے یہاں آنا یا رب تعالیٰ کا اس کوے کو اس کام کے لئے مقرر فرمانا۔ جب کسی کام کی عظمت یا اہمیت دکھائی ہو تو اسے رب تعالیٰ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ اور جب کسی کام کی حقارت یا اس کی جزا دکھائی ہو تو شیطان کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ جیسے **فانسه الشیطن ذکر ربه فلبث فی السجن بضع سنین** چونکہ کوے کے اس فعل سے تاقیامت انسانوں کو دفن کی تعلیم دینی تھی اس لئے **بعث اللّٰه** فرمایا۔ یعنی **بعث** کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف کی گئی **غرابا** بنا ہے غروب سے ٭ بمعنی غائب ہو جانا دور ہو جانا۔ اس لئے سورج کے چھپنے کو غروب کہتے ہیں۔ مسافر کو غریب کہ وہ اپنے وطن سے دور ہے انوکھی چیز کو بھی غریب چیز کہا جاتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کی نظر سے غائب رہتی ہے۔ کوے کو عربی میں غراب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے گھر سے بہت دور نکل جاتا ہے۔ (غ) **یبحث** بنا ہے بحث سے۔ بحث کے معنی ہیں کھل جانا۔ ظاہر ہو جانا۔ مباحثہ مناظرہ کو اس لئے بحث کہتے ہیں کہ اس سے اصل واقعہ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ زمین کریدنے کو بھی بحث اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے زمین کا اندرونی حصہ کھل جاتا ہے۔ (غ۔ل) قابیل نے ہابیل کو قتل تو کر دیا مگر یہ نہ جانا کہ اب اس لاش کو کیا کرے۔ اس لئے یہ لاش ایک تھیلے میں ڈال کر چالیس دن اپنے کندھے پر لئے پھرا۔ حیران تھا کہ کیا کرے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم کے لئے دو کوے بھیجے۔ ایک کوے نے دوسرے کو قتل کر کے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید کر گڑھا کیا اور مردہ کوے کو اس گڑھے میں رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ تب قابیل کو دفن کرنے کا طریقہ آیا اور اس نے اسی ترکیب سے ہابیل کی لاش دفن کی یہاں اس کا ذکر ہے۔ **لیریه کیف یواری سوءة اخیه** یہ عبارت **بعث اللّٰه** کے متعلق ہے لام **تعلیلیه** ہے۔ یری اراءہ سے بنا ہے ٭ بمعنی دکھانا۔ اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ بعض نے کہا کہ فاعل کوا ہے یواری بنا ہے وری سے ٭ بمعنی چھپانا۔ رب فرماتا ہے۔ **لباسا یواری سواتکم**۔ اسی سے ہے۔ تواری۔ فرماتا ہے **وراء** کہا جاتا ہے۔ **حتی توارت بالحجاب**۔ مخلوق کو وری کہتے ہیں کہ ان سے زمین چھپ جاتی ہے۔ پیچھے کو **وراء** کہا جاتا ہے۔ فرماتا ہے **فلیکونوا من ورائکم** بلکہ کبھی آگے کو بھی **وراء** کہہ دیتے ہیں کہ وہ بھی چھپا ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے **وکان وراءھم ملک**۔ **سواء** کو بھی **وراء** کہا جاتا ہے فرماتا ہے **ویکفرون بما وراءہ** ان سب میں چھپنے کے معنی ملحوظ ہیں۔ **سوءة ساء یسوء** سے ہے ٭ بمعنی رنجیدہ و غمگین ہونا۔ اب مراد کے لحاظ وہ چیز **سوءة** کہلاتی ہے جس کا ظاہر ہونا غمگین کرے۔ اس لئے ستر کو **سوءة** کہا فحش بے حیائی کے کام کو **سوءة** کہا جاتا ہے کہ ان کا کھلنا غمگین کرتا ہے۔ یہاں ہابیل کی لاش کو سوءۃ کہا۔ کیونکہ قابیل اسے چھپانا چاہتا تھا۔ اس کے ظہور سے اسے غم تھا ورنہ ہابیل کے مردہ جسم پر کپڑے تھے اور وہ تھیلے میں چھپا ہوا تھا۔ یعنی رب تعالیٰ نے کوا اس لئے بھیجا کہ وہ کوا اسے دکھا دے۔ یا رب تعالیٰ کوے کے ذریعے اسے دکھلوے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ کیونکر دفن کرے **قال یویلتی اعجزت ان**

اکون مثل ھذا الغراب فاواری سوءۃ اخی۔ قول سے مراد یا تو دل میں کہنا ہے۔ یعنی سوچنا یا زبان سے کہنا خود منہ میں بڑبڑانا یا ندا کے لئے ہے۔ یا اظہار افسوس کے لئے۔ **ویلتی** بنا ہے **ویل** سے **ویل** اور **ویح** دونوں کے معنی ہیں۔ قبح' برائی' خرابی یہ لفظ اظہار افسوس کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ یعنی قابیل نے دل میں سوچا یا منہ میں بڑبڑایا کہ ہائے افسوس میں ایسا ناسمجھ و بیوقوف ہوں کہ اس کوے کی طرح بھی مجھ میں سمجھ بوجھ نہ ہوئی کہ میں اس کی طرح ہی اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ زمین میں دفن کر دیتا۔ یہ کوا ہی مجھ سے زیادہ سمجھدار ہے **فاصبح من الندمین** یہاں ف ترتب کی ہے۔ **اصبح** بمعنی **صار** ہے خود اپنے معنی میں نہیں۔ اس کے معنی ہیں ہو گیا۔ **نادمین** بنا ہے **ندم** سے بمعنی ندامت و شرمندگی۔ یعنی کسی چیز کے ہاتھ سے جاتے رہنے پر تبدیلی رائے۔ اردو میں اس کا ترجمہ ہوتا ہے۔ پچھتانا۔ خواہ کسی خوبی کے حاصل نہ ہونے پر ہو یا کسی برائی کے آجانے پر یعنی قابیل یہ سوچ کر۔ یہ کہہ کر شرمندہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ قابیل کی یہ شرمندگی اس ظلما" قتل پر نہ تھی۔ بلکہ چالیس دن تک لاش اپنے کندھے پر لئے پھرنا دفن کی ترکیب نہ جاننا۔ کوے سے بھی زیادہ ناسمجھ ہونا اس پر شرمندگی ہوئی۔ لہٰذا یہ ندامت توبہ نہ تھی بلکہ اپنی حماقت پر افسوس تھا۔ خیال رہے کہ اس وقت قابیل کے سوا کوئی شرمندہ نہ تھا۔ مگر چونکہ آئندہ ایسے لوگ ہونے والے تھے۔ اس لئے **نادمین** جمع فرمایا گیا۔

خلاصہ تفسیر قربانی کے واقعہ کے بعد کچھ عرصہ قابیل خنقر رہا۔ اولا" تو اس بڑے جرم کی ہمت نہ کرتا تھا۔ مگر آخر کار اس کے نفس لمارہ نے اسے اس قتل کے لئے آمادہ کر ہی لیا۔ چنانچہ قابیل نے موقع پا کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا اور دنیا و آخرت میں ٹوٹے میں پڑ گیا۔ کہ دنیا میں والد کا نافرمان ہوا۔ بھائی سے محروم ہو گیا۔ قیامت تک اس پر پھٹکار ہو گئی۔ آخرت میں قہر قہار عذاب نار کا مستحق ہو گیا۔ قتل تو کر دیا مگر حیران پھرا کہ لاش کا کیا کرے۔ آخر کار رب تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو مرے ہوئے کوے کو لایا اور اس نے اپنی چونچ و پنجہ سے زمین کریدی۔ مرے کوے کو دفن کیا۔ اسے دکھایا کہ مردے کو یوں دفن کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کوے کو دیکھ کر قابیل نے ہابیل کی لاش دفن کی۔ دل میں سوچا کہ ہائے افسوس میں تو اس کوے سے بھی گیا گزرا ہوا کہ اس کو دفن کرنا آتا ہے۔ مجھے نہ آیا۔ یہ سوچ کر بہت ہی پچھتایا اور شرمندہ ہو گیا۔ مگر یہ شرمندگی قتل پر نہ تھی۔ بلکہ دفن کا طریقہ معلوم نہ ہونے پر تھی۔

قتل ہابیل

قابیل نے ہابیل کو قتل کی دھمکیاں تو قربانی کے واقعہ کے بعد ہی دے دی تھیں۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کے گھر پر موجودگی کی وجہ سے اس جرم کی حرکت نہ کر سکا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام حج کعبہ کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ اور گھر ان سے خالی رہا۔ تو اس نے ہابیل کو اس طرح قتل کیا جو ابھی عرض کیا گیا۔ چونکہ اس زمانہ میں سنہ اور مہینہ یا تو مقرر نہ

ہوئے تھے یا مشہور نہ تھے۔ اس لئے یہ پتہ نہیں چلا۔ کہ کس مہینہ اور کس سنہ میں قتل واقع ہوا۔ البتہ احادیث سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ منگل کے دن قتل کا واقعہ ہوا۔ کیونکہ سرکار فرماتے ہیں کہ منگل کا دن خون کا دن ہے۔ کیونکہ اس دن حضرت حوا کو پہلا حیض آیا اور اسی دن ہابیل کا قتل واقع ہوا۔ اس قتل کے وقت حضرت آدم علیہ السلام **کعبۃ اللہ** کے حج میں تھے۔ آپ نے وہاں ہی دیکھا کہ بعض درخت خاردار ہو گئے پہلے کسی درخت میں کانٹے نہ ہوتے تھے۔ بعض درختوں کے پھل کھٹے بعض کے پکے ہو گئے۔ پہلے سب کے میٹھے ہوتے تھے۔ زمین کا رنگ گندمی ہو گیا۔ پہلے اس مٹی کا رنگ یہ نہ تھا (تفسیر صاوی و روح البیان) اسی وقت آپ سمجھ گئے کہ آج کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے اس میں اختلاف ہے کہ یہ قتل کہاں واقع ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ بصرہ میں ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ زمین ہند میں بلکہ بعض نے کہا کہ خود مکہ معظمہ میں غار حرا کے پیچھے ہوا۔ اور اس وقت حضرت آدم طواف کعبہ کر رہے تھے۔ اس وقت ہابیل کی عمر بیس یا پچیس سال تھی۔ (روح البیان و خازن) قتل کا یہ واقعہ ہوتے ہی قابیل کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ پہلے سفید تھا۔ دل نہایت سخت ہو گیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام گھر آئے تو قابیل سے پوچھا کہ ہابیل کہاں ہے۔ بولا کہ میں ہابیل کا محافظ نہ تھا۔ مجھے خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اسے قتل کر دیا ہے۔ ورنہ تو پہلے گورا تھا۔ اب کالا کیوں ہو گیا۔ پہلے زمین خون ایسے ہی چوس لیتی تھی۔ جیسے آج پانی کو چوس لیتی ہے۔ آپ کی اس وقت کی دعا سے زمین نے خون چوسنا جذب کرنا چھوڑ دیا تاکہ آئندہ قتل کا سراغ خون سے لگ سکے۔ آپ کو قتل ہابیل سے بہت صدمہ ہوا۔ تب آپ نے بطور مرثیہ کچھ کلمات زبان سریانی میں فرمائے۔ عربی شاعر نے اسے عربی اشعار میں یوں بیان کیا۔

☆ تغیرت البلاد ومن علیها ☆

☆ فوجه الارض مغبر قبیح ☆

☆ تغیرت کل ذی لون و طعمه ☆

☆ وکل بشاشة والوجه الصبیح ☆

☆ ومالی لا اجود بسکب دمع ☆

☆ و هابیل تضمنه الضریح ☆

☆ اری طول الحیوة علی نقما ☆

☆ فهل انا من حیاتی مستریح ☆

یعنی تمام شہر اور شہروں کے لوگ بدل گئے۔ خود زمین مٹیالی رنگ بری ہو گئی۔ ہر رنگ و مزے والی چیز بدل گئی۔ اور حسین چہروں کی بشاشت جاتی رہی۔ میں آنسو کیوں نہ بہاؤں اور ہابیل کو قبر نے گود میں لے لیا۔ عمر بھر اس کی تکلیف محسوس کروں گا۔ اب مجھے زندگی میں چین نہ آوے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ اشعار ہی آدم علیہ السلام نے کہے۔

مگر تفسیر خازن و روح المعانی و تفسیر کبیر نے اس کا انکار کیا۔ اور فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام شعر نہیں کہا کرتا۔ یہ اشعار تفسیر خازن و روح البیان نے نقل فرمائے۔ آدم علیہ السلام کو اس قتل کا اتنا صدمہ ہوا کہ آپ بقیہ عمر بھر ہنسے نہیں۔ قابیل اپنی بہن اقلیمہ کو جس کا وہ خواہش مند تھا جو اس کے لئے حرام تھی اسے لے کر عدن بھاگ گیا۔ وہاں ہی اس سے اس کی اولاد حرام کی ہوئی ایک دن ابلیس نے اس سے کہا کہ اگر تو آگ کی پرستش کرتا ہوتا تو تیری قربانی کو بھی آگ کھالیتی۔ ہابیل آگ پوجتا تھا۔ اس لئے آگ نے اس کی قربانی قبول کرلی۔ قابیل نے یہ سن کر آگ کی پرستش شروع کردی۔ اور سب سے پہلے آتش پرستی قابیل نے ہی کی۔ اسی نے ستار سارنگی گانا باجے ایجاد کئے۔ آخر میں جب بوڑھا ہوگیا تو اس کی اولاد اسے پتھر مارا کرتی تھی۔ آخر اس کے ایک بیٹے نے اسے قتل کردیا۔ کفرو طغیان پر بڑی ذلت کے ساتھ مرا۔ قتل ہابیل کے پچاس سال بعد حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ اور آپ ہی آدم علیہ السلام کے خلیفہ اور نبی برحق ہوئے۔ آپ اول سے عابد زاہد شب زندہ دار تھے (عام تفاسیر و روح البیان وغیرہ)

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ بڑے گناہ سے اولاً انسان ڈرتا ہے۔ پھر نفس امارہ اسے رغبت دے کر اس پر دلیر کرتا ہے۔ اگر اول سے ہی نفس کی بات نہ مانے تو گناہ سے بچ جاتا ہے۔ یہ فائدہ **فطوعت لہ نفسہ** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ انسان نے سب سے پہلا گناہ قتل کا کیا۔ دوسرے گناہ بعد میں کئے اور اس پہلے گناہ کا پہلا سبب حسد ہے۔ لہذا پہلا گناہ قتل ہے۔ اور پہلی وجہ گناہ حسد ہے۔ بلکہ شیطان بھی حسد ہی کی وجہ سے مردود ہوا۔ **تیسرا فائدہ** دنیا میں سب سے پہلا فساد عورت کی وجہ سے ہوا۔ عورت ام الفساد ہے۔ چوتھا فائدہ ظلماً قتل کی نحوست سے ظالم قاتل کی دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے اور دین بھی یہ فائدہ **من الخاسرین** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** اچھی بات جہاں سے ملے قبول کرلینی چاہیے۔ دیکھو انسان نے دفن ایک معمولی جانور سے سیکھا۔ یعنی کوے سے۔ انسان نے بہت سے کام جانوروں سے سیکھے۔ اپریشن بیل سے سیکھا کہ ایک دھوبی کو **استسقاء** کی بیماری تھی۔ اس کے پیٹ پر بیل کا پاؤں پڑا۔ پیٹ پھٹ گیا۔ **استسقاء** کی تھیلی نکل گئی۔ بعد میں زخم کو آرام ہوگیا۔ **استسقاء** جاتی رہی۔ آنکھ کی دوائیں سانپ سے ملیں۔ مکانات بنانے کی ترکیب بیہ جانور سے معلوم ہوئی۔ **چھٹا فائدہ** مردہ کو دفن کرنا بڑی پرانی سنت ہے حضرت آدم علیہ السلام سے جاری ہے۔ ہر دین میں جاری رہی۔ اسلام میں بھی دفن ہی سنت ہے۔ مردہ کو جلانا یا پانی میں بہانا فطرت کے بھی خلاف ہے۔ عقل کے بھی خلاف ہے۔ جیسا کہ مشرکین ہند کا عمل ہے۔ **ساتواں فائدہ** مردہ کو مٹی میں ہی دفن کرنا چاہیے یہ ہی سنت ہے۔ آج کل بعض امیر خاندانوں میں جو مروج ہے کہ لکڑی کی پیٹی کو نرم گدیلوں تکیوں سے سجا کر اس میں میت کو رکھتے ہیں۔ پھر یہ پیٹی کیلوں سے جڑ کر دفن کرتے ہیں۔ بالکل خلاف سنت ہے یہ فائدہ **یواری سوءۃ اخی** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** صرف ندامت و شرمندہ ہو جانا ہر گناہ کی توبہ نہیں بلکہ بعض گناہوں میں کفارہ یا سزا بھی بھگتنا پڑتی ہے۔ کوئی شخص روزہ رمضان توڑ کر نہ قضا کرے نہ کفارہ دے صرف شرمندہ ہو جاوے تو کافی نہیں یہ

فائدہ **من النٰدمین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ انسان کے اعمال کا اثر عالم کی ہر چیز پر پڑتا ہے۔ اگر انسان کے اعمال اچھے ہوں تو دنیا میں رونق رزق میں برکت ہوتی ہے۔ اعمال بگڑ جاویں تو دنیا میں بے رونقی بے برکتی فساد ہوتے ہیں۔ دیکھو قتل کیا قابیل نے اور کانٹے آئے درختوں میں کھٹے ہوئے پھل۔ رنگ بدلا زمین کا۔ قرآن فرماتا ہے۔ **ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس** لوگوں کی بد عملیوں سے۔ بحر و بر میں فساد پھیلتے ہیں۔ دسواں فائدہ اچھے برے۔ اعمال اچھی بری نیت کا ظہور چہرے پر ہوتا ہے۔ دیکھو اس ظلم "قتل کی وجہ سے قابیل گورا تھا کالا ہو گیا۔ تہجد کی پابندی کرنے والے کا چہرہ نورانی ہوتا ہے۔ انسان کا چہرہ خدا کی کتاب ہے۔ آخرت میں ہر نیک و بد کا پتہ اس کا چہرہ ہی دے دے گا۔ رب فرماتا ہے۔ **یعرف المجرمون بسیمھم** گیارہواں فائدہ جیسے بعض بیماریوں میں انسان کا معدہ غذا قبول نہیں کرتا جو کھائے۔ قے ہو جاتی ہے۔ یونہی شقی کا دل اچھی نصیحت قبول نہیں کرتا۔ دیکھو ہابیل نے کیسی حکیمانہ عاقلانہ ناصحانہ باتیں قابیل کو سمجھائیں مگر قابیل کے دل نے قبول نہ کیں۔ یونہی سعید کا دل برے مشورے قبول نہیں کرتا۔ بارہواں فائدہ جن دنوں میں منحوس کام ہو چکے ہوں۔ وہ دن قیامت تک منحوس ہیں۔ دیکھو منگل کا دن منحوس ہوا کہ اس دن قتل ہابیل واقع ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فی یوم نحس مستمر** اس طرح جن دنوں میں اچھے واقعات ہو چکے ہیں وہ دن سعید ہیں جیسے دو شنبہ یا جمعہ۔ یا ماہ رمضان۔

پہلا اعتراض قابیل تو کافر ہو چکا تھا۔ ہابیل مومن رہا۔ مومن کافر کا دشمن ہے نہ کہ بھائی۔ پھر اسے ہابیل کا بھائی کیوں کہا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **کل مومن اخوۃ** سارے مومن آپس میں بھائی ہیں۔ یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب** بھائی بہت قسم کے ہوتے ہیں۔ نسبی بھائی، ملکی بھائی، کاروباری بھائی اور دینی بھائی استاد بھائی پیر بھائی۔ وطنی بھائی وغیرہ۔ یہاں اس آیت کریمہ میں نسبی بھائی مراد ہے۔ یعنی باپ و ماں جایا۔ واقعی قابیل ہابیل کا ماں جایا بھائی تو تھا۔ اور وہاں اس آیت میں دینی بھائی مراد ہے۔ کافر مومن کا دینی بھائی نہیں۔ لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔ **دوسرا اعتراض** جب قابیل کافر ہو چکا تھا تو اس کا نکاح لیوذا لڑکی کے ساتھ بھی شرعاً" جائز نہ تھا۔ کیونکہ کافر مرد سے مسلمہ عورت کا نکاح درست نہیں۔ پھر آدم علیہ السلام نے اس پر یہ نکاح کیوں پیش فرمایا۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح پیش فرمانے کے وقت قابیل کافر نہیں ہوا تھا۔ بعد میں ہوا۔ اگر اس کا نکاح لیوذا سے ہوتا تو مومن کا مومنہ سے نکاح ہوتا۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم ہمارے اسلام کا ہے کہ کافر کا نکاح مومنہ سے درست نہیں۔ ان دینوں میں درست تھا۔ بلکہ شروع اسلام میں بھی ایسے نکاح ہوئے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئے تھے۔ بعد میں انہوں نے طلاقیں دے دی تھیں۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوا۔ **تیسرا اعتراض** مردہ کو دفن کرنا جانوروں کا کام ہے۔ مردہ انسان کو جلانا یا پانی میں بہانا چاہیے۔ خود قرآن کہہ رہا ہے۔ کہ کوے نے کوے کو دفن کیا۔ (ہندو) **جواب** اس قسم کے اعتراضوں کے جوابات ہم نے اپنی کتاب اسرار الاحکام میں دیئے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ

انسان کو دفن کرنا عقل و فطرت کے عین موافق ہے۔ جلانا یا پانی میں بہانا خلاف عقل بھی ہے۔ خلاف فطرت بھی۔ انسان کی پیدائش مٹی سے ہے تو چاہیے کہ مٹی مٹی میں ملا دی جاوے۔ آگ و پانی انسان کی اصل نہیں۔ اس میں کیوں جلایا یا بہایا جاوے۔ نیز دفن کرنے میں میت کی پردہ پوشی ہے۔ کسی کو پتہ نہیں لگتا کہ قبر میں میت کا کیا حال ہوا۔ جلانے اور بہانے میں اس کی ایسی پردہ دری ہوتی ہے۔ کہ خدا کی پناہ۔ اسلام میں میت کو ڈبونا سخت مجبوری کی حالت میں ہے۔ کہ کوئی سمندری جہاز میں زمین سے بہت دور فوت ہو جاوے۔ تب اس کی تجہیز و تکفین و نماز جنازہ کرکے اس میں وزن باندھ کر سمندر کی تہہ میں پہنچا دیا جاوے۔ مگر یہ مجبوری سے ہے۔ **چوتھا اعتراض** پھر تو انسان کوے کا شاگرد ہوا۔ اور کوے کا درجہ انسان سے زیادہ ہوا (آریہ) **جواب** شاگردی موقوف ہے سیکھنے اور سکھانے پر یہاں یہ نہ تھا۔ کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھ کر کچھ سمجھ لینا شاگردی نہیں یہ تو رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہے۔ ہم نے ابھی فوائد میں عرض کیا ہے کہ انسان نے بہت سے کام جانور کے ذریعہ معلوم کئے۔ وہ تمام جانور انسان کے استاد نہیں ہو گئے۔ اگر دیوار پر کوئی نصیحت لکھی ہے۔ آپ نے حاصل کر لی تو دیوار آپ کی استاد نہیں بن گئی۔ اسلام میں اذان بذریعہ خواب بتائی گئی۔ بلکہ ابلیس نے حضرت ابو ہریرہ کو آیت الکرسی کے فوائد بتائے۔ نہ خواب والا فرشتہ استاد بنا اور نہ یہ لعنتی شیطان ہوا۔ کسی کو باقاعدہ سکھانا اور ہے کسی سے کچھ معلوم کر لینا کسی کو بتا دینا کچھ اور۔ **پانچواں اعتراض** جب قابیل اپنے کئے پر نادم ہو گیا تو یہ ندامت توبہ کیوں نہ بنی۔ حدیث شریف میں ہے **الندم توبۃ** یہ آیت اس حدیث سے متعارض ہے۔ **جواب** قابیل اپنے کئے پر نادم نہ ہوا۔ بلکہ طریقہ دفن نہ جاننے اور چالیس دن تک لاش اٹھائے پھرنے پر نادم ہوا تھا۔ یہ توبہ نہیں۔ یا گزشتہ دینوں میں نادم ہونا توبہ نہ تھا۔ ندامت کا توبہ ہو جانا اسلام میں ہے۔ یا صرف ندامت قتل جیسے جرم میں کافی نہیں حق العبد میں توبہ کی شرائط کچھ اور ہیں۔

تفسیر صوفیانہ روح انسانی گویا آدم ہے۔ قلب انسانی گویا حوا ہے۔ نفس امارہ گویا قابیل ہے۔ جس کے ساتھ ہوا گویا اقلیما پیدا ہوئی۔ نفس مطمئنہ گویا ہابیل ہے عقل انسانی گویا لیوذا ہے ہواء نفسانی بظاہر بہت حسین معلوم ہوتی ہے کہ لذتوں کی طرف لے جاتی ہے اور عقل انسانی بظاہر بدشکل محسوس ہوتی ہے۔ کہ برائیوں سے روکتی ہے۔ نفس امارہ کو کہا گیا کہ تو عقل کے ساتھ رشتہ قائم کر تاکہ دین و دنیا میں امان پائے۔ مگر نفس امارہ نے ہوا سے رشتہ جوڑنا چاہا۔ جس سے معاصی و بدکاریوں کی اولاد پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ جب اسے اس فعل بد سے منع کیا جاتا ہے تو یہ **نفس مطمئنہ** کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اسی کی ہلاکت سے انسان دنیا و آخرت میں برباد ہو جاتا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس نفس امارہ کے اس نکاح کو روکیں۔ اگر نفس عقل سے ملے تو مفید ہے۔ ہدایت پائے گا۔ اور اگر ہوئی یعنی شہوات سے ملے تو تباہ ہو جاوے۔ نفس قلب کا دشمن ہے۔ وہ اسے ہلاک کرنے کی ہر وقت فکر میں لگا ہے۔ جب رب تعالیٰ کرم کرے تو انسان بڑے سے بڑا عاقل ہو جاتا ہے۔ اگر کرم نہ ہو تو جانور سے زیادہ بیوقوف ہوتا ہے۔ دیکھو جو بات کوے کی سمجھ میں آ گئی وہ انسان کی سمجھ نہ آ

سکی۔ ایسے واقعات سے انسان کو اپنی مجبوری و معذوری پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ قابیل ہابیل کو قتل کر کے مردود ہو گیا۔ مگر برادران یوسف علیہ السلام خود جناب یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے فروخت کر دینے۔ والد سے بھائی کو جدا کر دینے باوجود مومن ہی رہے۔ بلکہ بعد میں اولیاء یا انبیاء ہوئے۔ جرم ایک سا ہے۔ مگر نتیجہ میں فرق ہے۔ اس لئے کہ قابیل نے یہ حرکت اقلیما عورت کی محبت میں کی اور ان حضرات نے یہ حرکتیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت میں کیں۔ تاکہ بعد میں ہم حضرت یعقوب علیہ السلام کے پیارے بن جاویں۔ اس سے نتیجوں میں فرق ہوا۔ ابولہب نے کفر کیا۔ حضور کی عداوت میں۔ ابو طالب نے اسلام قبول نہ کیا حضور کی محبت میں تاکہ میری رعایت سے کفار مکہ حضور کو نہ ستائیں۔ اپنے کفر کو حضور کی حفاظت کی خدمت کا ذریعہ سمجھا۔ دیکھ لو ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔ کہ ابولہب کی برائی میں قرآن کریم کی پوری ایک سورت آئی سورہ لہب۔ کسی خاص کافر کے لئے پوری سورت نہیں آئی۔ سواء ابولہب کے۔ اور ابو طالب کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں نہیں بلکہ دوزخ سے دور ایک جھیرے میں ہیں۔ دیکھو محبت نبی اور عداوت نبی کے کفروں میں فرق ہے۔ عداوت خلیل کی وجہ سے گرگٹ کا مارنا ثواب ہوا اور محبت خلیل کی بنا پر ہد ہد پانی کا بادشاہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خاص خادم بنا دیا گیا۔ اس کا گوشت حلال نہ کیا گیا تاکہ لوگ اس کا شکار نہ کریں محبت حضور کی وجہ سے احد پہاڑ زیارت گاہ خاص و عام بن گیا۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا

اس وجہ سے لکھا ہم نے اوپر بنی اسرائیل کے کہ بے شک وہ شخص جو قتل

اس سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان

بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ

کر دے کسی جان کو بغیر جان کے یا فساد کے زمین میں پس گویا قتل کر دیا اس نے لوگوں

کے بدلے یا زمین میں فساد کئے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے

اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ

کو تمام اور جس نے زندہ رکھا اس جان کو پس گویا زندہ رکھا تمام لوگوں کو اور البتہ تحقیق

ایک جان کو جلا لیا اس نے سب لوگوں کو جلایا اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول

ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝

آئے ان کے پاس رسول ہمارے ساتھ روشن دلیلوں کے پھر بے شک بہت سے ان میں سے پیچھے اس کے بیچ زمین کے زیادتی کرنے والے ہیں

روشن دلیلوں کے ساتھ آئے پھر بے شک ان میں بہت اس کے بعد زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں قتل ہابیل کا واقعہ بیان ہوا۔ اب اس واقعہ کے بیان فرمانے کا مقصد بیان کیا جا رہا ہے۔ یعنی ہم نے یہ واقعہ اس لئے بیان فرمایا تاکہ ان بنی اسرائیلیوں کو عبرت ہو جنہوں نے بہت سے نبیوں کو شہید کر دیا اور اب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے درپے ہیں۔ قرآن کریم میں گزشتہ لوگوں کے قصے کسی مقصد سے بیان ہوئے ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا۔ کہ بے قصور کا قتل ایسا بدترین قصور ہے کہ نبی زادہ بھی اس کی وجہ سے مردود ہو جاتا ہے۔ دیکھو قابیل نبی زادہ تھا۔ مگر بے قصور ہابیل کو قتل کرنے کی وجہ سے اس کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا **فاصبح من الخٰسرین** کہ اس کی دنیا بھی برباد ہوگئی۔ اور آخرت بھی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو اپنی نبی زادگی پر بڑا فخر ہے۔ کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں۔ مگر انہوں نے بہت سے نبیوں کو ظلماً" قتل کیا ہے۔ تو قابیل کی طرح بلکہ قابیل سے زیادہ ان کا انجام خراب ہوگا کہ قابیل نے صرف ایک کو قتل کیا۔ بنی اسرائیل نے بہت کو۔ قابیل نے غیرنبی کو قتل کیا۔ انہوں نے نبیوں کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں بیان ہوا کہ قابیل ظلماً" قتل کی وجہ سے بہت سے جرموں کا مرتکب ہوا **من الخٰسرین** چنانچہ وہ آتش پرست ہوا زانی ہوا گانے بجانے کا موجد ہوا۔ ایک قتل بہت گناہوں کا ذریعہ ہے۔ ایسے ہی یہ یہود قاتلین انبیاء ہیں۔ اس کی وجہ سے ان میں بہت سے عیوب پیدا ہو گئے۔ دیکھ لو موجودہ یہودی ہزارہا جرموں کے مرتکب ہیں۔

تفسیر من اجل ذٰلک اس عبارت کی دو ترکیبیں ہیں اور دو ہی معنی ایک یہ کہ یہ جار مجرور متعلق ہے **فاصبح** کے اور اس میں قابیل کے نادم ہونے کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے۔ اس صورت میں **ذٰلک** پر وقف ہے اور **ذٰلک** سے اشارہ اس کوے کے واقعہ کی طرف ہے اور **کتبنا** سے۔ یعنی اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرض فرمایا۔ تب **ذٰلک** سے اشارہ قابیل کے پورے واقعہ کی طرف ہے **اجل** کے لفظی معنی ہیں وقت مقرر یا میعاد اس لئے ادھار کو **اجل** کہتے ہیں اور نقد کو عاجل۔ یعنی دیر سے آنے والی چیز آجل ہے۔ اصطلاح میں غایت ' مقصد مفعول لہ کو اجل کہہ دیتے ہیں۔ کیونکہ غایت کلام کے بعد ہوتی ہے۔ یعنی وجہ **کتبنا علی بنی اسرائیل**۔ **کتبنا** بنا ہے کتابت سے ' معنی لکھنا یہاں مراد ہے۔ فیصلہ کر دینا لازمی حکم دے دینا۔ چونکہ فیصلہ لکھا جاتا ہے اس لئے اسے کتابت کہا جاتا ہے۔ اگرچہ قابیل کا واقعہ بنی اسرائیل سے بہت پہلے ہوا۔ اور ظلماً" قتل۔۔۔ کا گناہ ہوتا ہر دین میں تھا اور قاتل پر قصاص بھی ہر دین میں تھا۔ مگر چونکہ سب سے پہلی کتاب یعنی توریت بنی اسرائیل پر ہی اتری۔ اور بنی اسرائیل ہی نے بہت سے انبیاء کرام کو شہید کیا اور بنی اسرائیل ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے درپے تھے۔ ان وجوہ سے بنی اسرائیل کا ذکر خصوصیت سے فرمایا **انہ من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض** یہ عبارت **کتبنا** کا مفعول بہ ہے۔ من سے مراد ہر انسان ہے مومن ہو کافر کیونکہ معاملات تمام انسانوں پر یکساں ہیں۔ قتل سے مراد مار ڈالنا ہے۔ خواہ دھار دار

آلہ سے ہو یا زہر خورانی سے یا گلا گھونٹ کر یا کسی اور ذریعہ سے۔ بلکہ قتل کرنا۔ قتل کرانا۔ قاتل ظالم کی مدد پر قتل کرنا حتی کہ بعد قتل اس ظالم کو صاف بچا دینا بھی سخت جرم ہے کہ یہ بھی قتل نفس کے متعلقات سے ہے نفسا سے مراد انسانی جان ہے۔ جانور وغیرہ تو شکار بھی کیئے جاتے ہیں۔ ذبح بھی۔ مگر ظلماً" جانور کو مارنا بھی گناہ ہے جیسے گائے بھینس 'بکری کو بھوکے پیاسے مار دینا حرام ہے۔ بنی اسرائیل کی وہ بڑھیا دوزخ میں گئی جس نے بلی کو باندھ کر مار دیا نہ اسے کھانے کو دیا نہ کھولا حتی کہ وہ بھوکی پیاسی مر گئی۔ اور اس رنڈی کی نجات ہو گئی جس نے پیاس سے مرتے ہوئے کتے کو پانی پلا دیا جس سے اس کی جان بچ گئی۔ بغیر نفس سے مراد ہے بغیر قتل نفس فساد فی الارض سے مراد قتل کے علاوہ اور وہ جرم ہیں۔ جس سے مجرم قتل کا مستحق ہو جاوے۔ جیسے ڈکیتی 'بغاوت 'زنا وغیرہ یعنی جو شخص بھی کسی انسان کو بغیر جان کی عوض (قصاص) اور بغیر قصور و جرم کے قتل کر دے۔ خیال رہے کہ آٹھ جرموں کی سزا قتل ہے۔ قتل عمد 'زنا 'ڈکیتی 'بغاوت 'خروج 'کافر حربی ہونا 'مرتد ہونا۔ بلا قصور کسی پر جان لینے کی نیت سے حملہ آور ہونا اور اس شخص کا بغیر قتل کسی طرح اپنے کو نہ بچا سکنا ان سب صورتوں میں مجرم کا قتل جائز ہے۔ مگر قصاص 'زنا 'بغاوت 'ڈکیتی 'خروج ارتداد میں سلطان اسلام کے حکم سے قاضی کے فیصلہ سے قتل کیا جاوے گا۔ آخری دو مجرموں کو بغیر حکم سلطان بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ کافر حربی کو اور حملہ آور کو۔ اس لئے یہاں بغیر نفس اور فساد کی قید لگائی گئی۔ فکانما قتل الناس جمیعا یہ عبارت من قتل کی جزا و خبر ہے۔ اس پورے جملہ کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں نمبر ۱ ایک شخص کا قاتل دنیاوی سزا میں تمام جہان کے قاتلوں کی طرح ہے۔ یعنی دونوں کی سزا قصاص ہے۔ ایک آدمی کے قاتل کو بھی قتل ہی کیا جاوے گا۔ بہت سوں کے قاتل کو بھی قتل ہی کیا جاوے گا۔ نمبر ۲ جس قسم کی سزا اخروی ایک کے قاتل کے لئے ہے۔ وہ ہی اخروی سزا بہت کو قتل کرنے والے کے لئے ہے یعنی دوزخ اگرچہ دونوں سزاؤں کی کیفیت میں فرق ہو۔ نمبر ۳ جس قسم کے غضب و عتاب کا مستحق ایک کا قاتل ہے اس قسم کے غضب الہٰی کا مستحق بہت سوں کا قاتل ہے۔ نمبر ۴ جس نے نبی یا امام عادل یا سلطان اسلام یا عالم دین یا ولی اللہ کو قتل کیا اس نے گویا تمام جہان کو قتل کیا۔ کیونکہ موت العالم موت العالم۔ یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے۔ نمبر ۵ جس نے ایک بے قصور مسلمان کا قتل جائز سمجھا گویا اس نے جہان بھر کا قتل جائز سمجھا۔ کیونکہ حرام ہونے میں دونوں قتل یکساں ہیں۔ یہ قول قتادہ کا ہے۔ (تفسیر مظہری 'خازن وغیرہ) یا ایک مظلوم کو قتل کرنا اور قتل کی ابتداء کرنا تمام جہان کے قتلوں کا ذریعہ ہے۔ کہ پھر لوگ اس کی دیکھا دیکھی اوروں کو قتل کریں گے تو ان سب قتلوں کا عذاب اس پہلے قاتل کو بھی ملے گا کہ قتل کا موجد یہ ہے جیسا کہ تاقیامت قتلوں کے عذاب میں قابیل کا حصہ ہے۔ ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ من سے مراد ہر شخص ہے ھا کا مرجع بے قصور نفس انسانی ہے۔ کسی کو زندہ کرنے کی بہت صورتیں ہیں۔ نمبر ۱ کوئی شخص بھوک یا پیاس سے مر رہا تھا اسے کھلا پلا کر موت سے بچا لیا۔ نمبر ۲ کوئی شخص ظلماً قتل ہو رہا تھا اسے قاتل ظالم سے چھوڑا لیا۔ نمبر ۳ کوئی نابینا کنوئیں میں گر رہا تھا اسے گرنے سے بچا لیا۔ نمبر ۴ کوئی شخص خود کشی کر رہا

تھا اسے سمجھا بجھا کر اس حرکت سے باز رکھا نمبر۵ کوئی شخص قتل ہونے والی حرکت کرنا چاہتا تھا۔ قتل یا زنا۔ اسے اس حرکت سے باز رکھا جس سے اس کی جان بچ گئی۔ نمبر۶ کسی بچی کو ظالم ماں زندہ دفن کرنا چاہتی تھی اسے اس حرکت سے روک لیا بلکہ بچی کو اپنی پرورش میں لے لیا دفن نہ ہونے دیا۔ نمبر۷ کسی پر شیر یا سانپ حملہ کر رہا تھا اس سے اسے بچا لیا۔ نمبر۸ کسی گھر میں آگ لگ گئی یا کسی بستی میں پانی کا طوفان آگیا۔ اس نے وہاں کے آدمی کو جلنے یا ڈوبنے سے بچا لیا۔ غرض کہ زندہ کرنے کی نسبت سبب کی طرف ہے نہ کہ فاعل حقیقی کی طرف۔ یعنی جس شخص نے کسی ایک نفس انسانی کو زندہ کیا کہ اسے ظلماً" قتل یا کسی اور وجہ موت سے بچا لیا تو اسے اس قسم کا ثواب ملے گا۔ جو جہان بھر کو زندہ رکھے۔ یعنی موت سے بچائے۔ نوعیت ثواب ایک ہی ہے۔ اگرچہ ان دونوں کی کیفیت ثواب میں فرق ہو۔ حضرت ابن عباس نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ جس نے ایک نبی کو قوت دی ایک ولی یا ایک عالم دین یا ایک سلطان یا ایک امام عادل کی بقاء کی کوشش کی تو گویا اس نے جہان بھر کو زندگی بخشی کیونکہ ایک نبی کی خدمت ایک عالم دین کی زندگی ایک ولی کی حیات دنیا بھر کی زندگی ہے (مظہری' وخازن وغیرہ) یا جو شخص احیائے نفس کا موجد ہو گا۔ اسے جہان بھر کے احیائے نفس کرنے والوں کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ موجود خیر کو تمام عاملین خیر کا ثواب ملتا ہے۔ ان دونوں جملوں کے اور بہت سے معنی کئے گئے ہیں۔ **ولقد جاءتھم رسلنا بالبینت** یہ بنی اسرائیل پر رب تعالیٰ کا دوسرا کرم ہے اور قتل ناحق کی ممانعت کی دوسری تاکید **ھم** کا مرجع بنی اسرائیل ہیں اور رسلنا سے مراد انبیاء بنی اسرائیل ہیں **بیینت** سے مراد یا ان کی آسمانی کتابیں ہیں یا ان کے معجزات یا ان کے وعظ و **نصیحتیں** یا ان کے فرمان کو ظلماً" قتل بری چیز ہے۔ یعنی اولاد بنی اسرائیل کو تاکید کی گئی کہ ظلماً" قتل سے بچیں اس کا گناہ بہت سخت ہے۔ پھر ان کے پاس مسلسل انبیاء کرام بھیجے جو کتابیں۔ معجزات وعظ و نصیحت لے کر ان کے پاس آئے ان سب نے یہ ہی کہا کہ ظلماً" قتل بدترین جرم ہے۔ اس تمام کے باوجود بنی اسرائیل کا یہ حال ہے کہ **ثم ان کثیر منھم بعد ذلک فی الارض لمسرفون** **ثم** ترتیب اور مہلت و تاخیر کے لئے آتا ہے۔ یہاں تاخیر یا زمانی ہے۔ یا رتبتی **منھم** کا مرجع بنی اسرائیل ہیں کثیر اس لئے فرمایا کہ بعض بنی اسرائیل بڑے عابد' زاہد' متقی مومن بھی تھے۔ مگر تھوڑے **ذلک** سے اشارہ تمام چیزوں کی طرف ہے۔ توریت اتارنا اس میں قتل کی برائیاں بیان فرمانا حضرات انبیاء کرام کا تشریف لانا ان کا معجزات دکھانا انہیں ظلماً" قتل سے ڈرانا وغیرہ۔ **الی الارض** سے مراد یا زمین فلسطین و شام ہے۔ جہاں بنی اسرائیل نے حضرات انبیاء کرام کو قتل کیا یا زمین مدینہ منورہ جہاں یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی تدبیریں کیں یا زمین عرب یا زمین خیبر یا تمام زمین یہ آخری احتمال زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ یہودی ہر زمانہ میں ہر زمین میں فساد پھیلاتے زیادتیاں ہی کرتے رہے۔ اب بھی کر رہے ہیں۔ مسرفون بنا ہے اسراف سے۔ معنی بیجا زیادتی اس سے مراد یا حضرات انبیاء کرام کو قتل کرنا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کا ارادہ کرنا یا مسلمانوں میں فتنہ و فساد پھیلانا کہ یہودیوں جیسی فسادی قوم دنیا میں کوئی نہیں۔ یعنی اتنی تاکیدوں کے باوجود پھر بھی بہت سے یہودی

زمین میں زیادتیاں کرتے رہے۔ جیسے جرم انہوں نے کئے ایسے کسی قوم نے نہیں کئے۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں گزشتہ کتب گزشتہ نبیوں کی بعض تعلیمات کا ذکر فرمایا۔ اس کے تین مقصد ہیں۔ کبھی ان تعلیمات پر مسلمانوں سے عمل کرانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے قصاص کے احکام زبور شریف سے نقل فرمائے **ان النفس بالنفس** الخ کبھی صرف بنی اسرائیل کی سرکشی بیان فرمانے کے لئے نقل فرمائے جاتے ہیں۔ ہمارے لئے قابل عمل نہیں **لا تعدوا فی السبت** ہفتہ کے دن شکار نہ کرو اور اس کی مخالفت پر عذاب آجانے کا ذکر **قلنا لهم كونوا قردة خسئين** کبھی یہ دونوں مقصود ہوتے ہیں۔ ہم سے عمل کرانا اسرائیلیوں کی سرکشی کا ذکر فرمانا۔ یہاں اس تیسرے مقصد کے لئے قتل کے اس قانون کا تذکرہ توریت شریف سے نقل فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ظلماً" قتل کے موجد یعنی ظالم سفاک قاتل قابیل کا حال معلوم فرمالیا۔ اور لوگوں سے بیان بھی فرمادیا۔ اس کا انجام آپ کے سامنے ہے۔ قابیل کے ان واقعات کے مدنظر ہم نے تمام لوگوں پر خصوصاً بنی اسرائیل پر جو اپنی اولاد انبیاء ہونے پر فخر کرتے ہیں اور جرموں پر دلیر ہیں یہ لکھ دیا تھا کہ جو شخص کسی نفس انسانی کو بلاوجہ قتل کرے کہ نہ تو اس نے کسی کو قتل کیا ہو نہ زمین میں ڈکیتی' زنا' بغاوت وغیرہ سے فساد پھیلایا ہو۔ پھر بھی اسے قتل کردیا تو اس پر ایسا گناہ ہے جیسے کوئی تمام لوگوں کو قتل کردے کہ ان دونوں قاتلوں کی دنیاوی سزا قصاص ہے اخروی سزا عذاب نار قہر قہار اور جس نے کسی مرتے ہوئے کو بچالیا کہ ظلماً" قتل ہو رہا تھا اسے قاتل سے چھڑالیا۔ بھوک پیاس سے مر رہا تھا بچا لیا۔ آفت ناگہانی سے قریب موت تھا کہ بچالیا اسے ایسا ثواب ملے گا جیسے کہ سارے انسانوں کو موت سے بچائے۔ کیونکہ ایک پر مہربانی اور تمام پر مہربانی ایک ہی قسم کی نیکی ہے۔ اس کا ثواب بھی ایک ہی قسم کا ہے۔ پھر بنی اسرائیل کے پاس بہت نبی تشریف لائے۔ معجزات دکھائے۔ احکام الٰہی سنائے۔ انہوں نے بھی ان سے یہ ہی فرمایا کہ ظلماً" قتل سخت جرم ہے۔ ان تمام کے باوجود پھر بھی بہت سے اسرائیلی زمین میں فساد پھیلاتے رہے اور پھیلا رہے ہیں۔ کہ نبیوں کو قتل کیا۔ بنی اسرائیل نے آپس میں سخت خونریزی کی۔ انہوں نے آپ کو زہر دیا۔ انہوں نے آپ پر جادو کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف تمام مشرکین عرب کو جمع کرکے غزوہ احزاب والا واقعہ پیش کیا۔ غرض کہ ہمیشہ سے ان کے ہاتھ حضرات انبیاء کرام کے خون سے رنگین ہیں۔ ان کے دامنوں پر ہزارہا قسم کے فسادات کے دھبے ہیں ایسی سرکش قوم کی مخالفت سے آپ ملول نہ ہوں۔ یہ تو عادی مجرم ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** ظلماً" قتل بہت سے گناہوں کا باعث ہے۔ اس قتل کی وجہ سے قابیل نبی زادہ ہونے کے باوجود ہلاک ہوا۔ اور بنی اسرائیل اولاد انبیاء ہونے کے باوجود تباہ ہوئے۔ حسد کینہ' قتل ہزارہا جرموں کی جڑ ہے یہ فائدہ **من اجل ذلک** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** گناہ ایجاد کرنا زبردست گناہ ہے کہ آئندہ تمام گناہ گاروں کی سزا میں اس موجد کا حصہ ہوگا اور نیکی ایجاد کرنا زبردست نیکی ہے کہ آئندہ تمام نیک کاروں کے

ثواب میں اس کا بھی حصہ ہوگا۔ موجد قتل تمام قتلوں کا ذمہ دار ہے۔ پہلی جان بچانے والا تمام جان بچانے والوں کے ثواب میں حصہ دار ہے۔ جیسا کہ اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ اس میں بدعت حسنہ و بدعت سیہ کی ایجاد کی طرف اشارہ بھی ہے۔ موجد خیر کو تاقیامت خیر کرنے والوں کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ اور موجد شر کو تاقیامت شرارتیوں کے عذاب سے حصہ ملتا رہتا ہے۔ یہ اسلام کا بڑا عام قاعدہ ہے۔ **تیسرا فائدہ** جو سزا ایک قتل کی ہے وہ ہی بہت سے قتلوں کی ہے۔ یعنی قصاص اور جو عذاب ایک قتل کا ہے وہ ہی عذاب بہت سے قتلوں کا یعنی غضب الہی اور عذاب جہنم۔ یوں ہی ایک کفر اور بہت سے کفروں کا ایک ہی عذاب ہے۔ اگرچہ کیفیت عذاب میں فرق ہو۔ **چوتھا فائدہ** فعل کو اس کے سبب کی طرف نسبت کر سکتے ہیں۔ اگرچہ فاعل حقیقی رب تعالیٰ ہے۔ دیکھو اس آیت میں موت دینے اور جلانے کو انسان کی طرف نسبت دی اسے مارنے جلانے کا فاعل بنایا۔ **من احیاھا** الخ لہذا یہ کہنا جائز ہے کہ حضور زندگی بخشتے ہیں۔ جنت دیتے ہیں دوزخ سے بچاتے ہیں۔ ایمان عزت بخشتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم رب فرماتا ہے۔ **لما یحییکم** ہمارے نبی تم کو زندگی بخشتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام نعمتوں کا وسیلہ عظمیٰ ہیں۔ **پانچواں فائدہ** نبی کی اولاد کا گناہ دوسروں کے گناہ سے زیادہ خطرناک اور زیادہ سزا کا باعث ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر خصوصیت سے عنایات فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بزرگوں کی اولاد بنائے تو بزرگوں کے سے کام کی توفیق بھی دے یہ فائدہ **علی بنی اسرائیل** فرمانے سے حاصل ہوا **چھٹا فائدہ** جان کے عوض جان لینا یعنی ظالم قاتل کو قصاصاً قتل کرنا بہت اچھا ہے کہ اس سے دنیا کا انتظام قائم ہے۔ یہ فائدہ **بغیر نفس** سے حاصل ہوا۔ مگر قصاص لینے کا اختیار حاکم وقت کو ہے یعنی اس کے فیصلہ اس کے حکم سے قصاص لیا جاوے گا۔ کوئی اور شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر قصاص نہیں لے سکتا۔ **ساتواں فائدہ** فسادی شخص کو قتل کرنا حق ہے۔ لہذا ڈاکو، باغی، خارجی کو قتل کیا جاوے گا۔ یہ فائدہ **او فساد فی الارض** سے حاصل ہوا۔ مگر ان قتلوں میں بھی سلطان یا حاکم کا فیصلہ ضروری ہے۔ ہر شخص خود مختار ہو کر انہیں قتل نہیں کر سکتا۔ **مسئلہ** اپنے مال یا جان کی حفاظت میں حملہ آور کو قتل کر دینا جرم نہیں۔ اگر کسی کے گھر میں چور آگئے یا اس کی جان لینے کے لئے کسی نے اس پر حملہ کیا اس نے انہیں دفع کرنے اپنی جان یا مال بچانے کے لئے انہیں قتل کر دیا تو مجرم نہیں۔ یہ مسئلہ بھی **او فساد فی الارض** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** کسی مرتے ہوئے کی جان بچانا بہت بڑی نیکی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بدکار عورت نے ایک پیاس سے مرتے ہوئے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچالی۔ تو وہ بخشی گئی۔ جب کتے کی جان بچانے کا یہ ثواب ہے تو مرتے ہوئے آدمی کی جان بچانا کتنا ثواب ہوگا۔ ہمارے حضور نے عرب کی کروڑوں بچیوں کی جان بچائی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا بند کر دیا یہ فائدہ **فکانما احیا الناس جمیعا** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جان بچانے والے کے لئے تمام انسانوں کی جان بچانے والے کا سا ثواب مقرر فرمایا۔ **نواں فائدہ** اگر رحمت الہی دستگیری نہ کرے تو نبیوں کی اولاد ہونا مفید نہیں بلکہ مضر ہوتا ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل نبیوں کی اولاد من کی ہم قوم تھے مگر اپنے بد اعمال

بد عقیدگیوں کی وجہ سے دنیا بھر کے کفار سے بدتر کافر ہوئے۔ یہ فائدہ **ثم ان کثیرا منھم** الخ سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ گزشتہ انبیاء کرام ہادی تھے مگر ان کی ہدایت قوم اور زمانہ سے محدود تھیں۔ اس لئے ان کی کتب اور تعلیم فنا ہو کر رہ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہادی مطلق ہیں۔ تاقیامت ہر ایک کے ہادی اس لئے حضور کا قرآن ایک ایک فرمان ایک ایک شان بلکہ ہر ادا باقی رکھی گئی۔ قرآن نے یا حضور نے جس نبی کی جو تعلیم بطور حکایت نقل فرمادی وہ باقی رہی باقی فنا ہو گئیں۔ توریت شریف کا یہ حکم قرآن میں منقول ہو گیا۔ تاقیامت باقی ہے۔ **مصرع**

جو کیلی سے لاگا اس کا بال نہ بیکا ہو جو حضور سے وابستہ ہو اور وہ فنا نہیں ہوتا۔

پہلا اعتراض ظالم قاتل سے قصاص لینے کا حکم دین موسوی سے پہلے تھا یا نہیں۔ اگر نہیں تھا تو دینوں میں عالم کا انتظام کیونکر قائم تھا۔ اور اگر تھا تو یہاں صرف بنی اسرائیل کا ذکر کیوں ہوا۔ کہ فرمایا گیا **کتبنا علی بنی اسراءیل** الخ جواب قصاص کا حکم تمام دینوں میں رہا۔ یہاں ظلماً ”قتل کی سختی کا ذکر ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے لئے ہوئی یعنی ان سے کہا گیا کہ ایک نفس کا قاتل تمام انسانوں کے قاتل کی طرح مجرم ہے۔ یہ سختی پہلے دینوں میں مذکور نہ تھی (تفسیر خازن) دوسرا اعتراض اگر بنی اسرائیل سے پہلے بھی قصاص کا حکم تھا تو آدم علیہ السلام نے قابیل سے قصاص کیوں نہ لیا۔ جواب یا اس لئے کہ آپ کو اس قتل کا شرعی ثبوت نہ ملا۔ آج بھی قاتل پھانسی سے بچ جاتے ہیں ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے یا اس لئے کہ قابیل وہاں سے بھاگ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے قبضہ میں نہ رہا۔ آج قاتل اگر دوسرے ملک دوسری حکومت میں بھاگ جاوے جہاں اس بادشاہ کی دسترس نہ ہو تو اسے پھانسی کیسے دی جائے۔ یا اس لئے کہ اس وقت آدم علیہ السلام کو قصاص لینے پر قدرت نہ تھی۔ قصاص کے لئے حکم سلطان ضروری ہے۔ اور سلطان کے لئے حکومت غلبہ قدرت لازم۔ تیسرا اعتراض بنی اسرائیل سے پہلے قتل پر وہ سختیاں کیوں نہ ہوئیں جو ان پر ہوئیں۔ جب قصاص دائمی حکم تھا تو چاہیے تھا کہ یہ سختیاں بھی دائمی ہوتیں **کتبنا علی بنی اسرائیل** کیوں ارشاد ہوا۔ جواب اس اعتراض کے چند جوابات ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ کہ بنی اسرائیل بہت ظالم قاتل خونخوار قوم تھی۔ ان سے پہلے لوگ قتل پر اتنے دلیر نہ تھے۔ جتنے دلیر یہ بنی اسرائیل تھے۔ قاتلین انبیاء یہ ہی بنی اسرائیل ہیں عادی مجرم کی سزا سخت ہوتی ہے۔ چوتھا اعتراض اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ایک آدمی کا قتل تمام انسانوں کے قتل کی طرح ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہر قتل علیحدہ جرم ہے۔ تو ایک کے قاتل نے ایک جرم کیا۔ سو کے قاتل نے سو جرم کئے۔ پھر یہ دونوں برابر کیسے۔ جواب اس اعتراض کے چند جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے۔ کہ قتل کی سزا قصاص ہے۔ ایک قتل کی سزا بھی یہ ہی ہے۔ لاکھ قتل کی سزا یہ ہی قصاص۔ کیونکہ قصاص انتہائی سزا ہے۔ جس کے اوپر کوئی سزا نہیں ہو سکتی۔ ایک بار زنا کی سزا بھی رجم ہے اور سو بار زنا کی سزا بھی وہ ہی رجم۔ اور اگر اخروی سزا مراد ہے۔ تو تشبیہ صرف نوعیت میں ہے کیفیت میں نہیں۔ یعنی ایک جان لینے والے قاتل کو لاکھوں جان لینے والے قاتل کی سی سزا ملے گی۔ جیسے ایک قسم کے کفر اور لاکھوں قسم کے کفر کی سزا

یکساں ہے۔ ایک شخص قرآن کریم کی صرف ایک آیت کا انکار کر کے کافر ہوا دوسرا آدمی سارے قرآن کا انکار کر کے کافر ہوا۔ تیسرا آدمی انبیاء کی نبوت بلکہ خداوند تعالیٰ کی ہستی کا انکار کر کے کافر ہو۔ یہ سب ہی کافر ہیں۔ سزائے کفر میں سب برابر ہیں۔ اگرچہ کیفیت عذاب میں مختلف ہوں۔ لہٰذا آیت کریمہ برحق ہے۔ پانچواں اعتراض ایک نفس کو موت سے بچانے والا تمام جہان کو بچانے والے کی طرح کیونکر ہو سکتا ہے۔ جب نیکیاں زیادہ تو ثواب بھی زیادہ چاہیے۔ جواب اس کے جوابات ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے جو احیائے نفس کو ایجاد کرے تو اسے آئندہ تمام احیاء نفس کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے واد (زندہ لڑکیوں کو گاڑ دینا) کو ختم فرمادیا تو اب جہاں بھر کی لڑکیوں کی زندگی پر حضور کو ثواب مل رہا ہے۔ یا ایک نبی کی خدمت کرنے والے کو یا ایک عالم دین یا ایک ولی کی جان بچانے والے کو دنیا بھر کے جان بچانے والے کے برابر ثواب ملے گا۔ کیونکہ اس ایک جان سے لاکھوں جانیں وابستہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ہمارا نفس لمارہ ہمارے پہلو میں ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ اس کی زندگی اللہ رسول کی اطاعت میں ہے۔ اس کی موت اللہ رسول کی مخالفت میں ہے۔ جس نے اپنے نفس کو زندہ کر لیا۔ کہ اسے دین پر لگا دیا۔ ایمان پر قائم کر دیا تو گویا اس نے جہان بھر کو زندہ کر دیا۔ پہلے اپنے کو زندہ کرو تاکہ تمہارے ذریعہ سے دوسرے زندہ ہوں۔ ایک نفس زندہ ہزاروں کو زندہ کر دیتا ہے۔ اور جس نے اپنے نفس کو ہلاک کر دیا کہ اسے باغی و سرکش اور اللہ رسول کا نافرمان بنا دیا تو گویا اس نے جہاں بھر کو ہلاک کر دیا۔ کہ ایک نفس مردہ ہزاروں کو مردہ کر سکتا ہے۔ شیطان مردہ ہے۔ کروڑوں کو مردہ بنا رہا ہے۔ اللہ کے ولی زندہ ہیں ہزاروں کو زندگی بخش رہے ہیں۔ اگر نفس زمین دل میں فساد پھیلائے یا دل کو قتل کرنا چاہے تو اسے مجاہدہ و ریاضت کی تلوار سے قتل کر دینا چاہیے۔ اگر اپنی حد میں رہے۔ قلب پر دست درازی نہ کرے تو اس کی خدمت بھی کرنی چاہیے۔ کہ یہ سواری کا کام دیتا ہے۔ حضرت سلطان عارفین بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے نفس نے سرکشی سے ٹھنڈا پانی مانگا۔ آپ نے تین سال تک پانی ہی نہ پیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جہاں پیدا ہوتے رہتے سہتے ہیں وہاں ہی آتے ہیں اور مر کر چلے جاتے ہیں۔ مگر حضرات انبیاء کرام کی پیدائش سکونت تو خاص جگہ میں ہوتی ہے۔ مگر ان کا آنا ساری اس قوم میں ہوتا ہے جس کے وہ نبی ہیں اس لئے یہاں فرمایا **لقد جاءتھم رسلنا** وہ حضرات انبیاء پیدا ہوئے فلسطین یا شام میں مگر آئے سارے بنی اسرائیل میں۔ پھر وہ حضرات وفات پا کر نہیں جاتے۔ بلکہ جب ان کا دین منسوخ ہو تب جاتے ہیں۔ چونکہ ہمارے حضور سارے جہان کے نبی ہیں۔ آپ کا دین منسوخ نہیں۔ اس لئے آپ سارے جہان میں آئے۔ اور کبھی نہ گئے ہمیشہ کے لئے آ گئے پھر خیال رہے کہ اور انبیاء کرام پیدائش پر آئے ہمارے حضور پیدائش سے صدیوں پہلے آئے جیسے سورج طلوع ہونے سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے دنیا میں آ جاتا ہے۔ دن نکال دیتا ہے۔ تارے اور چراغ بجھا دیتا ہے۔ اذانیں کہلوا دیتا ہے۔ سوتوں کو جگا دیتا ہے۔ نور پھیلا دیتا ہے۔ نماز پڑھا دیتا ہے۔ پھر کہیں دیر کے بعد طلوع کرتا ہے غرضکہ وہ خاموش رہنے کے باوجود سب کو اپنی آمد کی اطلاع دیتا ہے۔ حضور کی پیدائش سے پہلے سارے عالم میں آپ کی

آمد کی اطلاع دے دی گئی۔ پھر ہم خالی ہاتھ آتے ہیں یہاں اعمال وغیرہ لینے آتے ہیں۔ وہ حضرات بھرے ہاتھ آتے ہیں۔ ہم کو دینے آتے ہیں۔ باخبر آتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا **بالبینات** موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کے سوا کسی فرعونی دائی کا دودھ نہیں پیا۔ ہمارے حضور نے دائی حلیمہ کا بایاں پستان نہیں پیا یہ ہے ان کی خبرداری۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ

اس کے سوا نہیں کہ بدلہ ان لوگوں کا جو جنگ کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں

وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں

فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ

فساد کی یہ کہ قتل کیئے جاویں یا سولی دیئے جاویں یا کاٹے جاویں ہاتھ ان کے اور پاؤں

ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کر دیئے جاویں یا ان کے ایک طرف کے

خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا

ان کے الگ طرفوں سے یا نکال دیئے جاویں زمین سے یہ واسطے ان کے رسوائی ہے دنیا میں

ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جاویں یا زمین سے دور کر دیئے جاویں۔ یہ دنیا

وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۳۳) اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ

اور واسطے ان کے آخرت میں عذاب ہے بڑا سوا ان لوگوں کے جو توبہ کریں پہلے سے اس سے کہ

میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب مگر وہ جنہوں نے توبہ کر لی اس سے

اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۳۴)

قدرت پاؤ تم اوپر ان کے پس جان لو کہ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں ناجائز قتلوں کا ذکر تھا یعنی بے قصور کو ظلماً قتل کرنا۔ اب جائز بلکہ واجب قتل کا ذکر ہے۔ یعنی ڈاکوؤں رہزنوں کا قتل گویا قتل کی ایک نوعیت کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی دوسری نوعیت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ قاتلین اور فسادی لوگوں کا قتل جائز ہے کہ ارشاد ہوا تھا **بغیر نفس او فساد فی الارض** اب قتل اور فساد کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ ڈاکو قاتل و فسادی ہیں۔ لہٰذا انہیں اس کی سزا میں قتل وصولی وغیرہ کرو گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ایک جان کو بچانا گویا جہان کو بچانا ہے۔ اب اس کے برعکس کی صورت

بیان ہو رہی ہے۔ کہ کبھی ایک جان کو مار دینا گویا ایک جہان کو بچانا ہوتا ہے۔ چنانچہ خطرناک ڈاکو کو مار دو تاکہ جہان محفوظ رہے۔ غرض کہ تصویر ایک رخ پچھلی آیات میں دکھایا گیا تھا۔ اور اس کا دوسرا رخ اب دکھایا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ بہت سے بنی اسرائیل مسرف ہیں یعنی زیادتی کرنے والے۔ ان کی ایک زیادتی و ظلم کا ذکر تو پہلے ہو چکا یعنی بے قصوروں کا قتل کرنا۔ اب ان کی دوسری زیادتی و ظلم کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے۔ یعنی مستحق قتل ڈاکو وغیرہ کو قتل نہ کرنا یہود زانی ڈاکو وغیرہ کو قتل تو کیا کرتے الٹی ان کی حمایت کرتے تھے۔ ظالم کو سزا نہ دینا بھی ظلم ہے۔ شعر

☆ نکوئی بابداں کردن چناں است ☆ کہ بد کردن بجائے نیک مرداں ☆

شان نزول اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق خازن، تفسیر کبیر وغیرہ نے تین روایات بیان کیں۔ ایک یہ کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے معاہدہ کیا تھا۔ کہ تم ہماری مخالفت نہ کرو۔ ہم تمہاری مخالفت نہ کریں۔ پھر ان اہل کتاب نے اپنے اس معاہدہ کو توڑ دیا اور مسلمانوں پر ڈکیتی کی۔ انہیں قتل بھی کیا۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا کہ حضور انور ان کو ان مذکورہ سزاؤں میں سے کوئی سزا دیں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ ہلال ابن عویمر کی قوم کے متعلق نازل ہوئی۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا۔ کہ ہماری طرف سے آپ امن میں رہیں گے۔ اور آپ کی طرف سے ہم محفوظ و مامون۔ حضور انور نے اپنا وعدہ پورا فرمایا مگر ہلال کی قوم نے بنی کنانہ کے ان لوگوں کو قتل کر دیا۔ ان کے مال لوٹ لئے۔ جو مسلمان ہونے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آ رہے تھے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان غداروں کو سزا دینے کا حکم دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ قبیلہ عرینہ کے متعلق نازل ہوئی کہ اس قبیلہ کے کچھ آدمی مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اسلام ظاہر کر کے مدینہ پاک میں رہنے لگے۔ کچھ دن بعد بیمار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ہمارے صدقہ کے اونٹوں میں جاؤ۔ وہاں ان کا دودھ اور ان کا پیشاب پیو شفا پاؤ گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صحت یاب ہونے پر حضور کے چرواہوں کو تو قتل کر دیا اور لوٹ لے کر بھاگ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ان بدنصیبوں نے حضرت یسار کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں شہید کر دیا۔ پھر یہ سب لوگ بہت جلد ہی گرفتار کر کے بارگاہ عالی میں پیش کئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر آنکھیں پھوڑ کر مقام حرہ کے تپتے میدان میں پھنکوا دیا۔ وہ کئی دن تڑپ تڑپ کر وہاں ہی مرے اور انہیں پانی تک نہ دیا گیا۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ آئندہ ڈاکوؤں کو یہ سزائیں نہ دی جاویں۔ جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں۔ گویا یہ آیت اس سنت کی ناسخ ہے۔ (تفسیر خازن، کبیر، مظہری وغیرہ)

تفسیر **انما جزؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ** انما حصر کے لئے۔ ڈاکوؤں کی سزا صرف ان تین میں منحصر ہے ان کے علاوہ اور کوئی سزا دینا جائز نہیں۔ لہذا اب ڈاکوؤں کا مثلہ نہ کیا جاوے گا۔ یعنی ان کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے نہ جائیں گے۔ آنکھیں پھوڑی نہ جائیں گی۔ لفظ جزاء مشترک ہے ثواب کو بھی جزا کہے ہیں سزا کو بھی یہاں ۔ معنی سزا ہے۔ جزاء اسم جنس ہے ایک اور زیادہ سب پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں تین سزاؤں پر بولا گیا۔ **الذین** سے مراد مسلمان یا اہل ذمہ کفار ڈاکو ہیں۔ حربی کفار ڈاکوؤں کا وہ حکم نہیں جو یہاں مذکور ہے۔ یونہی مرتدین ڈاکوؤں کا بھی یہ حکم نہیں۔ **یحاربون** بنا ہے **حرب** سے جس کے معنی ہیں جنگ مگر مخالفت حکم کو بھی حرب کہہ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم سود خواروں کے متعلق فرماتا ہے **فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ** اور فرماتا ہے۔ **وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ** یہاں تو ۔ معنی مخالفت حکم و نافرمانی ہے۔ تب تو مطلب بالکل ظاہر ہے اور ہو سکتا ہے کہ حقیقی معنی میں ہو تو اس کے بعد لفظ اولیاء پوشیدہ ہے۔ لہذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔ فقیر کی اس تفسیر سے بہت اعتراض اٹھ گئے۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ رسول کی نافرمانی کرتے ہیں۔ یا وہ لوگ جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں کہ راہ ماری کر کے انہیں ڈراتے دھمکاتے یا لوٹتے یا قتل کرتے ہیں۔ چونکہ مسلمان اللہ رسول کے پیارے ہیں۔ اس لئے ان سے جنگ گویا اللہ رسول سے ہی جنگ ہے اللہ کے بندوں کو ستانا رب کو ایذا دینا ہے۔ حضور کی امت کو پریشان کرنا حضور کو دکھ دینا ہے چنانچہ زمانہ نبوی میں ایک شخص جمعہ کی نماز کو آیا تو پیچھے مگر لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے آنے کی کوشش کرنے لگا تو حضور نے فرمایا بیٹھ جاتو نے اللہ رسول کو ایذا دی ہے اس کے برعکس اللہ کی مخلوق حضور کی امت کو راحت دینا اللہ رسول کو راضی کرنا ہے۔ **شعر:**

☆ کرو مہربانی تم اہل زمین پر ☆ خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر ☆

ویسعون فی الارض فسادا ظاہر یہ ہے کہ یہ عطف تفسیری ہے اور یہ جملہ **یحاربون** الخ کی تفسیر ہے۔ **یسعون** بنا ہے **سعی** سے ۔ معنی کوشش کرنا۔ اس سے ڈکیتی کی عام کوشش مراد ہے۔ راستہ روکنا' مال لوٹنا' قتل کرنا' مسافروں کو صرف ڈرانا دھمکانا **الارض** سے مراد الاسلام کی زمین ہے دارالحرب کی زمین کے متعلق بہت تفصیل ہے۔ اگر مسلمان وہاں امان لے کر جاوے تو امن و امان سے رہے اگر غازیانہ شان سے جاوے۔ تو کفار کا جو مال ہاتھ لگے وہ غنیمت ہے۔ اگر موقعہ پا کر ان کی سرحد میں گھس جاوے انہیں مار آوے۔ ان کا مال چھین لاوے تو وہ ڈاکو نہیں۔ مجاہد ہے۔ جیسے آج کل عموماً سرحدوں پر واردات ہوتی رہتی ہیں کہ کفار کبھی ہمارے علاقہ میں گھس کر نقصان کر جاتے ہیں۔ کبھی ہمارے غازی ان کی حد میں گھس کر سب کچھ لے آتے ہیں۔ غرضیکہ **الارض** سے حربی کفار کی زمین مراد نہیں۔ **فسادا** یا **یسعون** کی ضمیر ھم سے حال ہے ۔ معنی مفسدین یا **ذوی فساد** یا **یسعون** کا مفعول لہ ہے۔ یعنی **للفساد** یا **یفسدون** پوشیدہ کا مفعول مطلق ہے۔ یعنی امان کی زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں۔ فساد سے مراد ہر قسم کی ڈکیتی ہے۔ خیال رہے کہ خفیتاً" مال چرانے والے کو سارق کہتے ہیں (چور) اچک لینے کو نہبہ کہتے ہیں کہ اچانک کسی کے ہاتھ سے کوئی چیز چھین

کر بھاگ جاوے۔ قوت و طاقت کے ساتھ کسی جماعت کا شہر میں گھس آنا اور لوگوں کے مال جبراً چھین لینا مکابرہ کہلاتا ہے اور اس کو مکابر اور جماعت کو مکابرین کہا جاتا ہے۔ اور مسافروں کی راہ ماری کرنے کو محاربہ کہتے ہیں اور اس جماعت کو محاربین یعنی ڈاکو' یہاں چوتھی صورت مراد ہے۔ انہیں کی سزا کا یہاں ذکر ہے۔ امام اعظم کے نزدیک راہ ماروں کی جماعت کو ڈاکو کہا جاتا ہے۔ ان کی یہ سزا ہے جو یہاں مذکور ہے۔ دن دہاڑے بستیوں میں گھس کر لوٹنے والوں کی سزا یہ نہیں جو یہاں مذکور ہے۔ (تفسیر خازن) دوسرے اماموں کے ہاں محاربین اور مکابرین دونوں کی یہ ہی سزا ہے۔ ڈاکو چار قسم کے ہیں۔ ان کی مختلف سزائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے **ان یقتلوا** الخ یہ عبارت جزا کی خبر ہے۔ اس لفظ میں ان ڈاکوؤں کا ذکر ہے جو راستہ مارتے ہوئے مسافر کو صرف قتل کریں۔ مال وغیرہ نہ لوٹیں خواہ لاٹھی سے ماریں یا بندوق تلوار وغیرہ سے۔ اسے باب **تفعیل** سے بیان فرمانے میں کئی مسئلے بتائے گئے۔ ایک یہ کہ ایک مسافر کو قتل کرنے سے سارے ڈاکو قتل کئے جائیں گے۔ ہر ایک کو گن گن کر قتل کیا جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ یہ قتل سزاء شرعی یعنی حد ہے۔ جو کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا۔ قصاص حق العبد ہے کہ مقتول کے ولی کے معاف کر دینے سے معاف ہو جاتا ہے۔ یعنی سارے ڈاکو گن گن کر ضرور قتل کر دیئے جاویں کسی طرح انہیں معاف نہ کیا جاوے۔ **او یصلبوا** قرآن کریم کے احکام میں **او** کبھی **تخییر** کے لئے آتا ہے۔ کبھی تقسیم کے لئے۔ ایک جرم کی چند سزاؤں میں **او** ارشاد ہو تو تخییر یعنی اختیار دینے کے لئے ہو گا۔ جیسے کفارہ قسم میں فرمایا گیا۔ **تحریر رقبة او اطعام عشرة مساکین او کسوتهم** الخ مگر یہاں چار جرموں کی چار سزاؤں کے درمیان **او** لایا گیا تو تقسیم کے لئے ہے کہ فلاں مجرم کو یہ سزا دو فلاں کو یہ۔ **او** کا یہ فرق حدیث شریف سے ثابت ہے چنانچہ یہ عبارت **ان یقتلوا** پر معطوف ہے اس میں ان ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر ہے جو مسافر کو قتل بھی کریں اور ان کا مال بھی لوٹ لیں۔ وہ سولی دیئے جاویں کہ زندہ ڈاکو کو اونچی میخ پر لٹکا دیا جاوے بازار یا گزرگاہ عام میں لٹکا کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا جاوے۔ کئی دن تک وہاں ہی لٹکتا رہے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں (تفسیر احمدی) بعض **فقہاء** نے فرمایا کہ قتل کر کے سولی پر لٹکایا جاوے۔ مگر پہلا قول قوی ہے کہ اس سے عبرت زیادہ حاصل ہو گی۔ **او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف** یہ عبارت **یصلبوا** پر معطوف ہے اس میں ان ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر ہے جو مسافروں کا صرف مال لوٹیں کسی کو قتل نہ کریں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ ان کا داہنا ہاتھ گٹے کے نیچے سے اور بایاں پاؤں ٹخنے کے نیچے سے کاٹ دیا جاوے۔ اس قسم کے ہر ڈاکو کو یہ سزا دی جاوے بشرطیکہ انہوں نے اتنا مال لوٹا ہو کہ ہر ڈاکو کو چوری کا نصاب مل سکے۔ یعنی دس درہم یعنی پونے تین روپیہ ہر ڈاکو کے حصہ میں آ سکیں۔ تب ہر ایک کو یہ سزا دی جا سکے گی کیونکہ یہ چور سے زیادہ ظالم ہیں۔ انہوں نے ڈرایا بھی مال بھی چھینا (تفسیر روح المعانی و روح البیان وغیرہ) **او ینفوا من الارض** یہ عبارت **تقطع** پر معطوف ہے۔ اس میں ان ڈاکوں کی سزا کا ذکر ہے جو صرف راستہ روکیں۔ مسافروں کو ڈرائیں۔ قتل یا مال کی لوٹ نہ کریں۔ اس ڈرانے کی سزا ہے زمین سے نکال دینا۔ ہمارے ہاں اس سے مراد جیل میں ڈال دینا اور جب تک

کہ عملی طور پر اس کی توبہ ثابت نہ ہو جاوے جیل سے نہ نکالنا۔ کیونکہ جیل بھی ایک قسم کا دیس نکالا ہے۔ عرب جیل کو دیس نکالا کہتے ہیں چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے کہ جو جیل میں تھا۔

☆ خرجنا من الدنیا ونحن من اهلها ☆

☆ فلسنا من الاموات فیها ولا الاحیاء ☆

☆ اذا جاء نا اسجان یوما لحاجة ☆

☆ عجبنا وقلنا جاء هذا من الدنیا ☆

(روح المعانی) یعنی ہم دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے نکل چکے ہیں۔ اب ہم جیل میں نہ مردے ہیں نہ زندہ۔ جب کبھی کسی کام کو جیل کے حکام ہمارے پاس آتے ہیں تو ہم تعجب سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا سے آئے ہیں بہر حال یہاں دیس نکالے سے مراد جیل میں ڈال دینا ہے۔ امام شافعی کے ہاں وطن سے نکال دینا مراد ہے۔ بعض اماموں کے ہاں انہیں ہر جگہ سے نکالتے رہنا کہیں ٹھہرنے نہ دینا مراد ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں ڈاکوؤں کا فساد بڑھے گا گھٹے گا نہیں۔ وہ جہاں جائیں گے ڈکیتی کریں گے۔ حکومت کو پریشانی ہی رہے گی۔ للذا مذہب حنفی قوی ہے۔ **ذلک لهم خزی فی الدنیا** یہ نیا جملہ ہے **ذلک** مبتدا ہے اور **خزی** اس کی خبر **لهم** اس **خزی** کا متعلق مقدم ہے۔ **ذلک** سے اشارہ ان چاروں سزاؤں کی طرف ہے یعنی یہ سزائیں تو ان ڈاکوؤں کی دنیاوی رسوائی ہیں۔ جس سے یہ ذلیل و خوار ہوں۔ اور دوسروں کو عبرت ہو۔ ان سزاؤں سے وہ عذاب آخرت میں نہیں بچیں گے۔ بلکہ **ولهم فی الاخرة عذاب عظیم** یہاں آخرت سے مراد قبر قیامت اور بعد قیامت سب ہی ہیں۔ یعنی ان ڈاکوؤں کے لئے بعد موت ہر جگہ اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہے۔ یہ سزائیں وہاں کا عذاب نہ دفع کریں نہ کم کریں **الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم** یہ عبارت ساری گزشتہ سزاؤں اور اخروی عذاب سے استثناء ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ڈاکو پکڑے جانے سے پہلے خود بخود ہی توبہ کریں۔ ڈکیتی چھوڑ دیں اور حاکم کے پاس خود ہی حاضر ہو جائیں گزشتہ پر ندامت آئندہ کے لئے باز رہنے کا عہد کر لیں تو وہ اخروی عذاب سے بھی بچ جاویں گے۔ اور دنیاوی حد شرعی سے بھی۔ اب ان کا حکم یہ ہو گا کہ لوٹے ہوئے مال مالکوں کو واپس کریں۔ اگر کسی کو قتل کیا ہے تو ان پر قصاص ہے کہ مقتول کا ولی چاہے تو انہیں قتل کرادے چاہے تو ان سے دیت لے یا معاف کردے۔ یوں ہی اگر ان ڈاکوؤں نے کسی کے اعضا کاٹے ہیں تو بھی وہ حق العبد ہوں گے۔ کہ وہ مقطوع چاہے تو ان کے اعضاء قصاص میں کٹوائے چاہے دیت لے۔ چاہے معاف کردے۔ غرض کہ ڈکیتی کی سزا شرعی سے بچ گئے۔ حقوق العباد کے ذمہ دار رہے (روح المعانی، تفسیر کبیر و عام تفاسیر و کتب فقہ) اسی لئے یہاں یہ نہ فرمایا کہ جو توبہ کرلیں انہیں سزا نہ دو۔ بلکہ فرمایا **فاعلموا ان الله غفور رحیم** جس سے معلوم ہوا کہ ان کی توبہ سے دنیاوی حدود شرعیہ اور اخروی عذاب ختم ہوا۔ حقوق العباد ویسے ہی باقی ہیں کہ مغفرت و رحمت اس معافی کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ یعنی اگر

تمہارے پکڑنے سے پہلے ڈاکو بچی توبہ کرلیں تو تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے رحیم بھی ہے اپنے مجرموں کو بخش دیتا ہے۔ قتل کا قصاص حق العبد ہے کہ ولی مقتول خواہ قاتل کو قتل کرے یا معاف کرے یا اس سے فدیہ لے لے۔ زنا کی سزا بہر حال حق اللہ ہے معاف نہیں ہو سکتی۔ ڈکیتی کی سزا بھی حق اللہ ہے۔ جسے بندہ معاف نہیں کر سکتا۔ ڈاکو پکڑے جانے پر ضرور سزا پائے گا۔ لیکن اگر ڈاکو پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرلے تو ڈکیتی کی سزا سے بچ جاوے گا۔ جو حق اللہ تھی۔ لوگوں کے قتل اور مال لینے کی سزا جو حق العبد ہے قائم رہے گی۔ خیال رہے کہ مسلمان یا ذمی ڈاکوؤں کا یہ حکم ہے جو یہاں بیان ہوا۔ حربی کافر اگر پکڑے جانے کے بعد بھی مسلمان ہو جاوے اور توبہ کرے تو ان سزاؤں بلکہ مال کے تاوان سے بری ہو جاوے گا۔ (تفسیر احمدی) رب تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے۔ **الا من تاب و آمن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنٰت** اب بھی سلطنتوں کا اسی پر عمل ہے کہ جنگی قیدیوں سے قتل و غارت کا بدلہ نہیں لیتے یہ بھی خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں لفظ **او** حکام کو اختیار دینے کے لئے نہیں کہ چاہیں تو ڈاکوؤں کو قتل کردیں۔ چاہے سولی دے دیں چاہے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں بلکہ تقسیم کے لئے ہے کہ چار قسم کے ڈاکوؤں کی یہ چار سزائیں ہیں کیونکہ لفظ **او** اگر ایک کی سزاؤں میں ارشاد ہو تو اختیار کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے قسم کے کفارات میں **او** اختیار کے لئے ہے۔ مگر یہاں مختلف جرموں کی مختلف سزاؤں کو **او** سے بیان فرمایا گیا۔ لہذا یہاں اختیار نہیں بلکہ تقسیم ہے یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے (تفسیر احمدی)

خلاصہ تفسیر جو لوگ اللہ رسول سے جنگ کرتے ہیں کہ اللہ کے بندوں اس کے دوستوں کو ستاتے ڈراتے ہیں اس طرح کہ اللہ کی زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں۔ راستے بند کرتے ہیں۔ ڈکیتی پر کمربستہ رہتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ اگر وہ صرف قتل کریں مال نہ لوٹیں تو انہیں سب کو ضرور قتل کردیا جائے۔ کسی طرح معافی نہ دی جائے۔ اور اگر قتل بھی کریں مال بھی لوٹیں تو ان کو سولی پر لٹکا دیا جاوے اس طرح کہ ان کو زندہ ہی کو اونچے درخت اونچی میخ پر بازار میں لٹکایا جاوے ان کا پیٹ پھاڑ دیا جاوے۔ پھر یونہی لٹکا رکھا جاوے حتی کہ سوکھ جاوے یا بگڑنے کا اندیشہ ہو جاوے اور اگر صرف مال ہی لوٹیں کسی کو قتل نہ کریں تو ان کے دو طرفہ ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جاویں کہ داہنا ہاتھ بایاں پاؤں کاٹا جاوے اور اگر انہوں نے مسافروں کو صرف ڈرایا دھمکایا تو ہے مگر نہ کسی کو قتل کیا نہ کسی کا مال لوٹا تو انہیں ان کے گھر بار سے نکال دیا جاوے۔ اس طرح کہ انہیں جیل میں ڈال دیا جاوے۔ حتی کہ صحیح توبہ کریں یہ تو ان کی دنیاوی سزائیں ہیں۔ اخروی سزا اس کے علاوہ ہے۔ ان کے لئے سخت عذاب اور ذلت و خواری ہے۔ ہاں جو ڈاکو گرفتار ہونے سے پہلے ہی از خود توبہ کرلیں۔ گزشتہ پر نادم آئندہ کے لئے عہد کرلیں تو وہ اخروی سزا سے بھی بچ جاویں گے۔ اور دنیاوی مذکورہ سزا سے بھی بچ جاویں گے۔ ہاں قتل ناحق کا قصاص لوٹا ہوا مال واپس کرنا ان پر لازم ہو گا کہ یہ سزا شرعی نہیں بلکہ حق عباد ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ حق خواہ اللہ تعالیٰ کا ہو یا شریعت کا یا بندے کا بہر حال اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ مارا ہوا حق ادا کرے۔ جو سزا یا کفارہ ہو

وہ اسے پورا کرے۔ ساتھ میں توبہ بھی کرے ورنہ آخرت کی سزا سے بچنا مشکل ہے۔ نمازیں رہ گئی ہیں تو قضا بھی کرے۔ توبہ بھی۔ روزہ توڑا ہے تو قضا و کفارہ بھی کرے۔ توبہ بھی چوری کی ہے تو ہاتھ بھی کٹیں توبہ بھی کرے۔ زنا میں پکڑا گیا ہے تو رجم بھی ہو توبہ بھی کرے ڈکیتی کی ہے تو یہ سزائیں بھی بھگتے۔ توبہ بھی کرے۔ ہاں اگر زانی چور ڈاکو خود ہی عدالت میں حاضر ہو کر سزا لے لیں تو ان کی یہ حاضری ہی توبہ میں شمار ہے۔ حضرت ماعز کے متعلق حضور نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ پر تقسیم ہو تو سب بخشے جاویں۔ جناب ماعز کی حاضری عدالت اور اقرار زنا کو توبہ قرار دیا۔

حکایت خلافت حیدری کے مبارک دور میں ایک ڈاکو تھا۔ حارثہ ابن بدر تیمی بصری جس نے بصرہ میں ابراہیم مچار کھا تھا۔ اسے اللہ نے توبہ کی توفیق دے دی۔ اس نے کچھ قریشی لوگوں سے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں مجھے حضرت اسد اللہ حیدر کرار علی ابن ابی طالب خلیفتہ المسلمین سے معافی دلوا دو۔ کسی نے ہمت نہ کی وہ ڈاکو سعید ابن قیس ہمدانی کے پاس یہ عرض لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے حارثہ کو کوفہ لے جا کر دربار حیدری کے کسی گوشہ میں چھپا دیا اور خود امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ڈاکوؤں کے احکام پوچھے۔ جناب امیر المومنین نے یہ حکم بیان فرمایا کہ جو ڈاکو پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرے اسے معافی ہے سعید نے کہا اگرچہ حارثہ ابن بدر ہی ہو۔ فرمایا اگرچہ وہ ہی ہو۔ سعید بولے حارثہ نکل۔ پیش ہو جا۔ چنانچہ حارثہ نکل آیا اور سعید نے کہا حضور یہ ہے حارثہ۔ توبہ کر کے حاضر ہوا ہے۔ چنانچہ جناب امیر المومنین نے اس کو امان دے دی اور حارثہ بعد میں مخلص دیندار ہو گیا۔ (ابن ابی شیبہ ابن ابی حاتم تفسیر روح المعانی) یہ ہے اس آیت کریمہ کی تفسیر جناب علی قرآن ناطق ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ اسلام جرموں کی سزائیں بہت سخت ہیں۔ کیوں نرم سزاؤں سے جرم نہیں رکتے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ اللعالمین ہیں۔ مگر آپ نے عرینہ کے مرتدین ڈاکوؤں کو وہ سخت سزا دی کہ سن کر دل کانپ جاتے ہیں۔ بس اس ایک سزا سے ملک میں امن ہو گیا۔ ورنہ عرب جیسے ملک میں امن قائم ہونا ناممکن تھا۔ نرم سزاؤں کا انجام آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا فائدہ جیسے حدیث سے قرآن کریم کا نسخ ہو سکتا ہے ایسے ہی قرآن سے حدیث کا نسخ بھی ہو سکتا ہے۔ دیکھو عرینہ والے ڈاکوؤں کی سزا جو حدیث سے ثابت تھی وہ اس آیت کریمہ سے منسوخ ہو گئی۔ اب ڈاکوؤں کی سزا یہ ہے جو یہاں مذکور ہوئی۔ بیت المقدس کا قبلہ ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے اور اس کا نسخ ہو کر کعبتہ اللہ کا قبلہ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ یوں ہی آیات قرآنیہ احادیث سے منسوخ ہو سکتی ہیں۔ دیکھو غیر اللہ کو سجدہ **تعظیمی** ہونا قرآنی آیات سے ثابت ہے اس کا منسوخ ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ اب غیر خدا کو سجدہ **تعظیمی** حرام ہے۔ اس کی مفصل بحث ہم آیت **ما ننسخ من ایت** الخ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو ستانا اللہ رسول سے جنگ کرنا ہے یہ فائدہ یحاربون اللہ ورسولہ سے

حاصل ہوا۔ دیکھو قبیلہ عرینہ نے حضرات صحابہ کرام کو ستایا۔ انہیں اللہ رسول سے جنگ کرنے والا قرار دیا گیا۔ اس سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ہر نیک و بد اعمال کی خبر ہے۔ ہماری نیکیوں سے حضور خوش ہوتے ہیں۔ ہمارے گناہوں سے رنجیدہ۔ کیونکہ بغیر علم خوشی و غم ناممکن ہے۔ **چوتھا فائدہ** ملک میں فساد پھیلانا بڑا ہی جرم ہے امان رکھنا بڑی نیکی یہ فائدہ **یسعون فی الارض** سے حاصل ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس فساد انگیزی کو اللہ رسول سے جنگ قرار دیا۔ **پانچواں فائدہ** ڈاکو چار قسم کے ہیں اور ان کی سزائیں بھی چار طرح کی۔ صرف قتل کردینے والے ان کی سزا قتل ہے۔ قتل کرکے مال لوٹنے والے۔ ان کی سزا سولی ہے۔ صرف مال لوٹنے والے ان کی سزا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹنا ہے۔ صرف وہشت پھیلا دینے والے راستہ بند کردینے والے ڈاکو جو قتل یا لوٹ نہ کرچکے ہوں ان کی سزا صرف قید ہے۔ یہ فائدہ اس پوری آیت سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** قاتل ڈاکو کا قتل حد شرعی ہے۔ قصاص نہیں۔ **لہٰذا** ولی مقتول کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوسکتا۔ نہ اسے خون بہا لینے کا حق ہے۔ یہ فائدہ **ان یقتلوا** کو باب **تفعیل** سے لانے سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **ساتواں فائدہ** صرف دہشت پھیلانے ڈاکوؤں کو دیس نکالا نہ دیا جاوے گا۔ بلکہ انہیں جیل میں دیا جاوے گا۔ کیونکہ ڈاکو شہر بدر ہوکر زیادہ فساد پھیلائیں گے۔ یہ فائدہ **ینفوا من الارض** کی تفسیر سے حاصل ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈاکوؤں کو جیل دی اور فرمایا کہ میں انہیں دوسرے شہر منتقل نہ کروں گا۔ یعنی دیس نکالے کی سزا نہ دوں گا۔ ورنہ یہ ان شہر والوں کو ستائیں گے (تفسیر خازن از مکول) **آٹھواں فائدہ** اگر ڈاکو گرفتاری سے پہلے سچی توبہ کرلیں تو ڈکیتی کی شرعی سزا سے اور آخرت کے عذاب سے بچ جاویں گے۔ مگر خون کا قصاص اور لوٹے مال کی واپسی ان پر لازم ہوگی۔ یہ فائدہ غفور رحیم سے حاصل ہوا کہ مغفرت و رحمت شرعی سزاؤں کی معافی کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہ قصاص اور مال کی واپسی حق العبد ہوں گے کہ صاحب حقوق انہیں معاف کرسکتے ہیں۔ **نواں فائدہ** پکڑے جانے کے بعد ڈکیتی سے توبہ درست نہیں بہرحال سزا دی جاوے گی۔ یہ فائدہ **قبل ان تقدروا** سے حاصل ہوا۔ **مسئلہ** چار مسلمان وہ ہیں جن کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاوے گی۔ باغی' ڈاکو' مکابر' فتاق (در مختار) **لہٰذا** ڈاکو کو نہ غسل دیا جاوے۔ نہ نماز پڑھی جاوے۔ یہ مسئلہ **او یصلبوا** سے حاصل ہوا۔ ہر حق العبد ضائع کرنے میں حق اللہ اور حق الرسول بھی ضائع ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ان دونوں ہستیوں کے احکام کی نافرمانی ہے دنیاوی سزائیں حق العبد کی سزائیں ہیں۔ آخرت کی سزا حق اللہ و حق الرسول کی سزا ہے۔ یہ فائدہ **وفی الاخرۃ عذاب عظیم** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں **یحاربون** دو معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مخالفت حکم اور جنگ عرینہ کے ڈاکوؤں نے اللہ کے حکم کی تو مخالفت کی تھی اور حضور سے جنگ کی تھی۔ اور ایک لفظ بیک وقت حقیقی و مجازی دونوں معنی میں استعمال نہیں ہوسکتا۔ پھر یہاں کیوں استعمال ہوا۔ **جواب** یہاں صرف حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ رسول سے جنگ کرنے کے معنی ہیں ان کے پیاروں سے جنگ کرنا۔ عرینہ کے ڈاکوؤں نے حضور سے جنگ نہ کی تھی۔ حضرات صحابہ کو دکھ

پنچایا تھا۔ یہ سوال و جواب تفسیر کبیر نے یہاں ہی بیان فرمادیا۔ **دوسرا اعتراض** عربی میں لفظ **او** اختیار کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ تو اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ امام و حاکم کو اختیار ہے۔ کہ وہ ڈاکوؤں کو خواہ قتل کرائے خواہ سولی دے خواہ ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دے۔ خواہ انہیں قید کرے پھر تم نے تقسیم کیوں کی کہ ایسے ڈاکو کو قتل کرو۔ اور ویسے ڈاکو کو سولی دو (خواجہ حسن بصری و مجاہد وغیرہم) دیکھو قسم کے کفارات میں بھی لفظ **او** ارشاد ہوا۔ وہاں اختیار دیا گیا۔ **نوٹ** حضرت ابن عباس خواجہ حسن بصری' سعید ابن مسیب امام نخعی و مجاہد کا یہی مذہب ہے۔ کہ ہر ڈاکو کے متعلق سلطان اسلام کو اختیار ہے کہ ان چار سزاؤں میں سے جو چاہے سزا دے (تفسیر خازن) **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا۔ کہ جب ایک جرم کی چند سزاؤں کو **او** کے ساتھ بیان کیا جاوے تو وہاں **او** اختیار دینے کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن اگر چند جرموں کی سزاؤں میں **او** ارشاد فرمایا جائے تو وہاں تقسیم کے لئے ہوتا ہے کہ فلاں جرم کی یہ سزا اور فلاں جرم کی یہ سزا۔ اس آیت کریمہ نے چار قسم کے ڈاکوؤں کی چار سزائیں بیان فرمائیں۔ لہٰذا یہاں تقسیم ہے اور کفارہ قسم میں ایک جرم یعنی قسم توڑنے کی چند سزائیں بیان ہوئیں ہیں لہٰذا وہاں اختیار ہے (تفسیر احمدی) **تیسرا اعتراض** انسان کو سولی دینا یا ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنا نہایت وحشیانہ سزا ہے۔ اسلام بہت مہذب دین ہے اس میں ایسی وحشیانہ سزائیں نہ ہونا چاہئیں۔ یونہی زانی کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا انتہا درجہ کی بربریت ہے۔ (بعض بے دین) **جواب** افسوس ہے کہ مسلمانی کے دعویدار اس قسم کے واہیات اعتراض کرتے ہیں۔ آج کافر حکومتیں بھی کہتی ہیں کہ عرب میں اسلامی سزاؤں نے ہی امن قائم کیا۔ جواہر لعل نہرو وزیر اعظم بھارت نے کہا تھا کہ انڈیا میں عرب کی سزائیں جاری کرنا چاہئیں۔ ایک بدمعاش کو سخت سزا دے کر قوم کو سنبھال دینا ملک میں امن قائم کر دینا عین انصاف ہے۔ گلا عضو کاٹ دو تاکہ باقی اعضا درست رہیں اسلام کی سخت سزاؤں نے ہی ڈاکوؤں کو رہبر بنایا۔ سربازار ایک چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاوے تو انشاء اللہ پچاس سال تک ملک میں چوری نہ ہو۔ قوم کو شخص پر قربان نہ کرو۔ شخص کو قوم پر قربان کرو۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ڈاکو پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرلے تو سب کچھ معاف۔ یہ عجب قانون ہے کہ قتل لوٹ غارت کرکے توبہ توبہ کہہ لو تو سب کچھ معاف ہو گیا۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ توبہ سے ڈکیتی کی سزا جو حق شرعی ہے وہ معاف ہو گی۔ قتل کا قصاص لوٹے مال کی واپسی معاف نہ ہو گی۔ جیسا کہ غفور رحیم فرمانے سے معلوم ہوا۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں ڈکیتی کی چوتھی سزا بیان فرمائی گئی **نفی من الارض** جس کا ترجمہ ہے زمین سے نکال دینا۔ احناف نے اس کے معنی کئے جیل بھیج دینا یہ معنی لغت کے بھی خلاف ہے عقل کے بھی خلاف۔ جیل بھیجنے کو زمین سے نکالنا نہیں کہا جاتا اس کا ترجمہ دیس نکالا یا جلاوطنی ہونا چاہیے (شوافع' مالک وغیرہم) **جواب** یہاں نفی ارض کے لغوی معنی پر عمل ناممکن ہے کیونکہ زمین سے نکالنے کے معنی یہ ہونے چاہئیں کہ اسے آسمان پر بھیج دیا جائے لہٰذا الارض میں ضرور قید لگانی پڑے گی۔ آپ حضرات ارض سے مراد لیتے ہیں وطن کی زمین۔ امام اعظم مراد لیتے ہیں گھربار کوچہ بازار کی زمین۔ انسان جیل میں رہ کر ان تمام

زمینوں سے نکل ہی جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل شریف اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ نیز سزا کا مقصد ہوتا ہے جرم روکنا۔ ڈاکو جلاوطن ہو کر اور زیادہ ڈکیتیاں کرے گا ہاں جیل میں رہ کر ڈکیتی نہ کر سکے گا۔ لہذا یہ معنی نہایت ہی موزوں ہیں۔ منشا قرآن کے موافق ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے عمل کے مطابق۔

تفسیر صوفیانہ زمین سے تکلیف دہ چیز دور کرنا بہترین نیکی ہے۔ حتیٰ کہ راستہ سے پتھر کانٹا ہٹا دینے پر بھی مغفرت کا وعدہ ہے۔ جب زمین سے تکلیف دہ چیزیں ہٹانا نیکی ہے تو راستہ کو پر خطر بنانا وہاں ڈکیتی وغیرہ سے مسافروں کے جان و مال غیر محفوظ کر دینا بڑا گناہ یہ تو دنیاوی راستوں کا حکم ہے۔ راہ مولیٰ پر ڈکیتی کرنا اسے پر خطرناک بنانا راہروان راہ مولیٰ کو اس راستے سے روکنا بہت بڑی ڈکیتی ہے۔ اس راستہ کے ڈاکوؤں کی سزا یہ ہے کہ خذلان (رسوائی) کی تلوار سے قتل کر دیئے جاویں یا ہجران (فراق یار) کی شاخ پر سولی دیئے جاویں یا وصال یار کے دامن سے ان کے ہاتھ کاٹ دیئے جاویں یا قربت الٰہی کی زمین سے نکال دیئے جاویں جو دوسروں کو راہ خدا سے روکیں وہ خود وہاں سے محروم ہوتے ہیں۔ ہاں اگر یہ لوگ اللہ کی پکڑ اولیاء اللہ کے غضب میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں اور راہ ماری چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے خیال رہے کہ ولایت کا مردود عنایت سے محروم ہے۔ اولیاء اللہ کی نظر سے گرا ہوا کہیں نہیں الحمد۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

☆ کلید گنج سعادت قبول اہل دل است ☆
مبادکس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند ☆

مثنوی میں مولانا فرماتے ہیں۔

☆ لا جرم برآں راہ بر توبستہ شد ☆ چوں دل اہل دل از تو خستہ شد ☆
☆ زود شاں در یاب و استغفار کن ☆ ہم چوابرے گریہ ہاؤ زار کن ☆
☆ تاگلستان شاں سوئے تو بشگفند ☆ میوہ ہائے پختہ برخود واکند ☆
☆ ہم براں درگرد کم از سگ مباش ☆ باسگ کہف اوشد ہستی خواجہ تاش ☆

اگر تجھ سے کسی اللہ والے کا دل ناراض ہو گیا تو سمجھ لے کہ رب تعالیٰ کا راستہ تجھ پر بند ہو گیا۔ بہت جلد ان کے دروازہ پر پہنچ معافی مانگ ہو ر بادل کی طرح آنسو بہا تاکہ تیرے ایمان کے باغ میں قبولیت کے پھل لگیں۔ (روح البیان و روح المعانی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ڈرو اللہ سے اور تلاش کرو طرف اس کے وسیلہ اور کوشش کرو اللہ کے

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو

فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾

راستے میں تاکہ تم کامیاب ہو
اس امید پر فلاح پاؤ

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں راہزنوں ڈاکوؤں کا ذکر تھا۔ ان کی سزا کا تذکرہ تھا اب وہ بروں کی جماعت ان کے فیوض و برکات کا ذکر ہے۔ یعنی حضرات اولیاء اللہ جو رب تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ عظمیٰ ہیں رہزنوں کی سزا کے بعد رہبوں کے فیضان کا ذکر ہے۔ تاکہ لوگ ڈاکوؤں سے بچیں اولیاء اللہ کا دامن پکڑیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ڈاکوؤں کی شرعی سزا کے ساتھ کرم کریمانہ کا ذکر بھی ہوا کہ اگر ڈاکو پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرلیں تو اس شرعی سزا سے بچ جائیں گے اب وہ دروازے بتائے جارہے ہیں جہاں توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ ان دکانوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جہاں سے توبہ و تقویٰ کے سودے ملتے ہیں۔ یعنی حضرات اولیاء کے آستانے جو رب رسی کا وسیلہ عظمیٰ ہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں اللہ رسول سے جنگ کرنے والوں کی سزا کا ذکر ہوا۔ اب تقویٰ کا حکم دیا وہ جنگ فسق تھی۔ تقویٰ اس کا علاج ہے تاکہ لوگ تقویٰ کے ذریعہ فسق سے بچیں اور ساتھ ہی وہ دروازے بتادیے گئے۔ جہاں سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ڈکیتی کی سزا کا ذکر تھا جو جرموں کے روکنے کا عارضی علاج ہے۔ اب تقویٰ اور وسیلہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ جو جرموں کا اصلی و دائمی علاج ہے۔ گویا گناہوں کے سیلاب کے روکنے کے لئے کوچہ بندی کا ذکر پہلے ہوا۔ اور نفس پر تقویٰ وسیلہ کے بند باندھنے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ جہاں سے گناہ چلتے ہیں۔ **پانچواں تعلق** گزشتہ پچھلی آیات میں ان یہود پر عتاب کیا گیا جو بد عقیدہ و بد عمل تھے۔ اس کے باوجود اولاد انبیاء ہونے پر فخر و تکبر کرتے تھے اب فرمایا جارہا ہے کہ مومنو تم ان بے وقوف یہود کی طرح نہ ہونا۔ تم تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنا اور حضرات انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بنانا صرف اولاد نبی ہونا مفید نہیں بلکہ متوسل بالنبی ہونا مفید ہے۔

تفسیر **یایھا الذین امنوا۔ الناس** میں خطاب سارے انسانوں سے ہوتا ہے۔ اور **الذین امنوا** میں کبھی صرف صحابہ کرام سے۔ کبھی سارے انسان مومنین سے کبھی تمام جن و انس مومنوں سے کبھی سارے **ملائکہ** جنات انسان مومنوں سے۔ بظاہر یہاں خطاب تمام انسان مومنوں سے ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ تمام مومنین فرشتوں جنات اور انسانوں سے ہو۔ کیونکہ تقویٰ و پرہیزگاری اور خدا رسی کے لئے توسل سب ہی کو ضروری ہے۔ اس لئے یہاں عام خطاب ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نیز **الذین امنوا** کے خطاب میں عموماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوتے۔ ان کے خطاب **یایھا النبی۔ یایھا الرسول یایھا المزمل یایھا المدثر** ہیں یہاں بھی خطاب ہم مسلمانوں سے ہے حضور انور

سے نہیں۔ حضور انور تو عین تقویٰ اور سب کے وسیلہ ہیں۔ حضور کا وسیلہ کون ہو سکتا ہے۔ ایمان 'اسلام' توحید کا فرق اور ایمان کے مراتب بار ہا بیان ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری قوموں کی طرح اپنے محبوب کی امت کو نسبی نام سے نہیں پکارا بلکہ نسبتی نام یعنی ایمان سے پکارا۔ **اتقوا اللہ** یہ کلمہ اتقاء کا امر ہے جس کا مادہ وقی ہے۔ تقویٰ کے دو معنی ہیں ڈرنا اور بچنا یہاں بمعنی ڈرنا ہے تقویٰ دو قسم کا ہے قالب کا اور قلب کا۔ قالب کے تقویٰ کا ڈھانچہ اللہ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری ہے اور اس کی روح اتباع رسول ہے۔ یعنی حضور کی ہر ادا کی نقل ان کا نقل بن جانا **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** میں اس تقویٰ کے ڈھانچہ کا ذکر ہے اور **فاتبعونی یحببکم اللہ** میں اس تقویٰ کے روح کا ذکر ہے۔ قلب یعنی دل کا تقویٰ اللہ کی چیزوں کا ادب و احترام رب فرماتا ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوای القلوب** یہاں یا تو جسمانی تقویٰ کا حکم دیا جا رہا ہے یا دونوں تقووں کا جسمانی ہو یا جنانی دوسرا احتمال بہت قوی ہے۔ لہٰذا اس حکم میں سارے شرعی احکام فرائض و سنتیں۔ حرام و مکروہات کی طرف اشارہ ہے ساری شریعت کا سمندر اس کوزے میں جمع ہے اس ایک لفظ سے کوئی شرعی حکم خارج نہیں۔ خیال رہے۔ کہ ایمان کے بعد تقویٰ کا حکم دینے میں چند باتیں بتائی گئیں۔ ایک یہ کہ ہر درجے کے مومن کو اعمال کی ضرورت ہے خواہ ایمان غیبی والا ہو یا ایمان شہودی والا۔ یا ایمان فنا والا اعمال سے کوئی بے نیاز نہیں۔ دوسرے یہ کہ صرف ایمان پر قناعت نہ کرو۔ اعمال بھی کرو۔ پھل کھانے کے لئے درخت کی جڑ اس کی شاخوں کی حفاظت کرو۔ اگر درخت کے پتے جانور کھا جاوے تو پھل نہیں لگیں گے۔ رہنے سہنے کے لئے حفاظت جان و مال کے لئے مکان کی بنیادیں اس کی دیواریں چھت سب ہی کی ضرورت ہے۔ یونہی نجات کے پھل حاصل کرنے کے لئے ایمان کی جڑ تقویٰ کی شاخوں کی ضرورت ہے۔ دین کی عمارت کے لئے ایمان کی بنیاد اور تقویٰ کی دیواروں چھت کی ضرورت ہے۔ **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** یہ دوسرا حکم ہے جو ایمان و تقویٰ کے بعد ہے **ابتغوا** بنا ہے **ابتغاء** سے جس کا مادہ **بغی** ہے۔ **ابتغاء** کے معنی تلاش کرنا ڈھونڈنا۔ ہر چیز کی تلاش کے لئے دروازے الگ ہیں۔ ہر سودے کی جستجو کے لئے بازار دوکانیں جدا گانہ ہیں۔ اس چیز کی تلاش میں ان دروازوں ان دوکانوں۔ بازاروں میں جانا پڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو ڈھونڈو حضور کے دروازے پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈو حضرات اولیاء اللہ کے دروازوں پر۔ حضرات اولیاء اللہ کے آستانے تلاش کرو۔ استاد کے ذریعہ سے۔ غرض کہ **وابتغوا** میں بہت ہی وسعت ہے۔ الیہ میں ہ ضمیر کا مرجع یا تو اللہ تعالیٰ ہے یا اتقوا کا مصدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ یا تقویٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ وسیلہ بروزن فعیلہ صفت مشبہ ہے وسل سے بنا ہے وصل صاد سے بمعنی ملنا۔ وصل سین سے بمعنی قریب۔ اسی لئے جنت کے ایک اعلیٰ مقام کا نام وسیلہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عطا ہو گا۔ کہ وہ جگہ رب تعالیٰ کے قرب خاص کی ہے۔ اس وسیلے کی دعا بعد اذان مانگی جاتی **وآل محمدن الوسیلۃ** خیال رہے کہ وسیلہ کے لغت میں بہت معانی ہیں۔ قرب 'محبت' حاجت جنت کا خاص مقام ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ ان الرجال لهم اليك وسيلته ☆ ان ياخذوك تكحلی وتعضب ☆ (تفسیر روح المعانی و خازن) اصطلاح میں کسی چیز کے ذریعے کو وسیلہ کہا جاتا ہے۔ یہاں وسیلہ کے تمام معنی بن سکتے ہیں مگر آخری معنی یعنی ذریعہ قوی ہے۔ وسیلہ عام ہے۔ حضرات اولیاء' انبیاء' نیک اعمال' ان حضرات کے تبرکات سب ہی اس میں شامل ہیں۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہاں اعمال کے علاوہ دوسرے وسیلے مراد ہیں کیونکہ اعمال تو اتقوا اللہ میں آگئے تقویٰ کے بعد وسیلہ کی تلاش کا حکم دے کر بتایا گیا۔ کہ کوئی متقی تقویٰ کے کسی درجہ پر پہنچ کر خدا رسی کے لئے وسیلے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنے قدم سے اسٹیشن پر پہنچ سکتے ہیں مکہ معظمہ نہیں پہنچ سکتے وہاں جانے کے لئے کسی خاص سواری کی حاجت ہے۔ یونہی تقویٰ کے قدم سے براہ راست رب تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔ خدا رسی کے لئے کسی وسیلہ عظمیٰ کی ضرورت ہے۔ تقویٰ سے وسیلہ تک پہنچو وسیلہ سے رب تک کوئی متقی مسلمان یہ نہ سمجھے کہ میں تو متقی ہو گیا۔ اب مجھے خدا رسی کے لئے کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں جیسے ہر مومن اعمال و تقویٰ کا حاجت مند ہے یونہی ہر متقی وسیلہ کا محتاج ہے۔ وجاهدوا فی سبیله یہ چوتھا حکم ہے۔ جو وسیلہ تلاش کرنے کے بعد دیا گیا ہے۔ جاهدوا بنا ہے مجاہدہ سے جس کا مادہ ہے جہد بمعنی مشقت جہاد کو جہاد اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مشقت ہوتی ہے۔ یہاں تو جہاد مراد ہے تو فی سبیلہ کی ضمیر رب تعالیٰ کی طرف لوٹے گی۔ یا تلاش میں محنت و مشقت کرنا مراد ہے اس صورت میں یہ ضمیر یا تو وسیلہ کی طرف ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف یا تقویٰ کی طرف۔ لہٰذا اس عبارت کی چار تفسیریں ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا وسیلہ کی راہ میں کوشش کرو یا تقویٰ کی راہ میں یا اللہ کی راہ میں کوشش کرو۔ لہٰذا یہ کلمہ بہت جامع ہے۔ لعلكم تفلحون اس عبارت کی تفسیریں بارہا عرض کی جا چکی ہیں۔ لعل ہمارے لئے بمعنی امید ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کی نسبت سے یقین کے لئے ہے۔ یعنی اس امید سے یہ کام کرو کہ تم کامیاب ہو جاؤ یا اس لئے کہ تم کامیابی حاصل کرو۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تین چیزوں کا حکم دیا اور ان تین چیزوں کا ایک نتیجہ ارشاد فرمایا۔ تقویٰ وسیلہ کی تلاش۔ مجاہدہ کا حکم دیا فلاح و کامیابی کا وعدہ فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے وہ لوگو یا اے وہ مخلوق جو ایمان لا چکے اللہ سے ڈرو کہ اس کی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پیروی کرو اور صرف اپنے تقویٰ پر ہی بھروسہ نہ کرو۔ صرف ایمان تقویٰ رب تک نہیں پہنچا سکتے بلکہ رب تک پہنچنے کے لئے وسیلہ کی تلاش کرو۔ جس کے ذریعہ تمہارے ایمان و اعمال بخیریت تمام منزل مقصود تک پہنچیں اور وسیلہ کی تلاش میں کوشش و مشقت کرو تاکہ تم دین و دنیا میں کامیاب رہو۔ خیال رہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہم سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور ہر جگہ ہے مگر ہر جگہ ملتا نہیں۔ اس کے ملنے کے مقامات خاص ہیں ان مقامات پر جانا رب کی تلاش کے لئے ضروری ہے۔ جیسے ریل گزرتی ساری لائن سے ہے مگر ملتی ہے اسٹیشن پر۔ یونہی پاور بجلی کے سارے تار میں ہوتا ہے مگر روشنی ملتی ہے بلب سے۔ اس لئے وسیلہ کی تلاش کا حکم دیا پھر وسیلہ کے پاس تم جاؤ۔ تمہارے پاس وسیلہ نہیں آئے گا۔ موسیٰ علیہ السلام گئے تھے۔

حضرت خضر علیہ السلام کے پاس خود خضر علیہ السلام نہیں آئے تھے۔ قانون قدرت ہے وسیلہ کے پاس جانا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان کا ذکر فرمایا پھر تقویٰ کا کیوں کہ ایمان کے بغیر تقویٰ بیکار ہے۔ نیز ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے۔ پھر تقوے کے ساتھ تلاش وسیلہ بھی لازم ہے تاکہ اعمال کی دولت بخیریت ہمارے اس وطن میں پہنچے جہاں ہم کو اس کی ضرورت ہے۔ راستہ میں شیطان وغیرہ ڈکیتی وچوری نہ کرلیں نیز یہ اعمال وسیلہ کی برکت سے قابل قبول ہو جاویں۔

وسیلہ از آدم علیہ السلام تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دین میں ہر امت کا یہ عقیدہ رہا۔ اور حضرات صحابہ کرام سے آج تک تمام مسلمانوں کا یہ ہی عقیدہ رہا اور ہے کہ رب تعالیٰ تک رسائی کے لئے حضرات انبیاء اولیاء بلکہ ان کے تبرکات بھی وسیلہ ہیں۔ سب کا اس پر اتفاق رہا اس ملت اسلامیہ میں ابن تیمیہ پہلا وہ شخص ہے جس نے وسیلہ انبیاء و اولیاء کا انکار کیا اور کہا کہ وسیلہ صرف اپنے ایمان و اعمال کا چاہیے۔ ان کے سوا کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ یہاں اس آیت کریمہ میں بھی وسیلہ صرف ایمان، اعمال کا وسیلہ مراد ہے۔ ابن تیمیہ کے معتقدین وہابیوں کے اس کے متعلق دو گروہ ہو گئے ایک گروہ کہتا ہے کہ زندہ نبیوں ولیوں کا توسل جائز ہے وفات یافتہ کا توسل جائز نہیں دوسرا گروہ کہتا ہے کہ توسل عباد مطلقاً حرام بلکہ شرک ہے۔ خواہ زندہ بندوں کا توسل ہو یا وفات یافتہ بندوں کا ہم نے اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا ہے رحمت خدا بوسیلہ اولیاء جس میں بائیس آیات قرآنیہ اکیس احادیث نبویہ سولہ اقوال علماء و اولیاء دس اقوال مخالفین سے اس وسیلہ کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اور اس رسالہ کے دوسرے باب میں مخالفین کے تمام اعتراضات کے جوابات دیئے گئے وسیلہ کے اکیس عقلی ثبوت دیئے گئے۔ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے وہ رسالہ ضرور مطالعہ فرماؤ انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا یہاں بطور اختصار اس وسیلہ کے متعلق چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ قرآن کریم و احادیث شریفہ سے چند قسم کے توسل ثابت ہیں نمبر ۱ حضور کی ولادت پاک سے پہلے حضور کے وسیلہ سے جنگوں میں فتح مانگنا نمبر ۲ مقبول بندوں کی حیات شریفہ میں ان کا وسیلہ اختیار کرنا نمبر ۳ بزرگوں کی وفات کے بعد ان کا وسیلہ پکڑنا نمبر ۴ بزرگوں کے تبرکات سے وسیلہ پکڑنا۔ چنانچہ قرآن کریم کافر کتابیوں کے متعلق فرماتا ہے۔ **وکانوا یستفتحون علی الذین کفروا** یہ لوگ ان محبوب کے توسل سے کفار پر فتح مانگتے تھے۔ **فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ** جب وہ جانے پہچانے نبی آ گئے تو یہ انکار کر بیٹھے۔ دیکھو یہ توسل ہے حضور کی پیدائش سے پہلے۔ اور فرماتا ہے کہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی مدد سے یتیم بچوں کی گرتی ہوئی دیوار بنائی اور وجہ یہ بیان کی **وکان ابوھما صالحا** ان بچوں کا باپ نیک تھا اس لئے ان پر رب کا یہ کرم ہوا کہ ان کی گرتی ہوئی دیوار ان دو مقبولوں کے ذریعہ بنوادی گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا **اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا** میری یہ قمیص لے جاؤ اور ابا جان کے چہرہ پر ڈال دو وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔ یہ ہے زندہ نبی کے تبرکات کا وسیلہ۔ بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ تم تابوت سکینہ کو جہاد میں اپنے ساتھ رکھو فتح پاؤ گے۔ اس تابوت میں کیا تھا۔ **فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک ال موسی وال**

هٰرون تحملہ الملئکۃ اس صندوق میں تمہارے رب کی طرف دلوں کا چین و سکون ہے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں۔ اس میں وفات یافتہ بزرگوں کے تبرکات سے وسیلہ پکڑنے کا حکم ہے۔ فرماتا ہے۔ **ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** اے محبوب ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ہم ان پر عذاب نہیں بھیجیں گے اور فرماتا ہے **لو تزیلو لعذبنا الذین کفروا** اگر مکہ سے یہ مسلمان نکل جاتے تو ہم کفار مکہ کو عذاب دے دیتے اور فرماتا ہے **یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب** یہ لوگ خود اس کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ جو ان میں سے اللہ سے زیادہ قرب والا ہو۔ اس قسم کی بائیس آیات وسیلہ کی ہیں۔ حضرت کبشہ نے اپنے مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا تھا جس سے منہ لگا کر حضور نے پانی پیا تھا۔ مدینہ کے بیماروں کو یہ چمڑہ کا ٹکڑا دھو کر پلاتی تھیں۔ انہیں شفا ہوتی تھی۔ حضرت امیر معاویہ نے اپنے وفات کے وقت وصیت کی تھی۔ کہ میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال و ناخن شریف ہیں وہ میرے کفن میں میری آنکھوں اور منہ پر رکھ دیئے جاویں تاکہ قبر کی مشکل آسان ہو۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ سے لوگوں نے بارش نہ ہونے کی شکایت کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میرے حجرے کی چھت کھول دو جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہے۔ چھت کھولنا تھی کہ خوب بارش ہوئی۔ اس قسم کی صدہا احادیث ہیں۔ جن میں حضور کے نام کے تبرکات سے توسل ثابت ہے۔ قیامت میں وسیلہ کی تلاش پہلے ہوگی۔ وہاں کا کاروبار حساب کتاب بعد میں شروع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ ہم فقیر و محتاج۔ جب رب تعالیٰ غنی ہو کر بغیر وسیلہ ہم کو کوئی دنیاوی اور دینی نعمت نہیں دیتا۔ تو ہم محتاج ہو کر وسیلہ سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس نے ہم کو ہستی دی تو ماں باپ کے ذریعہ علم دیا استاد کے ذریعہ۔ مال دیا مالداروں کے وسیلہ سے۔ شفا دی حکیم کے وسیلہ سے۔ موت دی تو ملک الموت کے وسیلہ سے ہم کو ایمان قرآن۔ رحمت رحمان ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے۔ بزرگوں کا وسیلہ وہ نعمت ہے۔ جس کا فیض جانوروں بلکہ زمین و زمان کو حاصل ہوتا ہے۔ اصحاب کہف کا کتا ان بزرگوں کے وسیلہ سے عظمت والا ہوا۔ مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ کی سرزمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے عظمت والی ہوئی حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے شہر مکہ کی قسم فرمائی اس لئے کہ وہاں حضور جلوہ گر تھے **لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد**۔ بہر حال بزرگوں کا وسیلہ ایسا اہم مسئلہ ہے۔ جس پر عقل و نقل قرآن و احادیث شاہد ہیں۔ مخالفین کے پاس ایک آیت ایک حدیث ایسی نہیں جس کا ترجمہ ہو کہ بزرگوں کا وسیلہ نہ پکڑو۔ صرف عقلی ڈھکوسلے ہیں۔ جن سے وہ آیات و احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ یہاں تفسیر صاوی شریف میں ہے کہ وہ لوگ گمراہ اور بد نصیب ہیں جو مسلمانوں کو اولیاء اللہ کی زیارت کی وجہ سے کافر و مشرک کہتے ہیں اور زیارت اولیاء کو عبادت غیر اللہ قرار دیتے ہیں یہ مردود ہیں یہ زیارت اولیاء اللہ **ابتغاء وسیلہ** ہے۔ اس آیت کے ماتحت۔ (تفسیر صاوی)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ مسلمانوں کو نیک اعمال کے ساتھ کوئی اور وسیلہ بھی ڈھونڈنا ضروری ہے صرف نیک اعمال پر ہی قناعت نہ کرے یہ فائدہ **اتقوا اللہ** کے بعد **وابتغوا الیہ الوسیلہ**

فرمانے سے حاصل ہوا۔ سارے نیک اعمال تو **اتقوا اللہ** میں داخل ہیں پھر وسیلہ کیا چیز ہے وہ وسیلہ مقبولین ہی تو ہے اس لئے بزرگان دین کی بیعت عہد صحابہ سے آج تک کی جاتی ہے۔ نیک اعمال صفائی قلب کے لئے پانی وصابن کی طرح ہیں۔ پانی صابن میلے کپڑے کو جب ہی صاف کر سکتے ہیں جب اور کسی کا ہاتھ لگے بغیر دھونے والے کے ہاتھ کے پانی صابن بیکار ہے بزرگوں کی نگاہ دھونے والا ہاتھ ہے۔ خیال رہے کہ کبھی بغیر صابن وپانی کے صرف ہاتھ پھر جانے سے گرد و غبار ہو جاتا ہے مگر صرف صابن وپانی سے بغیر ہاتھ لگے کبھی صفائی نہیں ہوتی اسی طرح بارہا ایسا ہوا کہ صرف نگاہ مقبول سے بغیر اعمال بخشش ہو گئی جیسے فرعونی جادوگر یا حضور کے والدین اور وہ حضرات صحابہ جو بغیر کسی عمل کے وفات پا گئے مگر اس کی مثال کہیں نہیں ملے گی کہ صرف نیک اعمال سے بغیر توسل مقبولین نجات ہو گئی ابلیس کے پاس اعمال تھے توسل نہ تھا مارا گیا۔

دوسرا فائدہ ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں حضور تو خود تمام جہان کے لئے وسیلہ عظمیٰ ہیں انہیں کونسے وسیلہ کی ضرورت ہو سکتی ہے یہ فائدہ **یاایھا الذین امنوا** فرمانے سے حاصل ہوا عام انسان اپنی پیدائش میں ماں باپ کے وسیلہ کے حاجت مند ہیں مگر آدم علیہ السلام ماں باپ کے حاجت مند نہیں وہ تو خود ابو البشر ہیں ان کا باپ کون ہو سکتا ہے۔ **تیسرا فائدہ** وسیلہ حاصل کرنے کے لئے تلاش ضروری ہے گھر بیٹھے وسیلہ ہر ایک کو نہیں مل جاتا یہ فائدہ **وابتغوا** فرمانے سے حاصل ہوا دیکھا گیا ہے کہ **طالبین مولیٰ** تلاش شیخ کرتے ہیں اس تلاش کا ماخذ یہ ہی آیت ہے۔ **چوتھا فائدہ** تلاش وسیلہ میں مشقتیں بھی جھیلنا پڑیں تو ضرور جھیلے یہ فائدہ **وجاھدوا فی سبیلہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے اور اس تلاش کے سفر میں آپ نے بڑی مشقت اٹھائی خود فرمایا **لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا** **پانچواں فائدہ** زندہ بزرگوں سے ملاقات کے لئے سفر کرنا وفات یافتہ بزرگوں کے مزارات پر سفر کرکے حاضری دینا وہاں جاکر رب تعالیٰ سے دعا کرنا ان کے وسیلہ سے اور مدینہ منورہ سفر کرکے جانا۔ عرس بزرگاں میں سفر کرکے حاضر ہونا سب بہت ہی بہتر ہے ان سب سفروں کا ماخذ یہ ہی آیت ہے کہ یہ بھی تلاش وسیلہ ہے۔ شامی میں ہے کہ جب ڈاکٹروں حکیموں کے پاس سفر کرکے جانا علاج کے لئے جائز ہے تو مقبول بندوں کے پاس قبروں پر سفر کرکے جانا بھی جائز ہے کہ صاحب مزارات کے فیوض تفاوت ہیں بلکہ بزرگوں کے عرسوں میں اولیاء اللہ کا علماء کا اجتماع ہوتا ہے۔ وہاں حاضری سے بہت بزرگوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ **ابتغاء وسیلہ** کا یہ بہترین طریقہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور پر مدینہ پاک سے تشریف لے گئے۔ حالانکہ ابواء شریف جہاں جناب آمنہ کی قبر ہے۔ مدینہ منورہ سے قریباً دو سو میل ہے یہ فقیر وہاں حاضر ہوا ہے۔

اعتراضات و جوابات اس سلسلہ میں ہم ان لوگوں کے اعتراضات بھی نقل کریں گے جو وسیلہ مقبولین کے مطلقاً انکاری ہیں اور ان کے بھی جو صرف وفات یافتہ بزرگوں کے وسیلہ کے انکاری ہیں۔ زندہ بزرگوں کے وسیلہ کے قائل ہیں۔

پہلا اعتراض بندوں کا وسیلہ کوئی چیز نہیں صرف اپنے اعمال کا وسیلہ چاہیے یہاں اس آیت میں وسیلہ سے مراد نیک اعمال کا وسیلہ ہے (عام دیوبندی) **جواب** یہ غلط ہے اعمال کے ساتھ بزرگوں کا وسیلہ بھی ضروری ہے۔ سارے نیک اعمال تو **اتقوا اللہ** میں آچکے پھر وسیلہ کا حکم ہوا۔ معطوف اور معطوف علیہ میں فرق ضروری ہے۔ اس لئے یہاں بزرگوں کا وسیلہ ضرور مراد ہے نیز فرماؤ کہ نیک اعمال کہاں سے حاصل کرو گے وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ علماء و صلحاء اولیاء اللہ کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوں گے پھر وسیلہ مقبولین ضروری ہوا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز نیکی ہے اور سورج نکلتے وقت کی نماز گناہ کیسے معلوم ہوا کہ بکری اور گائے کھانا نیکی ہے کتا بلی کھانا گناہ غرضیکہ تم اعمال کے محتاج اور اعمال حضور کے حاجت مند‘ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں یقیناً مقبول ہیں اور ہمارے اعمال بالکل مشکوک نہ معلوم کہ مقبول ہیں یا مردود۔ تعجب ہے کہ ہمارے مشکوک اعمال تو خدا رسی کا وسیلہ ہو جاویں اور یقیناً مقبول یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے وارثین علماء و اولیاء وسیلہ نہ بنیں اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔ **دوسرا اعتراض** اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ بغیر وسیلہ ہر چیز ہم کو دے سکتا ہے وسیلہ ماننا خدا تعالیٰ کو مجبور ماننا ہے لہٰذا وسیلہ اولیاء شرک ہے۔ (عام دیوبندی) **جواب** وہ تو قادر ہے مگر ہم مجبور ہیں ہم بغیر وسیلہ اس سے نہیں لے سکتے آگ گرم کر سکتی ہے مگر روٹی بغیر وسیلہ اس سے گرم نہیں ہو سکتی لہٰذا درمیان میں وسیلہ ضروری ہے۔ حضرت صاحب تم بغیر ماں باپ کے پیدا کیوں نہیں ہو جاتے آپ کی تشریف آوری کے وقت دائی پہلے آتی ہے اور مولوی صاحب پیچھے براجمان ہوتے ہیں وسیلہ کے انکاریوں کو چاہیے کہ دائی کے بغیر وسیلہ پیدا ہو جایا کریں اور مسلمانوں کی مدد کے بغیر کفن دفن لے لیا کریں۔ **تیسرا اعتراض** اگر ہم کو حضور کے وسیلہ کی ضرورت ہے تو نبی کریم کو بھی ہمارے وسیلہ کی ضرورت ہے۔ نبی کریم نے حضرت عمر سے فرمایا تھا کہ اے میرے بھائی مکہ معظمہ پہنچ کر میرے لئے بھی دعا کرنا ہم کو حکم ہے درود شریف پڑھو درود شریف کیا ہے حضور کے لئے رحمت کی دعا ہم کو حکم ہے کہ اذان کے بعد حضور کے لئے وسیلہ ملنے کی دعا کریں۔ اگر حضور ہم سے بے نیاز ہیں تو ہم دعائیں کیوں کرتے ہیں۔ **نوٹ** یہ اعتراض تفسیر روح المعانی نے بھی خاص انداز میں کیا ہے وہ بھی وسیلہ کے سخت منکر ہیں۔ ابن تیمیہ ملحد کے پیروکار ہیں۔ **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ان دعاؤں کے ہرگز حاجت مند نہیں ہم دعائیں کریں یا نہ کریں حضور پر رحمتوں کی بارش ہر وقت ہو رہی ہے ہماری یہ دعائیں تو صرف مانگنے کھانے کا بہانہ ہیں جیسے بھکاری داتا کے دروازے پر اس کی جان و مال بال بچوں کو دعائیں دے کر بھیک لیتا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے ہم کو درود شریف کا حکم دینے سے پہلے فرمایا **ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی** یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے تو درود بھیجتے ہی ہیں تم دعائیں کرو یا نہ کرو پھر فرمایا کہ تم ان کے لئے دعائیں کرو تاکہ جو رحمت کی بارش ان پر ہو رہی ہے اس کا **چھینٹا** تم پر بھی مار دیا جاوے۔ یہ دعائیں مانگنے کھانے کا بہانہ ہیں جیسے رب تعالیٰ کی الوہیت رزاقیت سمع بصر ہماری عبادت ہماری مرزوقیت پر موقوف نہیں سورج کی نورانیت ہمارے نور لینے پر موقوف نہیں یوں ہی حضور کی نبوت حضور کے درجات ہماری کوششوں پر موقوف نہیں۔

چوتھا اعتراض قابیل کو حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ کنعان کو نوح علیہ السلام کا وسیلہ۔ عبد اللہ ابن ابی منافق کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر و تہبند کا وسیلہ کچھ کام نہ آیا یہ سب مردود ہی رہے معلوم ہوا کہ وسیلہ انبیاء کوئی چیز نہیں اپنے اعمال ہی کا وسیلہ چاہیے (دیوبندی) جواب جی ہاں کفار کو وسیلہ انبیاء و اولیاء مفید نہیں وسیلہ تو مومنوں کو فائدہ مند ہے سورج اندھے کو بارش زمین شورہ کو اعلیٰ درجہ کی دوا و غذا مردہ کو فائدہ نہیں دیتی اس لئے نہیں کہ یہ چیزیں بیکار ہیں بلکہ اس لئے کہ لینے والے میں فیض حاصل کرنے کی قابلیت نہیں۔ نیز ان لوگوں نے ان حضرات کا وسیلہ اختیار ہی نہیں کیا یہ تو ان حضرات کے مخالف رہے پھر فیض کیسے پاتے؟ **پانچواں اعتراض** مشرکین و کفار اس وسیلہ کی بیماری میں گرفتار ہیں ان کا شرک و کفر یہ ہی ہے کہ وہ خدا رسی کے لئے بتوں کو وسیلہ مانتے تھے تم بھی اسی وسیلہ بازی کے بیمار ہو تم بھی مشرک ہو قرآن کریم فرماتا ہے کہ مشرکین کہتے ہیں **ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ** ہم اپنے بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا سے قریب کردیں دیکھو یہ توسل ہی شرک ٹھہرایا گیا۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ مشرکین مردودوں کو خدا رسی کا وسیلہ بنا کر مشرک ہوئے۔ ہم مقبولوں کو وسیلہ بنا کر مومن بنے کعبہ کی طرف سجدہ کرنا۔ آب زمزم کا احترام کرنا ایمان ہے۔ بتوں کی طرف سجدہ گنگا جل کی تعظیم کفر ہے اسی فرق کی وجہ سے دوسرے یہ کہ مشرکین ان وسیلوں کی عبادت کرنے لگے انہیں مستقل معبود رب مان بیٹھے۔ رب تعالیٰ کو ان کا محتاج ماننے لگے لہٰذا مشرک ہوئے جیسا کہ اس تمہاری پیش کردہ آیت میں ہے **ما نعبدھم الا** الخ غیر خدا کی عبادت شرک ہے بحمدہ تعالیٰ مسلمان کسی پیر پیغمبر کی نہ تو پوجا کرتے ہیں نہ انہیں خدا مانتے ہیں بلکہ انہیں خالص بندہ اور عام بندوں کا وسیلہ عظمیٰ سمجھتے ہیں غرضیکہ وسیلہ وسیلہ ہے اور مقصود مقصود۔

نوٹ انکار وسیلہ کے مسئلہ میں وہابی اور مرزائی بالکل متفق ہیں اس آیت کی تفسیر میں مولوی محمد علی صاحب لاہوری مرزائی نے اولیاء اللہ کے وسیلہ کو شرک لکھا ہے۔ ان سے توسل کرنے والوں کو مشرکین کہا دیکھو تفسیر بیان القرآن مصنفہ مولوی محمد علی (مرزائی لاہوری یہ ہی آیت) اور دیوبندیوں کی کتاب راہ سنت میں ہے کہ خواجہ اجمیری وغیرہ کسی بزرگ کے مزار پر جا کر ان کے توسل سے خدا تعالیٰ سے دعا کرنا زنا اور چوری سے بدتر گناہ ہے۔ غرضیکہ اس انکار وسیلہ میں وہابی مرزائی ایک ہیں۔ اللہ کی پناہ۔ **چھٹا اعتراض** حدیث شریف میں ہے کہ زمانہ فاروقی میں بارش بند ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کا دامن پکڑ کر بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ مولیٰ ہم تیرے نبی کے وسیلہ سے بارش مانگتے تھے آج تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے بارش مانگ رہے ہیں بارش بھیج۔ چنانچہ بارش ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی زندگی میں تو ان کا توسل جائز ہے بعد وفات جائز نہیں۔ نوٹ یہ اعتراض دوسرے قسم کے منکرین کا ہے جو مطلقاً وسیلہ کے منکر نہیں بلکہ وفات یافتہ بزرگوں کے وسیلہ کے انکاری ہیں۔ **جواب** اس حدیث میں یہ نہیں کہ آپ نے فرمایا ہو کہ اب ہم نے حضور کا وسیلہ چھوڑ دیا یہ ہرگز نہیں فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا منشاء یہ ہے کہ مولیٰ ہم صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کا وسیلہ ہی نہیں پکڑتے بلکہ ان کے عزیزوں قریبوں ان سے نسبت رکھنے والوں کا بھی وسیلہ اختیار کرتے ہیں اس میں وسیلہ کا عام کرنا مقصود ہے کہ وسیلہ اولیاء اللہ کا بھی ہو سکتا ہے اس لئے آپ نے **بعم نبیک** کہا یا لعباس نہ کہا ورنہ حضرات صحابہ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان پر حضور انور کی قبر شریف کے وسیلہ سے رب سے بارش مانگی جیسا کہ ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ **ساتواں اعتراض** جیسے ہم کو حضور کے توسل کی ضرورت ہے یوں ہی حضور کو ہمارے وسیلہ کی حاجت ہے۔ حضور کا دین حضور کا قرآن حضور کے احکام ہماری کوششوں کے وسیلہ سے دنیا میں شائع ہوتے ہیں۔ ہماری عبادات سے حضور کو ثواب ملتا ہے ہم لوگ حضور کی رعایا اور فوج ہیں بادشاہ کو رعایا کی بھی ضرورت ہے فوج کی بھی۔ **جواب** اس کا جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر خدا تعالیٰ کو بھی مخلوق کے وسیلہ کا محتاج مانو کہ اس کا دین اس کا قرآن اس کی عبادات بندوں ہی کے ذریعہ سے دنیا میں پھیل رہی ہیں۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ وسیلہ وہ ہوتا ہے جس کے نہ ہونے سے چیز بھی نہ ہو یعنی موقوف علیہ حضور کا دین ثواب درجات ہم پر موقوف نہیں ہم حضور کے حاجت مند ہیں حضور ہم سے غنی ہم سے یہ خدمت لینا ہماری عزت افزائی کے لئے ہے۔ چپڑاسی بادشاہ کا حاجت مند ہے بادشاہ چپڑاسی کا محتاج نہیں۔ حضور کی خدمت کے لئے جنات فرشتے بلکہ خاک پانی ہوا سب حاضر ہیں۔ **آٹھواں اعتراض** رب تعالیٰ فرماتا ہے **سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم لن یغفر الله لهم** ان منافقوں کے لئے دعاء مغفرت کریں یا نہ کریں ہم تو انہیں ہرگز نہیں بخشیں گے۔ بولو کہاں گیا وسیلہ حضور کی دعا سے بھی بخشش نہیں۔ **جواب** اس بخشش نہ ہونے کی وجہ یہ ہی تھی کہ منافقین حضور کے وسیلہ کے انکاری تھے سیدھے براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے تھے چنانچہ تمہاری پیش کردہ پوری آیت یہ ہے **واذا قیل لهم تعالوا یستغفر لکم رسول الله لوو رؤسهم ورایتهم یصدون وهم یستکبرون سواء علیهم** الخ یعنی جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے دعا کریں تو اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور غرور کرتے ہوئے آپ کے پاس نہیں آتے۔ ان مردودوں بے وسیلوں کے لئے آپ اپنے کرم کریمانہ سے دعا دے بھی تو ہم تب بھی انہیں نہیں بخشیں گے کیونکہ وہ وسیلہ کے انکاری ہیں مومنوں کے متعلق حضور انور سے فرماتا ہے۔ **وصل علیهم ان صلٰوتک سکن لهم** اے محبوب آپ ان کے لئے دعا فرماؤ آپ کی دعا ان کے دلوں کا چین ہے یہ ہیں وسیلہ والے لوگ۔

نوٹ ضروری حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کی تین صورتیں ہیں۔ توسل جنانی، توسل لسانی، توسل عملی، توسل جنانی یہ ہے کہ دل میں عقیدہ رکھے کہ اللہ کی ہر رحمت حضور کے توسل سے ملے گی۔ **شعر**۔

☆ یہ خدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر ☆

☆ جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں ☆

حضور اللہ کی رحمتوں کا دروازہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ زبان سے بارگاہ الٰہی میں حضور کے وسیلہ سے دعا کرے **الٰهی بجاه**

نبیک بحق نبیک کے یعنی خدایا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ان کے حق یا ان کے توسل سے مجھے یہ دے۔ توسل عملی یہ ہے کہ نیک اعمال حضور کی طرف سے کرے نماز پڑھتا ہوں اللہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی رب کی رحمت مانگے یہ بھی توسل کی قسم ہے یہ تمام توسل حضرات صحابہ کرام سے ثابت ہیں ابن ماجہ شریف وغیرہ میں ہے کہ دعاء حاجت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو تعلیم فرمائی اس میں یہ الفاظ ہیں **اللھم انی اسالک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی اللھم فشفعہ فی** (ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجۃ عن عثمان ابن حنیف مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے حضور سے عرض کیا **اسئلک مرافقتک فی الجنۃ** میں آپ سے مانگتا ہوں۔ کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔) حضرت علی مرتضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمیشہ قربانی فرماتے تھے۔ یہ تمام صورتیں توسل کی ہی ہیں اور اس آیت کریمہ پر عمل ہے۔ اپنے اعمال حضور کے نام پر لگا دو تاکہ کل قیامت میں نہ ان کی تفتیش ہو نہ قرقی سرکاری مال کی چنگی والے تفتیش نہیں کرتے اور دیوالیہ کے قرض میں اس کی قرقی نہیں ہوتی۔

تائید غیبی وسیلہ کا یہ مضمون لکھنے کے بعد مجھے دیوبندیوں کے پیشوا ان کے حکیم امت مولوی اشرف علی صاحب کی ایک کتاب ملی **الوسیلہ** اس میں مولوی صاحب مذکور نے وسیلہ مانا ہے۔ اور بزرگوں سے توسل کے جواز کے بہت دلائل دیئے ہیں۔ ابن تیمیہ اور قاضی شوکانی کی بہت تردید کی ہے اور جو دلائل و جوابات ہم نے عرض کئے ان میں سے بہت سے دلائل مولوی صاحب نے دیئے ہیں یہ تائید غیبی ہے۔ **الحمد للہ علی ذالک۔**

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے فلاح و کامیابی کے لئے چار چیزیں مقرر فرمائیں۔ ایمان' تقویٰ' وسیلہ کی تلاش اور جہاد ان میں سے تین چیزیں فلاں کا قالب ہیں۔ ایمان' تقویٰ' جہاد اور ایک چیز فلاح کی جان ہے یعنی وسیلہ کو بغیر وسیلہ یہ تینوں چیزیں بیکار ہیں۔ وسیلہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک محض وسیلہ جیسے لاہور پہنچنے کے لئے ریل' دوسرا وہ وسیلہ جس سے مقصد وابستہ ہو جیسے روشنی کے لئے چراغ۔ پہلا وسیلہ مقصود پر پہنچ کر چھوڑ دیا جاتا ہے مگر دوسرے وسیلہ سے ہر وقت وابستگی ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے خدام دوسری قسم کا وسیلہ ہیں۔ جن سے ایمان و تقویٰ رضاء الٰہی وابستہ ہے حضور کا دامن چھوٹا کہ سب کچھ ختم ہوا اسی لئے حضور کا نام کلمہ طیبہ میں ساری عبادتوں میں بلکہ مومن کی زبان میں جان میں ایمان میں داخل ہے۔ مرنا بھی حضور کے نام پر اور قیامت میں اٹھنا بھی حضور کے نام پر ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانی نعمتیں بعض تو ہم کو بغیر تلاش مل جاتی ہیں۔ جیسے سورج کا نور' ہوا' زمین' آسمان کا سایہ اور بعض نعمتیں معمولی تلاش کرنی پڑتی ہیں جیسے کنوئیں کا پانی بعض نعمتیں قدرے کوشش و محنت سے تلاش کی جاتی ہیں جیسے عام غذائیں

دوائیں بعض بہت ہی محنت و جانفشانی سے جیسے سونے چاندی کی کانیں تیل وغیرہ کے چشمے یوں ہی روحانی نعمتیں بعض آسانی سے ملتی ہیں بعض بہت ہی محنت و تلاش سے وسیلہ خدارسی وہ نعمت ہے جس کے لئے بڑی تلاش کی ضرورت ہے اس لئے ارشاد ہوا **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** اب رہا یہ سوال کہ خدارسی کا وسیلہ کہاں ڈھونڈھو اس کے متعلق صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز اس کے دروازے سے ڈھونڈھی جاتی ہے بادشاہ سے ملنا ہو تو اس کے دروازے اس کی گلی اس کے دفتر اس کی مسجد میں جاؤ۔ جہاں وہ نماز کے لئے آتا ہے۔ ریل کی تلاش ہے تو اسٹیشن پر آؤ جہاں وہ ٹھہرتی ہے یوں ہی رب تعالیٰ سے ملنا ہو تو حضور کے دروازے پر آؤ حضور کی محبت چاہیے تو حضرات اولیاء و علماء کے آستانوں پر حاضری دو اللہ نصیب کرے۔ ریل گزرتی ہے تمام لائن سے مگر ملتی ہے اسٹیشن پر اللہ کی رحمت ہے ہر جگہ مگر ملتی ہے رحمت کے اسٹیشن پر پاور سارے تار میں ہے مگر روشنی وہاں ہی ملے گی۔ جہاں بلب ہو گا۔ ان حضرات کے آستانہ پر رنگ برنگے بلب ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا۔ **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** غرضیکہ جیسے دنیاوی نعمتیں اپنی اپنی منڈیوں میں ملتی ہیں یونہی روحانی نعمتیں بھی منڈیوں میں ملتی ہیں خدارسی کا وسیلہ اس کی منڈی ہے۔ حضور کے عاشقوں کے سینے میں رب فرماتا ہے۔ **لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد** مجھے اس شہر کی قسم ہے جس میں تم تشریف فرما ہو وہ شہر کونسا ہے وہ شہران کے چاہنے والوں کے سینے ہی تو ہیں ان کے آستانوں پر جاؤ مگر خالی ہاتھ نہ جاؤ بلکہ عقیدت و محبت کی نقدی لے کر جاؤ انشاء اللہ سودے لے کر آؤ گے یار کے ملنے کے یہ ہی بازار ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ
بے شک وہ جو کافر ہوئے اگر تحقیق ان کا ہو وہ جو زمین میں ہے سارے کا سارا اور اس کی مثل ساتھ اس کے
بے شک وہ جو کافر ہوئے جو کچھ زمین میں ہے سب اس کی برابر اور اگر ان کی ملک ہو کر اسے
لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ
تاکہ فدیہ دیں اس کا عذاب سے قیامت کے دن کے تو نہ قبول کیا جاوے ان سے اور واسطے
دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھوڑائیں تو ان سے نہ لیا جاوے گا اور ان کے لئے
عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۳۶) یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ
ان کے عذاب دردناک ارادہ کریں گے یہ کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ نہ ہوں گے
دکھ کا عذاب ہے دوزخ سے نہ نکلنا چاہیں اور وہ اس سے

بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ
نکلنے والے اس سے اور واسطے ان کے ہی ہے عذاب ٹھہرنے والا
نہ نکلیں گے اور ان کو دوامی سزا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں تقویٰ اور وسیلہ اختیار کرنے والے مومنوں کی فلاح اور اعلیٰ کامیابی کا وعدہ فرمایا گیا اب بے وسیلے بے نورے بے پیرے کفار کی ناکامی کا ذکر ہے تاکہ مسلمان تقویٰ اور وسیلہ اختیار کریں اور طریقہ کفار سے بچیں گویا دوا کے بعد پرہیز کا حکم دیا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں تین چیزوں کو کامیابی کا ذریعہ بتایا گیا تقویٰ' وسیلہ کی تلاش اور جہاد اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ ان نعمتوں سے محروم رہنے والے کفار زمین بھر سونا فدیہ دے کر بھی عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ فلاح و کامیابی تو وہ کیا پائیں گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعوے کی دلیل ہے یا پچھلی آیت میں کامیابی کے ذریعوں کا ذکر تھا اس آیت میں انحصار کا ذکر ہے کہ صرف یہ ہی تقویٰ' وسیلہ وغیرہ کامیابی کا ذریعہ ہیں نہ کہ مال کا فدیہ۔ **تیسرا تعلق** گزشتہ پچھلی آیت کریمہ میں چار قسم کے ڈاکوؤں کی چار مختلف سزاؤں کا ذکر تھا۔ اب کفار کی سزا کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ کافر بدتر ہے۔ مسلمان ڈاکو سے کہ کافر کے لئے دوزخ میں ہیشگی ہے اس ڈاکو کے لئے وہاں ہیشگی نہیں گویا مال کے ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر فرمانے کے بعد دین کے ڈاکوؤں یعنی کفار کی بدترین سزا کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں کامیابی کے وسیلہ کا ذکر تھا یعنی تقویٰ اور تلاش وغیرہ اب ناکامی کے ذریعہ اور وسیلہ کا ذکر ہے یعنی کفر اور نبی کا انکار تاکہ لوگ اس وسیلہ کو اختیار کریں اور اس وسیلہ سے بچیں۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت میں تقویٰ اور وسیلہ کا حکم دیا گیا تھا اب ان دونوں کا وقت بتایا جارہا ہے کہ تقویٰ اور وسیلہ اختیار کرنے کا وقت یہ زندگی ہے۔ قیامت میں تقویٰ اعمال اور توسل کا وقت نہ ہو گا کفار وہاں مال خیرات کرنے کی تمنا کریں گے مگر بے کار دوسری آیات میں ہے کہ کفار قیامت میں نبی پر ایمان لانے کی آرزو کریں گے مگر بیکار **یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا** یہاں اعمال کرو۔ یہاں ہی وسیلہ پکڑو۔

تفسیر ان الذین کفروا چونکہ اس آیت کریمہ کے مضمون کے انکاری پہلے بھی موجود تھے اور آئندہ بھی ہونے والے تھے اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا گیا **الذین** سے مراد سارے کفار ہیں۔ خواہ انسان ہوں یا جنات کیونکہ ہر کافر کی یہ ہی سزا ہے خواہ انسان ہو یا جن **کفروا** سے مراد ہے ہر قسم کا کفر' کفر کی لاکھوں صورتیں ہیں سب کی اصل ہے۔ نبی کا انکار نبی کا منکر ہر قسم کا کفر کر سکتا ہے۔ شیطان کے کفر کی ابتداء نبی کے انکار سے ہوئی **کفروا** ماضی فرمانے میں یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ عذاب کے لئے عمر میں ایک بار کفر کر لینا کافی ہے جبکہ اس سے توبہ نہ کرے یا اس طرف اشارہ ہے کہ جو ازل میں کفار کی فہرست میں آگئے یا اس طرف اشارہ ہے کہ جو مرتے وقت کافر ہوئے۔ زندگی میں خواہ مومن رہے ہوں یا کافر

بہر حال **کفروا** ماضی فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں۔ **لو ان لھم ما فی الارض جمیعا۔ لو** حرف شرط ہے یہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے اس لئے یہاں ثبت فعل پوشیدہ ہے اور **ان لھم** پورا جملہ اس ثبت کا فاعل ہے **لھم** ان کی خبر مقدم ہے اور **ما فی الارض** الخ ان کا اسم موخر لو کی جزا آگے آرہی ہے **ما تقبل** الخ **لھم** کا مرجع **الذین کفروا** ہے لام ملکیت یا قبضہ کا ہے۔ **ھم** سے مراد ہر فرد کافر ہے نہ کہ پوری جماعت کفار' **ما** سے مراد ہر قسم کا مال ہے۔ سونا چاندی وغیرہ بلکہ موتی' مونگے وغیرہ بھی داخل ہو سکتے ہیں کہ کیونکہ سمندر کی چیزیں بھی زمنی چیزیں ہی ہیں کہ سمندر زمین پر ہی ہے۔ **جمیعا' ما** کی تاکید معنوی ہے **ومثلہ معہ** اس عبارت میں واؤ عاطفہ ہے اور مثلہ معطوف ہے **ما فی الارض** پر ان کا اسم ہے **معہ** یا **ثابتا** کا ظرف ہو کر یا تو **مثلہ** کی صفت ہے یا حال لہٰذا اس کا تعلق پچھلی عبارت سے واضح ہے۔ **مثلہ** کی اور **معہ** کی ضمیریں **ما فی الارض** کی طرف ہیں یعنی اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ ہر کافر کے پاس یا اس کی ملکیت میں ساری زمین کے سارے ظاہری و باطنی مال ہوں اور اتنے ہی مقدار میں اور مال بھی ہوں یعنی زمنی مال کا دوگنا ہو **لیفتدوا بہ من عذاب یوم القیمۃ** لام امر کے ہے اس کا تعلق اس ثبت سے ہے جو ان کی خبر **لھم** سے پہلے پوشیدہ ہے۔ **لیفتدوا** بنا ہے **افتداء** سے جس کا مادہ فدیہ ہے فدیہ وہ مال ہے جو پھنسی جان چھوڑانے کے عوض دیا جاوے اس لئے قرآن کریم نے اس مال کو فدیہ فرمایا جو ظالم خاوند کے ہاتھ پھنسی عورت خاوند کو دے کر طلاق لے یوں ہی قاتل جو خون بہا دیتا ہے اسے فدیہ کہا جاتا ہے۔ یہاں وہ مال مراد ہے جو رشوت کے طور دے کر حاکم کی پکڑ سے اپنے کو بچایا جاوے قیامت کے دن کے عذاب سے یا تو میدان محشر کا عذاب مراد ہے۔ وہاں کی سخت دھوپ' زمین کی تپش سخت پیاس' دل کی گھبراہٹ' پسینہ کی روانی وغیرہ یا دوزخ کا دائمی عذاب مراد ہے۔ جس کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جاوے گا یا دونوں عذاب مراد یعنی کفار کا یہ حال ہو گا کہ اگر ان کے پاس ساری روئے زمین کے مال بلکہ اتنے ہی اور مال ہوتے ہیں۔ جس کا فدیہ دے کر وہ قیامت یا بعد قیامت یا دونوں کے عذاب سے بچ جاتے تو وہ اس مال کے فدیہ دینے میں دریغ نہ کرتے **ما تقبل منھم** یہ **لو** کی جزاء ہے **تقبل** کا نائب فاعل وہ ہی **ما فی الارض** ہے الخ ہے جو ان کا اسم موخر تھا۔ یعنی اتنے عظیم مال کا فدیہ ان سے قبول نہ کیا جاتا اور انہیں عذاب سے رہائی نہ دی جاتی یہاں روح المعانی نے کہا کہ **ما تقبل** نے سے پہلے **لا فتدوا بہ** پوشیدہ ہے وہ پوشیدہ جملہ اور یہ جملہ دونوں لو کی جزاء ہیں۔ اس **ما تقبل** اس پوشیدہ جزاء سے بے نیاز کر دیا **ولھم عذاب الیم** اس جملہ کی بہت سی ترکیبیں ہیں مگر آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ مستقل جملہ ہے **لھم** خبر مقدم ہے **عذاب** مبتداء موخر عذاب۔ عذاب اور عقاب کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں **الیم** بنا ہے الم سے ۔ معنی درد و تکلیف **الیم** ۔ معنی دردناک تکلیف دہ یعنی ان کفار کا عذاب سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ان کا عذاب ہلکا بھی نہ ہو گا آئندہ کبھی ختم بھی نہ ہو گا ہمیشہ ہمیشہ رہے گا **لھم** کا لام لزوم عذاب کے لئے ہے۔ **یریدون ان یخرجوا من النار** یہ جملہ علیحدہ ہے جس میں کفار کے دوزخ میں ہمیشہ رہنے وہاں سے کبھی کسی طرح نہ نکلنے کا ذکر ہے اور ارادہ سے مراد یا دلی ارادہ ہے یا کوشش کرنا یا

تمناء و آرزو کرنا پہلے اور دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں اس نکلنے کے ارادہ یا کوشش کی یا تو یہ صورت ہوگی کہ کبھی دوزخ کا دروازہ کھلا کرے گا یہ لوگ نکل جانے کے لئے دروازہ کی طرف دوڑیں گے۔ جب وہاں یعنی عین دروازہ پر پہنچیں گے اور قریب ہو گا کہ نکل جائیں تو دروازہ بند ہو جاوے گا اس وقت کی مایوسی اور رنج ناقابل بیان ہے یا یہ صورت ہوگی کہ آگ کے بھڑکتے شعلے اتنے اونچے اٹھیں گے کہ کنارہ جہنم تک پہنچ جایا کریں گے ان شعلوں میں یہ بھی اٹھتے رہیں گے کنارہ پر پہنچتے ہی چھلانگ لگانے کی کوشش کریں گے مگر بے سود پھر شعلے نیچے بیٹھ جائیں گے اور یہ لوگ دوزخ کی تہ میں پہنچ جائیں گے۔ خدا کی پناہ اس لئے ارشاد ہوا **وما ھم بخارجین منھا** یہ لوگ اس آگ سے نکل نہ سکیں گے۔ نکلنے کی ساری تدبیریں بیکار ہوں گی۔ خیال رہے کہ ھم کا مرجع وہ ہی کفار ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا **ان الذین کفروا** الخ **ولھم عذاب مقیم** یہ مستقل جملہ ہے۔ **لھم** کا مرجع وہی کفار ہیں **مقیم** کے معنی ہیں دائم، غیر زائل، غیر منتقل یعنی ان کفار کے لئے دائمی ہمیشہ کا عذاب ہو گا جو نہ کبھی ختم ہو نہ ہلکا ہو۔

خلاصہ تفسیر اے لوگو! تقویٰ، وسیلہ، جہاد وغیرہ جیتے جی دنیا میں اختیار کر لو جو لوگ دنیا میں یہ کام نہ کریں کافر ہو کر مریں ان کا یہ حال ہو گا کہ اگر قیامت کے دن ان کے پاس ساری زمین کے ہر قسم کے مال ہوتے بلکہ اتنے ہی اور بھی ہوتے اور وہ یہ تمام مال بطور فدیہ ادا کر کے اپنی جان قیامت اور بعد کے عذاب سے چھڑا سکتے تو وہ کبھی اس میں دریغ نہ کرتے یہ سب کچھ دے کر اپنے کو چھڑا لیتے مگر یہ کچھ نہ کر سکیں گے۔ ان سے کچھ نہ قبول کیا جاوے گا کیونکہ فدیہ، خیرات، عمل کی جگہ دنیا ہے جو ختم ہو چکی ان کفار کے لئے نہایت ہی دردناک عذاب ہو گا بارہا آگ سے نکل جانے کی کوشش و ارادہ کریں گے کبھی دروازہ دوزخ کھلنے پر ادھر دوڑیں گے کبھی آگ کے شعلوں میں اچھلنے کی حالت میں وہاں سے چھلانگ لگانے کی کوشش کریں گے مگر آگ سے نکل نہ سکیں گے کیونکہ انہیں عذاب دائمی ہو گا جو نہ کبھی ختم ہو نہ کبھی ہلکا ہو اس لئے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ دن وہ وقت آنے سے پہلے ہی ایمان و اعمال و وسیلہ اختیار کرے **شعر**۔

☆ جو کل کرتا ہے آج ہی کر جو آج کرے سو اب کر لے ☆

☆ جب چڑیوں نے چگ کھیت لیا پھر ہووے کیا ہوت ہے ☆

خیال رہے کہ کافر کے لئے موت بھی عذاب ہے۔ برزخ بھی قیامت بھی اور بعد قیامت دوزخ بھی۔ مومن کے لئے خوشی کا باعث قبر میں دیدار یار کی عید ہے قیامت میں اول وقت جب عدل کا ظہور ہو گا اس وقت سب کو وحشت ہو گی۔ الا ماشاء اللہ یہ وحشت اس وقت تک رہے گی جب تک کہ حضور کے پاس نہ پہنچ جاویں وہاں پہنچنے اور وعدہ شفاعت سننے حضور کے سجدے میں گر جانے میں یہ وحشت و غم خوشی میں تبدیل ہو جاوے گی بعد قیامت بخشش ہو جانے پر انشاء اللہ خوشی ہی خوشی ہے لہذا یہ آیت کفار کے لئے ہے۔ عتاب، عذاب، عقاب کا فرق بارہا ہو چکا ہے۔ عقاب صرف کفار کے لئے ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** مال کا فدیہ قبول نہ ہونا صرف کفار کے لئے ہے مومن جو مال اپنی زندگی میں خیرات کر گیا ہے اور اس کے مرے بعد اس کے عزیز و اقارب یا مسلمان جو خیرات و صدقات کا ثواب بھیجتے رہتے ہیں وہ تمام مال انشاء اللہ اس کے لئے ضرور فدیہ بن جاویں گے ان صدقات و خیرات کی برکت سے گنہگار مومن کی رہائی ضرور ہوگی یہ فائدہ **ان الذین کفروا** سے حاصل ہوا بلکہ جزاء کے لئے قیامت کا دن اسی لئے رکھا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کے سارے بھیجے ہوئے صدقات و خیرات پورے جمع ہو جاویں پھر ان کے ثواب دیئے جاویں تاقیامت زندہ مسلمان مردہ مسلمانوں کو ایصال ثواب کرتے رہیں گے۔ **دوسرا فائدہ** کفار کو میدان محشر میں اتنی سخت تکلیف ہوگی کہ خدا کی پناہ دوزخ کی تکلیف تو بعد میں آوے گی یہ فائدہ عذاب یوم القیامۃ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ مومنوں کے لئے انشاء اللہ عرش اعظم کا سایہ بھی ہوگا اور پینے کے لئے کوثر کی نہر بھی میدان محشر میں پہنچی ہوگی۔ جہاں سے مرتدین کو ہٹا دیا جاوے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ **چوتھا فائدہ** دردناک عذاب صرف کفار کو ہوگا۔ گنہگار مومن کو اگر عذاب ہوگا بھی تو ہلکا ہوگا کہ اس کی رسوائی نہ ہوگی دل و دماغ کو آگ نہ جلائے گی یہ فائدہ **ولهم عذاب الیم** میں **لهم** کو مقدم کرنے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** کفار دوزخ سے نکلنے کی خود کوشش کریں گے ناکام رہیں گے مگر گنہگار مومن جو دوزخ میں جاوے گا وہ خود وہاں سے نکلنے کی کوشش نہ کرے گا بلکہ اسے نکالنے کی کوشش اس کے نبی حضرات اولیاء اللہ علماء دین کریں گے آخر اسے نکال ہی لائیں گے حتی کہ حکم ہوگا کہ جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہے اسے نکال لاؤ۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ فائدہ **وما هم بخارجین** الخ سے حاصل ہوا وہاں سے نکلنا اپنی کوشش سے نہیں ہوگا بلکہ مقبولوں کی کوشش اللہ کی رحمت سے ہوگا۔ **چھٹا فائدہ** کفار کے لئے عذاب دائمی ہوگا کہ کبھی وہاں سے چھٹکارا نہ پائیں گے۔ گنہگار مومن کے لئے دائمی عذاب نہیں عارضی عذاب ہوگا یہ فائدہ **لهم عذاب مقیم** میں **لهم** کو مقدم کرنے سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** کفار کا عذاب کبھی ہلکا نہ ہوگا انہیں جتنی تکلیف دوزخ میں داخل ہوتے وقت محسوس ہوگی۔ اتنی ہی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی یہ فائدہ **عذاب مقیم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ مومن کا عذاب کچھ عرصہ بعد ہلکا ہو جاوے گا حتی کہ بعض مومنوں کی جان نکال لی جاوے گی بعد میں جنت کے داخلہ کے وقت پھر ڈالی جاوے گی جیسا کہ بعض روایات سے ثابت ہے۔ بہر حال یہ آیت کریمہ کفار کے لئے ہے یہ عذاب انہی کے ہیں۔

حکایت نافع ابن ازرق خارجی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک بار کہا کہ آپ تو کہتے ہیں کہ بعض قومیں دوزخ سے نکالی جائیں گی مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ **وما هم بخارجین منها** وہ کبھی آگ سے نکلیں گے ہی نہیں آپ نے فرمایا اسے دل کے اور آنکھوں کے اندھے اوپر سے آیت پڑھ **ان الذین کفروا** یہ ساری سزائیں کفار کے لئے ہی ہیں (روح المعانی)

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں ان الذین کفروا کیوں فرمایا گیا الکفرین فرمانا کافی تھا وہ لفظ مختصر بھی تھا۔ جواب اس لئے کہ الکفار کہنے سے شاید کوئی سمجھتا کہ یہ سزا ان کے لئے ہے جو دنیا میں ہمیشہ کافر ہو کر زندہ رہے کافر مریں کفروا ماضی فرما کر یہ بتادیا کہ صرف ایک بار کفر کرلینا اور بغیر توبہ مرجانا بھی اسی عذاب کا باعث ہے العضارب اور الذی ضنوب میں فرق ہے۔ دوسرا اعتراض جب کفار کو یہ خبر ہوگی کہ ہم دوزخ سے نکل نہیں سکتے تو وہاں سے نکلنے کی کوشش کیوں کریں گے۔ جواب بے خودی اور انتہائی گھبراہٹ میں جیسے ذبح کے وقت جانور اور قتل کے وقت ملزم بے اختیاری بھاگ دوڑ کرتا ہے گھبراہٹ میں۔ تیسرا اعتراض جب کفار کو دوزخ سے نکالنا ہی نہیں ہے تو دوزخ کا دروازہ کیوں کھولا جاوے گا جس کو دیکھ کر کفار ادھر دوڑیں گے۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ جواب یہ بھی عذاب ہوگا امید کی جھلک دیکھ کر نا امید ہونا سخت تکلیف کا باعث ہوتا ہے یہ امیدی و ناامیدی ان پر بار بار طاری کی جائے گی تاکہ تکلیف میں زیادتی ہوتی رہے۔ چوتھا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کا عذاب کبھی ہلکا نہ ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ ابو طالب کا عذاب بہت ہی ہلکا ہے اور ابولہب کو دوشنبہ کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور اس کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے اس آیت میں اور اس حدیث میں تعارض ہے۔ جواب اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ جیسے دنیا میں ہر تکلیف اولاً زیادہ محسوس ہوتی پھر رفتہ رفتہ برداشت کی عادت پڑ جانے پر ہلکی محسوس ہونے لگتی ہے۔ دوزخ میں یہ نہ ہوگا ہاں بعض کفار کو سخت عذاب ہوگا بعض کو ہلکا جیسے کفر و سرکشی ویسا عذاب تخفیف واقعی بعض کفار کو ہوگی مگر تخفیف احساسی نہ ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس کو سخت عذاب دیا جاوے گا اسے سخت عذاب ہی رہے گا بعد میں ہلکا نہ کیا جاوے گا۔ حدیث شریف میں یہ ذکر ہے کہ بعض کفار کو اول ہی سے عذاب سخت ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ کافروں کا دماغ مجرم ہے گنہگار مومن خواہ کیسا ہی گنہگار ہو جسم کا مجرم ہے اس کا دل و دماغ بغاوت یعنی کفر و شرک و بدعقیدگی سے بری ہے اس لئے مومن گنہگار کے عذاب میں رعایتیں ہیں کافروں کے عذاب میں کوئی رعایت نہیں اس لئے ان کے لئے عذاب دائمی بھی ہے سخت بھی ہے عذاب کے ساتھ مایوسی بھی ہے ان کے مال و نیک اعمال کی بربادی بھی مومن شہد کی مکھی کی طرح شہد کا مرکز ہے۔ کافر سانپ کی طرح زہر کا مرکز ہے شہد کی مکھی بھی اگرچہ نیش زنی کرتی ہے کاٹ لیتی ہے مگر شہد کی وجہ سے محبوب ہے۔ سانپ ہر طرح مبغوض۔ مولانا فرماتے ہیں **شعر:۔**

☆ مومناں کان عسل زنبور وار ☆ کافراں خود کان زہرے ہمچو مار ☆

غرض کہ گنہگار مومن ناآشنا نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ **شعر:۔**

☆ ہرچند غرق بحر گناہم زصد جہت ☆ گر آشناء عشق شوم زاہل رحمم ☆

اگرچہ میں سو طرف سے گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں اگر عشق سے آشنا ہو جاؤں تو رحمت کا مستحق ہوں مالی فدیہ کا کام نہ آنا عذاب دردناک ہونا دوزخ سے نکل نہ سکنا باوجود بھاگنے کی کوشش کے پھر وہاں ہی قید رہنا سب اس دماغی دلی جرموں کے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ دل و دماغ کو یار کا کاشانہ بنائے رکھے آمین۔ حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ دوزخ سے بچنے کی کوشش مومن بھی کرتا ہے۔ کافر بھی مگر ان دونوں کی کوششوں میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ مومن یہ کوشش بروقت کرتا ہے یعنی زندگی میں کافر یہ کوشش بعد وقت کرے گا یعنی بعد موت دوزخ میں پہنچنے کے بعد۔ دوسرے یہ کہ مومن حق اور جائز کوشش کرتا ہے۔ یعنی ایمان و نیک اعمال کرکے گناہوں سے توبہ کرکے رب کو راضی کرکے کافر ناحق اور ناجائز کوشش کرے گا۔ یعنی دروازہ دوزخ سے نکل جانے بھاگ جانے یا اچھل جانے سے اس لئے مومن اس کوشش میں **بفضلہ** تعالیٰ کامیاب ہے اور کافر ناکام مجرم حاکم کے سامنے پیش ہو کر کوشش کرکے بری ہو جاوے تو جیل سے بچ جاتا ہے جو قیدی جیل سے بھاگ جانے کی کوشش کرے وہ زیادہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے ان کے اس ارادے کی برائی بیان فرمائی اللہ تعالیٰ دوزخ سے بچنے کی صحیح کوشش نصیب کرے وہاں زر یا زور کام نہیں آتا وہاں تو زاری کام کرتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

☆ زور را بگذار زاری را بگیر ☆ رحم سوئے زاری آید اے فقیر ☆

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا
چور اور چورنی پس کاٹ دو ہاتھ ان کے بدلہ اس کا جو انہوں نے کیا عذاب طرف سے
اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کے کیئے کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزا اور
مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ
اللہ کے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے پس جو توبہ کرے پیچھے ظلم اپنے کے اور درست کرے پس
اللہ غالب حکمت والا ہے تو جو اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو اللہ اپنی مہر
فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ
تحقیق اللہ توبہ قبول کرے گا اوپر اس کے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے کیا نہ جانا تم نے کہ تحقیق اللہ
سے اس پر رجوع فرمائے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ
اس کا ملک ہے آسمانوں اور زمین کا سزا دیتا ہے جس کو چاہے اور بخشتا ہے جس کو
کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی سزا دیتا ہے جسے چاہے اور بخشتا ہے جسے

يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (٤٠)
چاہے اور اللہ او پر ہر چیز کے قدرت والا ہے
چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں کفر اور کفار کی سزا کا ذکر ہوا کفر دین کی چوری ہے اور کافر دین کا چور اب مال کی چوری اور مال کے چور کی سزا کا ذکر ہے گویا بڑی چوری کی سزا کے بعد چھوٹی چوری کی سزا کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** گزشتہ پچھلی آیات میں ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر ہوا تھا کہ ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹا جاوے اب چوروں کی سزا کا ذکر ہے کہ ان کا صرف ایک ہاتھ کاٹا جاوے چونکہ ڈاکوؤں کے جرم دو ہیں اور چور کا جرم ایک اس لئے ڈاکوؤں کے دو عضو کٹوائے گئے۔ **تیسرا تعلق** گزشتہ پچھلی آیات میں قتل کی سزا کا ذکر تھا اب چوری کی سزا کا ذکر ہے یعنی جانی مجرم کے بعد مالی مجرموں کی سزا کا ذکر ہے۔

شان نزول یہ آیت کریمہ طعمہ ابن ابیرق کے متعلق نازل ہوئی جس نے مدینہ منورہ میں ایک گھر سے آٹے کا تھیلا اور زرہ چوری کر کے ایک یہودی کو اس کی تہمت لگادی تھی۔ طعمہ کی اس چوری کا پورا واقعہ مع اس کے انجام پانچویں پارہ سورہ نساء میں آیت **ولا تكن للخائنين خصيما** کی تفسیر میں تفصیل وار بیان ہو چکا ہے (تفسیر خازن و تفسیر احمدی)

تفسیر **السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما** اس جملہ کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں۔ سب سے آسان ترکیب یہ ہے کہ **السارق والسارقة** مبتدا بمعنی شرط ہے کیونکہ اس میں الف لام موصولہ ہے اور **السارق** بمعنی ماضی ہے لہذا یہ مبتدا بمعنی شرط ہے ف جزائیہ ہے **اقطعوا** الخ **مبتداء** کی خبر بمعنی جزاء ہے امر اور نہی خبر بن سکتے ہیں یہ ترکیب نہایت آسان بھی ہے واضح بھی اور ہو سکتا ہے کہ **السارقة** کے بعد **اذا سرقا** پوشیدہ ہو اور وہ شرط ہو **فاقطعوا** الخ اس پوشیدہ شرط کی جزاء اور یہ جملہ شرطیہ السارق کی خبر۔ سارق بنا ہے **سرقة** سے **سرقة** معنی ہیں پوشیدگی۔ چھپنا خفیہ ہونا اس لئے کسی کی بات چھپ کر سننے کو **استراق السمع** کہتے ہیں اور ایسے آدمی کو **مسترق السمع** کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ان شیاطین کو **مسترق السمع** کہا گیا ہے جو آسمان تک پہنچ کر فرشتوں کی آپس کی باتیں چھپ کر سنتے ہیں۔ شریعت میں چوری کے لئے شرطیں مال میں ہیں ایک شرط جگہ میں دو شرطیں چور میں ان شرائط کے بغیر چوری نہیں بنتی اور اس پر یہ سزائیں نہیں دی جاتیں۔ مال کی شرطیں یہ ہیں ایک اس کا مال ہونا غیر مال کی چوری پر یہ سزا نہیں لہذا اگر مسلمان کا سور چوری کرے ہاتھ نہ کٹے گا کہ سور مسلمان کے لئے مال نہیں دوسرے مال کا قیمتی ہونا لہذا کفن چور کا ہاتھ نہ کٹے گا کہ کفن مملوک نہیں۔ چوتھے مال کا معصوم ہونا لہذا حربی کافر کے مال کی چوری چوری نہیں غنیمت ہے کہ اس کا مال شریعت میں معصوم نہیں۔ پانچویں مال کا محفوظ ہونا لہذا راستہ یا کھلی مسجد سے کسی کا مال لینا جبکہ مالک وہاں موجود نہ ہو

چوری نہیں۔ جگہ کی شرط ہے محفوظ ہونا غیر محفوظ جگہ سے کسی کا مال لے لینا چوری نہیں۔ چور میں شرط ہے عاقل ہو بالغ' دیوانہ یا بچہ چوری کرے ہاتھ نہ کٹے گا یہ قیدیں ضروری خیال میں رہیں مسروقہ مال کا نصاب ہونا یعنی دس درہم کی قیمت کا ہونا یہ چوری کے لئے شرط نہیں بلکہ چوری کی اس سزا کے لئے شرط ہے۔ خیال رہے کہ چوری ہوتی ہے ہمت اور قوت سے جو مرد میں زیادہ ہیں عورت میں کم۔ اس لئے یہاں مرد چور کا ذکر پہلے ہوا عورت چورنی کا ذکر بعد میں اور زنا شہوات سے ہوتا ہے۔ اور شہوت عورت میں زیادہ ہے مرد میں کم نیز عورت کی بغیر رضا مرد اس سے زنا نہیں کر سکتا اس لئے زنا کی سزا میں عورت زانیہ کا ذکر پہلے ہے مرد زانی کا ذکر بعد میں کہ ارشاد ہے **الزانیة والزانی فاجلدوا** الخ قطع سے مراد ہے تلوار وغیرہ دھار دار چیز سے ہاتھ کاٹنا لہٰذا چور کا ہاتھ توڑا مروڑا یا شل نہ کیا جاوے گا بلکہ دھار دار چیز سے کاٹا جاوے گا اگرچہ **ید** پورے ہاتھ کو کہتے ہیں مگر یہاں کلائی تک ہاتھ مراد ہے لہٰذا چور کی نہ تو صرف انگلیاں کٹیں گی نہ پورا ہاتھ صرف کلائی کی جڑ سے ہاتھ کٹے گا۔ ہتھیلی انگلیاں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ **ایدی** سے مراد صرف داہنا ہاتھ ہے مطلقاً" ہاتھ نہیں۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراۃ میں **ایمانہما** (روح المعانی وغیرہ) اس لئے چور و چورنی دو کے لئے **ایدی** جمع بولا گیا اگر چور کے دونوں ہاتھ کٹتے ہوتے تو **ید** کا **تثنیہ** آتا **ایدی** جمع ارشاد نہ ہوتا۔

قاعدہ ایسا عضو جو جسم میں ایک ہی ہو۔ جب **تثنیہ** کی طرف مضاف ہوتا ہے تو جمع لایا جاتا ہے اور اگر وہ عضو جسم میں دو ہوں اور **تثنیہ** کی طرف مضاف ہوں تو **تثنیہ** لائے جاتے ہیں چونکہ جسم میں داہنا ہاتھ ایک ہی ہے اس لئے **ایدیہما** ارشاد ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے **فقد صغت قلوبکما** دیکھو جسم میں دل ایک ہوتا ہے تو یہاں دو عورتوں کے لئے قلوب جمع ارشاد ہوا اہل عرب کہتے **اشبعت بطونہما** (تفسیر خازن و روح المعانی' کبیر وغیرہ) یاد رکھو کہ یہ آیت کریمہ کئی طرح مجمل ہے چوری کیسی ہو کتنے مال کی ہو کون سا ہاتھ کاٹا جاوے۔ ہاتھ کہاں سے کاٹا جاوے چور کا ہاتھ کون کاٹے۔ کہاں کاٹا جاوے دار الاسلام میں یا اور جگہ بھی۔ ان تمام چیزوں کو حدیث پاک نے بیان فرمایا۔ یہاں **فاقطعوا** میں خطاب اسلامی حکام و سلاطین سے ہے ہر شخص یہ سزا نہیں دے سکتا دس درہم یعنی پونے تین روپیہ سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کٹے گا یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔ **جزاء بما کسبا** قوی یہ ہے کہ یہ عبارت **فاقطعوا** کا مفعول لہ ہے۔ مفعول مطلق وغیرہ نہیں یہاں جزاء بمعنی سزا ہے کیونکہ یہ جرم کے بعد مذکور ہے اور سزا سے مراد دنیاوی سزا ہے یعنی شرعی حد' اخروی سزا سے بچنے کے لئے توبہ بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ یہاں **کسبا** فرمایا گیا۔ **سرقا** نہ فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ چور اس سلسلہ میں جو جرم کرے اس کی سزا یہ ہی ہاتھ کٹنا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی سزا نہیں لہٰذا اگر چور چوری کا مال کھا پی لے یا برباد کردے تو اس پر مال کا ضمان واجب نہیں یہ ہی احناف کا مذہب ہے **کسبا** کا فاعل وہ ہی چور اور چورنی ہیں جو ابھی مذکور ہوئے۔ مذکر اعلیٰ ہوتا ہے اس لئے **تثنیہ** مذکر ارشاد ہوا یعنی اے حکام چور اور چورنی کے داہنے ہاتھ کاٹ دو ان دونوں کے تمام جرموں کی سزا دینے کے لئے **نکالا من اللہ** یہ عبارت یا تو **جزاء** کا مفعول لہ ہے

حال مندا خلہ کی طرح مفعول لہ متداخلہ ہے یا **فاقطعوا** کا دوسرا مفعول کہ چونکہ یہ جزاء سے علیحدہ کوئی چیز نہیں اس لئے بیچ میں واؤ نہ لایا گیا بلکہ بدل کی طرح بغیر واؤ مذکور ہوا (روح المعانی و روح البیان وغیرہ) **نکال** اسم مصدر ہے۔ بمعنی تنکیل یہ بنا ہے **نکول** سے۔ بمعنی باز رہنا یا باز رکھنا۔ چونکہ سخت سزاء دوسروں کو جرم سے باز رکھتی ہے ان کے لئے عبرت بن جاتی ہے اس لئے اسے نکال کہا جاتا ہے یعنی یہ سزا اللہ کی طرف سے دوسروں کے لئے عبرت ہے یا اس چور کے لئے سخت سزا ہے جو اسے اور دوسروں کو آئندہ چوری سے باز رکھے گی۔ **واللہ عزیز حکیم** اس عبارت میں ایسی سخت سزا مقرر فرمانے کی حکمت کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے جس جرم کی جو سزا چاہے مقرر کرے اس پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں اور حکمت والا بھی ہے اس کے ہر حکم میں صدہا حکمتیں ہیں چوری کی ایسی سخت سزا حکمت سے ہے **فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح۔ من** سے مراد چور ہے توبہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ہاتھ کٹ جانے کے بعد توبہ کرے اس صورت میں ظلم سے مراد چوری ہے اور **اصلح** سے مراد آئندہ کے لئے چوری سے باز رہنے کا پورا عہد یعنی ہاتھ کٹ جانے سے چور اخروی عذاب سے نہ بچ سکے گا اس عذاب سے بچنے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ گزشتہ چوری سے سچی توبہ کرے دوسرے یہ کہ آئندہ کے لئے چوری نہ کرنے کا عہد کرے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ توبہ سے مراد ہے ہاتھ کٹنے حاکم کے پاس مقدمہ آنے سے پہلے ہی مالک مال سے معافی مانگ لینا اور **اصلح** سے مراد ہے اس کا چرایا ہوا مال واپس کر دینا اور مالک کا راضی ہو جانا مقدمہ حاکم کے پاس نہ لانا یعنی جو چور حاکم کے پاس مقدمہ دائر ہونے سے پہلے مالک سے معافی مانگ لے اور اسے مال واپس دے کر خوشنود کر کے اس پر راضی کرے کہ وہ مقدمہ عدالت میں نہ لے جاوے تو نتیجہ یہ ہو گا **فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم** اس جملہ کے بھی دو معنی ہوں گے۔ **یتوب** سے مراد ہے توبہ قبول کر لینا یا دنیا میں اس طرح کہ وہ چور ہاتھ کٹنے سے بچ جاوے یا آخرت میں کہ وہ عذاب دوزخ سے بچ جاوے یعنی جو چور چوری کے بعد مالک سے معافی مانگ لے اور چرایا ہوا مال واپس کر دے اسے حاکم کے پاس مقدمہ نہ لے جانے پر راضی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیاوی سزا سے معافی دے دیگا اس کے ہاتھ نہ کٹے گا۔ یا جو چور ہاتھ کٹ جانے کے بعد ہم سے گزشتہ چوری کی معافی مانگے آئندہ چوری نہ کرنے کا عہد کرے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا آخرت میں سزا نہ دے گا چونکہ نماز و زکوٰۃ کی تعداد و مقدار۔ میراث کے حصے، شرعی سزائیں عقل انسانی سے وراء ہیں اس لئے چوری کی سزا کا ذکر فرما کر رب تعالیٰ اپنی عموم سلطنت کا ذکر فرما رہا ہے کہ چونکہ ہم مالک الملک ہیں اور سلطان کے جاری کردہ قوانین پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہوتا لہٰذا ہم پر اعتراض نہ کرو اطاعت کرو چنانچہ ارشاد ہوا **الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموت والارض** اسی جملہ میں توبہ قبول فرمانے کی وجہ و حکمت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام آسمانوں و زمین کی حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اگر وہ بڑے سے بڑے مجرم کو بخش دے تو اسے کون منع کر سکتا ہے اور اگر معمولی جرم پر پکڑے تو اسے کون روک سکتا ہے وہ مالک الملک جو ہے **الم تعلم** میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو یہ فرمان نہایت ہی محبت

وکرم کا ہے یا مسلمان قرآن پڑھنے والے سے دونوں صورتوں میں استفہام انکاری ہے یعنی اے محبوب آپ جانتے ہی ہیں یا اے قرآن پڑھنے والے مسلمان تیرا تو ایمان ہی ہے کہ رب تعالیٰ مالک الملک ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سے عارف باللہ اور عابد ہیں جبکہ وقت بھی نہ بنا تھا۔ لاکھوں سال حضور نے ایسی عبادت کی کہ صرف ایک معبود تھا اور ایک ہی عابد اول **ما خلق اللہ نوری** ملک کہتے ہیں ظاہری ملکیت اور ملکوت کہتے ہیں باطنی ملکیت کو ملک عام بندوں حتی کہ کفار کو بھی دے دیا جاتا ہے مگر ملکوت صرف خاص انبیاء و اولیاء کو عطا ہوتا ہے۔ **سموٰت** اور **ارض** کی تفسیریں بارہا بیان ہو چکی ہیں **یعذب من یشاء و یغفر لمن یشاء** دونوں جگہ من سے مراد مجرم و گنہگار ہیں کیونکہ سزا بھی جرم کی ہوتی ہے اور بخشش و معافی بھی جرم کی لہٰذا اس جملہ کے معنی یہ نہیں کہ جس نیک کار صالح بندے کو چاہے تو بلا قصور سزا دے دے اور جسے چاہے اسے معاف دے دے بلکہ معنی یہ ہیں کہ وہ کریم جس مجرم گنہگار کو چاہے سزا دے۔ جس مجرم کو چاہے معاف فرما دے رہے بے گناہ یا معصوم بندے نہ ان کے لئے سزا ہے نہ معافی کیونکہ وہ بے جرم و بے قصور ہیں جیسے فرشتے یا شیر خوار فوت شدہ انسان بچے یا معصوم یا محفوظ انسان لہٰذا یہ آیت کریمہ ہم جیسے گنہگاروں کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام کا دعاء مغفرت کرنا یا تو اپنی خطاؤں کی مغفرت کے لئے ہے یا دوسروں کو تعلیم کے لئے عطاء جنت چار طرح ہو گی اپنے عمل سے۔ دوسروں کے عمل کی برکت سے جیسے مسلمانوں کے شیر خوار فوت شدہ بچے محض اللہ کے فضل سے جیسے وہ جہنمی لوگ جنہیں رب تعالیٰ بغیر شفاعت بخشے گا۔ اپنے دست قدرت میں لے کر اور جنت بھرنے کے لئے جو مخلوق پیدا ہو گی مگر دوزخ ملنے کی صرف ایک وجہ ہے اپنی بد عملی بغیر جرم کسی کو عذاب دینا پھر فرمایا کہ تم لوگ اپنے جرموں کی سزا پائے جاؤ گے رب کی شان سے بعید ہے دنیا کی تکلیف سزا نہیں۔ لہٰذا بغیر عمل بھی آسکتی ہیں **واللہ علی کل شئی قدیر**۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت والا ہے اس کی مکمل تفسیر مع سوال و جواب پہلے پارے میں ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر عیب سے موصوف ہونے پر قادر ہے۔

خلاصہ تفسیر اے اسلامی حاکمو و بادشاہو جب تمہاری رعایا میں کوئی مرد یا عورت چوری کرے تو ان دونوں کا ایک ایک ہاتھ (داہنا) کلائی سے کاٹ دو یہ ہاتھ کاٹنا اور دونوں کی چوری اور تمام متعلقہ جرموں کا جو وہ چوری کے سلسلہ میں کریں بدلہ ہے یہ سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے کہ ایسی سزا دیکھ کر کوئی چوری کی ہمت نہ کرے گا۔ جان لو کہ اللہ حسب پر غالب بھی ہے جس جرم کی جو سزا چاہے مقرر فرما دے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں حکمت والا بھی ہے اس کے قوانین اور سزاؤں میں ہزارہا حکمتیں ہیں (۱) یہ تو چور کی دنیاوی سزا ہے، جو چور اپنے اس جرم و سزا کے بعد سچی توبہ بھی کرے۔
اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح بھی کرے کہ کبھی چوری نہ کرنے کا عہد کرے تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اسے آخرت کی سزا نہ دے گا (۲) جو چور چوری کرنے کے بعد توبہ کرے کہ مالک مال سے معافی مانگ لے اور اصلاح بھی کرے

کہ اس کا چرایا ہوا مال اسے دیدے اور مالک راضی ہو جاوے حاکم کے پاس چوری کا مقدمہ نہ لائے تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اسے ہاتھ کٹنے کی سزا سے معافی دے دیگا کیا تم کو خبر نہیں کہ اللہ تمام آسمانوں اور زمین کا مالک حقیقی ہے جس مجرم کو چاہے سزا دے اور جس مجرم کو چاہے بخش دے نہ کوئی سزا سے اسے روک سکتا ہے نہ بخش دینے سے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ضروری نوٹ جیسے نماز و زکوۃ کی آیات بالکل مجمل ہیں کہ ان میں نماز کے اوقات ' طریقہ ادا ' تعداد رکعات یوں ہی زکوۃ کے نصاب ' مقدار نصاب ' شرط وجوب زکوۃ اور مقدار اور کسی چیز کا ذکر نہیں وہ سب چیزیں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں یوں ہی یہ آیت کریمہ بالکل مجمل ہے اس میں چوری کی حقیقت ' چوری کے مال کے نصاب ' ہاتھ کہاں سے کٹے ' دوبارہ سہ بارہ چوری کرنے پر کیا سزا دی جاوے کسی چیز کا ذکر نہیں یہ سب چیزیں احادیث شریف نے بیان فرمائیں۔ اس لئے بطور اختصار کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ (۱) محفوظ مال محفوظ جگہ سے چھپ کر لے لینا شریعت میں چوری کہلاتا ہے۔ محفوظ مال وہ ہے جس کا لینا اسے جائز نہ ہو محفوظ جگہ وہ ہے جہاں جانا اسے جائز نہ ہو (۲) چوری کے نصاب میں آئمہ دین کا بڑا اختلاف ہے۔ ہمارے امام اعظم کے ہاں دس درہم یعنی پونے تین روپیہ کی قیمت کا مال چوری کا نصاب ہے کہ اس سے کم کی چوری پر ہاتھ نہ کٹے گا (۳) چوری کا ثبوت یا دو مردوں کی گواہی سے ہو گا یا چور کے دو بار چوری کا اقرار کر لینے سے ہو گا صرف مال برآمد ہونا کافی نہیں۔ یہاں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی نہیں (۴) پہلی چوری میں چور کا داہنا ہاتھ کٹے گا۔ دوسری چوری میں بایاں پاؤں ' تیسری چوری میں اسے قید کر دیا جائے گا حتی کہ صحیح توبہ کے آثار اس پر ظاہر ہوں۔ امام شافعی کے ہاں چار چوریوں میں چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے پہلی چوری میں داہنا ہاتھ دوسری میں بایاں پاؤں ' تیسری میں بایاں ہاتھ چوتھی چوری میں داہنا پاؤں مگر مذہب حنفی بہت قوی ہے (۵) اگر چند چوریوں کے بعد چور پکڑا گیا تو ان سب کے عوض داہنا ہاتھ کٹے گا ہاں اگر ہاتھ کٹنے کے بعد پھر چوری کرے تو بایاں پاؤں کٹے گا (۶) داہنا ہاتھ کلائی سے کٹے گا اور بایاں پاؤں ٹخنوں کے نیچے سے (۷) مسجد کا موقوفہ مال اگر مقفل کوٹھڑی سے چورائے تو ہاتھ کٹے گا لیکن اگر قبر اکھیڑ کر میت کا کفن چورائے یا گرہ کٹی کرے تو ہاتھ نہ کٹے گا (۸) ہاتھ کٹ جانا چوری کی دنیاوی سزا ہے اخروی سزا یعنی دوزخ کا داخلہ اس کے علاوہ ہے وہ سزا سچی توبہ سے معاف ہو سکتی ہے۔ یہ مسئلہ **فمن تاب** الخ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا (۹) حاکم کے پاس مقدمہ پہنچنے سے پہلے چوری حق العبد ہے کہ اگر مالک چاہے تو معاف کر دے مقدمہ دائر نہ کرے لیکن حاکم کے پاس مقدمہ پہنچ جانے کے بعد حق اللہ بن جاتی ہے کہ اب مالک مال معاف نہیں کر سکتا ضرور ہاتھ کٹے گا۔ خیال رہے کہ زنا کی سزا بہر حال حق اللہ ہے جسے بندہ معاف نہیں کر سکتا اور قتل کی سزا بہر حال حق العبد ہے کہ مقتول کے وارثین حاکم کے پاس مقدمہ پہنچنے کے بعد بھی معاف کر سکتے ہیں اور چوری کی سزا پہلے حق العبد ہے مگر مقدمہ دائر ہونے کے بعد حق اللہ یہ مسئلہ **فمن تاب** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا (۱۰) ہاتھ کٹنے کے بعد چور سے مال مسروقہ کا ضمان نہ لیا

جاوے گا اگر مال موجود ہے تو مالک کو دلوا دیا جاوے گا اگر چور خرچ کر چکا ہے تو ضمان نہیں دلوایا جاوے گا یہ مسئلہ **جزاء بما کسبا** سے حاصل ہوا ہم نے چوری کے متعلق یہ دس قانون بیان کر دیئے ہیں ان میں سے ہر قانون کے ماتحت صدہا جزئی مسائل نکل سکتے ہیں دلائل و مسائل اور تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو (۱) چور کے ہاتھ کاٹنا زانی کا رجم۔ قاتل سے قصاص لینا وغیرہ تمام سزاؤں میں حاکم کا فیصلہ شرط ہے بغیر فیصلہ حاکم ہر کس و ناکس یہ سزائیں نہیں دے سکتا لہٰذا اگر سلطان خود ہی جرم کرے تو اس کو یہ سزائیں نہیں دی جا سکتیں کیونکہ وہ تو حاکم اعلیٰ ہے۔ اس پر فیصلہ کون کرے۔

پہلا اعتراض چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا بہت بڑا ظلم ہے تین روپیہ کے مال کے عوض ایک انسان کا ہاتھ کاٹ دینا جس کی قیمت ہی نہیں ہو سکتی کہاں کا انصاف ہے (بعض بے دین) **جواب** ہاتھ کٹنا مال کے عوض نہیں بلکہ خدائی قانون توڑنے کی سزا ہے قانون بڑی قیمتی چیز ہے قانون شکنی پر کبھی پوری قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے نیز اگر ایک شخص کا ہاتھ کٹ جانے سے ملک میں چوری بند ہو جاوے اور لوگوں کے جان و مال محفوظ ہو جاویں تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ جہاں جب تک چوری کی یہ سزا رہی وہاں بڑے امن و امان سے لوگ زندگی بسر کرتے رہے۔ **دوسرا اعتراض** اگر چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے کیونکہ چوری ہاتھ سے ہوتی ہے تو چاہیے کہ زنا کی سزا آلہ تناسل کاٹنا ہو کہ زنا اس سے ہوتا ہے اس کی سزا رجم کیوں ہے (آریہ) **جواب** یہ غلط ہے زنا سارے جسم سے ہوتا ہے کیونکہ منی کا نکلنا سارے جسم سے ہے نیز چوری میں مال برباد کیا جاتا ہے اور زنا میں آئندہ نسل تباہ کی جاتی ہے کہ اس سے حرام کا بچہ پیدا ہوتا ہے اسکی ساری نسل برباد ہو جاتی ہے نیز اگر زانی مرد کا آلہ تناسل کٹوایا جائے تو زانیہ عورت کو پھر کیا سزا دی جا سکتی ہے لہٰذا زنا کی سزا رجم بالکل حق ہے۔ **تیسرا اعتراض** چوری کی سزا میں مرد کا ذکر پہلے ہے اور زنا کی سزا میں عورت کا ذکر پہلے ہے اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے اس میں کیا حکمت ہے۔ **جواب** یہ فرق ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ چوری میں اصل مرد ہے کہ چوری ہوتی ہے طاقت' ہمت اور جرات سے جو قطرتاً مرد میں زیادہ ہے اور زنا میں عورت اصل ہے کہ زنا ہوتا ہے۔ شہوت سے اور شہوت عورت میں زیادہ لہٰذا دونوں جگہ اصل کا ذکر پہلے کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض** قرآن کریم نے مطلقاً چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لہٰذا ہر چوری پر ہاتھ کٹنا چاہیے۔ تم نے نصاب کی قید کہاں سے لگائی کہ اتنی قیمت کے مال کی چوری میں ہاتھ کٹے گا کم میں نہیں اگر ایک پیسہ کی چوری بھی کرے تو ہاتھ کٹنا چاہیے (نوٹ) حضرات عبداللہ ابن عباس' عبداللہ ابن زبیر' خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہم کا یہ ہی مذہب ہے کہ ہر چوری پر ہاتھ کٹے گا یہ اعتراض ان ہی کا ہے (تفسیر خازن' وغیرہ نے نقل فرمایا۔) **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ قطع ید بھی مطلق ہے چاہے چور کے پورے کاٹ دو چاہیے انگلیاں چاہے کلائی سے چاہے کہنی سے چاہے کندھے سے حالانکہ آپ بھی کلائی سے ہاتھ کٹواتے ہیں اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے مطلق میں امر کلی مطلوب ہوتا ہے اور مجمل میں فرد مسم مطلوب ہوتا ہے جس کی تفصیل درکار ہوتی ہے اس آیت کریمہ کی تفصیل احادیث پاک سے ہوتی ہے احادیث صحیحہ نے

ہی چوری کا نصاب مقرر فرمایا اور احادیث نے ہی ہاتھ کٹنے کی تفصیل بیان فرمائی آپ بھی فرماتے ہیں کہ کافر حربی کے مال کی چوری کرنے والا اس کے ہاتھ نہ کٹیں گے۔ اگر السارق مطلق ہے تو یہ قید کہاں سے لگی وغیرہ وغیرہ۔ **پانچواں اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ آسمانوں زمین کا ملک صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہے اور تم لوگ نبیوں' ولیوں کو عالم کا مالک مانتے ہو یہ شرک ہے۔ **جواب** ایک ہے ملک میم کے کسرہ سے ایک ہے ملک میم کے پیش سے ایک ہے ملکوت اور ملک کا اسم فاعل مالک ہے۔ ملک سے بنا ہے ملک یعنی بادشاہ اور ملکوت سے بنا ہے ملیک اللہ تعالیٰ مالک بھی ہے ملک بھی ملیک بھی ظاہر پر ملکیت ملک ہے باطن و حقیقت پر ملکیت کو ملکوت کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا مالک ہے ادھورا مالک نہیں پورا مالک وہ ہے تو دوسرے کو مالک کر بھی سکے جو دوسرے کو مالک کر نہ سکے وہ ادھورا مالک ہے۔ اللائی مہاجرین ادھورے مالک رہے جب ان کے نام مکانات کی رجسٹری ہو گئی تب پورے مالک بنے کہ فروخت کر دینے پر قادر ہو گئے۔ جیسے رب تعالیٰ اپنی ملک اپنے ملک کا بندوں کو مالک کر سکتا ہے تو وہ کریم اپنے ملکوت بھی اپنے پیارے بندوں کو دے سکتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا کوڑھی اندھے اچھے کرنا۔ حضرت سلیمان کے حکم سے ہوا چلنا یوسف علیہ السلام کی قمیص سے نابینا آنکھ کا روشن ہونا یہ ملکوت ہی پر قبضہ ہے اور یہ سب کچھ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ حضور غوث پاک کا فرمانا کہ اللہ کے شہر میرے ملک میرے قبضہ میں ہیں اسی ملکوت کے قبضہ کا ذکر ہے۔ **چھٹا اعتراض** اگر اللہ تعالیٰ نے اپنا ملک و ملکوت بندوں کو دے دیا تو خود مالک رہا یا نہ رہا اگر نہ رہا تو اس آیت کے خلاف ہے اگر مالک رہا تو یہ مشرک ہے کہ بندہ بھی مالک اللہ بھی مالک۔ **جواب** اللہ تعالیٰ مالک ہے مولیٰ غلام کو کوئی چیز دے دے تو مولیٰ بھی مالک رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حقیقی مالک ہے۔ بندے مجازی مالک' سورج آئینہ کو چمکا دے تو سورج بے نور نہیں ہو جاتا حقیقی نور سورج ہوتا ہے۔ مجازی نور شیشہ' ذاتی طور پر انجن چلتا ہے انجن سے وابستہ ہو جانے سے ریل بھی دوڑتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ شریعت میں چوری صرف مال کی ہوتی ہے طریقت میں چوری اعمال کی بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں چوری کیسے ہوتی ہے فرمایا کہ نماز میں رکوع و سجدہ پورا نہ کرنا نماز کی چوری ہے مال کے چور کے یہ ہاتھ ظاہری کٹتے ہیں اور اعمال کے چور کے باطنی ہاتھ کٹتے ہیں کہ پھر وہ ہاتھ یار کے دامن تک نہیں پہنچتے اس سے محروم رہتے ہیں اور بے مراد رہتے ہیں (روح البیان) ایسے چوروں کے لئے یہ عبرتناک سزا ہے جو رب کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اللہ کی سزا میں حکمت ہے کیونکہ وہ عزیز و حکیم ہے۔ ہاں جو کوئی چور ہماری بارگاہ میں توبہ کرے اور ہمارے محبوب سے معافی مانگ لے ان کے حقوق ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے رحیم بھی وہ آسمانوں زمین یعنی نبوت انبیاء اور قلوب گنہگاراں کا مالک ہے سزا دینا اور معاف فرمانا اسے آسان ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نیکی میں اللہ کی عبادت ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو ہر نیکی میں عبادت الٰہی کا بھی ثواب ملتا ہے اور اطاعت مصطفوی کا بھی

رب فرماتا ہے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** یوں ہی ہر گناہ میں اللہ تعالیٰ معصیت بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی لہذا اس میں ڈبل گناہ ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کی معصیت کا اور حضور کی نافرمانی کا۔ کیونکہ ہمارے گناہوں سے حضور کو تکلیف ہوتی ہے۔ جس سے حضور کو تکلیف ہو اس میں حضور کی حق تلفی ہے۔ جیسے چور اگر مقدمہ دائر ہونے سے پہلے صاحب حق بندے سے معافی چاہ لے اور مقدمہ پیش نہ ہو تو وہ ہاتھ کٹنے سے بچ جاتا ہے یوں ہی اگر ہم چور قیامت میں مقدمہ پیش ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معافی حاصل کر لیں تو انشاء اللہ سزا سے معافی مل جاوے گی۔ خیال رکھو کہ حضور حاکم بھی ہیں کریم رحیم بھی رب فرماتا ہے **لتحکم بین الناس بالحق** معلوم ہوا حضور حاکم ہیں اور فرماتا ہے **وبالمومنین رؤف رحیم** معلوم ہوا کہ حضور انور رؤف بھی ہیں رحیم بھی اور قاعدہ ہے کہ اگر مجرم خود چل کر حاکم کریم کی عدالت میں پیش ہو جاوے تو پھر وہ پکڑتے نہیں معاف فرما دیتے ہیں' چنانچہ برادران یوسف علیہ السلام دربار یوسفی میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں گزشتہ جرموں کی سزا نہ دی بلکہ فرما دیا **لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم** اور جب حضرت ابو سفیان' عکرمہ بلکہ ہندہ۔ وحشی جیسے مجرم حضور عالی کی عدالت عالیہ میں حاضر ہو گئے تو حضور نے انہیں معافی دے دی بلکہ انہیں انعام شاہانہ عطایائے خسروانہ سے مالا مال کر دیا تو کیا تعجب ہے کہ وہ ابو سفیان کو بخشنے والے مولیٰ ہندہ کو معافی دے دینے والے کریم۔ عکرمہ اور وحشی سے درگزر فرمانے والے رؤف رحیم ہم چوروں سے بھی درگزر فرما دیں اب پڑھو یہ آیت **فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم۔** شعر:۔

☆ بد سہی چور سہی مجرم ناکارہ سہی ☆ اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا ☆

☆ چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اسکے خلاف ☆ تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا ☆

اللہ تعالیٰ ہم مجرموں چوروں کو اس حاکم کریم کی بارگاہ عدالت تک حاضری نصیب کرے وہاں پہنچنے کی دیر ہے انشاء اللہ مشکلیں حل ہو جاویں گی۔ نصیبے کھل جائیں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک**

لطیفہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مولوی محمد علی لاہوری قادیانی اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں یہاں ہاتھ کاٹنے سے مراد چور کو چوری سے روک دینا ہے یعنی چور کو سمجھا بجھا کر چوری سے منع کر دو یہ ہے قادیانی تفسیریں یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے تمام امت رسول اللہ اس پر متفق ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹے جاویں۔

<table>
<tr><td>يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ</td></tr>
<tr><td>اے رسول نہ غم میں ڈالیں آپ کو وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں</td></tr>
<tr><td>اے رسول تمہیں غمگین نہ کریں وہ جو کفر پر دوڑتے ہیں</td></tr>
</table>

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ

ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے کہا کہ ایمان لائے ہم اپنے منہ سے اور نہ ایمان لائے دل اُن کے اور ان لوگوں میں جو

کچھ وہ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور کچھ یہودی

لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۗ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ

یہودی ہوئے سننے والے ہیں جھوٹ کو سننے والے ہیں دوسری قوم کے لیے نہیں آئے وہ آپ کے پاس بدلتے ہیں کلمات کو

جھوٹ خوب سنتے ہیں اور لوگوں کی خوب سنتے ہیں جو تمہارے پاس حاضر نہ ہوئے اللہ کی باتوں کو ان

مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا

ان کی جگہ سے کہتے ہیں اگر دیئے جاؤ تم یہ تو لے لو اسے اور اگر نہ دیئے جاؤ یہ پس بچو

کے بعد بدلتے ہیں کہتے ہیں یہ حکم تمہیں ملے تو مانو اور اگر یہ نہ ملے تو بچو !!

تعلق اس آیت کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں چوری کی سخت سزا کا ذکر تھا یعنی ہاتھ کاٹنے کا اب فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگ ان سخت سزاؤں کی وجہ سے اسلام سے پھر جاویں گے تو آپ ان کی پرواہ نہ کریں استقامت سے یہ سزائیں جاری فرماتے رہیں گویا پہلے سخت سزا کا ذکر تھا اب اس پر قائم رہنے کا ذکر ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے آپ یہ سزائیں دیئے جاویں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں سخت سزا کا ذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ ان سزاؤں کا نہ ماننا یا ان میں تردد کرنا کفر ہے گویا پہلے اسلامی سزا کا ذکر تھا اب اس کی اہمیت کا تذکرہ ہے کہ اس کا انکار کفر ہے جیسے حکومت کوئی قانون جاری فرمائے تو اس کے متعلق اعلان کرے کہ اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو یہ سزا دی جاوے گی۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنے کا ذکر تھا۔ اب زنا کی سزا رجم کرنے کی اہمیت کا تذکرہ ہے گویا مالی جرم کی سزا کے بعد جانی جرم زنا کی سزا کی اہمیت کا تذکرہ ہے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوگا۔

شان نزول خیبر یا فدک کے یہودیوں میں ایک امیر خاندانی گھرانے کے ایک شادی شدہ جوڑے نے آپس میں زنا کرلیا۔ بحکم توریت ان پر رجم کی سزا جاری ہوتی تھی مگر وہاں کے یہودی پادریوں نے ان دونوں کو اس سزا سے بچانا چاہا انہیں پتہ لگا تھا کہ بمقابلہ توریت کے قرآن مجید کے احکام بہت نرم ہیں اور یہودیت سے آسان دین ہے اس لئے وہاں کے پوپ پادریوں نے خفیہ طور پر ایک جماعت یہود مدینہ بنی **قریظہ** کے پاس بھیجی اور ان جانے والوں کو سمجھا دیا کہ چونکہ بنی قریظہ ہمارے ہم مذہب ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وطن ہیں اس لئے تم ان کی معرفت حضور کی بارگاہ عالی میں حاضر ہونا اور یہ مسئلہ دریافت کرو مگر علانیہ حاضری نہ دینا بلکہ خفیہ طور پر وہاں جانا اگر وہ سرکار رجم کے سوا کسی اور سزا کا حکم دیں

تو یہ سرو چشم قبول کر کے اس سزا کا مدینہ منورہ میں بھی اعلان کرنا اور آکر اپنے وطن خیبر میں بھی خوب دھوم مچانا تاکہ ہم یہ کہہ سکیں کہ ایک سچے نبی نے یہ ہلکی سزا تجویز فرمائی ہے جن کی نبوت توریت سے ثابت ہے اور اگر وہ رجم کا حکم دیں تو اسے ہرگز قبول نہ کرنا اور چپکے سے واپس آجانا اس جانے آنے کی کسی کو خبر نہ کرنا۔ چنانچہ یہ جماعت مدینہ منورہ حاضر ہوئی بنی قریظہ سے خفیہ طور سے ملی اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا۔ چنانچہ ان لوگوں کے ساتھ یہ یہود مدینہ بھی حضور کی خدمت میں آئے جن میں کعب ابن اشرف کعب ابن اسد سعید ابن عمرو اور مالک ابن صیف بھی تھے اپنے ساتھ کچھ منافقین کو بھی لے لیا جو بظاہر مسلمان تھے در پردہ کافر اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ شادی شدہ زانی کی سزا کیا ہے حضور نے فرمایا کیا تم میری تجویز کردہ سزا مانو گے وہ سب یک زبان ہو کر بولے کہ ماننے ہی کے لئے تو یہاں آئے ہیں فرمایا ان کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے وہ بولے ان کی سزا یہ نہیں ہے آپ نے بہت سخت سزا تجویز فرمادی۔ حضور انور نے فرمایا کہ کیا تم اس جوان بے داڑھی والے کانے گورے چٹے عالم کو مانتے ہو جو فدک میں رہتا ہے اور اس کا نام ابن صوریا ہے وہ بولے کہ آج روئے زمین پر اس سے بڑا توریت کا عالم کوئی نہیں فرمایا اسے بلوالو اور اس سے فتویٰ لو ہمارے سامنے چنانچہ فدک سے اسے بلایا گیا (فدک خیبر سے تیس میل جانب تبوک ہے اب وہ جگہ اجڑ چکی ہے) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن صوریا تجھے قسم ہے اس رب کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت اتاری۔ جس نے فرعون کو غرق کیا جس نے بنی اسرائیل پر من و سلویٰ اتارا سچ بولنا کہ توریت شریف میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے یا نہیں۔ ابن صوریا آپ کے فرمان عالی سے کانپ گیا اور بولا کہ بے شک توریت میں ایسے زانی کی سزا رجم ہے فرمایا کہ پھر تم نے اس حکم پر عمل کیوں چھوڑ دیا تب اس نے اس کے متعلق بڑا عجیب و غریب قصہ بیان کیا کہ ہمارے ایک بادشاہ کے عزیز نے زنا کر لیا تھا بادشاہ نے ہم لوگوں سے کہا کہ کسی صورت سے میرے اس عزیز کی جان بچالو تم کو اتنا انعام دیا جائے گا تب ہم لوگوں نے بجائے رجم کے منہ کالا کرنا۔ گدھے پر سوار کرنا شہر میں پھرانا کچھ کوڑے مار دینے کی سزا مقرر کر لی۔ اس پر یہودی ابن صوریا کو برا بھلا کہنے لگے اور اس فیصلہ کے انکاری ہو گئے مگر اب یہ معاملہ بہت مشہور ہو چکا تھا چنانچہ ان دونوں زانی و زانیہ کو مسجد نبوی کے سامنے ہی دروازے سے کچھ دور رجم کیا گیا مگر منافقین مدینہ اور یہود مدینہ اور وہ خیبر سے آنے والے یہود اس حکم سے ناراض ہی رہے منافقین تو اس سزا پر اعتراض کرنے لگے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن' روح المعانی' کبیر روح البیان وغیرہ) بروایت ابوداؤد' ابن ماجہ' عن جابر ابن عبداللہ اس کے شان نزول کے متعلق اور روایات بھی ہیں مگر یہ روایت قوی تر ہے۔

تفسیر **یایہا الرسول** اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوسرے نبیوں کو ان کے پاک ناموں سے پکارا ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہ پکارا حضور کے اوصاف سے پکارا۔ اکثر مقامات پر نبی فرما کر پکارا ہے۔ اور صرف دو مقام پر رسول کے خطاب سے پکارا ایک تو یہاں دوسرے **یایہا الرسول بلغ ما انزل الیک** میں (تفسیر خازن) اور ایک

ایک جگہ مزمل اور مدثر کے لقب سے پکارا **یایھا المزمل** اور **یایھا المدثر**۔ نبی کے معنی ہیں غیب کی خبریں دینے والے رسول کے معنی ہیں فرماں رساں اور فیضان رساں جو مخلوق کو خالق کا پیغام بھی پہنچا دے فیضان بھی وہ رسول ہے۔ جبریل امین نے جناب مریم سے فرمایا تھا **انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا** میں تمہارے رب کا رسول ہوں آیا ہوں تاکہ تم کو ستھرا بیٹا بخشوں۔ دیکھو اپنی رسالت کا بیان کیا بیٹا بخشنا یعنی فیضان رسانی۔ پھر بے اختیار فیضان رسانی تو رسالت جبریلی ہے اور با اختیار فیضان رسانی رسالت انبیاء کرام خصوصا رسالت محمدی ہے اللہ تعالیٰ نے حضور کو لاکھوں اوصاف بخشے جن میں صفت رسالت بہت ہی اہم ہے حتی کہ کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ پڑھا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اظہار غضب کے لئے۔ کسی مضمون کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے مسلمانوں کو خطاب فرما کر وہ مضمون بیان ہوتا ہے اور بہت ہی اہمیت دکھانے کے لئے حضور کو خطاب فرما کر سنایا جاتا ہے چونکہ یہاں مضمون ہے حضور کے دل سے غم دور کرنا اس کی اہمیت کے اظہار کے لئے **یایھا الرسول** فرمایا تاکہ مسلمانوں کو بتایا جاوے کہ ہم اپنے محبوب کا دل میلا نہیں ہونے دیتے تم بھی کبھی ان کو رنج و صدمہ نہ پہنچاؤ تمہارے گناہ سے انہیں رنج ہوتا ہے تم گناہ نہ کرو چونکہ حضور ہی اللہ کی تمام نعمتیں مخلوق کو پہنچانے والے اگر وہ ہی غمگین رہیں تو یہ تقسیم کا کام کیسے ہو سکتا ہے حضور کے غم سے عالم کا نظام درہم برہم ہو جاوے گا اس لئے **یایھا الرسول** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ حضور اللہ کے رسول ہیں مخلوق کی طرف یعنی اس کی نعمتیں سب تک پہنچانے والے اور مخلوق کے رسول ہیں خالق کی طرف یعنی مخلوق کے دکھ درد نیک و بد اعمال رب تک پہنچا کر برائیاں بخشوانے والے نیکیاں قبول کرانے والے یہاں الرسول میں دونوں احتمال ہیں اللہ کے رسول سب کے رسول **لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر**۔ **لا یحزنک** بنا ہے حزن سے بمعنی رنج و غم یہ لازم بھی آتا ہے متعدی بھی یعنی اس کے معنی ہیں غمگین ہونا اور غمگین کرنا یہاں متعدی ہے کیونکہ ساتھ ہی مفعول کا ذکر ہے دیکھو **ولا ھم یحزنون** میں حزن لازم ہے اور **لا یحزنھم الفزع الاکبر** میں حزن متعدی ہے۔ غم و فکر بہت قسم کے ہیں اپنی جان' مال' اولاد یا اپنے ایمان و اعمال کا غم انہیں شخصی غم کہتے ہیں مسلمانوں کے جان مال' ایمان کا غم انہیں قومی غم کہا جاتا ہے۔ دنیاوی شخصی غم سراپا بیماری ہے اور قومی دینی غم دوسرے غموں کا علاج ہے اور مبارک ہے حضور کو اس موقع پر اس قوم کے ایمان کا غم ہوا تھا یہ غم عبادت تھا مگر اس غم عبادت سے رب نے منع فرمایا کیونکہ جس پر ذمہ داریاں بہت ہوں اس کا دل بے غم چاہیے۔ حضور پر سارے عالم کا بوجھ ہے اگر آپ کے دل کو غم ہوں تو یہ بوجھ کیسے اٹھے اس لئے فرمایا **لا یحزنک الذین** سے مراد وہ منافقین ہیں جو یہود مدینہ اور یہود خیبر و فدک کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے۔ فتویٰ حاصل کرنے کے بہانہ سے **یسارعون** کی اصل سرعت ہے مصدر مسارعت جس کے معنی ہیں جلدی کرنا کفر سے مراد ہے اظہار کفر یا کفار کی طرف میلان ہے ورنہ منافقین کافر تو پہلے ہی سے تھے۔ **من الذین قالوا امنا بافواھھم ولم تومن قلوبھم**۔

عبارت **الذین یسارعون** کا بیان ہے **من کاتبین** پوشیدہ کے متعلق ہو کر حال ہے۔ **الذین** کا **یسارعون** کے فاعل کا **بافواھم من قالوا** کے متعلق ہے اور **ولم تومن** الخ **قالوا** پر معطوف ہے یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یہ منافقین غمگین نہ کریں جو بہت جلد کفر کا اظہار کر دیتے ہیں وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے پہلے ہی صرف منہ سے کہہ دیا تھا کہ ہم ایمان لائے ان کے دل ایمان نہ لائے تھے ایسوں کے کفر بکنے سے آپ ہرگز غمگین نہ ہوں **ومن الذین ھادوا سمعون للکذب** اس عبارت کی کئی ترکیبیں ہیں اور کئی معنی ایک یہ کہ جملہ نیا ہے واؤ ابتدائیہ ہے **من الذین** خبر مقدم ہے **سمعون** مبتدا موخر دوسرے یہ کہ واؤ عاطفہ ہے اور یہ **من الذین ھادوا** معطوف ہے **من الذین قالوا** پر اور **سمعون** ان کی حالت کا بیان ہے۔ **للکذب** کا لام یا صلہ کا ہے یا غایتہ کا لہذا اس عبارت کی چار تفسیریں ہوں گی یعنی بعض یہودی آپ کا فرمان جھوٹ بولنے کے لئے سنتے ہیں تاکہ آپ کی بات سن کر جائیں اور جھوٹی باتیں آپ کی طرف منسوب کر دیں یا بعض یہودی وہ ہیں جو جھوٹی باتیں سنتے ہیں سچی باتیں نہیں سنتے یا آپ ان منافقوں اور ان یہودیوں سے غمگین نہ ہوں جو ہمیشہ جھوٹی باتیں سنتے ہیں ان ہی ترکیبوں کے لئے **ھادوا** پر ج کا وقف ہے۔ **سمعون لقوم اخرین لم یاتوک** اس عبارت میں ان منافقین اور یہود کے دوسرے عیب کا ذکر ہے یہ عبارت یا تو دوسرا مبتدا ہے یا دوسرا حال لقوم میں لام صلہ کا ہے یا غایتہ کا اس لئے اس عبارت کی بھی چند تفسیریں ہوں گی **قوم اخرین** سے مراد وہ خیبر یا فدک کے یہودی ہیں جو مدینہ منورہ خود حاضر نہ ہوئے تھے کہ کچھ لوگوں کو سمجھا بجھا کر مدینہ منورہ بھیجا تھا یعنی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے یہ یہودی اور منافقین آپ کے فرمان نہیں سنتے یہ تو دوسروں کی باتیں سنتے ہیں علماء یہود کی یا یہ لوگ آپ سے مسئلہ ماننے کے لئے نہیں سنتے دوسروں کے لئے سنتے ہیں جاسوس ہیں دوسروں تک آپ کی باتیں پہنچاتے ہیں وہ دوسرے کون ہیں وہ ہی جو خود آپ کے پاس نہ آئے خیبر یا فدک میں رہے انہیں بھیج دیا اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ان آنے والے لوگوں ہی کی صفت ہو یعنی یہ منافقین و یہود جو آپ کی خدمت میں فتویٰ لینے آئے ہیں یہ آپ کے پاس آئے ہی نہیں کیونکہ ان کے جسم تو آپ کے پاس ہیں مگر دل دوسرے لوگوں کے پاس اس صورت میں **لم یاتوک** کا تعلق ہو گا **سمعون** سے۔ **یحرفون الکلم من بعد مواضعہ** یہ عبارت **لقوم اخرین** کی دوسری صفت ہے اس کی پہلی صفت تھی **لم یاتوک یحرفون** کے معانی بہت دفعہ بیان ہو چکے تحریف لفظی تحریف معنوی کے اقسام احکام تفصیل سے بتا دیئے گئے **کلم** سے مراد توریت شریف کی مقرر کردہ سزائیں اور توریت کے احکام ہیں یا مطلقاً آیات توریت **بعد** اور **مواضعہ** کے درمیان ایک عبارت پوشیدہ ہے **ان وضعہ اللہ** یعنی وہ یہود جو آپ کے پاس نہیں آئے ہیں خیبر یا فدک ہی میں رہے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ توریت شریف کی مقرر کردہ سزائیں یا توریت کے احکام یا توریت کی آیتوں میں تبدیلی اور ترمیم کرتے رہتے ہیں اس کے بعد کہ اللہ نے ان سزوں احکام آیات کو اپنے مناسب ٹھکانوں پر رکھا تھا ایسے نڈر لوگ جو اپنی کتابوں میں کتر بیونت سے باز نہیں آتے۔ وہ آپ کی بات کیونکر مان لیں گے۔ **یقولون ان**

اوتیتم ھذا فخذوہ اس عبارت میں بھی اس نے آنے والی یہودی قوم کے حال کا بیان ہے **اوتیتم** سے مراد ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسئلہ بتایا جانا اور **ھذا** سے اشارہ ہے اس کی طرف جو ان بھیجنے والوں نے بتایا تھا **خذوا** کے معنی ہیں قبول کرلو مان لو اس کا اعلان کرو مدینہ منورہ میں بھی' اور خیبرو فدک یعنی ان بھیجنے والے یہود نے ان لوگوں کو یہ سمجھا کر بھیجا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شادی شدہ زانی کی سزا وہی بتائیں جو ہم لوگ دیا کرتے ہیں منہ کالا کرنا کچھ کوڑے مار دینا گدھے کی سواری وغیرہ تو تم آپ کا فرمان بخوشی قبول کرلینا اور اس کا اعلان بھی کر دینا تاکہ ہماری تائید ہو جاوے اس پر **امنا صدقنا** کہہ دینا **وان لم توتوہ فاحذروا** اس عبارت میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے یہ بھی انہیں بھیجنے والوں کا کلام ہے یہاں **حذر** کے معنی ہیں بچنا۔ احتیاط کرنا مراد نہیں یعنی اے مدینہ جانے والو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تم کو یہ سزا نہ بتائی جاوے بلکہ رجم کا حکم دیا جاوے تو اس کے قبول کرنے سے بچنا اسے ہرگز نہ ماننا تم وہاں انکار نہ کر سکو تو اس کا اعلان بھی نہ کرنا نہ تو مدینہ منورہ میں اور نہ خیبرو فدک میں تاکہ ہماری پردہ دری نہ ہو جائے۔

خلاصہ تفسیر اے تمام جہان کو ہمارے فرمان و پیغام و فیضان پہنچانے والے رسول وہ لوگ آپ کو رنج میں نہ ڈال دیں آپ ان کی حرکتوں سے غمگین و ملول نہ ہوں جو بہت جلد منہ سے کفر بول دیتے ہیں آپ کے احکام میں کج بحثی بلکہ انکار کر دیتے ہیں یہ لوگ تو پہلے سے ہی منافق ہیں صرف منہ سے کہہ چکے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان کے دل مومن نہ تھے نہ ہیں اگر ان کے دل مومن ہوتے تو ایسی جرأت نہ کرتے بعض یہود جو آپ کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے آئے ہیں وہ آپ کی باتوں کو ماننے کے لئے نہیں سنتے وہ تو جھوٹ باندھنے کے لئے سنتے ہیں کہ آپ کے دربار میں آویں اور باہر جا کر آپ پر جھوٹ تھوپ دیں یا یہ یہودی تو اپنے پوپ پادریوں کے جھوٹ سننے دوسری قوم کی باتیں ماننے کے عادی ہیں جو ہرجائی ہو وہ آپ کی بات کیسے سنے یہ لوگ آپ کی نہیں سنتے یہ تو ان کی سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہ آئے انہیں بھیج دیا یعنی خیبر کے یہود ان بھیجنے والوں کا یہ حال ہے کہ توریت شریف کا احکام اس کی آیتوں میں تبدیلیاں ترمیم کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ جگہوں سے انہیں ہٹاتے ہیں ان آنے والوں سے انہوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا تو رہے ہو۔ مگر خیال رکھنا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس زنا کی سزا وہی بتائیں جو ہم دیا کرتے ہیں تب تو مان لینا خوش ہو جانا اس کا اعلان کرنا اور اگر اس کے خلاف رجم کا حکم دیں تو اسے ہرگز قبول نہ کرنا خاموش ہو جانا۔ اس کا اعلان نہ کرنا۔ اے محبوب جو لوگ پہلے سے ہی یہ فیصلہ کر کے آپ کی خدمت میں آئے ہوں وہ آپ کی بات کیسے مان سکتے ہیں تو ان کے نہ ماننے پر آپ کیوں غم کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تین جماعتیں حاضر ہوئی تھیں۔ منافقین یہود مدینہ' یہود فدک یا یہود خیبر۔ اس آیت کریمہ میں ان تینوں جماعتوں کے متعلق تین باتیں ارشاد ہوئیں منافقین کا ذکر ہوا **ولم تومن قلوبھم** تک یہود مدینہ کا ذکر ہوا **سمعون لقوم اخرین** تک

اور یہود خیبر کا ذکر ہوا **لم یاتوا** ان تینوں جماعتوں کے فیض نہ لینے کی تین وجھیں بتائیں۔ منافقین اس سے فیض نہیں لیتے کہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں۔ یہود مدینہ اس لئے فیض حاصل نہیں کرتے کہ وہ بری نیت سے آتے ہیں یا جھوٹوں کی بھی سنتے ہیں۔ یہود خیبر اس لئے فیض پاتے نہیں کہ وہ آپ کے پاس آئے ہی نہیں ان کے جسم حاضر ہیں مگر دل غیر حاضر سبحان اللہ کیسی پیاری ترتیب اور کیسا پیارا بیان۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کہہ کر پکارنا جائز ہے۔ یہ پکار سنت **الہیہ** بھی ہے۔ سنت انبیاء کرام بھی سنت صحابہ بھی بلکہ سنت ملائکہ بھی لہٰذا مسلمانوں کا یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا حبیب اللہ کہنا بالکل جائز باعث ثواب ہے بلکہ حضور اقدس کو پکار کر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا بھی سنت صحابہ سے ثابت ہے اس لئے ہر نماز میں التحیات واجب ہے اور التحیات میں حضور کو پکار کر سلام عرض کیا جاتا ہے۔ **السلام علیک ایھا النبی** الخ احادیث سے ثابت ہے کہ درخت و پتھروں نے حضور اقدس کو پکار کر سلام عرض کیا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب **المعجزات**۔ یہ فائدہ یا ایہا الرسول سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر یا ایسے القاب سے پکارنا جن سے دوسرے عام لوگوں کو پکارا جاتا ہے۔ حرام ہے لہٰذا صرف یا محمد یا بشر یا ابا یا بھیا چچا وغیرہ کہہ کر نہ پکارو انہیں یا رسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ پیارے القاب سے پکارو یہ فائدہ بھی یا ایہا الرسول سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے محبوب اکبر ہیں کہ رب تعالیٰ ان کے قلب پاک کو طرح طرح جگہ جگہ تسلیاں دیتا ہے کہ قلب محبوب پر غم نہ آنے پائے اللہ تعالیٰ ان کا دل میلا نہیں ہونے دیتا۔ سبحان اللہ یہ فائدہ **لا یحزنک** الخ سے حاصل ہوا۔

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کی دھلے
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

چوتھا فائدہ ہر مبلغ عالم کو چاہیے کہ لوگوں کے اثر نہ لینے سے غمگین نہ ہو تبلیغ کئے جاؤ کہ تبلیغ بڑا ثواب ہے۔ بارش سے ہر زمین فائدہ نہیں اٹھاتی مگر بادل برستا ہی رہتا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون** یہ نہ فرمایا کہ **سواء علیھم** یعنی ان کفار کے لئے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے وہ تو ایمان نہ لائیں گے مگر آپ کے لئے برابر نہیں آپ کو تو تبلیغ کا ثواب ملے گا ہی یہ فائدہ بھی **لا یحزنک** الخ سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ اظہار کفر بھی کفر ہے یعنی منہ سے کفر کی بات بکنا کفر ہے یہ فائدہ **یسارعون فی الکفر** سے حاصل ہوا۔ منافقین دل سے پہلے بھی کافر تھے آج ان کے کفری باتیں کرنے یعنی اظہار کفر کو کفر فرمایا گیا۔ لہٰذا اگر منافق بھی کفر ظاہر کرے تو مرتد ہو گا۔ **چھٹا فائدہ** زبان سے ایمان ظاہر کر دینے سے انسان شرعاً مسلمان بن جاتا ہے اس پر مسلمانوں کے احکام جاری ہو جاتے ہیں مگر عند اللہ مومن نہیں اللہ کے نزدیک مومن وہ ہی ہے جو دل سے ایمان لائے۔ شرط تواز اور ہے شرط قبول کچھ اور یہ فائدہ **ولم تومن قلوبھم** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ جو شخص اعتراض کرنے غلطیاں ڈھونڈنے کے

لئے بڑے سے بڑے عالم شیخ کے پاس جاوے وہ ہدایت نہیں پاسکتا ہدایت ملتی ہے دل کے اخلاص اور کلام والے کی محبت سے متکلم سے اخلاص کلام کی تاثیر کی شرط ہے یہ فائدہ **سمعون للکذب** سے حاصل ہوا دیکھو حضور انور ہدایت کا سرچشمہ ہیں جہاں سے ہدایت کی نہریں رواں ہوتی ہیں مگر منافقین اور ان یہود نے حضور سے بھی ہدایت نہ لی کیونکہ انہیں حضور انور سے اخلاص نہ تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص حضور کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ حضور کو لوگوں کے دلی حالات پر مطلع کردیتا ہے۔ یہ فائدہ **یقولون ان اوتیتم** الخ سے حاصل ہوا کہ جو مشورہ یہود فدک نے فدک میں کیا تھا۔ رب نے حضور کو مطلع کردیا۔ آٹھواں فائدہ مسلمان کو چاہیے کہ شریعت کو اپنی رائے کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش نہ کرے بلکہ خود اپنے کو شریعت کے سانچہ میں ڈھالے۔ اسی لوہے کی قیمت بڑھتی ہے جو سانچے میں ڈھل کر پرزہ بن جائے وہی سونا محبوب کے پہننے کے لائق بنتا جو سانچے میں ڈھل کر زیور بن جائے وہی انسان قرب خدا کے لائق ہے جو شریعت کے سانچے میں ڈھلا ہو لہذا کوئی مسلمان اپنی مرضی کے مطابق علماء سے فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اپنی مرضی کو علماء دین کے فتوے کے مطابق بنائے ورنہ ہرگز فائدہ نہ پائے گا۔ یہ فائدہ **یقولون ان اوتیتم** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ اگر دل غیر حاضر ہو تو جسم کی حاضری محض بیکار ہے اصل حاضری دل کی ہے۔ یہ فائدہ **لم یاتوک** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ دل عطا فرمائے **شعر**:۔

☆ گر بہ منی و پیش منی در یمنی! ☆ گر با منی و در یمنی پیش منی! ☆

حضرت اویس قرنی یمن میں رہ کر بھی حضور کے قدموں میں رہے اور ابو جہل مکہ میں رہ کر منافقین مدینہ میں رہ کر حضور انور سے دور رہے۔

پہلا اعتراض منافقین اور یہود تو پہلے ہی سے کافر تھے پھر ان کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ وہ کفر میں جلدی کرتے ہیں یعنی جلدی سے کافر ہو جاتے ہیں جلدی سے کافر تو وہ ہو جو پہلے سے کافر نہ ہو۔ **جواب** یہ فرمان حال منافقین کے متعلق ہے اور کفر میں جلدی کرنے سے مراد ہے کفر کے اظہار میں جلدی کرنا بھی کفر ہے جو شخص بغیر سخت مجبوری کے کفر کی بات بکے وہ شرعاً کافر ہے اگرچہ دل سے نہ بکے۔ **دوسرا اعتراض** جب منافقین اب تک شرعاً مومن تھے۔ آج اظہار کفر سے شرعاً کافر ہوئے تو ان پر مرتدین کے احکام جاری کیوں نہ کئے گئے اور انہیں قتل کیوں نہ کرایا گیا۔ **جواب** اس وقت تک اسلام کی اشاعت نئی نئی ہوئی تھی اگر منافقین کی ان حرکتوں پر انہیں قتل کرایا جاتا تو لوگوں میں یہ بات پھیل جاتی کہ مسلمان تو مسلمانوں ہی کو قتل کرا دیتے ہیں پھر لوگ مسلمان ہوتے ہوئے ڈرتے اس لئے منافقوں کی ان بکواسوں کے باوجود ان سے درگزر کیا جاتا تھا یہ لوگ ایسی بکواسیں کر کے حیلے بہانے تاویلیں کبھی توبہ کر کے مسلمانوں ہی میں رہتے تھے۔ عہد فاروقی میں اعلان کیا گیا تھا کہ اب اسلام ہے یا کفر اگر کسی سے کفر سنا گیا تو قتل کیا جاوے گا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب الکبائر۔ **تیسرا اعتراض** **سمعون لقوم اخرین** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور کی بارگاہ میں وہ لوگ دوسروں کی طرف

سے مسئلہ پوچھنے آتے تھے یہ کہ کوئی جرم نہ تھا پھر اسے ان کے عیوب میں کیوں شمار کیا گیا یہ تو اچھی بات ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ یہ لوگ آپ کی نہیں سنتے۔ دوسروں یعنی کفار کی سنتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ لوگ مسئلہ پوچھنے نہیں آئے بلکہ جاسوسی کرنے آئے ہیں تاکہ آپ کی باتیں بطور جاسوسی دوسروں تک پہنچائیں۔ تبلیغ کے لئے حضور کے احکام پہنچانا عبادت ہے مگر جاسوسی کے لئے پہنچانا جرم ہے۔ **چوتھا اعتراض** یہود خیبر و فدک مسلمان نہ تھے کافر تھے پھر ان کو زنا پر حضور نے رجم کیوں کرایا۔ رجم میں زانیہ اور زانی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے **نوٹ** حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک زنا کے احصان میں اسلام ضروری نہیں اگر کافر شادی شدہ بھی زنا کرے تو رجم کیا جاوے گا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس احصان میں اسلام شرط ہے کافر زانی پر رجم نہیں۔ یہ اعتراض امام شافعی کا ہے یہ واقعہ ان حضرات کی ہی دلیل ہے۔ **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہود پر اسلامی رجم نہیں فرمایا بلکہ ان کے مذہب کے مطابق حکم توریت ان پر جاری فرمایا اس لئے حضور انور نے ان سے اس زنا کا اسلامی ثبوت نہ مانگا اور اس رجم کے لئے خود ان کے علماء کو جمع فرمایا ان سے حکم توریت دریافت فرمایا ان سے فتویٰ دلا کر رجم کیا۔ اسلامی رجم میں یہ کب ہوتا ہے کہیں ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہ کرام نے عرب کے مشرک زانیوں کو رجم کیا ہو حالانکہ عرب کے مشرکوں میں زنا عام تھا اگر زنا کے احصان کے لئے اسلام شرط نہیں کافر زانی کو بھی رجم کرنا چاہیے تو مشرکین عرب تو بہت ہی رجم کئے جاتے امام اعظم کا قول بہت ہی قوی ہے۔ زنا کے احصان میں زانی زانیہ کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ **پانچواں اعتراض** اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا **یحرفون الکلم من بعد مواضعه** اور دوسرے مقام پر فرمایا **یحرفون الکلم عن مواضعه** یعنی وہاں لفظ بعد نہیں ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے **جواب** ان دونوں میں بڑا فرق ہے اس آیت میں جہاں لفظ **بعد** نہیں وہاں تحریف سے مراد ہے تحریف معنوی اور مواضع سے مراد ہے آیات توریت کے محل یعنی وہ آیات توریت کی فاسد تاویلیں کر کے ان کے اصل محل سے ہٹاتے ہیں اور یہاں جہاں کے لفظ **بعد** بھی ہے تحریف سے مراد ہے تحریف لفظی یعنی آیات کے الفاظ مٹا دینا یا بدل دینا یا آیات کا توریت سے نکال دینا لہٰذا ان دونوں میں فرق ظاہر ہے (تفسیر خازن) **چھٹا اعتراض** ان منافقین نے اس موقع پر توحید یا رسالت یا قرآن یا کسی ایمانی رکن کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ حضور انور کے فتویٰ رجم کا بھی انکار نہیں کیا تھا پھر رب تعالیٰ نے ان کے کفر کا فتویٰ کیوں دیا کہ فرمایا **یسارعون فی الکفر** **جواب** اس لئے کہ انہوں نے حضور کے فتویٰ کو بے محل فتویٰ قرار دیا۔ حضور کے کسی کلام، کام کسی حال پر اعتراض کفر ہے ہمارے کام و کلام نفسانی، شیطانی، رحمانی، ہر طرح کے ہوتے ہیں ہمارے اعضاء پر کبھی دن ہوتا ہے کبھی رات نفس و شیطان نے ہم پر قبضہ کر لیا تو رات ہو گئی۔ حضور کی توجہ کے سورج نے تجلی ڈال دی تو دن نکل آیا مگر حضور کے ہر قول و فعل قال و حال سب رحمانی ہیں حتیٰ کہ حضور کی زبان پر رب بولتا ہے حضور نے جناب زینب سے نکاح کیا تو رب نے فرمایا **زوجناکها** یہ نکاح ہم نے کرایا۔ لہٰذا حضور کے کسی حال و قال پر

اعتراض رب تعالیٰ پر اعتراض ہے اور رب پر اعتراض کفر ہے کسی بادشاہ وزیر پر اعتراض کرنا کفر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار آسمان کے نیچے بے مثال اور بے نظیر دربار ہے یہ آستانہ عرش اعظم سے نازک تر ہے **شعر:۔**

☆ ادب گاہے است زیر آسمان از عرش نازک تر ☆

☆ نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا ☆

اور ٹھکانوں درباروں میں صرف جسم سے پہنچ جانا وہاں کی حاضری کے لئے کافی ہوتا ہے مگر دربار محمدی میں صرف جسم سے پہنچنا کافی نہیں وہاں حضور قلبی ضروری ہے دیکھو ان منافقین و یہود کے دل کفار کے ساتھ تھے تو اگرچہ وہ اس آستانہ عالیہ میں جسم سے آگئے مگر رب نے فرمایا **لم یا توک** یہ لوگ آپ کے ہاں حاضر نہیں کیونکہ ان کے دل غیر حاضر ہیں دیکھو یہ لوگ اس حاضری سے صحابی نہ بنے دوسروں کی آواز صرف کان سے سن لی جاتی ہے۔ مگر کلام محبوب سننے کے لئے صرف کان کافی نہیں وہاں دل سے سننا ضروری ہے حضور کی بات وہ ہی سن سکتا ہے جو دوسروں کی نہ سنے کلام رسول اس کان میں جلوہ گر ہوتا ہے جو کان جھوٹ پر نہ لگیں ناپاک زبان قرآن کی جگہ نہیں ناپاک کان کلام رسول کی جگہ نہیں دیکھو یہ منافقین و یہود اگرچہ کان سے حضور عالی کا یہ فیصلہ سن رہے تھے مگر رب تعالیٰ نے فرمایا **سمعون للکذب** یہ تو جھوٹ سنتے ہیں تمہاری کیسے سنیں بلکہ فرمایا **سمعون لقوم اخرین** یہ تو دوسروں کی سنتے ہیں تمہاری کیسے سنیں یہاں دوئی کی گنجائش نہیں یہاں توحید درکار ہے تمام چیزوں کو دیکھنے کے لئے یہ آنکھ کافی ہے مگر جمال محمدی دیکھنے کے لئے دل کی آنکھ درکار ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وترھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون** یہ آپ کی طرف دیکھتے تو ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ اس جمال کے لئے بصیرت کی نگاہ ضروری ہے۔ ابو جہل نے آنکھ سے حضور کو دیکھا۔ مگر صحابی نہ بنا۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی نے آنکھ سے حضور کو نہ دیکھا مگر صحابی بن گئے۔ عام طور پر سچی بات بولنے والا سچا کہلاتا ہے مگر دربار محمدی وہ نازک دربار ہے کہ سچا ہونے کے لئے صرف زبان سے سچ بول دینا کافی نہیں یہاں دل کی گہرائی دیکھی جاتی ہے رب تعالیٰ منافقین کے متعلق فرماتا ہے کہ جب منافق آپ کے آستانہ پر حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مگر فرماتا ہے کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں اللہ اکبر کلام سچا متکلم جھوٹا اے مدینہ جانے والے ذرا ہوش کر کے وہاں حاضری دینا ایسا نہ ہو کر تیرا جسم وہاں حاضر ہو مگر غائب مانا جاوے یہ نہ سمجھو کہ یہ آیت چودہ سو برس پہلے منافقین اور یہود کے متعلق ہے ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں اللہ کی پناہ مانگو ایسا نہ ہو کہ ہم بھی اس کی زد میں آجاویں وہاں انا کی جگہ نہیں وہاں تو فنا کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ وہ فنا عطا فرمادے یہ وہ آستانہ ہے کہ یہاں خود قرآن مجید کلام الٰہی چل کر آتا ہے۔

☆ کلیم طور پہ رب کا کلام لینے گئے ☆
☆ خود ان کے گھر میں خدا کا کلام آتا ہے ☆

آپ نے دنیا میں آکر دنیا کو سجادیا جو ان سے نہ سجا وہ کہیں نہ سجے گا جو ان سے روشن نہ ہوا وہ کہیں روشن نہ ہو گا جو ان کے ہاتھوں پار نہ لگا وہ کبھی پار نہ لگے گا۔

☆ بزم کونین سجانے کے لئے آپ آئے ☆
☆ شمع توحید جلانے کے لئے آپ آئے ☆
☆ ایک پیغام جو ہر دل میں اجالا کر دے ☆
☆ ساری دنیا کو سنانے کے لئے آپ آئے ☆
☆ ایک مدت سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو ☆
☆ ایک مرکز پہ بلانے کے لئے آپ آئے ☆
☆ ناخدا بن کے ابلتے ہوئے طوفانوں میں ☆
☆ کشتیاں پار لگانے کے لئے آپ آئے ☆

غرضیکہ یہ آیت کریمہ بہت ہی عبرتناک ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آستانہ کی صحیح حاضری نصیب کرے آمین۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ وہ ہی درخت پھل دے سکتا ہے جس کی شاخیں اوپر ہوں اور جڑ نیچے گردو غبار والے پتھر پر دانہ اگ جاوے تو پھل نہیں دیتا کہ اس کی جڑ نیچے نہیں گئی یوں ہی وہ کلمہ مغفرت کے پھل دیتا ہے جس کی شاخ زبان و اعضاء ظاہری پر ہوں مگر جڑیں دل کی گہرائیوں میں اتری ہوں' منافقین کی زبان پر تو کلمہ تھا مگر دل میں نہ تھا فرمایا گیا **یقولون بافواھم ولم تومن قلوبھم** اس لئے رب نے انہیں کافر قرار دیا کارتوس کی گولی ضرور مار کرتی ہے مگر جبکہ اسے بارود شکار تک پہنچادے عقائد و اعمال گولی ہیں اور حضور کی توقیر و تعظیم بارود۔

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اور وہ کہ ارادہ کرے اللہ فتنہ کا اس کے پس ہرگز نہیں مالک ہو گے تم اس کے لئے اللہ سے کچھ یہ وہ لوگ ہیں کہ نہیں

اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو ہرگز تو اللہ سے اس کا کچھ بنا نہ سکے گا وہ ہیں کہ اللہ نے ان کا دل پاک

لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى

ارادہ کیا اللہ نے یہ کہ پاک کرے دلوں کو ان کے ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے

کرنا نہ چاہا انہیں دنیا میں رسوائی ہے اور انہیں

الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ

آخرت میں عذاب ہے بڑا بڑے سننے والے ہیں جھوٹ کو بہت کھانے والے ہیں حرام کو

آخرت میں بڑا عذاب بڑے جھوٹ سننے والے حرام خور تو اگر وہ تمہارے حضور

جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ

پس اگر آئیں وہ آپ کے پاس تو فیصلہ کرو درمیان ان کے یا منہ پھیر لو ان سے اور اگر منہ پھیر لو ان سے

حاضر ہوں اس میں فیصلہ فرماؤ یا ان سے منہ پھیر لو اور اگر تم ان سے منہ

فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ

تو ہرگز نہیں نقصان دیں گے آپ کو کچھ اور اگر فیصلہ کرو تو فیصلہ کرو درمیان ان کے ساتھ انصاف کے بیشک

پھیر لوگے تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو

يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

اللہ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے

بے شک انصاف والے اللہ کو پسند ہیں

تعلق اس عبارت کا تعلق پچھلی عبارت سے بالکل واضح ہے پچھلا مضمون یہ تھا کہ منافقین اور یہود آپ کے پاس بدنیتی سے فتویٰ لینے آتے ہیں ان کا ارادہ اول سے ہی یہ ہوتا ہے کہ اگر ہماری مرضی کے مطابق فتویٰ ملا تو قبول کرلیں گے ورنہ نہیں اب اس بدنیتی کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا ارادہ نہ کیا اس لئے برے ارادہ فاسد نیت سے آپ کے دربار عالی میں حاضر ہوتے ہیں گویا بیماری کا ذکر پچھلی عبارت میں تھا۔ بیماری کی وجہ کا ذکر اب ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی عبارت میں منافقین اور یہود کی ایک خاص بدعملی کا ذکر تھا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہونا اب اس کے انجام کا ذکر ہے یعنی دنیا میں رسوائی آخرت میں سخت عذاب گویا روحانی بیماری کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی ہلاکت آفرینی کا ذکر ہو رہا ہے۔

شان نزول مدینہ منورہ میں یہود کے دو قبیلہ آباد تھے بنی نضیر اور بنی **قریظہ** ان میں سے بنی نضیر اونچے مانے جاتے تھے اور بنی **قریظہ** نیچے اس اونچ نیچ کے نتیجہ کے طور پر ان کے طریقہ یہ تھا کہ اگر بنی **قریظہ** کا کوئی شخص کسی نضیری کو مار دیتا تو وہ اس مقتول کے وارثوں کو ڈبل دیت (خون بہا) دیتا اور اگر کوئی نضیری کسی **قریظی** کو مار دیتا تو وہ ایک دیت بلکہ اس سے بھی کم ادا کرتا تھا ان کا یہ ظالمانہ رواج عرصہ سے چلا آرہا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کسی **قریظی** نے ایک نضیری کو قتل کردیا یہ مقدمہ یہود کے پادری حیی ابن اخطب کے ہاں پیش ہوا اس نے

مروجہ قانون کے مطابق دو گنے خون بہا کا فیصلہ کیا اور بولا کہ چونکہ نیچی قوم نے اونچی قوم کا آدمی مارا ہے لہذا ڈبل دیت ادا کرے بنی **قریظہ** نے کہا کہ ہم تو ایک ہی دیت دیں گے ہمارا ان کا دین نسب ایک ہے تو اس تفریق کی کیا وجہ ہے اور ہم اس کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ سے کرائیں گے۔ چنانچہ یہ دونوں فریق بنی **قریظہ** اور بنی نضیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں اس فیصلے کے لئے آئے بنی قریظہ تو خوشی سے آئے مگر بنی نضیر مجبوراً" تب یہ آیت کریمہ **فان جاؤک** الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن، تفسیر ابن کثیر) ابوداؤد نسائی ابن حبان اور حاکم نے مستدرک میں بھی یہ ہی روایت کی۔ اس کے نزول کے متعلق اور روایات بھی ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری دو آیتیں اسی واقعہ زنا کے متعلق نازل ہوئیں۔ جو ہم پہلے عرض کر چکے ہیں مگر زیادہ قوی قول یہ ہے کہ یہ حصہ قتل بنی نضیر کے متعلق آیا۔ چنانچہ آئندہ آیات کا مضمون بھی اسی کی تائید کر رہا ہے **ان النفس بالنفس** الخ اس نفس بالنفس کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کے متعلق یہ آیت ہے **واللہ اعلم**۔

تفسیر ومن یرد اللہ فتنتہ یہاں **من** سے مراد انسان و جنات ہیں کہ کفر و گناہ یہ ہی دو مخلوق کرتی ہیں انسانوں سے بھی وہ انسان اس سے خارج ہیں جن کے محفوظ یا معصوم یا جنتی ہونے کا وعدہ الٰہی ہو چکا ہے ارادہ اور مشیت اور رضا میں فرق بارہا بیان ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ بعض کے گمراہ کرنے کافر کرنے کا ارادہ کرتا ہے مگر کسی کے کفر یا گمراہی سے نہ راضی ہے نہ حکم فرماتا ہے سب کو ایمان و تقویٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان و تقویٰ سے ہی راضی و خوش ہے، فتنہ کے بہت ہی معنی ہیں عذاب دینا ہلاک کرنا، رسوا کرنا، گمراہ کرنا، امتحان کرنا، آزمائش میں ڈالنا یہاں سوائے امتحان کے باقی تمام معنی بن سکتے ہیں بہتر یہ ہے کہ ایسے عام معنے کئے جاویں کہ یہ تمام معنی اس میں آجاویں۔ **فلن تملک لہ من اللہ شیئا** یہ عبارت **من یرد اللہ** کی خبر بمعنی جزا ہے **لن تملک** میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اس فرمان عالی سے مقصود ہے حضور انور کا غم و رنج دور فرمانا اور ہو سکتا ہے کہ خطاب ہر مسلمان سے ہو **من اللہ** یا تو متعلق ہے۔ **تملک** کے یا متعلق ہے **کائنا۔ ثابتا** پوشیدہ کے اور یہ کائنا حال ہے **شیئا** کا **شیئ** سے مراد یہاں ہدایت رحمت لطف و مہربانی ہے (روح المعانی) یا **شیئا** سے مراد دفع عذاب ہے دیکھو روح البیان۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ جس بندے کو عذاب دینا۔ ہلاک کرنا۔ گمراہ کرنا چاہے تو آپ رب تعالیٰ کی طرف سے اس کی ہدایت وغیرہ کے مالک نہیں یا آپ اس کے لئے اللہ کی ہدایت و رحمت وغیرہ کے مالک نہیں یا آپ اللہ تعالیٰ کے مقابل اس کی ہدایت کے مالک نہیں یہ تفسیریں خیال رکھنی چاہئیں۔ **اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطھر قلوبھم** یہاں **اولئک** سے اشارہ یا تو **من** کی طرف ہے جو ابھی **من یرد اللہ** میں مذکور ہوا چونکہ وہ معنی میں جمع تھا لہذا **اولئک** جمع لایا گیا یا اس سے اشارہ ان ہی منافقین اور یہود کی طرف ہے جو اس مقدمہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تھے چونکہ یہ لوگ اللہ کی رحمت سے بہت دور تھے اس لئے **اولئک** اشارہ بعید فرمایا گیا وہاں جسم کا قریب بغیر روحانی قرب کے معتبر نہیں **لم یرد** میں گزشتہ

او یسحتکم بعذاب (تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے) اصطلاح میں اس مال کو جو ناجائز ذریعہ سے حاصل کیا جاوے۔ **سحت** کہتے ہیں کیونکہ حرام مال اصل مال کو بھی ہلاک کر دیتا ہے یا کھانے والے کو تباہ کر ڈالتا ہے گھر کی برکت ختم کر دیتا ہے عموماً رشوت کو **سحت** کہا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ رشوت کی چار صورتیں ہیں۔ ٭حاکم کا ظالم سے رشوت لیکر ناحق غلط فیصلہ کرنا حاکم کا مظلوم سے رشوت لیکر اس کے متعلق حق فیصلہ کرنا۔ عالم دین کا سچے **مستفتی** سے رشوت لے کر صحیح فتویٰ دینا۔ عالم کا جھوٹے **مستفتی** سے رشوت لے کر جھوٹا اور غلط فتویٰ دینا۔ یہ چاروں رشوتیں حرام ہیں۔ **سحت** میں داخل ہیں مگر چوتھی رشوت یعنی مال لے کر غلط فتویٰ دینا کفر بھی ہے کہ اس میں دین کو بدل ڈالنا ہے یہ ہی حرکت یہود کے پوپ پادری کرتے تھے حکام کے ہدیئے خاص دعوتیں 'عید' بقرعید کو رعایا کے تحفے یہ سب رشوتیں ہیں کہ دینے والے یہ چیزیں اس لئے دیتے ہیں کہ بوقت پر حاکم سے ناجائز فائدے حاصل کئے جاویں۔ یہ بھی خیال رہے کہ رشوت اور اجرت میں فرق ہے رشوت حرام ہے۔ اجرت جائز' حکام و علماء و مفتیان کی تنخواہیں اجرت ہیں لہٰذا حلال ہیں۔ مفتی کا درست فتویٰ لکھ کر دینے مہر لگانے کی اجرت لینا حلال ہے کہ مفتی پر فتویٰ بتانا فرض ہے۔ اسے لکھ کر دینا جس سے اس کا فتویٰ کچہری میں کام آوے اور پھر بعد میں مفتی کا کچہری میں گواہی دینا اپنے فتویٰ کی تصدیق کے لئے حاکم کے سامنے پیش ہونا فرض نہیں لہٰذا ان کی اجرت لے سکتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا یضار کاتب ولا شھید** لکھنے والے اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جاوے ان کی اجرتیں دے دی جاویں **فان جاءوک فاحکم بینھم او اعرض عنھم** یہاں ف جزائیہ ہے اور یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب ان کا حال یہ ہے تو آپ کو اختیار ہے۔ جاؤک کا فاعل وہ ہی خیبر و فدک یا بنی نضیر وغیرہ کے یہودی ہیں جو حضور انور کی رعایا نہ تھے اور آپ کی خدمت میں اپنے فیصلے لاتے تھے مگر ماننے کے لئے نہیں بلکہ آسانی ڈھونڈھنے کے لئے کہ اگر ہماری رائے کے مطابق آسان فیصلہ ہو تو مان لیں گے ورنہ نہیں۔ لہٰذا یہ آیت محکم ہے کسی آیت سے منسوخ نہیں **حکم** سے مراد ہے فیصلہ فرمانا اور **اعرض** سے مراد ہے فیصلہ نہ کرنا یعنی جب یہ یہود نضیر یا خیبر آپ کو پنچ بنا کر آپ سے فیصلہ کرانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ اس کا پنچ بننا قبول کریں یا رد فرماویں **وان تعرض عنھم فلن یضروک شیئا** اس عبارت میں حضور کی بے نیازی کا ذکر ہے **اعراض** کے معنی منہ پھیرنا ہیں اس کا مادہ اور اس مادہ کے معانی بارہا بیان ہو چکے ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان مقدمات میں پنچ بننا قبول نہ فرماویں اور ان کی طرف دھیان نہ دیں تو یہ لوگ آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے کیونکہ ہم آپ کے حافظ و ناصر ہیں **واللہ یعصمک من الناس** لیکن اگر ان کا مقدمہ آپ طے کریں تو خیال رکھیں کہ **وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط** قسط کے معانی تیسرے پارے کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں کہ اس کے معنی ہیں حصہ اصطلاح میں انصاف کو قسط کہتے ہیں کیونکہ اس میں ہر ایک کا حصہ اسے صحیح طور پر پہنچ جاتا ہے۔ یہاں حکم سے مراد پنچائتی فیصلہ ہے یعنی اگر آپ ایسے مقدمات میں پنچ بننا قبول فرمالیں اور ان کا فیصلہ کریں تو فیصلہ انصاف سے

کریں کہ سیاسی امور میں اسلام کے مطابق فیصلہ فرمادیں اور عبادات' معاملات' میراث میں ان کے مذہب کے مطابق ان پر حکم جاری فرمادیں یہ خطاب بظاہر تو حضور سے ہے مگر در حقیقت ہم سب کو بتانا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انصاف نہ کرنا ظلم کرنا ناممکن ہے ہماری اس تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہ عبارت گزشتہ عبارت کی ناسخ نہیں اور یہ ساری آیت محکم ہے اس کا کوئی لفظ منسوخ نہیں حقیقت یہ ہے کہ سورہ مائدہ پوری کی پوری محکم ہے اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں **ان اللہ یحب المقسطین۔** پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ قسط کا اسم فاعل ثلاثی مجرد ہیں ۔ بمعنی ظالم و کافر آتا ہے۔ رب فرماتا ہے **اما القاسطون فکانوا لجهنم حطبا** اور باب افعال کا اسم فاعل ۔ بمعنی انصاف کرنا آتا ہے لہذا یہاں ۔ بمعنی منصف عادل ہے کہ باب افعال سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو انصاف کرنے والے بندے پسند ہیں جو اپنے پرائے میں انصاف کریں بلکہ اپنے نفس کے معاملہ میں بھی انصاف سے کام لیتے ہیں لہذا ہمیشہ انصاف ہی کرنا چاہیے اس سے قدم نہ نکالو۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقوں یہودیوں کے آپ کے آستانہ سے بے فیض ناشاد نامراد لوٹنے سے آپ غمگین نہ ہوں ان کی ناکامی نامرادی کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی عطا آپ کی فیض رسانی میں کچھ کمی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو پاک فرمانا نہ چاہا جسے اللہ تعالیٰ عذاب دینا چاہے آپ اس کے لئے اللہ کی ہدایت رحمت دینے کے مالک نہیں عطا ادھر سے ہو تو تقسیم آپ کی طرف سے ہوتی ہے۔ قاسم' مالک کا مقابلہ کر کے اس کے دشمنوں کو نہیں دے سکتا۔ ان بدنصیبوں کے مقدر میں تو یہ ہے کہ دنیا میں ان کی رسوائی ہو کہ رہتی دنیا تک ان کی حرکتیں مشہور رہیں اور لوگ ان پر پھٹکار کرتے رہیں اور آخرت میں انہیں دائمی سخت عذاب ہو۔ ان یہود کی حرکتیں یہ ہیں کہ آپ کا کلام فیض ترجمان نہیں سنتے اپنے پوپ پادریوں کے جھوٹ کو سنتے ہیں حرام خوری' سود' جوا' چوری ان کا محبوب مشغلہ ہے یا ان کے پوپ پادریوں کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے پاس مقدمہ درپیش ہو تو جھوٹ امیر کی سنیں گے سچے غریب کی نہ سنیں گے۔ رشوت کھاتے ہیں پھر یہ آپ سے ہدایت کیسے لیں۔ لہذا اگر یہ لوگ آپ کو پنچ بنانا چاہیں اور آپ سے اپنا فیصل کرانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے ان کے پنچ بن کر ان کا فیصلہ کریں یا پنچ بننے فیصلے کرنے سے انکار فرمادیں۔ آپ مطمئن رہیں کہ اگر آپ ان سے منہ پھیر لیں ان کی پنچایت قبول نہ کریں تو یہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ کیونکہ ہم آپ کے حافظ و ناصر ہیں ہاں یہ خیال رہے کہ اگر آپ اور آپ کی امت کے لوگ کسی کے پنچ بن جاویں تو فیصلہ حق و انصاف سے فرمادیں کسی کی رو رعایت نہ کریں اللہ تعالیٰ انصاف والے حاکموں پنچوں کو بہت ہی پسند فرماتا ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ ہدایت کا مالک رب تعالیٰ ہے اس کے محبوبوں کے آستانہ ہدایت کے دروازے ہیں جسے رب تعالیٰ ہدایت دینا نہ چاہے اسے کسی جگہ سے ہدایت نہیں مل سکتی جب مالک دیتا

ہے تو در دروازے سے خیر ملتی ہے یہ فائدہ **ومن یرد** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** دنیا کی رسوائی آخرت میں بڑا عذاب صرف کفار کے لئے ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے گنہگار **امتیوں** کو محفوظ رکھے گا یہ فائدہ **لھم** کے مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو کہ پچھلی امتوں کے گناہ قرآن شریف کے ذریعہ تمام دنیا میں شائع فرما دیے ہم گنہگار کے گناہوں پر پردہ ہی ہے اور رہے گا۔ انشاء اللہ۔ **تیسرا فائدہ** اس آیت کریمہ نے ان تمام آیات و احادیث کی شرح فرمادی جن میں فرمایا کہ آپ کسی کے نفع نقصان کے مالک نہیں ان سب کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کو کچھ اختیار نہیں کہ جسے خدا محروم رکھنا چاہے اسے کوئی کچھ نہیں دے سکتا مگر رب تعالیٰ کی عطا سے بعض بندے مختار ہیں ان کے ہاتھوں رب تعالیٰ کی عطائیں ملتی ہیں یہ فائدہ **فلن تملک لہ** کی ف جزائیہ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ** بزرگوں کی صحبت سے وہ ہی فیض یاب ہو گا۔ جو اپنے کو خالی سمجھ کر ان سے لینے کے لئے ان کے دروازوں پر جاوے جو پہلے ہی سے اپنی پختہ رائے لے کر جاوے وہ ہرگز وہاں سے کچھ نہ لے گا۔ خالی ڈول کنوئیں سے پانی لاتا ہے بھرا ڈول کیا لائے۔ سفید کپڑا رنگا جاتا ہے جو کپڑا پہلے سے پختہ سیاہ ہو اسے کوئی کیسے رنگے یہ فائدہ **سمعون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** کفار کی غیبت یعنی انہیں پس پشت برا کہنا جائز ہے یہ فائدہ **سمعون** اور **اکلون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ یہود کے پوپ پادری خیبر یا فدک میں تھے اور ان کی برائی مدینہ منورہ میں قرآن مجید میں پڑھی جارہی تھی کہ وہ حرام خور ہیں ابولہب اور اس کی بیوی جمیلہ کبھی کے مرگئے مگر اس کی برائیاں سورہ لہب میں اب تک پڑھی جارہی ہیں۔ **چھٹا فائدہ** رشوت لینا مطلقاً حرام ہے خواہ رشوت لے کر ظلم کرے یا انصاف مگر رشوت دینا جب حرام جبکہ رشوت کے ذریعے ظلم کرایا جاوے اگر ظالم حاکم بغیر رشوت لئے ہمارا حق ہم کو نہیں دیتا تو اس مجبوری میں اسے رشوت دے کر اپنا حق حاصل کرنا جائز ہے۔ یہ فائدہ **اکلون للسحت** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے رشوت خواری کی مطلقاً برائی فرمائی رشوت دینے کی مطلقاً برائی بیان نہ کی۔ **ساتواں فائدہ** جس شخص کی آمدنی حرام و حلال سے مخلوط ہو اس کے ہدیے قبول کرنا اس کی دعوت کھانا اس سے تجارتی لین دین کرنا جائز ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ اسکندریہ یعنی مقوقس کا ہدیہ قبول فرمایا اور حضور نے ان ہی یہود سے قرض لیا۔ جن کے متعلق ارشاد ہوا۔ **اکالون للسحت** نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے خرید و فروخت کرتے تھے حالانکہ وہاں کے دوکاندار بعض سود خوار بھی تھے۔ بعض خائن بھی (تفسیر روح البیان) نیز اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے گھر، یوسف علیہ السلام کو شاہ مصر کے گھر۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب کے گھر برسوں رکھا وہاں ہی ان کی پرورش کی۔ حالانکہ ان لوگوں کی کمائی و آمدنی خالص حلال نہ تھی۔

مسئلہ چند آمدنیاں سخت حرام ہیں۔ (۱) سود (۲) جوئے سے حاصل شدہ مال (۳) غصب (۴) خیانت (۵) شراب (۶) سور (۷) مردار کی قیمت (۸) گانے بجانے والوں کی اجرت (۹) زنا کی اجرت (۱۰) جادوگر کی اجرت (۱۱) فال کھولنے کہانت کی

اجرت (۱۲) رشوت کی آمدنی۔ امام حسن فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنے مقروض کے گھر قرض کی بنا پر دعوت بھی کھاؤ تو حرام ہے کہ یہ سود ہے (تفسیر روح البیان) آٹھواں فائدہ کسی کا پنچ بننا لازم نہیں اگر کوئی ہم کو پنچ بنانا چاہے تو ہم کو اختیار ہے کہ قبول کریں یا نہ کریں یہ فائدہ **او اعرض عنهم** سے حاصل ہوا نواں فائدہ حاکم وقت کو اپنی رعایا کے مقدمات طے کرنا ضروری ہیں۔ مگر غیر لوگوں کے مقدمات طے کرنا جو اس کی رعایا نہ ہوں ضروری نہیں اسے اختیار ہے کہ مقدمہ لے یا نہ لے یہ فائدہ بھی **او اعرض عنهم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

مسئلہ مفتی و فتویٰ دینا مبلغ پر تبلیغ کرنا بہر حال لازم ہے خواہ اپنے ملک کا آدمی فتویٰ مانگے یا غیر ملک کا یعنی مسئلہ بتانا ضروری ہے۔ لکھنا لازم نہیں۔ دیکھو یہ یہود خیبر کے رہنے والے تھے اس وقت تک خیبر فتح نہ ہوا تھا لہٰذا وہ حضور کی رعایا نہ تھے اور حضور سے فیصلہ چاہتے تھے تو سرکار کو اختیار دیا گیا کہ ان کا فیصلہ کریں یا نہ کریں مگر تبلیغ کے متعلق فرمایا **یایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک** دسواں فائدہ حاکم کو چاہیے کہ انصاف کرے انصاف میں کافر مومن اپنے پرائے کا ہرگز خیال نہ کرے ہمیشہ مسلمان حکام کا یہ ہی طرہ امتیاز رہا ہے یہ فائدہ **فاحکم بینهم بالقسط** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان لوگوں کو پاک کرنا نہ چاہا تو پھر وہ بے قصور ہوئے پھر انہیں عذاب کیسا۔ جواب اس کا جواب تیسرے پارہ میں **ولو شاء اللّٰه ما اقتتلوا** کی تفسیر میں بہت تفصیل سے گزر گیا۔ ان کی پاکی نہ چاہنے کی وجہ خود یہاں مذکور ہے **سمعون للکذب اکلون للسحت** ان جرموں کی بنا پر انہیں عذاب ہے۔ مقتول اللہ کے ارادے سے مرا ہے مگر قاتل کو پھانسی دی جاتی ہے۔ دوسرا اعتراض یہود خیبر کفار تھے اور کفار شرعی احکام کے **مکلف** نہیں ہوتے پھر ان کی یہ برائی کیوں بیان ہوئی کہ وہ جھوٹ سنتے حرام کھاتے ہیں وہ تو ہیں ہی کافر جو چاہیں کریں جواب کفار عبادات اسلامی کے **مکلف** نہیں سیاسی احکام کے وہ بھی **مکلف** ہیں جوا' رشوت' چوری وغیرہ جرائم وہ نہیں کر سکتے اس پر حاکم اسلامی بھی ان کو سزا دے گا اور عاقبت میں بھی سزا ملے گی۔ یہاں ان کی رشوت خوری کا ذکر ہے اسی پر عتاب ہے۔ تیسرا اعتراض اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمانے کے لئے بھیجا ہے۔ خود فرماتا ہے **لتحکم بین الناس بما ارٰک اللّٰه** اور یہاں فرماتا ہے کہ آپ حکم کریں یا نہ کریں آیات میں تعارض ہے۔ نوٹ اس اعتراض کی بنا پر بعض مفسرین نے یہاں کی یہ آیت منسوخ مانی ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے پوری سورہ مائدہ ہی محکم ہے۔ جواب اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ جو کفار حضور کی رعایا نہ تھے اور اپنے کسی خاص مقدمہ میں حضور انور کو **حکم** یعنی پنچ بنانا چاہتے تھے۔ پنچ بننے نہ بننے کا اختیار دیا گیا اور رعایا پر شرعی احکام جاری فرماتے احکام شرعیہ کی تبلیغ فرمانے کا حضور کو حکم دیا گیا۔ حکم اور چیز کا ہے اختیاری دوسری چیز کا دیا گیا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ نیز عدالت حکم اور ہے اور پنچائتی حکم اور عدالتی حکم دینے کے حضور مامور ہیں

پنچائتی حکم بننے میں حضور مختار حکومت کے مقرر کردہ حکام مقدمات کا فیصلہ کرنے پر مامور ہیں مگر پنچ بننے پر مامور نہیں۔ چاہیں بنیں یا نہ بنیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ خالق مالک معطی ہے ہر چیز اسی کی مملوک' مخلوق ہے وہ ہی سب کو سب کچھ دیتا ہے مگر قانون قدرت یہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں تقسیم کرنے والوں کے ذریعہ سے مخلوق میں تقسیم ہوں پھر جیسا تقسیم کرنے والا قوی ہو گا ویسی ہی تقسیم اعلیٰ اور کامل ہو گی۔ کنواں دریا اور بادل تینوں پانی کے قاسم ہیں مگر کنواں کمزور قاسم ہے تو صرف بیگہ دو بیگہ زمین کو سیراب کرتا ہے دریا قوی قاسم ہے تو شہروں کو سیراب کر دیتا ہے بادل بہت ہی قوی قاسم ہے تو وہ ملکوں بلکہ دنیا بھر کو سیراب کر دیتا ہے۔ ایک کنواں کا پانی اگر معمولی رسی ڈول سے تقسیم کیا جاوے تو ایک گھر کے دو چار گھڑے بھرے گا اگر رہٹ پانی تقسیم کرے تو کھیت کو سینچ دے گا لیکن اگر بجلی کا ٹیوب ویل وہ ہی پانی تقسیم کرے تو زمین کے مربے مربے بھرے ہو جاتے ہیں۔ کنواں ایک پانی ایک خالق و مالک ایک مگر قاسموں کے فرق سے تقسیم میں فرق ہے۔ چراغ' گیس' بجلی' چاند' سورج' سب ہی نور کے قاسم ہیں مگر ان میں جو فرق ہے وہ سب کو معلوم ہے' سارے نبی اللہ کی نعمتوں کے قاسم تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قاسم اعلیٰ ہیں ان حضرات نے محدود وقت میں محدود قوموں کو نعمت **الٰہیہ** تقسیم فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاقیامت سارے عالم کو اللہ کی نعمتیں دیں پھر کنوئیں۔ دریا ہوتے ہوئے بھی بارش کی دعائیں کی جاتی ہیں۔ قاسم کے ہوتے ہوئے قاسم اعلیٰ کی تلاش ہوتی ہے یوں ہی دوسرے انبیاء کی امتوں نے بلکہ ان نبیوں نے حضور کی دعائیں مانگیں قاسم اعلیٰ کے آنے پر دوسرے قاسموں کی **تقسیمیں** بند ہو جاتی ہیں۔ بارش ہو جانے پر کنوؤں' نہروں' دریاؤں سے پانی نہیں لیا جاتا یوں ہی حضور کی تشریف آوری پر تمام نبوتیں منسوخ ہو گئیں بہر حال حضور رب کی نعمتوں کے قاسم اعلیٰ ہیں خود فرماتے **اللہ المعطی وانا قاسم** حضرات صحابہ کرام نے اس قاسم اعلیٰ سے ایسی نعمتیں حاصل کیں کہ خود قاسم بن گئے۔ جیسے بارش سے تالاب قاسم بن جاتے ہیں مگر منافقین اور یہ خیبر و فدک کے یہود نے اس قاسم اعلیٰ کی تقسیم سے حصہ نہ لیا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں پاک کرنے کا رب تعالیٰ نے ارادہ ہی نہ فرمایا۔ ایسے محروم لوگ دنیا و آخرت میں خسارہ میں ہیں جو چمگاڈر سورج سے نور نہ لے سکے وہ چراغوں سے روشنی کیا لے گا ان کا حال یہ ہے کہ ان کے کانوں میں اپنے پوپ پادریوں کی آوازیں گونج رہی ہیں یہ آپ کی کیا سنیں ان کے پیٹوں میں حرام غذائیں بھری ہیں تو آپ کی صحبت سے فیض کیسے لیں۔ یار کا جلوہ شرک و شرکت سے پاک ہے۔ ایک دل میں دو محبتیں ایک کان میں دو آوازیں ایک سینہ میں دو آرزوئیں کیسے جمع ہوں۔ حضور کا آستانہ تو وہ ہے کہ جسم اطہر پر یہ عام مکھی بھی نہیں بیٹھی کہ یہ گندگیوں پر بیٹھنے کی عادی ہے پھر سید الطاہرین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک پر کیسے بیٹھے یہ بھی گندگیوں پر بیٹھنے والی مکھیاں ہیں۔ آپ سے فیض کیسے لیں۔

☆ اے بسا مرغے پرندہ دانہ جو ☆
☆ کہ بریدہ حلق اوہم حلق او ☆
☆ اے بسا ماہی در آب دور دست ☆
☆ گشتہ از حرص گلو ماخوذ شست ☆
☆ اے بسا قاضی و منبر نیک خو ☆
☆ از گلوئے رشوتے او زرو رو ☆
☆ بلکہ درہاروت و ماروت آں شراب ☆
☆ از عروج چرخ شاں شد سد باب ☆

رشوت، شہوت، حرص طمع نے ہاروت و ماروت کے لئے آسمان پر جانے کا دروازہ بند کر دیا تو ان منافقوں یہودیوں کے لئے ان کی حرام خوری نے بارگاہ رسالت میں سچی حاضری کا دروازہ بند کر دیا۔ اب ان کے دل اس دربار میں نہیں آسکتے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ
اور کیسے حکم بنائیں گے وہ آپ کو حالانکہ ان کے پاس توریت ہے کہ اس میں حکم ہے اللہ کا پھر منہ موڑتے
اور وہ تم سے کیونکر فیصلہ چاہیں گے حالانکہ ان کے پاس توریت ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۳
ہیں وہ اس کے بعد اور نہیں ہیں یہ لوگ مومنین
بایں ہمہ اس سے منہ پھیرتے ہیں اور وہ ایمان والے نہیں۔

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ چونکہ رب تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا ہے۔ اس لئے یہ آپ سے ہدایت نہ لیں گے اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ یہ آپ سے فیض کیسے حاصل کریں یہ آپ کے تو معتقد بھی نہیں یہ تو اپنی کتاب توریت سے بھی فیض نہیں لیتے جس کے یہ معتقد ہیں اس میں حکم رجم موجود ہے مگر اسے چھوڑ کر آپ کے پاس فیصلہ کے لئے آتے ہیں۔ گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا۔ اس آیت میں دلیل ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ آپ پر ان کا فیصلہ فرمانا لازم نہیں چاہیں کریں یا نہ کریں اب اس اختیار دینے کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ یہ آپ کے فیصلہ کرانے آئے ہی نہیں ہیں فیصلہ تو خود

ان کی اپنی کتاب میں موجود ہے بلکہ اپنی آسانی چاہنے آئے ہیں کہ اگر حضور زانی کو رجم سے بچاویں تو آپ ہی کی بات مان لیں یہ حق کی تلاش میں نہیں گویا پچھلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ فرمانے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اب اس اختیار کی حکمت بیان ہو رہی ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا گیا تھا کہ اگر آپ ان کا فیصلہ کریں تو حق فیصلہ کریں۔ اب ارشاد ہے کہ وہ آپ کے حق فیصلہ کو قبول نہ کریں گے گویا داتا کی عطا کا ذکر پچھلی آیت میں تھا۔ اب سائل کی محرومی کا ذکر اس آیت میں ہے۔

تفسیر **وکیف یحکمونک** عربی میں **کیف** حالت پوچھنے کے لئے ہوتا ہے۔ پوچھنا کبھی تو متکلم کے جاننے کے لئے ہوتا ہے کبھی مخاطب کے امتحان کے لئے کبھی اگلے کلام کی تمہید کے لئے کبھی اظہار عظمت کے لئے کبھی تعجب کرنے کے لئے کبھی تعجب دلانے کے لئے یہاں آخری مقصد یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمانوں کو تعجب دلانے کے لئے ہے۔ رب تعالیٰ خود تعجب کرنے سے پاک ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ سوال ان یہود خیبر کے پول کھولنے کے لئے ہو کہ وہ آپ کو حکم نہیں بناتے بلکہ اپنی آسانی چاہتے ہیں **یحکمون** بنا ہے **تحکیم** سے جس کا مادہ **حکم** ہے **تحکیم** کے معنی ہیں کسی کو اپنا پنچ بنانا۔ حاکم وہ جو جانب سلطان سے یا رب تعالیٰ کی طرف سے عام لوگوں کے فیصلہ کرنے کے لئے مقرر ہو حکم وہ جسے فریقین مدعی، مدعی علیہ کسی خصوصی جھگڑے متنازعہ میں فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کریں لہٰذا حکم اور حاکم میں کئی طرح فرق ہے حاکم سلطان یا رب تعالیٰ کا مقرر کردہ حکم فریقین کا مقرر کردہ حاکم عام فیصلے کرنے والا حکم خاص فیصلہ کرنے والا حاکم بزور اپنا فیصلہ منوانے والا حکم صرف فیصلہ سنانے والا نہ کہ منوانے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی طرف سے حاکم ہیں مسلمانوں اور تمام ذمی کفار بلکہ ساری مخلوق کے حاکم ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لکڑیوں، ہرنیوں، اونٹوں، چڑیوں نے فریادیں کیں اور ان کی داد رسی حضور نے فرمائی جس کے متعلق بہت احادیث ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا** مگر حکم کبھی کبھی کسی کسی کے بنا کرتے تھے۔ اس موقع پر بھی یہود خیبر کے حضور حکم تھے۔ حکم بنے نہ بنے کا حضور کو اختیار دیا گیا تھا۔ آج بھی اعلیٰ سے اعلیٰ حکام کبھی کسی خاص موقع پر فریقین کے حکم یعنی پنچ بن جاتے ہیں یعنی اے محبوب تعجب کی بات ہے کہ اپنی مانی جانی پہچانی توریت کا حکم تو نہیں مانتے اور آپ کو یہ مانتے نہیں۔ پھر کیسے اپنا حکم بناتے ہیں یا اے محبوب یہ آپ کو اپنا حکم کیسے بنا سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہ مسلمان ہیں نہ آپ کے ذمی رعایا نہ آپ کو سچا نبی مانتے ہیں۔ آپ کی ہر بات کو غلط جانتے ہیں لہٰذا یہ آپ کو حکم نہیں بناتے۔ بلکہ حکم توریت سے بچنے کے لئے بہانہ بناتے ہیں ان کا ظاہر کچھ ہے باطن کچھ اور **وعندھم التورة فیھا حکم اللہ** یہ عبارت **یحکمون** کے فاعل سے حال ہے۔ **عندھم** خبر مقدم ہے اور **التورة** مبتداء مؤخر اور یہ عبارت حصر کا فائدہ دیتی ہے یا **التوراة** فاعل ہے ثبت فاعل پوشیدہ کا اور **عندھم** اس کا ظرف۔ اگر تورات فاعل ہے تو **فیھا حکم اللہ** تورات کا حال ہے ورنہ **فیھا حکم اللہ** نیا جملہ ہے (روح المعانی) یعنی آپ کو یہ پنچ کیسے بنا سکتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت

ہے جس میں اللہ کا حکم یعنی زانیوں کو سنگسار کرنے کی سزا موجود ہے اور یہ لوگ توریت کے ماننے کے دعوی دار بھی ہیں پھر توریت کو چھوڑ کر آپ کے پاس کیسے آتے ہیں۔ خیال رہے کہ ان لوگوں کے پاس اگرچہ تحریف شدہ توریت تھی مگر رجم کی آیات بعینہ اس میں باقی تھیں وہ نکالی نہ گئی تھیں۔ ان آیات پر ان لوگوں نے عمل چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا **فیھا حکم اللہ** اور بہت سی اصلی آیات معدوم تھیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ موجودہ توریت کی آیتوں کا نہ اقرار کرو نہ انکار بلکہ یوں کہہ دو کہ ہم اللہ کی ساری آیتوں پر ایمان لائے **ثم یتولون من بعد ذلک** یہ جملہ معطوف ہے **یحکمونک** پر اور **ثم رقبہ** کی تراخی کے لئے ہے نہ کہ زمانہ کی تراخی کے لئے **یتولون** بمعنی مستقبل ہے یہ بنا ہے تولی سے جس کا مادہ ولی بمعنی قرب ہے۔ باب **تفعل** سلب مادہ کے لئے ہے یعنی قریب نہ ہونا دور ہو جانا۔ اب منہ پھیرنے قبول نہ کرنے یا انکار کرنے کو تولی کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں سے انسان اس سے دور ہو جاتا ہے۔ **ذلک** سے اشارہ ہے **تحکیم** کی طرف یعنی یہ لوگ آپ کو حکم بنانے کے بعد آپ کے حکم سے پھر جائیں گے اسے قبول نہ کریں گے کیونکہ یہ ماننے کے لئے آپ کو حکم نہیں بنا رہے ہیں بلکہ اپنی رائے کی تائید کے لئے آپ کو آڑ بنانا چاہتے ہیں یہ تفسیر قوی ہے بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ علیحدہ ہے اور **یتولون** حال کے معنی میں ہے یعنی یہ لوگ اس توریت کے ہوتے ہوئے حکم توریت سے پھر جاتے ہیں اسے نہیں مانتے تو آپ کا حکم کیا مانیں گے **وما اولئک بالمومنین** یہ جملہ نیا ہے واؤ ابتدائیہ ہے **اولئک** سے اشارہ انہیں حاضرین یہود کی طرف سے ہے چونکہ وہ دل سے حضور انور سے دور تھے اگرچہ جسماً قریب تھے۔ اس لئے **اولئک** اشارہ بعید ارشاد ہے۔ **مومنین** سے مراد توریت پر ایمان لانے والے یا حضور پر ایمان لانے والے ہیں یا آپ کا فیصلہ ماننے والے یعنی یہ لوگ توریت کے ماننے والے نہیں اپنی رائے کے تبع ہیں یا یہ لوگ آئندہ بھی آپ پر ایمان نہ لائیں گے۔ کافری مریں گے یا یہ لوگ آپ کا یہ فیصلہ نہ مانیں گے آخری دو صورتوں میں یہ غیبی خبر ہے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اور مسلمان کے لئے کیسی تعجب کی بات ہے کہ یہ یہود خیبر آپ کو اس مقدمہ میں حکم اور پنچ بنا رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت موجود ہے۔ جس میں یہ حکم ہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرو اور اس کے ماننے کے یہ لوگ دعویدار بھی ہیں پھر اسے نہیں مانتے اور آپ کو سچا نبی نہیں مانتے پھر آپ کے پاس اپنا یہ فیصلہ لائے ہیں۔ آپ یقین رکھیں کہ آپ سے فیصلہ کرائیں گے پھر اس سے پھر جائیں گے یہ لوگ مومن نہ ہوں گے۔ منکر ہو جئیں گے منکر ہو کر مریں گے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** جو شخص حکم قرآنی حکم رسول کے ہوتے ہوئے اور حکم تلاش کرے خدا رسول کے حکم پر راضی نہ ہو وہ نفس پرست آسانی کا طلب گار ان یہود کا پیروکار ہے جو توریت سے منہ

موڑ کر بہانہ کے لئے حضور سے فیصلہ کے طلبگار ہوتے تھے یہ فائدہ **کیف یحکمونک** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ بدنیتی سے قرآن و حدیث کو آڑ بناتے ہوئے اپنے نفس کی خواہش پوری کرنا رب تعالیٰ کو ناپسند ہے یہ فائدہ بھی **یحکمونک** سے ہی حاصل ہوا۔ دیکھو یہود خیبر حضور سے فیصلہ کرانے آئے تھے۔ مگر رب تعالیٰ نے ان کی اس حاضری پر عتاب کیا اس لئے کہ ان کی نیت بد تھی۔ وہ حضور کی اطاعت کرنے اپنے کو فرمان عالی کے مطابق کرنے نہ آئے تھے بلکہ حضور کے فرمان کو اپنی رائے کے مطابق کرنے آئے تھے خود شریعت کے سانچہ میں ڈھلو اپنے سانچہ میں شریعت کو نہ ڈھالو۔ تیسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک تک کچھ نہ کچھ اصلی توریت باقی تھی یعنی ساری تبدیل نہ ہو چکی تھی۔ اس میں بہت سی اصلی آیات بھی تھیں یہ فائدہ **وعندھم التورۃ** سے حاصل ہوا۔ اب نہ توریت کا ایک حرف باقی ہے۔ نہ انجیل کا جب دنیا سے زبان عبرانی ہی رب تعالیٰ نے مٹادی تو اس زبان کی توریت و انجیل کیسے باقی رہ سکتی ہیں۔ یہ ترجمے اصل توریت و انجیل نہیں یہ تو مترجمین کی مہربانیاں ہیں۔ چوتھا فائدہ اس زمانہ میں توریت شریف کے کچھ حکم اصل حالت میں موجود تھے۔ جیسے زانی کے رجم کا حکم جسے یہود مانتے نہ تھے۔ یہ فائدہ **فیھا حکم اللہ** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ کتاب اللہ کا حکم نہ ماننا اور کتاب اللہ ماننے کا دعویٰ کرنا محض باطل ہے ایسا آدمی مومن نہیں کہ رب تعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ یہ لوگ توریت کے مومن نہیں یہ فائدہ **وما اولئک بالمومنین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ گزشتہ نبیوں کی صرف کتابیں ان کے بعد رہیں انکی احادیث ان کے فرمان دنیا میں باقی نہ رہے اور وہ کتابیں بھی کچھ روز رہیں۔ پھر تبدیل ہو گئیں یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کے فرمان بھی محفوظ ہیں۔ آپ کا قرآن بھی محفوظ ہے یہ فائدہ بھی **وعندھم التوریۃ** سے حاصل ہوا جس میں بتایا گیا کہ ان کے پاس صرف توریت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے فرمان نہیں۔ ہمارے حضور کے متعلق فرماتا ہے **ویعلمھم الکتب والحکمۃ** کتاب تو قرآن مجید ہے۔ حکمت حدیث شریف جو آج تک محفوظ ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہیں گے۔ بلکہ حضور انور کی ہر ادا تمام احوال اقوال دنیا کے سامنے رہیں گے۔

پہلا اعتراض قرآن کریم نے یہاں فرمایا کہ یہود کے پاس توریت ہے دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ یہود نے توریت میں تحریف کر دی **یحرفون الکلم عن مواضعہ** ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جب وہ توریت مسخ کر چکے تو ان کے پاس توریت رہی ہی نہیں۔ **جواب** یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ان کے پاس بالکل درست غیر محرف توریت ہے اگر یہ فرمایا جاتا تب تعارض ہوتا یہاں محرف توریت کے موجود ہونے کا ذکر ہے۔ جس میں کچھ اصل تھی کچھ مسخ شدہ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ اس توریت میں اللہ کا حکم ہے۔ حالانکہ اس میں بہت سے احکام تھے پھر حکم واحد کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ حکم اللہ اسم جنس ہے جس میں ایک اور زیادہ سب شامل ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ یہاں حکم اللہ سے مراد رجم کا حکم ہے۔ جس میں یہود ابھی تک ترمیم نہ کر سکے۔ تھے آپ

رجم بعینہ موجود تھی مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ رجم کا فتویٰ آپ سے لینے کیوں آئے۔ یہ فتویٰ تو توریت میں موجود ہے اس پر عمل کیوں نہیں کرتے آپ کے تو یہ لوگ معتقد نہیں توریت کے معتقد ہونے کے مدعی ہیں۔ **تیسرا اعتراض** یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **وما اولئک بالمومنین** یہ یہود مومن نہیں مومن لغوی معنی میں ہے یا اصطلاحی معنی میں۔ **جواب** دونوں معنی ہو سکتے ہیں یعنی یہ لوگ مرتے دم تک مومن نہ ہوں گے کافر ہی مریں گے یہ اصطلاحی معنی ہوئے اور اس میں غیبی خبر ہے یا یہ لوگ توریت کے ماننے والے نہیں صرف دعویٰ ایمان کرتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ یہ لوگ آپ کے فیصلہ پر ایمان نہ لائیں گے صرف سیاسی طور پر آپ کو حکم بناتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آنکھ صدہا چیزیں دیکھ سکتی ہے کان صدہا چیزیں ہزاروں آوازیں سن سکتے ہیں۔ ایک زبان ہزارہا الفاظ بول سکتی ہے مگر ایک دل میں دین و دنیا دونوں کی محبتیں نہیں رہ سکتیں دل اس میان کی طرح ہے جس میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں اس گھر میں دوئی کی گنجائش ہی نہیں جہاں اور جس دل میں محبت دنیا ہے اس میں دین کی محبت کیسے آوے۔ یہود کے پاس توریت تھی ان کے دل میں توریت نہ تھی ہوتی بھی کیسے ان کے دل میں تو حسد ' کینہ ' بغض ' انبیاء تھا اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **وعندھم التوراۃ** اور آگے فرمایا **فیھا حکم اللہ** جس سے معلوم ہوا کہ توریت میں تو رجم کا حکم تھا مگر ان کے دلوں میں توریت نہ تھی کسی کے پاس کتاب ہونا کمال نہیں۔ کمال ہے دل میں کتاب ہونا۔ اس وجہ سے رب تعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ وہ مومن نہیں غذا پانی پاس رکھا ہے نہ بھوک دفع ہوگی نہ پیاس جب یہ چیزیں پیٹ میں اتریں گی تب بھوک و پیاس کو دفع کریں گی۔ یوں ہی کتاب اللہ پاس رکھی ہے دل کا کفر دفع نہ ہو گا جب تک کہ دل میں کتاب نہ اتر جاوے یہ بھی خیال رہے کہ کتاب اللہ خود دل میں نہیں اترتی بلکہ نبی کی نگاہ کرم یا نبی کے نائبین کا بازوئے رحمت کتاب اللہ کو دل میں اتارتا ہے صابن اور پانی خود بخود کپڑا صاف نہیں کرتے نہ کپڑے میں لگتے ہیں۔ جب تک کہ کوئی ہاتھ کام نہ کرے ان یہودیوں کے پاس کتاب اللہ تھی مگر کوئی ید اللہ ان کے سر پر نہ تھا۔ اس لئے کافر کے کافر رہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟

بے شک اتاری ہم نے توریت کہ اس میں تھی ہدایت اور روشنی فیصلہ کرتے رہے ساتھ اس کے انبیا جو مطیع ہوئے واسطے

بے شک ہم نے توریت اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے ہمارے

لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن

ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے اور اللہ والے علماء اور فقیہہ لوگ اس وجہ سے کہ حفاظت چاہی گئی

فرمانبردار نبی اور عالم اور فقیہہ کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت چاہی گئی تھی

كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ

ان سے اللہ کی کتاب کی اور تھے وہ اس کے محافظ گواہ بس نہ ڈرو تم لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے

اور وہ اس پر گواہ تھے تو لوگوں سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور میری

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور نہ خرید و بعوض میری آیتوں کے قیمت تھوڑی اور جو نہ فیصلہ کرے ساتھ اس کے جو اتارا

آیتوں کے بدلے ذلیل قیمت نہ لو اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہ ہی

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

اللہ نے تو یہ ہی لوگ کافر ہیں

لوگ کافر ہیں

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا یہود مومن نہیں اب اس آیت میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے ایسی توریت کو چھوڑ دیا ہے جس میں ہدایت' نور ہے حضرات انبیاء کرام اس پر احکام جاری کرتے رہے اور ایسی کتاب کا تارک واقعی کافر ہی ہے گویا پچھلی آیت میں یہود کے کفر کا دعویٰ تھا۔ اس آیت کریمہ میں اس کا ثبوت ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہود آپ کو حکم بناتے تو ہیں مگر اس لئے نہیں کہ آپ کا فیصلہ مانیں صرف آسانی کی تلاش اپنی بے دینی کی تائید کرانے کے لئے آپ سے فیصلہ کراتے ہیں ان کا ظاہر کچھ اور ہے باطن کچھ اور اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تو توریت کو بھی دل سے نہیں مانتے اسے اپنی رائے کے مطابق بنانا چاہتے ہیں تو آپ کو دل سے کیسے مانیں گے حالانکہ توریت کی ایسی اعلیٰ شان ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ یہود کے پاس توریت ہے اور توریت میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یعنی زانی کو سنگسار کرنا اب توریت شریف اور اس کے احکام کی عظمتوں کا ذکر ہے گویا توریت کے نزول کے بعد اس کی عظمت کا ذکر فرمایا گیا۔

نزول اگلی تین آیتوں میں تین مقام پر تین عتاب فرمائے گئے چنانچہ اس آیت کے آخر میں ہے **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئک ھم الکفرون** دوسری آیت کے آخر میں فرمایا گیا **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمون** تیسری آیت کے آخر میں ارشاد ہوا **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئک ھم الفسقون** بعض مفسرین نے فرمایا کہ تینوں عتاب یہود پر ہیں ان کے تین حالات کے لحاظ سے ان پر تین طرح عتاب فرمایا گیا۔ کافر' ظالم' فاسق فرما کر بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلے دو عتاب یہود پر نازل ہوئے اور تیسرا عتاب عیسائیوں پر کیونکہ وہاں انجیل شریف کا ہی ذکر ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلا عتاب تمام مشرکین و کفار پر ہے دوسرا عتاب یہود کے

متعلق نازل ہوا۔ تیسرا عتاب عیسائیوں کے متعلق نازل ہوا (تفسیر خازن و روح المعانی) تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہ آیات بھی اس واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں جبکہ یہود خیبر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنا کر زنا کی سزا کا فیصلہ حضور سے کرانا چاہا تھا (خازن)

تفسیر اس آیت کریمہ میں توریت شریف کے چھ صفات بیان ہوئے۔ اسے ہم نے اتارا۔ اس میں ہدایت ہے اس میں نور ہے اس پر حضرات انبیاء، مشائخ و علماء فیصلے کرتے رہے۔ اس کی حفاظت انہیں بزرگوں علماء کے ذمہ کی گئی۔ یہ حضرات اس کے شہداء و ذمہ دار رہے **انا انزلنا التورٰة** چونکہ توریت شریف کا نزول یکدم ہوا تھا۔ قرآن مجید کی طرح آہستگی سے نہ ہوا اس لئے **انزلنا** باب افعال سے فرمایا گیا۔ نزول قرآن تین بار ہوا ایک تو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت تک یہ نزول ستائیسویں رمضان کی شب میں ہوا یعنی شب قدر میں ہوا یعنی شب قدر میں دوسرا نزول ہر رمضان میں حضور انور پر ہوتا تھا کہ جبرئیل امین حضور کے ساتھ قرآن کا دور فرماتے تھے۔ تیسرا نزول تئیس سال میں آہستہ آہستہ یہ نزول احکام جاری فرمانے کے لئے تھا۔ پہلے نزول کے لحاظ سے قرآن کریم کے لئے **انزلنا** آتا ہے۔ بقیہ کے لحاظ سے **نزلنا** ارشاد ہوتا ہے توریت کے معانی ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں کہ اگر یہ لفظ عربی ہے تو بنا ہے **تورية** سے بمعنی اشارۃ کنایۃ رموز کی باتیں کرنا۔ چونکہ توریت شریف میں اکثر آیات رمز اشارہ کنایہ کے طور پر تھیں۔ قرآن کریم کی طرح صاف صاف نہ تھیں اس لئے اسے توریت کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ آیات توریت کے لئے شان نزول نہیں کیونکہ وہ ساری یکدم آئی۔ آیات قرآنیہ کے شان نزول ہوتے ہیں کہ فلاں صحابی کے فلاں واقعہ پر یہ آیت آئی تاکہ ان صحابہ کا احسان سارے مسلمانوں پر ہے۔ اسی لئے صحابہ سے قرآن جمع کرایا گیا۔ **فيها هدى ونور** یہ عبارت توریت کا حال ہے **فيها** خبر مقدم ہے۔ جس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یعنی اس توریت میں ہدایت اور نور ہی ہے کفر و گمراہی نہیں یہ صفت یا نزول کے وقت کے لحاظ سے ہے یعنی نزول کے وقت اس میں ہدایت و نور ہی تھے اب منسوخ ہو چکنے کے بعد اس میں نہ ہدایت رہی نہ نور جیسے کہا جاوے **جاءنی زید وهو راكب** زید میرے پاس سوار ہو کر آیا یعنی آتے وقت سوار تھا۔ اب سوار ہونے کا ذکر نہیں۔ ہدایت سے مراد شرعی احکام کا ذکر ہے نور سے مراد سچے عقائد کا ذکر یا ہدایت سے مراد شرعی عقائد و احکام کا ذکر ہے اور نور سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی۔ چونکہ حضور نور ہیں کہ اگر حضور نہ ہوتے تو آسمان و زمین نہ پیدا ہوتے۔ اس لئے حضور کی بشارت کی آیات کو نور فرمایا گیا یعنی نور کی خبر دینے والی نورانی آیتیں (تفسیر روح المعانی) دیکھو مدینہ جو حضور کا شہر ہے اس کا نام ہے مدینہ منورہ یعنی نورانی مدینہ دنیا کے کسی شہر کا نام منورہ نہیں سواء مدینہ منورہ کے کیونکہ وہاں نور الٰہی جلوہ گر ہے حضرت عثمان کا لقب ہے ذوالنورین یعنی دو نور والے کیونکہ سواء آپ کے کسی کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں نہ آئیں تو جیسے حضور کی نسبت سے مدینہ نورانی حضرت عثمان نورانی یوں ہی حضور کے ذکر کی نسبت سے وہ آیات توریت نور اور نورانی ہیں یا اب بھی توریت کی اصلی آیتوں میں جو رب

کی طرف سے نازل ہوئیں۔ ہدایت و نور ہے کہ وہ دین اسلام کی حقانیت بیان فرماتی ہیں۔ غرضیکہ ہدایت اور نور میں دو احتمال ہیں پہلے احتمال سے توریت میں بوقت نزول ہدایت و نور رہے بعد نسخ نہیں رہے دوسرے احتمال سے پھر بھی رہے۔ خیال رہے کہ کتاب اللہ مومنین کے لئے ہدایت اعمال ہوتی ہیں ہدایت ایمان نبی سے ملتی ہے نیز کتاب اللہ مومن کی ہدایت ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء کے لئے نہیں وہ تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نزول توریت سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اور مومنین بنی اسرائیل ہدایت اور نور پر نہ تھے نبی ہدایت کا مرکز ہوتے ہیں باقی تمام ہدایات نبی کی معرفت ملتی ہیں **یحکم بها النبیون الذین اسلموا** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا توریت کا دوسرا حال مقدرہ **یحکم** بنا ہے حکم سے۔ بمعنی فیصلے کرنا **بها** کا مرجع توریت ہے یہاں بھی **یحکم** بمعنی حال نہیں ہے بلکہ اس میں گزشتہ واقعہ کا ذکر ہے کیونکہ اب تو نہ وہ نبی رہے نہ ان کے فیصلے۔ سب نبوتیں بھی منسوخ اور خود توریت بھی نہ حکم رہا نہ حاکم۔ **النبیون** سے مراد وہ ہی نبی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان گزرے جبکہ توریت منسوخ نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ زبور و انجیل کے نزول پر ان دو کتب کے احکام جاری ہوئے۔ یہ انبیاء کرام بھی ہزاروں تھے کیونکہ حضرت موسیٰ و داؤد و عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کئی ہزار نبی ہیں جو صاحب کتاب نہ تھے توریت پر ہی عمل کرتے تھے **الذین نبیون** کی صفت کاشفہ ہے کہ سب نبی رب کے مطیع تھے۔ **اسلموا** بنا ہے **اسلام** سے۔ بمعنی اطاعت و فرمانبرداری یہاں اسلام اصطلاحی معنی میں نہیں کیونکہ اصطلاحی اسلام یعنی دین محمدی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا یعنی اس توریت شریف کی شان یہ ہے کہ اس توریت سے گزشتہ انبیاء کرام فیصلے کرتے رہے **للذین هادوا** اس عبارت کا تعلق یا تو **یحکم** سے ہے یا **انزلنا** سے **هادوا** سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے یا یہ توبہ کر کے یہودی کہلاتے تھے۔ خیال رہے حضرات انبیاء سے فرمایا گیا **اسلموا** اور اس قوم کو کہا گیا **هادوا** کیونکہ یہ قوم یہودی کہلاتی تھی حضرات انبیاء یہودی نہیں کہلاتے تھے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مسلمان کہلاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان نہیں کہتے وہ تو مسلمان بنانے والے ہیں **والربنیون والاحبار** یہ عبارت معطوف ہے **النبیون** پر اور **یحکم** کا فاعل ہے **ربانیون** جمع ہے ربانی کی۔ بمعنی اللہ والے اور **احبار** جمع حبر کی جس کے معنی ہیں اچھی چیز۔ خوب صورت نقش یا وہ خوشی جس کا اثر چہرے پر ظاہر ہو جاوے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فی روضة یحبرون** ربانی سے مراد ہے عابدین لوگ یعنی اولیاء اللہ اور احبار سے مراد ہیں فقہاء و علماء اہل کتاب یا ربانی سے مراد ہیں عام علماء اور احبار سے مراد ہیں ان کے مجتہدین علماء یا ربانیون سے مراد ہیں عادل منصف بادشاہ و حکام اور احبار سے مراد ہیں علماء یہود چونکہ اصل حاکم حضرات انبیاء کرام ہوتے تھے اور اولیاء اللہ 'علماء' حکام ان کے نائب ہو کر حاکم ہوتے تھے۔ اس لئے پہلے حضرات انبیاء کرام کا ذکر ہوا۔ پھر ان اولیاء و علماء کا **بما استحفظوا من کتب الله** اس عبارت کا تعلق **یحکم** سے ہے ب سببیہ یا وجہ کی ہے **استحفظوا** کا نائب فاعل ربانیین اور احبار ہیں **من** زائدہ ہے۔ **کتاب**

اللہ سے مراد توریت شریف ہے۔ جس کا ذکر ابھی ہوا یعنی یہ مشائخ و علماء و سلاطین و حکام اس لئے توریت سے فیصلے کرتے تھے کہ ان سب کو حضرات انبیاء کرام کی طرف سے کتاب اللہ یعنی توریت کا محافظ بنایا گیا تھا ان میں سے ہر ایک پر یہ فرض تھا کہ توریت کی حفاظت کرے اس کے الفاظ' معانی' احکام میں تبدیلی نہ آنے دے۔ یہ فرق ہے قرآن و توریت میں کہ قرآن کریم کی حفاظت خود رب تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی اور ان کتب کی حفاظت مخلوق کے ذمہ رکھی اس کا اثر یہ ہوا کہ قرآن کریم محفوظ رہا اور وہ کتب بدل گئیں **وکانوا علیہ شھداء** یہ عبارت معطوف ہے۔ **استحفظوا** پر اور **کانوا** کا اسم وہ ہی **ربنیین** اور احبار ہیں **علیہ** کا مرجع **کتاب اللہ** یعنی توریت شریف ہے۔ **شھداء** جمع ہے **شھید** کی بمعنی رقیب و محافظ و ذمہ دار یہاں شہید بمعنی گواہ نہیں۔ اس لئے یہاں علیہ ارشاد ہوا جیسے **ویکون الرسول علیکم شھیدا** (روح المعانی و بیان وغیرہ) یعنی یہ علماء و صالحین توریت شریف کے محافظ و نگران مقرر کئے گئے تھے جانب انبیاء کرام سے **فلا تخشوا الناس واخشون** یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے یعنی جب توریت کی شان یہ ہے تو اس میں خطاب موجودہ علماء یہود کو ہے جو لوگوں کے ڈر اپنی آمدنی کم ہو جانے کے خوف سے احکام توریت لوگوں پر جاری نہیں کرتے تھے انہیں بدلتے تھے یعنی جب اس توریت شریف کی یہ شان ہے تو اے علماء یہود تم لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو۔ توریت کے احکام صحیح صحیح بیان کر دو۔ خوف' خشیت' وقی کے معنی ان میں فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ مخلوق سے خوف چند قسم کے ہیں بعض خوف کفر ہیں۔ بعض خوف حرام بعض خوف مباح بعض خوف عین ایمان ہیں ان مختلف خوفوں کا مختلف آیات میں ذکر ہے کہیں فرمایا کہ مخلوق سے خوف کرو کہیں ہے نہ کرو۔ کہیں ہے کہ اولیاء اللہ کو خوف نہیں کہیں ہے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے خوف ہوا مخلوق کا وہ خوف جو ایمان سے روکے وہ کفر ہے جو فرائض و واجبات سے روکے وہ حرام ہے جیسے ڈیوٹی کے خوف سے نماز نہ پڑھے یہ خوف کہ میرا ایمان دولت ہے کہیں اسے شیطان یا برے ساتھی چھین نہ لیں۔ اس لئے بدمذہبوں کی صحبت ان کے وعظوں ان کی کتابوں سے بچے یہ خوف ایمان بلکہ ایمان کی جان ہے یہاں خوف سے پہلے قسم کا خوف مراد ہے یعنی سرداری اور آمدنی چھن جانے کے خوف سے ایمان نہ لانا اسلام سے دور رہنا۔ **ناس** سے مراد یہود پبلک ہے یا یہودی امراء و حکام وغیرہ **ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا** اس آیت کی تفسیر پہلے کی جا چکی ہے چونکہ علماء یہود دو وجہ سے احکام توریت چھپاتے یا بدلتے تھے۔ لوگوں کا ڈر اپنی آمدنی کی لالچ اس لئے پہلے ڈرنے سے منع فرمایا گیا اب لالچ کرنے سے یعنی میری آیات توریت کے عوض دنیاوی دولت نہ کماؤ۔ دنیا ثمن ہے آخرت اصل دولت تم اصل دولت دے کر ثمن یعنی قیمت خریدتے ہو۔ پھر دنیا کتنی بھی زیادہ ہو قلیل یعنی تھوڑی ہے کہ فانی ہے آخرت کثیر ہے کہ باقی ہے تم کثیر کے عوض قلیل لیتے ہو کیسے بیوقوف ہو **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون** اس عبارت میں ان کی حرکتوں کی سزا کا ذکر ہے من سے مرد عام ہے خواہ یہود و نصاری ہوں یا اور کوئی پھر خواہ علماء ہوں یا حکام و بادشاہ **لم یحکم** سے مراد ہے اللہ کے فرمان کے مطابق فیصلہ نہ کرنا اس کے خلاف کرنا یہ سمجھ کر کہ

فیصلہ ربانی غلط ہے۔ ہمارا یہ فیصلہ درست ہے کیونکہ کفر فساد عقیدہ سے ہوتا ہے جو عالم سلطان اللہ کے فیصلہ کو حق جانتے سچا مانتے ہوئے فیصلہ غلط کرے وہ فاسق ہے گمراہ ہے کافر نہیں ما انزل اللہ سے مراد تمام وحی الٰہیہ ہیں خواہ کسی نبی پر ہوئی ہوں۔ بشرطیکہ منسوخ نہ ہوئی ہوں منسوخ وحی پر فیصلہ نہیں ہو سکتا ہو گا تو غلط ہو گا۔ یہ قیدیں ضروری خیال رہیں کہ ان قیدوں سے تمام اعتراضات اٹھ جاتے ہیں یعنی جو کوئی عالم' حاکم رب کے اتارے ہوئے احکام کے خلاف حکم دیں یا جاری کریں رب کے حکم کو غلط سمجھ کر اپنے حکم کو حق سمجھ کر وہ پکے کافر ہیں یوں ہی جو احکام **الٰہیہ** جاری نہ کریں۔ انہیں چھپا دیں وہ پکے کافر ہیں۔ **لم یحکم** دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

خلاصہ تفسیر پہلے یہ سمجھ لو کہ گزشتہ کتابوں میں ہمارے حضور کا اور قرآن کا اس امت کا حضور کے صحابہ اور اولیاء اللہ کا تذکرہ تھا۔ بشارت دینے اور ان قوموں کو حضور کی اتباع کے لئے تیار رکھنے کے لئے ہمارے قرآن کریم میں ان کتابوں' نبیوں ان کی امتوں اور امتوں کے اولیاء اللہ کے تذکرے ہیں مگر بشارت کے لئے نہیں بلکہ ان کی تصدیق کے لئے اور اس لئے کہ قرآن میں یہ چیزیں مذکور ہو کر تاقیامت ان کے چرچے رہیں۔ مٹ نہ جائیں۔ یہ آیت کریمہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس آیت کریمہ میں توریت شریف کے چھ صفات بیان ہوئے اس کا **منزل من اللہ** ہونا۔ اس میں ہدایت اور نور ہونا اس پر انبیاء' اولیاء' علماء کا عمل ہونا۔ اس کی حفاظت انبیاء اولیاء علماء کے ذمہ ہونا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے یہود تم اس شاندار کتاب یعنی توریت کو عملاً" چھوڑ بیٹھے جس کی شان یہ ہے کہ ہم نے اس میں نور' ہدایت رکھ کر نازل فرمایا اس توریت کے احکام گزشتہ انبیاء کرام رب کے مطیع و فرماں بردار ربانی اولیاء علماء یہود پر جاری فرماتے رہے اس کتاب الٰہی کی حفاظت ان ربانی مشائخ و علماء کے سپرد کی گئی وہ ہی حضرات اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ توریت کے احکام چھپاتے یا بدلتے اور اس کے خلاف احکام دیتے۔ لہذا موجودہ یہودیو تم اپنی آمدنی کم ہو جانے سے نہ ڈرو ان خوفوں سے توریت کے احکام نہ چھپاؤ نہ بدلو مجھ سے ڈرو میری آیات کی عوض دنیا نہ خریدو دنیا خود متاع نہیں متاع تو آخرت ہے یہ تو قیمت ہے جس سے آخرت حاصل کی جاوے اس کے ساتھ ہی تھوڑی بھی ہے کہ اسے فنا ہے فانی چیز کتنی بھی ہو تھوڑی ہے۔ خیال رکھو کہ جو عالم' حاکم یا کوئی اور اللہ کے اتارے ہوئے احکام جاری نہ کرے انہیں چھپائے یا انہیں بدلے وہ مطلقاً کافر ہے تم چند روزہ زندگی کے لئے ایمان چھوڑ کر کافر کیوں ہوتے ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** توریت شریف بہت شاندار کتاب ہے اس میں عقائد احکام سب کچھ ہیں بہت سے انبیاء کرام اس کے مبلغ رہے۔ قرآن مجید کے بعد توریت کی ہی شان ہے۔ اسی کا درجہ ہے۔ پہلی آسمانی کتاب توریت ہے۔ آخری کتاب قرآن مجید ہے اور کسی کتاب کو یہ شرف حاصل نہ ہوا کہ حضرات انبیاء کرام اس کے عامل و مبلغ ہوں۔ یہ توریت شریف کی خصوصی شان ہے۔ **دوسرا فائدہ** ہر نبی پر کتاب الٰہی نہ آئی۔ دیکھو سلسلہ

انبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا مگر پہلی کتاب توریت موسیٰ علیہ السلام پر آئی۔ لہذا موسیٰ علیہ السلام سے پہلے انبیاء کرام صاحب کتاب نبی نہ تھے۔ بعض پر صحیفے اترے تھے نیز حضرات انبیاء کرام قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور آسمانی کتب چار اگر ہر نبی پر نئی کتاب آتی تو کتابیں بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہی آتیں یہ فائدہ **یحکم بہ النبیون** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ توریت یا زبور یا انجیل کے احکام اگر قرآن مجید میں بغیر تردید ذکر فرمائے جاویں۔ تو ہمارے لئے بھی واجب العمل ہیں (تفسیر ابو سعود) یہ فائدہ بھی **یحکم بھا النبیون** سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ کتاب الٰہی کی حفاظت کرنا علماء پر فرض ہے۔ یہ فائدہ بھی **بما استحفظوا** سے حاصل ہوا۔ چنانچہ الفاظ قرآن کی حفاظت کے لئے حفاظ طریقہ تلاوت کی حفاظت کے لئے قراء معانی و احکام قرآن کی حفاظت کے لئے علماء و اسرار و رموز قرآن کی حفاظت کے لئے صوفیاء مقرر فرمائے گئے۔ پانچواں فائدہ اللہ تعالٰی نے گزشتہ آسمانی کتب کی حفاظت اپنے ذمہ کرم پر نہ لی تھی۔ بلکہ بندوں کے سپرد فرمائی تھی۔ اس لئے وہ بگڑ گئیں فنا ہو گئیں قرآن کریم کی حفاظت خود اس کریم نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہے فرمایا **وانا لہ لحافظون** اس لئے قرآن کریم کا ایک نقطہ بھی نہ بدلا یہ فائدہ بھی **بما استحفظوا** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ ربانی مشائخ اور علماء دین اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں بڑے ہی مرتبہ والے ہیں کہ رب تعالٰی نے انہیں ہی حفاظت دین حفاظت کتب الٰہیہ کے لئے منتخب فرمایا جنہوں نے یہ فرض ادا کیا ان کی شان ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے۔ یہ فائدہ بھی **بما استحفظوا** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ جو عالم یا حاکم شرعی احکام کو غلط سمجھے مروجہ قوانین کی تعریفیں کرے یوں ہی جو کہے کہ قرآنی قوانین اس زمانہ کے لئے تھے اب نیا زمانہ ہے نئے قوانین چاہئیں یا کہے کہ چور کے ہاتھ کاٹنا زانی کو رجم کرنا ظلم ہے وہ کافر ہے یہ فائدہ **فاولئک ھم الکفرون** سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ رشوت لے کر حکم شریعت بدلنا غلط فتویٰ دانستہ دینا کفر ہے طریقہ یہود ہے۔ یہ فائدہ **لا تشتروا** الخ سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ دنیا اور سامان دنیا کتنا بھی زیادہ ہو مگر ہے تھوڑا یہ فائدہ **ثمنا قلیلا** سے حاصل ہوا۔ دنیا ثمن ہے اور قلیل ہے۔ دسواں فائدہ رب تعالٰی کے مقابلہ میں مخلوق سے ڈرنا مخلوق کے خوف سے دین بدلنے کی کوشش کرنا حرام ہے۔ طریقہ یہود ہے۔ یہ فائدہ **فلا تخشوا الناس واخشون** سے حاصل ہوا۔ الحمد للہ کہ اسلام میں ایسے علماء ہر زمانہ میں رہے۔ جنہوں نے زیر خنجر بھی تبلیغ اسلام کے لئے جان دے دی مگر احکام شرعیہ کی آن نہ جانے دی۔ گیارہواں فائدہ توریت شریف صرف بنی اسرائیل کے لئے آئی اس کے احکام صرف انہیں لوگوں پر جاری تھے یہ فائدہ **للذین ھادوا** سے حاصل ہوا جیسے موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل اور اہل مصر کے نبی تھے یوں ہی ان کی کتاب صرف بنی اسرائیل کی کتاب تھی۔ ہمارے حضور عالمین کے نبی ہیں ان کی کتاب قرآن مجید عالمین کی کتاب۔ بارہواں فائدہ جس دین میں اولیاء اللہ ہوں وہ ہی حق ہے یہ فائدہ **والربانیون** سے حاصل ہوا توریت کی عظمت کے اظہار کے لئے ربانیین اولیاء اللہ کا عمل مذکور ہوا لہذا مذہب اہل سنت برحق ہے کہ اس میں اولیاء اللہ ہیں کسی اور مذہب میں نہیں مذہب حنفی بہت عظمت والا ہے کہ فی صدی

پچھتر اولیاء اللہ حنفی ہوئے یہ آیت کریمہ ان چیزوں کی اصل ہے۔ **تیرہواں فائدہ** جس ضعیف حدیث پر اولیاء اللہ علماء دین امت رسول اللہ عمل کرلیں وہ حدیث قوی ہو جاتی ہے اس کا درجہ بڑھ جاتا ہے۔ یہ فائدہ **یحکم بھا النبیون** سے حاصل ہوا دیکھو رب تعالیٰ نے توریت شریف کے چھ فضائل میں یہ بھی بیان فرمایا کہ اس پر انبیاء اولیاء علماء فیصلے اور عمل کرتے رہے معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کے عمل سے قرآن و حدیث کی شان بڑھ جاتی ہے۔ قرآن و حدیث سونا ہے۔ عمل مقبولین اس پر سہاگہ یا اس کے موتی و نگینے **چودہواں فائدہ** حدیث ضعیف ولی کے کشف سے قوی ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ بارہ ہزار کلمہ بخشنے سے میت کے عذاب دفع ہونے کی حدیث ایک ولی کے کشف سے قوی مانی گئی (دیکھو ہماری کتاب جاء الحق) یہ فائدہ **یحکم بھا** سے اشارۃً حاصل ہوا کہ حضرات انبیاء و اولیاء علماء توریت پر عمل بذریعہ کشف بھی کرتے تھے۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ توریت شریف میں ہدایت بھی ہے نور بھی پھر قرآن کریم کو ماننے کی کیا ضرورت ہے اور پھر توریت ماننے والے یہود کو کافر کیوں کہا جاتا ہے وہ ہدایت پر بھی ہیں نور پر بھی۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ نزول توریت کے وقت اس میں ہدایت و نور دونوں تھے منسوخ ہونے کے بعد اب ہدایت ناسخ کتاب میں ہے نہ کہ اس میں رات میں تارے ہادی بھی ہوتے ہیں۔ نورانی بھی مگر دن میں نہ ہدایت رہتے ہیں نہ نورانی کیونکہ یہاں **فیھا ھدی** کو توریت کا حال بتایا گیا اور حال ہمیشہ ذوالحال کے عامل کی قید ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ رہتا ہے نہ کہ وقت بیان میں اگر کوئی کہے کہ پرسوں زید سوار ہو کر میرے پاس آیا تو یہ معنی نہیں کہ وہ اب بھی سوار ہے آتے وقت سوار تھا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اگر کوئی صحیح توریت پر بھی عمل کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے تو کافر ہو گا۔ آج اگر موسیٰ علیہ السلام بھی ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے یا یہ مطلب ہے کہ اب توریت کی ان آیات میں ہدایت و نور ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے ان کی اتباع کا حکم ہے کہ وہ آیات منسوخ نہیں ہوئیں۔ عقائد' بشارتیں اور قصے والی آیات منسوخ نہیں ہوا کرتیں۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ گزشتہ انبیاء کرام توریت کے احکام جاری فرماتے تھے ان کے پاس اپنی کتب نہ تھیں۔ انہیں رب تعالیٰ نے آسمانی کتابیں عطا نہ فرمائیں مگر دوسری آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام نبیوں کو آسمانی کتابیں عطا ہوئیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فقد کذب رسل من قبلک جاءوا بالبینت والزبر والکتب المنیر** ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** تمہاری پیش کردہ آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ہر رسول کو نئی کتاب ملی تھی وہ حضرات کتاب والے ہو کر آئے خواہ نئی کتاب والے خواہ پرانی کتاب پر عامل بن کر رب تعالیٰ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد فرماتا ہے **ویعلمھم الکتب والحکمۃ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کو نئی کتاب نہیں سکھاتے سب کو ایک ہی کتاب قرآن مجید سکھاتے ہیں نیز اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ آپ سے پہلے ان

رسولوں کو جھٹلایا گیا تھا، وہ صاحب کتاب تھے یعنی حضرت موسیٰ و داؤد و عیسیٰ علیہم السلام۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توریت پر تین جماعتوں نے عمل کیا۔ انبیاء' اولیاء' علماء لہٰذا چاہیے کہ حضور کے بعد نبی آویں تاکہ قرآن پر بھی یہ تین جماعتیں عمل کریں۔ اگر اب نبوت نہ رہے تو قرآن کا درجہ توریت سے گھٹ جاوے گا کہ توریت پر عمل تین جماعتوں کا اور قرآن پر عمل صرف دو کا یعنی اولیاء علماء کا نبوت اچھی چیز ہے تو چاہیے کہ کبھی ختم نہ ہو اچھی چیز باقی رہنی چاہیے (مرزائی) **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر مرزاجی نبی ہوں تب بھی قرآن کا درجہ توریت سے کم ہی رہے گا کیونکہ توریت پر عمل کرنے والے ہزارہا نبی اور قرآن پر عمل کرنے والے صرف ایک نبی یعنی مرزاجی وہ بھی تیرہ سو برس کے بعد۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قرآن پر ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سارے نبیوں کے عمل سے افضل ہے کیونکہ حضور تمام نبیوں سے افضل ہیں پھر قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام نبیوں کے نمائندے ہو کر سب کی طرف سے قرآن پر عمل کریں گے۔ نیز معراج کی رات سارے نبی اسلامی نماز حضور کے پیچھے پڑھ گئے گویا سب نے قرآنی نماز پڑھی۔ رات میں چاند تارے بجلی گیس چراغ اچھی چیزیں ہیں مگر دن میں یہ سب بیکار ہیں کیونکہ سورج چمک رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام نبوتیں اچھی تھیں اب آفتاب نبوت چمک رہا ہے۔ کسی اور چراغ کی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تاقیامت سب کو کافی ہے **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آیات **الٰہیہ** کو فروخت کرنا ممنوع و حرام ہے تو تعویذ پر اجرت لینا تعلیم قرآن پر تنخواہ لینا حرام ہونا چاہیے حالانکہ ہمارے صوفیاء علماء ان پر اجرت و تنخواہ لیتے ہیں یہ عمل کیوں جائز ہوا۔ **جواب** اس کا تفصیلی جواب پارہ **الم** میں دیا جا چکا ہے اور ابھی تفسیر میں بھی کچھ عرض کر دیا گیا کہ آیات کو فروخت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ روپیہ لے کر آیات کے احکام بدل دیئے جاویں۔ تعویذ ایک قسم کا روحانی علاج ہے علاج کی اجرت لینا جائز ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے ایک سانپ کاٹے ہوئے پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر دی اس پر تیس بکریاں اجرت وصولی کی سب نے بکریاں کھائیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو حضور انور نے اسے جائز فرمایا بلکہ خود بھی اس گوشت کا بقیہ تناول فرمایا۔ قرآن چھاپ کر بیچنا کتابت قرآن کی اجرت لینا سب جائز ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ **ما انزل اللہ** کے مطابق حکم نہ دینا اور کچھ حکم دینا کفر ہے تو موجودہ حکام جو قانون مروجہ پر حکم دیتے ہیں مسلمان نہ رہے مثلاً چوری کی سزا قرآن مجید میں ہاتھ کاٹنا ہے۔ اب حاکم دو سال قید کی سزا دیتا ہے۔ وہ مومن کیسے رہا۔ ہے **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ احکام **الٰہیہ** کو غلط سمجھنا قانون کو حق کو جاننا یا اس قانونی حکم کو حکم شرعی کہنا کفر ہے۔ موجودہ حکام مجبوراً یہ قانونی فیصلے کرتے ہیں ان کا یہ عقیدہ نہیں کہ قرآنی احکام غلط ہیں ہمارے یہ احکام درست ہیں نعوذ باللہ ظاہر ہے کہ کفر بد عقیدگی کا نام ہے عقیدہ بگڑے تو انسان کافر ہو **چھٹا اعتراض** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت فیصلے بہت احکام قرآن کریم کے خلاف جاری فرمائے وہ اس آیت کریمہ کی زد میں کیوں نہیں آتے کہ **ومن**

لم یحکم بما انزل اللہ سب مسلمان ان فیصلوں کو حق مانتے ہیں دیکھو قرآن کریم فرماتا ہے کہ میت کا مال وارثوں کا حق ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری میراث تقسیم نہیں ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ دو گواہ پر فیصلہ ہوا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت خزیمہ کی ایک گواہی کافی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ مرد کو چار بیویاں رکھنا جائز ہے۔ حضور انور نے حضرت علی کو جناب فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرے نکاح سے منع فرمادیا یہ احکام خلاف **ما انزل اللہ** ہیں (بعض موجودہ بے دین)۔ **جواب** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرمان **ما انزل اللہ** ہے رب فرماتا ہے۔ **وما ینطق عن الھوٰی ان ھوا لا وحی یوحی** لہٰذا وہ احکام عالیہ قرآن کے خلاف نہیں قرآن کی تفسیر میں شرح یا اس کی تخصیص ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔ **ساتواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ **ما انزل اللہ** پر حکم دینا چاہیے تو ساری آسمانی کتب **ما انزل اللہ** ہیں ہم جس پر چاہیں حکم دیں۔ اب توریت و انجیل پر حکم کیوں نہیں دیا جاتا۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ **ما انزل اللہ** غیر منسوخ احکام میں جو منسوخ ہو چکے وہ ناقابل عمل ہیں آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے نکاح ہونا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں شراب حلال ہونا دین موسوی میں ناپاک جسم کو کاٹ ڈالنے کے احکام اب قابل عمل نہیں کہ منسوخ شدہ ہیں۔ سورج کی موجودگی میں نہ تاروں سے نور لیا جاتا ہے نہ چراغوں سے۔ **آٹھواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توریت میں ہدایت اور نور تھا تو جو لوگ نزول توریت سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ جیسے فرعونی جادوگر وہ نہ ہدایت پر تھے نہ نور پر تو وہ کافر رہے چاہئیں حالانکہ وہ سب مومن تھے نیز موسیٰ علیہ السلام نے نزول توریت سے پہلے کس چیز کی تبلیغ کی اس وقت آپ کے پاس نہ ہدایت تھی نہ نور تو فرعونیوں کو تبلیغ کس چیز کی فرمائی۔ **جواب** موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہدایت ایمان اور نور نبوت۔ نزول توریت سے پہلے ہی تھا سارے مومن آپ سے یہ ہدایت یہ نور حاصل کرتے تھے ہدایت اعمال اور نور ایمان توریت میں تھا۔ جو توریت کے نزول سے انہیں ملا یہ فرق خیال رکھو ہدایت ایمان نبی سے ملتی ہے۔ ہدایت اعمال کتاب سے یہ فرق بھی عام مومنوں کے لئے ہے ورنہ نبی کو ہدایت اعمال خود اپنے نور سے ملتی ہے۔ ہمارے حضور نزول قرآن سے پہلے نمازی وغیرہ تھے۔

تفسیر صوفیانہ کتاب الٰہی میں ہدایت بھی ہوتی ہے نور بھی ہدایت دماغ کے ذریعہ تمام جسم کو ملتی ہے۔ مگر نور کا مقام مومن کا دل ہے کتاب کا نور دل میں ہی پہنچتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ توریت میں ہدایت بھی ہے نور بھی ہدایت راہ دکھاتا ہے نور راہ منور کر کے چمکا کر اس پر چلاتا ہے مگر یہ ہدایت اور نور دماغ و دل میں جب پہنچتے ہیں جبکہ نبی کا دست کرم وہاں پہنچائے ورنہ گدھے پر دفتر رکھ دو بیکار ہے کہ وہاں جسم پر کتابیں پہنچیں دل و دماغ تک نہ پہنچیں اس لئے ارشاد ہوا۔ **یحکم بھا النبیون** الخ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نبی مسلم ہیں مگر جیسی ہستی ویسی اطاعت وہ حضرات سراپا اطاعت **الھیہ** ہیں لہٰذا سراپا ہدایت ہیں بڑے خزانہ کی حفاظت کے لئے بڑا مضبوط قفل درکار ہے چونکہ وہ کتب **الھیہ** قیمتی خزانہ تھیں۔ اس لئے

ان کی حفاظت کے لئے حضرات انبیاء و مشائخ و علماء مقرر فرمائے گئے۔ رب نے فرمایا **بما استحفظوا** صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس دنیا میں سے دین نکل جاوے وہ اس مردار کی طرح ہے۔ جس میں جان نکل جاوے وہ اگرچہ کتنا ہی موٹا تازہ ہو اس کی قیمت کچھ نہیں نہ تو اس کی قیمت ہے نہ وہ کسی کی قیمت۔ مولانا فرماتے ہیں۔

☆ ایں جہاں جیفہ است مردار و رخیص ☆

☆ برچنیں مردار چوں باشم حریص ☆

☆ پس حیات ما است موقوف خطام ☆

☆ اندک اندک خند کن تم الکلام ☆

اور جو دنیا دین کے ساتھ ہے وہ قیمتی بھی ہے اور آخرت کی قیمت بھی مگر آخرت کو دنیا کے عوض نہ بیچو بلکہ دنیا کے ذریعہ آخرت خریدو جو کوئی اپنے متعلق **ما انزل اللہ** کے خلاف کرے۔ حکم الٰہی کو چھوڑ کر نفس کے حکم پر چلے وہ ہماری اصطلاح میں کافر ہے۔ رب سے غفلت کفر ہے۔ بیداری ایمان۔ **شعر:۔**

☆ اہل دنیا کافران مطلق اند ☆ روز و شب و رزق زق دور بک بک اند ☆

☆ چیست دنیا از خدا غافل بدن ☆ نے قماش و روزی و فرزند و زن ☆

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ

اور لکھا ہم نے اوپر ان کے اس توریت میں کہ بے شک جان بدلہ جان کے ہے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک

اور ہم نے توریت میں ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلہ جان اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور ناک

بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ

عوض ناک کے اور کان بدلہ کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور سارے زخم بدلہ والے ہیں

کے بدلہ ناک اور کان کے بدلہ کان اور دانت کے بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ

پس جو کوئی صدقہ کرے ساتھ اس کے بس وہ کفارہ ہے واسطے اس کے اور جو نہ حکم کرے ساتھ اس کے جو اتارا

پھر جو دل کی خوشی سے بدلہ کرادے تو وہ اس کا گناہ اتار دے گا اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اللہ نے بس وہ لوگ ہی ظالم ہیں

تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے توریت شریف میں ہدایت بھی نازل فرمائی تھی اور نور بھی اب اس ہدایت و نور کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے یعنی شرعی احکام متعلقہ معاملات گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل و تشریح ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ احکام توریت پر گزشتہ انبیاء کرام بھی عامل رہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ بلکہ اس کے بعض احکام پر **حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم** کا بھی عمل ہے یعنی جان و اعضاء و زخم کے قصاص توریت میں بھی تھے۔ اسلام میں بھی ہیں گویا پچھلی آیت کریمہ میں عمل انبیاء سے ان احکام کی اہمیت دکھائی گئی تھی۔ اس آیت کریمہ میں عمل سید الانبیاء سے اہمیت ظاہر کی گئی۔ کلام کی اہمیت متکلم کی شان سے ہوتی ہے اور کام کا درجہ کام والے کے مرتبہ سے معلوم ہوتا ہے چونکہ حضور بڑے شان والے نبی ہیں۔ اس لئے اس عمل کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اب حضور کا عمل دکھایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ یہود کے پوپ پادریوں نے آیات توریت کو فروخت کر دیا تھوڑی قیمت کے عوض کہ فرمایا گیا تھا۔ **لا تشتروا بایاتی** الخ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو قصاص کے احکام توریت میں موجود تھے اور موجود ہیں مگر ان پوپ و پادریوں نے انہیں عملاً فنا کر دیا کہ اس پر عمل بالکل چھوڑ دیا گویا پچھلی آیت میں ان کے آیات الہیہ بیچنے کا ذکر تھا۔ اب اس حرکت کا مشاہدہ کرایا جا رہا ہے۔ جس سے پڑھنے سننے والے کو حق الیقین حاصل ہو جاوے۔

شان نزول سیدنا عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہود میں رواج ہو گیا تھا کہ اگر عورت کو مرد قتل کر دے تو قاتل کو قتل نہ کرتے تھے ان کے اس عمل بد کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ توریت میں تو جان کا بدلہ جان قرار دیا گیا تھا۔ یہ مرد و عورت کا فرق ان یہود کی تحریف ہے (تفسیر مدارک) بلکہ انہوں نے ادنیٰ اعلیٰ شریف و رذیل قوموں کے خون میں بھی یہ ہی اندھیر کر رکھا تھا حتی کہ بنی نضیر کو اعلیٰ مانتے تھے۔ بنی قریظہ کو ادنیٰ اگر کوئی نضیری کسی قرظی کو قتل کر دیتا تو قاتل کو ہرگز قتل نہ کرتے تھے بلکہ اس کی دیت بھی آدھی دلواتے تھے۔ دیکھو تفسیر خازن، کبیر، روح البیان)

تفسیر وکتبنا علیھم فیھا۔ کتبنا بنا ہے **کتب** سے یا **کتابت** سے جس کے لغوی معنی ہیں لکھنا اور اصطلاح میں معنی ہوتے ہیں فرض کرنا لازم کرنا کیونکہ لکھ کر دیا ہوا حکم زبانی حکم سے زیادہ اہم مانا جاتا ہے۔ یہاں اگر اصطلاحی معنی میں ہے تب تو اس کے معنی ظاہر ہیں کہ فرض فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اگر لغوی معنی میں ہے یعنی بمعنی لکھنا تو اگرچہ تختیوں میں توریت لکھنے والے فرشتے تھے مگر چونکہ وہ تحریر اللہ تعالیٰ کے حکم اس کے فرمان سے تھی لہٰذا حقیقتاً فاعل رب تعالیٰ ہی تھا یا چونکہ اللہ کے مقبول بندوں کا کام گویا رب تعالیٰ کا ہی کام ہے **لہٰذا کتبنا** ارشاد ہوا۔ جب بندے کو رب تعالیٰ سے قرب بہت ہوتا ہے تو بندہ کا کام رب تعالیٰ کا کام ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کا کام بندہ کا کام بن جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو رب کی بیعت قرار دیا گیا **انما یبایعون اللہ** اور حضرت

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہ حکم پروردگار میں مردے زندہ کرتا ہوں میں بیماروں کو شفا دیتا ہوں۔ اسی قاعدے سے یہاں ارشاد ہوا کہ **کتبنا علیہم۔ علیہم** کی ضمیر یہود کی طرف راجع ہے۔ جن پر توریت کے احکام ماننا فرض تھا۔ **فیہا** کا مرجع توریت شریف ہے۔ **ان النفس بالنفس** یہ پورا جملہ **کتبنا** کا مفعول بہ ہے۔ قرآن مجید میں **نفس** کئی معنی میں ارشاد ہوا ہے۔ ذات **لا اعلم ما فی نفسک** جیسے **من قتل نفسا بغیر نفس** دل جیسے **فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ** نفس امارہ نفس مطمئنہ نفس لوامہ یہاں بمعنی جان ہے۔ بمعنی ذات تو مذکر ہے اور بمعنی جان و روح ہو تو مونث اس کی ھ تصغیر بہر حال نفیسہ آتی ہے (روح المعانی) یہاں دونوں معنی کا احتمال ہے **بالنفس** سے پہلے مقتولہ یا مقتول پوشیدہ ہے اور نفس سے مراد مطلق نفس و ذات انسانی ہے مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام بالغ ہو یا نابالغ مومن ہو یا کافر البتہ اگر مومن کسی کافر حربی کو مار دے تو قصاص نہیں جہاد میں کفار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے ہی جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ عبارت مجمل ہے اس کی تفصیل حدیث شریف نے کی' جان کا قصاص جب لیا جاتا ہے۔ جبکہ چار شرطیں پائی جاویں انسانی جان کو قتل کرے ناحق قتل کرے ظلماً" قتل کرے۔ عمداً" قتل کرے۔ لہٰذا بھیڑ بکری وغیرہ جانوروں یوں ہی جنات کے قتل میں قصاص نہیں کہ یہ انسانی جان نہیں اور کافر حربی یا ڈاکو کے قتل میں قصاص نہیں کہ یہ قتل ناحق نہیں حملہ آور یا چور کو مار دینے میں قصاص نہیں کہ یہ قتل ظلماً" نہیں بلکہ دفع ظلم کے لئے ہے۔ خطاء یا شبہ سے قتل کرنے میں قصاص نہیں کہ یہ قتل عمداً" نہیں۔ بہر حال قرآن کی کسی آیت پر بغیر حدیث شریف کی مدد کے عمل ناممکن ہے **النفوس نفس بالنفس** دونوں کو واحد فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایک جان کے عوض ایک جان یعنی صرف قاتل ہی کو قتل کیا جاوے گا۔ بنی نضیر بنی قریظہ سے اپنے مقتول کا بدلہ ڈبل لیتے تھے کہ اپنے ایک مقتول کے عوض ان کے دو کو قتل کرتے تھے۔ اس فرمان عالی میں ان کے اس عمل کی تردید ہے (تفسیر احمدی) نیز اگر ایک شخص چند آدمیوں کو مار دے تو ان سب مقتولوں کے عوض صرف اس ایک قاتل ہی کو قتل کیا جاوے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے عوض قتل ہی کیا جاوے گا۔ خواہ وہ کسی طرح مقتول کو مارے نوعیت قتل میں برابری شرط نہیں یہاں تک تو جان کے قصاص کا ذکر ہوا **والعین بالعین** یہ اعضاء کے قصاص کا ذکر ہے چار اعضاء کے قصاص کا ذکر ہو رہا ہے پہلا عضو آنکھ ہے اگر کوئی ظالم کسی کی آنکھ پر ایسی چوٹ مارے کہ آنکھ تو قائم رہے مگر اس کی روشنی جاتی رہے تو اس ظالم کی آنکھ کی روشنی زائل کر دی جاوے گی کہ اس کی آنکھ پر بھیگی روئی رکھ کر اس پر گرم شیشہ پھیر دیا جاوے گا حضرات صحابہ کرام نے یہ ہی عمل کیا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے لیکن اگر ظالم نے آنکھ نکال ڈالی چاقو وغیرہ سے تو ابھی اس سے قصاص نہ لیا جاوے گا اسے قید رکھا جاوے گا اگر مظلوم اس صدمہ سے مر جاوے تو اس سے جان کا قصاص لیا جاوے گا اگر مرا نہیں تو اس کی آنکھ نہ نکالی جاوے گی بلکہ دیت دلوائی جاوے گی کیونکہ آنکھ نکالنے میں برابری ناممکن ہے۔ ممکن ہے کہ مظلوم تو اچھا ہو گیا اور ظالم آنکھ نکالنے سے مر جاوے (تفسیر احمدی وغیرہ) **والانف بالانف** یہ دوسرے عضو کے قصاص کا ذکر ہے کہ جو کوئی ظلماً" عمداً" کسی کی

ناک کاٹ دے، تو اس کی ناک کاٹ دی جاوے مگر خیال رہے کہ اگر بانسہ کاٹا ہے تو اس کا بھی بانسہ کاٹا جاوے گا۔ لیکن اگر جڑ سے کاٹ دی ہے تو قصاص نہیں کہ اس میں برابری ناممکن ہے بلکہ اب دیت واجب ہوگی (تفسیر احمدی) **والاذن بالاذن** یہ تیسرے عضو کے قصاص کا ذکر ہے یعنی کان کا کان کے کاٹنے میں بہر صورت قصاص ہے خواہ آدھا کاٹے یا پورا کہ اس میں مساوات ممکن ہے **والسن بالسن** یہ چوتھے عضو کے قصاص کا حکم ہے۔ اگر کسی نے کسی کا دانت اکھیڑ دیا تو اس کا دانت اکھیڑا جاوے گا۔ اگر چوٹ مار کر بیکار کر دیا تو اس کا دانت بھی بیکار کر دیا جاوے گا اس میں بھی بہر حال قصاص واجب ہے کہ مساوات ممکن ہے۔ خیال رہے یہاں پانچوں جگہ ب جارہ ہے **بالنفس' بالعین' بالاذن' بالسن** ان سب جگہ اس کا متعلق ایسا پوشیدہ مانا جاوے گا۔ جو وہاں کے مناسب ہو۔ لہٰذا کہا جاوے گا۔ **النفس یقتل بالنفس** اور **العین یفقا بالعین** اور **الانف یقطع بالانف** اور یوں ہی **الاذن یقطع بالاذن** اور **السن تقع بالسن۔ والجروح قصاص** یہ عام قاعدہ کلیہ ہے **الجروح** معطوف ہے **النفس** پر اور ان کا اسم ہے قصاص بنا ہے۔ **قص** سے بمعنی برابری اس لئے الٹے پاؤں واپس ہونے کو قص کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فارتدا علی آثارھما قصصا** یعنی تمام زخموں کا بدلہ ہے اس کی برابر اس میں اشارۃً ارشاد ہے کہ جن زخموں میں برابر ہو سکے ان ہی میں قصاص ہے۔ جن میں برابری نہ ہو سکے ان میں قصاص نہیں لہٰذا دانتوں کے سواء کسی ہڈی کے توڑ دینے کا قصاص نہیں یوں ہی پیٹ یا سر میں آر پار ہو جانے والے زخم میں قصاص نہیں کہ ان میں برابری نہیں ہو سکتی (تفسیر احمدی) **فمن تصدق به فھو کفارۃ له** یہ دوسری صورت کا بیان ہے یعنی مجرم کو معاف کر دینے کا اس جملہ میں دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **من** سے مراد مقتول کے وارث ہیں یا خود مقطوع مظلوم جس کے اعضاء مذکورہ کاٹے گئے ہوں۔ **تصدق** سے مراد ہے رضاء الٰہی کے لئے قصاص معاف کر دینا چونکہ اس معافی کا بھی ثواب ملتا ہے۔ اس لئے اسے تصدق یعنی خیرات و صدقہ فرمایا **به** کا مرجع وہ ہی مذکورہ قصاص ہے۔ **فھو** میں **ھو** کا مرجع صدقہ یعنی معاف کر دینا ہے۔ **کفارہ** کے معنی ہیں گناہ مٹانے معاف کرانے کا ذریعہ **له** کا مرجع وہی معاف کرنے والا یعنی مظلوم ظالم سے قصاص معاف کر دے تو یہ معافی اس معاف کرنے والے کے گناہوں کا کفارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کے گناہ معاف فرما دے گا جیسا کہ احادیث شریفہ میں ہے دوسرے یہ کہ جو مظلوم ظالم کا قصاص معاف کر دے تو یہ معافی اس ظالم کے اس جرم کا کفارہ ہے کہ اس سے اس ظالم کا یہ گناہ معاف ہو جاوے گا کیونکہ حق العباد صاحب حق کے معاف کر دینے سے معاف ہو جاتا ہے۔ **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمون** اس جملہ میں قصاص جاری نہ کرنے والوں یا اس کے خلاف حکم دینے والوں کی سزا کا ذکر ہے **من** سے مراد وہ حکام یا علماء ہیں جو ان احکام قصاص کو غلط سمجھیں اور مروجہ قوانین کو درست سمجھ کر انہیں جاری کریں یعنی جو **ما انزل اللہ** کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ ظالم ہے کافر ہے یہاں ظلم بمعنی کفر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **والکافرون ھم الظالمون** اور فرماتا ہے **ان الشرک لظلم عظیم۔**

خلاصہ تفسیر توریت وغیرہ آسمانی کتابوں میں عبادات' معاملات' سیاسیات تمام چیزوں کے احکام تھے۔ مگر سیاسیات بہت اہم تھے کہ ان سے عالم کا نظام ملک کا انتظام قائم ہے اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ یہود نے توریت کے سیاسی احکام بھی بدل ڈالے تو معاملات و عبادات کا کیا پوچھنا چنانچہ فرمایا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ان اسرائیلیوں پر توریت میں یہ لازم فرمایا تھا کہ ایک جان کے عوض ایک جان کو قتل کرو یعنی ظالم قاتل کو اور آنکھ کے عوض آنکھ پھوڑو ناک کے عوض ناک کاٹو۔ کان کے عوض کان کاٹو اور دانت کے عوض دانت نکالو ان کے علاوہ تمام قابل قصاص زخموں کا قصاص ہے مگر چونکہ یہ حق العبد ہے۔ اس لئے قانون یہ ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء یا مقطوع خود اپنے ظالم کو قصاص معاف کردیں تو یہ معافی قاتل و قاطع کا کفارہ بن جاوے گی کہ اس معافی سے نہ اس ظالم پر قصاص رہے گا نہ گناہ حکم توریت تو یہ تھا۔ ان اسرائیلیوں نے اس قصاص میں ایسی گڑ بڑ کی کہ معاذ اللہ عورت و مرد کے درمیان قصاص ختم کردیا۔ ایک شریف مقتول کے عوض دو دو آدمی مارنے لگے اور غریب ذلیل مقتول کا قصاص ہی اڑا دیا جیسے ان لوگوں نے رجم وغیرہ سزاؤں میں بہت ترمیم و تبدیلی کردی اس سے بڑھ کر قصاص کے احکام میں ہیر پھیر کر ڈالا جو حاکم جو پوپ پادری جو شخص بھی اللہ کے اتارے ہوئے احکام نافذ نہ کرے اسے غلط سمجھے وہ پکا ظالم و کافر ہے۔ خواہ حاکم ہو یا شیخ یا عالم یا پوپ و پادری یا نبی زادہ غرضیکہ کوئی ہو وہ اس انکار سے کافر ہو گا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** گزشتہ کتابوں کے جو احکام قرآن پاک میں بغیر تردید اور بغیر اظہار ناراضگی نقل ہوں وہ ہمارے لئے بھی قابل عمل ہیں یہ فائدہ **وکتبنا فیھا** الخ سے حاصل ہوا دیکھو جان اور اعضاء کے قصاص کے احکام توریت شریف میں تھے جو اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے نقل فرمائے اس آیت کی بنا پر ہمارے اسلام میں بھی قصاص کے یہ ہی احکام ہیں۔ **دوسرا فائدہ** شریعت میں جان کا بدلہ جان ہے۔ قاتل جان بھی مطلق ہے اور مقتول جان بھی مطلق لہٰذا عورت مرد کو قتل کرے یا بالعکس یوں ہی مسلمان ذمی کافر کو قتل کرے یا بالعکس بہرحال قصاص واجب ہے۔ یہ فائدہ **ان النفس بالنفس** میں دونوں جگہ نفس کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** جان کے قصاص میں قاتل کو صرف قتل کیا جاوے گا نوعیت قتل میں یکساں ہونا ضروری نہیں لہٰذا اگر کوئی کسی کو سر کچل کر مار دے یا چھوٹی بچی سے زنا کر کے مار دے کہ وہ زنا کی تاب نہ لائے اور مر جاوے یا کسی کو پانی میں غرق کر کے یا کسی اور ذریعہ سے مار دے۔ بہرحال قاتل کو تلوار سے ہی قتل کیا جاوے گا یہ نہ ہو گا کہ جس طرح اس نے مارا ہے اسی طرح اسے مارا جاوے یہ فائدہ بھی **النفس بالنفس** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** ہر قتل میں قصاص نہیں۔ جب تک قتل میں چند شرطیں نہ ہوں قتل ناحق ہو۔ بطور ظلم ہو' عمداً ہو' لہٰذا اگر حق پر قتل کیا تو قصاص نہیں کافر حربی کو مار دیا مرتد' ڈاکو' زانی کو حاکم کے فیصلہ سے قتل کیا یہ قتل برحق ہیں اس کا قصاص نہیں۔ اپنی جان موذی حملہ آور آدمی سے بچانے کے

لئے اسے مار دیا اس میں قصاص نہیں کہ یہ قتل ظلماً" نہیں۔ قتل باشبہ میں قصاص نہیں کہ یہ قتل عمداً" نہیں یہ فائدہ **النفس بالنفس** کے مجمل ہونے سے حاصل ہوا اس کی تفصیل حدیث شریف نے کی۔ خیال رہے کہ آیت کریمہ بعض اعتبار سے مطلق ہے۔ بعض اعتبار سے مجمل۔ پانچواں فائدہ اگر ایک قاتل چند شخصوں کو قتل کر دے تو قصاص میں صرف اس کو قتل کیا جاوے گا اور اگر چند آدمی مل کر ایک شخص کو قتل کر دیں تو اس ایک قتل کے قصاص میں ان سب کو قتل کیا جاوے گا یہ فائدہ بھی **النفس بالنفس** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ جان کی طرح اعضاء کا بھی قصاص ہے یہ فائدہ **والعین بالعین** الخ سے حاصل ہوا مگر اس قصاص میں بھی وہ ہی تین شرطیں ہیں جو قصاص جان میں تھیں یعنی ناحق ہو۔ ظلماً" ہو عمداً" ہو۔ ساتواں فائدہ جن زخموں میں برابری کی سزا نہ ہو سکے ان میں قصاص نہیں جیسے جڑ سے ناک کاٹ دینا یا دماغ یا پیٹ تک پہنچ جانے والا زخم لگا دینا یہ فائدہ **والجروح قصاص** سے حاصل ہوا۔ قصاص میں برابری شرط ہے۔

مسئلہ اگر کوئی کسی کو بلا قصور طمانچہ مار دے گھونسہ تھپی مار دے اس میں بھی قصاص ہے۔ مسئلہ اگر باپ اپنے بیٹے کو یا مولیٰ اپنے مملوک غلام کو۔ نبی امتی کو قتل کر دے تو قصاص نہیں (کتب فقہ) دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو گھونسہ مار کر ہلاک کر دیا مگر ان پر قصاص واجب نہیں ہوا۔ یوں ہی اگر استاد اپنے شاگرد کو غلط فہمی سے طمانچہ تھپی مار دے مگر شاگرد بے قصور ہو تو بھی استاد پر قصاص واجب نہیں یہ بے قصور شاگرد استاد کو طمانچہ یا گھونسہ نہیں مار سکتا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے ایک غلط فہمی کی بنا پر حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچا۔ حالانکہ وہ بے قصور تھے تو موسیٰ علیہ السلام پر قصاص واجب نہیں ہوا۔ یہ ہی حکم خاوند اور بیوی کا ہے کہ اگر خاوند غلط فہمی سے اپنی بیوی کو طمانچہ تھپی لگا دے تو بیوی قصاص میں خاوند کو نہیں مار سکتی۔ آٹھواں فائدہ قصاص حق العبد ہے کہ مظلوم یا مقتول کے وارث ظالم یا قاتل کو معاف کر دیں تو معاف ہو جاوے گا یہ فائدہ **فمن تصدق** الخ کے **من** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ اگر مقتول کے وارثوں میں سے ایک وارث بھی قصاص معاف کر دے یا دیت سے راضی ہو جاوے اور باقی وارثین قصاص لینا چاہیں تب بھی قصاص ختم ہو جاوے گا یہ فائدہ بھی **فمن تصدق** الخ سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ قصاص معاف کر دینے والے کو بہت بڑا ملتا ہے یہ فائدہ **تصدق** اور **کفارۃ** سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ جو حاکم قصاص جاری نہ کرے یا جو عالم قصاص کے خلاف فتویٰ دے حکم قصاص کو غلط سمجھتے ہوئے تو وہ حاکم و عالم کافر ہے یہ فائدہ **ھم الظلمون** سے حاصل ہوا۔ بارہواں فائدہ قصاص حاکم کے فیصلہ سے لیا جا سکتا ہے ہر شخص قصاص نہیں لے سکتا یہ فائدہ اشارۃ **ومن لم یحکم** الخ سے حاصل ہوا۔ تمام شرعی سزاؤں کا یہ ہی حال ہے بغیر فیصلہ حاکم چور کے ہاتھ نہیں کٹ سکتے زانی کو سنگسار نہیں کیا جا سکتا۔ مرتد اور قاتل کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔

پہلا اعتراض اگر گزشتہ شریعتوں کے احکام جو قرآن مجید میں آجاویں ان پر عمل کرنا ہم کو بھی ضروری ہو تو چاہیے کہ ہم پر حلال جانوروں کی چربی حرام ہو کیونکہ رب تعالٰی نے قرآن کریم میں یہود کے متعلق فرمایا **حرمنا علیھم شحو مھما** جب ہم پر وہ چربی حرام نہ ہوئی تو قصاص کیوں واجب ہوگا یہ قصاص بھی تو حکم توریت ہے۔ **جواب** چربی کی حرمت والی آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ حکم ان بنی اسرائیل کو بطور سزا دیا گیا تھا کہ فرمایا **فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم** الخ تو اس امت مرحومہ پر وہ عذاب کے احکام جاری نہیں ہوسکتے۔ قصاص کے متعلق یہ نہیں فرمایا گیا لہٰذا یہ حکم ہمارے لئے واجب العمل ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت کریمہ میں مطلقًا فرمایا گیا کہ نفس کے بدلہ نفس ہے پھر تم نے ظلم، عمد، ناحق کی قیدیں کہاں سے لگائیں ہر قتل میں قصاص ہونا چاہیے۔ **جواب** یہ آیت کریمہ ان امور میں مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اسے احادیث شریفہ میں واضح فرمایا ورنہ پھر تو چاہیے کہ گائے بکری ذبح کرنے والے پر اور مجاہد غازی پر جو جنگ میں کفار کو ماریں قصاص واجب ہو جاوے کہ جانور اور کفار سب ہی نفس ہیں۔ **تیسرا اعتراض** حدیث شریف میں ہے کہ مومن کو کافر کے عوض قتل نہ کیا جاوے تم نے یہ کیوں کہا کہ مسلمان قاتل کو کافر مقتول کے عوض قتل کیا جاوے گا (حضرات شافعی) **جواب** آپ کی پیش کردہ حدیث میں کافر سے مراد کافر حربی ہے رہے کافر ذمی یا مستامن ان کے مسلم قاتل کو ضرور قتل کیا جاوے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ہے **دماءھم کدمائنا واموالھم کاموالنا** ان کے خون ان کے مال ہمارے مسلمانوں کے خون و مال کی طرح ہیں اسی لئے اگر کوئی مسلمان ذمی کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ کٹے گا۔ حربی کافر کا مال چھپ کر چھین کرلے اسے کوئی سزا نہیں۔ بلکہ انعام ملتا ہے دن رات سرحدوں بارڈروں پر یہ وارادت ہوتی رہتی ہیں۔ **چوتھا اعتراض** تم نے کہا کہ نبی امتی کو قتل کردے یا ماردے تو قصاص نہیں مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار اپنے کو صحابی کے سامنے قصاص کے لئے پیش کردیا۔ جب کہ حضور انور نے انہیں چھڑی لگائی تھی۔ **جواب** حضور انور کا یہ عمل شریف تعلیم امت کے لئے تھا۔ حضور پر واجب نہ تھا جیسے کہ بیویوں میں عدل و انصاف باری مقرر فرمانا قرعہ ڈال کر بیویوں کو سفر میں ساتھ لے جانا کچھ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہ تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمل فرماتے تھے۔ کیوں ہماری تعلیم کے لئے۔ **پانچواں اعتراض** تم نے کہا کہ قصاص میں صرف قتل ہے نوعیت قتل میں برابری ضروری نہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر کچل کر ماردیا تو حضور انور نے اس کا سر ہی کچلا تلوار سے قتل نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جیسے قاتل قتل کرے گا ویسے ہی اسے بھی قتل کیا جاوے گا (شافعی) **جواب** وہ حدیث منسوخ ہے جیسے کہ حضور نے عرینہ والوں کی آنکھیں پھوڑیں ہاتھ پاؤں کاٹے اور انہیں حرہ میدان میں چھوڑ دیا کہ وہ کئی دن میں تڑپ کر مرے۔ پھر مثلہ کی حرمت سے یہ عمل منسوخ ہوگیا۔ ایسے ہی یہ عمل شریف منسوخ ہے ورنہ جو کسی لڑکی کو زنا سے ماردے۔ وہاں برابری کیسے ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ جسمانی قصاص کی بہت شرطیں ہیں اور وہ کبھی کبھی کسی پر جاری کیا جاتا ہے مگر نفسانی قصاص ہر شخص ہمیشہ خود ہی لیتا رہے اگر نفس دل کو قتل کردے کہ اسے غفلت کی تلوار سے ذبح کردے تو اس کا قصاص نفس سے یوں لو کہ اسے مجاہدہ کی تلوار سے ذبح کرو اگر نفس کبھی انسان سے گناہ کرا کر اسے ناقص کردے تو اس کے قصاص میں بہت سی نیکیاں کرلو اگر فرض قضا کرادے تو اس قدر نفل لو اکرو کہ آئندہ اسے ایسے جرم کی ہمت ہی نہ پڑے غفلت دل کا قتل ہے اور گناہ کرادینا گویا دل کے اعضاء کاٹ کر اسے ناقص کر دینا ہے۔ ان کے قصاص مختلف ہیں اگر خود صاحب شریعت جو تمام مسلمانوں کے ولی وارث ہیں نفس کو کسی جرم کی معافی دے دیں تو ان کی یہ معافی نفس کے جرم کا کفارہ ہے جو شخص ان واردات پر عمل نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل پر نازل فرمائے کہ اسے ظلمت سے نور کی طرف شک سے یقین کی طرف مخالفت سے متابعت کی طرف جھوٹ سے سچ کی طرف۔ شرک سے توحید کی طرف۔ ظلم سے عدل کی طرف۔ گناہ سے اطاعت کی طرف نہ نکالے تو وہ کافر ہے ظالم ہے فاسق ہے کافر ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا ناشکرا ہے ظالم ہے کہ علم کے مطابق عمل نہیں کرتا فاسق ہے کہ اللہ کی مراد پر اپنی مراد کو ترجیح دیتا ہے۔ ایسا بندہ حجاب میں رہے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس اور دل دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں کہ نفس مرکز شیطان ہے دل تجلی گاہ رحمٰن نفس اندھیرا ہے۔ دل روشنی۔ عقل ان دونوں کے درمیان ہے اگر عقل نفس کے ساتھ ہو کر دل کو دبائے تو عقل شیطانی ہے اور دل کے ساتھ ہو کر نفس کو سزا دے اس سے دل کا قصاص لے تو عقل رحمانی ہوتی ہے **شعر:۔**

☆ عقل زیر حکم دل رحمانی است ☆ چوں زدل آزار شد شیطانی است! ☆

شیطانی عقل دل کی پاسبانی نہیں کرتی بلکہ رہزنی کرتی ہے دل کو عقل کی ضرورت ہے مگر جب اس دل میں عشق الٰہی کی جلوہ گری ہو جاوے تو عقل کی نہیں چلتی۔ **شعر:۔**

☆ بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل ☆
☆ لیکن کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے ☆

یہ قصاص نفس وغیرہ اس وقت تک ہے۔ جب تک کہ نفس زندہ ہے مگر جب عشق کی سینہ میں جلوہ گری ہو گئی تو نفس میں جرم کرنے کی ہمت ہی نہ رہی وہ تو مردہ بدست زندہ ہو گیا۔ پھر نہ نفس جرم کرے نہ قصاص کی ضرورت پڑے، عشق وہ آگ ہے جو ماسواء محبوب کو جلا کر فنا کر دیتی ہے۔ **شعر:۔**

☆ عشق آمد عقل خود آوارہ شد ☆ شمس آمد شمع خود بیچارہ شد ☆

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
اور پیچھے بھیجا ہم نے ان کے نشانات قدم کے عیسیٰ بیٹے مریم کو سچا کرنے والا اس کو جو ان کے سامنے ہے
اور ہم نے ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشان قدم پر عیسیٰ ابن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو

مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا

توریت اور دی ہم نے ان کو انجیل جس میں ہے ہدایت اور روشنی اور سچا کرنے والی اس کو

اس سے پہلے تھی اور ہم نے اسے انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تصدیق فرماتی ہے

بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَؕ(۴۶)

جو انکے سامنے ہے توریت اور ہدایت اور نصیحت واسطے پرہیزگاروں کے

توریت کی کہ اس سے پہلے تھی اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کو اور

وَ لْیَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهِؕ وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ

اور چاہیے کہ انجیل والے فیصلہ کریں اس پر جو اتارا اللہ نے اس میں اور جو نہ فیصلہ کرے

اور چاہیے کہ انجیل والے حکم کریں اس پر جو اللہ نے اس میں اتارا اور جو اللہ

بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ(۴۷)

اس پر جو اتارا اللہ نے پس یہ ہی لوگ وہ بےحکم ہیں ۔

کے اتارے پر حکم نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں ۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات کریمہ میں یہود کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ توریت شریف کے احکام قصاص و رجم وغیرہ جاری کریں۔ اب عیسائیوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی کتاب انجیل شریف پر عمل کر کے قصاص و رجم جاری کریں یا انجیل کا یہ حکم مانیں کہ نبی آخر الزمان حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں چونکہ یہودی عیسائیوں سے پہلے ہیں اس لئے یہود کو پہلے خطاب فرمایا گیا عیسائیوں کو بعد میں۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں توریت شریف کی عظمتوں کا ذکر فرمایا گیا کہ اس پر حضرات انبیاء کرام عمل کرتے رہے اس میں نور وہدایت ہے اب اور طرح اس توریت شریف کی عظمت کا اظہار ہے کہ جناب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام جیسی شاندار ہستی نے توریت کی تصدیق فرمائی۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں قصاص نفس اور قصاص اعضاء کا حکم دیا گیا اور فرمایا گیا کہ یہ حکم توریت ہے۔ اب اس قصاص کی اہمیت بیان فرمائی جا رہی ہے کہ یہ حکم جناب عیسیٰ ابن مریم صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ کا تصدیق فرمودہ ہے اس پر عمل نہایت ہی ضروری ہے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں قرآن مجید کی عظمت یوں بیان کی گئی کہ وہ توریت کے بعض احکام کو دنیا میں شائع فرمانے والا ہے جیسے حکم قصاص یا حکم رجم وغیرہ اب اسی قرآن مجید کی عظمت دوسری طرح بیان ہو رہی ہے کہ یہ ہی قرآن مجید انجیل اور اس کے بعض احکام کی دنیا میں شہرت و بقا کا ذریعہ ہے انجیل والوں کو چاہیے کہ قرآن مجید سے دشمنی نہ کریں اس کا احسان مانیں کہ قرآن مجید نے ان کی کتاب کا نام کر دیا۔

تفسیر وقفینا علی اثارهم بعیسی ابن مریم یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ یا یہ عبارت معطوف ہے **والتورة** پر اور واؤ عاطفہ ہے۔ **قفینا** بنا ہے **تقفیة** سے جس کا مادہ قفا ہے۔ معنی پیچھے۔ **تقفیه** کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلانا یا بھیجنا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مذکورین نبیوں کے بعد تشریف لائے کہ آپ کے زمانہ میں ان میں سے کوئی نبی نہ تھا۔ اس لئے **قفینا** فرمایا گیا **اثار** جمع ہے **اثر** کی۔ بمعنی نشان قدم **هم** کا مرجع وہ ہی انبیاء کرام ہیں جن کا ذکر ہوا **النبیون الذین اسلموا** میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس ملک فلسطین میں پیدا ہوئے جن میں اکثر مذکور انبیاء کرام پیدا ہوئے تھے نیز آپ کی تشریف آوری کے وقت مذکور نبیوں کی کتابیں ان کی تعلیمات ان کے فرمان کچھ موجود تھے بالکل مٹ نہ گئے تھے اس لئے فرمایا گیا **علی اثارهم** کیونکہ نشان قدم کچھ وقت تک تو رہتے ہیں پھر مٹ جاتے ہیں۔ اس فرمان کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود نبی نہ تھے گزشتہ نبیوں کے نقش قدم پر ہی چلتے تھے **بعیسی** کی ب یا تو زائدہ ہے کیونکہ **قفینا** دو مفعول خود ہی چاہتا ہے یاء تعدیہ کی ہے اگر قفینا کو باب تفعیل میں لانا تعدیہ کے لئے نہ ہو چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ صرف ماں سے ہوئی۔ اس لئے ہر جگہ آپ کو والدہ کی طرف ہی نسبت کیا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں **اثارهم** فرمانا یہ بتانے کے لئے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان تمام نبیوں کے بعد تشریف لائے ان کے زمانہ میں کوئی اور نبی موجود نہیں تھے۔ آپ بنی اسرائیل کے خاتم النبیین ہیں **آثارهم** فرمانے کا یہ مقصد نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ان نبیوں کے نقش قدم پر چلنے کے لئے آئے آپ ان کے تبع تھے۔ کیونکہ آپ مستقل صاحب شریعت پیغمبر ہیں کسی نبی کے تبع نہیں جیسا کہ مرزائیوں نے سمجھا **مصدقا لما بین یدیه من التورة** یہ عبارت عیسیٰ ابن مریم کا حال ہے **مصدقا** کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ اس کے تین معنی ہیں سچا کہنے والا سچا کرنے والا۔ سچا کہلوانے والا یہاں یہ تینوں معنی بن سکتے ہیں **من التورة لما** کا بیان ہے اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام زبور شریف اور تمام آسمانی صحیفوں کے بھی مصدق تھے مگر چونکہ یہاں خطاب یہود سے ہے اس لئے صرف توریت کا ذکر فرمایا۔ نیز توریت بہت جامع کتاب اور اللہ تعالیٰ کی پہلی کتاب ہے اس کے بہت سے احکام انجیل شریف میں بھی تھے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام نے جاری فرمائے۔ اس لئے خصوصیت سے توریت کا ذکر فرمایا یعنی ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو اس شان سے بھیجا کہ وہ اپنے سے پہلی کتاب توریت کو سچا کرتے تھے کہ توریت نے انکی آمد کی خبر دی تھی آپ کی آمد سے وہ خبر سچی ہو گئی چونکہ صرف توریت نے ہی آپ کی بشارت دی تھی اس لئے آپ نے صرف توریت کو سچا کر دیا ہمارے حضور کی بشارتیں ساری کتابوں اور صحیفوں میں تھیں اس لئے آپ کے متعلق ارشاد ہوا **مصدقا لما معکم** یہ فرق ہے تصدیق عیسوی اور تصدیق محمدی میں کہ حضور کی آمد سے تمام کتب آسمانی سچی ہو گئیں۔ نیز آپ نے توریت کو سچا کہا لوگوں سے سچا کہلوایا۔ اس لئے ارشاد ہوا **مصدقا** الخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف فلسطین کے بنی اسرائیل سے توریت کو سچا کہلوایا کہ آپ صرف ان کے ہی نبی تھے۔ مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جہان سے تمام آسمانی کتب کو سچا کہلوایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہاں

کے نبی ہیں اور حضور کی وجہ سے ہر مسلمان تمام کتب مانتا ہے۔ **واتینه الانجیل** یہ عبارت معطوف ہے **قفینا** الخ پر اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوسری شان کا ذکر ہے کہ وہ صاحب کتاب صاحب شریعت رسول ہیں ہم نے انہیں انجیل شریف عطا فرمائی۔ چونکہ انجیل ایک جگہ اور ایک وقت میں ساری کی ساری عطا ہو گئی تھی۔ اس لئے اس کے متعلق **اتینا** ارشاد ہوا **نزلنا** نہ فرمایا بخلاف قرآن مجید کے کہ وہ ۲۳ سال میں آیا۔ **فیه هدی و نور** یہ عبارت انجیل کا حال متوکدہ ہے جس میں **فیه** خبر مقدم ہے اور **هدی و نور** مبتدا مؤخر ہے **هدی** سے مراد ہے عقائد صحیحہ اور نور سے مراد ہے اعمال صالحہ۔ یا ہدیٰ سے مراد ہے شریعت کے احکام اور نور سے مراد ہے طریقت کا بیان غرضیکہ جتنے احتمال توریت کے متعلق **فیه هدی و نور** میں عرض کئے گئے وہ ہی یہاں مراد ہیں۔ یعنی ہم نے انہیں وہ انجیل دی جس میں ہدایت و نور تھا یہ ہدایت و نور ہونا عطاء انجیل کے وقت کے لحاظ سے ہے۔ **ومصدقا لما بین یدیه من التورة** یہ عبارت معطوف ہے۔ **فیه هدی** الخ پر اور انجیل کا دوسرا حال ہے۔ مفرد حال جملہ حال پر معطوف ہو سکتا ہے یہ عطف جائز ہے (روح المعانی) یہاں بھی **مصدقا** میں وہ ہی تین احتمال ہیں جو پہلے **مصدقا** میں تھے اور اس کی وہ ہی تحقیق ہے جو ابھی عرض کی گئی یعنی وہ انجیل بھی اپنے سے پہلی کتاب توریت کو سچا کہتی تھی یا سچا کرتی تھی یا سچا کہلواتی تھی نہ تو جناب عیسیٰ علیہ السلام توریت کے تبع تھے نہ انجیل۔ تصدیق اور چیز ہے اتباع دوسری چیز **وهدی وموعظة للمتقین** یہ عبارت **مصدقا** پر معطوف ہے اور انجیل کا حال واؤ عاطفہ اور ہو سکتا ہے کہ **هدی** مفعول لہ ہو۔ یہاں ہدایت سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے جو ذریعہ اس ہدایت خاص کا لہٰذا یہ تکرار نہیں پہلے **هدی** سے اور ہدایت مراد تھی اس **هدی** سے یہ بشارت مراد ہے (تفسیر خازن و روح وغیرہ) انجیل شریف کی پہلی ہدایت تو ختم ہو چکی یہ ہدایت یعنی حضور کی بشارت تاقیامت باقی ہے۔ خیال رہے کہ انجیل شریف میں حضور کا نام شریف حضور کا حلیہ مبارکہ حضور کے اوصاف حضور کی ہجرت حتیٰ کہ حضور کے خاص صحابہ کے حالات و صفات مذکور تھے یہاں تک کہ بعض یہودیوں عیسائیوں نے ان ہی صفات میں حضور کو دیکھا تو مومن ہو گئے جیسے عبداللہ ابن سلام اور حضرت سلمان فارسی وغیرہم اس لئے یہاں **هدی** ارشاد ہوا یعنی حضور کی طرف پوری پوری رہبری کرانے والی آپ کی پہچان کرنے والی اب تک یوحنا انجیل اور برناس انجیل وغیرہ میں حضور کی بہت صفات مذکور ہیں اگرچہ ان میں بہت ردو بدل ہو چکا ہے یہ ہے **هدی** کا ظہور **موعظة** کے معنی ہیں شاندار تبلیغ وعظ **للمتقین** کا تعلق **موعظة** سے ہے چونکہ انجیل شریف میں وعظ نصیحتیں مثالیں بشارتیں نذارتیں بہت ہیں اس لئے اسے **موعظة** فرمایا اور چونکہ ان چیزوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو پہلے ایمان لا کر متقی بن جاویں یا جن کے نصیب میں متقی ہونا لکھا ہو اس لئے **للمتقین** فرمایا غرضیکہ انجیل ہدایت سب کے لئے ہے۔ سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتی ہے مگر نصیحت پرہیزگاروں کے لئے **ولیحکم اهل الانجیل بما انزل الله فیه** یہ جملہ نیا ہے جس میں گزشتہ حکم انجیل کا بیان ہے۔ **اهل انجیل** سے مراد عیسائی ہیں جو انجیل ماننے کے مدعی تھے

بما انزل اللّٰہ سے مراد انجیل شریف کے تمام احکام ہیں اور یہاں **امرناھم** پوشیدہ ہے یعنی ہم نے عیسائیوں کو اس زمانہ میں حکم دیا تھا کہ انجیل شریف کے تمام احکام پر فیصلے کرو جو اللہ کے اتارے ہوئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ اس زمانہ موجودہ کا ذکر ہو اور **ما انزل اللّٰہ** سے مراد انجیل کی وہ آیات ہوں جن کی تائید قرآن کریم نے فرمادی یا حضور کی بشارت کی آیات مراد ہوں اس کی منسوخ آیات مراد نہ ہوں یعنی عیسائیوں کو چاہیے کہ اللہ کی اتاری ہوئی آیات انجیل پر حکم جاری کریں کہ ہمارے ان محبوب پر ایمان لے آویں یا ظالموں سے قصاص لیں یا زانیوں کو رجم کرادیں لہٰذا آیت بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ **ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک ھم الفسقون** اس عبارت کی تفسیر ابھی کچھ پہلے گزر چکی یہاں **فاسقون** سے فسق اعتقادی جسے فسق ،ہودی کہتے ہیں وہ مراد ہے۔ یعنی بد عقیدگی جو کفر تک پہنچ جاوے **من** سے مراد یا عیسائی ہیں یا تمام لوگ **لم یحکم** کے معنی پہلے بیان ہو چکے کہ جو حکم الٰہی کو غلط سمجھ کر اس پر فیصلے نہ کرے اس کے مقابلہ میں اپنے رواج کے قانون کو درست سمجھے وہ کافر ہے چونکہ **من** سے مراد جماعت منکرین ہے لہٰذا **اولئک** جمع فرمانا بالکل درست ہے یعنی **من لفظاً** تو واحد ہے مگر معنیً جمع۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار صفات بیان فرمائے ان کا انبیاء بنی اسرائیل کے بعد آنا۔ ابن مریم ہونا توریت کی تصدیق کرنا۔ صاحب انجیل ہونا اور انجیل شریف کے پانچ صفات بیان فرمائے اس میں ہدایت ہونا۔ نور ہونا' توریت کی تصدیق کرنا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دینا' پرہیزگاروں کو نصیحت فرمانا۔ چونکہ نبی کی معرفت کتاب کی معرفت سے پہلے ہے اور نبی کی عظمت سے کتاب کی عظمت کا ظہور ہے اس لئے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صفات بیان ہوئے بعد میں انجیل کے اوصاف کا ذکر کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ توریت شریف کی مذکورہ عظمتیں تو آپ نے سن لیں کہ اس میں نور و ہدایت سب کچھ ہے۔ حضرات انبیاء کرام اس کے احکام مخلوق میں جاری کرتے رہے علماء ربانی و مشائخ اس کی حفاظت پر معمور ہیں۔ اب اس توریت کی یہ عظمت بھی ملاحظہ کرو کہ ان انبیاء کرام کے بعد بنی اسرائیل کے آخری نبی جناب عیسیٰ ابن مریم نے بھی اس توریت کی تصدیق و تائید فرمائی ہم نے حضرت مسیح کو انجیل شریف عطا کی اس انجیل میں ہدایت یعنی صحیح عقیدوں کی بھی تعلیم ہے اور نور یعنی درست اعمال کی بھی رہبری ہے۔ یہ بھی جناب مسیح کی طرح توریت کی تصدیق فرماتی ہے اس میں ہدایت یعنی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت بھی ہیں اور آپ کی علامات بھی آپ کی صورت و سیرت افعال' احوال' اعمال سب کا ذکر مکمل ہے اور نصیحت بھی جس سے پرہیزگار فائدے اٹھاتے ہیں تو انجیل کے ماننے والے عام عیسائی یا انجیل جاننے والے پوپ پادری اللہ کے اتارے ہوئے احکام پر حکم جاری کریں کہ اس نبی آخر الزمان پر ایمان لے آویں۔ زانی کو رجم قاتل کو قتل کریں جو کوئی اللہ کے اتارے احکام پر حکم نہ دے انہیں ناحق جانے اپنے گھڑے ہوئے قوانین کو حق جانے وہ فاسق یعنی کافر ہیں یا ہم نے اس زمانہ میں انجیل ماننے والوں جاننے والوں سے فرمایا تھا کہ انجیل والے ان احکام پر عمل و فیصلہ کریں جو اللہ نے انجیل

شریف میں اتارے اور جو کوئی ان کے خلاف فیصلہ کرے وہ فاسق و کافر ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء ہیں آپ تمام بنی اسرائیل کے نبیوں کے بعد تشریف لائے یہ فائدہ **وقفینا** اور **علیٰ اثارھم** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کے سوا کوئی نبی موجود نہ تھے یعنی کوئی نبی آپ کا ہم زمانہ نہ ہوا یہ فائدہ بھی **وقفینا** اور **اثارھم** سے حاصل ہوا اگر کوئی نبی آپ کے زمانہ میں ہوتا تو آپ اس کے پیچھے نہ ہوتے یہ خلاف ہے **اثارھم** کے تیسرا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا ہوئے یہ فائدہ عیسیٰ ابن مریم فرمانے سے حاصل ہوا قرآن کریم نے کسی نبی کو نسبت نسبی سے بیان نہ فرمایا اور کسی بی بی کا نام نہ لیا سواء عیسیٰ علیہ السلام کے اور سواء حضرت مریم کے۔ چوتھا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توریت کو جھٹلایا نہیں بلکہ اس تصدیق و تائید کی یہ فائدہ **مصدقا لما بین یدیہ** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب اور صاحب شریعت پیغمبر ہیں بہت ہی عظمت والے ہیں۔ یہ فائدہ **واتیناہ الانجیل** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ انجیل شریف میں ہدایت 'نور' تصدیق 'نصیحت' احکام شرعیہ سب کچھ ہی ہے جو کہے کہ انجیل میں صرف وعظ و مثالیں ہیں احکام شرعیہ نہیں وہ اس آیت کریمہ کے خلاف کہتا ہے۔ ساتواں فائدہ توریت و انجیل نے حضور کی صرف بشارت نہ دی بلکہ مخلوق کو حضور کی طرف رہبری بھی کی اگر وہ کتب صرف حضور کا نام بتا دیتیں نشان وہی مکمل نہ کریں تو کوئی اور بھی اپنا نام محمد یا احمد رکھ کر کہہ دیتا کہ وہ میں ہی ہوں جس کی بشارات توریت و انجیل نے دیں بلکہ ان کتب نے حضور انور کی ایسی نشاندہی کر دی کہ لوگ بغیر تامل حضور کو پہچان گئے یہ فائدہ دوسرے **ھدی** سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ توریت و انجیل کی غیر منسوخ آیات یا وہ آیات جن کی قرآن کریم نے تائید فرمائی تاقیامت واجب العمل ہیں۔ چنانچہ ان کتب کی آیات توحید آیات قصص' آیات بشارت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لازم العمل ہیں۔ یوں ہی قتل کے قصاص زانی کے رجم کے احکام جو قرآن کریم میں منقول ہوئے ان پر عمل واجب ہے یہ فائدہ **ولیحکم اھل الانجیل** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ اب توریت و انجیل کے اصلی غیر تبدیل شدہ احکام کسی کے لئے لائق عمل نہیں۔ عیسائی یہودی بھی ان پر عمل کر کے ہدایت نہیں پاسکتے اپنے اپنے وقت میں وہ کتابیں ہدایت تھیں۔ اب ان پر عمل گمراہی ہے یہ فائدہ **ولیحکم اھل الانجیل** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ موجودہ کچہریوں کو عدالت کہنا انہیں عدالت کا گھر جاننا اور موجودہ حکام کو عادل و منصف سمجھنا ناجائز ہے۔ یہ فائدہ **فاولئک ھم الفسقون** سے حاصل ہوا کیونکہ ان کچہریوں میں اسلامی قوانین جاری نہیں۔ مروجہ قوانین پر فیصلے ہوتے ہیں وہ فیصلے شرعاً "عدل" نہیں۔ مثلاً آج چور کو سزائے قید دی جاتی ہے یہ عدل نہیں۔ عدل یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کاٹے جائیں یوں ہی نوشیرواں کو عادل کہنا جائز نہیں کہ وہ کسی نبی کے دین کے قوانین پر فیصلے نہیں کرتا تھا۔

پہلا اعتراض حضرت عیسیٰ علیہ السلام توریت کے ناسخ ہیں پھر آپ کو توریت کا مصدق کیوں فرمایا تصدیق تنسیخ کے خلاف ہے۔ **جواب** تنسیخ تصدیق کے خلاف نہیں۔ آپ نے توریت کو منسوخ بھی کیا اور اس کی تصدیق بھی کی آپ کا یہ فرمانا کہ توریت سچی کتاب ہے اس کی تصدیق ہے اور پھر یہ فرمانا کہ توریت کے احکام اب قابل عمل نہیں یہ اس کی تنسیخ ہے دیکھو ہمارے حضور تمام گزشتہ کتب کے مصدق بھی ہیں ناسخ بھی۔

نوٹ ضروری بعض لوگوں نے اس آیت سے دھوکہ کھایا اور کہا کہ انجیل توریت کی ناسخ نہیں اور نہ اس میں احکام شرعیہ تھے صرف کچھ وظیفے اور وعظ تھے مگر یہ غلط ہے تصدیق نسخ کے خلاف نہیں۔ **دوسرا اعتراض** جب انجیل میں ہدایت بھی ہے نور بھی نصیحت بھی پھر اب قرآن کو ماننے کی کیا ضرورت ہے یا کم از کم انجیل پر عمل بھی ذریعہ نجات ہے تو ہم عیسائیوں کو دعوت اسلام کیوں دیتے ہیں وہ بھی ہدایت پر ہیں۔ **جواب** **فیہ ھدی** حال ہے انجیل کا اور اس کا عامل ہے **اتینہ** تو نحوی قاعدہ سے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہم نے انہیں انجیل دی تب اس میں ہدایت نور نصیحت تھی اب یہ چیزیں اس میں نہیں جیسے میں کہوں کہ پار سال میرے پاس زید سوار ہو کر آیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اب بھی سوار ہے ورنہ آنے کے وقت سوار تھا اب نہیں۔ چاند تارے اور چراغ وغیرہ رات میں نور ہیں۔ سورج نکلنے پر نور نہیں۔ یوں ہی تمام کتب رات کی اندھیریوں میں نور تھیں قرآن مجید کا سورج طلوع ہونے پر نور نہ رہیں۔ بچپن میں ماں کا دودھ ہماری غذا تھا جوان ہونے پر نہ رہا اس زمانہ میں انجیل وغیرہ ہدایت تھیں اب اصلی غذاء روحانی یعنی قرآن آگیا وہ ہدایت نہ رہیں۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ میں دو جگہ **مصدقا** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب** پہلا **مصدقا** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال ہے اور دوسرا **مصدقا** انجیل کا حال ہے لہذا **مصدقا** میں تکرار نہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توریت و انجیل متقیوں کے لئے ہدایت و نصیحت سب کچھ ہے جب وہ پہلے سے ہی متقی ہیں تو انہیں ہدایت دینے سے کیا فائدہ ہدایت تو گمراہوں کو دینی چاہیے جنہیں ہدایت کی ضرورت ہے۔ **جواب** اس کا تفصیلی جواب پہلے پارہ میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں گزر چکا کہ یہاں متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو آئندہ متقی ہونے والے ہیں یعنی اللہ کے علم میں جو متقی ہیں جن کے نصیب میں متقی ہونا یا متقین سے مراد مومنین ہیں یعنی کفر و شرک سے بچنے والے ان کے لئے اعمال کی ہادی کیونکہ ہدایت عمل ایمان کے بعد ہوتی ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت میں فرمایا گیا کہ انجیل والے وہ حکم کریں جو اللہ نے اس میں اتارا جس سے معلوم ہوا کہ انجیل کے احکام اب بھی قابل عمل ہیں اور انجیل منسوخ نہیں اگر منسوخ ہوتی تو اس پر اب حکم کیسے ہوتا پھر تم عیسائیت کی تردید اور عیسائیوں کو اسلام کی تبلیغ کیوں کرتے ہو (عیسائی) **جواب** اس کے کئی جواب ابھی تفسیر میں گزر چکے ایک یہ کہ یہاں **قلنا لھم** پوشیدہ ہے یعنی اس زمانہ میں جبکہ انجیل شریف آئی تب ہم نے ان سے یہ کہا تھا کہ تم انجیل کے احکام جاری کرو یہ گزشتہ زمانہ کا ذکر ہے دوسرے یہ کہ **ما انزل اللہ** سے مراد انجیل شریف کی وہ

آیات ہیں۔ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں ہیں اور آپ پر ایمان لانے کا حکم مقصد یہ ہے کہ انجیل والوں کو چاہیے کہ انجیل کے ان احکام پر عمل کریں اور نبی آخر الزمان پر ایمان لائیں تیسرے یہ کہ یہاں **ما انزل اللّٰہ** سے مراد قصاص اور رجم کی آیات ہیں جن کی تائید و تاکید قرآن کریم نے کردی یعنی عیسائیوں کو چاہیے کہ ان احکام پر عمل کریں۔ ہر **ما انزل اللّٰہ** پر عمل تو ناممکن ہے قرآن کریم کی منسوخ آیات **ما انزل اللّٰہ** تو ہیں مگران پر عمل نہیں تو انجیل کے تمام **ما انزل اللّٰہ** پر عمل کیونکر ہو سکتا ہے۔ **چھٹا اعتراض** یہاں تین آیات میں ایک ہی جرم کی تین سزائیں بیان ہوئیں۔ چنانچہ پہلے ارشاد ہوا کہ جو **ما انزل** پر حکم نہ دے وہ کافر ہے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ وہ ظالم ہے۔ یہاں تیسری آیت میں فرمایا گیا کہ وہ فاسق ہے۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** کوئی تعارض نہیں ظالم سے مراد بھی کافر ہے اور فاسق سے مراد بھی۔ فاسق اعتقادی یعنی کافر ہی ہے تعبیریں مختلف ہیں مگر مطلب ایک ہے یا یہ مطلب ہے کہ ایسا مجرم کافر بھی ہے ظالم بھی بدکار فاسق بھی اس مجرم کے تین جرموں کا تین جگہ ذکر ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ کتاب اللہ گویا دیوار ہے اور نبوت اس کا پشتہ یا کتاب اللہ گویا جہاز ہے نبی اس کے چلانے والا کپتان پشتہ جس قدر مضبوط ہو گا اسی قدر دیوار قوی ہو گی۔ کپتان جیسا لائق و فائق ہو گا اسی قدر جہاز محفوظ ہو گا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توریت کے متعلق فرمایا کہ اس کے حاکم، حافظ حضرات انبیاء کرام تھے اور آخر میں جناب مسیح علیہ السلام بھی اس توریت کی تصدیق فرماتے آئے گویا توریت کے پشتے یہ حضرات انبیاء تھے اور توریت والے جہاز کے ناخدا وہ حضرات تھے چونکہ وہ نبوتیں منسوخ ہو گئیں پشتے گر گئے تو دیوار بھی قائم نہ رہ سکی چنانچہ توریت بھی فنا ہو گئی۔ قرآن کے پشتی بان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسلام کے جہاز کے کھیون ہار وہ آقاء نامدار ہیں جن کی نبوت ابدالآباد تک باقی اس کے لئے نسخ نہیں۔ پشتہ مضبوط لہٰذا دیوار مضبوط دیکھ لو۔ قرآن ویسے ہی محفوظ چلا آیا ہے۔ اسلام ایسی طرح پھل پھول رہا ہے۔

☆ چہ غم دیوار امت را کہ دارد چو تو پشتی بان ☆

☆ چہ غم از موج بحر آں راکہ دارد نوح کشتی بان ☆

بیت المقدس کے پشتی بان سارے نبی تھے اور کعبہ کے پشتی بان حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لو۔ بیت المقدس اور کعبہ میں کیا کھلا ہوا فرق نظر آرہا ہے۔ دوسرے کلموں کے پشتی بان اور نبی تھے اور کلمہ طیبہ کے پشتی بان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دیکھ لو وہ تمام کلمے ختم ہو گئے یہ کلمہ اسلام ویسے ہی پائندہ زندہ ہے۔ یوں ہی جس کے دین و ایمان کی پشتی حضور فرما دیں وہ دین و ایمان قائم ہے اور جسے ان کی پشتی نصیب نہ ہو وہ فانی ہے۔ یوں ہی نیک اعمال یوں ہی دولت و عزت و عظمت کہ اگر ان چیزوں کو حضور کی پشتی نصیب ہو جائے تو یہ سب باقی ہیں انہیں فنا نہیں اگر حضور کی پشتی سے محروم ہیں تو فانی ہیں دنیاوی بادشاہوں کی عزتیں خاک میں مل جاتی ہیں کہ ان کی پشتی فوج یا مال سے ہے اللہ والوں کی عزتیں تاقیامت باقی ہیں کہ ان کی پشتی حضور سے ہے صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور کی پشتی نصیب کرے۔

اقبال نے کیا خوب کہا۔

☆ اقبال کس کے لطف کا یہ فیض عام ہے ☆

☆ رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے ☆

یعنی حضور کی پشتی سے بلال حبشی رضی اللہ عنہ تا ابد باقی ہو گئے سکندر رومی فنا ہو کر رہ گیا۔ انجیل میں ہدایت نور نصیحت سب کچھ تھا مگر اب کچھ نہیں کیوں اس لئے کہ اس کی پشتی کرنے والی نبوتیں منسوخ ہو گئیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ

اور اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ سچا کرنے والی ان کتب کو جو اس کے پہلے ہیں اور

اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور ان پر محافظ

الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ

حفاظت کرنے والی اوپر اس کے تو حکم فرماؤ درمیان ان کے ساتھ اس کے جو اتارا اللہ نے اور نہ پیروی

و گواہ تو ان میں فیصلہ کرو اللہ کے اتارے ہوئے سے اور اے سننے والے ان

اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا

کرو خواہشوں کی انکی اس سے جو آیا آپکے پاس حق ہر ایک کے لئے بنائی ہم نے تم میں سے شریعت اور وسیع راستہ

کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا حق چھوڑ کر ہم نے تم سب کے لئے ایک شریعت اور

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ

اور اگر چاہتا اللہ تو بنا تا تم کو ایک گروہ اور لیکن تاکہ جانچے تم کو اس میں جو دیا تم کو پس جلدی کرو

راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ

بھلائیوں میں طرف اللہ کے ہے لوٹنا تمہارا سب کا پس خبر دے گا تم کو اس کی کہ تھے تم اس میں

اس میں تمہیں آزمائے تو بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو تم سب کا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے تو وہ تمہیں

تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٨﴾

اختلاف کرتے

بتا دیگا جس بات میں تم جھگڑتے تھے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں توریت و انجیل کے ہدایت و نور و نصیحت ہونے کا ذکر تھا۔ اب قرآن مجید کا نہایت شاندار طریقہ سے ذکر ہے کہ وہ پچھلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے ان کی حفاظت بھی چونکہ قرآن کریم ان دونوں سے پیچھے ہے اس لئے اس کا ذکر بھی پیچھے ہی فرمایا گیا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ انجیل شریف میں توریت مقدس کی تصدیق کرتی تھی یعنی توریت کو انجیل کی حمایت حاصل تھی اب ارشاد ہو رہا ہے کہ توریت و انجیل بلکہ تمام آسمانی کتب کو قرآن کریم کی تصدیق و حمایت حاصل ہے اس کی حفاظت بھی گویا ایک حمایت کے بعد دوسری اعلیٰ حمایت و حفاظت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں بیان ہوا کہ گزشتہ انبیاء کرام توریت سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام انجیل سے حکم دیتے رہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے محبوب آپ قرآن سے احکام نافذ فرمادیں کہ یہ تمام احکام کا جامع ہے گویا آپ کے احکام ان تمام احکام سے اعلیٰ ہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب کو چاہیے کہ وہ انجیل کے احکام قصاص و رجم وغیرہ احکام کو جاری کریں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب آپ اللہ کے ان احکام کو جاری کریں جو اس نے آپ پر اتارے۔ کیونکہ آپ توریت و انجیل کے تابع نہیں۔

تفسیر انا انزلنا الیک الکتب بالحق۔ چونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قرآن کریم کے نزول کے سخت منکر تھے۔ اس لئے اس مضمون کو **ان تحقیقیہ** سے شروع فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن یکبارگی بھی ہوا اور آہستہ بھی ہر ماہ رمضان میں جبریل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن لاتے بلکہ حضور کے ساتھ دور فرماتے تھے اور تیئس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا آیتہ آیتہ بھی اترا پہلے نزول کے لحاظ سے **انزلنا** فرمایا جاتا ہے اور دوسرے نزول کے لحاظ سے **نزلنا** ارشاد ہوتا ہے بلکہ قرآن کریم کی بعض آیات بلاواسطہ جبریل امین بھی حضور کو عطا ہوئیں جیسے سورہ بقر کی آخری آیات شب معراج بلاواسطہ عطا ہوئیں۔ یہاں یا تو وہ ہی ماہ رمضان والا یکدم نزول مراد ہے۔ یا تیئس سال والا آہستگی کا نزول دوسری صورت میں یہاں انزال سے مراد صرف اتارنا ہے یکدم اتارنا نہیں یعنی تحریری معنی مراد ہیں چونکہ نزول قرآن کی انتہاء حضور کی ذات والا صفات پر ہے اس لئے **الیک** فرمایا گیا۔ چونکہ نزول قرآن حضور پر ہے ہم پر نہیں اس لئے **الیک یا علیک** فرمایا جاتا ہے اور چونکہ نزول قرآن حضور کی ہدایت کے لئے نہیں ہماری ہدایت کے لئے ہے حضور تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہیں اس لئے کہیں **الیکم** فرمایا جاتا ہے اس لئے قرآن کریم نے کہیں فرمایا **ھدی للمتقین** اور کہیں فرمایا **ھدی للناس** کہیں **ھدی لک یا ھدی للرسول** نہ فرمایا جیسے سارا عالم رب تعالیٰ کا مخلوق و مملوک ہے اس لئے فرمایا **للہ ما فی السموٰت وما فی الارض** اور عالم ہمارے لئے ہے۔ اللہ کے لئے نہیں اس کا فائدہ ہم کو ہے رب کو نہیں اس لئے فرمایا **خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔** لہٰذا **انزلنا الیک** بھی درست ہے اور **انزلنا الیکم** بھی صحیح۔ **الکتاب** میں الف لام عہدی ہے اور

اس سے مراد یہ کتاب یعنی قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں رسول یا کتاب کسی خاص قوم کے ذکر کے سلسلہ میں ہو وہاں دوسرے نبی اور دوسری کتابیں مراد ہوتی ہیں اور جہاں کہیں **الرسول** یا **الکتاب** بغیر قید بولا جاوے تو **الرسول** سے ہمارے حضور اور **الکتاب** سے قرآن مراد ہوتا ہے۔ **بالحق** یا تو کتاب کا حال ہے یا **انزلنا** کے فاعل کا حال مؤکدہ یا **الیک** کے کاف خطاب سے حال لہذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں وہ کتاب حق ہے یا ہم بھیجنے والے حق ہیں یا آپ لینے والے حق (تفسیر روح المعانی) حق کے تین معانی ہیں۔ بمعنی سچ باطل۔ بمعنی جھوٹ یا۔ بمعنی حکمت باطل۔ بمعنی عبث یا۔ بمعنی غیر فانی و غیر زائل باطل۔ بمعنی فانی اور زائل پہلے دو معنی سے تمام آسمانی کتب حق ہیں تیسرے معنی سے صرف قرآن مجید حق ہے کیونکہ قرآن ہی ناقابل نسخ کتاب ہے۔ یہاں حق کے تینوں معنی بن سکتے ہیں پھر حق یا تو رب تعالیٰ کی صفت ہے یا حضور کی یا قرآن مجید کی لہذا اس جملہ کی نو تفسیریں ہیں۔ دیکھو قرآن کریم فرماتا ہے **ربنا ما خلقت هذا باطلا** یہاں باطل۔ بمعنی عبث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **الا کل شئی ما خلا اللہ باطل** یہاں باطل۔ بمعنی فانی ہے۔ **مصدقا لما بین یدیه من الکتب** یہ عبارت **الکتب** کا حال ہے۔ تصدیق کے تین معنی پہلے ہو چکے سچا کرنا۔ سچا کہنا' سچا کہلوانا' **من الکتاب** بیان ہے **لما** کا **الکتب** میں الف لام جنسی یا استغراقی ہے۔ جس سے مراد توریت و انجیل یا ساری آسمانی کتابیں ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی **الیک** کے کاف سے حال ہو یعنی یہ کتاب قرآن یا اے محبوب آپ سرکار پہلی کتابوں توریت و انجیل وغیرہ کو سچا کرتے سچا کہتے سچا کہلواتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم کی اور آپ کی آمد کی خبریں دیں آپ کی اور قرآن کریم کی تشریف آوری سے وہ خبریں سچی ہو گئیں آپ نے اور قرآن نے ان کتابوں کو سچا کر دیا۔ **ومهیمنا علیه** یہ عبارت معطوف ہے۔ **مصدقا** پر اور یہ بھی یا قرآن کا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے **مهیمن** کا مادہ یا تو **هیمن** ہے۔ بمعنی حفاظت اور **مهیمنا**۔ بمعنی محافظ و گواہ حضرت حسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں فرماتے ہیں۔

☆ **ان الکتاب مهیمن لنبینا** ☆ **والحق یعرفه ذوو الالباب** ☆

اس شعر میں مہیمن۔ بمعنی گواہ ہے۔ اس کا فعل **هیمن** ہے جیسے بیطر' خیمر' سیطر' بیقر' عربی زبان میں صرف یہ پانچ لفظ ہی اس وزن پر آئے ہیں۔ چھٹا لفظ نہیں (روح المعانی) یا اس کا مادہ آمن ہے اور ہ زائدہ جیسے ارلق سے اہراق۔ بمعنی امین یعنی یہ قرآن شریف یا آپ سرکار ان کتابوں کے محافظ ان کے گواہ یا ان کے امین ہیں۔ خیال رہے کہ مہیمن مومن کی تصغیر نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا کیونکہ یہ مہیمن اسماء الٰہیہ میں سے بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تصغیر کرنا کفر ہے (روح المعانی) چونکہ قرآن کریم ناقابل نسخ ہے تاقیامت تبدیلی سے محفوظ ہے اس لئے یہ دوسری کتابوں کا مصدق بھی ہے اور محافظ بھی انجیل شریف نہ تو ناقابل نسخ تھی نہ محفوظ اس لئے وہ توریت کی مصدق تو تھی مگر مہیمن یعنی محافظ نہ تھی جو خود ہی محفوظ نہ ہو وہ دوسرے کو محفوظ کیسے کرے گی (تفسیر خازن) اسی وجہ سے انجیل کے لئے صرف مصدق فرمایا گیا

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف مصدق ہی کہا گیا مگر قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مصدق بھی فرمایا اور مہیمن بھی حفاظت اور **هیمنه** قریباً ہم معنی ہیں مگر اکثر حفاظت عام ہے۔ اور **هیمنه** خاص ہر حفاظت کو حفاظت کہا جاتا ہے مگر جس حفاظت کے ساتھ نگرانی بھی ہو وہ ہے **هیمنه** ہے۔ بینک کا چپراسی بھی وہاں کی دولت کا محافظ ہے اور وہاں کا خزانچی اور منیجر بھی محافظ ہے مگر چوکیدار صرف قفل کا محافظ ہے اور منیجر دولت کا نگران بھی ہے نیز ہم گھر کے سامان کے محافظ ہیں جو معمولی چیزیں باہر پڑی ہیں ان کے محافظ ہیں مگر جیب کا روپیہ گھر کے قیمتی زیور ان کے ہم محافظ بھی ہیں نگران بھی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا محافظ نہیں بلکہ مہیمن ہے۔ ہر وقت ہر ایک کی ہر ضرورت سے خبردار اور ان کی ضروریات پوری کرنے والا ہے۔ قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری کتابوں سارے نبیوں کی عزت کے مہیمن ہیں۔ ان کی اصل تعلیمات کے مہیمن ہیں کہ حضور کی اور قرآن کریم کی وجہ سے ان کی عظمتیں ان کی اصل تعلیم آج تک باقی ہے۔

فاحكم بينهم بما انزل الله یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت کی جزا ہے لہٰذا ف جزائیہ ہے **بينهم** کا مرجع اہل کتاب ہیں یا مومنین ہیں یا تمام انسان خواہ مومن ہوں یا اہل کتاب وغیرہ مقصد یہ ہے کہ جس کا مقدمہ آپ کے پاس آئے اس کا فیصلہ مطابق **ما انزل الله** کے ہو کسی فریق کی رعایت مروت نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ **هم** کا مرجع ساری مخلوق الٰہی ہے جن وانس فرشتے' چاند' سورج' تارے ذرے جانور وغیرہ حضور کا حکم ان سب پر جاری ہے۔ حضور باذن الٰہی ان سب پر حاکم ہیں اس لئے حضور نے جانوروں کے متعلق بھی احکام نافذ فرمائے۔ **ما انزل الله** سے مراد قرآن کریم اور حدیث شریف دونوں ہی ہیں اس لئے **بالكتاب** یا **به** یا بالقرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ حضور کا ہر قول ہر فعل ہر ادا **ما انزل الله** ہے سب رب تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ آپ کا ہر فیصلہ مطابق **ما انزل الله** ہے یعنی جب آپ یا یہ کتاب ان کتابوں کی مصدق اور محافظ ہیں یا جب اہل کتاب آپ کے پاس اپنے فیصلے لائیں تو آپ وحی الٰہی کے مطابق ان میں فیصلہ کریں۔ **ولا تتبع اهواء هم** یہ دوسرا حکم ہے **فاحكم** الخ پر معطوف ہے۔ **اهواء** جمع ہے **هوى** کی۔ بمعنی گرنا نفسانی خواہش کو ہوا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دوزخ میں گرنے کا ذریعہ ہے **هم** کا مرجع وہ ہی یہود و نصاریٰ ہیں اس میں خطاب ہر مسلمان سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ حضور سرکار وحی چھوڑ کر ان کی خواہش کی پیروی کریں نعوذ باللہ۔ **عما جاءك من الحق** یہ عبارت **لا تتبع** کے فاعل کا حال ہے **عما** سے پہلے **عادلا** یا **منحرفا** پوشیدہ ہے اس میں بھی خطاب حکام اسلام سے ہے یعنی اپنے پاس آئے ہوئے پہنچے ہوئے حق کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ فیصلے مطابق وحی الٰہی کے کرو **لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا** یہ نیا جملہ ہے اس میں خطاب یا تو ازل اول تا روز قیامت سارے ہی انسانوں سے ہے یا یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں سے پہلے ذکر ہوا توریت کا پھر انجیل کا پھر قرآن مجید کا اب اس جملہ میں ان تینوں کتب والوں کا یعنی یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کا **شرعة** یا تو بنا ہے **شرع** سے۔ بمعنی وضاحت و بیان یا بنا ہے شروع سے۔ بمعنی دخول' لغت میں شرعہ اس نالی

کو کہتے ہیں جو دریا سے کاٹ کر لائی جاوے اس سے لوگ کھیت سیراب کریں شریعت بروزن فعیلۃ بمعنی اسم مفعول ہے اصطلاح میں کھلے راستہ کو شرعہ کہا جاتا ہے۔ جس پر بہ آسانی چل سکیں اس سے ہی شارع عام ہے یعنی جرنیلی سڑک دین کے واضح و کھلے احکام کو شریعت کہتے ہیں کیونکہ ہر شخص اس پر بہ آسانی چل کر اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے یہ ہی آخری معنی یہاں مراد ہیں یعنی خدا رسی کا کھلا راستہ **منہاج** بنا ہے **نہج** سے۔ بمعنی فراخی و چوڑائی اصطلاح میں چوڑے راستہ کو **منہاج** کہا جاتا ہے شریعت اور منہاج یا تو ایک ہی معنی میں ہیں۔ تکرار تاکید کے لئے ہے یا اللہ تعالیٰ پہنچانے والا راستہ شریعت ہے اور شریعت تک پہنچانے والا راستہ منہاج یا عقائد اسلامیہ شریعت ہے اور اعمال اسلامیہ منہاج' یا اللہ رسول کی اطاعت شریعت ہے اور ان کی محبت و عشق منہاج یا خدا تک پہنچانے والا راستہ یعنی نبی کی اطاعت شریعت اور نبی تک پہنچانے والا راستہ یعنی ولی یا عالم کی اطاعت منہاج جیسے گھر سے اسٹیشن تک پہنچانے والا راستہ بھی اور ہے اس کی سواری بھی اور مگر اسٹیشن سے کراچی پہنچانے والی ریلوے لائن بھی اور ہے اس کی سواری بھی اور یا کتاب اللہ کی اطاعت شریعت ہے اور فرمان پیغمبر کی اطاعت منہاج یعنی کتاب و سنت۔ یا حضور کے قالب کے احوال شریعت ہیں اور قلب پاک کے احوال منہاج یا اصولی اعمال شریعت میں فروعی اعمال منہاج۔ فروعی مسائل کو شریعت و منہاج کہا جاتا ہے اور عقائد کو دین لہٰذا تمام کتب آسمانی کا دین ایک ہی ہے شریعتیں مختلف رب فرماتا ہے **شرع لکم من الدین ماوصی به نوحا ان اقیموا الدین** الخ یعنی اے لوگو ہم نے ہر امت کے لئے الگ الگ شریعتیں بنائی تھیں۔ یہود کے لئے توریت کی شریعت عیسائیوں کے لئے انجیل کی شریعت مسلمانوں کے لئے قرآن کی شریعت۔ دین سب کے ایک نبیوں کے منکرین کے لئے بھی شریعتیں تھیں مگر ان بد نصیبوں نے ان شریعتوں کو مانا نہیں جیسے قوم ثمود و قوم عاد کے کفار کے لئے دین صالح دین ہود کی شریعتیں تھیں مگر انہوں نے انہیں قبول نہ کیا لہٰذا اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ مشرکین اور دہریوں وغیرہم کے لئے ان کے گھڑے ہوئے احکام شریعتیں تھیں ہندوؤں' سکھوں' پارسیوں کے لئے وہ شریعتیں تھیں جو یہاں کے انبیاء لائے تھے ان کے یہ مروجہ رسمیں ان کی شریعتیں نہیں۔ خیال رہے کہ **جعلنا** ماضی ہے یعنی ہر زمانہ میں شریعتیں جداگانہ آتی رہیں مگر اب نزول قرآن کے بعد سب کے لئے ایک ہی شریعت ہے یعنی اسلام کی شریعت لہٰذا آیت صاف ہے یعنی ہم نے گزشتہ زمانوں میں ہر امت کے لئے ایک ایک شریعت مقرر کی تھی۔ اب اسلام کے آجانے پر تمام انسانوں کے لئے ایک ہی شریعت یعنی اسلام ہے اب کوئی شخص کسی شریعت کو اسلام کے سواء نہیں مان سکتا۔ رات میں روشنی کے لئے آسمان پر لاکھوں تارے اور زمین پر لاکھوں چراغ ہوتے ہیں۔ مگر دن میں ایک ہی سورج سے سب روشنی لیتے ہیں۔ اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آج ہم نے ہر انسان و جن کے لئے اسلام کو شریعت و منہاج بنایا اب تمام کے لئے یہ ہی شریعت ہے یہ ہی منہاج۔ **ولو شاء اللہ لجعلکم امة واحدة** یہ جملہ علیحدہ مستقل ہے اس کی دو تفسیریں ہیں شاء کا مفعول پوشیدہ ہے **جمعکم** یا **اجتماعکم** وغیرہ یہاں یا تو گزشتہ زمانہ کا ذکر ہے یا موجودہ زمانہ کا پہلی صورت میں

خطاب تمام اگلے پچھلے لوگوں سے ہے اور دوسری صورت میں موجودہ لوگوں سے امت واحدہ سے مراد ایک دین ایک ملت ایک شریعت ہے یعنی اے دنیا کے لوگو اگر اللہ تعالیٰ تمہارا اجتماع چاہتا تو اول سے ہی ایک ہی دین ایک ہی شریعت تمام لوگوں کے لئے آتے ایک ہی نبی تشریف لاتے نسخ وغیرہ کچھ نہ ہوتا از آدم تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی دین رہتا یا اے موجودہ لوگو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک جماعت بنادیتا۔ اس طرح کہ تم سب کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دے دیتا۔ اور اس سورج کے چمک جانے پر کوئی بے نور بے ہدایت نہ رہتا سب مسلمان ہو جاتے یہودیت' نصرانیت' شرک سب ختم فرما دیتا وہ بڑا قدرت والا ہے **ولکن لیبلوکم فی ما اتکم** اس جملہ میں میں اختلاف ادیان اختلاف رائے کی حکمت کا ذکر ہے۔ **لکن** کے بعد **لم یشاء** پوشیدہ ہے اور **لیبلوکم** اس کے متعلق ہے **اتاکم** سے مراد یا تو وہ ہی مختلف دین اور شریعتیں ہیں جو پہلے آتی اور منسوخ ہوتی رہیں یا اس سے مراد قلب و نفس۔ ہدایت و گمراہی ہے اور اختلاف رائے اور اختلاف خیالات ہے یعنی اگرچہ رب تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ تم کو ایک ہی دین پر رکھتا مگر اس نے ایسا کیا نہیں بلکہ الگ الگ شریعتیں بھیجیں تاکہ تمہاری آزمائش ہو کہ تم حکم الٰہی پر سر جھکاتے ہو یا اپنی رائے پر عمل کرتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ رب تعالیٰ نے الگ الگ دین کیوں بھیجے یا رب نے اب تم سب کو اسلام کی توفیق نہ دی کچھ مسلمان ہوئے کچھ کافر رہے تاکہ تمہاری آزمائش ہو جاوے اختلاف دین سے تم کو جہاد و ہجرت کرنا پڑے اور تم مجاہد مہاجر غازی شہید ہو۔ **فاستبقوا الخیرات** اس عبارت میں گزشتہ مذکورہ اختلاف کے نتیجہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **استباق** سے مراد یا تو ایک دوسرے پر آگے بڑھنا ہے یا ایمان میں جلدی کرنا ہے کیونکہ موت کی خبر نہیں۔ **خیرات** سے مراد اچھے عقیدے اور اچھے اعمال ہیں یعنی جب تم جان چکے کہ سب ایک دین پر نہ ہوں گے کچھ مومن کچھ کافر ہوں گے لہٰذا تم کوشش کرو کہ تم کافروں میں نہ ہو خوش عقیدہ خوش اعمال مومنین ہو۔ **الی اللہ مرجعکم جمیعا** اس عبارت میں بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے اس میں خطاب سارے انسانوں سے ہے مرجع مصدر میمی ہے۔ بمعنی لوٹنا لوٹنے سے مراد مر کر یا قیامت میں رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے جبکہ دنیا کے تمام ساتھ چھوٹ جائیں گے چونکہ ہم سب دنیا میں رب تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے آئے ہیں اس لئے وہاں جانے کو لوٹنا فرمایا گیا یعنی اے انسانو تم سب کا آخر کار لوٹنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اس پیشی کا انتظام ابھی سے کرو اگرچہ جانور بھی اٹھائے جائیں گے مگر ان کے لئے دوزخ و جنت کی سزا و جزاء نہیں نیز وہ دنیا میں کسی شریعت کے مکلف نہیں اس لئے صرف انسانوں سے فرمایا گیا کہ تمہارا اسی کی طرف رجوع ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ **فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون** یہ عبارت الی اللہ الخ پر معطوف ہے خبر دینے سے مراد سزا و جزاء دینا ہے یعنی عملی فیصلہ فرمانا ورنہ قولی فیصلہ تو یہاں دنیا میں بذریعہ انبیاء کرام فرما دیا گیا ہے یعنی اس دن تم کو رب تعالیٰ تمہارے اختلافات کے فیصلے کی خبر دے گا کہ حق پر کون ہے باطل پر کون حق والوں کو جنت میں اور باطل والوں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان نبیوں اور کتابوں کے بعد ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن مجید نازل فرمائی جو بالکل حق ہے یا ہم حق ہیں یا تم حق ہو یا ہمارا اتارنا حق ہے یہ کتاب یا ہم یا اے محبوب تم اس قرآن مجید سے پہلے والی تمام کتابوں کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ سچی ہیں اور ان کتب کی محافظ ہے کہ اس قرآن کی یا تمہاری وجہ سے ان تمام کتابوں کے نام بلکہ ان کے بعض احکام عقائد عزت عظمت محفوظ ہیں لہٰذا آپ یہود و نصاریٰ بلکہ تمام کفار کے درمیان اپنی وحی یعنی قرآن مجید اور اپنی رائے عالی کے مطابق فیصلے فرمایا کریں اور اے احکام تم کبھی بھی کفار کی خواہش کے مطابق وہ حق چھوڑ کر فیصلے نہ کرنا جو تمہارے پاس آچکا کہ ایسا فیصلہ ظلم ہوگا یہ خیال رکھو کہ ہم نے اس سے پہلے یہود و نصاریٰ وغیرہم کے لئے الگ الگ شریعتیں بنائی تھیں۔ جن پر فیصلے ہوا کرتے تھے یا ہم نے اب تمام انسانوں کے لئے ایک دین ایک شریعت ایک منہاج مقرر فرمادی وہ ہے دین محمدی اس کی تعلیم اس کے احکام کہ اب سب کو یہ ہی شریعت اختیار کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم چاہتے تو مختلف دین اس دنیا میں نہ بھیجتے صرف ایک ہی دین آتا اور لوگ ہمیشہ اس کے پابند ہوتے۔ سب ایک ہی امت ہوتے یہ ہے ہماری قدرت مگر ہماری حکمت یہ ہے کہ الگ شریعتیں الگ دین رکھے تاکہ تمہاری جانچ ہوتی رہے یا اگر ہم چاہتے تو سارے لوگوں کو دین محمدی اختیار کرنے کی توفیق دے دیتے کوئی کافر نہ رہتا۔ سب ایک ہی امت بن جاتے یا اگر ہم چاہتے تو اے مسلمانو تم سب کو ایک جماعت بنادیتے کہ کوئی فاسق گنہگار نہ رہتا سب متقی ابرار بن جاتے۔ رہے نفس پرست لوگ اس تفریق پر اعتراض کر کر کے کافر ہو جاویں اور حق پرست لوگ سر تسلیم خم کر کے اس تفریق پر ایمان لے آویں کہ جو کچھ رب نے کیا حق ہے جیسے اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کی غذا' زبان' وضع و قطع' شکل و عقل یکساں فرما دیتا۔ مگر ایسا نہ کیا ان سب باتوں میں انسانوں کو متفرق کر دیا ہزارہا حکمتوں کی بنا پر لہٰذا اے لوگو اچھے عقائد اچھے اعمال کی طرف دوڑو کفار میں سے نہ بنو مومن جیو اور مومن و مطیع مرو۔ آخر کار تم کو رب تعالیٰ کی طرف کوچ کرجانا ہے وہاں تم سب کا فیصلہ ہونا ہے تو اچھے ہو کر مطیع ہو کر وہاں پہنچو۔ رب تعالیٰ سے اچھے انعام حاصل کرو۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام آسمانی کتابوں خصوصاً توریت و انجیل کے ماہر ہیں کیونکہ اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے حضور کو ان کتب کا گواہ قرار دیا جیسا کہ مہیمنا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ اور گواہی بغیر علم ممکن نہیں دوسری جگہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے **یاھل الکتب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتب ویعفو عن کثیر** اے کتابیو تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے جو تمہاری کتاب کی چھپائی ہوئی بہت سی باتیں ظاہر کرتے ہیں اور بہت سی درگزر کرتے ہیں معلوم ہوا کہ حضور کو تمام کتابوں کی ہر چیز معلوم ہے خواہ وہ تبدیل کر دی گئی یا باقی ہو۔ دوسرا فائدہ انجیل کتاب توریت کی صرف مصدق یعنی تصدیق فرمانے والی تھی مگر قرآن کریم اس کا مصدق بھی ہے اور محافظ بھی لہٰذا قرآن کریم کا احسان ساری کتب اور سارے نبیوں پر بہت ہی ہے یہ فائدہ مہیمنا کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفات الٰہیہ سے موصوف ہیں اور رب تعالیٰ نے حضور کو اپنے نام عطا فرمائے دیکھو مہیمن اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور مہیمن اس کی صفت ہے مگر اس آیت کریمہ میں رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کو مہیمن فرمایا اسی طرح رؤف و رحیم اللہ تعالیٰ کے نام ہیں مگر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف بھی فرمایا رحیم بھی **و بالمومنین رؤف رحیم** چوتھا فائدہ اسلامی حاکم اپنی کافر رعایا پر ان کے مقدمات میں اسلامی احکام جاری فرما دے گا اور انہیں اسلامی سزا دے گا۔ چنانچہ ان کے چور کے ہاتھ کاٹے گا ان کے قاتل کو قتل کرے گا یہ فائدہ **فاحکم بینھم بما انزل اللہ** سے حاصل ہوا۔ (نوٹ ضروری) اس قاعدے سے ان کفار کے نکاح میراث غذائیں علیحدہ ہیں کہ اس قسم کے مقدمات میں حاکم اسلام ان کے دین کے احکام ان پر جاری کرے گا جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ ان کے لئے سور ایسا ہے جیسے ہمارے لئے بکری اور ان کے لئے شراب ایسی ہے جیسے ہمارے لئے سرکہ **او کما قال** پانچواں فائدہ قانون اسلام صرف قرآن نہیں بلکہ قرآن و حدیث دونوں ہیں بلکہ اجماع قیاس بھی یہ فائدہ **بما انزل اللہ** سے حاصل ہوا اگر صرف قرآن ہی قانون ہوتا تو بالقرآن فرمایا جاتا اتنی دراز عبارت ارشاد نہ ہوتی۔ چھٹا فائدہ قرآن کریم حاکم نہیں حاکم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن حکم و قانون ہے۔ یہ فائدہ بھی اس **فاحکم بما انزل اللہ** سے حاصل ہوا کہ حکم کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا گیا اور **انزل اللہ** کے ذریعہ حکم فرمایا گیا۔ ساتواں فائدہ رشوت لیکر یا مروت یا رعایت یا نفسانی خواہش سے غلط فتویٰ دینا یا حاکم کا غلط فیصلہ کرنا بدترین جرم ہے۔ یہ فائدہ **ولا تتبع** الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ اسلامی احکام و قوانین ہی حق اور انصاف ہیں ان کے سواء دوسرے احکام قوانین نرے ظلم ہیں چور کا ہاتھ کاٹنا حق اور انصاف ہے اسے سزاء قید دینا محض ظلم یہ فائدہ **جاءک من الحق** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ **ولا تتبع** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بلکہ حکام اسلام سے ہے یہ فائدہ **لجعلکم** میں ضمیر **کم** جمع لانے سے حاصل ہوا کہ جن سے خطاب **لجعلکم** میں ہے انہیں سے خطاب **ولا تتبع** میں ہے۔ دسواں فائدہ تمام انبیاء اور ساری آسمانی کتب عقائد میں متفق ہیں احکام فرعی میں مختلف ہر نبی نے توحید' نبوت' قیامت' فرشتوں' تقدیر وغیرہ عقائد کی یکساں تعلیم دی ہاں نماز کی ترکیب زکوٰۃ کی مقدار وغیرہ میں اختلاف رہا یہ فائدہ **شرعۃ ومنھاجا** سے حاصل ہوا کہ یہاں دین نہ فرمایا۔ گیارہواں فائدہ دنیا میں مختلف شریعتیں مختلف انبیاء کرام کے تشریف لانے میں صدہا حکمتیں ہیں کہ ہر زمانہ میں اس وقت کے لحاظ سے احکام آئے اور اس سے مقبولین و مردودین میں چھانٹ ہو گئی کہ مقبول بندوں نے سر جھکا دیئے۔ مردودوں نے نسخ و اختلاف نہ مانے کج بحثی ہی کرتے رہے۔ مشرکین ہند کا یہ عقیدہ باطل ہے کہ شروع دنیا سے ہی وید آ گیا تھا اور تمام دنیا کو ہر زمانہ میں اس پر عمل کرنے کا حکم ہے اور وید کی حالت یہ ہے کہ اتنی مدت میں ہندوستان کی چند بستیوں سے باہر نہ گیا خود اپنے ماننے والے ہندوؤں میں سے بھی ہر ایک کے پاس نہ پہنچا۔ صرف چند پنڈت ہی اس کے کچھ منتر جانتے ہیں یہ تو ہمارے قرآن کی شان ہے کہ تھوڑی سی مدت

ہیں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا ہر شخص کے پاس پہنچا۔ میں نے بیت المقدس کے پاس بیت اللحم کے عیسائیوں کو دیکھا کہ انہیں سورہ مریم کے رکوع کے رکوع حفظ ہیں وہ رکوع پڑھتے جاتے ہیں اور حضرت مسیح کی پیدائش گاہ وغیرہ کی زیارت کراتے ہیں۔ ہندوستانی آریے رام چند دہلوی اور کالی چرن آگرہ والے کو سیپارے کے سیپارے حفظ تھے یہ ہے قرآن کریم کا معجزہ کہ دشمنوں کے سینہ میں بھی گھر کر لیتا ہے۔

نوٹ ضروری بعض بے وقوفوں نے اس آیت سے دھوکہ کھایا کہ دنیا میں ہر دین حق ہے جو بھی اپنے دین میں رہ کر اچھے کام کرے گا نجات پا جائے گا سب دین رب کی طرف سے ہیں **لکل جعلنا منکم شرعة** مگر یہ قول باطل ہے ورنہ حضرات انبیاء خصوصاً ہمارے حضور کفار کو اسلام کی دعوت کیوں دیتے بلکہ فرما دیتے کہ اپنے دین پر قائم رہ کر اچھے کام کرتے جاؤ۔ اس آیت کا منشاء یا تو یہ ہے کہ گزشتہ زمانوں میں ہر نبی کی امت کے لئے الگ شریعت ہم نے بنائی تھی جو اپنے وقت میں حق تھی یا یہ منشا ہے کہ آج ہر قوم کے لئے صرف ایک ہی شریعت ہم نے بنائی۔ اب ہر شخص کو اس شریعت کی پیروی کرنا پڑے گی۔

پہلا اعتراض قرآن کریم تو آہستہ آہستہ تئیس سال کے عرصہ میں نازل ہوا پھر یہاں اس کے متعلق **انزل اللہ** کیوں فرمایا گیا۔ **نزل اللہ** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب** اس کے جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ یہاں انزال سے مراد مطلقاً اتارنا ہے نہ کہ یکدم اتارنا۔ یا یہاں وہ نزول مراد ہے جو ماہ رمضان میں یکدم ہو تا تھا وغیرہ۔ **دوسرا اعتراض** قرآن کریم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم توریت و انجیل وغیرہ کے ناسخ ہیں پھر انہیں توریت و انجیل کا محافظ کیوں فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا **مهيمنا عليه** نیز جب قرآن مجید یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کتب الٰہیہ کے محافظ ہیں تو پھر ان کتب میں نسخ و مسخ کیسے ہو گیا۔ محفوظ چیز تو چوری سے امن میں ہوتی ہے۔ **جواب** قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کتب کی عظمت ان کے عقائد ان پر ایمان کے محافظ ہیں۔ آج جس کتاب جس نبی کو عظمت و شہرت ملی ہے۔ حضور کے ذریعہ قرآن کے واسطے سے ملی نیز قرآن کریم نے ان کی حقانیت کی حفاظت فرمائی تمام جہان سے ان کے حق ہونے کا اقرار کرا لیا۔ نسخ صرف فرعی احکام کا فرمایا یہ نسخ انکی تصدیق و حفاظت کے خلاف نہیں نیز قرآن کریم نے جس چیز کی حفاظت فرمائی اس میں تبدیلی نہ ہوئی یعنی ان کتب کی عزت' ان کے عقائد ان کتب کے بعض احکام اور جن میں تبدیلی ہوئی ان کی حفاظت ہی نہ فرمائی۔ **تیسرا اعتراض** اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار رعایا پر شرعی اسلامی احکام جاری فرماتے تھے جیسا کہ **فاحكم بينهم بما انزل الله** سے معلوم ہوا تو سرکار نے ان یہود کو توریت دکھا کر کیوں رجم فرمایا خود ہی رجم کا فیصلہ کیوں نہ فرمایا **جواب** اس لئے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان یہود کے حاکم نہ تھے حکم تھے ابھی ان کا علاقہ فتح نہ ہوا تھا' اس لئے کہ اسلامی رجم کے لئے احصان شرط ہے اور احصان کے لئے مجرم کا مسلمان ہونا ضروری ہے اس لئے ان کی توریت کے مطابق انہیں

رجم کرایا نہ کہ حکم قرآنی کے مطابق۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ ہر قوم کی شریعتیں الگ الگ ہیں تو پھر ہم ان کی دعوت اسلام کیوں دیتے ہیں انہیں انکی شریعتوں پر عمل کرنے دیں وہی ان کے لئے ہدایت ہیں کہ وہ بھی اسلامی شریعت کی طرح ربانی شریعتیں ہیں۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ فرمایا گیا **لکل جعلنا** اور **جعلنا** ماضی ہے جس کے معنی یہ ہیں ان کے لئے گزشتہ زمانہ میں الگ شریعتیں رکھی گئی تھیں یہ مطلب نہیں کہ وہ شریعتیں اب بھی ذریعہ ہدایت ہیں اب ہدایت صرف اسلام میں ہے اس کے لئے وہ آیت کریمہ پڑھو **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه** الخ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو اس کی طرف لوٹنے کے بعد تمہارے اختلافات کی خبر دے گا۔ حالانکہ اس رب کریم نے تو اس کی خبر دنیا میں ہی دے دی ہے کہ اسلام کے سواء تمام دینوں کو باطل قرار دیا پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب** دنیا میں اس نے قولی فیصلہ فرمادیا۔ عملی فیصلہ قیامت میں ہوگا۔ یہاں کافر و مومن سب ہی اس کی نعمتیں برت رہے ہیں۔ بظاہر پتہ نہیں چلتا کہ وہ راضی کس سے ہے ناراض کس سے قیامت میں عملی فیصلہ عملی خبر دی جاوے گی کہ کفار کو جہنم میں ٹھونس دیا جائے گا۔ **چھٹا اعتراض** تم نے مہیمن کی جو تفسیر کی اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت ہر چیز سے مطلع ہر ایک کے ایمان اعتقاد اعمال سے خبردار ہیں مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ قیامت میں باطل معبود اپنے عابدوں سے کہیں گے۔ **انا کنا من عبادتکم لغافلین** ہم تمہاری عبادات سے بے خبر تھے۔ جھوٹے معبود' چاند سورج' پتھر درخت دریا انبیاء و اولیاء سب ہی ہیں معلوم ہوا کہ یہ سب ہی ہمارے حالات سے غافل اور بے خبر ہیں۔ بتوں ولیوں کی لوگ عبادت کرتے رہے ہیں **جواب** **نعوذ باللہ** حضرات انبیاء کرام معبودان باطلہ میں داخل نہیں معبود باطل وہ ہے جس کی عبادت کی جاوے۔ رب کے سواء کسی قوم نے اپنے نبی کی عبادت نہ کی اگر وہ لوگ نبی کو سجدے کرتے نبی دیکھتے رہتے منع نہ کرتے تو وہ معبود باطل کہلاتے ان بدنصیبوں نے نبیوں کے نام کے بت بنا کر ان کی عبادت کی یہ ان بتوں کی عبادت ہے نہ کہ نبیوں کی جیسے کوئی اللہ کے نام کا بت بنا کر اسے سجدے کرے تو وہ خدا کا عابد نہیں مشرک ہے یا کوئی کعبہ کا مجسمہ یا نقشہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھے۔ وہ کعبہ کی طرف نماز نہیں پڑھ رہا ہے نہ اس کی نماز درست ہو بلکہ یہ دونوں مشرک ہیں۔ حضرات اولیاء نہ معبود ہیں نہ بے خبر وہ حضرات رب کے گواہ شفیع ہیں۔ شفاعت شکایت گواہی بغیر علم نہیں ہو سکتی رب فرماتا ہے **یایها النبی انا ارسلنک شاهدا** اور فرماتا ہے **وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجورا** اگر وہ بے علم ہیں تو یہ شہادت اور شکایت کیسی۔

تفسیر صوفیانہ قرآن کریم کی دو شانیں ہیں نزول کی شان اور تبلیغ کی شان۔ اس کے نزول کی ابتداء رب تعالیٰ سے ہے واسطہ نزول حضرت جبریل علیہ السلام منتہاء نزول حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لئے یہاں الی ارشاد ہوا جو انتہا کے لئے آتا ہے کہ فرمایا **انزلنا الیک الکتاب** اس کی تبلیغ کی ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور واسطہ

تبلیغ حضرات صحابہ کرام منتہاء تبلیغ سارے انسان تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے منتہی بھی ہیں اور مبتداء بھی۔ اور جیسے نزول قرآن کے لئے حضرت جبریل کو ماننا ضروری ہے یوں ہی تبلیغ قرآن کے لئے حضرات صحابہ پر ایمان لانا اشد ضروری ہے کہ حضرت جبریل واسطہ نزول اور یہ حضرات واسطہ تبلیغ اور جیسے قرآن اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام کتب اور تمام نبیوں کی شان۔ حقانیت تمام کے مہیمن اور محافظ ہیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی عزت ناموس ایمان کے دائمی محافظ ہیں امام بوصیری فرماتے ہیں۔

☆ **احل امته فی حرز ملته** ☆ **کاللیث احل بالاشبال فی الاجم** ☆

یعنی حضور نے اپنی امت کو اپنی ملت کے حصار میں ایسے محفوظ فرمادیا جیسے شیر اپنے بچوں کو اپنی کچھار میں محفوظ کرتا ہے ظاہری دولت کے بیمہ کے لئے دنیاوی کمپنیاں ہیں مگر دولت ایمان کے بیمہ کے لئے حضور کا نام عالی آپ کا دامن کرم ہے بلکہ مومن کی عزت آبرو نام نشان دین و دنیا سب کی رجسٹری حضور کے ہاں ہوتی ہے وہ ہماری ہر چیز کے **مھیمن** ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اللہ کے فیصلے ہیں کہ وہ **ما انزل اللہ** سے ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ شریعت تو تمام امتوں کو ملی کہ یہاں ارشاد ہوا **لکل جعلنا منکم شرعة** الخ مگر طریقت صرف امت محمدیہ کو عطا ہوئی پچھلی امتوں میں بعض نبیوں بعض خاص ولیوں کو طریقت ملی مگر اس امت کو عموماً عطا ہوئی شریعت یار تک پہنچنے کا وہ کھلا سیدھا راستہ ہے جس کو ہر شخص بے تکلف طے کر سکے۔ طریقت یار تک پہنچنے کا وہ پر اسرار چھپا ہوا پیچیدہ سرنگی راستہ ہے جس کو ہر شخص نہیں جانتا۔ شریعت میں خود چل کر یار تک پہنچتا ہے طریقت میں یار کی طرف سے کشش کے ذریعہ بلاتا ہے۔ شریعت میں ظاہر پر عمل ہے۔ طریقت میں باطنی اسرار پر عمل حضرت خضر علیہ السلام کے بے گناہ بچے کو قتل کر دینا۔ کشتی توڑ دینا۔ ٹوٹی دیوار جوڑ دینا طریقت تھا۔ یوں ہی موسیٰ علیہ السلام کا عرض کرنا رب ارنی یہ طریقت ہی تھا۔ مگر یہ طریقت بطور سلسلہ امت تک نہ پہنچی۔ طریقت کے سلسلوں کا امت میں جاری ہونا اس امت مرحومہ کی خصوصیت ہے۔ شریعت میں بجلی پاور ہاؤس سے بذریعہ تار آتی ہے جس کو صدہا خطرات ہیں کوئی تار کاٹ دے۔ فیوز اڑ جاوے وغیرہ طریقت میں بجلی کی بیٹری خود دل میں ہوتی ہے جسے یہ خطرات نہیں۔ جہاں ظاہری تار والی بجلی کام نہ آوے۔ بیٹری والی بجلی کام آتی ہے۔ شریعت میں قالب کے ذریعہ قلب کو ٹھیک کیا جاتا ہے۔ طریقت میں دل کے ذریعہ قالب کو درست کیا جاتا ہے۔ شریعت الفاظ کے ذریعہ پڑھائی جاتی ہے۔ طریقت نگاہوں کے ذریعہ دل کو پلائی جاتی ہے۔ شریعت میں گناہوں کے راستوں یعنی ہمارے آنکھ' کان' زبان' ہاتھ پاؤں پر پہرہ لگایا جاتا ہے کہ ان تک گناہ نہ پہنچیں یا یہ گناہ تک نہ جائیں مگر طریقت میں گناہوں کے سرچشمہ یعنی نفس امارہ پر کنٹرول کیا جاتا ہے کہ یہاں سے گناہ نہ بنیں نہ چلیں مرکزی روک تھام کی جاتی ہے نفس امارہ کو جو سرچشمہ گناہ ہے تبدیل کر کے نفس مطمئنہ بنا دیا جاتا ہے۔ جس سے وہ نفس نیکیوں کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت و طریقت کے مرکز علیحدہ علیحدہ بنائے ہیں۔ جسم پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مرکز شریعت ہے۔

قلب پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مرکز طریقت ان سے فیض لینے والے الگ الگ ٹولے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو امت واحدہ یعنی صاحب طریقت بنا دیتا مگر رنگ برنگے انسان بنانے میں بندوں کی آزمائش ہے کہ دیکھیں شریعت والے طریقت والوں کے آستانہ پر جھکتے ہیں یا نہیں اور طریقت والے شریعت والوں کی طرف رجوع کرتے ہیں یا نہیں شریعت و طریقت کا چولی دامن کا ساتھ رکھو۔ سب کا رجوع الی اللہ ہے لہٰذا اس تک پہنچنے کی تیاری میں عمر گزارنی چاہیے۔ اعتراض وجواب میں وقت برباد نہ کرو۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:

☆ گر بسوزد باغبت انگورت دہد ☆ درمیان ماتمے سورت دہد ☆

☆ لا مسلم و اعتراض از ما برفت ☆ چو عوض می آید از مفقود رفت ☆

انگور کا پودا جل کر پھل زیادہ دیتا ہے مومن کا دل عشق کی آگ میں جل کر بہار دکھاتا ہے۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ

اور یہ کہ حکم کرو درمیان ان کے ساتھ اس کے جو اتارا اللہ نے اور نہ پیروی کرو خواہشات کی ان کے اور ان سے احتیاط

اور یہ کہ اے مسلمان اللہ کے اتارے پر حکم کر اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور ان سے بچتا رہ

يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ

کرو کہ بہکا دیں تم کو بعض اس سے جو اتارا اللہ نے تمہاری طرف پس اگر منہ پھیریں وہ تو جان لو کہ اللہ نے ہی ارادہ

کہ کہیں تجھے لغزش نہ دے دیں کسی حکم میں جو تیری طرف اترا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو جان لو کہ اللہ ان

اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

کرتا ہے کہ پہنچائے ان کو بوجہ بعض گناہوں ان کے اور تحقیق بہت سے لوگ بدکار

کے بعض گناہوں کی سزا ان کو پہنچایا چاہتا ہے اور بے شک بہت آدمی بے حکم

لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ

ہیں کیا پس جاہلیت کا حکم تلاش کرتے ہیں اور کون ہے زیادہ اچھا اللہ سے

ہیں تو کیا جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر کس کا حکم

حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

حکم میں واسطے اس قوم کے جو یقین رکھے

یقین والوں کے لئے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمانے کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب اس قرآن سے فیصلہ فرمانے کا حکم دیا جارہا ہے گویا نزول قرآن کا ذکر پہلے ہو اور مقصد نزول اور حمت نزول کا ذکر اب فرمایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ نزول قرآن آپ پر حق کے ساتھ ہوا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ اس حق سے پھسلانے والے بہت ہیں مگر ان کی پرواہ نہ کرو۔ حق پر ثابت قدم رہو گویا قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر پہلے ہوا اس پر استقامت کا حکم اب دیا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ دنیا میں بہت شریعتیں آئیں جو حضرات انبیاء کرام لائے فرمایا جارہا ہے کہ وہ شریعتیں اب قابل عمل نہیں اب تو آپ کی شریعت آپ کا حکم سب پر جاری ہوگا گویا پچھلی آیات میں شریعتوں کے نزول کا ذکر تھا اب ان کے نسخ کا اشارۃً ذکر فرمایا جارہا ہے۔

شان نزول ابن ابی حاتم اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ یہود کے کچھ پوپ پادری کعب ابن امیہ عبداللہ ابن صوریا۔ شاس ابن قیس نے آپس میں مشورہ کیا کہ چلو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں انہیں دھوکہ دیں ان کے دین سے پھسلا دیں۔ چنانچہ وہ تینوں بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر بولے کہ یارسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم یہود کے چوٹی کے علماء میں ہماری قوم میں ہمارا بڑا وقار بڑی عزت ہے اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو ہمارے ساتھ بہت ہی بڑی جماعت ایمان لے آئے گی۔ جس سے آپ کے دین کو بہت قوت پہنچے گی۔ ہمارا ایک کام آپ کردیں۔ ہم سب ایمان لانے کو تیار ہیں۔ کام یہ ہے کہ فلاں قوم سے ہمارا جھگڑا ہے۔ ہم آپ کو اس میں حکم بناتے ہیں وہ لوگ آپ کے حکم پر راضی ہو جائیں گے آپ براہ کرم فیصلہ ہمارے حق میں کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار فرمادیا حضور کی تائید میں یہ آیت کریمہ۔ **وان احکم بینهم** نازل ہوئی (تفسیر خازن' کبیر' روح البیان' روح المعانی وغیرہ) (۲) جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں بنی قریظہ اور بنی نضیر کے قتل کا مقدمہ پیش ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقتول سب برابر ہیں۔ خون کا حکم تمام قوموں کے لئے یکساں ہے۔ بنی نضیر بنی قریظہ کے برابر ہیں۔ انہیں کوئی فوقیت حاصل نہیں کہ ان کے ایک مقتول کے عوض بنی قریظہ کے دو آدمی قتل کئے جاویں تو بنی نضیر بولے ہم آپ کے اس حکم پر راضی نہیں ہمارے ہاں صدیوں سے یہی رواج چلا آرہا ہے کہ ایک نضیری کے عوض دو قریظی قتل کئے جاتے ہیں آپ بھی اس رواج کے مطابق فیصلہ فرمایئے۔ تب دوسری آیت کریمہ **افحکم الجاهلية يبغون** الخ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی و مدارک و بیضاوی وغیرہ)

تفسیر وان احکم بینهم بما انزل الله۔ یہ عبارت یا تو معطوف ہے **الكتاب** پر اور حالت نصبی میں ہے یا معطوف ہے۔ **الحق** پر اور حالتی جری میں ہے۔ دونوں صورتوں میں ان سے پہلے **قولنا** پوشیدہ ہے (روح المعانی)

احکم بنا ہے **حکم**۔ بمعنی فیصلہ سے اس میں اور اس آیت کے تمام خطابات میں بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر درحقیقت مسلمانوں سے خصوصاً اسلامی حکام سے ہے (تفسیر کبیر) یہ حکم وجوبی ہے اور اس وجوب کا تعلق **احکم بینھم بما انزل اللہ** سے ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اہل کتاب کا فیصلہ کرنا واجب نہ تھا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **فاحکم بینھم اواعرض عنھم** لیکن اگر فیصلہ کریں تو مطابق شرع فیصلہ کرنا واجب تھا۔ یہ ہی حکم مسلمانوں اور حکام اسلام کا ہے کہ اگر انہیں اہل کتاب اپنا پنچ بنائیں تو ان پر پنچ بننا واجب نہیں۔ لیکن اگر بن جاویں تو شرعی صحیح فیصلہ کرنا واجب ہے ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ آیت بھی محکم اور آیت **فاحکم بینھم اواعرض عنھم** بھی محکم ہے ان میں سے کوئی منسوخ نہیں **بینھم** کا مرجع اہل کتاب ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمانوں کی رعایا نہ ہوں۔ ورنہ جو کفار مسلمانوں کی رعایا ہوں ان کے فیصلے حاکم اسلام پر کرنا ضروری ہیں **ما انزل اللہ** سے مراد قرآن مجید اور حدیث نبویہ بلکہ قیاس مجتہد اور اجماع سب ہی داخل ہیں۔ خیال رہے کہ پچھلی آیت میں حکم سے مراد زنا کی سزا کا حکم تھا اور یہاں حکم سے مراد قتل کی سزا کا فیصلہ ہے لہٰذا آیات میں تکرار نہیں (تفسیر خازن) **ولا تتبع اھواءھم** یہ عبارت یا تو **ان احکم** کی تفسیر ہے یا دوسرا حکم یہاں بھی بظاہر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور مراد امت ہے **اھواء** جمع **ھوی** کی۔ بمعنی خواہش نفسانی **ھم** کا مرجع وہ ہی اہل کتاب ہیں یعنی ان اہل کتاب کی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو بلکہ ان پر اسلامی حکم جاری کرو اور ان کے خاص مذہبی معاملات میں ان کی کتاب کے مطابق حکم جاری کرو بہرحال ان کی مرضی کی پیروی نہ کرو **واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک** اس جملہ میں وہ بات بتائی گئی ہے جو عدل و انصاف کا مدار ہے یعنی ان مقدمہ والوں کی باتوں میں آنا ان کی لالچ یا ڈرانے کی پرواہ نہ کرنا **حذر** سے مراد ہے احتیاط کرنا یعنی وہ خوف جو فریبی مکار دشمن سے ہوتا ہے جس کا نتیجہ احتیاط کرنا اور چوکنا رہنا ہوتا ہے۔ حق سے باطل کی طرف پھرنا فتنہ ہے۔ **بعض** سے مراد ہے وہ خاص فیصلہ قتل جو ان پوپ پادریوں نے بارگاہ نبوت میں پیش کیا تھا یعنی ان لوگوں کا یہ عرض کرنا کہ اگر آپ نے فیصلہ ہمارے حق میں کر دیا تو ہم مع اپنی جماعت کے مسلمان ہو جائیں گے یہ وعدہ اسلام نہیں بلکہ آپ کو اس بارے میں حق فیصلہ سے روکنے سے باطل فیصلہ کرانے کی ایک چال ہے لہٰذا یہ فتنہ ہے یہاں فتنہ بمعنی آزمائش نہیں ہے **فان تولوا** **تولوا** بنا ہے **تولی** سے۔ بمعنی منہ پھیرنا اس کا فاعل وہ کتابی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے یعنی اگر یہ لوگ آپ کے حق فیصلے سے منہ پھیریں اسے قبول نہ کریں باطل فیصلہ کرانا چاہیں تو **فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم** یہ جملہ ان کی جزاء ہے **یصیب** مضارع ہے۔ **اصابت** کے۔ بمعنی پہنچانا یہ دو مفعول چاہتا ہے اس کا پہلا مفعول تو **ھم** ہے اور دوسرا مفعول پوشیدہ ہے۔ دنیاوی سزا یعنی ان کا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونا۔ ان پر سزا مقرر ہونا اور جلاوطن ہونا جیسا کہ بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ تینوں سزائیں انہیں ملیں **بعض ذنوبھم** سے مراد ان کی یہ ہی ہیرا پھیری ظلم کرنا ظلم کرانے کی کوشش کرنا ہے۔ ان کو بقیہ

گناہوں کی سزا آخرت میں دی جاوے گی یعنی ان کی یہ سرکشی دنیاوی سزا پانے کی علامت ہے یہ پھل مار کھانے کے ہیں یہ لوگ ان حرکتوں سے خود قہر الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں **ان کثیرا من الناس لفسقون** یہاں **کثیرا من الناس** سے مراد یہ ہی سرکش یہود ہیں یا ان کی مثل اور سرکش **فاسقون** سے مراد ہے کفر پر مضبوط اور پورے ڈھیٹ حدود الٰہیہ سے خارج اگرچہ سارے اہل کتاب کافر ہیں مگر ان میں سے بعض لوگ نرم پالیسی والے ہیں۔ بعض بہت سرکش اس لئے کثیر فرمایا گیا۔ اس صورت میں **ناس** سے مراد اہل کتاب ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ناس سے مراد سارے انسان ہوں اور کثیر سے مراد سارے کافر۔ مگر پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے۔ یعنی بہت سے اہل کتاب بڑے ڈھیٹ ہٹ دھرم ہیں کہ اپنی قوم کے غریبوں کو دبانا چاہتے ہیں یا مومن لوگ تو اللہ سے خوف رکھتے ہیں مگر کفار بڑے سرکش اور نا ہنجار ہیں **افحکم الجاھلیة یبغون** اس عبارت میں ف عاطفہ ہے اور یہ عبارت ایک ایک پوشیدہ جملہ پر معطوف ہے یعنی **تترکون حکم اللہ یاحکمک** ہمزہ استفہامیہ ہے۔ استفہام یعنی سوال کے بہت مقصد ہوتے ہیں۔ پوچھنا' اقرار کرانا' انکار کرنا تعجب کرنا۔ تعجب کرانا یہاں استفہام آخری مقصد کے لئے ہے یعنی مخلوق کو یا قرآن پڑھنے والے کو تعجب دلانا کیونکہ جو شخص بے موسم یا بے موقع کلام کرے تو لوگ اس پر تعجب بھی کرتے ہیں اسے احمق بھی کہتے ہیں جو سردی میں گرمی کے لباس پہنے یا اس کے برعکس گرمی میں سردی کا لباس و بستر استعمال کرے یا دن میں دھوپ میں چراغ سے کتب پڑھے یا سردی کی دھوپ میں چھتری لگائے یا بارش میں چھتری بغل میں لئے رہے مگر لگائے نہیں اس پر لوگ ہنستے ہیں اسے دیوانہ کہتے ہیں یوں ہی نبوت مصطفوی کا سورج چمک جانے پر جاہلیت کی رسوم سے اس پر تعجب ہے کہ حضور کے فیصلے سے جنات فرشتے جانور چاند' سورج' لکڑیاں' کنکر' پتھر غرضیکہ ساری مخلوق تو راضی ہے مگر یہ لوگ انسان ہو کر راضی نہیں یہ بات تعجب انگیز ہے۔ **جاھلیة** سے مراد ہے یا تو حضرت عیسیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ سلم کے درمیان کا وہ زمانہ ہے جبکہ تعلیم ربانی قریباً معدوم ہو چکی تھی لوگ بے راہ ہو گئے تھے یا اس سے مراد نفسانی خواہشات ہیں پہلے معنی کی جاہلیت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور تبلیغ سے ختم ہو گئی مگر دوسری جاہلیت تاقیامت رہے گی یہاں حکم جاہلیت سے مراد وہ ہی غلط فیصلہ ہے جو یہود حضور انور سے کرانا چاہتے تھے جیسے شخصی زندگی میں ہم پر دو قسم کے دور آتے ہیں بچپن کا دور محض نفسانی ہوتا ہے۔ ہوش سنبھالنے پر عقل کا دور شروع ہوتا ہے اس نفسانی دور میں بچے کے سارے عیوب معاف ہوتے ہیں۔ بچہ بستر پر پیشاب پاخانہ کرے معاف ہے ماں کا دودھ پئے۔ چیزیں بگاڑے کوئی پکڑ نہیں مگر ہوش سنبھالنے پر یہ حرکات معاف نہیں ہوتیں۔ حضور سے پہلے انسانیت نفسانیت کے دور میں تھی اس کے سارے قصور معاف فرما دیئے گئے صرف توحید نجات کے لئے کافی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عقل اکمل ہیں حضور سے دنیا کا عقلی دور شروع ہو گیا اب اس زمانہ کے رسم و رواج قابل معافی نہیں جو اب بھی وہ رسوم چاہے وہ ایسا ہی ہے۔ جیسے عاقل بالغ لڑکا ماں کا دودھ مانگے اور بستر پر پیشاب پاخانہ کرے اس لئے فرمایا گیا۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ اب بھی آپ کی تشریف آوری کے بعد

بھی وہ ہی جاہلیت کے زمانہ کے اندھا دھند فیصلے چاہتے ہیں جبکہ انسان جانوروں سے بدتر تھے اور ہر شخص اپنی من مانی کرلیتا تھا۔ اب تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے حق کا بول بالا ہے اس دور میں وہ فیصلے چاہنا تعجب کی بات ہے **ومن احسن من اللہ حکما** یہ جملہ علیحدہ ہے اور من استفہامیہ ہے یہ استفہام انکاری ہے اس سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کے احکام کے خلاف حکم دیں خواہ کفار ہوں یا ظالم حکام اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں کیونکہ حضور کا حکم تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے نہ انصاف کرنے والے مسلمان حاکم اس میں داخل ہوسکتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حکم دیتے ہیں۔ **حکما احسن** کی ضمیر سے تمیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون اچھے حکم والا ہے وہ اچھے حکم والا **احکم الحاکمین** ہے۔ **لقوم یوقنون** لام یا تو بمعنی عند کا ہے یا بیان کا ہے جیسے **ھیت لک** یا **سقیالک** میں ہے بعض کے نزدیک صلہ کا ہے۔ ایقان سے مراد ایمان ہے یعنی مومن قوم کے عقیدے میں رب تعالیٰ سے اچھا حکم والا کوئی نہیں مگر کفار اپنی حماقت و جہالت سے دوسروں کے حکم کو اللہ کے حکم سے اچھا جانتے ہیں یا مومنوں کے لئے اللہ سے اچھا حاکم کون ہوسکتا ہے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر قرآن مجید بھی اتارا اور ہم نے آپ کو یہ تین حکم بھی دیئے ایک یہ کہ آپ (یعنی آپ کے تابعین حکام اسلام) اہل کتاب کفار کے درمیان اللہ تعالیٰ کے اتارے احکام جاری کریں اور ان کے مطابق ان کے فیصلے کریں وہ اتارے ہوئے احکام خواہ قرآن مجید میں ہوں یا آپ کے فرمان ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ (یعنی آپ کے تابعین) ان کفار کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ ان کی مرضی کے مطابق فیصلے نہ فرماویں۔ تیسرے یہ کہ کفار کوشش کریں گے کہ کسی طرح آپ کو (یعنی آپ کے حکام) کو حق سے لغزش دے دیں پھسلا دیں تو ان سے محتاط رہیں ان کی چکنی چپڑی باتوں ان کی لالچ بھری گفتگو کی طرف توجہ نہ کریں وہ ان ترکیبوں سے یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو (یعنی آپ کے حکام) کو بعض احکام اسلامیہ سے لغزش دے دیں اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرالیں۔ اگر یہ لوگ آپ کے حق فیصلے سے راضی نہ ہوں تو یقین فرمایئے کہ اس کا خمیازہ انہیں ہی بھگتنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں یعنی غلط فیصلہ کرانے کی کوشش اور حق فیصلہ پر راضی نہ ہونے کی سزا انہیں دنیا میں ہی دے آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے وہاں تو انہیں کفر اور سارے گناہوں کی سزا ملے گی۔ مگر اس جرم کی سزا دنیا میں بھی ملے گی کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوں گے بہت سے لوگ بدکار نفس بدبخار کے پنجہ میں گرفتار ہیں اب تک تو یہ لوگ اپنی من مانی کرتے رہے کہ سزاؤں میں بھی ذاتی اونچ نیچ کا فرق کرتے رہے کیا اب بھی وہ ہی جاہلیت کے دور کے فیصلے کرانا چاہتے ہیں بیوقوف یہ نہیں جانتے کہ رات گزر چکی سویرا ہوگیا نبوت کا سورج افق عالم پر چمک گیا ایسی اب اندھیر گردی کیسے ہوسکتی ہے آپ کا حکم اللہ کا حکم ہے اور اللہ سے بہتر کس کا حکم ہوسکتا ہے مگر یہ عقیدہ تو ایمان والوں کا ہے یہ بے دین تو اللہ کے مقابل اپنے نفس کے حکم کو ترجیح دیتے ہیں خیال رہے کہ اللہ کے حکم دو قسم کے ہیں تکوینی حکم اور تشریعی حکم، تکوینی حکم میں

بندوں کو کچھ اختیار نہیں ہے جیسے انسانی جسم کے اعضاء کا اپنے مقامات پر ہونا کالا گورا ہونا سعید و شقی ہونا۔ جینا مرنا ان پر ثواب عذاب بھی نہیں ملتا تشریعی حکم میں بندوں کو اختیار دیا جاتا ہے اور اس پر ثواب و عذاب ہوتا ہے جیسے نماز و روزے وغیرہ کا حکم تکوینی احکام کے متعلق سب کو یقین ہے کہ بالکل برحق ہیں اگر آنکھیں پاؤں میں کان پیٹھ میں ہوتے تو مصیبت پڑ جاتی۔ تب اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام کو برحق مانتے ہو تو اس کے تشریعی احکام کو بھی برحق مانو اس سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ اسلامی حاکم کافر رعایا کو سزائیں وغیرہ اسلامی دے گا نہ کہ ان کی مروجہ سزائیں لہٰذا کافر چور کے ہاتھ کاٹے گا کافر قاتل کو قتل کرے گا۔ یہ فائدہ **بما انزل اللّٰہ** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ کوئی شخص اپنے کو کفار و فساق کے فریب و مکر سے محفوظ نہ جانے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محتاط رہنے کا حکم دیا تو ہم کس شمار میں ہیں یہ فائدہ **واحذرھم** الخ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ حکام کو فیصلہ میں بہت ہی احتیاط کرنی چاہیے مقدمہ والے بہت ہی دھوکہ دیتے ہیں بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے۔ یہ فائدہ بھی **واحذرھم** الخ سے حاصل ہوا۔

حکایت ایک قاضی صاحب کے پاس ایک عورت زار و قطار روتی ہوئی اپنے خاوند کے خلاف شکایت لائی قاضی صاحب کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس نے کہا عورت بڑی مظلومہ ہے۔ قاضی صاحب نے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا وہ بولا اس کی زاری اور بے تحاشا رونے سے قاضی صاحب نے فرمایا کہ کبھی ظالم بھی روتا ہے تاکہ اس کا ظلم چھپ جاوے رب تعالیٰ فرماتا ہے **جاءوا اباھم عشاء یبکون** یوسف علیہ السلام کے بھائی انہیں کنوئیں میں ڈال کر والد ماجد کے پاس روتے چیخیں مارتے ہی آئے تھے۔ تحقیقات پر پتہ چلا کہ عورت نہایت ہی ظالمہ تھی۔ مرد بے قصور تھا آج کل بڑے بڑے ظالم غریب بن کر حکام کے پاس پہنچتے ہیں مگر ہوتے ہیں۔ ظالم بڑی احتیاط چاہیے۔ چوتھا فائدہ کسی کے نفس کا شریعت کے خلاف چاہنا دل کا رجحان اسلام کے خلاف ہونا اس پر عذاب الٰہی آنے کی علامت ہے۔ خدا کرے ہمارے دل وہ ہی چاہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں یہ فائدہ **انما یرید اللّٰہ** الخ سے حاصل ہوا۔ شعر:

☆ ہر کہ　　سیملئے　　راستاں　　دارد ☆ سر خدمت　　بر آستاں　　دارد ☆

پانچواں فائدہ مسلمان ہو کر کفار کی رسموں کو پسند کرنا بہت ہی معیوب ہے ان کی یہ رسمیں اس وقت کی ہیں جب دنیا میں اندھیرا تھا اب تو نبوت کا سورج تاقیامت چمک رہا ہے پھر کیوں گڑھے میں گرتے ہو اب تک مسلمان میراث میں ہندو قانون پسند کرتے تھے یعنی اپنی بیٹیوں کو میراث سے محروم کر دینا کس قدر افسوس ہے یہ فائدہ **افحکم الجاھلیۃ یبغون** سے حاصل ہوا اب تو مسلمان کفار کی اداؤں پر فدا ہیں۔ صورت، سیرت، رسم و رواج عیسائیوں کے پسند کرتے

ہیں۔

پہلا اعتراض **ما انزل اللہ** پر فیصلہ کرنے کا حکم دوبارہ کیوں دیا گیا یہ ہی آیت ابھی پہلے بھی گزر گئی تکرار سے کیا فائدہ۔ **جواب** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ وہاں **فاحکم** سے مراد زانی پر رجم کا فیصلہ کرنا تھا اور یہاں **ان احکم** میں حکم سے مراد قاتل پر قصاص شرعی کا فیصلہ کرنا ہے یا اس کے برعکس لہٰذا مضمون میں تکرار نہیں اور اگر تکرار ہو بھی تو تاکید کے لئے ہے بے فائدہ تکرار خلاف فصاحت ہے سورہ رحمٰن شریف میں ۲۷ جگہ ہے **فبای الاء ربکما تکذبن** یہ تکرار عین فصاحت ہے۔ دوسرا اعتراض رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں فرمایا **ولا تتبع اھواءھم** ان کفار کی خواہشات کی پیروی نہ کرو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اندیشہ تھا۔ نوٹ مسلمانوں میں ایک بدنصیب قوم ہے جو عصمت انبیاء کی منکر ہے امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں ان کا یہ اعتراض نقل فرمایا ہے **جواب** اس اعتراض کے تین جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کریمہ کے سارے خطاب مومنین سے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں ہی نہیں جیسا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے معلوم ہو رہا ہے اس جواب سے اعتراض کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ خطاب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے مگر سنانا مقصود ہے امت کو۔ امام رازی نے یہ جواب بھی دیا۔ تیسرے یہ کہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اس سے مراد ان چیزوں پر استقامت یعنی اے محبوب یونہی عمل کئے جایئے۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یایھا النبی اتق اللہ** مطلب یہ ہی ہے کہ اے محبوب اسی طرح تقویٰ پر قائم رہئے ورنہ یہ حکم تو بعد میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی ان یہود کی عرض و معروض کو ٹھکرا چکے تھے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ نیز یہ آیت مدنیہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ نے بڑی بڑی لالچ دیں ہر طرح ڈرایا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی **شعر:**۔

☆ وہ آفت جب فضاء آسمان بھی تھرتھراتی تھی ☆

☆ محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت کی مثال نہ ملے گی۔ ان بے مثال محبوب کی ہر ادا بے مثال ہے۔ تیسرا اعتراض اس آیت کریمہ میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ **عن بعض ما انزل اللہ** کفار تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر حکم الٰہی سے ہٹانے کی خواہش رکھتے تھے۔ **جواب** اس موقع پر انہوں نے قتل کے فیصلہ میں حضور سرکار کو ہٹانا چاہا تھا۔ اپنے اور اپنی قوم کے اسلام کی لالچ دے کر اس واقعہ کے لحاظ سے یہ ارشاد ہوا۔ چوتھا اعتراض یہاں **ببعض ذنوبھم** کیوں فرمایا گیا کیا کفار کو سارے جرموں کی سزا نہ ملے گی انہیں تو ہر جرم کی سزا ملنی چاہیے۔ **جواب** یہاں دنیاوی سزا مراد ہے قتل' قید' جلاوطنی مسلمانوں کا رعایا بن جانا وغیرہ اور واقعی کفار کو دنیا میں تو بعض جرموں کی ہی سزا ملتی ہے وہ سزا بھی بعض ہی ہوتی ہے تمام جرموں کی پوری سزا تو بعد قیامت ہی ملے گی۔ پانچواں اعتراض یہاں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ بہت سے لوگ فاسق ہیں

کثیر من الناس کفار تو سارے ہی فاسق ہیں کیا ان میں بعض نیک کار بھی ہیں۔ جواب یہاں **الناس** سے مراد سارے انسان ہیں جن میں مومن کفار سب ہی داخل ہیں مومن تھوڑے ہیں کافر زیادہ لہذا یہ فرمانا بالکل حق ہے کہ بہت لوگ فاسق ہیں یعنی تھوڑے، لوگ متقی اور اگر **الناس** سے مراد کفار ہی ہوں تب بھی کفار دو قسم کے تھے ایک سرداران کفر۔ دوسرے ان کے مطیع و فرمانبردار بڑے پاجی فاسق یہ ہی سردار تھے دوسرے لوگ تو ان کی پیروی میں کافر ہوئے تھے۔ اس صورت میں کثیر سے مراد کثرت اضافی نہیں بلکہ کثرت حقیقی ہے۔ **چھٹا اعتراض** اللہ تعالیٰ کا حکم بہرحال ہر شخص کے لئے اچھا ہے پھر یہاں **لقوم یوقنون** کیوں فرمایا گیا یقین والوں کے سواء دوسروں کے لئے رب تعالیٰ کا حکم اچھا نہیں (آریہ) **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں لام بمعنی **عند** ہے یعنی یقین والے مومنوں کے عقیدہ میں رب کا حکم سب سے اچھا ہے کفار تو اپنے خواہش نفسانی کے فیصلے کو ہی اچھا سمجھتے ہیں یہاں واقعیت کا ذکر نہیں ان کے خیالات کا ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ صورت میں ہر انسان یکساں ہے مگر سیرت اور سعادت و شقاوت میں مختلف کوئی روح سعید ہے کوئی شقی سعادت و شقاوت چہرے سے معلوم نہیں ہوتی بلکہ دلی رجحان سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ دل کا رجحان شریعت مطہرہ کے خلاف احکام کی طرف ہونا علامت شقاوت ہے اور شریعت پاک سنت مصطفوی کی طرف دل کا جھکاؤ علامت سعادت ہے۔ شقی آدمی جاہلیت کی باتوں سے خوش ہوتا ہے۔ سعید ان سے نفرت کرتا ہے کوئی صابن کوئلہ کو سفید نہیں کر سکتا کوئی صحبت بدبخت ازلی کو سعید نہیں کر سکتی۔ خیبر و تبوک بلکہ مدینہ منورہ کے بنی قریظہ و بنی نضیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے آپ کا کلام پاک سن کر بھی شقی ہی رہے۔ تفسیر صاوی شریف پہلا پارہ زیر آیت **ثم اتخذتم العجل** فرمایا کہ سامری کا نام موسیٰ تھا یہ کنواری لڑکی سے پیدا ہوا یعنی حرامی تھا۔ اس کی ماں شرم سے اسے پہاڑ کی غار میں چھوڑ آئی رب تعالیٰ نے بذریعہ جبرئیل علیہ السلام پرورش کرائی مگر جوان ہو کر رہا کافر و ساحر۔ اس لئے اس مردود نے غرق فرعون کے دن حضرت جبرئیل کو پہچان لیا کہ وہ ان کی پرورش میں رہا تھا وہاں فرمایا۔

☆ **اذا المرء لم یخلق سعید من الازل** ☆ **فقد خاب من ربی وخاب المؤمل** ☆
☆ **فموسی الذی رباه جبریل کافر** ☆ **وموسی الذی رباه فرعون مرسل** ☆

یعنی حضرت جبرئیل کی آغوش میں پرورش پانے والا یہ موسیٰ (سامری) تو کافر ہوا اور فرعون کے گھر پرورش پانے والے موسیٰ علیہ السلام مرسل ہوئے یہ نتیجہ ہے سعادت ازلی اور شقاوت ازلی کا انسان کو چاہیے کہ بزرگوں کو انقیاد (اطاعت) کرے اعتراض نہ کرے موت و فوت سے پہلے کمائی کرو صوفیاء فرماتے ہیں کہ پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو موت سے پہلے زندگی کو بڑھاپے سے پہلے جوانی کو۔ بیماری سے پہلے تندرستی کو مشغولیت سے پہلے فراغت کو فقیری سے پہلے مال کو۔ سردی کا موسم بہت اعلیٰ ہے کہ اس کی راتیں قیام کے لئے دراز اور اس کے دن صیام کے لئے چھوٹے دراز رات کو سو

کر چھوٹی نہ کر لو روشن دن کو اپنے گناہوں سے مکدر مت کرو۔ جن لوگوں کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی ان کے حالات سے عبرت لو (از روح البیان مع زیادۃ) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا میں زندگی کامیابی سے وہ ہی گزار سکتا ہے جو تین چیزوں پر عامل رہے اپنے پر اپنے تعلق والوں پر اللہ رسول کے احکام جاری کرے دوسرے یہ کہ اپنی اپنے عزیزوں دوستوں کی خواہش نفسانی کی اتباع نہ کرے سب کی **اھواء** سے بچے تیسرے یہ کہ اپنی زندگی احتیاط سے گزارے دنیا اندھیرا اور پھسلن والا راستہ ہے چاہیے کہ ہمارے ایک ہاتھ میں اللہ کا نور یعنی حضور کا دامن رہے دوسرے ہاتھ میں قرآن کا عصا رہے ورنہ اندھیرے اور پھسلن میں ہم برباد ہو جاویں گے۔ نفس امارہ کے منہ میں شریعت کی لگام دو اور وہ لگام کسی اللہ والے کے قبضہ میں کرو ورنہ یہ مست گھوڑا تمہیں کہیں خار یا غار میں ہلاک کر دے گا۔ صوفیاء کے نزدیک یہ آیت ہر شخص کے لئے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ بناؤ یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست ان میں کے بعض دوست
اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست
بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
ہیں بعض کے اور جو دوستی کرے گا ان سے تم میں سے پس تحقیق وہ ان سے ہوگا بے شک اللہ نہیں
ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے بے شک اللہ بے انصافوں
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾
ہدایت دیتا ظالم قوم کو
کو راہ نہیں دیتا۔

وقف لازم، وقف مطلق، وقف جبرئیل، وقف غفران

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ اور سارے کفار سے محتاط رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب ان سے محبت و دوستی رکھنے سے سخت ممانعت فرمائی جا رہی ہے گویا معمولی خطرہ کے بعد بڑے خطرہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مسلمان اپنی زبان اپنے قلب کو یہود و نصاریٰ وسوسے اور شرارتوں سے محفوظ رکھیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اپنے خیالات اور دلوں کو ان کے خطرات ان کی محبت و میلان سے محفوظ رکھو گویا قالب کے اخلاص کے بعد قلب کے اخلاص کی تاکید فرمائی جا رہی ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کفار کو دنیا میں بھی عذاب دینا چاہتا ہے اس لئے ان کے دماغ اوندھے ہیں۔

اب مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنے کو اس عذاب سے بچلئے رہنا اگر تم نے ان کفار سے محبت کی تو تم بھی عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ وہ تباہ ہوں گے اپنی حرکتوں کی وجہ سے تم تباہ ہو گے ان مجرموں کی محبت کی وجہ سے گندم کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں۔

شان نزول ایک بار حضرت عبادہ ابن صامت جو بنی حارث ابن خزرج قبیلہ سے تھے یعنی انصاری خزرجی تھے انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ یہود کی بہت بڑی جماعت جو بڑی دولت مند اور جاہ و جلال والی ہے ان سے میری گہری دوستی تھی۔ میں نے اسلام قبول کر کے ان سب سے علیحدگی اختیار کر لی۔ میں نے اللہ رسول کی محبت پر ان سب کی محبتوں کو قربان کر دیا وہاں ہی عبداللہ ابن ابی ابن سلول بھی اتفاقاً موجود تھا وہ بولا کہ مگر میں تے یہود سے اپنے تعلقات نہیں توڑے کیونکہ مجھے ان کے تعلقات کی ضرورت ہے حالات زمانہ کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے تعلقات رکھے جاویں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ یہود سے محبت تو ہی کر سکتا ہے عبادہ نہیں کر سکتے وہ بولا ہاں مجھے ان سے محبت منظور ہے اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن' روح المعانی' تفسیر کبیر وغیرہ)

(۲) غزوہ خندق کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا محاصرہ فرمایا تو ان کے محلّہ میں کسی کام کے لئے حضرت ابو لبابہ ابن عبدالمنذر کو بھیجا بنی قریظہ نے ان سے پوچھا کہ اگر ہم اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیں تو حضور ہمارے ساتھ کیا معاملہ فرمائیں گے۔ ابو لبابہ نے اپنے حلق پر انگلی پھیر کر اشارۃ بتایا کہ تم سب قتل کیے جاؤ گے۔ پھر شرمندہ ہوئے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز دشمنوں پر فاش کر دیا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن)

(۳) غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے قدم عارضی طور پر اکھڑ گئے تو بعض ضعفاء مومنین بولے کہ ہم فلاں یہودی سے امان لے لیں کہ مجھے خطرہ ہے کہ اس افراتفری کی حالت میں یہود ہم پر نہ ٹوٹ پڑیں کسی نے کہا کہ میں فلاں عیسائی کی امان لے لوں گا۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن' تفسیر روح المعانی) مگر یہ تیسری روایت کچھ ضعیف سی ہے کیونکہ سورہ مائدہ کا نزول ۵ ہجری سے شروع ہوا ہے اور غزوہ احد ۳ ہجری میں ہوا۔ اس لئے پہلی دو روایات قوی معلوم ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

تفسیر یایھا الذین امنوا۔ چونکہ اسلام کی خاطر تمام کفار سے پرانی دوستیاں ختم کر دینا بہت مشکل اور اہم کام ہے اور رب تعالیٰ مشکل اور اہم احکام مسلمانوں کو خطاب کر کے سناتا ہے تاکہ خطاب کی لذت سے وہ کام آسان ہو جاوے اس لئے یہاں رب تعالیٰ نے پہلے خطاب فرمایا اور بعد میں حکم سنایا حق یہ ہے کہ یہ خطاب تاقیامت مسلمانوں سے ہے صرف حضرات صحابہ سے خاص نہیں کہ اگرچہ شان نزول خاص ہے مگر عبارت عام ہے اور ہر مسلمان پر یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا حرام ہے اس خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں حضور انور کو **یایھا النبی یایھا الرسول** سے

خطاب ہوتا ہے **لا تتخذوا الیھود النصرٰی اولیاء** یہودی نصاریٰ کے ناموں کی تحقیق بارہا بیان ہو چکی ہے۔ **اولیاء** کے معانی اور اس کی تفسیر دوسرے پارے کی تفسیر میں گزر چکی۔ محبت مودت' صداقت' ولایت ان سب کے معنی قریبا یکساں ہیں اور حبیب' ودود' صدیق' ولی قریبا ہم معنی ہیں مگر اکثر ولایت اس محبت کو کہا جاتا ہے جو اختیاری ہو اور دل کی گہرائیوں میں اتر جاوے' غیر اختیاری اور اوپری محبت کو ولایت نہیں کہا جاتا۔ ان وجوہ سے یہاں احباء یا اصدقا نہیں فرمایا بلکہ اولیاء فرمایا کہ کیونکہ کافر اولاد کافر ماں باپ عیسائی بیوی سے غیر اختیاری محبت تو ہوتی ہے خیال رہے کہ اولیاء جمع ہے **ولی** کی اور **ولی** یا تو بنا ہے ولی سے ' بمعنی قرب یا محبت یا بنا ہے ولایت سے ' بمعنی مدد و نصرت یہاں تمام معانی درست ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو ولی قریب نہ بناؤ انہیں محبوب و پیارا نہ بناؤ۔ انہیں بلا ضرورت مددگار نہ بناؤ غرضیکہ ان سے محبت تو مطلقاً حرام ہے مگر ان کی مدد کرنا یا ان سے مدد لینا ضرورت سخت میں حلال ہے بلا ضرورت حرام خصوصاً جب کہ ان سے محبت یا مدد لینا مسلمانوں کے مقابلہ میں ہو تو بہت سخت حرام ہے۔ خیال رہے کہ قرابت و رشتہ داری اور چیز ہے محبت دوسری چیز یہاں محبت کی ممانعت ہے رہی بعض قرابت داریاں یہ ان سے جائز ہیں چنانچہ اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح حلال ہے اور ظاہر ہے کہ جب ان سے نکاح ہو گا تو قرابت داری بھی ہو گی۔ یوں ہی قرابت داری کے حقوق ادا کرنا ضروری ہیں۔ چنانچہ مسلمان خاوند اپنی عیسائی بیوی کے حق ادا کرے گا ولایت چیز ہی اور ہے۔ جس سے منع فرمایا گیا ہے **بعضھم اولیاء بعض** اس عبارت میں اس ممانعت کی وجہ بیان ہوئی اس کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ **بعضھم** کا مرجع یہود و نصاریٰ دونوں ہیں مگر دوسرے بعض سے مراد اس قوم کے بعض ہیں یعنی بعض یہود بعض یہود کے دوست ہیں اور بعض عیسائی بعض عیسائی کے دوست ہیں وہ تمہارے دوست نہیں۔ صرف اپنی قوم کے دوست ہیں تو تم ان کے دوست کیوں بنتے ہو۔ افسوس ہے کہ عیسائی قوم صلیب پر متحد ہو جاوے۔ یہودی حضرت عزیر کے بت پر جمع ہو جاویں ہندو ایک جانور یعنی گائے پر متفق ہو جاوے حالانکہ ان سب کا خدا بھی ایک نہیں مگر مسلمان قوم جس کا خدا' رسول' کلمہ' قرآن' کعبہ ہر چیز ایک ہے وہ متفق نہ ہو کتنی شرم کی بات ہے اس آیت میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کی غیرت کو جھنجوڑا ہے دوسرے یہ کہ دوسرے بعض سے مراد دونوں یہود و نصاریٰ ہیں یعنی تمہارے مقابلہ میں عیسائی یہودیوں کے اور یہودی عیسائیوں کے دوست ہیں اگرچہ ان کے آپس میں کتنے ہی اختلاف ہوں مگر تمہاری دشمنی میں سب ایک ہیں لہٰذا تم کو ان سے مل کر نفع نہ ہو گا۔ نقصان ہی ہو گا۔ بہت تعجب ہے کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو گالیاں دیتے ہیں۔ یہود نے ہی جناب مسیح کو سولی دینے کی کوشش کی مسلمان حضرت مسیح ان کی والدہ کے دل سے معتقد مگر عیسائی مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کے دوست ہیں لہٰذا اے مسلمانو دنیا میں کوئی کافر تمہارا دوست نہیں تم آپس میں متفق ہو کر رہو۔ **ومن یتولھم منکم فانہ منھم** اس عبارت میں اس جرم کی سزا کا ذکر ہے۔ **من** سے مراد ہر مسلمان ہے۔ خواہ عالم ہو یا جاہل پیر ہو یا فقیر متقی ہو یا فاسق جیسے ہر پیر فقیر عالم جاہل کو سانپ کا زہر یکساں مضر ہے یوں ہی محبت کفار سب

ہی کو نقصان دہ ہے کوئی نہ کہے کہ میں ولی ہوں مجھے مضر نہیں۔ **ھم** کا مرجع وہ ہی یہود و نصاریٰ ہیں اور اس جملہ کی بھی چند تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ جو ان یہود و نصاریٰ سے دینی محبت رکھے کہ ان کے دین کو اچھا سمجھے وہ انہیں میں سے ہو گا یعنی کافر ہو گا مومن نہ رہے گا دوسرے یہ کہ جو ان سے قومی محبت رکھے یا مسلمانوں کے مقابل ان سے محبت کرے ان کی مدد کرے تو حکم شرعی میں اس قوم سے شمار ہو گا کہ ان ہی کے ساتھ اس سے بھی مسلمان جہاد کریں گے مثلاً کوئی مسلمان یہود و نصاریٰ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل لشکر میں آوے تو مجاہدین کے ہاتھوں وہ بھی مارا جائے گا اور یہ غازی مسلمان اس قتل میں گنہگار نہ ہوں گے یا جو ان سے بلاوجہ مدد لے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ قومی حیثیت سے ان میں شمار ہو گا جو مسلمان ان کے اعمال کو اچھا سمجھے ان کی صورت ان کی سیرت اسے پسند ہو تو وہ قیامت میں ان میں سے ہو گا۔ اس کا حشر ان کفار ہی کے ساتھ ہو گا۔ یہ بھی بڑا عذاب ہے۔ جیسے کسی مہمان کو بھنگی چماروں کے ساتھ بٹھادیا جاوے تو یہ اس کی ذلت ہے۔ فقیر کی یہ تفسیر اور قیود خیال میں رہیں۔ **ان اللہ لا یھدی القوم الظلمین** یہ اس جرم کی دوسری سزا کا ذکر ہے یہاں **ظلمین** سے مراد وہ مسلمان ہیں جو ان یہود و نصاریٰ سے محبت کریں یعنی اپنی محبت غیر محل میں صرف کریں ایسوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا ہی نہیں کہ وہ اسلام پر قائم رہیں یا ان کی مدد نہ فرمائے گا جس سے وہ راہ راست پر رہیں بلکہ ان کو ان کے نفس کے حوالہ کر دے گا۔ محبت کفار سے ان کے دل میں ہدایت کی جگہ رہے گی ہی نہیں لہذا یہ گناہ تمام گناہوں سے بدتر ہے کہ دوسرے گناہوں کا اثر قالب پر پڑتا ہے مگر محبت کفار کا اثر دل و دماغ بلکہ روح اور ایمان پر پڑتا ہے محبت کفار کا نتیجہ کفر ہے۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں چار باتیں ارشاد ہوئیں۔ یہود و نصاریٰ کی دوستی سے ممانعت۔ اس ممانعت کی حکمت **بعضھم اولیاء بعض** اس محبت کی دو سزائیں ایک دنیاوی **فانہ منھم** دوسری اخروی **لا یھدی القوم الظلمین** چنانچہ ارشاد ہوا اے مسلمانو! کبھی یہودیوں عیسائیوں کو دلی دوست نہ بناؤ نہ انہیں دوست سمجھو یہ لوگ اگرچہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں کہ یہود تو عیسائیوں کے دشمن ہیں اور عیسائی یہود کے دشمن مگر تمہارے مقابلہ میں ایک دوسرے کے دوست ہو جاتے ہیں تمہیں تباہ کرنے میں دونوں کوشاں ہیں خیال رکھو کہ جو مسلمان ان سے محبت رکھے گا وہ انہیں میں سے ہو گا۔ اگر مذہبی محبت رکھے گا تو انہیں کے مذہب سے ہو جائے گا یعنی کافر ہو گا اور اگر دنیاوی یا قومی محبت رکھے گا تو عنداللہ اسی قوم سے شمار ہو گا کہ اس کا حشر یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہو گا ایسے ظالم شخص کو جو مسلمانی کا دعویٰ کر کے محبت رکھے یہود و نصاریٰ سے اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہوتیں کہ اللہ رسول سے بھی محبت کرے اور ان سے بھی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** تمام گناہوں میں بدتر گناہ کفار سے محبت ہے۔ دیکھو

رب تعالیٰ نے اسے کفر قرار دیا جیسا کہ **فانہ منھم** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا نیز باقی گناہوں کا تعلق جسم سے ہے مگر اس کا تعلق دل سے اور ظاہر ہے کہ دل کا گناہ بدتر ہے جسم کے گناہوں سے یہ محبت کفار عام ہے کہ خواہ ان کے دین سے محبت ہو یا ان کی قوم سے یا ان کے اعمال سے یا ان کی شکل و صورت سے سب ہی خراب ہے اس کا انجام خراب کفار کی محبت ہر مسلمان کو مضر ہے خواہ ولی ہو یا عالم یا پیر فقیر یا کوئی اور جیسا کہ **من** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ** جب اہل کتاب سے دوستی و محبت حرام یا کفر ہے تو مشرکین سے محبت و دوستی بھی یقیناً بدرجہ اولیٰ حرام ہوگی کہ وہ تو اہل کتاب سے بدتر ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اور انکی عورتوں سے نکاح حلال ہے ان کا یہ بھی حلال نہیں یہ فائدہ بھی **فانہ منھم** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** یہود و نصاریٰ بلکہ تمام کفار سے مدد لینا بلا ضرورت حرام ہے خصوصاً جبکہ ان کی مدد سے ہمارے قومی و دینی مفاد پر برا اثر پڑتا ہو یہ فائدہ **اولیاء** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ ولی بمعنی مددگار بھی ہوتا ہے۔ **چوتھا فائدہ** اسی طرح یہود و نصاریٰ اور تمام کفار کی مدد کرنا خصوصاً مسلمانوں کے مقابلہ میں انہیں امداد دینا سخت حرام ہے یہ فائدہ بھی اولیاء کی اسی تفسیر سے حاصل ہوا اس سے دین اور قوم کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے مگر مسلمان اس تعلیم کو بھول گئے اپنی قوم کے غدار جتنے مسلمان ہیں اتنے کوئی نہیں مسلمانوں نے جب اور جہاں کفار سے شکست کھائی وہاں اپنی ہی قوم کی غداری سے کھائی۔ **شعر:۔**

☆ جعفر از بنگال صادق از دکن! ☆ ننگ آدم ننگ دیں ننگ وطن! ☆

☆ لیل پاکستان چوں آید بروز ☆ مرد جعفر روح او زندہ ہنوز! ☆

پانچواں فائدہ مسلمان بادشاہوں کا کفار کو اعلیٰ عہدے کلیدی آسامیاں دینا جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچ سکیں حرام ہے اس سے قوم و دین کو سخت خطرہ پہنچ سکتا ہے۔

حکایت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خلافت فاروقی میں گورنری کے عہدے پر مقرر ہوئے آپ نے اپنا کوئی کاتب عیسائی مقرر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر سخت ناراضی فرمائی ابو موسیٰ اشعری نے عرض کیا کہ اس علاقہ میں اس جیسا لائق آدمی کوئی نہیں اس کی عیسائیت اس کے ساتھ ہے میں نے تو اسے صرف کاتب رکھا ہے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر یہ عیسائی مرگیا تو کسے رکھو گے جس کو اس کی موت کے بعد رکھو گے اسے ہی اب رکھ لو۔ اللہ نے انکو مسلمانوں سے دور کیا ہے تم انہیں کیوں قریب کرتے ہو۔ دیکھو (تفسیر خازن وغیرہ) **چھٹا فائدہ** جس مسلمان کے دل میں کفار سے محبت ہو اس کا ایمان خطرہ میں ہے یہ فائدہ **لا یھدی القوم الظلمین** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** کفار سے تجارتی لین دین کرنا ان میں عدل و انصاف کرنا اگر وہ ہمارے پڑوسی ہوں تو ان کے حق پڑوسیت ادا کرنا بوقت ضرورت ان سے مدد لینا یا ان کی دنیاوی مدد کرنا ان سے بغیر سودی قرض کا لین دین کرنا جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب

وفات پائی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں گروی تھی اور اس کا آپ پر قرض تھا کیونکہ یہ ولایت و دوستی نہیں یہ تو معاملہ ہے معاملات اور دوستی میں بڑا فرق ہے (از روح البیان) **آٹھواں فائدہ** یہود و نصاریٰ کی شکل بنانا ان کے سے لباس و وضع قطع رسم و رواج اختیار کرنا حرام ہے کہ اس میں صورۃً ان سے دوستی ہے اگرچہ دل میں ان سے محبت نہ ہو (روح البیان) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **من تشبہ بقوم فھو منھم**

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں صرف یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت کیوں فرمائی تمام کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں ان سے دوستی خطرناک ہے۔ پھر صرف ان دو قوموں کا خصوصیت سے کیوں ذکر فرمایا۔ **جواب** چند وجہ سے ایک یہ کہ اس آیت کے نزول کے وقت مدینہ منورہ میں یہ ہی دو قومیں تھیں یہود اور نصاریٰ، مشرکین قریباً ختم ہو چکے تھے وہ ایمان لا چکے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان دونوں قوموں کا اس ملک میں بہت اثر تھا دولت مند، اہل علم، جبّہ والے یہ ہی لوگ تھے حتیٰ کہ اہل مدینہ اکثر و بیشتر ان کے مقروض تھے ان سے پرانے تعلقات تھے جن کا توڑنا ضروری تھا۔ عہد صحابہ میں اکثر لڑائیاں ان ہی دو قوموں سے ہوئیں۔ تیسرے یہ کہ ان کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح درست تھا اندیشہ تھا کہ اس رشتہ کی وجہ سے مسلمان ان کی محبت میں گرفتار ہو کر نقصان نہ اٹھائیں۔ چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ مسلمان آئندہ چل کر یہود و نصاریٰ کی محبت ان سے میل جول ان کی مشابہت میں بہت گرفتار ہوں گے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دے دی تھی کہ میری امت اہل کتاب کے نقش قدم پر چلے گی۔ حتیٰ کہ اگر کسی عیسائی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہو گا۔ تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہو گا۔ جو اپنی ماں سے زنا کرے گا۔ اس کا مشاہدہ آج بھی ہو رہا ہے۔ مسلمان عیسائیوں کی محبت میں فنا ہوئے جا رہے ہیں۔ ان وجوہ سے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا اس تخصیص میں بہت حکمتیں ہیں۔ **دوسرا اعتراض** اسلام نے یہود و عیسائی عورتوں سے نکاح کیوں حلال رکھا۔ جب ان سے نکاح ہو گا تو محبت بھی ہو گی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ان سے نکاح کرو اور محبت نہ کرو۔ **جواب** محبت بہت سی قسم کی ہوتی ہے۔ شہوانی محبت، قومی محبت، ملکی محبت، دینی محبت، دلی محبت، روحانی محبت، ایمانی محبت کفار کے ساتھ دلی محبت حرام ہے۔ جسمانی شہوانی محبت درست ہے جیسے کہ خاوند کو بیوی سے انس و محبت فطری طور پر ہوتی ہے۔ لہٰذا نکاح کی اجازت اس محبت کی ممانعت کے خلاف نہیں اور جو شخص اتنا کمزور ہو کہ کافرہ بیوی کو اپنا دل و جان حوالہ کر بیٹھے۔ اسے ان سے نکاح حرام ہے یہ نکاح کا جواز صرف اس لئے ہے کہ یہ ذریعہ تبلیغ ہے کہ ہماری رشتہ داری کی وجہ سے وہ لوگ مسلمان ہو جاویں غرضیکہ اگر کھینچ لینے کی طاقت ہے تو ان سے نکاح کرو اگر خود کھنچ جانے کا اندیشہ ہے تو ہرگز نہ کرو سانپ وہ پالے جسے تریاق معلوم ہو۔ **تیسرا اعتراض** آخر عیسائیوں، یہودیوں یا دیگر کفار سے محبت کرنے میں حرج کیا ہے۔ اس سے منع کیوں فرمایا گیا۔ **جواب** اس لئے کہ کفار شیطانی ٹولہ ہے رب فرماتا ہے۔ **اولئک حزب الشیطن** ان سے محبت ذریعہ بن جاتی ہے۔ شیطان سے محبت کبھی دیدار سے ہوتی ہے کبھی گفتار سے کبھی آثار سے۔ یہ لوگ شیطان کے آثار ہیں ان سے محبت شیطان سے محبت

کا ذریعہ ہے یوں ہی مومنین خاص کر اولیاء اللہ کی محبت حضور سے محبت کا ذریعہ ہے اور حضور کی محبت اللہ کی محبت کا وسیلہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت کے آثار ہیں ان سے محبت اللہ کی محبت کا ذریعہ ہے اس لئے قرآن کریم میں حضرات انبیاء و اولیاء کا بہت ذکر ہے کہ ان کے ذکر سے ہی محبت ہو۔ ان کی محبت سے اللہ کی محبت ہو۔ **چوتھا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ **بعضهم اولیاء بعض** کہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **والقینا بینهم العداوة والبغضاء** ہم نے ان میں آپس میں بغض ڈال دیا۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں مگر مسلمانوں کی دشمنی میں ان کو مٹانے کی کوشش میں ایک دوسرے کے دوست و مددگار ہیں دیکھ لو امریکہ جو مذہباً عیسائی ہے اس نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے فلسطین میں یہود کو بسایا انکی سلطنت قائم کی ان کی ہر طرح کی مدد کر رہا ہے حالانکہ ان کے عقیدے میں یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل ان کے بدترین دشمن ہیں تمام کفار اسلام دشمنی میں برابر ہیں۔ **الکفر ملة واحدہ** کفر ایک ہی ملت ہے ان آیات میں ان کی آپس کی عداوتوں کا ذکر ہے اور یہاں ان کی اسلام دشمنی میں ایک ہو جانے کا تذکرہ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں یا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ عیسائی عیسائی کے دوست ہیں۔ تمہارے دوست نہیں یہودی یہودیوں کے دوست ہیں تمہارے دوست نہیں۔ تم بھی مسلمانوں کے دوست رہو۔ عیسائیوں' یہودیوں کے دوست نہ ہو اس صورت میں آیت بالکل واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض** دیکھا جا رہا ہے۔ عیسائی مسلمانوں سے بڑی محبت کرتے ہیں ان کی مدد بھی کرتے ہیں برطانیہ اور امریکہ نے پاکستان میں صدہا خیراتی شفاخانے اسکول امدادی مرکز قائم کئے ہوئے ہیں پاکستان کی بڑی مدد امریکہ کر رہا ہے پھر یہ آیت کیونکر درست ہے۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے ایک جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **لا یالونکم خبالا** وہ تمہاری عداوت میں کمی نہیں کرتے یہ خبر درست کیسے ہوئی اور قرآن کی یہ تعلیم تنگ نظری پر مبنی ہے ہم کو فراخدلی چاہیے (بعض ملحدین) **جواب** ہم دھوکہ کھا رہے ہیں وہ یہ تمام کام اپنی مصلحتوں کے لئے کر رہے ہیں مشن کالج' ہسپتال وغیرہ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ہیں ہم کو مدد دینا ہمیں کسی قوم سے لڑانے کے لئے اور اپنا کام نکالنے کے لئے ہے۔

لطیفہ کسی کالج کے مسلمان لڑکوں نے اپنے عیسائی پرنسپل سے جو انگریز تھا پوچھا کہ آپ نے اتنا کچھ خرچ کر کے کتنے مسلمان عیسائی بنائے۔ حساب بتاؤ کہ کتنے مسلمان عیسائی بنے وہ ہنس کے بولا یہ نہ پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ کتنے مسلمان مسلمان رہے ہم مسلمانوں کے دل و دماغ صورت سیرت پر چھا گئے نام تمہارے اسلامی رہ گئے ہیں کام سب عیسائیوں کے سے ہو گئے۔ **شعر:**

☆ توچہ دانی عہد ما با ماچہ کرد ☆ از جمال مصطفیٰ بیگانہ کرد ☆

ہم کو عیسائیوں نے کھلونے دے کر جمال مصطفوی سے بیگانہ کر دیا۔ **چھٹا اعتراض** اگر یہاں اولیاء بمعنی مددگار ہو۔ اور

یہود و نصاریٰ کو مددگار بنانا ان سے مدد لینا ہی ممنوع ہو تو آج مسلمان جی نہیں سکتے ہر اسلامی سلطنت معاشی، معاشرتی، اقتصادی مدد امریکہ و برطانیہ سے لیتی ہے بلکہ بہت سی اسلامی سلطنتیں امریکہ وغیرہ کی مالی امداد سے قائم ہیں۔ جواب یہاں لفظ اولیاء بمعنی دوست ہے تب تو یہ اپنے عموم پر ہے کسی کافر کو مذہبی دوست بنانا کفر ہے انہیں قومی دوست بنانا حرام ہے اور مسلمانوں کی تباہی کا باعث اور اگر بمعنی مددگار ہے تو اس میں کچھ قید لگانا ضروری ہے یعنی بلا ضرورت انہیں مددگار نہ بناؤ یا مسلمانوں کے مقابلہ میں انہیں مددگار نہ بناؤ کہ ان کی مدد لے کر مسلمان قوم کو تباہ و برباد کر دو یا ان سے ایسی مدد نہ لو جس سے تم ان کے قبضہ میں آجاؤ ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جاؤ کہ انہیں کلیدی آسامیاں دے دو جس سے وہ تمہارے ملک و قوم پر قابض ہو جاویں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقع پر کفار کی امداد قبول نہ فرمائی اور بعض موقعوں پر قبول فرما لی ضرورت نہ تھی قبول نہ کی ضرورت تھی اور اس امداد سے ہمارا کوئی نقصان نہ تھا تو قبول فرمالی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک اس آیت کریمہ کی جیتی جاگتی زندہ جاوید تفسیر ہے۔ بہرحال آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بڑے غیور ہیں ان کی غیرت کا تقاضا ہے کہ ان کا چاہنے والا دوسروں کے دروازوں پر نہ جائے یا اس دل میں رہتا ہے جس میں اغیار نہ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر کبھی کبھی نہ بیٹھی کیونکہ وہ گندگی پر بھی بیٹھ جاتی ہے۔ شہد کی مکھی حاضر بارگاہ ہوتی تھی کہ وہ صرف پھولوں پر ہی بیٹھی ہے یہاں ہرجائی کا کام نہیں۔ یہاں وہ چاہیے جو صرف ان کا ہو رہے اس لئے ارشاد ہوا کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا کر ہمارے اور ہمارے محبوب کے ہو چکے خبردار یہود و نصاریٰ بلکہ کسی کافر کو اپنے دل میں نہ بساؤ انہیں دوست نہ بناؤ اگر تم نے انہیں دوست بنایا تو پھر تم ان ہی کے ہو رہو گے ادھر کے نہ ہو گے ہمارے ہاں نسب نہیں دیکھا جاتا نسبت دیکھی جاتی ہے۔ جیسے آنکھ کو گرد و غبار سے محفوظ رکھنے کے لئے قدرت نے پلکوں پپوٹوں کے پردے لگا دیئے ہیں۔ دل کو کفر کی گرد و غبار سے بچانے کے لئے ایمان کے غلاف میں رکھو ورنہ ظالم ہو گے اور ظالم کو ہدایت نہیں ملتی۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ
پس دیکھو گے تم ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ جلدی کرتے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ خوف کرتے ہیں
اب تم انہیں دیکھو گے جن کے دلوں میں آزار ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑتے ہیں کہتے ہیں ہم ڈرتے
تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ
ہم یہ کہ پہنچے ہم کو گردش پس قریب ہے یہ کہ لائے اللہ فتح مندی کو یا کوئی امر اپنے پاس سے پس ہو جاویں
ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجاوے تو نزدیک ہے اللہ فتح لاوے یا اپنی طرف سے کوئی حکم پھر اس پر جو اپنے دلوں

فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا

وہ اس پر جو چھپایا انہوں نے اپنے دلوں میں شرمندہ اور کہیں وہ لوگ جو ایمان لائے کہ کیا یہی

چھپایا تھا پچھتاتے رہ جائیں اور ایمان والے کہتے ہیں کیا یہی ہیں جنہوں نے اللہ کی

أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ

وہ لوگ ہیں جو قسم کھا گئے تھے اللہ کی مشقت کرتے ہیں قسموں میں کہ بے شک وہ البتہ تمہارے

قسم کھائی تھی اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں ان کا کیا دھرا سب

أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾

ساتھ ہیں ضبط ہو گئے اعمال ان کے پس ہو گئے وہ ٹوٹے والے

اکارت گیا تو وہ رہ گئے نقصان میں

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی دوستی سے روکا گیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان سے دوستی رکھنے والا دل کا بیمار اور منافق ہو گا گویا پچھلی آیت میں نقصان دہ چیز سے روکا گیا اب اس سے نہ بچنے والوں کا انجام بیان ہو رہا ہے تاکہ مسلمان اس سے ڈریں اور بچیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے والا ظالم ہے اور ظالم کو ہدایت نہیں ملتی اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو منافقین مدینہ برسوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام سے ملتے جلتے ہیں۔ مگر ہدایت نہ پا سکے کیونکہ ان کے دلوں میں یہود و نصاریٰ کی محبت کا کیڑا لگا ہوا ہے کیڑا کھایا ہوا تخم کیسی ہی اچھی زمین میں بویا جاوے کیسے ہی کھاد و پانی سے اس کی خدمت کی جاوے، مگر وہ اگتا نہیں کیونکہ کیڑا خوردہ ہے گویا پچھلی آیت کریمہ میں دعویٰ تھا اور ان آیات میں اس کا ثبوت ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی محبت سے ممانعت فرمائی گئی اب اندیشہ کو دور فرمایا جا رہا ہے۔ شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ان سے محبت نہ رکھنے میں ہم پر دنیاوی مصیبتیں آ جائیں گی۔ فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے خیالات کو دل میں جگہ نہ دو اللہ پر توکل کرو۔ منافقین کے دلوں میں ایسے خدشات پیدا ہوتے ہیں تم رب تعالیٰ پر توکل کرو اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اللہ تم کو ان کفار سے بے نیاز کر دے گا۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کی دوستی ان کی محبت سے منع فرمایا گیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے، کہ یہ حکم قطعی ہے اس کے متعلق کسی کے عذر لنگ نہ سنے جائیں گے کہ ہم فلاں مجبوری کی وجہ سے ان سے محبت کرتے ہیں۔ غرضیکہ پچھلی آیت میں حکم تھا اب اس حکم کی اہمیت کا بیان ہے۔

شان نزول عبد اللہ ابن ابی اور اس کے جماعت کے دوسرے منافقین مدینہ خیبر اور نجران کے یہود سے خفیہ تعلقات میں خاص

آمد و رفت لین دین رکھتے تھے۔ جب مسلمان اس پر مطلع ہوتے اور ان سے پوچھتے کہ تم یہ کیا حرکت کر رہے ہو تو وہ کہہ دیتے کہ دنیا میں آفتیں مصیبتیں گرانی قحط سالی بیماریاں آتی رہتی ہیں ہمارے ان یہود سے پرانے تعلقات ہیں آفات و مصیبتوں میں یہ لوگ ہمارے کام آتے ہیں۔ ہماری مدد کرتے ہیں۔ اس لئے ہم ان سے تعلقات قائم رکھنے پر مجبور ہیں مگر ان کے دل میں یہ تھا کہ مسلمانوں کا اعتبار نہیں۔ اسلام کو فروغ ہو یا نہ ہو یہ تو ایک وقتی چیز ہے کچھ روز بعد اسلام ختم ہو جاوے گا ہم اس عارضی چیز کی وجہ سے اپنے ان پرانے دوستوں سے کیوں بگاڑیں اس آیت کریمہ میں ان کی اس حرکت کا ذکر فرمایا گیا ہے اور مسلمانوں کا اسلام کے دائم قائم رہنے اور آئندہ اسلامی فتوحات کی خوش خبری دی گئی ہے۔ (تفسیر خازن)

تفسیر **فتری الذین فی قلوبھم مرض** عام مفسرین فرماتے ہیں کہ **فتری** کی ف ترتیب کی ہے۔ جس سے یہ بتایا گیا کہ کفار سے محبت کرنے پر یہ انجام مرتب ہوتا ہے۔ امام کرخی فرماتے ہیں کہ ف عاطفہ ہے اور یہ جملہ **ان اللہ لایھدی القوم الظلمین** پر معطوف ہے **فتری** میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر مسلمان سے **تر** بنا رویت ہے ۔بمعنی دیکھنا۔ خواہ آنکھ سے دیکھنا ہو یا دل سے دیکھنا یعنی معلوم کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں **الذین** سے مراد منافقین مدینہ ہیں اور **مرض** سے مراد دل کی بیماری نفاق ہے **مرض** کی تنوین **تعظیمی** ہے۔ یعنی بڑا اور مہلک مرض بداعتقادی کی بیماری جیسے جسم کے بعض مرض تکلیف دہ ہوتے ہیں مگر مہلک نہیں ہوتے اور بعض مرض مہلک ہوتے ہیں یوں ہی دل میں گناہوں کی طرف میلان دل کی تکلیف دہ بیماری ہے مگر کفار یا کفر کی طرف میلان دل کی مہلک بیماری ہے۔ جسم کی مہلک بیماری جان لیتی ہے لیکن دل کی مہلک بیماری ایمان ختم کر دیتی ہے۔ یہاں مرض کا ذکر فرما کر یہ بتایا گیا کہ ان کی جو کچھ حرکتیں ہیں ان کی وجہ منافقت ہے اگر ان میں منافقت نہ ہوتی تو انہیں نہ ایسے اندیشے ہوتے نہ اس جرم کی ہمت کرتے نہ **ان** کے دل یہودیوں عیسائیوں کی طرف مائل ہوتے اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ان کے نفاق سے پہلے ہی خبردار تھے مگر ان حرکتوں سے ان کا نفاق ظاہر ہو جاوے گا۔ آنکھوں دیکھا جاوے گا۔ اس لئے **تری** فرمانا ۔بمعنی مستقبل درست ہے **یسارعون فیھم** یہ عبارت **الذین** کا حال ہے اور اگر **تری** میں دل کا دیکھنا مراد ہے تو یہ عبارت اس کا دوسرا مفعول ہے۔ یہاں **یسارعون** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جلدی جلدی دوڑ دوڑ کر یہودیوں عیسائیوں کے پاس جاتے ہیں دو دن مدینہ منورہ رہے پھر دو چار دن کے لئے وہاں بھاگ گئے تاکہ تم بھی خوش رہو اور وہ کفار بھی یا یہ منافقین معمولی سی تکلیف تھوڑی سی پریشانی دیکھ کر ان کے پاس دوڑ جاتے ہیں۔ اسلام سے پھسل جاتے ہیں۔ بخلاف مومنین کے کہ وہ کسی حال میں رب کے دروازے سے نہیں ہٹتے اس کے بعد **الی** نہ فرمایا بلکہ **فی** فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ یہ لوگ انہیں میں رہتے سہتے ہیں۔ جسم ان کے مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں دل ان کے خیبر و فدک کے یہود کے ساتھ ہیں **فیھم** سے مراد ہے **فی حبھم فی موالاتھم فی مناصحتھم** یعنی اے محبوب یا اے مسلمان تم عنقریب

ان دل کی بیماری والے منافقوں کو آنکھوں دیکھ لوگے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی محبت ان کی خیر خواہی میں بہت ہی جلدی کرتے ہیں ادھر دوڑے چلے جاتے ہیں کسی کے سمجھانے بجھانے سے رکتے نہیں۔ **یقولون نخشی ان تصیبنا دائرۃ** یہ عبارت **یسارعون** کے فاعل سے حال ہے اس میں ان منافقوں کا وہ بہانہ بیان فرمایا جا رہا ہے جو وہ مسلمان کے سامنے پیش کرتے تھے۔ **دائرہ** بنا ہے دورے اور دول دونوں کے معنی ہیں گھومنا یا گرو پھرنا گھیرنا اس دورے بنا ہے۔ دار ۔ معنی گھر کیونکہ وہ دیواروں سے گھرا ہوتا ہے پھر شہر کو بھی دار کہنے لگے کہ وہاں کے باشندے اس میں گھومتے پھرتے ہیں۔ پھر دنیا اور آخرت کو دار کہا جاتا ہے حتیٰ کہ جنت کو دار السلام اور دوزخ کو دار البوار قرآن کریم میں فرمایا گیا یعنی سلامتی کا گھر اور ہلاکت کا گھر۔ دائرہ اس خط کو بھی کہتے ہیں جو کسی سطح کو گھوم کر احاطہ کر لیتا ہے آفات کو دائرہ کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان کو گھیر لیتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **علیہم دائرۃ السوء** جمع دوائر ہے۔ رب فرماتا ہے **یتربص بکم الدوائر** خیال رہے کہ دور اور دول دونوں کے معنی ہیں گھیرنا' گھومنا' پھرنا مگر آفات کے لئے دور بولا جاتا ہے ۔ معنی گردش اور محبوب شے کے لئے دول چنانچہ مال کو دول کہتے ہیں۔ یہاں دائرہ سے یہ ہی آخری معنی مراد ہیں۔ یعنی گردش زمانہ ناگہانی آفت وہ اس سے مراد لیتے تھے اسلام کی بربادی اور مسلمانوں کا بے یار و مددگار رہ جانا مگر ظاہر کرتے تھے قحط سالی اور دنیاوی آفات یعنی اگر ہم یہود سے محبت نہ رکھیں تو خطرہ ہے کہ کل ہم کو قحط یا اور کوئی آفت پیش آجاوے اور وہ ہماری مالی یا جانی مدد نہ کریں۔ **فعسی اللہ ان یاتی بالفتح**۔ یہ ف تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ مضمون کی علت ہے **بشرا المومنین** عربی میں **عسی** کسی چیز کا قرب بیان کرنے کے لئے بھی آتا ہے اور امکان بیان کرنے کے لئے بھی یعنی اس کے معنی ہوتے ہیں۔ قریب یا ممکن ہے گویا یہ فعل مقاربہ بھی ہے اور فعل توقع بھی یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ اگر امید دلانے کے لئے ہو تو سمجھ لو کہ رب تعالیٰ کا **عسی** پختہ وعدے کے لئے ہوتا ہے۔ جس کا پورا نہ ہونا غیر ممکن ہو فتح سے مراد یا فتح مکہ ہے یا خود خیبر و فدک وغیرہ شہروں کی فتح ہے جہاں ان منافقوں کے **ان داتا** یہود رہتے تھے یعنی بہت ممکن ہے یعنی یقیناً عنقریب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو وہ قوت دے گا کہ وہ مکہ معظمہ یا خیبر و فدک و نجران مراکز یہود کو فتح فرمالیں گے ان لوگوں کو حیرت ہو جاوے گی **او امر من عندہ** یہ عبارت فتح پر معطوف ہے امر یعنی حکم سے مراد فتح کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اس میں گفتگو ہے کہ وہ کیا چیز مراد ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد منافقوں کے سرداروں کی موت ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد منافقین کی رسوائی ہے بعض کے نزدیک یہود مدینہ بنی قریظہ کا قتل اور بنی نضیر کی جلاوطنی ہے کہ ان کے دل میں مسلمانوں کا رعب اس قدر بیٹھ جاوے کہ وہ بغیر جنگ و قتال کے جزیہ' قتل' جلاوطن پر راضی ہو جاویں۔ اپنے کو مسلمان کے حوالہ کر دیں یہ ہی آخری بات قوی ہے یعنی عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں غازیوں کو جہادوں میں فتح و نصرت دے کر شہروں و ملکوں کا انہیں مالک بنا دے یا بغیر جہاد ہی یہود کے علاقہ مسلمانوں کو بخش دے رب تعالیٰ نے اپنے یہ دونوں وعدے ایسے فرمائے کہ دنیا نے دیکھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں ہی خیبر وغیرہ فتح ہو گئے اور بنی

قریظہ قتل کئے گئے۔ یہی تفسیر جلالین **فیصبحوا علی ما اسروا فی انفسھم ندمین** یہ عبارت گزشتہ مضمون کا نتیجہ ہے ف تعقیبیہ ہے **یصبحوا** اور **اسروا** کا فاعل اور **انفسھم** ضمیر کا مرجع یہ ہی بکواس کرنے والے منافقین ہیں **ما** سے مرو نفاق یا یہود و نصاریٰ کی محبت یا ان کا یہ خیال ہے کہ اسلام ایک عارضی دین ہے۔ عنقریب فنا ہو جاوے گا۔ ندامت سے مراد شرمندہ ہو کر پچھتانا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ کے ان دونوں وعدوں کا ظہور ہو گا تو یہ منافقین اپنے کئے پر پچھتائیں گے کہ ان کے دوست یہود تو حجاز سے ختم ہو جائیں گے اور مسلمان ان کا اعتبار نہ کریں گے یہ بے یار و مددگار رہ جائیں گے **ویقول الذین امنوا** قوی یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے اس میں ان منافقین کی دوسری درگت کا ذکر ہے۔ **الذین امنوا** سے مراد وہ ہی حضرات صحابہ ہیں جن سے وہ منافقین مذکورہ چالباز چاپلوسی کی گفتگو کیا کرتے تھے یعنی اس موقع پر یہ مسلمان ان منافقوں کے منہ پر علانیہ یہ کہیں کہ **اھؤلاء الذین اقسموا باللہ جھد ایمانھم انھم لمعکم** اس عبارت کی بہت تفسیریں ہیں۔ قوی تفسیر یہ ہے کہ یہ پوری عبارت مومنین کا کلام ہے اور **الذین** سے مراد اور **اقسموا** کا فاعل اور **ایمانھم** یوں ہی **انھم** کی ضمیروں کا مرجع یہ ہی منافقین ہیں اور **معکم** میں خطاب ان لٹنے پٹنے نکالے جانے والے یہودیوں سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ جب یہود کی درگت بنے گی اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مصیبت پر مصیبت پائیں گے اور منافقین جو یہود سے کہا کرتے تھے کہ اے یہودیو اگر تم سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اگر تم کو مسلمانوں نے نکالا تو ہم تمہارے ساتھ نکل چلیں گے مگر اس وقت یہ باتیں بنانے والے منافقین خاموش رہیں گے بلکہ مسلمانوں کی خوشامدیں کرنے لگیں گے۔ تب مسلمان ان یہود سے خطاب کر کے کہیں گے کہ دیکھو یہ ہیں وہ منافقین جو تم سے ایسے وعدے کرتے تھے اور آج تم سے الگ ہو گئے لہٰذا ساتھ ہونے سے مراد دین یا مدد و تعاون میں ساتھ ہونا ہے اس جملہ کی اور کئی تفسیریں ہیں۔ جو تفسیر خازن، روح المعانی، تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمائیں۔ مگر یہ تفسیر بہت واضح بھی ہے اور قوی بھی **حبطت اعمالھم فاصبحوا خسرین** اس جملہ کی بھی بہت تفسیریں ہیں۔ قوی یہ ہے کہ یہ بھی مسلمانوں کا ہی کلام ہے اور خطاب یہود سے ہے لہٰذا **حبطت** سے مراد ہے بیکار اور برباد ہو جانا اعمال سے مراد ہے۔ منافقوں کا یہود کی مدد کرنا انہیں مسلمانوں کی خفیہ خبریں پہنچاتے رہنا وقت پر جنگ میں مسلمانوں سے الگ رہ کر کفار کی فتح کی کوشش کرنا یعنی اے یہودیو ان منافقین نے تمہاری مدد کے لئے جو تدبیریں خفیہ سازشیں کیں دیکھ لو آج سب برباد ہو گئیں اور وہ تمہاری مدد میں ناکام رہ گئے اور آج تم ہمارے ہاتھوں شکست پر شکست کھا رہے ہو۔ ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے اور اعمال سے مراد منافقین کے ظاہری نماز روزے وغیرہ ہیں ضبطی سے مراد آخرت میں ان کا کام نہ آنا ہے۔ پہلے جملہ میں منافقوں کی دنیاوی خرابی کا ذکر تھا اور اس جملہ میں ان کی اخروی خرابی کا ذکر ہے مگر تفسیر اول گزشتہ مضمون کے موافق ہے۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں چار باتیں بیان فرمائی گئی ہیں ایک تو منافقین کا دلی بیماری نفاق میں مبتلا ہونا۔ دوسرے ان

کا یہود و نصاریٰ سے گھلا ملا ہونا۔ ان کے جسموں کا مسلمانوں کے ساتھ ہونا دلوں کا کفار کے ساتھ رہنا۔ تیسرے ان کی معذرت کا بیان کہ ہم کفار سے کیوں ملتے ہیں۔ چوتھے ان کے عذر کی تردید **فی قلوبھم مرض** میں پہلی بات کا ذکر ہے **یسارعون** میں دوسری بات کا۔ **یقولون** الخ میں تیسری چیز کا۔ **عسیٰ اللہ** میں چوتھی چیز کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے مسلمان رب تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کرو مگر تم فی الحال یہ محسوس کر رہے ہو یا آئندہ آنکھوں سے ملاحظہ کرو گے کہ دل کے بیمار منافقین یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ ان سے محبت میل جول خوب کرتے ہیں اور مسلمانوں سے اس جرم کی زبان سے یہ معذرت کرتے ہیں کہ ہم کو گردش زمانہ قحط بھوک افلاس کا کھٹکا لگا ہوا ہے۔ یہود جتھہ والے بھی ہیں مالدار بھی ایسے حالات میں ہم کو ان کی مدد کی ضرورت ہے۔ اس لئے ہم ان سے ظاہری میل ملاپ رکھتے ہیں دل میں یہ نیت کرتے ہیں کہ مسلمانو تمہارے ساتھ رہنے سے ہم کو گردش کا خطرہ ہے۔ تمہارا دین عارضی ہے جو چند دن میں ختم ہو جاوے گا ہم تمہاری خاطر ان سے کیسے بگاڑ لیں۔ مسلمانو! تسلی رکھو عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو جہادوں میں فتح دے گا۔ یہود کے دلوں میں تمہاری ہیبت پیدا کرے گا۔ جس سے تم ان پر جزیہ قائم کرو گے۔ بعض کو دیس نکالا دے گا۔ بعض کو تمہارے ہاتھوں قتل کرا دے گا۔ تب یہ منافقین اپنے دلوں میں پچھتائیں گے کہ ہم نے یہود کا ساتھ دے کر بڑی غلطی کی اب نہ ہم ان کے ہی رہے نہ مسلمانوں کے اس وقت مسلمان ان لٹتے پٹتے دیس نکالا پانے والے یہود سے کہیں گے کہ دیکھ لو یہ منافقین وہ ہی ہیں جو تم سے اللہ تعالیٰ کی مضبوط قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم دل سے تمہارے ساتھ ہیں وقت پڑنے پر ہر طرح تمہاری مدد کریں گے لو دیکھ آج یہ تماشائی بنے جو کچھ تمہاری مدد خفیہ خبر رسانی وغیرہ اعمال کئے سب بیکار گئے۔ کچھ نہ بنا سکے آج تم ہو اور تمہاری سرکوبی کے لئے ہم ہیں تم اور یہ دونوں بڑے نقصان میں رہ گئے۔ قرآن کریم کے یہ تمام وعدے ہو بہو پورے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سچا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچے قرآن سچا اسلام سچا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ کفار کی طرف دل کا میلان ان کی طرف کھچاؤ۔ بیماری دل یعنی کفر یا نفاق یا ضعف ایمانی کی علامت ہے۔ یہ فائدہ **فی قلوبھم مرض** سے حاصل ہوا پختہ ایمان کی علامت ہے ہر بے دین سے نفرت مسلمانوں سے محبت۔ دوسرا فائدہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے یعنی اپنے گناہ کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرنا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ **یقولون نخشی** الخ سے حاصل ہوا مومن گناہ سے توبہ کرتا ہے بہانے یا معذرت نہیں کرتا۔ **تیسرا فائدہ** محبت تین قسم ہے۔ محبت نفسانی' محبت ایمانی' محبت شیطانی جو دنیاوی غرض کے لئے محبت ہو وہ محبت نفسانی ہے یہ فانی ہے غرض گئی محبت گئی۔ جو گناہوں جرموں کے لئے محبت ہو وہ شیطانی ہے جیسے جواریوں شرابیوں کی جوئے و شراب کے لئے محبت یہ محبت بہت جلد عداوت میں تبدیل ہو جاتی ہے جو محبت اللہ رسول کے لئے ہو وہ محبت ایمانی ہے۔ یہ غیر فانی ہے کیونکہ اس محبت کی بنیاد مضبوط ہے چونکہ منافقوں اور یہودیوں کی محبت نفسانی تھی لہٰذا فنا

ہو گئی صحابہ کی آپس کی محبتیں اور حضور انور سے محبت ایمانی تھی وہ باقی رہی۔ چوتھا فائدہ خوشامدی لوگ جو کسی غرض کی بنا پر محبت و الفت کا دم بھرتے ہیں وہ وقت پر دھوکہ دے جاتے ہیں۔ دیکھو منافقین مدینہ یہود مدینہ سے نفسانی محبت رکھتے تھے مگر جب ان پر وقت پڑا تو سارے منافق دھوکہ دے کر گھروں میں بیٹھ رہے۔ شیخ سعدی کہتے ہیں۔ **شعر:۔**

☆ دوست شمار آنکہ در نعمت زند ☆ لاف یاری و برادر خواندگی ☆

پانچواں فائدہ دنیاوی خطرات کی بنا پر دین کو خطرہ میں ڈالنا طریقہ منافقین ہے یہ فائدہ **ان تصیبنا دائرۃ** سے حاصل ہوا۔ منافقین مصیبت دنیاوی کے خطرہ سے یہود سے محبت و میل جول رکھتے تھے۔ حالانکہ ان سے میل جول دین کے لئے خطرناک تھا۔ مومن دنیا کو دین پر قربان کرتا ہے۔ چھٹا فائدہ اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے سچے ہیں اس کے خلاف محال بالذات اور یقینی ناممکن ہے اگرچہ وہ وعدے ممکن وغیرہ الفاظ سے کئے جاویں دیکھو رب تعالیٰ نے مسلمان سے فتوحات اور کفار سے ذلت جلاوطنی کے وعدے **عسی** فرما کر کئے گئے مگر یہ سب وعدے ہوئے یہ فائدہ **عسی اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ دو گھر کا مہمان بھوکا رہتا ہے ہر دل عزیز بننے والا دو طرفہ ذلیل ہوئے انہیں نہ مسلمانوں میں عزت ملی نہ یہود میں۔ آٹھواں فائدہ تقیہ یعنی منافقت اور دو رخا پن نیکیاں برباد ہو جانے کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **حبطت اعمالھم** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ تقیہ باز یعنی منافق کسی کے کام نہیں آتا وہ مسلمانوں کے لئے مفید تو کیا ہوتا کفار کے لئے بھی بیکار ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے اس پر کفار بھی اعتبار نہیں کرتے یہ فائدہ **اقسموا باللہ** الخ کی اس تفسیر سے حاصل ہوا جو ہم نے عرض کی۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ منافقین فتح مکہ یا یہود مدینہ کے جلاوطن و قتل کے بعد نادم ہوں گے حالانکہ وہ تو اول سے ہی نادم رہتے تھے مسلمانوں سے چھپتے پھرتے تھے۔ پھر یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوتی۔ **جواب** ان فتوحات سے پہلے وہ ڈھیٹ تھے بے شرمی سے مسلمانوں سے باتیں بنا کر سچے بنتے تھے۔ اگرچہ مسلمان ان کو منافق ہی سمجھتے تھے مگر وہ اپنے خیالات میں اپنے نفاق کو چھپا لیتے تھے ان واقعات کے بعد ان کا نفاق اس قدر ظاہر ہو گا کہ وہ خود اپنا رسوا ہو جانا محسوس کر لیں گے۔ یہ ہی مراد ہے ندامت سے لہذا آیت بالکل حق ہے۔ **دوسرا اعتراض** رب تعالیٰ نے جو ان منافقین کی معذرت کا ذکر فرمایا ہے وہ عذر تو ہمیشہ ہر مسلمان کو رہتا ہے یعنی دنیاوی گردشوں کے خطرے کی وجہ سے کفار سے تعلقات رکھنا۔ اگر یہ کام برا ہے تو کوئی مسلمان اس برائی سے خالی نہیں۔ مسلم ممالک کفار ملکوں سے تعلقات لین دین رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے قرض لئے تھے پھر اسے منافقین کی برائیوں میں کیوں ذکر فرمایا۔ **جواب** ایمان کا دارومدار صرف ایک چیز پر ہے یعنی نبی کی بات پر اعتماد کیونکہ ہم نے اللہ کی ذات و صفات' فرشتے' قیامت' حساب و کتاب جنت و دوزخ کو دیکھا نہیں ان سب کو صرف حضور کی زبان سے سن کر مانا اگر اس زبان پر اعتماد نہ ہو تو انسان کافر

مطلق ہے۔ حضرت حسان فرماتے ہیں شعر۔

☆ اراناالهدی بعد العمی فقلوبنا ☆ به موقنات ان ما قال واقع ☆

منافقوں کو حضور کی دی ہوئی چیزوں کا یقین نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اعتماد نہ تھا۔ حضور انور نے اسلام کے فروغ مسلمانوں کی فتوحات کفار کی شکستیں حجاز کا کفار سے پاک ہو جانا ان سب کی خبریں دی تھیں۔ منافقین کہتے تھے کہ نہ معلوم یہ چیزیں درست ہوں یا نہ ہوں۔ اسلام کو فروغ ہو یا نہ ہو گھبرا کر کہتے تھے۔ نخشی ان تصیبنا دائرہ اس لئے ان کا یہ قول کفر تھا۔ مسلمانوں کو حضور کے تمام وعدوں پر اعتماد تھا وہ نہایت ہی مطمئن تھے۔ تیسرا اعتراض منافقین کے نیک اعمال تو اول ہی سے درست نہ تھے پھر ان کے اعمال کی ضبطی کے کیا معنی اور یہ کیوں فرمایا گیا کہ حبطت اعمالهم اعمال ضبط تو اس کے ہوں جس کے پاس پہلے سے موجود بھی ہوں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ جواب۔ یہاں حبط سے مراد اول ہی سے نادرست ہونا ہے نہ کہ درست ہو کر بعد میں باطل ہونا یا مطلب یہ ہے کہ اگر منافقین ایمان لے آئیں تو ان کے زمانہ نفاق کے صدقات و خیرات قبول ہو جائیں جیسے کافر مسلمان ہو جاوے تو اس کے زمانہ کفر کے تمام صدقات و خیرات مقبول ہو جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ایمان میں قوت ہے کفر میں ضعف و کمزوری مومن قوی دل ہوتا ہے۔ کافر کمزور دل' ایمان میں زور ہے۔ کفر و نفاق میں محض شور وہ بھی عارضی جیسے بعض غذائیں جسم کو قوت دیتی ہیں ایسے ہی ایمان' تقویٰ' نیک اعمال دل کو قوت بخشتے ہیں۔ شعر۔

☆ تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر ☆
☆ کہ کمال طاقت حیدری تو یہاں ہے نان شعیر میں ☆

حضرت ابوذر غفاری جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مکہ معظمہ آئے تو ایمان لانے سے پہلے ڈر کی وجہ سے کسی سے حضور کا پتہ بھی نہ پوچھ سکے اور ایمان لاتے ہی کفار کے مجمعوں میں جا کر اعلانیہ کلمہ سنانے لگے۔ فرعونی جادوگر ایمان سے پہلے فرعون سے بہت ڈرتے تھے۔ ایمان لاتے ہی بولے فاقض ما انت قاض جو تجھ سے ہو سکے کر لے منافقین کے دل میں ایمان نہ تھا تو انہیں قحط' بھوک' دیگر دنیاوی آفات کا ہر وقت دھڑکہ لگا رہتا تھا۔ اس دھڑکے سے وہ یہود و نصاریٰ کی بھی خوشامدیں کرتے تھے اور مسلمانوں کی بھی مخلص مومنوں کے دل قوی تھے وہ ہر مصیبت سے لاپرواہ تھے۔ ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔ جیسے بعض غذائیں بعض دوائیں جسم کو قوت دیتی ہیں۔ ایسے ہی اخلاص' ایمان' دل کو قوت بخشتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دلی کمزوری کا ذکر فرمایا جو نفاق کی وجہ سے تھی صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس امارہ اور شیطان ہمارے اندرونی یہود و نصاریٰ ہیں جو شخص دل کو بھی چاہے۔ نفس کو بھی وہ منافق ہے ان کی محبت انسان کو دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

☆ آنچہ در فرعون بود اندر توہست ☆ لیک از دربات مجبوس چہ است ☆

☆ چہ خرابت می کند نقش لعین ☆ دوری اندازدت سخت ایں قریں ☆

☆ آتشت رہیزم فرعون نیست ☆ زانکہ چوں فرعون اور اعون نیست ☆

یعنی تیرے نفس میں بھی فرعون جیسی سرکشی ہے مگر چونکہ تیرے پاس فرعون جیسے اسباب نہیں ہیں اس لئے نفس اس کی سی حرکتیں نہیں کرسکتا اگر اس کے پاس اسباب ہوں تو یہ بھی فرعون بن کر دکھاوے غرضیکہ سب کچھ تیرے اندر ہی ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ کلمہ گو کافر کھلے کافروں سے بدتر ہوتے ہیں۔ کھلے کافر مانتے تھے کہ جو حضور کی زبان سے نکلتا ہے وہ برحق ہوتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سراقہ کو کسریٰ کے کنگن پہننے کی اس وقت خبر دی۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ جا رہے ہیں۔ راہ میں سراقہ ایک غار میں حضور کے پاس پہنچے اور امیہ ابن خلف کے قتل کی، عتبہ کی ہلاکت کی خبریں دیں تو امیہ اور ابولہب گھبرا گئے کہ اب ان کی خیر نہیں۔ حضور کی بات کبھی غلط نہیں ہوتی۔ خبر دی کہ کفار مکہ نے مسلمانوں کے بائیکاٹ کے لئے جو محضر نامہ لکھ کر کعبہ کی دیوار میں رکھ کر دیوار چن دی تھی۔ حضور نے خبر دی کہ وہ کاغذ کیڑا کھا گیا۔ صرف اللہ کا اور میرا نام چھوڑا ہے۔ سب کو اس پر یقین آ گیا مگر منافقین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد نہ تھا۔ آپ کی غیبی خبروں پر یقین نہ رکھتے تھے وہ یہ ہی کہتے تھے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کیا خبر یہ ہی حال آج کلمہ گو کفار کا ہے۔ جو برابر دیکھا جا رہا ہے۔ ایمان علم و عقل سے نہیں ملتا بلکہ رب تعالیٰ کے کرم و فضل سے ملتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے جو کوئی مرتد ہو جاوے گا تم میں سے اپنے دین اسلام سے پس قریب ہی لاوے گا اللہ

اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے

بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

ایسی قوم کو کہ محبت کرتا ہے ان سے اللہ اور محبت کرتے ہیں وہ اس سے پست اوپر مسلمانوں کے غالب اوپر کافروں

اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر نرم کافروں پر سخت اللہ کی

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ

کے جہاد کریں گے وہ اللہ کے راستہ میں اور نہیں ڈریں گے ملامت سے کسی ملامت والے کے یہ مہربانی ہے

راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے

ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۵۴﴾

[یہ] اللہ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا ہے علم والا ہے

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی محبت سے منع فرمایا گیا تھا یہ محبت مسلمانوں کے مرتد ہو جانے کا ذریعہ ہے کہ مسلمانو کا کفار سے دلی محبت کرنا اکثر اس کے مرتد ہو جانے کا ذریعہ ہے لہٰذا اب مرتد پر اظہار غضب فرمایا جا رہا ہے گویا محبت کفار کی بیماری کا ذکر پچھلی آیات میں تھا اس کے نتیجہ یعنی ارتداد کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں منافقین کے پلپلے پن کا ذکر تھا کہ وہ قحط سالی' بھوک وغیرہ کے خوف سے یہود و نصاریٰ سے محبت کرتے تھے تاکہ بوقت ضرورت ان سے قرض وغیرہ لے سکیں اب مسلمانوں کی پختگی کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ مسلمانوں پر نہایت ہی نرم ہیں اور کفار پر نہایت سخت وہ کسی ملامت وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ غرضیکہ کمزوروں کا ذکر فرمانے کے بعد پختہ لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں منافقین کے اس جرم کا ذکر تھا جو ضبطی اعمال کا ذریعہ ہے یعنی نفاق و محبت کفار۔ اب پختہ مومنین کے ان اوصاف کا ذکر ہو رہا ہے جن سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے گویا ضبطی اعمال کے سبب کے بعد معافی سیئات کے ذریعہ کا ذکر ہو رہا ہے۔

نزول یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مرتدین پر بہت جہاد فرمائے۔ خیال رہے کہ اسلام سے گیارہ فرقے مرتد ہوئے تین تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں بنو مدلج یعنی ذوالحمار (اسود عیسیٰ کی قوم) بنو حنیفہ مسیلمہ ابن حبیب کذاب کی قوم' بنو اسد یعنی طلیحہ ابن خویلد کی قوم اور سات فرقے' حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت میں مرتد ہوئے۔ (۱) خزارہ یعنی عیینہ ابن حصن فزاری کی قوم۔ (۲) غطفان یعنی قرہ ابن سلمہ قشیری کی قوم (۳) بنو سلیم یعنی فجاءہ ابن عبد یالیل کی قوم۔ (۴) بنو یربوع یعنی مالک ابن نویرہ کی قوم۔ (۵) بعض بنی تمیم یعنی سجاع بنت منذر کی قوم (یہ سجاع وہ عورت ہے جس نے دعویٰ نبوت کیا۔ اور پھر مسیلمہ کذاب سے نکاح کر لیا (۶) کندہ یعنی اشعث ابن قیس کی قوم۔ (۷) بنو بکر ابن وائل یعنی حطم ابن زید کی قوم اور ایک فرقہ عہد فاروقی میں مرتد ہوا۔ غسان یعنی جبلہ ابن کی قوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک کے مرتدین ان میں کا پہلا فرقہ بنی مدلج ان کا سردار اسود ابہم تھا۔ کاہن تھا۔ پھر دعویٰ نبوت کر بیٹھا یمنی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل کی سرکردگی میں ایک دستہ اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اسود عنسی فیروز دیلمی کے ہاتھوں اپنے گھر میں مارا گیا یہ رات وہ ہی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک کی آخری رات تھی۔ حضور انور نے اسی رات مسلمانوں کو اسود کے قتل کی خبر دیدی اور اگلے روز حضور کی وفات ہو گئی۔ پھر اس کے قتل کی باقاعدہ خبر اواخر ربیع الاول میں خلافت صدیقی میں مدینہ

منورہ پہنچی۔ حضرت صدیق کی خلافت میں یہ پہلی فتح کی خبر تھی۔ بنو حنیفہ قوم تھی مسیلمہ کذاب کی۔ مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا۔ عہد صدیقی میں اس سے بہت بڑا معرکہ جہاد ہوا۔ جسے جنگ یمامہ کہتے ہیں۔ اس جنگ میں حضرت وحشی کے ہاتھوں مسیلمہ دوزخ رسید ہوا اور بنو اسد طلیحہ ابن خویلد کی قوم تھی۔ طلیحہ نے دعویٰ نبوت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سرکوبی کے لئے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک جماعت بھیجی مگر وہ معمولی جھڑپ کے بعد شام کی طرف بھاگ گیا۔ پھر مسلمان ہو گیا اور صحیح طور پر مسلمان ہوا۔ یہ وہ مرتدین تھے جو عہد نبوی میں ہی مرتد ہو گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سواء اہل مدینہ اہل مکہ اہل بحرین کے عام عرب لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے ان پر چڑھائی کرنے کے لئے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا سب نے مخالفت کی اور فرمایا کہ یہ لوگ کلمہ گو اور اہل قبلہ ہیں۔ صرف زکوٰۃ کے انکار کی وجہ سے ان پر جہاد نہیں ہونا چاہیے حضرت ابو بکر صدیق سن کر اکیلے تلوار باندھ کر گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلہ کے لئے چل دیئے فرمایا کہ جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا کہ ایک کو مانے گا دوسرے کا انکار کرے گا میں اس پر جہاد کروں گا پھر تمام صحابہ آپ کے ساتھ چلے منکرین زکوٰۃ کو جب پتہ لگا کہ لشکر اسلام آ گیا تو ارتداد سے توبہ کر گئے۔ حضرت ابو حسن فرماتے ہیں کہ نبیوں کے بعد افضل خلق ابو بکر صدیق ہیں جنہوں نے اسلام کی ایسے نازک حالت میں دستگیری فرمائی جو حالات ابو بکر صدیق کو خلافت سنبھالتے ہی پیش آئے اگر پہاڑ کو وہ حالات پیش آتے تو ٹکڑے ہو جاتا۔ ابو بکر صدیق ہی تھے۔ جنہوں نے ایسے نازک حالات میں مسلمانوں کو سنبھالا کہ پھر آئندہ کسی کو دعویٰ' انکار' احکام اسلام کی ہمت نہ ہوئی۔ خلافت فاروقی کی فتوحات کا سنگ بنیاد حضرت صدیق اکبر نے رکھا ان کی تمام فتوحات جناب صدیق کی ہی کرم ہیں۔ اس آیت کریمہ میں خلافت صدیقی کے ان ہی حالات کی خبر دی گئی ہے۔ یہ آیت کریمہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ مناقب بیان کر رہی ہے اور خلافت صدیقی کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے (تفسیر خازن و عامۃ تفاسیر)

تفسیر یایھا الذین امنوا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں خطاب زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمانوں سے ہے۔ جیسا کہ آگے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس زمانہ میں مسلمان تین قسم کے تھے۔ بعض وہ جن کا اسلام سے پھرنا بالکل ناممکن تھا۔ جیسے وہ حضرات جن کے جنتی ہونے کی قرآن مجید یا صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دے دی جیسے حضرات خلفاء راشدین اور دیگر مبشرین بالجنۃ عشرہ مبشرہ وغیرہم بعض وہ لوگ تھے جن کا کفر ممکن تھا مگر واقع نہیں جیسے عام صحابہ کرام بعض وہ جن کا کفر و ارتداد واقع ہو گیا۔ جیسے وہ قبیلے جو زمانہ نبوی یا زمانہ صدیقی میں مرتد ہوئے ان میں سے بعض تو پھر مسلمان ہو گئے جیسے زکوٰۃ کے منکرین بعض کفر و ارتداد پر مارے گئے جیسے مسیلمہ کذاب کے عام معتقد اس **الذین امنوا** میں خطاب سب سے ہے **من یرتد منکم عن دینہ۔** **من** شرطیہ ہے **یرتد** الخ شرط ہے اور **فسوف یاتی** الخ جزاء جملہ شرطیہ میں شرط و جزاء کا واقع ہونا یا ممکن ہونا لازم نہیں رب تعالیٰ نے عالم ارواح میں جب تمام نبیوں سے ہمارے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** الخ تو ان سے فرمایا **ومن یتولی بعد ذلک فاؤلئک ھم الفاسقون**۔ حالانکہ حضرات انبیاء کا عہد سے پھر جانا یا ان کا فاسق ہو جانا بالکل ناممکن ہے۔ لہذا یہ جملہ ان حضرات کے حق میں ناممکن کو ناممکن پر معلق کرنے کے قبیل سے ہے یہ بات بہت ہی دھیان میں رکھی جاوے۔ **یرتد**، بنا ہے ارتداد سے جس کا مادہ ہے رد۔ بمعنی لوٹنا واپس ہونا پھر جانا۔ پھیر دینا۔ شریعت میں مرتد وہ ہے جو شرعی مسلمان ہونے کے بعد ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر دے۔ خواہ اس طرح کہ ملت اسلام کو چھوڑ کر دوسری ملت میں جا ملے جیسے کوئی مسلمان عیسائی یا یہودی یا آریہ ہو جاوے یا اس طرح کہ اپنے کو مسلمان ہی کہتا رہے نماز روزہ کا پابند رہے۔ مگر شرعاً" کافر ہو جاوے جیسے زمانہ صدیقی میں زکوۃ کے منکرین یا ختم نبوت کے منکرین یا نماز پنج گانہ کی فرضیت کے منکرین یعنی قادیانی چکڑالوی وغیرہم **منکم** میں خطاب انہیں سے ہے۔ جن کو **یایھا الذین امنوا** کہہ کر پکارا گیا۔ غرضیکہ یہاں دوسری قسم کے مرتدین مراد ہیں۔ یعنی رہیں قومی مسلمان مگر شرعاً" کافر ہوں۔ کیونکہ جن مرتدین کا یہاں ذکر ہے وہ منکرین زکوۃ و منکرین ختم نبوت ہیں۔ جن پر حضرت صدیق کی۔۔۔ تلوار چلی۔ **دین** سے مراد صرف اسلام ہے دین کی نسبت وکی طرف اختیار کر لینے کی ہے یعنی اے موجودہ مسلمانو تم میں سے جو کوئی اپنے دین یعنی اسلام سے پھر کر کافر و مرتد ہو جاوے تو **فسوف یاتی اللہ بقوم** اس عبارت میں ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پہلے جملہ کی جزا ہے لانے سے مراد پیدا فرمانا ہے۔ کسی دوسرے ملک سے لانا نہیں بلکہ برسراقتدار فرما دینا ان مرتدین پر مسلط کر دینا مراد ہے۔ **قوم** سے مراد حضرت خلیفہ اول ابوبکر صدیق جانشین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تمام وہ ساتھی ہیں جو خلافت صدیقی میں ان مرتدین پر حملہ کرنے میں آپ کے ساتھ رہے حضرت علی امام حسن اور قتادہ ضحاک اور ابن جریج کا یہ ہی قول ہے کہ یہاں قوم سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے مجاہد ساتھی ہیں (تفسیر خازن و کبیر وغیرہ) اس میں غیبی خبر ہے۔ جس میں خلافت صدیقی کے دور کے تمام غزوات کی خبر دیدی گئی ہے۔ حضرت صدیق اکبر اور ان کے ان ساتھیوں کی چھ خصوصی صفات بیان فرمائیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا **یحبھم ویحبونہ** اس عبارت میں ان حضرات کی دو صفتوں کا ذکر ہوا۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ ان سب سے دائمی محبت فرماتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں محبت سے خصوصی محبت مراد ہے۔ یوں تو رب تعالیٰ ہر مسلمان سے محبت فرماتا ہے مگر حضرت انبیاء کرام سے اور قسم کی خصوصی محبت کرتا ہے اور حضور سے اور قسم کی محبت حضرات صحابہ سے اور قسم کی محبت ہے اولیاء اللہ سے اور قسم کی محبت۔ ہم اپنے دوستوں' اولاد' ماں باپ بیوی بچے نوکروں غلاموں جانوروں سب سے محبت کرتے ہیں۔ مگر دوستوں سے محبت اور قسم کی کرتے ہیں ماں باپ سے اور قسم کی اولاد اور طرح کی اللہ تعالیٰ حضور سے ایسی محبت فرماتا ہے کہ آپ کا نام ہوا حبیب اللہ اور حضرات ابراہیم سے ایسی محبت فرماتا ہے کہ ان کا لقب ہوا خلیل اللہ یعنی خلیل اللہ وہ جو رب کی ہر بات مانے۔ حبیب اللہ وہ کہ رب تعالیٰ اس کی ہر بات مانے یوں ہی جیسی محبت اللہ تعالیٰ جناب ابوبکر اور ان کے اس لشکر سے فرماتا ہے ویسی محبت دوسروں سے نہیں۔ پھر یہ بھی لحاظ رہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذکر پہلے کیا پھر ان کی محبت کا یعنی اللہ ان سب سے محبت کرتا ہے۔ اور وہ سب اللہ سے کیونکہ ہر چیز کی ابتداء رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ پہلے وہ ہم کو توفیق دیتا ہے پھر ہم نیکی کرتے ہیں پہلے وہ ہمارا ذکر کرتا ہے پھر ہم اس کا ذکر کرتے ہیں یوں ہی پہلے وہ بندے سے محبت کرتا ہے پھر بندہ رب سے محبت کرتا ہے۔ لہذا اتمام صدیقی لوگوں سے پہلے رب تعالیٰ محبت کرتا ہے بعد میں یہ لوگ یہ بھی خیال رہے کہ صحیح محبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محبوب کے غلاموں نوکروں متعلقین حتیٰ کہ اس کی چیزوں سے محبت ہو جاتی ہے۔ حضرت ہاجرہ خدا کو پیاری ہیں تو صفا مروہ پہاڑ جن پر آپ کے قدم پڑے وہ بھی رب کو پیارے کہ انہیں شعائر اللہ فرمایا۔ حضور خدا کو پیارے تو حضور کا شہر مکہ بھی خدا کو پیارا کہ اس کی قسم فرمائی۔ جب حضرت صدیق خدا کو پیارے تو حضرت صدیق کے غلام ان سرکار کے نوکر چاکر ہم جیسے کمینے بھی خدا کو پیارے کہ یہ سب حضرت صدیق کے متعلقین ہیں **اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکٰفرین** اس عبارت میں اس مقدس جماعت کی تیسری اور چوتھی صفت کا ذکر ہوا۔ اذلة جمع ہے ذلیل کی جس کا مادہ ذل ہے۔ بمعنی مغلوبیت یا پستی اسی سے ہے **ذلول** یہاں انتہائی نرمی مراد ہے۔ جیسے مغلوب آدمی غالب کے سامنے نرمی کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اولاد کو ماں باپ کے متعلق حکم دیتا ہے **واخفض لهما جناح الذل** اعزة جمع ہے۔ عزیز کی جس کا مادہ عز ہے۔ بمعنی غلبہ عزیز وہ جو غالب ہو مغلوب نہ ہو اس لئے سخت زمین کو ارض عزاز کہتے ہیں۔ یہاں عزت سے مراد سختی و شدت ہے اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے۔ **اشداء علی الکفار رحماء بینهم الکٰفرین** سے مراد سارے کافر ہیں اصلی ہوں یا مرتدین پھر مشرکین ہوں یا اہل کتاب یعنی ان کی تیسری و چوتھی صفت یہ ہے کہ مسلمانوں پر نہایت نرم اور تمام کفار پر نہایت سخت کہ مسلمانوں کو کبھی تکلیف نہیں پہنچاتے انہیں ایذا نہیں دیتے اگر کبھی مسلمان سے انہیں تکلیف پہنچ جاوے تو اسے معاف فرما دیتے ہیں مگر کفار کے آگے کبھی نہیں جھکتے۔ دین میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ بخلاف منافقوں کے کہ وہ کفار کی ملامت وغیرہ سے بہت ڈرتے ہیں' ان کی پانچویں صفت یہ ہے **ویجاهدون فی سبیل اللّٰه** اگرچہ جہاد ہر کافر سے جنگ کرنے کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں مرتدین سے جنگ مراد ہے۔ کیونکہ ذکر انہیں کا ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ مرتد اگر ایک دو ہوں تو انہیں فہمائش کی جاوے سمجھانے پر بھی باز نہ آئے تو اسے قتل کیا جاوے گا۔ اگر مرتدین کی باقاعدہ جماعت بن گئی اور انہوں نے طاقت پکڑی تو ان پر جہاد کیا جاوے گا۔ یہاں یہ ہی آخری صورت مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں جو لوگ مومن ہو کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ان میں شاید ایک دو شخص ہی اکیلے اکیلے مرتد ہوئے اور کوئی مرتد نہ ہوا۔ خود ابو سفیان نے بادشاہ روم ہرقل کے ہاں کہا تھا کہ جو مسلمان ہو جاتا ہے وہ مرتد نہیں ہوتا جو جماعت مرتد ہوئی تھی۔ وہ غائبانہ لوگ تھے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر سکے تھے ان پر حملہ کیا گیا۔ معمولی جھڑپ میں ان کو شکست ہو گئی۔ باقاعدہ مرتدین پر جہاد حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ ہی میں ہوئے لہذا یہ آیت کریمہ ان پر ہی چسپاں ہے انہیں کا اس میں ذکر ہے۔ **یجاهدون فی سبیل اللّٰه** فرما کر رب تعالیٰ نے بہت سی باتیں بتا دیں ایک یہ کہ وہ

جنگیں کفار یعنی مرتدین سے ہوں گی مسلمانوں سے نہ ہوں گی کیونکہ مسلمان چوروں' ڈاکوؤں' باغیوں سے جنگ کو قتال تو کہتے ہیں جہاد نہیں کہتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر اللہ** جہاد صرف کفار سے ہوتا ہے لہذا مانعین زکوۃ اور منکرین ختم نبوت مرتدین ہیں دوسرے یہ کہ جناب صدیق خلیفہ برحق اور سلطان اسلام ہیں کہ جہاد کے لئے سلطان اسلام ضروری ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ مجاہدین سارے کے سارے مخلص مومن ہوں گے ان کے وہ جہاد ریا سے نہ ہوں گے۔ کیونکہ ریا سے جنگ قتال تو ہے جہاد فی سبیل اللہ نہیں۔ اس ایک کلمہ نے حضرت صدیق اور ان کے ساتھیوں کی بہت صفات بتا دیں۔ ان کی چھٹی صفت یہ ہے **ولا یخافون لومة لائم** اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ مجاہدین بھی ہوں گے اور دین میں بہت مضبوط کہ مرتدین پر جہاد کرنے میں انہیں کسی کی مخالفت کسی کی ملامت کی پرواہ نہ ہو گی۔ سبحان اللہ اس عبارت نے تو گویا حضرت صدیق اکبر کا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا۔ کیونکہ حضرت صدیق نے منکرین زکوۃ پر جہاد کا ارادہ فرمایا تو کسی صحابی نے آپ کے ارادے کی حمایت نہ کی سب نے مخالفت ہی کی مگر آپ کسی کی پرواہ کیئے بغیر اکیلے گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑے پھر سب آپ کے ہمراہ ہو گئے یہ ہے **لا یخافون لومة لائم** کا ظہور ان چھ صفتوں کا بیان فرما کر ان کی شان بیان ہو رہی ہے **ذلک فضل اللہ یوتیه من یشاء ذلک** سے ان مذکورہ چھ صفتوں کی طرف اشارہ ہے۔ **فضل اللہ** سے مراد اللہ تعالیٰ کا احسان اس کی مہربانی ہے جو کسی عمل کا معاوضہ نہیں یعنی اس بڑے کام کے لئے حضرت صدیق اکبر اور ان کی جماعت کا چناؤ اور انتخاب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ یہ انتخاب پہلے ہی ہو چکا ہے۔ جس کو چاہا اس نے منتخب کر لیا یہ جملہ بھی حضرت ابوبکر صدیق کے لئے ہی ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ حضرت صدیق کے متعلق فرماتا ہے **ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یوتوا** الخ یہاں فضل اللہ کا ذکر ہے اور سورہ نور شریف میں آپ کو **اولو الفضل** یعنی فضل والا فرمایا گیا وہ آیت کریمہ گویا اس آیت کی شرح و تفسیر ہے اس فرمان عالی کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ جناب علی کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر کا چناؤ خلافت کے لئے کیوں ہوا حضرت علی تو حضور کے بھائی تھے۔ جواب دیا کہ یہ نعمتیں میراث وغیرہ سے نہیں ملتیں یہ تو ہمارا فضل ہے جسے چاہیں عطا کریں یہ سوال تو یہود کا سا ہے۔ یہود کہتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل کے نام نامزد ہو چکی تو خاتم النبیین بنی اسماعیل میں کیسے آ گئے۔ نہ نبوت کسی کی میراث ہے نہ خلافت پر کسی کا ٹھیکہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فضل اللہ سے مراد اللہ کی دی ہوئی بزرگی و فضیلت ہے اور مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ میں جو حضرت صدیق کو فضیلت دی ہے اللہ جسے چاہے فضیلت دے **واللہ واسع علیم** اس میں گزشتہ تمام چیزوں کی وجہ یا حکمت بیان ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل اس کی رحمت بہت ہی وسیع ہے وہاں تنگی نہیں مگر رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ جانتا ہے کہ کس رحمت کس فضل کے لائق کون ہے۔ اس کو عطا فرماتا ہے۔ یہ انتخاب حضرت صدیق اکبر کے ظرف عالی کو جان کر کیا گیا ہے۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو! ایمان پر قائم رہو۔ پھسل نہ جانا اگر تم اسلام سے پھر کر مرتد ہو گئے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ اللہ

تعالیٰ جماعت مرتدین کی سرکوبی کے لئے ایسی قوم کو برسراقتدار لائے گا تم پر انہیں مسلط کرے گا۔ جن میں حسب ذیل چھ صفات ہوں گی۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سے خصوصی محبت کرتا ہے۔ دائمی کرتا ہے۔ وہ سب خدا کے محبوب بندے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے دل و جان سے دائمی محبت کرتے ہیں کہ اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں کرتے جو کرتے ہیں۔ رضاء الٰہی کے لئے کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ مسلمانوں پر بہت نرم کہ کسی مسلمان کا دل نہیں دکھنے دیتے۔ چوتھے یہ کہ کافروں پر نہایت سخت کہ ان کی پرواہ نہیں کرتے ان کے دل میں کسی کافر کی ہیبت نہیں آتی۔ پانچویں یہ کہ یہ محبوب لوگ مرتدین پر فی سبیل اللہ جہاد کریں گے ان کی شوکت کو ختم کر دیں گے اور اس جہاد کے متعلق کسی مخالف کی مخالفت اپنے پرایوں کی ملامت سے نہ ڈریں گے یہ چناؤ اور حفاظت دین سرکوبی مرتدین کے لئے ان کے چناؤ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نوازے اللہ تعالیٰ بڑے فضل وکرم والا ہے۔ بڑی وسعتوں والا ہے مگر ہے علیم و خبیر کہ جسے جو دیتا ہے۔ اپنے علم کے مواقف دیتا ہے۔ اس عظیم الشان کام کے لئے جناب صدیق اور ان کے ساتھیوں کا چناؤ رب تعالیٰ کے علم سے ہے۔ خیال رہے کہ جیسے جسمانی نعمتیں بعض عام ہیں بعض خاص 'دھوپ' ہوا' پانی وغیرہ عام نعمتیں ہیں سلطنت وزارت دولت خاص نعمتیں یوں ہی روحانی نعمتیں بعض عام ہیں جیسے کلمہ 'قرآن' نماز' وغیرہ جو سب مسلمانوں کو ملیں۔ اور ولایت' غوثیت' قطبیت' صحابیت وغیرہ خاص نعمتیں ہیں جو کسی کسی کو ملیں بلکہ صحابیت عام نعمت تھی جو تمام صحابہ کو ملی مگر صدیقیت خاص نعمت جو حضرت ابوبکر کو عطا ہوئی اللہ کے ہاں کسی نعمت کی کمی نہیں وہ لاکھوں صدیق فاروق پیدا کر سکتا تھا مگر وہ علیم ہے جانتا ہے کہ عالم کی مصلحت کس چیز میں ہے۔ رب تعالیٰ لاکھوں سورج کروڑوں چاند پیدا فرما سکتا ہے۔ لیکن اگر دو سورج بھی ہوتے تو دنیا گرمی سے ہلاک ہو جاتی۔ پھر دانہ پھول جل جاتے۔ ہم کو سینکڑوں بال دیئے۔ دو دو ہاتھ پاؤں آنکھیں کان دیئے مگر دل ایک ہی دیا ورنہ نظام جسم خراب ہو جاتا نبوت کے آسمان پر خاتم الانبیاء سورج ایک ہی بنایا۔ صدیق چاند ایک ہی پیدا کیا وہ واسع ہے مگر علیم بھی ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ قرآن کریم جو غیبی خبریں دیتا ہے۔ جو بالکل درست و سچی ہوتی ہیں اس کی پیش گوئیاں ہو بہو درست نکلتی ہیں۔ علم غیب قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے یہ فائدہ **من یرتد** اور **فسوف یاتی اللہ بقوم** سے حاصل ہوا۔ اس فرمان میں تین پیش گوئیاں کی گئیں جو بالکل درست ہوئیں۔ اس میں غیبی خبر دی گئی کہ آئندہ کچھ لوگ مرتد ہوں گے (۲) وہ مرتدین بڑے طاقت ور ہوں گے۔ (۳) ان کے مقابلے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو مقرر فرمادے گا۔ جو ان کا قلع قمع کر دیں گے یہ تینوں خبریں زمانہ صدیقی میں ہو بہو درست ہوئیں جیسا کہ احادیث اور تواریخ داں حضرات پر مخفی نہیں۔ دوسرا فائدہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت منجانب اللہ تعالیٰ ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو خلیفہ برحق بتایا یہ فائدہ **فسوف یاتی اللہ بقوم** سے حاصل ہوا اور انہیں اور ان کی جماعت کو مجاہد فی سبیل اللہ قرار دیا۔ مجاہد فی سبیل اللہ وہ ہے جو مومن ہو مخلص ہو اللہ کے لئے کفار سے لڑے اور کسی

سلطان اسلام کے زیر فرمان لڑے بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق کو عملاً" اپنا خلیفہ اپنی حیات شریف میں ہی مقرر فرما دیا کہ فتح مکہ کے بعد آپ کو حج میں اپنی طرف سے کچھ اعلانات کرنے بھیجا اور اپنی وفات کے قریب آپ کو اپنے مصلے پر کھڑا کیا۔ امام بنایا اور یہ کہہ کر امام بنایا کہ جس جماعت میں ابو بکر ہوں اس میں کسی کو امام بننے کا حق نہیں۔ ایک عورت اپنا مقدمہ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی فرمایا کل آنا وہ بولی اگر کل تک میں آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ کی وفات ہو جاوے تو فرمایا ابو بکر سے فیصلہ کرانا اور فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ ابو بکر کو خلیفہ کر دوں مگر اللہ تعالیٰ انہیں ہی خلیفہ کرے گا۔ مسلمانوں کا آپ کی خلافت پر اجماع فیصلہ الٰہی اور فیصلہ مصطفوی کا ظہور تھا۔ تیسرا فائدہ حضرت ابو بکر صدیق اللہ کے محبوب ہیں ان کے طفیل ان کے خدام بارگاہ بھی خدا کے محبوب ہیں یہ فائدہ **یحبھم** سے معلوم ہوا۔ آپ کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا **ولسوف یعطیک ربک فترضی** اور آپ کے متعلق بھی یہ فرمایا **ولسوف یرضی** چوتھا فائدہ حضرت ابو بکر صدیق اور ان کے غلاموں کو اللہ تعالیٰ پیارا ہے یہ فائدہ **ویحبونہ** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ حضرت ابو بکر صدیق مسلمانوں پر نہایت ہی نرم ہیں کفار پر سخت یہ فائدہ **اذلۃ علی المومنین** الخ سے حاصل ہوا۔ حضور کے صحابہ کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **اشداء علی الکفار رحماء بینھم** چھٹا فائدہ حضرت ابو بکر صدیق اور ان کے ساتھی مجاہد فی سبیل اللہ غازیان اسلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اسلام کی کشتی کو تباہی سے بچا لیا۔ مسلمانوں کے جہاز کے پہلے ناخدا یہ پہلے تاجدار اسلام ہیں رضی اللہ عنہ یہ فائدہ **یجاھدون فی سبیل اللہ** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ حضرت ابو بکر صدیق استقامت کا پہاڑ ہیں۔ استقامت ہزار کرامت سے افضل ہے انہیں دنیا کی کوئی طاقت راہ حق سے جنبش نہیں دے سکتی یہ فائدہ **ولا یخافون لومۃ لائم** سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ حضرت ابو بکر صدیق پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے۔ یہ فائدہ **ذلک فضل اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا **وکان فضل اللہ علیک عظیما** اور حضرت صدیق کے لئے فرمایا **ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ** الخ یکساں خطابات ہیں۔ نواں فائدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق کا انتخاب ان بڑے بڑے کاموں کے لئے اتفاقاً" نہیں کر دیا۔ بلکہ بلکہ ان کو اس کا اہل جان کر کیا اس عظیم کارناموں کے لائق وہ ہی عظیم الشان ہستی تھی۔ یہ فائدہ **علیم** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ حضرت ابو بکر صدیق کا مومن ہونا آپ کا خلیفہ برحق ہونا آپ کا اللہ کا محبوب ہونا آپ کا غازی اسلام ہونا وغیرہ قطعی یقینی ہیں۔ ان میں سے ایک کا انکار کفر ہے یہ فائدہ پوری اس آیت سے حاصل ہوا۔ اس کی تائید دوسری آیات سے ہے۔ خیال رہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی صحابیت قطعی یقینی ہے۔ جس کا انکار کفر ہے فرماتا ہے **اذ یقول لصاحبہ لا تحزن** آپ کا خلیفہ اول ہونا قطعی یقینی ہے۔ جس کا انکار کفر ہے۔ فرماتا ہے۔ **ثانی اثنین اذھما فی الغار خلیفۃ اللہ الاول** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے ثانی ابو بکر صدیق خدا انہیں ثانی یعنی دوسرا کہے انہیں

تیسرا کرنے والا کون ہے۔ **شعر:۔**

☆ ثانی اثنین ہیں بوبکر خدا میرا گواہ ☆

☆ حق مقدم کرے پھر کیوں ہو مؤخر صدیق ☆

بعد الرسل تمام خلق سے حضرت صدیق اکبر کا افضل ہونا قطعی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ** حضرت صدیق کا بعد انبیاء ساری خلق سے بڑھ کر متقی ہونا قطعی یقینی ہے۔ فرماتا ہے **وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی۔ الاتقی** اسم تفضیل ہے جیسے گروہ انبیاء یوسف علیہ السلام چار پشت کے نبی ہیں یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہ السلام یوں ہی صرف صدیق اکبر ہی وہ خوش نصیب صحابی ہیں کہ آپ میں چار پشت تک صحابیت ہے۔ ماں، باپ، صحابی، خود صحابی، بیٹے بیٹی صحابی، پوتے نواسے صحابی عبداللہ ابن زبیر نواسے ہیں اور صحابی ہیں بعد انبیاء اس شان کا نہ پیدا ہوا نہ پیدا ہو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام سیدوں کے دادا حضرت علی شیر خدا ہیں اور نانا حضرت ابو بکر صدیق فردہ بنت قاسم ابن ابو بکر صدیق حضرت امام باقر کے نکاح میں آئیں۔ جن سے امام جعفر صادق پیدا ہوئے ان سے ہی حسینی سادات کی نسل چلی۔ دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔ گیارہواں فائدہ دین اسلام کے ایک بھی قطعی شرعی مسئلہ کا انکار کفر ہے۔ جو مسلمان ساری اسلامی باتیں مانے صرف ایک مسئلہ کا انکار کرے وہ مرتد ہے اسے قتل کیا جاوے گا اگر طاقت ور جماعت ہے تو اس پر جہاد ہو گا یہ فائدہ **من یرتدو منکم** سے حاصل ہوا کیونکہ اس آیت کریمہ میں جس جہاد کی پیش گوئی کی گئی ہے وہ حضرت ابو بکر صدیق کا وہ جہاد ہے جو آپ نے منکرین زکوۃ پر کیا۔ رب نے ان منکرین کو مرتدین فرمایا اور اس جنگ صدیقی کو جہاد۔ بارہواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننا حضور کے زمانہ میں یا بعد کسی کو نبی مان لینا کفر و ارتداد ہے۔ ایسے لوگوں پر جہاد اسلامی جہاد ہے یہ فائدہ بھی **من یرتدد** سے حاصل ہوا کیونکہ حضرت صدیق اکبر نے یمامہ والے مرتدین پر بھی جہاد کیا۔ جنہوں نے مسیلمہ کذاب کو حضور انور کے زمانہ میں ہی نبی مان لیا تھا اس جنگ کو قرآن کریم نے جہاد فرمایا اور ان بے دینوں کو مرتد قرار دیا ختم نبوت قطعی یقینی مسئلہ ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ مرتد ہو گئے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **من یرتد منکم عن دینہ** اگر ان کا ارتداد واقع نہ ہوتا تو **من یرتد** کیوں فرمایا جاتا نعوذ باللہ۔ جواب اس کے چند جوابات ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر یہی آیت خوارج حضرت علی اور اہل بیت اطہار کے لئے اسی تقریر سے پیش کریں تو تم کیا جواب دو گے۔ جواب تحقیقی ابھی تفسیر میں گزر چکے کہ جملہ شرطیہ کے اجزاء میں نہ وقوع لازم ہے نہ امکان۔ رب تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام سے میثاق کے دن عہد لے کر فرمایا **فمن تولی بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون** نیز فرماتا ہے۔ **لقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن**

اشرکت لیحبطن عملک حالانکہ حضرات انبیاء کرام نہ تو رب سے کئے ہوئے وعدوں سے پھر سکتے ہیں نہ شرک و کفر کر سکتے ہیں۔ قانون میں خطاب وفاداروں غداروں سب سے ہی ہوتا ہے تاکہ قانونی ہمہ گیری کی حیثیت ظاہر ہو۔ دوسرے یہ کہ یہاں حضرات صحابہ سے خطاب نہیں بلکہ ان لوگوں سے خطاب ہے جو حضور کے زمانہ میں مومن تھے صحابی نہ بنے جیسے عام دیہات کے باشندے انہیں میں لوگ مرتد ہوئے انہیں پر صدیق اکبر نے جہاد کیا۔ اگر نعوذباللہ صحابہ کرام مرتد ہو گئے تو بتاؤ کہ ان پر جہاد کس نے کیا اور اس آیت کا ظہور کیسے ہوا۔ حضرات صحابہ تو مرتدین پر جہاد فرمانے والے ہیں۔ دوسرا اعتراض ان مجاہدین سے مراد حضرات صحابہ کرام نہیں وہ تو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے یہاں فرمایا گیا ہے کہ اللہ ایسی قوم لائے گا۔ لہٰذا اس سے مراد بعد کے لوگ ہوں گے وہ مرزا قادیانی ہے یا بہاؤ اللہ ایرانی اس آیت میں ان کی خبر دی گئی ہے۔ نوٹ موجودہ مرزائی اور بہائی اپنے پیشواؤں پر یہ آیت چسپاں کرتے ہیں۔ اس طرف اشارہ محمد علی لاہوری نے بھی کیا ہے۔ اپنی تفسیر بیان القرآن میں صاف صاف کہنے کی تو ہمت نہ ہو سکی۔ اشارۃً کہہ گئے۔ جواب تعجب ہے کہ مرزائی اور بہائی لوگ جن کے مذہب میں جہاد کرنا ہی گناہ ہے جن کے نبی قادیانی کہتے ہیں کہ میں نے جہاد منسوخ کر دیا وہ اپنے کو اس آیت کا مصداق بتا رہے ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا یجاھدون فی سبیل اللہ تم لوگوں نے کن مرتدین پر کب اور کہاں جہاد کئے۔ تفصیل بتاؤ تم تو کفار کی سلطنت میں پیدا ہوئے انہیں کے زیر سایہ ان کے غلام بن کر جیئے ان کی غلامی کرتے کرتے مرے۔ تمہیں جہاد سے کیا تعلق یہاں فسوف یاتی اللہ بقوم میں یاتی سے مراد یہ نہیں ہے کہ خدا انہیں پیدا کرے گا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں بر سر اقتدار لائے گا کب لائے گا۔ چودہ سو برس کے بعد پنجاب یا ایران میں نہیں بلکہ زمانہ صحابہ ہی میں مدینہ منورہ کی سرزمین میں اس کی تفسیر وہ آیت ہے قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید جنگ تبوک سے رہ جانے والے دیہات کے باشندوں سے فرما دو کہ تم لوگ عنقریب سخت جنگ جو قوم (قوم یمامہ) سے جنگ کی طرف بلائے جاؤ گے معلوم ہوا کہ جنگ تبوک سے رہ جانے والے لوگ اس جہاد میں بلائے گئے یعنی زمانہ نبوی سے بالکل قریب یہ جہاد ہوئے تم اب چودھویں صدی کی پیداوار اس آیت کے مصداق کیونکر ہے۔ تیسرا اعتراض اس آیت میں اس مجاہد قوم سے مراد حضرت علی اور ان کے ساتھی ہیں۔ حضور کی وفات کے بعد صحابہ علی مرتضیٰ کی خلافت کا انکار کر کے سب مرتد ہو گئے۔ حضرت علی نے جنگ صفین۔ جنگ جمل میں ان پر جہاد کیا یعنی معاویہ اور عائشہ سے اس آیت میں ان جہادوں کی خبر دی گئی ہے (نعوذباللہ) نوٹ یہ اعتراض شیعہ فرقے کا ہے۔ اسے تفسیر کبیر نے مع جواب نقل کیا۔ جواب اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہماری کتاب امیر معاویہ میں ملاحظہ کرو۔ یہاں بطور اختصار یہ سمجھو کہ اگر یہ آیت کریمہ حضرت علی کے حق میں ہوتی اور ان کی خلافت نہ ماننا ان کی موجودگی میں اور کو خلیفہ ماننا ارتداد ہوتا تو حضرت علی حضور کے پردہ فرماتے ہی اور حضرت ابوبکر صدیق کے خلیفہ بنتے ہی ان پر بلکہ سارے اہل مدینہ پر جہاد کرتے اور جیسے حضرت ابوبکر منکرین زکوٰۃ کے لئے اکیلے ہی چل پڑے

تھے۔ حضرت علی اکیلے ہی تلوار لے کر ان پر جہاد کرتے تین خلفاء یعنی حضرت صدیق و فاروق و عثمان غنی کی بیعت خود نہ کر لیتے۔ تعجب ہے کہ قرآن کریم تو آپ کے جہاد کی خبر دے اور آپ بجائے جہاد کے ان کی بیعت فرما کر انہیں خلیفہ المسلمین امیر المومنین مان لیا۔ نیز جنگ جمل و صفین میں خود حضرت علی نے اپنے مقابل حضرات کو مرتد نہ فرمایا بلکہ باغی فرمایا کہ ارشاد کیا **اخواننا بغو علینا** یہ سب ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم سے بغاوت کر لی ان کے قیدیوں کو قتل نہ کیا ان کے مال کو غنیمت نہ بنایا۔ امیر معاویہ سے صلح کی کوشش کی مرتدین سے صلح کیسی ان کے متعلق تو قرآن کریم فرماتا ہے **تقاتلونهم اویسلمون** یا ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جاویں۔ تیسری چیز ہی نہیں۔ لہذا تم آیت کریمہ کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف کر رہے ہو نیز خود حضرت علی، حسن قتادہ ضحاک ابن جریج نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق ہے۔ جس کے حوالے ابھی ہم عرض کر چکے۔ **چوتھا اعتراض** یہاں ان مسلمانوں کی تعریف میں فرمایا گیا **اعزة على الكفرين** دوسری جگہ ارشاد ہوا **اشداء على الكفار** تو کیا مسلمانوں کو چاہیے کہ کافروں پر خوب سختی کیا کریں۔ انہیں قتل و غارت ہی کریں یہ تو سخت خونریزی ہے۔ اسلام نے خونریزی سکھائی ہے (آریہ) **جواب** یہاں حق تعالیٰ نے اسے **اعزة** فرمایا وہاں اس آیت میں **اشداء** فرمایا **ظالمين** نہ فرمایا۔ کفار پر سختی کے معنی یہ ہیں کہ ان کے مقابلہ میں دین پر سختی سے قائم ان کی ہیبت مسلمان کے دل میں نہ آئے اگر حربی کفار سے جنگ کرنی پڑ جائے تو ڈٹ کر مقابلہ کریں ان کے مقابلہ میں نرمی یا پلپلا پن نہ دکھائیں۔ ذمی رعایا کفار پر جیسا رحم و کرم مسلمانوں بادشاہوں نے کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ اب بھی دیکھ لو کہ بھارت میں مسلمانوں کے نہ مال محفوظ ہیں نہ جانیں۔ پاکستان میں ہندو کیسے آرام سے زندگی گزار رہے ہیں۔ **پانچواں اعتراض** اگر رب تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ مرتدین پر جہاد کرنے کے لئے ایسے مسلمان قائم فرمایا کرے گا۔ جو ان پر جہاد کریں تو آج مسلمانوں میں ختم نبوت کے انکاری۔ ضروریات دین کے انکاری بڑی بڑی جماعتیں ہیں۔ ان پر جہاد کرنے کے لئے رب نے کوئی مسلم جماعت قائم نہ کی یہ وعدہ کیسے پورا ہوا۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہ پیشگوئی حضرت ابوبکر صدیق کے جہادوں کے متعلق ہے جو پوری ہو چکی۔ **من يرتد منكم** میں خطاب اس زمانہ کے مومنوں سے ہے۔ آئندہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش گوئی فرمائی کہ میری امت ساری گمراہ نہ ہوگی ان میں ایک فرقہ ضرور ہدایت پر رہے گا اور فرمایا میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ سب دوزخی ایک جنتی وہ بھی دیکھنے میں آ رہا ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت بھی رہیں گے اور سب پر غالب رہیں گے۔ اب بھی اسی فیصد اہل سنت ہیں اور بیس فی صدی ہیں سارے گمراہ فرقے ہیں یہ ہے میرے محبوب عالم غیوب کی پیشگوئی کا ظہور جو قیامت تک ہوتا رہے گا غرضیکہ وعدہ الٰہی بالکل سچ ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا۔ **چھٹا اعتراض** یہاں آیت کریمہ نے جناب صدیق اور ان کے تمام ساتھیوں کے متعلق فرمایا کہ وہ مسلمانوں پر نرم ہیں مگر حضرت ابوبکر نے فاطمہ زہراء کو ان کی میراث سے محروم کیا۔ حتیٰ کہ فاطمہ زہرا آپ پر ناراض ہو گئیں اور ان کے ساتھیوں نے زمانہ حیدری میں آپس میں جنگیں

کیں پھر وہ نرم کیونکر ہوئے (شیعہ) جواب قرآن کریم سچا ہے تمہاری فہم میں غلطی ہے۔ حضرت صدیق نے قانون رسول اللہ کو جاری فرمایا کہ نبی کا متروکہ مال میراث نہیں ہوتا اس لئے حضور انور کو ان کے گھر میں دفن کیا گیا۔ وہ جگہ اب وقف ہو چکی تھی کسی کی ملک نہ تھی ہم اپنے گھر میں دفن نہیں ہو سکتے کہ ہمارے بعد ہمارا گھر وارثوں کی ملک ہے وہ قبرستان نہیں بن سکتی اور حضرت صدیق نے اپنے دور خلافت میں یہ تمام امور ویسے ہی باقی رکھے۔ میراث تقسیم نہ کی انہیں وقف ہی قرار دیا۔ حضرت فاطمہ زہرا جناب صدیق پر ناراض نہ ہوئیں بلکہ اپنے مطالبہ میراث پر افسوس کیا اور پھر کبھی مطالبہ نہ کیا **فغضبت** اور **لم تتکلم** کے یہی معنی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ناراضی کفر ہے صحابہ کی آپس کی جنگیں عداوت کی نہ تھیں اختلاف رائے کی تھیں۔ جیسے برادران یوسف علیہ السلام اور حضرات سارا و ہاجرہ کے اختلافات۔ اس اختلاف پر ملامت نہیں اور یہ اختلاف نرمی یا محبت کے خلاف نہیں لہذا آیت بالکل واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ اے ایمان کے دعویدارو تم میں سے جو کوئی حق تعالیٰ سے قلب میں آکر مرتد ہو جاوے۔ حقیقی ایمان سے محروم رہے تو تم خدا تعالیٰ کو نقصان نہ پہنچا سکو گے کیونکہ رب تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جو ازل سے ہی اس کے محبوب و محب ہیں جن کی ذات سے محبت ہے نہ کہ صفات سے محبت صفاتی بدل جاتی ہے محبت ذاتی نہیں بدلتی یہ محبت بھی رب کے فضل سے نصیب ہوتی ہے ورنہ کہاں تراب اور کہاں رب الارباب ان کی حالت یہ ہو گی کہ مسلمانوں سے ہم جنس ہونے کی وجہ سے پست اور کفار پر غیر جنس ہونے کی وجہ سے سخت اور تنفر اللہ کی راہ میں اپنی ذات و صفات کی فنا کے لئے مجاہدے کریں گے اور اس کی راہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے بلکہ ان ملامتوں سے لذت پائیں گے۔ جیسے ایک شاعر نے کہا شعر:

☆ اجد الملامۃ فی ہواک لذیذۃ ☆ حبا لذکرک فلیلمنی الیوم ☆

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اس راستہ میں اپنے قدم سے چلنے والا ایک ساعت کی راہ ستر سال میں طے نہیں کر سکتا اور اس طرف سے جس کی کشش ہو جاوے تو ستر سال کی راہ ایک پل میں طے ہوتی ہے۔ فرعونی جادوگر ایک ساعت میں کہاں پہنچے۔ ابراہیم ادھم رابعہ بصریہ تھوڑی مدت میں بہت دراز سفر طے کر گئے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

اس کے سوا نہیں کہ تمہارے دوست اللہ اور رسول ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو
تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ

اور دیتے ہیں زکوٰۃ کو اور وہ رکوع والے ہیں اور جو دوستی کرے گا اللہ سے اور اس کے رسول اور ان

اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں

اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

لوگوں سے جو ایمان لائے پس تحقیق اللہ کا ٹولہ وہ ہی غالب ہیں

کو اپنا دوست بنائے تو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالٰی نے مرتدین کی سزا کا ذکر فرمایا تھا۔ اب اس دوا کا ذکر ہے۔ جس سے انسان ارتداد کی بیماری سے بچا رہے یعنی اللہ رسول اور مومنین کی محبت گویا ارتداد کی بیماری کے انجام اس کی سزا کے بعد اس سے بچاؤ کی تدبیر اس کی دوا بتائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم مرتدین کی سرکوبی کے لئے صدیقی جماعت کو لائیں گے جو خدا کی پیاری جماعت ہے۔ اب ارشاد ہے کہ اگر تمہیں رب تعالٰی کی محبوبیت چاہیے تو تم صدیقی جماعت کو اپنا ولی اور والی بناؤ تم بھی پیارے بن جاؤ گے۔ پھول کے ساتھ گھاس باندھ دی جاوے تو وہ بھی بادشاہ کے دربار میں پہنچ جاتی ہے۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر:

☆ گو نیست جمال و رنگ و بویم! ☆ آخر نہ گیاہ باغ اویم ☆

تیسرا تعلق پچھلی گزشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار سے دوستی کرنے کی سخت ممانعت کی گئی تھی۔ اب اللہ رسول اور مومنین سے دوستی و محبت کرنے کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے گویا توڑنے والے رشتوں کا ذکر فرمانے کے بعد جوڑنے والے رشتوں کا ذکر ہے زہر کے ذکر کے بعد تریاق کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان زہر سے بچیں۔ تریاق اختیار کریں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ان تین چیزوں کا ذکر تھا۔ جن کے اختیار کرنے سے اللہ کی جماعت میں شامل ہونا ہوتا ہے یعنی اللہ کی محبت اس کے محبوب کی اطاعت مسلمانوں سے تعلق۔ اب اس چیز کا ذکر ہے جس سے بچنے سے اللہ کی جماعت میں شامل ہونا ہوتا ہے یعنی کفار سے محبت' ہر کام کے لئے شرائط اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ منافی چیز سے بچنا پڑتا ہے نماز کے لئے طہارت وغیرہ کرو۔ دنیاوی بات و دنیاوی کام نہ کرو یہ ہی ایمان کا حال ہے۔ **پانچواں تعلق** ابھی پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالٰی اپنا فضل جسے چاہے دے وہ بڑی وسعتوں حکمتوں والا ہے۔ اب وہ جگہ بتائی جا رہی ہے جہاں سے اللہ کا فضل ملتا ہے۔ گویا عطا کے ذکر کے بعد اس سودے ملنے کی دوکان کا پتہ بتایا جا رہا ہے۔

شان نزول حضرت جابر ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عبداللہ ابن سلام بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض

کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ہمارے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے ہماری یہودی قوم بنی قریظہ اور بنی نضیر نے ہم کو چھوڑ دیا۔ اور آپس میں قسمیں کھالیں کہ ہمارے ساتھ نشست و برخاست اور میل ملاپ نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد ہوا کہ اب تمہارے دوست اللہ رسول اور سارے مومنین ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن سلام نے یہ آیت سن کر فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہوتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور مسلمانوں کے دوست ہونے پر راضی ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے اپنے یہود حلیف بنی قریظہ اور بنی نضیر کے متعلق یہ ہی شکایت کی کہ انہوں نے ہم کو چھوڑ دیا۔ اب ہم کیا کریں (تفسیر خازن وغیرہ)

تفسیر **انما ولیکم اللہ ورسولہ۔ انما** لفظ حصر ہے جو پہلے جزء کو دوسرے جز میں منحصر کرتا ہے۔ جیسے **انما الٰھکم الہ واحد** یا جیسے **انما انا بشر مثلکم** تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اور میں بشر ہی ہوں۔ ایسے ہی یہاں ہے یعنی منحنی ہوئے تمہارے ولی اللہ رسول ہی ہیں۔ یہاں حصر اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ کیونکہ مومنوں کے والی وارث ان مذکورہ ہستیوں کے سواء کوئی نہیں۔ ولی کبھی بنتا ہے **ولی** سے بمعنی قرب' محبت' مدد' دوستی تب اس کے معنی ہوتے ہیں۔ قریب' محبوب' مددگار' دوست اور کبھی بنتا ہے۔ **ولایت** سے بمعنی تصرف۔ ملکیت تب اس کے معنی ہوتے ہیں والی متصرف' مالک اسی سے ہے مولا یہاں **ولی** سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں قریب یا دوست یا محبوب یہ بمعنی والی یا متصرف نہیں ہو سکتا (تفسیر کبیر) **کم** میں مخاطب یا تو اس زمانہ کے مسلمان ہیں خصوصاً وہ حضرات جو ایمان لاکر بے یار بے دوست یعنی اکیلے رہ گئے تھے یا تاقیامت مسلمانوں سے خطاب ہے دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ قرآن مجید میں عبارت کے عام ہونے کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت و دوستی' قرب حقیقی ہے دوسروں کی مجازی اور اللہ تعالیٰ کی محبت وغیرہ اصل مقصود ہے۔ دوسری محبتیں اس کا وسیلہ اس لئے یہاں اللہ کا ذکر پہلے ہے رسول کا ذکر بعد میں (روح المعانی) **رسولہ** سے مراد ہیں حضور سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اللہ کے سارے نبی ہمارے محبوب دوست ہیں مگر چونکہ ان سب کی محبت حضور کے ذریعہ سے ہے اس لئے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا جیسے کہ ہم سارے نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں مگر ارشاد ہوا **امنوا باللہ ورسولہ** کہ ان نبیوں پر ایمان حضور کی معرفت سے ہے۔ حضور کے توسل کے بغیر نہ ہم ان نبیوں پر ایمان لاسکتے ہیں نہ انہیں محبوب رکھ سکتے ہیں۔ **والذین امنوا** یہ عبارت معطوف ہے **رسولہ** پر چونکہ مسلمانوں سے محبت اس لئے ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہیں نیز ایمان ملا ہے حضور کے دم قدم سے ہے اس لئے ان کا ذکر رسول کے بعد ہوا اس عبارت میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور ان کی جماعت ہے یعنی صدیقی ٹولہ کیونکہ ابھی پچھلی آیت میں قوم اور **اعزۃ** یوں ہی **اذلۃ** او **یجاھدون** میں وہ ہی حضرات مراد تھے یہ قول ہے حضرت عکرمہ اور بہت مفسرین کا

(روح المعانی و تفسیر کبیر) دوسرے یہ کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ ایک بار انہوں نے رکوع کرتے ہوئے ایک سائل کو انگوٹھی خیرات کی ان کی تعریف میں یہ ارشاد فرمایا گیا۔ **وھم راکعون** یہ قول ہے حضرت عطا کا بروایت ابن عباس (تفسیر کبیر و معانی) تیسرا یہ کہ اس سے مراد ہیں عام مومنین جن میں حضرت صدیق و علی بھی داخل ہیں۔ خصوصاً انصار و مہاجرین۔ یہ قول ہے حضرت امام محمد باقر کا چنانچہ امام محمد باقر سے عرض کیا گیا کہ ہم نے سنا ہے کہ اس سے مراد حضرت علی ہیں تو فرمایا کہ وہ بھی ان میں داخل ہیں (معانی و کبیر وغیرہ) یہ تیسرا قول نہایت قوی ہے کہ دوسری آیات اس کی تائید کرتی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والمومنون والمؤمنت بعضھم اولیاء بعض** نیز ابھی اگلی آیت میں آرہا ہے **ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا** یہاں سب کے نزدیک **امنوا** سے مراد سارے مومنین ہیں۔ نیز حضرت عبداللہ ابن سلام یا عبادہ ابن صامت نے یہ ہی کہا تھا کہ ایمان کی وجہ سے کوئی یہودی ہمارا دوست نہ رہا تو جواب دیا گیا کہ تمہارے دوست سارے مومن ہو گئے (کبیر و معانی) **الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم رٰکعون** یہ عبارت یا تو **الذین امنوا** سے بدل ہے یا اس کی صفت (معانی وغیرہ) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں چونکہ نماز دن رات میں پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے اور زکوٰۃ سال میں ایک بار نماز سارے مسلمان پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ صرف مالداروں پر ہے نماز کی ادا کے لئے طہارت' قبلہ منہ ہونا' ستر' وقت وغیرہ بہت سی شرطیں ہیں۔ زکوٰۃ کے لئے ان میں سے کچھ نہیں اس لئے نماز کے لئے **یقیمون** ارشاد ہوا اور زکوٰۃ کے لئے صرف **یوتون** فرمایا چونکہ اسلام میں نماز و زکوٰۃ بڑا اہم فریضے ہیں جو ان کا پابند ہو گا وہ انشاء اللہ باقی فرائض کا بھی پابند ہو گا۔ اس لئے صرف ان دو کا ذکر ہوا باقی اسلامی ارکان حج و جہاد وغیرہ کا ذکر نہ ہوا **وھم رکعون** میں واؤ عاطفہ ہے اور جملہ یوتون الزکوۃ پر معطوف ہو کر **الذین** کا صلہ ہے۔ جملہ اسمیہ معطوف ہو سکتا ہے۔ جملہ فعلیہ پر یا واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ **یقیمون** اور **یوتون** دونوں فعلوں کے فاعل **ھم** کا حال ہے یا صرف **یوتون** کے فاعل سے **رکعون** بنا ہے رکوع سے ظاہر یہ ہے کہ یہاں رکوع بمعنی عجز و نیاز اور دلی خشوع و خضوع ہے جیسے رب تعالیٰ نے جناب مریم سے فرمایا **وارکعی مع الراکعین** حالانکہ بنی اسرائیل کی نمازوں میں رکوع نہ تھا رکوع صرف اسلامی نمازوں میں ہے نیز حضرت مریم مردوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتی تھیں۔ پھر معیت کے کیا معنی لہٰذا یہاں بھی رکوع بمعنی خشوع ہے یعنی تمہارے دوست وہ مسلمان بھی ہیں جو نمازیں قائم رکھتے زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اس حالت میں کہ ان کے دلوں میں عجز و نیاز خشوع و خضوع ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ہو رکوع والی نماز پڑھتے ہیں۔ اسلامی نماز کے سواء کسی دین کی نماز میں رکوع نہ تھا **ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا** یہ جملہ نیا ہے جس میں اللہ رسول اور مومنوں سے محبت کرنے کے خاص فائدے کا ذکر فرمایا جو دنیا و آخرت دونوں جہان میں حاصل ہوتا ہے۔ نیز پہلے یہ ذکر تھا کہ اللہ رسول اور مومنین تمہارے والی ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ تم بھی تو ان کے ولی بنو ان سے محبت ان کی اطاعت کرو تو اللہ کے ٹولہ میں آؤ

گے۔ یہاں **یتولی** بنا ہے ولی سے · بمعنی محبت' قرب وغیرہ نہ کہ ولایت سے اس پر تمام کا اجماع ہے **من** سے مراد سارے مسلمان ہیں یہاں بجائے ضمیر کے اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی تاکہ اللہ رسول اور مسلمانوں کی دوستی کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہو یہ پوری عبارت مبتداء · بمعنی شرط ہے خیال رہے کہ قرآن کریم نے اللہ رسول کی اطاعت کا بھی ذکر فرمایا جس کی جزا کامیابی ہے **ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما** اور حضور کی اتباع کا ذکر بھی فرمایا جس کی جزا ہے محبت الٰہی **فاتبعونی یحببکم اللہ** مگر یہاں تولی کا ذکر فرمایا جس کا نتیجہ ہے اللہ کے ٹولہ میں آ جانا تولی میں اطاعت' مدد' محبت' قرب سب داخل ہیں تول میں بڑی وسعت ہے اس کا نتیجہ بہت شاندار ہے یعنی اللہ کی جماعت اس کے ٹولہ میں آ جانا **فان حزب اللہ ھم الغلبون** یہ عبارت اس مذکورہ مبتدا کی خبر نہیں اس کی خبر پوشیدہ ہے یہ اس کی اس کی علت ہے **حزب** طاقتور جماعت کو کہتے ہیں ہر جماعت کو **حزب** نہیں کہا جاتا اس کی جمع ہے **احزاب** اس لئے لشکر کو بھی **حزب** کہا جاتا ہے **لمارای المومنون الاحزاب** یعنی جو کوئی اللہ رسول اور مسلمانوں سے دوستی کرے گا تو وہ دنیا و آخرت میں غالب رہے گا کیونکہ وہ اللہ کا ٹولہ ہو گا اور اللہ کا ٹولہ ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ جیسے کوئی شخص حکومت کا رکن بن جاوے تو وہ حاکم بن جاتا ہے۔ اسے عزت حکومت سب کچھ مل جاتی ہے وہ راج کرتا ہے ایسے ہی جو اللہ کے ٹولہ میں آ جاوے وہ اللہ کے ملک پر راج کرتا ہے۔ دیکھو حضرت سلیمان ہوا۔ پانی' جنات پر راج کرتے تھے عیسیٰ علیہ السلام کی حکومت قرآن بیان فرما رہا ہے۔ ہمارے حضور عالم کے شہنشاہ ہیں۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو! اگر تم سے یہود الگ ہو گئے تمہارے مومن ہو جانے کی وجہ سے تو تم کیوں گھبراتے ہو تم تو اس سودے میں بڑے نفع میں رہے تمہارے دوست' مددگار محبوب اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ سارے مسلمان ہیں جو نمازیں قائم رکھتے زکوٰۃ دیتے ہیں ان کے دل میں خشوع و خضوع عجز و نیاز کا دریا موجیں مارتا ہے۔ تم سے وہ مخلوق چھوٹی اللہ رسول ملے۔ تم سے فساق و فجار سرکش یہود الگ ہوئے یہ متقی پرہیزگار مسلمان قریب ہو گئے اب تم ان کے دوست ہو گئے وہ تمہارے دوست' خیال رکھو کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے دوستی و محبت رکھیں تو خواہ ظاہری لحاظ سے کمزور ہوں۔ تھوڑے ہوں بے سامان ہوں مگر جہاں بھر پر غالب رہیں گے۔ کیونکہ وہ تو اللہ کا ٹولہ ہو گئے اللہ کی جماعت اس کا ٹولہ سب پر غالب ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی محبت و مدد عارضی و فانی نہیں بلکہ دائمی و باقی ہے زندگی و موت بعد موت ان کی امدادیں پہنچتی رہتی ہیں حتیٰ کہ ہمارے مرنے کے بعد مسلمان ہم کو ایصال ثواب وغیرہ سے مدد پہنچاتے رہتے ہیں اور صالح مومنین اولیاء اللہ اپنی قبور میں سے ہماری مددیں کرتے رہتے ہیں۔ قیامت میں مومنین ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے غرضیکہ جسمانی امدادیں عارضی ہیں جو ختم ہو جائیں گی۔ مگر روحانی امدادیں دائمی ہیں۔ جن کے لئے فنا نہیں **ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** جملہ اسمیہ دوام کے لئے ہے محبت ایمانی اور امداد ایمانی قرب ایمانی غیر فانی ہے۔

ضروری تنبیہ

اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل یعنی ان کا پہلا خلیفہ ہونا اور تینوں خلافتوں کا ناجائز ہونا ثابت کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں **انما** حقیقی حصر کا لفظ ہے اور **ولی** کے معنی ہیں والی متولی یعنی امیر و خلیفہ اور **وھم راکعون یوتون الزکوۃ** کے فاعل کا حال ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے مسلمانو تمہارے والی امام متولی صرف اور صرف اللہ رسول ہیں اور وہ مومن ہیں جو رکوع کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک بار حضرت علی نماز کے رکوع میں تھے کہ کسی سائل نے سوال کیا آپ کے ہاتھ شریف میں ایک چاندی کی انگوٹھی تھی۔ آپ نے اسی رکوع کی حالت میں وہ انگوٹھی والی انگلی فقیر کی طرف کر دی اس نے یہ انگوٹھی اتار لی اللہ تعالیٰ نے جناب امیرالمومنین کی یہ ادا ایسی پسند فرمائی کہ آپ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ جس میں مسلمانوں کو خطاب کیا گیا کہ تمہارا خلیفہ تمہارا والی امام صرف یہ ہی ہے جو رکوع کرتے کرتے زکوۃ بھی دے۔ معلوم ہوا کہ ان کے سوا اور کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا وہی خلیفہ برحق ہیں۔ چنانچہ حاکم اور ابن مردویہ نے بروایت حضرت ابن عباس یہ واقعہ نقل فرمایا اور حضرت حسان نے جناب علی کے اس واقعہ کو اپنے کلام میں یوں نظم فرمایا شعر:۔

☆ ابا حسن نفدیک نفسی ومہجتی ☆

☆ وکل بطی فی الھدی ومسارع! ☆

☆ ایذھب مدحیک المحبر ضائعا ☆

☆ وما المدح فی جنب الامہ بضائع! ☆

☆ فانت الذی اعطیت اذ کنت راکعا ☆

☆ زکوۃ قدتک النفس باخیر راکع! ☆

☆ فانزل فیک اللہ خیر ولایتہ ☆

☆ واثبتھا اثنا کتاب الشرائع! ☆

یعنی اے علی ابو الحسن آپ پر ہماری جانیں اور ہر ہدایت یافتہ قربان ہوں آپ کا مدح کو کبھی برباد نہ ہو گا۔ آپ ہی وہ ہیں جنہوں نے رکوع کرتے کرتے زکوۃ ادا کی۔ اے بہترین رکوع والے تم پر میری جان فدا اللہ تعالیٰ نے تمہارے بارے میں بہترین ولایت کی۔ آیت اتاری اور اسے قرآن جیسی شریعت کی کتاب میں محفوظ فرما دیا (از روح المعانی) لہٰذا حضرت علی کے سواء کوئی امام و خلیفہ نہیں۔ یہ ان حضرات کی انتہائی دلیل ہے۔ جسے ہم نے ان کی طرف سے اس طرح بیان کر دیا کہ شاید وہ بھی اس طرح بیان نہ کر سکیں۔

جواب اس کے جوابات حسب ذیل ہیں۔ اولاً یہ کہ اگر یہ واقعہ درست ہو اور واقعی یہ اشعار حضرت حسان ہی کے ہوں کسی کے بناوٹی نہ ہوں تب بھی اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل نہیں ہوئی۔ ہم نے اس کا شان ابھی عرض کر دیا جو تمام معتبر تفاسیر میں مذکور ہے اور حضرت امام محمد باقر کا فرمان بحوالہ نقل کر دیا کہ یہ آیت کریمہ مہاجرین و انصار کے متعلق نازل ہوئی۔ بعض نے کہا کہ ابو بکر صدیق کے متعلق بعض نے فرمایا کہ عام مسلمانوں کے متعلق۔ دوسرے یہ کہ یہاں ولی بمعنی دوست و محبوب و مددگار ہے نہ کہ بمعنی امیر و خلیفہ کیونکہ اگر یہاں ولی بمعنی خلیفہ اور امام ہو تو لازم آوے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی خلیفہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خلیفہ یہ تو محض باطل ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر ولی بمعنی امام و خلیفہ ہو تو یہ آیت کریمہ گزشتہ آیات اور آئندہ آیات سے بالکل بے جوڑ ہو جاوے گی کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ پھر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مرتدین کی سرکوبی کے لئے ایسی جماعت لاوے گا جو مسلمانوں پر پست کفار پر سخت ہیں آگے آ رہا ہے کہ جو اللہ رسول اور مسلمانوں سے محبت کرے گا وہ کامیاب ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ آگے پیچھے دوستی و محبت کا ذکر ہو اور بیچ میں ایک خلافت کا تذکرہ آ جاوے۔ چوتھے یہ کہ پھر یہ آیت ان سائلین کا جواب نہ ہوگی۔ جن کے جواب میں یہ آیت آئی ہے ان بزرگوں کا سوال تو یہ تھا کہ اسلام لانے کی وجہ سے ہمارا کوئی دوست نہ رہا اور جواب دیا گیا کہ تمہارے خلیفہ علی مرتضیٰ ہیں۔ پانچویں یہ کہ اللہ رسول تو اس آیت کے نزول کے وقت ولی تھے اور حضرت علی اس وقت ولی یعنی خلیفہ نہ تھے۔ لہٰذا تمہاری تفسیر پر معنی یہ ہوئے کہ اللہ رسول تو فی الحال والی ہیں اور یہ مومن یعنی علی آئندہ والی ہوں گے یہ معنی محض باطل ہیں۔ چھٹے یہ کہ اس تفسیر سے لازم آوے گا کہ صرف حضرت علی ہی خلیفہ اور امیر ہوں اور کوئی خلیفہ نہ ہو یعنی نہ حضرت امام حسن و حسین خلیفہ ہوں نہ دوسرے بارہ امام حالانکہ آپ حضرات بارہ امام مانتے ہیں۔ **انما** حصر کے لئے ہے اور حصر بھی حقیقی۔ ساتویں یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کبھی زکوٰۃ فرض ہی نہ ہوئی۔ آپ کی زندگی فقر و فاقہ میں گزری پھر آپ نے زکوٰۃ میں چاندی کا چھلا کیسے دیا۔ یہاں زکوٰۃ دینے کا ذکر ہے (تفسیر کبیر) آٹھویں یہ کہ نماز کی حالت میں فقیر کی آواز سن لینا اور نماز بھی کس کی حضرت علی کی جن کو نماز میں جسم میں لگا ہوا تیر نکال لئے جانے کی خبر بھی نہ ہو۔ نماز کے خشوع و خضوع کے خلاف ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الذین ھم فی صلاتھم خشعون**۔ نویں یہ کہ بحالت نماز صدقہ دینا اگر عمل کثیر سے ہو تو نماز باطل کر دے گا اور اگر عمل قلیل سے ہو تو بھی کراہت سے خالی نہیں نماز میں کوئی حرکت و جنبش نہ چاہیے۔ حضرت علی یہ کیسے کر سکتے تھے اور رب تعالیٰ اس ناجائز یا مکروہ فعل کی تعریف کیسے فرما سکتا ہے۔ دسویں یہ کہ اگر ان تمام باتوں سے آنکھ بند کر لی جاوے تو بھی حضرت علی کی خلافت بلا فصل کیسے ثابت ہوگی۔ کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت تو آپ خلیفہ تھے نہیں بعد میں ہوئے۔ اب بعد خواہ دو تین برس کا بعد ہو یا چوبیس تیس سال کا بعد اور واقعی ان تین خلفاء راشدین کے بعد آپ امیر المومنین خلیفہ برحق ہیں۔ گیارھویں یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب خلیفہ کے چناؤ پر غور کیا تو حضرت علی نے یہ آیت

پیش نہ کی اور اس آیت سے اپنی خلافت کا استحقاق بیان نہیں فرمایا اور بعد میں بھی تینوں خلفاء کے دور میں کبھی حضرت علی نے اس آیت کی بنا پر اپنے کو خلیفہ ثابت نہ کیا اور تمام اہل بیت اطہار حضرت عبداللہ ابن عباس' امام حسن اور دیگر حضرات کی نظر کبھی اس آیت پر نہ گئی کسی نے اس کے ذریعہ خلافت حیدری ثابت نہ کی۔ اب چودہ سو برس کے بعد شیعہ حضرات کو اس آیت کے یہ معنی سوجھے تو کیا یہ لوگ حضرت علی و ابن عباس و امام حسن سے زیادہ قرآن سمجھتے ہیں اگر ان بزرگوں نے تقیہ سے یہ آیت پیش نہ کی تو آپ لوگ تقیہ کیوں توڑتے ہیں۔ آپ بھی تقیہ کئے رہو۔ کبھی اس آیت کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ۔ لہذا حق یہ ہی ہے کہ اولا" تو یہ واقعہ ہی درست نہیں اگر درست ہو تو اس موقع پر اس آیت کریمہ کا نزول ماننا درست نہیں اور یہاں ولی۔ بمعنی خلیفہ نہیں اور **وهم راكعون** حال نہیں اس کی تفسیر وہ ہی حق ہے جو ابھی عرض کی گئی۔ اس کی مکمل بحث تفسیر کبیر اور تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ملاحظہ فرماؤ۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مددگار والی وارث ناصر ہیں جو کہے کہ خدا کے سواء کوئی مددگار نہیں وہ اس آیت کریمہ کا انکار کرتا ہے۔ لہذا اللہ رسول اور متقی مسلمانوں کو مددگار ماننا حکم قرآنی ہے۔ **دوسرا فائدہ** ہمیشہ مسلمانوں کو اپنی قوم سے ہی عزت ملے گی۔ اس قوم میں رہ کر غلبہ حاصل ہو گا۔ مسلم قوم سے کٹ کر کفار سے مل کر ذلت و رسوائی کے سواء کچھ حاصل نہ ہو گا۔ **تیسرا فائدہ** ایمان کے ساتھ تقویٰ ضروری ہے اور تقویٰ کے لئے نماز و زکوٰۃ ضروری ارکان ہیں۔ **چوتھا فائدہ** سارے متقی مسلمان اللہ کی جماعت ہیں اور انشاء اللہ تمام کفار پر غالب رہیں گے خواہ غلبہ جسمانی قوت کا ہو یا روحانی قوت کا دیکھو انہیں اللہ کی جماعت فرمایا گیا اور ان کے لئے غلبہ کا وعدہ فرمایا گیا۔ **پانچواں فائدہ** اللہ کے مقبول بندے اللہ کی طرف سے اللہ کے ملک پر راج کرتے ہیں۔ ان کی حکومت۔ بحرو بر شجرو حجر سب پر نافذ ہے۔ ان کے منہ سے جو نکلتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اس پر قرآنی آیات احادیث صحیحہ شاہد ہیں یہ سب کچھ اس لئے نہیں کہ وہ اللہ ہو گئے بلکہ اس لئے کہ وہ اللہ کے ٹولہ میں آگئے وزیر اعظم سارے ملک پر حاکم ہے ڈپٹی کمشنر سارے ضلع کا کمشنر پوری کمشنری کا فرمانروا ہے یہ حکام بادشاہ نہیں بلکہ بادشاہ کے ٹولہ کے ہیں اسی طرح حضرات انبیاء اولیاء ملک الہی کے حاکم ہیں یہ فائدہ **حزب الله هم الغلبون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں **ولى** واحد کیوں ارشاد ہوا اولیاء کیوں نہ فرمایا گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو دوست بتایا گیا ہے۔ اس کے لئے اولیاء جمع لانا چاہیے تھا؟ **جواب** اس لئے کہ ان سب کی ولایت یکساں نہیں اللہ تعالیٰ کی محبت اصل مقصود ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس محبت **الٰہیہ** کا وسیلہ ہے اور مسلمانوں سے محبت حضور کی محبت کا ذریعہ اصل مقصود ایک ہی محبت تھا۔ اس لئے ولی واحد ارشاد ہوا (دیکھو تفسیر کبیر)

دوسرا اعتراض محبت تو سارے رسولوں سے چاہیے پھر **رسولہ** واحد کیوں ارشاد ہوا جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ان تمام رسولوں کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ہے ہم ان حضرات کو اس لئے اپنا محبوب و ولی مانتے ہیں کہ حضور نے ان کی محبت کا حکم دیا جو آج جو کوئی حضور کو چھوڑ کر سارے نبیوں سے محبت کرے وہ کافر ہی ہے۔ دیکھو یہودی عیسائی اپنے نبیوں سے محبت کرتے ہیں مگر ہیں کافر جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **امنوا باللہ ورسولہ** اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ حالانکہ تمام نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے مگر چونکہ ان پر ایمان حضور پر ایمان کے ضمن میں ہے۔ اس لئے وہاں **رسولہ** واحد ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مددگار اور محبوب اللہ تعالیٰ۔ رسول اور سارے متقی مسلمان ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** تمہارا خدا کے سواء کوئی ولی اور مددگار نہیں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** تمہاری پیش کردہ آیت میں **من دون اللہ** سے مراد اللہ کے مقابل ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل تمہارا کوئی ولی و مددگار نہیں کہ رب تعالیٰ تم کو سزا دینا چاہے اور وہ تم کو بچالے یہاں اللہ کے حکم سے مددگاروں کا ذکر ہے یا وہاں حقیقی مدد کا ذکر ہے۔ یہاں عام کا اور واقعی حقیقی مددگار وہی رب ہے۔ اس کے بنا دینے سے اور بھی مددگار ہیں لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان اللہ کی جماعت ہیں اور اللہ کی جماعت غالب رہتی ہے مگر آج مسلمان ہر جگہ مغلوب ہیں آیت درست کیسے ہوئی۔ **جواب** موجودہ مسلمان اپنے راستہ سے ہٹ گئے۔ تقویٰ اور رب تعالیٰ پر توکل بھول بیٹھے ورنہ **شعر:**

☆ کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ☆
☆ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں ☆

اب اس لئے گئے گزرے دور میں بھی دینی غلبہ مسلمانوں ہی کو ہے۔ قرآن تمام کتابوں پر غالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام و احترام و عزت تمام نبیوں کے نام و احترام پر غالب اسلام کی ہر چیز دوسروں کی تمام چیزوں پر غالب ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں انما ولیکم اللہ کیوں فرمایا گیا **ناصرکم یا محبوبکم** کیوں نہ ارشاد ہوا جب کہ ولی کے معنی بھی محبوب و ناصر ہیں۔ **جواب** اس لئے کہ ناصر میں مدد کا ذکر تو ہوتا محبت کا ذکر نہ ہوتا اور محبوب یا حبیب فرمانے میں محبت کا ذکر ہوتا۔ ناصر کا ذکر نہ ہوتا۔ ولی میں یہ دونوں چیزیں بیان فرمادی گئیں۔ ولی وہ ہے جو محبت کی بنا پر کسی کی مدد کرے اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ تمہارے مددگار مع محبت یہ ہستیاں ہیں۔ بعض محب ہوتے ہیں مددگار نہیں ہوتے اور بعض مددگار ہوتے ہیں محب نہیں ہوتے۔ بعض مددگار بھی ہوتے ہیں محب بھی یہ تیسری جماعت ان دونوں سے زیادہ کرم والی ہے۔ **چھٹا اعتراض** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ تمہارے مددگار وہ مسلمان ہیں جو نماز قائم کرتے زکوۃ دیتے ہیں تو کیا بے نماز مسلمان اور بخیل مسلمان مددگار نہیں سارے ہی مسلمان مددگار ہیں خواہ نمازی ہوں یا بے نماز۔

جواب یہ صفت کاشفہ ہے نہ کہ مخصصہ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ جن کے دین میں یہ نماز و زکوٰۃ نہیں وہ تمہارے مددگار نہیں تمہارے مددگار یہ مومن ہیں جن کے دین میں نماز ہے وہ بھی رکوع والی اور زکوٰۃ ہے۔ مومن اگر بے نمازی بھی ہو وہ بھی نماز و زکوٰۃ کو فرض جانتا ہے۔ اپنے کو گنہگار سمجھتا ہے اگر فرض نہ مانے تو کافر ہو جاوے لہٰذا وہ **ویقیمون الصلوۃ** کے ٹولہ میں سے ہے۔ ساتواں اعتراض رکوع تو نماز کا رکن ہے پھر نماز کے ذکر کے بعد رکوع کا ذکر کیوں کیا **وھم راکعون**۔ یہ عبارت زائد معلوم ہوتی ہے۔ **جواب** اگر رکوع سے مراد یہی شرعی رکوع ہے جو نماز کا رکن ہے تب مطلب یہ ہو گا کہ وہ مومن تمہارے دوست ہیں جو رکوع والی نماز قائم کرتے ہیں یعنی امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ رکوع صرف اسلامی نماز میں ہے پچھلی امتوں کی نمازوں میں رکوع نہ تھا اور اگر بمعنی خشوع و خضوع ہے تب معنی ظاہر ہیں کہ نماز سے بدنی عبادت کی طرف اشارہ کیا گیا اور زکوٰۃ سے مالی عبادت کی طرف اور رکوع سے دلی عبادت یعنی خشوع و خضوع کی طرف۔ مقصد یہ ہے کہ یہود ان عبادات سے خالی ہیں۔ مسلمان ان عبادات سے موصوف ہیں۔ یہود کی دوستی کے مقابل ان کی دوستی بے حد مفید ہے۔ آٹھواں اعتراض اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ کا ٹولہ غالب ہے امام حسین اللہ کے ٹولہ میں تھے پھر یزید سے مغلوب کیوں ہو گئے۔ **جواب** حضرت امام حسین ہرگز مغلوب نہیں ہوئے کربلا میں جیت آپ کی ہی ہوئی ہارا یزید مسلمان مارے تو بھی جیت اس کی ہے مرے تو بھی وہی جیتا ہے لوٹ لائے تو وہ جیتے لٹ جاوے تو وہ جیتے۔ جیت ہوتی ہے مقصد جنگ حاصل ہونے سے حضرت حسین کی جنگ کا مقصد بادشاہت حاصل کرنا نہ تھا۔ بلکہ یزیدی بدعنوانیوں کے ٹکڑے اڑانا تھا وہ آپ نے شہید ہو کر لٹ کر پٹ کر حاصل کر لیا۔

تفسیر صوفیانہ ہمارا ولی اللہ تعالیٰ بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور مومن متقی بھی مگر اللہ تعالیٰ کو ولی ماننے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے غافل کرنے والی چیزوں سے نفرت و عداوت ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ولی ماننے کے معنی یہ ہیں کہ اپنی نفس و ہوا سے نفرت و عداوت ہو جب تک یہ دونوں صفت رسول کے تابع نہ ہو جاویں اور مومنوں کو ولی ماننے کے معنی یہ ہیں کہ انہیں اپنا دینی بھائی مانے اور جو اپنے لئے پسند نہ کرے ان کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ خیال رکھو کہ ظاہری و باطنی دشمنوں پر فتح و نصرت اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ ظاہری دشمن جن و انس ہیں باطنی دشمن خود ہمارا اپنا نفس ہے جو ہر دم ہمارے ساتھ ہے۔ شیطان تو لاحول سے بھاگ جاتا ہے یہ موذی لاحول سے بھی نہیں بھاگتا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے فرمایا اے بندو میں تم سے کل کے اعمال آج نہیں مانگتا تم مجھ سے کل کی روزی آج کیوں مانگتے ہو۔ مجھ پر توکل کیوں نہیں کرتے میں تمہارا رزق دوسرے کو نہیں دیتا۔ تم میری عبادت دوسرے کے لئے کیوں کرتے ہو تم میرا رزق کھا کر میرے ناشکرے اور دوسروں کے شکر گزار کیوں بنتے ہو مجھ سے جنگ اور دوسروں سے صلح کیوں کرتے ہو۔ عزت کا مالک میں ہوں تم دوسروں سے عزت کیوں مانگتے ہو میں نے دوزخ کافروں

کے لئے بنائی تم اس میں چھلانگ کیوں لگاتے ہو۔ جسارت کا انجام خسارت ہے نفس ظلمانی چیز ہے اس سے تم کو ظلمت ہی ملے گی۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ عکس نورانی ہمہ روشن بود! ☆ عکس ظلمانی ہمہ گلخن بود!! ☆
☆ عکس ہرکس رابداں اے دوربیں ☆ پہلوئے جنسے کہ خواہی ہم نشیں ☆

اللہ رسول تو تمہارے ولی ہیں تم بھی کوشش کرو کہ ان کے ولی ہو اولیاء اللہ کی دوستی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وولایت نصیب ہوتی ہے اور حضور کی محبت سے اللہ تعالٰی کی محبت و نصرت میسر آتی ہے تم ان کی محبت سے اللہ کی جماعت میں آسکتے ہو۔ اور جب اللہ کی جماعت میں آگئے تو پھر نصرت و غلبہ تمہارا ہی ہے۔ (از روح البیان و عرائس البیان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے دنیاوی نعمتیں ساری کی ساری رب کا عطیہ ہیں مگر ان میں سے بعض بلاواسطہ ملتی ہیں۔ براہ راست رب کی طرف سے جیسے دھوپ۔ ہوا آسمان کا سایہ۔ بارش بعض نعمتیں واسطہ سے ملتی ہیں جیسے روٹی، پانی، پھل فروٹ دولت وغیرہ بلاواسطہ نعمتیں کسی سے نہ مانگی جاویں نہ خریدی جاویں واسطہ والی نعمتیں واسطوں سے مانگی بھی جاتی ہیں خریدی بھی جاتی ہیں۔ دھوپ ہوا کی نہ بھیک مانگی جاوے نہ روپیہ دو روپیہ سے ہوا دھوپ خریدی جاوے۔ مگر روٹی پانی کی بھیک بھی مانگی جاتی ہے۔ خریدی بھی جاتی ہے یوں ہی روحانی نعمتیں بعض بغیر واسطہ ملتی ہیں۔ جیسے فطری ایمان وغیرہ بعض رسول کے واسطہ سے جیسے ایمان، قرآن، کلمہ وغیرہ بعض نعمتیں مسلمانوں کے واسطہ سے ملتی ہیں۔ جسے ایصال ثواب وغیرہ پہلی نعمتوں کے لئے فرمایا گیا۔ **ولیکم اللہ** دوسری نعمتوں کے متعلق ارشاد ہوا **ورسولہ** تیسری نعمتوں کے متعلق ارشاد ہوا **والذین امنوا** اور ایمان قرآن حتی کہ جنت وغیرہ جیسی نعمتیں حضور سے مانگنا جائز ہیں کہ یہ نعمتیں حضور کے واسطہ سے ملی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ٹھٹھا اور کھیل کود بنا لیا ان

اے ایمان والو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے وہ جو تم سے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ

لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور کافروں کو دوست اور ڈرو اللہ سے اگر

پہلے کتاب دیئے گئے اور کافر ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا

ہو تم ایمان والے اور جب تم پکارتے ہو نماز کی طرف تو بناتے ہیں وہ اسے

ڈرتے رہو اگر ایمان رکھتے ہو اور جب تم نماز کے لئے اذان دو تو اسے ہنسی کھیل

وَلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

ٹھٹھا اور کھیل کو   اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ قوم ہے نہیں عقل رکھتی

بناتے ہیں   یہ اس لئے ہے کہ وہ نرے بے عقل لوگ ہیں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع فرمایا گیا۔ اب سارے کفار کی دوستی سے مسلمانوں کو روکا جارہا ہے۔ کیونکہ کوئی کافر مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور متقی مسلمانوں کی دوستی و محبت کا ذکر ہوا۔ اب ان کے مقابل کفار سے نفرت و عداوت کا ذکر ہے گویا کرنے والی چیز کا ذکر پہلے تھا اور نہ کرنے والی چیز کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اللہ رسول کی ولایت و دوستی کا ذکر تھا اب اس دوستی کی شرط کا ذکر ہے یعنی دشمنان دین سے عداوت کرنا کہ اس کے بغیر اللہ رسول کی محبت ناممکن ہے۔ گویا دوستی کا ذکر پہلے تھا اور اس کی شرط کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں ان ہستیوں کا ذکر تھا جن کی دوستی و محبت دین و دنیا میں فائدہ مند ہے اب ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جن کی دشمنی ان سے نفرت دین و دنیا میں مفید ہے۔ گائے بھینس کا پالنا مفید ہے سانپ بچھو کو مار دینا فائدہ مند کفار زہریلے جانور ہیں جن سے دوری مفید ہے۔

شان نزول سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رفاعہ ابن زید ابن تابوت اور سوید ابن حارث یہ دونوں بہت چرب زبان شیریں گفتار تھے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر دل میں کافر تھے۔ یعنی منافق تھے مسلمانوں کو ان کا نفاق معلوم ہو گیا تھا مگر پھر بھی بعض سادہ لوح مسلمان ان سے محبت رکھتے ان سے تعلقات قائم کیے ہوئے تھے ان کی فہمائش کے لئے پہلی آیت کریمہ **یایھا الذین امنوا لا تتخذوا** الخ نازل ہوئی (خازن روح المعانی۔ کبیر وغیرہ) ۲ بیہقی شریف نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان دیتے اور مسلمان نماز کو مسجد نبوی شریف میں جاتے تو بعض یہودی کہتے **قاموا لا قاموا** یعنی یہ لوگ نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خدا کرے اٹھنے کے لائق نہ رہیں اور جب مسلمان رکوع و سجود کرتے تو یہود مذاق اڑاتے کہ دیکھو ان کی وضع کہ سرنیچا چوتڑا اونچے کیئے پڑے ہیں۔ ان کے متعلق یہ دوسری آیت **واذا نادیتم** الخ نازل ہوئی۔ ۳ ابن جریر نے سدی سے روایت کی کہ مدینہ منورہ میں ایک عیسائی تھا۔ جب مؤذن کہتا **اشھد ان محمد رسول اللہ** تو وہ کہتا کہ جھوٹا جل جاوے۔ ایک شب اس کا خادم گھر کی آگ بجھانا بھول گیا اور سب گھر والے سو گئے آگ کی چنگاری اڑی اور گھر میں آگ لگ گئی۔ اس کے سارے گھر والے اور وہ خود جل کر راکھ ہو گئے۔ اس موقع پر یہ دوسری آیت نازل ہوئی (خازن کبیر روح المعانی وغیرہ) ۴ مدینہ کے یہود و منافقین جب اذان کی آواز سنتے تو حسد کی آگ میں جل جاتے ایک دن یہ لوگ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بولے کہ آپ نے یہ اذان ایسی چیز ایجاد کی ہے جو کسی دین میں نہ تھی۔ آپ دعوٰی نبوت کرتے ہیں مگر سارے نبیوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگر اذان اچھی چیز ہے تو دوسرے نبیوں نے کیوں رائج نہ کی یہ اونٹ کی سی آواز میں مرغ کی سی بانگ بہت بری معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی تردید میں یہ دوسری آیت **واذا نادیتم** نازل ہوئی (تفسیر خازن)

تفسیر یایھا الذین امنوا چونکہ تمام کفار سے علیحدگی ان سے دوستی نہ رکھنا ایمان کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہے اور بظاہر بہت مشکل بھی اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو پکارا پھر یہ حکم سنایا تاکہ اس نداء سے یہ دشوار کام آسان ہو جاوے اس خطاب میں سارے ہی مسلمان داخل ہیں۔ کسی وقت کے ہوں کسی جگہ کے یہاں **امنوا** فرمانے میں اس حکم کی وجہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ کفار سے دوستی نہ رکھی جاوے ایمان و کفر نور و ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں چونکہ تم مومن ہو اس لئے سب سے کٹ کر صرف ہمارے ہو رہو۔ **لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزوا ولعبا۔ لا تتخذوا** اور **اتخذوا** یہ دونوں بنے ہیں **اتخاذ** سے جس کا مادہ **اخذ** ہے۔ بمعنی لینا۔ پکڑنا' بنانا یہاں بمعنی بنانا ہے یہ دو مفعول چاہتا ہے **لا تتخذوا** کا پہلا مفعول **الذین** ہے اور دوسرا مفعول ہے **اولیاء** اور **اتخذوا** کا پہلا مفعول ہے **دینکم** اور دوسرا مفعول **هزوا ولعبا۔ الذین** سے سارے کفار و منافقین مراد ہیں۔ جس کا بیان آرہا ہے **من الذین** الخ **هزوا** اور **لعب**۔ بمعنی **هزوا** اور **ملعوب** ہے یعنی وہ شئی جس کا مذاق و دل لگی بنایا جاوے جس پنجابی میں کہتے ہیں بٹ۔ **هزوز** کے ضمہ سے بھی آتا اور سکون سے بھی ہماری قراۃ میں ضمہ سے ہے لعب مقابل ہے جد کا ہر زبان سے ہوتا ہے لعب دل و نیت سے یعنی جن لوگوں نے تمہارے دین یعنی اسلام کو مذاق و دل لگی بنالیا ہے کہ جب چاہا تمہارے پاس آکر مسلمان بن گئے اور جب چاہا کافروں میں جا کر کافر بن گئے۔ دین کو مذاق و دل لگی بنا رکھا ہے۔ ایسوں کو دوست نہ بناؤ یہاں مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کیا گیا ہے کہ کوئی سعید بیٹا اسے دوست نہیں بناتا جو اس کے ماں یا باپ یا بزرگوں کا مذاق اڑائے اگر انہیں دوست بنائے تو لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں تو تم ایسے لوگوں کو دوست کیوں بناتے ہو جو تمہارے دین کا مذاق اڑائیں۔ دین کا مذاق اڑانے کی بہت صورتیں ہیں۔ اسلام کا براہ راست مذاق اڑائیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کریں یا اسلام کے عقیدے یا عمل کا مذاق اڑائیں۔ **من الذین اوتوا الکتب من قبلکم والکفار اولیاء۔ من** بیانیہ ہے اور یہ عبارت **الذین** کا بیان ہے اگرچہ اہل کتاب بھی کافر ہیں مگر چونکہ ان کے احکام مشرکین کے احکام سے ہلکے ہیں کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے ان کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح درست ہے۔ اس لئے انہیں علیحدہ بیان فرمایا گیا۔ لہذا **الکفار** سے مراد مشرکین ہوں گے اولیاء جمع ہے ولی کی۔ بمعنی دوست و محبوب خیال رہے کہ یہ من تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے اور اس سے تمام اہل کتاب و مشرکین مراد ہیں۔ جو ہمیشہ قولاً عملاً تحریراً اسلام کا مذاق اڑاتے ہی رہتے ہیں **واتقوا اللہ ان کنتم مومنین**۔ یہ دوسرا حکم ہے **تقوی** کے معنی اور اس کے اقسام و احکام بارہا

بیان ہو چکے ہیں۔ چونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اس لئے یہاں تقویٰ کے معنی ڈرنا ہے۔ بچنا نہیں۔ **مومنین** سے مراد سچے و پکے مومن ہیں اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے۔ جس پر **اتقوا اللہ** دلالت کرتا ہے یعنی اگر تم سچے و پکے مومن ہو تو اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہو اور دشمنان دین کو دوست نہ بناؤ **واذ نادیتم الی الصلوۃ** یہ ان کے دوسرے جرم کا ذکر ہے **نادیتم** بنا ہے **نداء** سے ۔ معنی پکارنا یہاں اس سے نماز کی اذان مراد ہے۔ اگرچہ مؤذن ایک ہی ہوتا ہے مگر چونکہ یہ کام تمام مسلمانوں کا ہے اس لئے **نادیتم** جمع حاضر ارشاد ہوا اور یہاں باب مفاعلہ مقابلہ کے لئے نہیں یا **نداء** سے مراد نماز کے لئے ایک دوسرے کو پکارنا ہے کہ چلو نماز کو چونکہ یہاں **نداء** میں بلانے کے معنی ملحوظ ہیں۔ اس لئے اس کے بعد الیٰ ارشاد ہوا یعنی جب تم نماز کی طرف بلانے کے لئے اذان دیتے ہو یا ایک دوسرے کو نماز کی طرف بلاتے پکارتے ہو تو **اتخذوھا ھزوا ولعبا۔ ھا** کا مرجع **نادیتم** کا مصدر یعنی **نداء** و اذان ہے **ھزوا** اور **لعبا** کے معنی بھی عرض کئے گئے یعنی یہ لوگ اذان کا مذاق اڑاتے ہیں یا تو اس کی نقل بناتے ہیں یا نمازیوں پر آوازے کستے ہیں **ذلک بانھم قوم لا یعقلون۔ ذلک** سے مراد ان کا مذاق اڑانا ہے۔ **ھم** کا مرجع وہی یہود و عیسائی اور دوسرے کفار ہیں یعنی ان لوگوں کا یہ مذاق اڑانا اسی لئے ہے کہ ان لوگوں میں وہ عقل نہیں جو حق و باطل کے درمیان فرق کر دے یہ دینی معاملہ میں جانوروں سے بدتر ہیں اگرچہ دنیاوی کاروبار میں بڑے دانا و عاقل ہیں۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو تم یہود و نصاریٰ وغیرہ اہل کتاب ان کے علاوہ اور کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ انہیں یار نہ سمجھو یہ تو وہ ہیں جو تمہارے دین اسلام کا مذاق اڑاتے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ جو تمہارے دین کے دشمن ہیں۔ وہ تمہارے دوست کیسے ہو سکتے ہیں۔ اگر تم سچے و پکے مومن ہو تو اللہ سے ڈرو۔ قولاً" اعتقاداً" عملاً" ہر طرح متقی رہو۔ متقی بنو کہ تقویٰ ایمان کا زیور ہے ان لوگوں کی بدباطنی کا یہ عالم ہے کہ جب تم نماز کی اذان دیتے ہو یا ایک دوسرے کو نماز کے لئے بلاتے ہو تو تمہاری اذان تمہارے اس بلاوے کا مذاق اڑاتے ہیں یہ بہت ہی بے عقل لوگ ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام دینوں کے اعلانات سے اسلامی اذان ہر طرح نہایت اعلیٰ و بالا ہے۔ مشرکین کے سنکھ عیسائیوں کے گھنٹ یہودیوں کے ناقوس کی بے معنی آوازوں سے اسلامی اذان کی آوازیں کیسی اعلیٰ و افضل ہیں کہ ان میں اللہ کی حمد نبی کی نبوت کا اعلان بھی ہے۔ نماز کا بلاوا بھی۔ نماز کے فوائد کا اعلان بھی ہے۔ جس سے نماز کی ترغیب ہوتی ہے ایسی پیاری چیز کا جو قوم مذاق اڑائے وہ تمہاری دوست کب ہو سکتی ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** دلی تصدیق کے بغیر کلمہ پڑھنا اور حقیقت اسلام کا مذاق اڑانا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی اس حرکت کو **ھزوا** اور لعب فرمایا۔ **دوسرا فائدہ** ہر کلمہ گو مسلمان نہیں جب تک کہ اس کے عقائد درست نہ ہوں۔ دیکھو کلمہ گو منافقوں کو رب تعالیٰ نے کفار فرمایا۔ **تیسرا فائدہ** منافقوں بے دینوں سے محبت کرنا مسلمان کے لئے حرام ہے۔ یہ فائدہ **لا تتخذوا الذین** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** انسان کا

دل گویا لوہا ہے۔ اچھے اور مقبول بندے پارس ہیں۔ برے لوگ گویا تر زمین ہیں اگر لوہا پارس سے لگ جاوے تو سونا ہو جاتا ہے لیکن اگر تر زمین میں رہے تو زنگ آلود ہو کر بیکار مٹی ہو جاتا ہے جس سے کچھ نہیں بن سکتا۔ اچھوں سے الفت بروں سے نفرت دل کا بہترین علاج ہے۔ پانچواں فائدہ اذان کا ثبوت قرآن سے مجید سے ہے جیسا کہ **نادیتم الی الصلوٰۃ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ جو کہے کہ اس کا ثبوت صرف حدیث سے ہے۔ غلط ہے دوسرے مقام پر قرآن کریم فرماتا ہے **اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ** وہاں بھی اذان جمعہ کا ذکر ہے۔ چھٹا فائدہ نماز پنج گانہ میں سے ہر نماز کے لئے اذان سنت ہے خواہ جماعت ہو یا نہ ہو یہ فائدہ **الی الصلوٰۃ** سے حاصل ہوا کہ یہاں **الی جماعۃ الصلوٰۃ** نہ فرمایا لہٰذا جنگل میں اکیلا نمازی اور غیر آباد مسجد میں اکیلا نماز پڑھنے والا بھی اذان کہہ کر نماز پڑھے۔ ساتواں فائدہ اللہ کے مقبول بندوں کے خواب شرعاً معتبر ہیں۔ دیکھو اذان اور اس کے الفاظ حضرت عبداللہ ابن زید اور عمر فاروق وغیرہم صحابہ کرام نے خواب میں ہی دیکھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہ اذان قائم فرمائی اور قرآن مجید نے بھی اسی اذان کا اعتبار فرمایا رضی اللہ عنہم اجمعین۔ آٹھواں فائدہ کسی دینی چیز کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے اذان کا مذاق اڑانے والوں کو کافر قرار دیا۔ لہٰذا عالم دین 'مسجد 'کعبہ معظمہ 'نماز رمضان کسی چیز کا مذاق اڑانا انہیں ہلکا جاننا کفر ہے۔ پھر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا کیا پوچھنا جن کے دم کی یہ ساری بہار ہے۔ نواں فائدہ اذان کی بے حرمتی کرنا بڑی پرلے درجے کی حماقت ہے جیسا کہ **لا یعقلون** سے معلوم ہوا تمام دینوں میں اطلاعات کے طریقے مروج ہیں مگر نہایت بھدے اور بے ڈھنگے۔ مشرکین کے سنکھ گرجے کی گھنٹ سے بچے ڈر جاتے ہیں۔ اذان وہ پیاری چیز ہے کہ اگر صحیح اور خوش الحانی سے دی جاوے تو کفار بھی رو پڑتے ہیں۔ خود میں نے قرآن کی تلاوت اور اذان پر لوگوں کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔ دسواں فائدہ کافر کتنا ہی عاقل و سمجھدار ہو مگر اللہ کے نزدیک بے عقل ہے۔ مومن کیسا ہی سیدھا سادھا ہو اللہ کے نزدیک عقل مند ہے یہ فائدہ **قوم لا یعقلون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو کافر و اہل کتاب اسلام کا مذاق اڑائیں۔ صرف انہیں ہی دوست نہیں بنانا چاہیے تو جو کفار ایسے نہ ہوں ان سے دوستی محبت سب جائز ہے حالانکہ علماء فرماتے ہیں کہ کسی کافر سے دوستی جائز نہیں۔ جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں یہ قید بیان کے لئے ہے۔ اور اس میں دوست نہ بنانے کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے کہ تمام کفار خواہ کتابی ہوں یا غیر کتابی سب ہی اسلام کو دل لگی و مذاق سمجھتے ہیں۔ ان میں سے کسی سے دوستی جائز نہیں دیکھو رب تعالیٰ نے سورہ فتح کے آخر میں تمام صحابہ کرام کے فضائل بیان فرمائے **والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم** الخ مگر آخر میں فرمایا **وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت منھم مغفرۃ واجرا عظیما** اللہ نے ان سے مومنین و متقین سے بخشش اور بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا وہاں بھی مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض صحابہ ایمان و تقویٰ سے خالی نہیں بلکہ وہاں بھی وجہ مغفرت کا ذکر ہے کہ ان سب مومنین و متقین سے یہ

وعدے ہو چکے دیکھو تو اس سے پہلے فرمایا جا چکا ہے **لا تتخذوا الیھود والنصری** اولیاء دوسری جگہ ارشاد ہے **لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء** وہاں بغیر قید ہر کافر سے دوستی کی ممانعت فرمادی گئی۔ وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہیں۔

نوٹ ضروری موجودہ لاہوری قادیانی اس آیت سے دھوکہ دیتے ہیں۔ دیکھو ان کی تفسیر بیان القرآن یہ ہی آیت وہ کہتے ہیں کہ ان کفار سے دوستی جائز ہے جو اسلام کا مذاق نہ اڑاتے ہوں۔ **دوسرا اعتراض** اگر کسی کافر سے دوستی جائز نہیں تو آج مسلمان زندہ کیونکر رہیں آج مسلم سلطنتیں امریکہ' روس' چین وغیرہ کے تعاون و مدد سے چل رہی ہیں۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب ابھی پہلے **لا تتخذوا لیھود والنصری اولیاء** کی تفسیر میں گزر گیا کہ دوستی اور چیز ہے۔ تعاون و مدد دوسری چیز۔ تعلقات بروقسط۔ تجارتی معاملات اور چیز ہے اداء حقوق کچھ اور اسلام نے کفار سے محبت کرنے کو حرام فرمایا۔ تعاون' تعلقات اداء حقوق سے منع نہ فرمایا۔ جب اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے حقوق ادا کرنا پڑیں گے مگر دلی محبت اس سے بلکہ کافر ماں باپ سے بھی حرام ہے دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کفار عزیزوں کو کیسا صاف جواب دیا۔ **فانھم عدولی الا رب العلمین** **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اذان صرف نماز کے لئے ہونی چاہیے تو فرمایا گیا اذا نادیتم الی الصلوۃ تم لوگ بچہ کے کان میں مردہ کو دفن کرکے قبر پر۔ وبائی بیماریوں میں اذان کیوں کہتے ہو۔ **جواب** آیت کریمہ میں حصر کا لفظ کوئی نہیں یہ تم نے اپنی طرف سے لگایا ہے ہر نماز کے لئے اذان نہیں دیکھو نماز عید' نماز استسقاء' نماز کسوف کے لئے اذان نہیں۔ اور صرف نماز سے اذان خاص نہیں اذان آئی ہے نماز کے اعلان کے لئے مگر اس میں اور بہت سے فائدے ہیں۔ آنکھیں دی ہیں۔ رب نے دیکھنے کے لئے مگر اس سے روتے بھی ہیں۔ اشارے بھی کرتے ہیں۔ خوشی و غم کا اظہار بھی جب دنیاوی چیزوں میں بہت فائدے ہوتے ہیں۔ اذان تو اللہ کا ذکر ہے اس میں بہت فوائد ہیں اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **چوتھا اعتراض** یہاں اس آیت میں **نادیتم الی الصلوۃ** فرمایا گیا اور سورہ جمعہ میں **اذا نودی للصلوۃ** فرمایا گیا یعنی یہاں الی ہے اور وہاں لام اس فرق بیان میں حکمت کیا ہے دونوں جگہ یکساں ذکر کیوں نہیں۔ **جواب** اس فرق میں صدہا حکمتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ ہے کہ نماز پنج گانہ کی اذانیں نماز کی طرف بلانے کے لئے ہوتی ہیں اس لئے یہاں الی ارشاد ہوا جمعہ کی پہلی اذان جس سے تجارت و کاروبار کرنا حرام ہو جاتے ہیں۔ وہ تیاری نماز کے لئے ہوتی ہے نہ کہ نماز کے لئے نماز میں ابھی دیر ہوتی ہے۔ دوسری اذان نماز کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے وہاں **للصلوٰۃ** ارشاد ہوا یہ اذان سن کر مسلمان کاروبار بند کرکے غسل تبدیلی لباس وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں اور بھی بہت حکمتیں ہیں۔ نماز پنج گانہ سب پر فرض ہے۔ نماز جمعہ دیہاتیوں' غلاموں' مسافروں' معذوروں پر فرض نہیں نہ ان لوگوں پر اذان جمعہ سن کر سعی واجب اس لئے وہاں **للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ** ارشاد ہوا کہ جس کے حق میں وہ اذان **للصلوٰۃ** ہے اس پر سعی واجب ہے دوسروں پر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ انسان کا دل گویا سیاہی چوس لینے والا کاغذ ہے۔ جیسے وہ کاغذ جس قسم کی سیاہی سے لگایا جاوے وہ رنگ خود لے لیتا ہے دل بھی جس سے الفت رکھے اس کا رنگ لے لیتا ہے۔ دل تین طرح سے کسی کا رنگ لیتا ہے۔ الفت سے صحبت سے چرچہ سے اچھوں کی الفت اچھوں کی صحبت اچھوں کا چرچا دل کو اچھا کر دیتا ہے۔ بروں کی صحبت یا الفت یا ان کا چرچا دل کو برا بنا دیتا ہے۔ حضور کا رنگ صحابہ کرام نے صحبت سے بھی لیا۔ ہم بعد کے لوگ حضور کی محبت و چرچا سے حضور کا رنگ لیں جیسے جسم کا گندا مسجد، نماز، قرآن، کعبہ کے قابل نہیں کیچڑ میں لتھڑا ہوا اعلیٰ فرش پر آنے کے لائق نہیں یوں ہی دل گندا یا بے رنگا مسجد قرب الٰہی کے لائق نہیں اگر اس مسجد میں حاضری کی تمنا ہے تو دل کو اچھوں کے رنگ میں رنگو۔ جس چراغ میں تیل بتی ہو وہ اگر روشن چراغ سے مس ہو جائے تو روشن ہو جاتا ہے۔ بجھے ہوئے چراغ سے مس ہونا بیکار ہے انسان کے دل میں فطرت کا تیل بتی موجود ہے کسی روشن سے صحبت رکھو تاکہ خود بھی روشن دل ہو جاؤ۔ بجھے ہوؤں کے پاس جانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ کفار کو دوست نہ بناؤ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حق کی اذان اہل حق ہی سنتے ہیں رب کی طرف سے بہت سی اذانیں ہوئیں عالم ارواح میں توحید کی اذان **الست بربکم** حضور کی نبوت کی اذان **لتؤمنن به ولتنصرنه** دنیا میں حضرت خلیل کی معرفت حج کی اذان **وناد فی الناس للحج** معراج کی رات بیت المقدس میں حضور کی امامت انبیاء کی اذان بیت المعمور میں حضور کی امامت ملائکہ کی اذان۔ **شعر:**

☆ بغور صد اسامیہ بندہا یہ سدرہ اٹھا وہ عرش جھکا ☆
☆ صفوف سمانے سجدہ کیا ہوئی جو اذان تمہارے لئے ☆

جس نے ازل کی اذان دل کے کان سے سن لی ہے اور محبت کے تلبیہ سے اس کا جواب دے دیا ہے وہ یہ اذان بھی سن کر حاضر بارگاہ ہو جاتا ہے جو اس اذان کے قبول سے محروم رہا وہ یہ اذان کیسے سنے وہ تو اس کا مذاق ہی اڑائے گا۔ جس کی روح میں صفا نہیں اس کے لئے بقا کہاں سے آوے۔ لطف جب ہے کہ کان اذانیں سنیں دل رحمان کی طرف متوجہ ہو جاوے روح حاضر ہو جاوے۔ اے مومنو ایسے غافلوں سے جو اس اذان کا مذاق اڑائیں دور رہو یہ لوگ بے نور بے عقل ہیں۔ جو عقل یار تک نہ پہنچاوے وہ عقل شیطانی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ **شعر:**

☆ کشتی بے لنگر آمد مرد شد ☆ کہ ز باد کج نیابد او حذر ☆
☆ لنگر عقل است عاقل را اماں ☆ لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں! ☆

یعنی بے لنگر والی کشتی میں نہ بیٹھو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے دنیا کی کشتی میں عقل کے لنگر سے کام لو اور عقل کا لنگر عاقلوں یعنی اللہ والوں کی دوکان سے خریدو۔ یہاں تفسیر روح البیان میں ہے کہ اذان بڑی اعلیٰ عبادت ہے اور موذنین بڑی خوش نصیب۔ جماعت جنت میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر انبیاء کرام پھر حضرت بلال مع بیت المقدس و بیت اللہ و مسجد نبوی کے موذنوں کے جائیں گے۔ اذان میں **اشهد ان محمدا رسول الله** سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے

لگانا دین و دنیا میں فائدہ مند ہے۔ فقیر احمد یار غفرلہ القدیر کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے ہٹو بچو کرتے جنت میں داخل ہوں گے معراج کی رات جو حضور انور نے اپنے آگے حضرت بلال کے قدم کی آہٹ سنی تھی یہ وہی تھی جو بعد قیامت جنت میں داخلہ کے وقت ہوگی۔ حواس انبیاء آئندہ آوازوں کو بھی سن لیتے ہیں۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ هَلْ تَنقِمُونَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا

فرمادو آپ اے کتاب والو نہیں ناراض ہوتے ہو تم ہم سے مگر اس لئے کہ ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس پر جو

تم فرماؤ اے کتابیو تمہیں ہمارا کیا برا لگا یہی نہ کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہماری طرف اترا

وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَٰسِقُونَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم

اتارا گیا طرف ہمارے اور جو اتارا گیا پہلے سے اور بے شک بہت سے تم میں سے بدکار ہیں فرمادو کہ کیا خبر دوں میں تم کو

اور اس پر جو پہلے اترا اور یہ کہ تم میں سے اکثر بے حکم ہیں　تم فرماؤ کیا میں بتاؤں جو اللہ کے

بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ ٱللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ ٱللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ

شر کی اس سے زیادہ لوٹنے کے لحاظ سے پاس اللہ کے وہ کہ پھٹکار کر دی اس پر اللہ نے اور غضب کیا اور پر اس

یہاں اس سے بدتر درجہ ہے　وہ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں

وَجَعَلَ مِنْهُمُ ٱلْقِرَدَةَ وَٱلْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ ٱلطَّٰغُوتَ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا

کے اور بنا دیئے ان میں سے بندر اور سور　اور پوجنے والے شیطان کے یہ لوگ ہیں بہت بری جگہ میں

سے کر دیئے بندر اور سور　اور شیطان کا پجاری ان کا ٹھکانا زیادہ برا ہے　اور

وَأَضَلُّ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ ﴿٦٠﴾

اور زیادہ گمراہ سیدھے راستہ سے

یہ سیدھی راہ سے زیادہ بہکے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ یہودیوں عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ ان سے بیزاری کا اظہار فرمادو اور نفرت کی وجہ بتادو گویا دلی نفرت کے حکم کے بعد زبانی بیزاری کے اظہار کا حکم دیا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ذکر ہوا کہ یہود و نصاریٰ تمہاری اذانوں کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ اب بتایا جارہا ہے کہ وہ تمہارے ایمان اور ایمانیات کے دشمن ہیں گویا پہلے ان کے مذاق اڑانے کا ذکر تھا۔ اب اس مذاق کی وجہ بتائی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہودی عیسائی خود اسلام کو دل لگی و ٹھٹھا سمجھتے ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی بات نہیں جس کو دل لگی

سمجھا جاوے اسلام میں تو نیک اعمال اچھے عقیدوں کے سوا کچھ نہیں گویا پہلے ان کی بد عملی کا ذکر تھا اب ان کی حماقت و بے وقوفی کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے اعلیٰ دین کا مذاق اڑایا بد ترین دین اختیار کر لیا۔

شان نزول سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہود کی ایک جماعت آئی جن میں ابو یاسر ابن اخطب' رافع ابن ابی رافع' عازورا' زید' خالد' آزار ابن ابی آزار' اشیع' نازی ابن محمود وغیرہ یہود کے پادری بھی تھے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کن کن پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان لانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب ان کی اولاد حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے نام گنائے اور وہ آیت پڑھی **امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمعیل** الخ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام شریف سن کر جل گئے اور بولے کہ آپ کے دین سے بد تر کوئی دین نہیں یہ دین تو بالکل شر ہے۔ اس میں خیر نہیں ہم تو عیسیٰ پر ہرگز ہرگز ایمان نہ لائیں گے نہ اس کو مانیں جو عیسیٰ کے ماننے کا حکم دے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **قل یاھل الکتب عن سواء السبیل** تک (تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی و خزائن وغیرہ)

تفسیر قل یاھل الکتب۔ قل میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور سنایا گیا ہے سب مسلمانوں کو کہ سارے مسلمان یہود کی بکواس کا یہ جواب دیں۔ چونکہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اقدس میں سخت گستاخی کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بلکہ تمام انبیاء کرام کے گواہ برحق ہیں کہ حضور کے ذریعہ ان کی شانیں دنیا کو معلوم ہوئیں۔ اس لئے اس مضمون کو قل سے شروع فرمایا گیا یعنی اے محبوب چونکہ ان بدباطنوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت پر حملہ کیا ہے تم ان کی عزت بچاتے ہوئے یہ فرما دو یہاں یا نداء کے لئے ہے اور نداء اظہار غضب کے لئے نداء کبھی غافل کو ہوشیار کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ کبھی اظہار کرم کے لئے کبھی اظہار غضب کے لئے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ اہل کتاب کے معانی ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ اہل کتاب فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ تمہارے پاس توریت کے صرف نقوش پہنچے جو لکھنے میں آتے ہیں۔ کتاب کا نور اس کے اسرار تم تک نہ پہنچے اگر وہ پہنچ جاتے تو تم اہل کتاب کے خطاب کے مستحق نہ ہوتے اہل ایمان کہے جاتے۔ تم اس گدھے کی طرح ہو۔ جس پر کتابیں لدی ہوں اور وہ علم سے کورا ہو۔ شعر:۔

☆ نہ محقق بود نہ دانش مند! ☆ چار پائے بروکتابے چند! ☆

☆ آں فرومایہ راچہ علم و خبر ☆ کہ بروہیزم است یا دفتر! ☆

گھر کے مالک کو بھی گھر والا کہا جاتا ہے اور کرایہ دار کو بھی اور گھر کے مہمان کو بھی اور جو گھر میں بیٹھا ہو اس کو بھی۔ اس والا

میں بہت گنجائش ہے وہ لوگ تھے تو کتاب والے مگر دور کی نسبت سے لہذا یہ فرمان ایک معنی سے حقارت کا بھی ہے۔ **ھل تنقمون منا** لفظ **ھل** انکاری سوال کے لئے ہے اس کے معنی ہیں نہیں **تنقمون** بنا ہے **نقمه** سے ۔ معنی سخت برا سمجھنا۔ عیب لگانا۔ سزا دینا اس سے ہے انتقام ۔ معنی بدلہ دینا یا بدلہ لینا۔ یہاں پہلے دو معنی میں ہو سکتا ہے۔ اس کا مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ **شیئا** یعنی تم لوگ ہماری کسی چیز کو برا نہیں سمجھتے۔ عیب نہیں لگاتے **الا ان امنا باللہ** یہ عبارت اس پوشیدہ **شیئا** سے استثناء ہے اور **تنقمون** کا مفعول **به** بعض نے فرمایا کہ یہ عبارت مفعول لہ ہے۔ لہذا اس کی دو تفسیریں ہیں ایمان باللہ کے معانی بارہا بیان ہو چکے کہ اس میں فرشتوں' قیامت' تقدیر وغیرہ تمام پر ایمان لانا داخل ہے اور ایمان باللہ وہ ہی معتبر ہے جو حضرات انبیاء کرام کے ذریعہ سے ہو اور صحیح طور پر ہو جو لوگ اللہ تعالیٰ کو محض عقلی دلائل سے مان لیں یا حضرات انبیاء کرام کی تعلیم کے خلاف اسے مانیں۔ وہ مومن باللہ نہیں۔ یعنی اے کتابیو تم ہم سے صرف اس بنا پر ناراض ہو کہ ہم صحیح معنی میں اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم نے ہمارے کمال کو عیب سمجھ لیا اور ہم سے ناراض ہو گئے۔ ایک شاعر کہتا ہے شعر:۔

☆ **لا عیب فیھم غیر ان سیوفھم** ☆ **لھن فلول من قراع الکتائب** ☆

یعنی اس قوم میں لو۔ تو کوئی عیب نہیں۔ بجز اس کے کہ ان بہادروں کی تلواریں دشمنوں کی سرکوبی کرتے کرتے کند ہو گئیں ہیں اس میں عیب کی نفی بہت مبالغہ سے ہے **وما انزل الینا وما انزل من قبل** یہ عبارت لفظ اللہ پر معطوف ہے پہلے **ما انزل** سے مراد قرآن کریم حدیث شریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات ہیں۔ اس لئے **بالقرآن** نہ فرمایا اور دوسرے **ما انزل** سے مراد تمام انبیاء کرام کی کتابیں صحیفے ان کے معجزات سب ہی ہیں۔ ان دونوں ایمانوں میں فرق یہ ہے کہ قرآن کریم اور اسلامیات پر ہمارا تفصیلی ایمان ہے اور دیگر کتب وغیرہ پر اجمالی ایمان قرآن و حدیث شریف پر ایمان بھی ہے عمل بھی ان تمام پر ایمان ہے عمل نہیں کہ وہ کتب منسوخ ہو چکیں نیز گزشتہ کتب اور پچھلے نبی تشریف آوری میں پہلے ہیں قرآن حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں ہیں مگر ہمارے ایمان میں قرآن و نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہیں وہ کتابیں اور وہ انبیاء کرام بعد میں کہ ہم نے پہلے قرآن اور اپنے نبی کو مانا پھر ان کتابوں' ان نبیوں کو مانا اور اسلامی عقائد میں حضور پہلے ہیں باقی تمام عقائد بعد میں پہلے حضور کو نبی مانتے ہیں پھر قرآن' روزہ' نماز وغیرہ کو مانتے ہیں بلکہ خدا کی ہستی کو ماننا حضور کے ماننے پر مقدم ہے مگر رب تعالیٰ کی صفات کو ماننا حضور کو ماننے کے بعد ان وجوہ سے پہلے **ما انزل** کو آگے بیان کیا دوسرے **ما انزل** کو پیچھے حالانکہ نزول میں وہ سب پہلے ہیں اور قرآن کریم وغیرہ پیچھے **وان اکثرکم فاسقون** یہ عبارت **ان امنا باللہ** الخ پر معطوف ہے اور اس کا تتمہ ہے فسق سے مراد فسق اعتقادی یعنی کفر ہے اگرچہ سارے یہودی عیسائی کافر ہیں مگر چونکہ ان میں سے بعض لوگ اللہ کے علم میں آئندہ ایمان لانے والے بھی تھے۔ اس وقت وہ شرعاً کافر تھے۔ عنداللہ مومن کہ ان کے نام مومنوں کی فہرست میں تھے اس لئے **اکثرکم** فرمایا یعنی تمہارے ہم سے ناراض

ہونے کی وجہ دو ہیں ایک یہ کہ ہم صحیح معنی میں مومن ہیں۔ دوسرے یہ کہ تم اکثر لوگ کافر ہو۔ کافر مومن سے ناراض ہی ہوتا ہے کہ کفر اندھیرا ہے ایمان نور **قل هل انبئكم بشر من ذلك مثوبة من ذلك** یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں ان یہود کے اس قول کا جواب دیا گیا ہے کہ اسلام سے بدتر اور کوئی دین نہیں کہ اس دین میں عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانا گیا ہے۔ چونکہ کوئی بات اولا پوچھی جاوے پھر بتائی جاوے وہ سننے والے کے دل میں بہت اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے۔ اس لئے پہلے **هل انبئكم** فرمایا گیا جیسے کسی کو کوئی اہم خبر دینا ہو تو کہا جاوے کیا آپ نے وہ سنا۔ کیا تمہیں کچھ خبر ہے یا کیا تم کو ایک خبر دوں پھر خبر دی جاوے تو بہت غور سے سنی جاتی ہے۔ **انبئكم** بنا ہے **نباء** سے بمعنی عظیم الشان خبر اسی سے ہے نبی یعنی غیب کی خبریں دینے والا **بشر** کی ب زائدہ ہے اور **شر** سے مراد ہیں بدترین **ذلک** سے اشارہ اس کی طرف ہے۔ جس سے یہود ناراض تھے۔ **ذلک** سے پہلے **اهل** پوشیدہ ہے **مثوبة** شر کی تمیز ہے اور عند اللہ شر کا ظرف **مثوبة** بنا ہے ثواب سے بمعنی نیکی کا اچھا بدلہ یہاں بطریق طعن سزا کو ثواب سے تعبیر کیا گیا جیسے ایک شاعر کہتا ہے۔ ع

تحية بينهم ضرب وجيع

یعنی جب وہ ملتے ہیں تو ان کا سلام سخت مار پیٹ سے ہوتا ہے مار پیٹ کو سلام کہنا بطور طعن ہے یا رب تعالیٰ کا فرمانا **فبشرهم بعذاب اليم** انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ یعنی مان لو' فرض کرلو کہ ایمان و اسلام شر ہے اور مسلمان برے لوگ تو اللہ کے نزدیک سزا میں ان سے بدتر لوگ وہ ہیں جو **من لعنه الله وغضب عليه** من سے مراد یہی لعنتی یہودی ہیں جن کے جواب میں یہ آیت کریمہ اتری ہے ان کے پانچ عیوب فرمائے گئے ایک ان کا لعنتی ہونا۔ دوسرے اللہ کے غضب کا مستحق ہونا۔ لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دور کرنا یعنی رحم نہ فرمانا اور غضب سے مراد ہے انہیں سزا دینا یا لعنت سے مراد ہے رحمتوں کا بند فرمادینا غضب کے معنی ہیں بجائے نعمت کے نقمت دینا یہود پر اللہ تعالیٰ نے بڑی رحمتیں فرمائی تھیں انہیں کی خاطر فرعون غرق کیا گیا دریا چیرا گیا۔ انہیں پر من و سلویٰ برسایا گیا مگر ان کی بری حرکتوں کی باعث ان کی عزت و رحمت سب ختم ہو گئی یہ ہوتی لعنت ان پر عذاب آئے یہ ہے غضب۔ لعنت کے متعلق چند احتمال ہیں ایک یہ کہ لعنت دنیا میں ہے غضب آخرت میں۔ دوسرے اس کے برعکس تیسرے یہ کہ دونوں دنیا میں ہیں۔ چوتھے یہ کہ دونوں آخرت میں ہیں پانچویں یہ کہ لعنت و غضب دونوں دنیا میں بھی ہیں آخرت میں بھی۔ پانچواں احتمال زیادہ قوی ہے۔ یہ عبارت **هو** پوشیدہ کی خبر ہے یعنی یہ بدترین لوگ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت بھی فرمائی اور غضب بھی **وجعل منهم القردة والخنازير**۔ اس عبارت میں ان کے بقیہ تین عیوب کا ذکر ہے یا یہ لعنت و غضب کی شرح ہے۔ **جعل** کا فاعل رب تعالیٰ ہے **منهم** کا مرجع یہودی ہیں۔ یہودی حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کرلینے کی وجہ سے بندر بنادیئے گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں غیبی دسترخوان اترنے کے باوجود ایمان نہ لانے پر سور بنادیئے گئے۔ یا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں وہ شکاری لوگ جوان تو بندر بنائے گئے اور

ان کے بوڑھے سور بنائے گئے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے یہ ہی دوسری روایت ہے (خازن 'کبیر' روح البیان وغیرہ) **وعبد الطاغوت** یہ عبارت معطوف ہے **قردۃ** پر اور اس میں یہود کے پانچویں عیب کا ذکر ہے ہماری قرات میں عبد ماضی ہے اور طاغوت مفعول بہ ہے عبد سے پہلے مَن پوشیدہ ہے بعض قراتوں میں عبد ب کے پیش سے ہے جمع عابد کی اور طاغوت مجرور ہے عبد کا مضاف الیہ اس کی اور بہت سی قراتیں ہیں طاغوت کی تحقیق تیسرے پارہ کی تفسیر میں **ومن یکفر بالطاغوت** کی شرح میں عرض کی جا چکی ہے کہ یہ بروزن فعلوت مبالغہ کا صیغہ ہے۔ طغی سے بنا۔ معنی سرکشی طاغوت کے معنی ہیں بہت سرکش 'بہت گمراہ یا بہت گمراہ کن۔ طاغوت سے مراد یا شیطان ہے یا گائے کا بچھڑا جسے یہود نے پوجا تھا زمانہ موسوی میں' یا یہود کے کاہن لوگ یا ان کے پوپ پادری جن کی یہ لوگ اطاعت کرکے کفر و سرکشی کرتے تھے یا وہ یہودی مراد ہیں۔ جنہوں نے ایک بار مکہ معظمہ جاکر مشرکین کو خوش کرنے کے لئے کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے بتوں کو سجدہ کیا جس کا ذکر قرآن مجید ہے۔ اس صورت میں طاغوت سے مراد لات و عزیٰ وغیرہ بت ہیں یا یہود حضرت عزیر علیہ السلام کے نام کے بت بنا کر پوجا کرتے تھے تو طاغوت سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام کے نام پر بنائے ہوئے پتھر یا لکڑی کے مجسمہ ہیں یعنی بد ترین لوگ وہ ہیں جن میں بندر سور اور شیطان کے پجاری بنا دیئے گئے۔ بتاؤ یہ حرکتیں ہم نے کی ہیں یا تم نے اپنے گریبان میں منہ ڈالو **اولئک شر مکانا** یہ نئی عبارت ہے جس میں گزشتہ عبارت کا نتیجہ کا ذکر ہے۔ **اولئک** سے اشارہ ان ہی یہود کی طرف ہے جن کے پانچ عیوب ابھی بیان ہوئے مکان تمیز ہے شر کی اگرچہ شریر تو یہود ہیں مگر ان کے ٹھکانہ اور دوزخی مقام کو شر فرمایا گیا ہے۔ مجازاً" جیسے کہا جاتا ہے فلاں بد ترین درجہ والا ہے یعنی یہ لوگ بد ترین ٹھکانہ والے ہیں **واضل عن سواء السبیل** یہ عبارت شر پر معطوف ہے اور **اولئک** کی خبر **اضل** اسم تفضیل ہے۔ **سواء السبیل** سے مراد ہے۔ خدا رسی کا سیدھا راستہ یعنی درست عقیدے اچھے اعمال یعنی یقیناً یہ ہی لوگ بد ترین درجہ والے اور راہ حق سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اہل کتاب آپ کے دین کے متعلق کہہ رہے ہیں ان کے جواب میں آپ فرمادو کہ تم کو ہمارے اندر اور کوئی عیب نظر نہیں آتا جس سے تم ناراض ہو۔ تمہاری ناراضی ہم سے صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور تمام ان چیزوں پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر اتریں قرآن مجید احکام رسول معجزات وغیرہ نیز ہم تمام ان چیزوں پر ایمان لائے جو اس سے پہلے دوسرے نبیوں پر اتریں ان کی کتابیں ان کی تعلیم ان کے معجزات ان کے فضائل وغیرہ۔ غرضیکہ ہم تو سچے پکے صحیح معنی میں مومن ہیں اور تمہارا یہ حال ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ کافر و بے دین ہیں۔ نبیوں کے دشمن ان کی کتابوں میں تحریف کرنے والے ان کے معجزات کے انکاری پھر تم ہم سے ناراض کیوں نہ ہو بھلا تاریکی نور سے رات دن سے بے دینی دین سے بھی کبھی راضی ہو سکتی ہے۔ فرمادو کہ اچھا فرض کرلو کہ ہمارا دین شر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بد تر شریر وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پھٹکار فرمائی اور آخرت میں غضب

کیا اور بد ترین لوگ وہ ہیں۔ جنہیں اللہ نے دنیا میں بندر اور سور بنا دیا ان کی صورتیں مسخ فرمادیں اور انہیں ایسا بے عقل بنا دیا کہ وہ باوجود اہل کتاب ہونے کا دعویٰ کرنے کے شیطان بچھڑا وغیرہ پوجنے لگے یہ لوگ بد ترین درجے کے ہیں اور خدا رسی کی راہ سے بہت بہکے ہوئے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالو کہ تم شر ہو یا ہم تم لوگ ہم سے کس منہ سے آنکھ ملاتے ہو اور کس ہمت پر ہمارے منہ لگتے ہو اپنے کرتوت اور سزائیں دیکھو اور شرمندہ ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو امتحان تو بنی اسرائیل کے لئے جس میں وہ لوگ فیل ہو گئے۔ ایلہ والوں کا امتحان شکار کے جانوروں سے لیا گیا اور طالوتی لوگوں کا امتحان ایک نہر سے لیا گیا کہ دوپہر میں یہ لوگ پیاسے تھے۔ سامنے نہر آئی حکم دیا گیا کہ کوئی سواء ایک چلو کے زیادہ پانی نہ پئے سوائے تین سو تیرہ کے باقی سارے لشکر نے پانی خوب پی لیا اور جالوت کے مقابلہ سے بزدل ہو گئے۔ ایک امتحان حضرات صحابہ کرام کا لیا گیا کہ بحالت احرام جب شکار کرنا حرام ہوتا ہے۔ اتنے شکاری جانور ان حضرات پر آئے کہ ان کے خیموں میں گھس گئے۔ بحمدہ تعالیٰ ایک بھی اس امتحان میں فیل نہ ہوا۔ سب ہی پاس ہوئے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سارے نبیوں ساری کتابوں پر بڑا ہی احسان ہے کہ حضور کے ذریعہ ان سب کی حقانیت دنیا میں ظاہر ہو گئی یہ فائدہ **وما انزل من قبل** سے حاصل ہوا کہ ہر مسلمان پر ان سب نبیوں کا ماننا لازم ہو گیا۔ **دوسرا فائدہ** حمایت انبیاء میں مسلمانوں نے بہت قوموں کو اپنا دشمن بنا لیا گیا گویا مسلمان ان تمام نبیوں کے بڑے ہی خیر خواہ ہیں یہ فائدہ **هل تنقمون** الخ سے حاصل ہوا کہ موجودہ عیسائیوں نے اس کی قدر نہ کی۔ یہ مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کی حمایت کرتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کا بدلہ ان کے دشمنوں سے خود لیتا ہے۔ یہ فائدہ **لعنه الله** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہود نے اسلام کو شر اور مسلمانوں کو شریر کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پانچ عیوب گنائے ان کا لعنتی ہونا غضب و قہر کا مستحق ہونا ان کا بندر و سور بننا ان کا بت پرست ہونا وغیرہ دیکھو ولید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہا تو قرآن کریم نے اس کے دس عیب بیان کئے خلاف **مهين** وغیرہ۔ سب سے بڑا گناہ اللہ والوں کی عیب جوئی ہے۔ **چوتھا فائدہ** ایمان کے بغیر نہ بزرگوں کی اولاد ہونا کام آوے نہ مقدس جگہ رہنا مفید ہو دیکھو وہ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی اولاد تھے۔ عرب جیسے مقدس ملک میں رہتے تھے مگر حضور کے انکاری تھے تو رب نے انہیں لعنتی پھٹکارا ہوا فرمایا یہود اپنے اولاد انبیاء ہونے پر فخر کرتے تھے۔ ان کا فخر خاک میں ملا دیا گیا۔ **پانچواں فائدہ** اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر بڑا ہی کرم ہے کہ یہ کتنے ہی گناہ کرلیں مگر دنیا میں ان پر عام عذاب نہیں آتا دیکھو یہود دنیا میں ایک ایک جرم کی وجہ سے بندر سور بنے مگر ہم لاکھوں جرم کریں نہ بندر بنتے ہیں نہ سور قوم شعیب علیہ السلام پر کم تولنے کی وجہ سے عذاب آگیا۔ ہم کم بھی تولتے ہیں۔ ملاوٹ بھی کرتے ہیں مکھن نکال کر دودھ بھی بیچتے ہیں ولائتی ٹھپی ولائتی سونا اصلی سونے کی جگہ بیچتے ہیں۔ مگر عذاب دنیاوی سے محفوظ ہیں یہ صدقہ ہے اس رحمت والے کا۔ **شعر:-**

☆ دنیا میں رحمت دو جہاں اور کون ہے! ☆
☆ اے آفتاب طیبہ و بطحی تم ہی تو ہو! ☆

پہلا اعتراض یہود تو سارے ہی فاسق و بے دین ہیں۔ پھر یہاں **لکثرکم فسقون** کیوں فرمایا کیا ان میں کچھ یہود مومن بھی تھے **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ انہیں میں سے بعض لوگ علم الٰہی میں آگے چل کر مومن ہونے والے تھے۔ اس لئے **عند اللہ** وہ فاسق نہ تھے بلکہ بعض حضرات ایمان لا بھی چکے تھے جیسے حضرت سیدنا عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی وہ مومن تھے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا **بشر من ذلک** اور **ذلک** سے اشارہ ہے اسلام کی طرف تو کیا اسلام شر ہے اور یہودیت اسلام سے بدتر شر یہ تو درست نہیں اسلام تو خیر ہی خیر ہے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب** یہاں شر واقعی مراد نہیں بلکہ ان کے عقیدے کے لحاظ سے شر مراد ہے یعنی جس دین اسلام کو تم شر کہتے ہو۔ اس سے بدرجہا شر اور بدتر تو تم ہو شاعر کہتا ہے **شعر:۔**

☆ **فکم من عائب قولا صحیحا** ☆ **و آفته من الفهم السقیم** ! ☆

جیسے قرآن کریم نے فرمایا **فبئس ما یامرکم به ایمانکم** حالانکہ یہود کے پاس ایمان تھا ہی نہیں مگر جسے وہ ایمان سمجھتے تھے اسے ایمان کہا گیا یا فرماتا ہے **این شرکائی الذین کنتم تزعمون** حالانکہ رب تعالیٰ شریک سے پاک ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا **مثوبة عند اللہ۔ مثوبه** بنا ہے ثواب سے جیسے قول سے مقولہ ہے۔ جواز سے مجوزہ ثواب کہتے ہیں نیکیوں کے اچھے بدلہ کو یہود کو یہود کے پاس نیکیاں کہاں اور ان کا اچھا بدلہ کیسا پھر یہ کلام کیونکر درست ہوا۔ **جواب** یہاں ان پر طعن کرنے کے لئے عذاب کو ثواب فرمایا گیا۔ جیسے رب تعالیٰ دوزخی کفار سے فرمائے گا۔ **ذق انک انت العزیز الکریم** حالانکہ دوزخی نہ کریم ہے نہ عزیز کیوں فرمائے گا اسے شرمندہ کرنے کو ایسے ہی یہاں ہے۔ **چوتھا اعتراض** یہود بندر سور نہ بنائے گئے تھے بلکہ ان کی خصلتیں بری عادتیں بندروں سوروں کی سی ہو گئی تھیں وہ انسان نما بندر و سور تھے (مرزائی) نوٹ نہ معلوم مرزائی حضرات کو کیا خدا کی مار ہے کہ وہ بلاوجہ معجزات انبیاء کی آیات اور گزشتہ قوموں کی عذاب کی آیات میں تاویلیں بلکہ تحریفیں کرتے رہتے ہیں۔ مولوی محمد علی لاہوری قادیانی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں یہاں یہ ہی معنی کئے اور بڑی ہیر پھیر کی۔ **جواب** اگر بندر و سور کے ایسے معنی کئے گئے تو خدا خیر کرے اسلام ہی ختم کر ڈالو گے۔ جہاں فرمایا گیا کہ تم پر سور کا گوشت حرام ہے وہاں معنی کر لو کہ سور جیسے آدمیوں سے ملنا جلنا حرام ہے۔ جہاں حکم ہے کہ شراب کے قریب نہ جاؤ۔ وہاں معنی کر لو کہ دنیا شراب ہے اس کے قریب نہ جاؤ چلو چھٹی ہوئی نہ سور حرام رہا نہ شراب اسی طرح صوم و صلوۃ کے معنی میں ہیر پھیر کر کے مسلمانوں کو ان عبادات سے بھی محروم کر دو بلاوجہ قرآن کریم کی آیات میں ہیر پھیر کرنا اور ظاہری معنی کا انکار کرنا کفر ہے آخر کیا وجہ ہے؟ کیوں بندر و سور کے یہ معنی کئے پھر عصا موسوی کے سانپ بن جانے کی آیات میں سانپ کے کیا معنی کرو گے۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی جو پہاڑ

سے پیدا ہوئی وہاں اونٹنی سے کیا معنی کرو گے۔ قرآن کو کیوں بگاڑتے ہو۔ پانچواں اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر نبی کی پرستش کی جاوے تو وہ نبی بھی طاغوت میں داخل ہے۔ دیکھو یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر انکی پرستش کی رب نے انہیں یہاں طاغوت فرمایا کیونکہ طاغوت سے مراد یہاں بچھڑا بھی ہے اور حضرت عزیر بھی۔ جواب نعوذ باللہ یہ بہتان عظیم ہے کسی نبی کی عبادت نہیں کی گئی۔ عزیر علیہ السلام کے نام کے بت بنا کر یہودیوں نے پوجے نہ کہ انکی ذات جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے نام کے بت یا فوٹو بنا کر انہیں پوجتے ہیں تو یہ پتھر طاغوت ہوئے نہ کہ وہ حضرات انبیاء کرام ان کی عبادت تو جب ہوتی جبکہ لوگ ان کی زندگی میں انہیں سجدے کرتے اور وہ حضرات خاموش رہتے۔

تفسیر صوفیانہ ہر جماعت کا انسان اپنی مثل سے محبت کرتا ہے۔ غیر سے نفرت مومن مومن سے محبت کرتا ہے کافر کافر سے از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولیاء و انبیاء مومن کو پیارے ہیں۔ یہود و نصاریٰ ان سے دور ہیں یہ رجحان قلبی ایمان و کفر کی کسوٹی ہے کسی نے حضرت عبداللہ سالمی سے پوچھا کہ اولیاء اللہ کس چیز سے پہچانے جاویں۔ فرمایا زبان کی نرمی اچھے اخلاق' چہرے کی بشاشت' نفس کی سخاوت' اعتراض کی کمی' معذرت کا قبول' عام خلق پر مہربانی ہے۔ **شعر:**

☆ تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنما ☆ ور خود از گوہر جمشید و فریدوں باشی ☆

بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ جس دل میں اللہ سے محبت ہو اس میں کسی نبی کسی ولی سے عداوت ہو۔ **شعر:**

☆ دلم خانہ مہر یار است وبس ☆ ازاں می نہ گنجد درو کین کس ☆

دل تین قسم کے ہیں بعض وہ جو دنیا میں شہوات کا چکر کاٹتے ہیں وہ جو آخرت میں کرامت کے گرد گھومتے ہیں بعض وہ سدرہ منتہیٰ میں مناجات کے گرد طواف کرتے ہیں۔ ان یہود نے اسلام کو شر اور عداوت عیسیٰ علیہ السلام کو خیر گمان پر قیامت تک لعنت و پھٹکار پڑ رہی ہے یہ ہے اس کا انجام (روح البیان) بعض دل تندرست ہوتے ہیں بعض دل بیمار اور بعض دل مردے۔ یہود کے دل مردے تھے جنہیں کوئی دوا مفید نہ ہوئی۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ
اور جب آتے ہیں وہ تمہارے پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہم حالانکہ بیشک داخل ہوئے وہ ساتھ کفر کے اور وہ نکل گئے ساتھ
اور جب تمہارے پاس آئیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور وہ آتے وقت بھی کافر تھے اور جاتے وقت بھی کافر اور اللہ

أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ

اس کے اور اللہ خوب جانتا ہے اسکو جو وہ چھپاتے تھے اور دیکھو گے تم بہت سوں کو ان میں سے کہ جلدی کرتے ہیں وہ گناہ

خوب جانتا ہے جو چھپا رہے ہیں ۔ اور ان میں تم بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور

وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ

اور حد سے بڑھنے اور اپنے حرام کھانے میں البتہ برا ہے وہ جو کر رہے تھے کیوں نہیں منع کرتے ان کو ان کے اللہ

زیادتی اور حرام خوری پر دوڑتے ہیں بے شک بہت ہی برے کام کرتے ہیں انہیں کیوں نہیں منع

الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ

والے اور علماء ان کے کہنے سے گناہ اور ان کے کھانے سے حرام البتہ برا ہے

کرتے ان کے پادری اور درویش گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے ۔ بے شک بہت ہی

مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾

وہ جو وہ کرتے تھے

برے کام کرتے ہیں ۔

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کے لعنتی اور مغضوب علیہم ہونے کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ آپ کی مجلس پاک میں آکر بھی بے فیض ہی رہتے ہیں کافر آتے ہیں کافر جاتے ہیں گویا بیمار کا ذکر پچھلی آیت میں تھا۔ اس بیماری کے نتیجہ کا ذکر یعنی مجلس پاک مصطفوی سے محروم جانے کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے کفر باطنی کا ذکر تھا کہ وہ مسلمانوں سے ان کے ایمان کی بنا پر متنفر ہیں۔ اب ان کی دھوکہ بازیوں کا ذکر ہے کہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں زبان سے کلمہ پڑھتے دل میں کفر رکھتے ہیں یعنی کفر ظاہر کے بیان کے بعد منافقت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ یہود راہ خدا سے بہت ہی بھٹکے ہوئے ہیں۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ کہ وہ ہادی مطلق صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں بیٹھ کر بھی راستہ پر نہیں آتے گویا دعویٰ پہلے ہوا دلیل اب بیان ہو رہی ہے۔

شان نزول امام قتادہ اور امام سدی فرماتے ہیں کہ چند یہودی ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم لوگ آپ سے آپ کے دین سے بالکل راضی ہیں ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں۔ اسلام بہت ہی اچھا دین ہے اور بہت سی چکنی چپڑی باتیں کیں مگر دل میں کفر چھپائے رکھا یعنی منافقت سے یہ باتیں کیں ان کے متعلق یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کی بدباطنی سے مطلع فرمایا گیا تاکہ

مسلمان ان سے دھوکہ کھاکر نقصان نہ اٹھائیں۔

تفسیر **اذا جاءوکم اذا** ظرفیہ ہے اور **جاءو** کا فاعل وہ ہی یہود ہیں جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں آنے سے مراد عام آنا ہے۔ خواہ باہر سے مدینہ منورہ میں آویں یا اپنے مدینہ والے گھروں سے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ نیز آنے سے مراد صرف جسم سے آنا ہے۔ بغیر دل کی حاضری کے یہ آنا بھی گناہ ہے جیسے مسجد میں نماز کے لئے آنے پر فی قدم ایک نیکی ہے اور ایک گناہ کی معافی مگر جوتی چرانے کے لئے مسجد میں آنے پر فی قدم لعنت و پھٹکار ہی ہے بلکہ حضور کو دیکھتے حضور سے عرض و معروض کرنے کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اخلاص سے اور نفاق سے اخلاص سے دیکھنے والا صحابی بن جاتا ہے بلکہ اخلاص سے ان کا نام لینے والا اگرچہ سو برس کا کافر ہو مومن ہو جاتا ہے۔ نفاق سے دیکھنے والا اپنے کفر کو اور بھی پختہ کر لیتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ینظرون الیک وھم لا یبصرون کم** میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ضمیر کا جمع لانا تعظیم کے لئے ہے جیسے **انا نحن نزلنا الذکر** الخ اور یا خطاب حضرات صحابہ کرام سے ہے۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ منافق یہودی مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو ان کا بھی یقین تھا کہ آپ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا کہ ان کی نگاہ دلوں کے راز بھی دیکھتی ہے۔ **شعر:**

☆ اے فروغت صبح آثار و دھور ☆ چشم تو بینندہ ما فی الصدور ☆

اس کی تفسیر وہ آیت ہے **واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا**۔ اس صورت میں اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ منافقین کو آخرت کی فکر نہیں انہیں دن رات یہ ہی فکر رہتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے ایمان کا یقین کس طرح دلائیں کبھی کسی کے دروازے پر جاکر قسمیں کھاکھاکر کہہ رہے ہیں کہ ہم پکے مسلمان ہیں ہم کو منافق نہ سمجھنا کبھی کسی کے چوکھٹ پر سر جھکا کر یہ کہہ رہے ہیں غرضیکہ ان کی جان عجیب تنگی و ضیق میں ہے۔ حضور کا آستانہ ایمان عرفان وغیرہ کی ٹکسال ہے۔ جہاں ایمان بنتا ہے۔ جہاں رحمن ملتا ہے جب وہ وہاں سے ایمان نہ پاسکے تو وہ ایمان کس دوکان سے لائے بازار ایمان مدینہ پاک ہے ٹکسال ایمان حضور کا آستانہ ہے۔ حضرات اولیاء اللہ ایمان کے خزانہ ہیں مگر ٹکسال حضور ہیں **قالوا امنا** یہ **جاءوک** کا جواب ہے۔ **امنا** میں یا تو اپنے گزشتہ ایمان کی خبر ہے یا اب ایمان لانے کا ذکر ہے۔ لہذا **امنا** یا جملہ خبریہ ہے یا جملہ انشائیہ یعنی ہم پہلے سے ایمان لاچکے ہیں یا اب ایمان قبول کرتے ہیں۔ چونکہ ان کا یہ آمنا کہنا دھوکہ دینے کے لئے تھا۔ اس لئے یہ کہنا بھی ان کے کفر کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے مخلصین کو آمنا وغیرہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ وہ خاموش زبان تر آنکھوں سے سب کچھ کہہ دیتے تھے **وقد دخلوا بالکفر وھم قد خرجوا بہ**۔ اس عبارت میں دو جملے ہیں دونوں **جاءوکم** کی ضمیر فاعل سے یا **قالوا** کی ضمیر فاعل سے حال ہیں پہلے جملہ میں صرف **قد** ہے دوسرے جملہ میں **ھم** بھی ہے اور **قد** بھی۔ کہ ان کے کفر کا دوام بتایا جاوے یعنی ان کا کافر ہو کر نکلنا واپس جانا خود ان کے لزوم کفر کی وجہ سے ہے۔ یہاں آکر کفر نہیں پیدا ہوا (تفسیر کبیر) **بالکفر** اور **بہ** دونوں میں ب مصاحبت کی ہے یعنی

وہ لوگ کفر ہی لیکر حضور کے آستانہ میں آئے۔ اور کفر ہی لیکر واپس گئے۔ آپ کی صحبت یا کلام کا اثر ان کے دلوں میں مطلقاً نہ ہوا۔ حضور عالی کا دربار وہ ہے جہاں حاضری دینے والوں کے کفر و گناہ بدبختی وغیرہ سب کچھ دھل کر دور ہو جاتے ہیں۔ ایمان، عرفان بلکہ خود رحمان انہیں مل جاتے ہیں **واللہ اعلم بما کانوا یکتمون** یہ نیا جملہ ہے جس سے مقصود ہے پہلے بیان کی تاکید یعنی ہم نے جو کچھ خبر دی ہے۔ بالکل حق ہے کیونکہ اللہ ان کے دلی خفیہ ارادوں چھپی تدبیروں کو خوب جانتا ہے وہ جو خبر دے رہا ہے بالکل حق و درست ہے اس فرمان عالی میں انتہائی غضب کا اظہار ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ پہلے سے ہی منافق ہیں اور آپ کی بارگاہ میں بری نیت سے ہی آتے ہیں۔ یہاں تک تو ان کے دلی چھپے ہوئے حالات کا ذکر فرمایا۔ اب ان کے ظاہری عیوب کا تذکرہ ہے جو ان کے دلی عیب یعنی نفاق کی دلیل ہیں۔ چنانچہ فرمایا **تری کثیرا منھم یسارعون فی الاثم والعدوان**۔ ظاہر یہ ہے کہ تری میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور رؤیت سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے کیونکہ حضور کی نگاہ کھلی چھپی ہر چیز کو دیکھتی ہے (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ خطاب ہر مسلمان سے ہو اور رؤیت سے مراد دل سے دیکھنا یعنی عقلاً معلوم کرنا ہو یا آنکھ سے دیکھنا مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے **کثیر** تری کا مفعول بہ ہے اس سے مراد یہود کے علماء ہیں منافقت میں یہ سارے یہود یکساں تھے مگر یہ گناہ جو یہاں مذکور ہیں وہ صرف علماء یہود کرتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ **کثیر** سے سارے وہ یہود مراد ہوں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ہے۔ **منھم** کا مرجع یہود ہیں۔ جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے **یسارعون** بنا ہے **سرعۃ** سے **سرعت وعجلۃ** دونوں کے معنی ہیں جلدی کرنا مگر عموماً اچھے کام میں جلدی کرنے کو سرعت کہا جاتا ہے اور برے کام میں جلدی کرنے کو عجلت مگر یہاں گناہ میں جلدی کرنے کو سرعت فرمایا گیا یہ بتانے کے لئے کہ وہ لوگ گناہ میں ایسی جلدی کرتے ہیں۔ جیسے وہ بڑی نیکی کر رہے ہیں گویا عجلت کے ساتھ رغبت بھی ظاہر فرمانے کے لئے **یسارعون** فرمایا۔ سرعت کے بعد اکثر الی آتا ہے۔ جیسے **سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ**۔ مگر کبھی کسی حکمت سے فی بھی لایا جاتا ہے جیسے **یسارعون فی الخیرات** یہاں فی فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ گناہوں میں پہلے سے ہی مبتلا ہیں۔ مراتب گناہ میں ترقی کرنے میں جلدی کرتے ہیں (روح البیان) **اثم وعدوان** کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں (۱) چھوٹے گناہ **اثم** ہیں اور بڑے گناہ **عدوان**۔ (۲) جسمانی گناہ **اثم** ہیں قلبی گناہ یعنی کفر و نفاق **عدوان**۔ (۳) حقوق اللہ مارنے **اثم** ہیں۔ حقوق عباد مارنے لوگوں پر ظلم کرنا **عدوان** ہے۔ (۴) توریت شریف کی آیات مٹا دینی **اثم** ہے اور اس میں جعلی آیات شامل کر دینی **عدوان** ہے۔ (۵) مسلمانوں کو ستانا **اثم** ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دینا **عدوان** ہے (روح المعانی و بیان وغیرہ) ان مردودوں میں یہ سارے عیوب موجود تھے۔ غرضیکہ **اثم و عدوان** سے وہ گناہ مراد ہیں جو ان کے دین میں بھی گناہ تھے صرف وہ گناہ مراد نہیں جو اسلام میں ہی گناہ ہیں کیونکہ وہ لوگ ان کے چھوڑنے کے مکلف نہیں تھے۔ اسلام لا کر مکلف ہوتے **واکلھم السحت** یہ عبارت معطوف ہے **عدوان** پر اس میں ان کے تیسرے جرم کا ذکر ہے **اکل** سے مراد ہے مطلقاً

لینا قبضہ کرنا چونکہ مال کا بڑا مقصد ہوتا ہے۔ کھانا' باقی پہننا' برتنا اس کے تابع ہوتا ہے اس لئے اکثر جگہ قرآن کریم میں **اکل** فرما کر مطلقاً لینا مراد ہے۔ جیسے **لا تاکلوا الربوا** یا جیسے **وتاکلون التراث اکلا لما**۔ **سحت** کے معنی ہیں مطلقاً" حرام یہاں اس سے مراد یا تو وہ رشوت ہے جو یہود آیات توریت احکام توریت بدلنے کے عوض لوگوں سے لیا کرتے تھے یہ جرم ان کے علماء کا تھا یا مطلقاً وہ کمائیاں مراد ہیں جو توریت میں حرام تھیں۔ جیسے چوری' رشوت' سود وغیرہ تب اس میں سارے یہود مبتلا تھے اب بھی یہودیوں کے برابر دوسری قومیں حرام خور نہیں **لبئس ما کانوا یعملون**۔ یہاں **بئس** کا فاعل **ھو** پوشیدہ ہے اور **شیئا** محذوف اس کی تمیز ہے **ما کانوا** مخصوص **کانوا یعملون** فرما کر بتایا گیا کہ ان کے یہ عمل ایک دوبار کے نہیں۔ بلکہ دائمی ہیں یعنی یہود کے یہ کرتوت بہت بری چیزیں ہیں جو ان کے دین میں بھی حرام بلکہ کفر ہیں۔ اب تک روئے سخن بدکار یہود کی طرف تھا جو یہ مذکورہ جرم کرتے تھے اب ان علماء کی طرف رخ ہے جو انہیں روکتے نہ تھے باوجود قادر ہونے کے منع نہیں کرتے تھے کہ **لو لا ینھھم الربنیون الاحبار**۔ **لولا** رغبت دینے کا کلمہ ہے۔ بمعنی **ھلا** جیسے اردو میں کسی کو کسی کام پر اکسانے بھڑکانے کے لئے کہا جاتا ہے کیوں نہیں کرتا یعنی ضرور کر۔ **ینھی** بنا ہے **نھی** سے۔ بمعنی منع کرنا خواہ قولاً" ہو یا قلماً" یا عملاً" **ربانیون** اور **احبار** کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ **ربانیون** جمع ہے ربانی کی منسوب رب کی طرف۔ بمعنی اللہ والا **احبار** جمع ہے **حبر** کی۔ بمعنی بڑا عالم بعض مفسرین نے فرمایا کہ **ربانیون** سے مراد عیسائی پادری ہیں اور **احبار** سے مراد توریت کے علماء مگر قوی احتمال یہ ہے کہ یہ دونوں جماعتیں یہود کی ہیں کیونکہ پہلے سے ذکر یہود ہی کا ہو رہا ہے یہود کے پیر و مشائخ ربانیون ہیں اور ان کے علماء **احبار** ہیں خیال رہے کہ ان کو ربانی اور احبار کہنا ان کے عقیدے کے لحاظ سے ہے ورنہ واقعہ میں وہ سب کفار ہیں وہ ربانی نہیں شیطانی ہیں یعنی جنہیں یہود ربانی اور احبار سمجھتے ہیں وہ انہیں ایسی بدکاریوں سے کیوں نہیں روکتے۔ بنی اسرائیل کے ہاں تارک الدنیا مشائخ کو ربانی کہا جاتا تھا اور دینی علم رکھنے والے کو حبر یا احبار کہتے ہیں اسلام میں ربانی کہتے ہیں عالم باعمل کو۔ علماء تین قسم کے ہیں۔ علماء شیطانی' علماء نفسانی۔ علماء ربانی۔ بدعمل عالم جو لوگوں کو بے دین بنائیں۔ علماء شیطانی ہیں بے عمل بے فیض عالم جن سے کسی کو دینی نفع نہ پہنچے وہ علم کو صرف دنیا کمانے کا ذریعہ بنائیں وہ نفسانی عالم ہیں باعمل عالم جن سے لوگوں کو دینی فیض پہنچتا رہے۔ جن کی زبان پر فرمان ہو دل میں فیضان وہ ربانی علماء ہیں یہ ہی نائب رسول ہیں انہیں کے متعلق ارشاد ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے یہ علماء گویا پارس ہیں ان کی صحبت اکسیر ہے۔ علم دین گویا حضرت جبریل کی گھوڑی کی خاک ہے اور بے دین عالم گویا سامری کا بچھڑا سامری کے بچھڑے سے لوگ گمراہ ہوئے۔ اس عالم کے وعظ سے لوگ بے دین بنتے ہیں **عن قولھم الاثم واکلھم السحت** یہ عبارت **ینھی** کے متعلق ہے یہاں **اثم** سے مراد زبانی گناہ ہے جیسے جھوٹ بولنا مسلمانوں کو گالیاں دینا ان کی غیبتیں کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بیہودہ بکواس بکنا۔ حرام خوری کے معانی ابھی عرض کئے جا چکے

ہیں۔ یعنی یہود کے پوپ پادری اپنے عوام یہود کو جھوٹ بولنے حرام کمائیوں سے منع کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ چیزیں ان کے دین میں بھی حرام یا کفر ہیں۔ اور وہ ان عوام کے ان جرموں سے خبردار بھی ہیں انہیں منع کرنے پر قادر بھی ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے۔ حضور اقدس یا مسلمانوں سے اور سنایا جا رہا ہے۔ انہیں پوپ پادریوں کو کیونکہ آیات قرآنیہ ان تک پہنچتیں تھیں **لبئس ما کانوا یصنعون۔ لبئس** اور **ما** کی تفسیر ابھی ابھی ہو چکی **یصنعون** کا فاعل وہی پوپ پادری ہیں۔ عوام یہود کی بد عملیوں کے متعلق **یعملون** فرمایا گیا اور ان کے پوپ پادریوں کے منع نہ کرنے ان کی ان بدکاریوں پر خاموش رہنے کے متعلق **یصنعون** فرمایا کیونکہ عمل سے صنعت سخت تر ہے۔ عمل ہر کام کو کہتے ہیں مگر صنعت وہ کام جو دل میں راسخ ہو جاوے۔ جس کی عادت پڑ جاوے۔ چونکہ ان علماء اور درویشوں کی یہ خاموشی ان عوام کی بد عملیوں سے زیادہ خطرناک تھی کہ اس خاموشی سے لاقانونیت پھیلتی تھی اس لئے اسے صنعت فرمایا یعنی ان پوپ پادریوں کی یہ خاموشی بدترین بد عملی ہے کہ ان کی ساری قوم کی تمام بد عملیاں ان پادریوں کی شہہ پر ہو رہی ہیں ان کی خاموشی سے عوام یہود سمجھتے ہیں کہ یہ کام کوئی خاص برے نہیں ورنہ ہمارے پوپ صاحب ہم کو منع کر دیتے جب ہم اب بھی ان کے پیارے ہیں تو یہ کام بھی اچھے ہی ہوں گے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان یہود کی مردودیت مغضوبیت اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ یہ لوگ آپ کی بارگاہ میں آتے تو ہیں مگر فیض لینے کے لئے نہیں۔ بلکہ دھوکہ دینے کے لئے چنانچہ وہ آپ کے سامنے منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔ ہم مسلمان ہو گئے مگر حالت یہ ہے کہ آپ کے ہاں کافر ہی آتے ہیں اور کافر ہی جاتے ہیں۔ جیسے آئے ویسے ہی گئے ہم ان کے دلی ارادوں نیتوں کو جانتے ہیں۔ ان کی چھپی ہوئی حالت سے خبردار ہیں۔ چنانچہ آپ انہیں لوگوں کو دعوئی ایمان کرنے کے بعد دیکھتے ہی ہیں کہ وہ گناہوں۔ ظلم اور حرام خوری میں بہت جلدی کرتے ہیں اگر مومن ہو گئے تھے تو ان کے حال و اعمال کیوں نہ بدلے ان کے اعمال بڑے ہی برے ہیں۔ اعمال سے دلوں کے احوال کا پتہ لگتا ہے۔ پھل پھول جڑ کا پتہ دیتی ہیں یا آخر یہود کے اندر یہ عیوب ہیں پھر کس منہ سے اپنے کو اولاد انبیاء اور دوسروں سے اچھا کہتے ہیں یہ تو عوام یہود کا حال ہے ان کے پوپ پادریوں کا یہ حال ہے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر انہیں صراحتاً بلکہ اشارۃً بھی منع نہیں کرتے یہ ان کے پیر پادری جھوٹ بولنے حرام خوری سے منع کیوں نہیں کرتے یہ پادری لوگ ان سے بڑھ کر بدکار ہیں کہ بدکاروں کی بدکاریاں ان کی پراسرار خاموشی کی وجہ سے ہی ہو رہی ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** بدنصیب شقی کو اعلیٰ سے اعلیٰ صحبت سے بھی فیض نہیں ملتا۔ بزرگوں کے پاس وہ جیسا آتا ہے وہاں سے ویسا ہی جاتا ہے۔ پیشاب سے بھرا ہوا برتن اگر سمندر میں بھی غوطہ لگائے پھر بھی کچھ نہ لائے گا۔ یہ فائدہ **وھم قد خرجوا بہ** الخ سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا مرکز ہیں جب یہ وہاں سے ہی محروم رہے تو کہاں سے ہدایت پائیں گے۔ **دوسرا فائدہ** بعض مردود انسان قرین شیطان سے بھی

زیادہ بد نصیب ہیں۔ دیکھو یہ منافق یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے رہتے تھے مگر ویسے کے ویسے ہی گمراہ رہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرین ایمان لے آیا مومن بن گیا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب الوسوسہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا قرین شیطان مومن ہو گیا۔ مجھے اچھا ہی مشورہ دیتا ہے یہ فائدہ بھی **وهم قد خرجوا به** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا مہربان ہے کہ حضور کو دشمنوں کی سازشیں بتا تا ان سے بچاتا ہے۔ یہ فائدہ **بما كانوا يكتمون** الخ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ گناہوں میں جلدی کرنا نیکیوں میں دیر لگانا کفار کا طریقہ ہے۔ مومن کو چاہیے کہ نیکی میں جلدی کرے گناہ کا خیال آنے پر توقف کرے شاید اللہ تعالیٰ اسے بچا لے یہ فائدہ **يسارعون** الخ سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ بعض گناہ و بد عملیاں دلی کفر و نفاق کی علامات ہیں ان کے ذریعہ دل کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جیسے درخت کا تخم زمین میں ہوتا ہے مگر درخت اور اس کے پتے پھل پھول سے وہ تخم پہچانا جاتا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں منافق یہود کے چار گناہوں کو ان کے نفاق کی دلیل بنایا۔ گناہوں پر حد سے بڑھنے میں جلدی کرنا حرام خوری کرنا وغیرہ فقہاء کرام بعض افعال کو کفر کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہی آیت ہو سکتی ہے۔ یوں ہی بعض اعمال پختگی ایمان کی علامت و دلیل ہیں۔ جیسے مقبولوں کی طرف دل کی رغبت جماعت نماز کی پابندی مسجد کی آبادی کا شوق رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما يعمر مسجد الله من امن بالله واليوم الاخر** چھٹا فائدہ رشوت لینا' حرام خواری اور بعض گناہوں پر کفار کی بھی پکڑ ہوگی وہ ان سے بچنے کے مکلف ہیں جیسے قانونی اور اسلامی سیاسی احکام کے کفار بھی مکلف ہیں۔ اس پر ان کو سزا ملے گی یہ فائدہ **لبئس ما كانوا يعملون** سے حاصل ہوا لہٰذا کافر مسلمان ہونے کے بعد بھی زمانہ کفر کے قرضے ادا کرے لی ہوئی رشوت چور لیا ہوا مال مالکوں کو واپس دے۔ ہاں اسلامی عبادات کا کافر مکلف نہیں۔ مسلمان ہونے پر زمانہ کفر کی نمازیں قضانہ کرے گا نہ زکوٰۃ دے گا۔ اب مسلمان ہونے کے بعد سے اس پر نماز و زکوٰۃ وغیرہ فرض ہوں گی۔ ساتواں فائدہ عالم پر زبانی' قلمی' عملی تبلیغ فرض ہے وہ خود بھی گناہوں سے بچے نیکیاں کرے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرائے اگر عالم گناہ دیکھ کر باوجود قدرت کے منع نہ کرے تو سخت گنہگار ہے یہ فائدہ **لو لا ينهٰهم الربانيون** الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ جاہل کا گناہ کرنے سے عالم کے گناہوں پر خاموشی زیادہ سخت جرم ہے کہ اس کی خاموشی سے لوگوں میں گناہ پھیلیں گے لوگ سمجھیں گے کہ اگر یہ کام برے ہوتے تو مولوی صاحب اس سے منع کیوں نہ کرتے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے جاہل یہود کی بد عملیوں کے متعلق ارشاد فرمایا **ما كانوا يعملون** اور یہودی پوپ پادریوں کے متعلق فرمایا **ما كانوا يصنعون** عمل اور صنع کا فرق ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ نواں فائدہ کفار کے پیشوا و علماء پر بھی فرض ہے کہ اپنے ماتحت لوگوں کو اچھی باتیں بتائیں اگر نہ کریں گے تو اس کی سزا پائیں گے یہ فائدہ بھی **لو لا ينهٰهم الربانيون** الخ سے حاصل ہوا جاہل کفار کے مقابلہ میں عالم کفار کی سزا سخت تر ہے۔ کافر مالدار کافر بادشاہوں کا یہی حال ہے کہ اگر وہ ایمان لائیں اور

ان کی وجہ سے ان کے ماتحت بھی ایمان قبول کرلیں تو انہیں بڑا ثواب ہے اور اگر وہ کافر رہیں تو انہیں اپنے تمام ماتحتوں کے کفر و بد عملیوں کی برابر سزا ہے۔ دسواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے دلی ارادوں خفیہ نیک و بد اعمال کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں کوئی آڑ ان کی نگاہ کے لئے حائل نہیں ہو سکتی۔ یہ فائدہ **وتری کثیرا** الخ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ چنانچہ حضور انور نے دو قبروں کے متعلق خبر دی کہ ان میں عذاب ہو رہا ہے یہ میت چغل خوری کرتا تھا اور یہ میت پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ حضرت عباس سے جب فدیہ مانگا گیا اور انہوں نے اپنی غریبی و ناداری کی شکایت کی تو فرمایا کہ تم چار سو دینار اپنی زوجہ پاک کو مکہ میں دے کر آئے تھے وہ کہاں ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** میں تم کو ان تمام کی خبر دے سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے بچاتے ہو۔ اور کھاؤ بچاؤ گے۔ جیسے ہمارے خیال کے لئے کوئی چیز آڑ نہیں۔ انبیاء کی نگاہ کے لئے کوئی پردہ حائل نہیں۔ **شعر:۔**

☆ خدا مطلع ساخت برجملہ غیب ☆ **علی کل شئی خبیر** آمدی ☆

گیارہواں **فائدہ** تبلیغ دین صرف علماء پر ہی لازم نہیں بلکہ پیران عظام مشائخ کرام پر بھی ضروری ہے بلکہ ہر اثر والے پر ضروری ہے کہ اپنے ماتحتوں کی اصلاح کرے ورنہ پکڑا جاوے گا یہ فائدہ **الربانیون والاحبار** سے حاصل ہوا۔ **ربانیون** تو یہود کے تارک الدنیا فقیر ہیں اور احبار ان کے پادری علماء اب بھی مشائخ کو چاہیے کہ جو لوگ ان کے پاس فیض حاصل کرنے آئیں انہیں نماز کی پابندی۔ معاملات کی درستی کی تلقین کریں بلکہ اپنے تعویذ وغیرہ میں نماز کی پابندی کی شرط لگا دیں۔ بڑا ثواب پائیں گے میں جب کسی کو تعویذ دیتا ہوں تو دو شرطیں لگا دیتا ہوں نماز پنج گانہ کی پابندی ہر گیارہویں چاند کو حضرت غوث پاک کی فاتحہ۔

پہلا اعتراض عدوان اور حرام خوری بھی اثم یعنی گناہ میں داخل ہے۔ پھر اثم کے بعد ان دونوں کا علیحدہ ذکر کیوں فرمایا۔ **جواب** تاکہ معلوم ہو کہ حقوق العباد ضائع کرنا بد ترین گناہ ہے کیونکہ عدوان سے مراد ظلم اور سحت سے مراد رشوت ہے جیسا کہ ہم نے اس کی ایک تفسیر میں عرض کیا۔ **دوسرا اعتراض** یہود تو کافر ہیں اور کافر شرعی احکام کے مکلف نہیں ہوتے۔ وہ سور کھائیں۔ شراب پئیں۔ اسلامی حاکم انہیں نہیں روکے گا تو ان کو گناہوں رشوت خوریوں سے کیوں روکا گیا۔ سور کھانا' رشوت کھانا' دونوں ہی حرام ہیں۔ پھر اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کریمہ میں ان کلمہ گو کفار کے کفر کی دلیل دی جا رہی ہے کہ اگر یہ لوگ دل سے مسلمان ہو گئے ہوتے تو یہ حرکتیں کرنے کی ہمت نہ کرتے یہ اعمال ان کے کفر کی دلیل ہیں۔ دوسرے یہ کہ کفار پر بھی حرام خوری حق تلفی کی پکڑ ہے۔ سور کھانے میں کسی کی حق تلفی نہیں وہ کھاتے ہیں تو کھائیں مگر چوری رشوت' جوا وغیرہ سے ضرور روکا جاوے گا کہ اس میں بندے کی حق تلفی ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہود کے پوپ پادریوں کو ربانی کیوں فرمایا۔ ربانی وہ جو اللہ والا ہو وہ

شیطان والے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ سے کیا تعلق جواب یہاں واقعی اللہ والے مراد نہیں بلکہ جنہیں عام یہود اللہ والا کہتے سمجھتے ہیں وہ مراد ہیں۔ یعنی ان کے اعتقاد میں اللہ والے یہ فرمان حال ان کے عقیدے کی بنا پر ہے۔ **چوتھا اعتراض** یہودی علماء کافر ہیں کفار پر حق کی تبلیغ شرعاً واجب نہیں پھر یہاں ان کی تبلیغ نہ کرنے پر عتاب کیوں فرمایا گیا۔ **جواب** یہ دکھانے کے لئے کہ یہودی علماء لوگوں کو اسلام کی رغبت کیا دیتے کفر سے نفرت تو کیا دلاتے وہ تو ان باتوں سے بھی نہیں روکتے جو ان کے دین میں حرام ہیں۔ اس میں ان کی کوتاہیوں کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ۔ حضور کی بارگاہ میں آنے کی تین چار نوعیتیں ہیں صرف جسم سے آنا دل سے آنا روح سے آنا ان میں سے ہر قسم کی آمد کے نتیجے الگ الگ ہیں جسم سے آنے والوں کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے یہ آنا بھی بے دینی و کفر ہے کہ یہ آنا دھوکا فریب دینے کے لئے ہے دل سے آنے کا ذکر ہے اس آیت **جاءوک فاستغفروا اللہ** اس آنے کا نتیجہ ہے گناہوں کا دھل جانا رحمتوں کا مل جانا روح سے آنے کا ذکر اس آیت میں **اذا جاءک الذین یومنون** الخ اس آنے کا نتیجہ ہے دونوں جہان کی آفتوں سے سلامتی خاص چھتوں کا عطیہ **فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ** صرف جسم سے آنے والا آکر بھی غائب رہتا ہے۔ دل و جان سے آنے والا غیر حاضری میں بھی حاضر رہتا ہے ابوجہل لعین یہ یہودی حضور کے ہاں حاضر ہو کر بھی غیر حاضر رہے اور اویس قرنی مدینہ میں نہ آکر بھی حاضر رہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں ایمان و اطاعت پر پختگی کا نام ہے استقامت یہ رب تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے۔ کفر و گناہ پر پختگی کا نام ہے ضد اور ہٹ دھرمی یہ بڑی ہی مبغوض حرکت ہے اور اس سے متصف انسان مردود ہے اس ضد کی دو قسمیں ہیں معمولی ضد اور قوی ضد جو مردود ازلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک میں بھی پہنچ کر کافر ہی رہے وہ بہت سخت ضدی اور شقی ازلی ہے اس کا یہاں ذکر ہے عارضی سیاہی کو صابن دھو دیتا ہے مگر کوئلہ کو صابن سفید نہیں کر سکتا کہ اس کی سیاہی اصلی ہے دیکھو یہ بد نصیب منافق یہودی حضور کی بارگاہ میں جیسے آتے ویسے ہی جاتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ کبھی نیکی کی طرف دھیان بھی نہیں کرتے اور بدکاریوں گناہوں کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں پہلے حقوق الٰہی مارتے ہیں پھر حقوق العبد ہضم کرنے لگتے ہیں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ عالم ربانی اور مشائخ طریقت دونوں پر بقدر طاقت تبلیغ واجب ہے اگر تبلیغ نہ کریں گے تو سارے گنہگاروں کا وبال ان پر ہوگا جو ان کی خاموشی کی وجہ سے گنہگار ہوئے مبلغ کو چاہیے کہ ہر شخص کو تبلیغ کرے خواہ وہ مانے یا نہ مانے۔ اندھے کو راستہ بتاؤ۔ وہ تمہاری رہبری سے انکھیارا نہ ہو جاوے گا مگر تم کو رہبری کا ثواب مل جاوے گا۔ استغراق سے ارشاد افضل ہے کیونکہ ارشاد و رہبری طریقہ انبیاء ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک** حضرات انبیاء استغراق کے لئے نہیں آتے ارشاد کے لئے آتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ

اور کہا یہود نے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ان کے ہاتھ جکڑے جاویں اور لعنت کئے جاویں وہ اس وجہ سے

اور یہودی بولے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ان کے ہاتھ باندھے جاویں اور ان پر اس کہے سے لعنت ہے بلکہ

یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ كَیْفَ یَشَآءُ وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ

جو انہوں نے کہا بلکہ ہاتھ اس کے کھلے ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہے اور البتہ ضرور زیادہ کرے گا بہت سوں کو ان میں

اس کے ہاتھ کشادہ ہیں عطا فرماتا ہے جیسے چاہے اور اے محبوب یہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے

اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا وَ اَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ

سے وہ جو اتارا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے سرکشی اور کفر کو اور ڈال دی ہم نے درمیان ان کے دشمنی

اترا اس سے ان بہتوں کو شرارت و کفر میں ترقی ہو گی اور ان میں ہم نے قیامت تک آپس میں دشمنی اور

اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَ یَسْعَوْنَ فِی

اور بغض دن قیامت تک جب کبھی روشن کرتے ہیں وہ آگ لڑائی کے لئے بجھا دیتا ہے اس کو خدا اور کوشش

بیر ڈال دیا جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور زمین میں فساد

الْاَرْضِ فَسَادًا وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (۶۴)

کرتے ہیں وہ زمین میں فساد کی اور اللہ نہیں محبت کرتا فساد کرنے والوں سے

کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو نہیں چاہتا۔

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کا کفر میں پختہ ہونا بیان فرمایا گیا۔ وہ حضور انور کی مجلس شریف میں آکر بھی کافر رہتے ہیں اب اس کا ثبوت خود ان کے اپنے قول سے دیا جا رہا ہے کہ ان کے منہ سے ایسی بکواس نکلتی رہتی ہے جو خود ان کے نزدیک بھی کفر ہے۔ گویا پہلے ان کے کفر کی پختگی کا ذکر تھا۔ اب اس کا ثبوت ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی رسول دشمنی کا ذکر تھا جیسا کہ ہم نے **اثم** اور **عدوان** کی تفسیر میں عرض کیا اب ان کی خدا دشمنی کا ذکر ہے جو رسول دشمنی کا نتیجہ ہے۔ جس کے دل میں حضور کی عظمت نہ ہو اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی عظمت کبھی نہیں ہو سکتی گویا پہلے یہود کی بیماری کا ذکر تھا اب اس کے برے انجام کا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہود کے پوپ پادری انہیں گناہ بکنے سے نہیں روکتے اب فرمایا جا رہا ہے کہ انکی زبان درازی اور منہ پھٹ ہونے کی حد ہو چکی وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بکواس سے باز نہیں آتے گویا زبان درازی کی ابتداء کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی انتہا کا ذکر ہو رہا ہے۔

شان نزول اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں (۱) فخاص ابن عازورا یہودی قبیقاع کے یہود میں بہت بڑا مالدار تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کی وجہ سے ایک دم فقیر ہو گیا اللہ کے قہر میں آ گیا ایک دن وہ اپنی جماعت میں بیٹھ کر کہنے لگا کہ اللہ کے ہاتھ بندھ گئے یعنی نعوذ باللہ وہ کنجوس و بخیل ہو گیا۔ اس کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی چونکہ باقی سننے والے یہود نے اس کی تردید نہ کی بلکہ خاموشی سے سنتے رہے اس لئے ان سب کو اس کا قائل قرار دیا گیا اور **قالوا** جمع ارشاد ہوا (تفسیر خازن کبیر روح المعانی و بیان وغیرہ) (۲) جب آیت کریمہ **من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا** الخ نازل ہوئی تو بعض یہود نے کہا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھ گئے یعنی وہ فقیر ہو گیا کہ اسے قرض مانگنے کی حاجت پیش آئی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۳) پہلے عموماً حضرات صحابہ کرام فقراء و مساکین تھے۔ یہود ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ مسلمانوں کا خدا بخیل ہے جو اپنے ان پیاروں بندوں پر بھی خرچ نہیں کرتا تب ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ان کی نہایت شاندار تردید کی گئی (تفسیر کبیر)

تفسیر **وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ** اگر یہ قول صرف فخاص ابن عازورا کا ہے تو جماعت یہود کو اس کا قائل اس لئے قرار دیا گیا کہ وہ اس کی یہ بکواس سن کر خاموش رہے اور اس کو اپنا پیشواء مانے گئے اور اگر عام یہود کا قول ہے تب تو بالکل ظاہر ہے **ید اللہ** سے مراد رب تعالیٰ کا دست عطا اس کی جود و سخا ہے نہ کہ یہ گوشت و ہڈی والا ہاتھ کہ یہود اس قسم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ مانتے تھے۔ **مغلول** بنا ہے غل سے بمعنی باندھنا اسی سے ہے **اغلال** بمعنی بیڑیاں جس سے مجرم کے پاؤں باندھے جاتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **خذوہ فغلوہ** عربی میں مغلول بخیل کو بھی کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک** اور فقیر کو بھی یہاں دونوں معنی کا احتمال ہے۔ یعنی یہود بولے کہ اللہ تعالیٰ بخیل ہے یا فقیر ہے نعوذ باللہ۔ اس کے ہاتھ بندھے ہیں وہ خرچ نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا۔ **غلت ایدیھم** یہ عبارت یہود کی بکواس کے جواب کی ابتداء اور تمہید ہے اس کا اصل جواب تو آگے آ رہا ہے۔ **بل یداہ** الخ یہ جملہ یا تو انشائیہ ہے یا خبریہ اگر انشائیہ ہے تو بمعنی دعاء بد ہے عرب لوگ اظہار ناراضی و غضب کے لئے بددعائیہ الفاظ کہتے ہیں اردو میں بھی مروج ہے ماں غصہ میں کہتی ہے تو مر جائے۔ بددعا مقصود نہیں ہوتی یوں ہی قرآن مجید میں بددعائیہ کلمات غضب الٰہی کے اظہار کے لئے ہوتے ہیں جیسے منافقین کے لئے فرمایا گیا **فزادھم اللہ مرضا** اللہ ان کی بیماری اور بڑھائے۔ یا ارشاد ہے **تبت یدا ابی لھب** ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جاویں یا فرمایا گیا **قاتلھم اللہ انی یوفکون** انہیں خدا غارت کرے کیسے پھرے جاتے ہیں یہ تمام کلمات اظہار غضب کے لئے ہیں رب تعالیٰ کسی کو دعا یا بددعا دینے سے پاک ہے سب اس سے دعا مانگتے ہیں وہ کس سے دعا مانگے یا ہم کو تعلیم کے لئے ہے کہ تم لوگ انہیں اس طرح بددعائیں دیا کرو یا یہ جملہ خبریہ ہے یعنی ان یہود کے ہاتھ باندھ دیئے جاویں وہ ہی فقیر ہو جائیں۔ بخیل ہو جائیں یا ان کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں گے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی دنیا میں اس طرح کہ وہ سخت بخیل ممسک ہوں گے۔ کسی کے

پاس مال نہ ہونا معمولی فقیری ہے مگر مال ہونا اور اس سے نفع نہ اٹھا سکنا بڑی سخت فقیری ہے۔ یہودی دوسری قسم کے فقیر ہیں کہ ان کے پاس مال بہت مگر بخل کی وجہ سے نہ خود کھا سکتے ہیں نہ کسی کو کھلا سکتے ہیں جمع کیا اور مرگئے ان کی دولت کا خلاصہ یہ ہے۔ محنت سے جوڑنا۔ حسرت سے چھوڑنا یہ خدا کا عذاب ہے آخرت میں اس طرح کہ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں دوزخ میں پھینکا جاوے گا۔ اس بکواس کی سزا میں **ولعنوا بما قالوا** یہ جملہ **غلت** الخ پر معطوف ہے اور اس میں بھی وہ تین مذکورہ احتمال ہیں کہ اپنی اس بکواس کی وجہ سے لعنت کئے جاویں یا اے مسلمانو کہو کہ ان پر لعنت کی جاوے دنیا و آخرت میں۔ لعنت کے معنی اور اس کے اقسام بارہا بیان ہو چکے یہاں یا تو بندوں کی لعنت مراد ہے۔ یا رب تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار مراد **بل یداہ مبسوطتن** یہ عبارت یہودی بکواس کا جواب ہے۔ بل اضراب کے لئے ہے یعنی پہلے قول کی نفی اور آئندہ قول کا ثبوت اس میں **غل** کی نفی ہے بسط کا ثبوت۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھوں کا ذکر ہے کہیں ایک ہاتھ کا جیسے **ید اللہ فوق ایدیھم** کہیں دو ہاتھوں کا جیسے یہاں اور آیت کریمہ **ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی** میں اور کہیں بہت سے ہاتھوں کا جیسے **انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا** چونکہ یہ گوشت و پوست و ہڈی والا ہاتھ رب تعالیٰ کے لئے ناممکن ہے اس لئے وہاں ہاتھ سے مراد یا قدرت ہوتی ہے یا جود و کرم یا نعمت و احسان یا مملکت و سلطنت یا خاص توجہ اردو میں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں کام میں حکومت کا ہاتھ ہے یعنی اس کی مدد ہے۔ بہت زیادہ کرم یا توجہ کے لئے **ید** کو تثنیہ یا جمع لایا جاتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے اس **ید** سے مراد ہے تائید یعنی قوت دینا **مبسوط** بنا ہے **بسط** سے۔ معنی کشادگی یہ **غل** کا مقابل ہے یہاں بھی کشادگی سے وہ ہی مراد ہے جو رب تعالیٰ کے لائق ہے اردو میں بھی سخاوت کو اور زیادہ خرچ کرنے کو ہاتھ کھلنا کہا جاتا ہے فلاں کا بڑا کھلا ہاتھ ہے یعنی خوب خرچ کرتا ہے یعنی رب تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں بڑا کریم ہے معمولی سخی ایک ہاتھ سے ایک آدھ فقیر کو دیتا ہے بڑا سخی و کریم دو ہاتھوں سے بانٹتا ہے۔ اس کی عطا ہر سمت ہوتی ہے وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا ہے رب تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں کہ ہر وقت ہر طرف ہر شخص کو بہت دیتا ہے یا اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں ایک ہاتھ دینے کے لئے دوسرا ہاتھ بندوں کے اعمال لینے کے لئے کہ ان کی نیکیاں قبول فرماوے اور بد اعمال سے انہیں معاف فرمائے یا دونوں ہاتھ کھلے ہیں ایک ہاتھ دن میں دینے کے لئے دوسرا ہاتھ رات میں عطا کے لئے یا دونوں ہاتھ کھلے ہیں ایک ہاتھ بندوں کی مانگ سے دینے کے لئے دوسرا ہاتھ انہیں بغیر مانگے دینے کے لئے۔ سبحان اللہ **ینفق کیف یشاء** اس عبارت میں اس کے ہاتھ کشادہ ہونے کا بیان ہے یہ جملہ یا تو **یدہ** کی ضمیر مجرور سے حال ہے کیونکہ ذوالحال و حال میں خبر کا فاصلہ جائز ہے۔ جیسے **ھذا بعلی شیخا** یا مستقل علیحدہ جملہ ہے۔ **کیف** ظرف ہے۔ **ینفق** کا (روح المعانی) انفاق سے مراد عطا فرمانا ہے نہ کہ خرچ کرکے ختم کردینا کہ رب تعالیٰ کے خزانے خرچ ہو جانے سے پاک ہیں۔ انفاق سے یا تو مال کی عطا مراد ہے یا مال اعمال احوال وغیرہ تمام نعمتوں کی عطا مراد پہلا احتمال زیادہ قوی ہے یعنی رب تعالیٰ جیسے چاہے اپنے بندوں کو اپنی نعمتیں دیتا ہے کسی کو غریب کسی کو امیر فرماتا ہے پھر ایک

ہی شخص کو کبھی غنی کبھی فقیر کردیتا ہے۔ نہ اس سے کوئی اس کے متعلق پوچھ سکتا ہے نہ وہ کسی سے اجازت لے کر خرچ فرماتا ہے۔ وہ مالک الملک ہے جسے جو چاہے جب چاہے عطا فرمائے اس کے ہاں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں **ولیزیدن کثیرا منهم ما انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا** یہ جملہ یا تو بالکل مستقل ہے۔ جس میں ان یہود کے لعنتی ہونے کا ثبوت ہے اور یا **یغلّ** کا بیان **کثیرا** سے مراد علماء یہود ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق جانتے ہوئے محض حسد سے آپ کے انکاری تھے یا وہ مراد ہیں۔ جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ہے۔ **منهم** کا مرجع وہ ہی مذکورہ یہود ہیں **ما انزل** سے مراد آیات قرآنیہ حضور کے معجزات آپ کے دلائل توحید و ایمان ہیں کہ یہ تمام رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوئے **طغیان** سے مراد ان کی عملی سرکشی ہے۔ کفر سے مراد ان کا اعتقادی فساد و عناد ہے یعنی چونکہ یہ لوگ رب کے ہاں سے دھتکارے ہوئے ہیں۔ آپ کے حاسد ہیں اس لئے آیات قرآنیہ آپ کے معجزات و دلائل سے ان کے کفر و بدکاریوں میں زیادتی ہوتی رہے گی۔ ہر آیت کے نزول ہر معجزہ کے ظہور کے وقت ان کا انکار اور زیادہ بڑھ جاوے گا۔ ان کی حسد کی آگ اور بھی بھڑک جاوے گی۔ خیال رہے کہ حضور انور سے صرف ہدایت ہی ملتی ہے **انک لتهدی الی صراط مستقیم** مگر قرآن مجید سے ہدایت بھی ملتی ہے۔ گمراہی بھی **یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا** قرآن مجید کایا نہیں پلٹ سکتا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی کی کایا ہی پلٹ دیتے ہیں۔ فطرت بدل دیتے ہیں حتیٰ کہ حضور انور کا قرین یعنی ساتھ رہنے والا شیطان مسلمان ہو گیا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ ہے کایا پلٹ **والقینا بینهم العداوة والبغضاء الی یوم القیمة** یہ عبارت معطوف ہے **ولیزیدن** پر اس میں ان پر دنیاوی عذاب کا ذکر ہے۔ **بینهم** کا مرجع یہود ہیں۔ جن کا ذکر ابھی ہوا اور ہو سکتا ہے کہ یہود و عیسائی دونوں ہوں کہ کچھ پہلے ان دونوں کا ہی ذکر ہو چکا ہے **لا تتخذوا الیهود والنصری اولیاء** مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ عداوت دشمنی ہے اور اس دشمنی کا بقاء بغض ہے **الی یوم القیمة** سے مراد یا تو ہمیشگی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے میں تجھ سے قیامت تک نہ بولوں گا یا اس دنیاوی دشمنی جنگ و جدال کی انتہاء کا ذکر ہے۔ قیامت میں اور اس کے بعد

دوسری قسم کی دشمنی ہو گی یعنی اس پھٹکار کا عذاب یہ ہے کہ ہم نے یہود میں یا یہود و نصاریٰ دونوں میں دائمی دشمنی ڈال دی۔ چنانچہ یہود میں جبریہ' قدریہ' مرجیہ' مشبہہ فرقے موجود ہیں جو ایک دوسرے کو کافر کہتے رہتے ہیں۔ ان کی آپس میں دھول جوتی ہی رہتی ہے۔ یوں ہی عیسائیوں میں ملکانیہ' نسطوریہ' یعقوبیہ فرقے ہمیشہ لڑتے رہتے ہیں۔ ان میں خدائی کتاب الٰہی ہی مقرر نہیں جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں **فلما اوقدوا نارا للحرب اطفاها الله**۔ اس جملہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو یہود کے شر سے بچائے رکھنے کا وعدہ الٰہی ہے۔ **کلما** میں یا تو حضرات صحابہ کے زمانہ ہی کا ذکر ہے یا تاقیامت عرب میں پہلے دستور تھا کہ جب دو قوموں کی آپس میں جنگ ہونے والی ہوتی تو فریقین اپنے اپنے پہاڑوں یا اونچے مقامات پر آگ روشن کرتے تھے اسے نار حرب کہتے تھے یعنی جنگی آگ یہ گویا جنگ کا الٹی میٹم

ہوتا تھا وہ رواج تو جاتا رہا مگر یہ مثال قائم رہی کہ فلاں نے جنگ کی آگ بھڑکائی یعنی لڑائی کی کوشش کی وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا ہے (تفسیر روح المعانی) آگ بجھانے سے مراد ہے ان یہود کی کوششوں کو بیکار کر دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچالینا یعنی یہ یہود جب بھی مسلمانوں کے خلاف جنگی تدبیریں کرتے ہیں یا کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان تدبیروں میں ناکام کر دے گا۔ اسلام اور مسلمان ان کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ اس کا تجربہ پہلے بھی ہو چکا اور اب بھی ہو رہا ہے **والحمد للہ** ایک قول یہ ہے کہ اس میں ان کے دائمی عمل کا ذکر ہے۔ حضور سے پہلے اور آپ کی موجودگی میں آپ کے بعد ہر زمانہ میں چنانچہ جب یہود نے پہلی بار فساد پھیلایا تو ان پر فطرس رومی کو مسلط کر دیا۔ جس نے انہیں پیس کر رکھ دیا پھر فساد پھیلایا تو ان پر مجوس مسلط ہوئے پھر فساد پھیلایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر مسلط فرمادیا گیا اور انشاء اللہ آئندہ بھی ایسا ہی رہے گا۔ یہاں تک کہ قریب قیامت جناب عیسیٰ علیہ السلام و امام مہدی کے زمانہ میں فنا کر دیئے جائیں گے۔ انشاء اللہ **ویسعون فی الارض فسادا** یہ ان کے دوسرے فسادوں کا ذکر ہے یعنی یہود اپنی مسلسل ناکامیوں کے باوجود چین سے نہ بیٹھیں گے۔ فساد پھیلاتے ہی رہیں گے۔ دوسری قوموں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہیں گے۔ لہٰذا ان سے بے فکر نہ رہنا چاہیے **واللہ لا یحب المفسدین** اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا بلکہ ان کو سخت ناپسند کرتا ہے لہٰذا تمام یہود بہت مردود دین ہیں۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہود کی گستاخیوں پر مغموم و ملول نہ ہوں یہ تو ایسے بے لوب ہیں کہ بارگاہ الوہیت میں بھی گستاخیوں سے باز نہیں آتے چنانچہ یہ میرے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں وہ بخیل یا فقیر ہے نعوذ باللہ انہیں بد نصیبوں کے ہاتھ بندھ جائیں یہ ہی بخیل و فقیر رہیں یہ لوگ اپنی اس بکواس کی وجہ سے لعنتی ہو گئے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی اللہ کے دونوں دست کرم کشادہ ہیں ہر طرف ہر ایک کو بہت ہی عطا فرماتا ہے۔ اس کریم کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہے اپنی مخلوق پر خرچ فرماتا ہے کسی کو فقیر کسی کو امیر بناتا ہے۔ پھر ایک ہی کو کبھی فقیر کبھی امیر کرتا ہے اس میں اس کی لاکھوں مصلحتیں ہیں اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گستاخیوں پر ناراض نہ ہوں ان میں سے بہتوں کا یہ حال ہے کہ آپ کی کتاب آپ کے معجزات آپ کے فرمانوں سے ان بد نصیبوں کے کفر سرکشی میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے جس قدر آیات آتی ہیں اسی قدر کا یہ انکار و مذاق کرتے ہیں۔ جس سے ان کا کفر پر کفر بڑھتا رہتا ہے۔ ہم نے ان پر دنیا میں یہ عذاب بھیجا کہ ان کو فرقوں میں بانٹ دیا اور ان میں آپس میں عداوتیں۔ بغض قیامت تک ڈال دیئے کہ ان میں سے دو فرقے کبھی متفق ہو کر نہیں بیٹھ سکتے اتفاق و محبت اللہ کی رحمت ہے۔ جنت کی نعمت ہے فرماتا ہے **ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین** اور آپس کی دشمنیاں دوزخ کا عذاب ہے فرماتا ہے **کلما دخلت امۃ لعنت اختھا** اور آپ کے یا مسلمانوں کے مقابل یہ لوگ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکائیں گے کہ کفار کو آپ کے مقابل لائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں ناکام بنادے گا۔ آپ کو ان کی شر سے محفوظ رکھے

گا ہاں اتنا ضرور ہو گا کہ یہ ہمیشہ آپ کے خلاف فتنہ و فساد پھیلاتے رہیں گے۔ لہٰذا ہمیشہ مسلمان ان سے چوکنے رہیں یہ بڑے فسادی ہیں رب تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا اس کے نزدیک فسادی بدترین مجرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرما دیا۔ غزوہ احزاب اور غزوہ بنی نضیر وغیرہ جو حضور کے زمانہ میں ہوئے بعد میں جنگ قادسیہ و یرموک میں مسلمانوں کی فتوحات یہود کا خائب و خاسر ہونا۔ اس آیت کریمہ کی زندہ جاوید تفسیریں ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** گناہوں سے روزی گھٹتی ہے اور نیکیوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ روزی میں برکت دیتا ہے دیکھو اس زمانہ کے یہود پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی نحوست سے روزی تنگ ہو گئی۔ قرآن کریم نیکیوں اور استغفار کی برکتوں کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتا ہے۔ **یمددکم باموال وبنین۔** **دوسرا فائدہ** قوم میں سے ایک کا برا قول و فعل سب کا قول و فعل ہے اگر قوم اس پر مطلع ہو کر اسے منع نہ کرے۔ دیکھو یہ بکواس صرف فنخاص ابن عازورا نے کی تھی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **وقالت الیھود** یہ ہی حال اچھے اقوال و اعمال کا ہے کہ نیکی کرنا کرانا نیکی میں مدد کرنا اس سے خوش ہونا سب پر ثواب ہے۔ **تیسرا فائدہ** جس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام نہ ہو گا اس کے دل میں خدا تعالیٰ قرآن مجید فرشتوں وغیرہ کا ادب کبھی نہیں آسکتا۔ حضور کا ادب تمام آداب کی اصل ہے۔ دیکھو یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ تھے تو رب تعالیٰ کے بھی گستاخ ہو گئے اور رب کی شان میں وہ بکواس کر بیٹھے جو بدترین گمراہ و کافر بھی نہ کرے گا۔ **چوتھا فائدہ** انسان کبھی جوش غضب میں ایسی باتیں کہہ بیٹھتا ہے جو اس کے مذہب بلکہ اس کے ضمیر کے بھی خلاف ہوتی ہے۔ دیکھو یہود کا عقیدہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ بخیل یا فقیر ہے مگر ان کے منہ سے ایسی بکواس نکلی انسان کو اپنی زبان کی نگرانی و حفاظت چاہیے ایک لفظ سے آدمی مقبول ہو جاتا ہے اور ایک لفظ سے مردود۔ **پانچواں فائدہ** جس چیز کو رب تعالیٰ سے نسبت ہو جاوے اس کی بے ادبی کفر ہے۔ یہود نے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ سے نسبت دی۔ پھر اسے مغلول یعنی بندھا کہہ کر اس کی اہانت کی تو وہ لعنتی قرار دیئے گئے۔ یوں ہی جو شخص اللہ کے نبی اللہ کی کتاب اللہ کی مسجد۔ اللہ کے کعبہ کی شان میں بکواس کرے وہ بے دین و لعنتی ہے۔ **چھٹا فائدہ** اللہ تعالیٰ دنیا میں فرمانبردار بندوں کو بھی روزی دیتا ہے۔ نافرمانوں کو بھی یہاں کی عطا ہمارے اعمال پر موقوف نہیں یہ فائدہ **بل یداہ مبسوطتن** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ دونوں ہاتھوں سے مراد دوستوں کی طرف عطا کا ہاتھ ہے اور دشمنوں کی طرف دوسرے دست عطا کی توجہ مراد ہے اس کی اور بھی تفسیریں ہیں۔ **ساتواں فائدہ** رب تعالیٰ ہماری تعریف یا توہین سے بے نیاز ہے ہماری تعریف سے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہماری توہین کرنے سے اس کا کوئی نقصان نہیں مگر اس کا اثر خود ہم پر پڑتا ہے جو رب تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے وہ خود قابل تعریف ہو جاتا ہے۔ جو اس کی اہانت کرے وہ خود عیب دار ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہود نے کہا تھا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہیں۔ جو بات وہ میرے متعلق کہتے ہیں وہ خود اس سے متصف ہو جاتے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ** مطیع کو ثواب دینا اور مجرم کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر بذات خود واجب نہیں وہ مختار ہے اپنے اختیار سے

ثواب وعذاب دے گا یہی مذہب اہل سنت ہے یہ فائدہ **یخلق کیف یشاء** سے حاصل ہوا اس کے ذمہ کسی کو واجب بذاتہ ماننا اس کے دست کرم کو پابند ماننا ہے جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ (تفسیر کبیر) نواں فائدہ قرآن وحدیث سے اس کو ہدایت ملتی ہے جس کے دل میں ایمان کی حرارت ہو جو ازلی شقی ہے وہ ان سے نقصان اٹھاتا ہے یہ فائدہ **ولیزیدن کثیرا** الخ سے حاصل ہوا۔ سورج سے چمگادڑ کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔ سورج کا قصور نہیں اس کی اپنی آنکھ کا قصور ہے۔ دسواں فائدہ قوم میں عداوت وبغض ہونا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ **والقینا بینھم العدواۃ** الخ سے حاصل ہوا۔ یوں ہی قوم میں اتحاد واتفاق اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ گیارہواں فائدہ بعض گناہوں کی وجہ سے لوگوں میں نااتفاق پیدا ہوتی ہے۔ آپس میں عداوتیں بغض پھیلتے ہیں یہ فائدہ بھی **والقینا بینھم العدواۃ** الخ سے حاصل ہوا۔ کہ یہود کو بارگاہ الٰہی میں گستاخی کی وجہ سے عداوت وبغض کی سزا بھی ملی یوں ہی بعض نیکیوں کی وجہ سے اتفاق ومحبت پیدا ہوتی ہے جو شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت داہنا پاؤں دروازہ میں پہلے رکھا کرے۔ بسم اللہ شریف پڑھ کر داخل ہوا کرے اور گھر والوں کو سلام کیا کرے اگر گھر خالی ہو تو السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ لیا کرے۔ فجر کی سنتیں گھر پڑھ کر ۷۰ بار استغفار پڑھ لیا کرے تو انشاء اللہ گھر میں اتفاق روزی میں برکت رہے مجرب ہے۔ بارہواں فائدہ اللہ تعالیٰ پر وہ کام واجب نہیں جو بندوں کے لئے مفید ہو یہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ دیکھو قرآنی آیات ان یہود کے کفر وطغیان کا باعث تھیں۔ مگر رب تعالیٰ نے نازل فرمائیں (تفسیر کبیر) چمگادڑوں کی رعایت کے لئے سورج کو تاریک نہیں کیا جاتا۔ معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر وہ کام واجب ہیں جو بندوں کے لئے مفید ہوں دوسرے مقام پر فرماتا ہے **فزادتھم رجسا الی رجسھم** تیرہواں فائدہ انشاء اللہ یہود ونصاریٰ بلکہ تمام کفار کی اسلام دشمنی میں اسلام کے خلاف کوششیں بیکار رہیں گی۔ اسلام کا سورج چمکتا دمکتا رہے گا۔ یہ فائدہ **اطفاءھا اللہ** سے حاصل ہوا اب تک یہ ہی دیکھا جا رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ اسلام کے خلاف مسلمانوں کو مٹانے کے لئے صدہا کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ مسلمانوں کو بچالیتا ہے۔

پہلا اعتراض یہود اگرچہ کافر ہیں مگر ہیں تو اہل کتاب ان کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بخیل یا فقیر ہے پھر وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ان کی طرف اس کلام کی نسبت کیونکر درست ہے کہ **ید اللہ مغلولۃ** جواب تفسیر کبیر میں اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ وہ مسلمانوں پر طعنہ وطنز کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اسلام کے عقیدے میں مسلمانوں کا خدا فقیر ہے وہ بندوں سے قرض مانگ رہا ہے **من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا**۔ دوسرے یہ کہ جاہل یہودی اپنی غریبی تنگ دستی دیکھ کر یہ کہہ دیتے تھے اگرچہ یہ ان کا عقیدہ نہ تھا۔ جیسے اب بھی بعض جاہل لوگ خدا تعالیٰ کی شان رفیع میں گالیاں بک دیتے ہیں۔ مصیبت میں بہت گستاخیاں کرتے ہیں۔ فقیر کا خیال یہ ہے کہ یہود جیسی مردود قوم سے یہ گستاخیاں بعید نہیں جب وہ حضرات انبیاء کرام کو قتل کرنے سے نہ جھجکے تو اس قول سے کیا جھجکتے۔ جب دل میں

خوف خدا نہ رہے تو انسان شیطان سے بھی بدتر حرکتیں کر لیتا ہے۔ کونسی تکلیف ہے جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو نہ پہنچائی۔ دوسرا اعتراض **غلت ایدیھم** اگر بددعا ہے تو یہ رب کی شان کے خلاف ہے دعا بددعا کرنا۔ بندوں کا کام ہے نہ کہ رب تعالیٰ کا اور اگر یہ خبر ہے تو صحیح نہیں ہوئی۔ آج تک یہودی بڑے مالدار ہیں ان میں کوئی فقیر نہیں۔ **جواب** اس اعتراض کے جوابات تفسیر میں گزر گئے کہ رب تعالیٰ کی ان جیسی عبارتوں کا منشاء ہوتا ہے اظہار غضب نہ کہ حقیقتاً بددعا ہر زبان میں خصوصاً عربی میں غصہ و ناراضی ظاہر کرنے کے لئے بددعائیہ کلمات استعمال کرتے ہیں نیز اگر یہ خبر ہے تو بالکل حق ہے یہود سے بڑھ کر کوئی قوم کنجوس ذلیل فقیر نہیں۔ یہ لکھ پتی ہو کر بھی فقیر ہی رہتے ہیں۔ فقر و غنا دل کا ہوتا ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود کے ہاتھ باندھ کر انہیں دوزخ میں ڈالا جاوے گا یہ مابعد قیامت کی خبر ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا **لعنوا بما قالوا** یہود پر اس بکواس کی وجہ سے لعنت ہے تو کیا جن یہود نے یہ بکواس نہ کی ان پر رحمت ہے وہ تو سارے ہی لعنتی ہیں یہ بکواس کریں یا نہ کریں۔ رب فرماتا ہے **لعنۃ اللہ علی الکذبین** **جواب** اس بکواس کی لعنت تو صرف انہیں بکواس والوں پر ہے قتل انبیاء کی لعنت قاتلین پر اور کفر کی لعنت سارے یہود پر ہے ان پر بہت سی قسم کی لعنتیں ہیں۔ **چوتھا اعتراض** اللہ تعالیٰ تو ہاتھ پاؤں وغیرہ جسمانیات سے پاک ہے پھر اس کے دو ہاتھ کھلنے کے کیا معنی۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ہاتھ کی کشادگی سے مراد ہوتی ہے جود و سخا کرم نوازی ہاتھ کشادہ ہونے کا مطلب ہوتا ہے۔ بہت ہی سخاوت و کرم کہ ہر وقت ہر طرف اس کی بخششیں جاری ہوں دوست پر دشمن پر بھی ہماری اردو میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث و معجزات ہی کفار کا کفر بڑھاتے ہیں۔ یہ چیزیں تو ایمان ملنے کا ذریعہ ہیں نیز کفر تو بسیط چیز ہے اس میں زیادتی کمی کیسی۔ **جواب** یہ مذکورہ نعمتیں ایمان ہی کا ذریعہ ہیں مگر وہ اپنی قلبی بیماری کی وجہ سے ان کے انکار سے اپنے کفر میں اور زیادتی کر لیتے ہیں جیسے اعلیٰ غذا بیمار کی بیماری میں اضافہ کر دیتی ہے۔ بارش سے بعض گھاسیں جل جاتی ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم ہدایت بھی دیتا ہے اور حضور بھی مگر حضور ہدایت ایمان دیتے ہیں اور قرآن ایمان یافتہ کو ہدایت اعمال دیتا ہے ہدایت رسول تخم ہے جو انسان کے سینہ میں بویا جاتا ہے۔ ہدایت قرآن بارش ہے بارش بوئے ہوئے تخم کو اگا دیتی ہے مگر تخم کو تبدیل نہیں کر سکتی جس کے سینہ میں ہدایت کا تخم ہو ہی نہیں اسے قرآن اعمال کی ہدایت کیسے دے نیز کفر میں کیفیت کی زیادتی کمی ہو سکتی ہے۔ مقدار و کمیت کی نہیں کوئی شخص آدھا یا پاؤ کافر نہیں جو بھی ہے پورا ہی کافر ہے ہاں بعض ہلکے کافر ہیں بعض سخت کافر۔ **چھٹا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ یہود کی آپس میں سخت عداوت تاقیامت رہے گی مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **بعضھم اولیاء بعض** نیز آج ان کی آپس میں بڑی محبت و میل جول دیکھا جا رہا ہے۔ پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب** اس کا جواب پچھلی آیات کی تفسیر میں گزر گیا کہ ان کا آپس میں بہت ہی ڈھول جوتا ہے کبھی اتفاق ہوتا ہے تو ظاہری سیاسی نہ کہ حقیقی محبت اسے اتفاق نہیں کہتے۔ سیاسی گٹھ جوڑ کہتے ہیں نیز وہ مسلمانوں کے مقابل متحد ہو جاتے ان کے دل آپس

میں پھٹے ہوئے ہیں اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى** **ساتواں اعتراض** اگر آپس کی نااتفاقی رب کی لعنت و پھٹکار ہے تو مسلمان بھی اسی زد میں آجاتے ہیں مسلم قوم میں بھی بہت سی نااتفاقیاں فرقہ بندیاں ہیں۔ **جواب** اس کا جواب بھی پچھلی آیات کی تفسیر میں گزر گیا کہ مسلمانوں کی یہ نااتفاقیاں ظاہری اور عارضی ہیں یہ لوگ خدا کی ذات و صفات، نبی، کعبہ، قرآن وغیرہا میں متفق ہیں ان میں تو ابھی یہ بھی معین نہیں کہ نبی بندے ہیں یا خدا کتاب ایک ہے یا چند یہ لوگ مرے بعد بھی ایک نہیں ہم نے یہود کو دیکھا نہیں نہ ان کے موجودہ حالات سے خبردار ہیں اور غریب و امیر عیسائیوں کو وھول جوتی دن رات دیکھ رہے ہیں کہ ان میں دیسی اور ولایتی عیسائیوں اور غریب و امیر عیسائیوں میں اتحاد نہیں ان سب کے قبرستان اور گرجے تک الگ ہیں اس سے بدتر حال یہود کا ہوگا قرآن سچا ہے جو خبر دے رہا ہے حق دے رہا ہے ہم کو پتہ لگے یا نہ لگے۔ مسلمانوں میں آپس میں کیسی ہی مخالفتیں ہوں مگر ہر مسلمان نماز ختم کرنے پر تمام مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کرتا ہے **رب اغفرلی ولوالدی ولجميع المسلمين** ہر ایصال ثواب کے موقع پر سارے مسلمانوں کو ثواب بخشتا ہے قبرستان میں جا کر تمام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت سب کو ایصال ثواب کرتا ہے نیز مسلمانوں میں لڑائیاں شیطان ڈلواتا ہے۔ یہود کی یہ لڑائیاں خود رب تعالیٰ نے بطور عذاب ڈالیں نیز مسلمانوں کی آپس کی لڑائیاں انشاء اللہ رحمت بن جائیں گی کہ ان سے جو دلی تکلیف پہنچتی ہے وہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ کفار کی لڑائیاں عذاب ہیں۔ جیسے طاعون کی بیماری اہل کتاب کے لئے عذاب تھی مسلمانوں کے لئے رحمت اس لئے رب تعالیٰ نے حضور انور کی دو دعائیں قبول فرمالیں مسخ وغیرہ کا عذاب نہ آنا کسی قوم کا مسلمانوں کو تباہ نہ کر سکنا مگر تیسری دعا قبول نہ فرمائی یعنی آپس میں عداوت نہ ہونا۔ **آٹھواں اعتراض** اس آیت میں وعدہ ہے کہ رب تعالیٰ یہود و کفار کی بھڑکائی ہوئی جنگی آگ بجھاوے گا مگر اکثر مسلمانوں کی جنگیں کفار سے رہتی ہیں اور کبھی مسلمانوں کو شکست بھی ہو جاتی ہے۔ پھر یہ وعدہ کیونکر پورا ہوا۔ **جواب** کفار کا ارادہ یہ رہتا ہے کہ دنیا سے اسلام اور مسلمانوں کو مٹا دیں مگر ہمیشہ اس میں ناکام رہتے ہیں آگ بجھا دینے کا یہی مقصد ہے وہ چاہتے ہیں کہ سارے کفار جمع ہو کر مسلمانوں پر بلہ بول دیں مگر اکثر تو اس میں کامیاب نہیں ہوتے اگر کبھی ایسی جنگ ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عظیم عطا فرماتا ہے دیکھو غزوہ احزاب میں کیا ہوا اور اس سال چھ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے غافل پاکستانیوں پر کیسا زبردست اچانک بے خبری میں حملہ کیا اور رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے کیسا بچایا کہ ان کے چھ سو ٹینک سوا سو ہوائی جہاز تباہ ہوئے بے شمار سامان جنگ مسلمانوں کے ہاتھ لگا قریباً بارہ ہزار کفار فوجی مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے اور اللہ نے پاکستانی مسلمانوں کو فتح عظیم عطا فرمائی یہ ہے اس آیت کریمہ کی جیتی جاگتی آنکھوں دیکھی تفسیر اللہ سچا ہے اس کے وعدے برحق۔

تفسیر صوفیانہ انسان کا دل اعلیٰ زمین کی طرح ہے اعلیٰ زمین میں اگر اچھا تخم بو دیا جاوے تو اچھے پھول پھل پیدا ہوتے ہیں ورنہ اسی زمین سے درخت خاردار زہریلی گھاس پھوس اگتی ہے بلکہ ایسی چھوٹی ہوئی زمین میں سانپ بچھو کیڑے مکوڑے

اپنے گھر بنا لیتے ہیں یوں ہی اگر انسان کے دل میں کوئی اللہ والا ایمان و عرفان وغیرہ کے تخم بودے اور اس پر عنایت کی ہوائیں رحمت کے پانی ملتے رہیں تو اس میں ایسے پھول پھل پیدا ہوتے ہیں جو فرشتوں کو میسر نہیں ورنہ اس دل میں کفر عناد' حسد' کینہ' پرورش پاتے ہیں۔ علماء یہود کے دلوں پر اللہ والوں کی نگاہ نہ پڑی تو وہ بارگاہ الٰہی میں بھی گستاخ ہو گئے اور لعنت الٰہی کے مستحق ہوئے۔ چونکہ ان دلوں میں تخم اچھا نہ تھا تو قرآن و حدیث کے پانی سے وہاں کفر و عناد و طغیان کی ہی پیداوار ہوئی چنانچہ نب ان کے کام یہ ہی رہ گئے کہ جنگ کی آگ بھڑکاتے فساد پھیلاتے پھریں اور رب تعالیٰ ان کی کوششیں بیکار کرتا ہے۔ شعر:۔

☆ در زمین گر شکر در نے است ☆ ترجمان ہر دے است ☆

مگر کفر و عناد کا چراغ رحمت کی ہوا کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ آں چراغ لوبہ پیش صرصرم ☆ خوچہ باشد اے سمیں پیغمبرم ☆

صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں انسان تین قسم کے ہیں۔ عاقل' غافل' جاہل' عاقل رب کی نعمت پاکر شاکر بن جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ نعمت میرے کمال سے نہیں عطاء ذوالجلال سے ہے اور مصیبت پر صابر ہو جاتا ہے وہ یقین کرتا ہے کہ مجھ سے کچھ گناہ ہوئے ہیں اس لئے یہ آفت آئی توبہ اور عبادات کرکے رب کو راضی کرلیتا ہے غافل یہاں کی آفتوں میں اسباب پر نظر کرتا ہے اور اسباب کی طرف دوڑتا ہے۔ ٹھنڈی ہوا' موسم کی تبدیلی یا فلاں وجہ سے یہ بیماریاں یا خسارے آئے رجوع الی اللہ نہیں کرتا۔ جاہل راحتوں کو اپنے کمال کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ آفتوں کو رب تعالیٰ کا ظلم کہتا ہے اور زیادہ کافر ہو جاتا ہے یہ یہودی جاہل تھے مال کم ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کے بے ادب بن گئے اور زیادہ غضب لعنت کے مستحق ہوئے۔ بزرگوں کے پاس حاضری اس لئے دی جاتی ہے کہ دل کی غفلت دور ہو۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْ

اور اگر تحقیق کتاب والے ایمان قبول کر لیتے اور پرہیزگار ہو جاتے البتہ مٹا دیتے ہم ان سے گناہ ان کے اور

اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ اتار دیتے اور ضرور

خَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ

البتہ داخل کرتے ہم ان کو نعمت کے باغوں میں اور اگر تحقیق وہ قائم کرتے توریت کو اور انجیل کو اور اس کو

انہیں چین کے باغوں میں لے جاتے اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل اور

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

جو اتارا گیا طرف ان کے رب کی طرف سے ان کے تو البتہ کھاتے وہ اوپر سے اپنے اور

جو کچھ ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا تو انہیں رزق ملتا اوپر سے

أَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾

نیچے سے پاؤں اپنے کے ان میں سے ایک جماعت ہے درمیانی رو اور بہت سے ان میں سے برے ہیں وہ کام جو وہ کرتے ہیں
اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ان میں کوئی گروہ اعتدال پر ہے اور ان میں اکثر بہت ہی برے کام کر رہے ہیں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں یہود کے ان عیوب کا ذکر تھا جو ان پر لعنت و پھٹکار کا باعث بنے یعنی بارگاہ الوہیت میں گستاخی اب انہیں وہ چیز بتائی جا رہی ہے جو ان کے لئے رحمت الٰہی ملنے کے ذریعہ ہو۔ ایمان و تقویٰ گویا دل کے میل کے بعد اس کے صابن کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود پر لعنت و غضب کا ذکر ہوا اب اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا ذکر ہے کہ ان گناہوں کے باوجود اگر اب بھی توبہ کر لیں تو ہم سب کچھ معاف کر دیں گے گویا گناہوں کے بعد ان کے کفارہ کا ذکر ہے کہ یعنی یہود اپنی حماقت سے ہم کو فقیر یا بخیل کہتے ہیں ذرا ایمان لا کر ہمارا کرم ہماری بندہ نوازی کی شان دیکھ لیں جھولی پھیلائیں پھر دیکھیں ہم کیا دیتے ہیں کتنا دیتے ہیں کیسے دیتے ہم سے لینے کا ذریعہ یہ نہیں ہے کہ ہم کو بخیل وغیرہ کہو بلکہ ہم سے لینے کا ذریعہ ہے ہمارے دروازے پر بھکاری یعنی مومن بن کر آ جاؤ۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہود کے لئے قرآن و معجزات زیادتی کفر کا باعث ہیں کیونکہ ان کے پاس ایمان نہیں ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر یہ ایمان قبول کر لیں تو ان کے لئے ان کے سارے گناہ بھی وبال کا ذریعہ نہ بن سکیں گے گویا پہلے ضبطی اعمال کے اسباب کا ذکر ہوا تھا اب معافی سیئات کا ذکر ہے۔ ضبط و عفو میں سے ضبط کے بعد عفو کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کے آپس کی عداوت و بغض کا ذکر ہوا کہ یہ لوگ تا قیامت بکھرے رہیں گے اب اس ایمان و تقویٰ کا حکم ہے جو ان بکھروں کو ملانے والا ہے گویا بکھیرنے والے کفر کا ذکر پہلے تھا۔ بکھروں کو جمع کر دینے والے ایمان کا ذکر اب ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کی جنگوں کو حرب اور فساد فرمایا گیا اور ان کی ناکامیابیوں کی پیشگوئی کی گئی۔ اب انہیں ایمان تقویٰ توریت قائم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جس کے بعد ان کی جنگیں جو کفار سے ہوں وہ بجائے فساد کے جہاد بن جاویں اور بجائے حرب کے قرب الٰہی ہو جاویں جو چیز ایمان و تقویٰ کے بغیر ہے وہ فساد ہے نفسانی ہے جو ایمان کے ماتحت ہو وہ جہاد ہے رحمانی ہے۔

☆ عقل زیر حکم دل رحمانی است ☆ چوں دل آزاد شد شیطانی است ☆

تفسیر ولو ان اهل الكتب امنوا واتقوا۔ لو حرف شرط ہے مگر اس میں تعلیق بھی ہوتی ہے اور ترغیب بھی اور اس شرط و جزا کی نفی کی خبر بھی اور اس پر حسرت دلانا بھی ان وغیرہ میں صرف تعلیق ہوتی باقی چیزیں نہیں ہوتیں یہاں لو فرمانا عجیب حکمتوں پر مبنی ہے۔ تعلیق سے تو یہ بتایا کہ رحمت الٰہی حاصل کرنے کے لئے اب صرف ایک دروازہ ہے۔ دروازہ محمد رسول اللہ باقی سارے دروازے بند ہو چکے فقیر داتا کے مکان کی چھت وغیرہ پر نہیں جاتا بلکہ دروازہ سے بھیک مانگتا ہے

یوں ہی ساری مخلوق حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور رب سے بھیک مانگے کہ اب ایمان صرف وہاں سے ملتا ہے۔ ترغیب ہے یہ بتایا کہ یہودیو اگرچہ تمہارے گناہ بہت زیادہ ہیں مگر میری رحمت تمہارے گناہوں سے بڑی وسیع ہے اب بھی بندے بن جاؤ۔ سب معاف فرمادیں گے۔ اہل کتاب سے مراد یا تو یہود ہیں کیونکہ اس سے پہلے انہیں کا ذکر ہوا یا یہودی عیسائی دونوں کیونکہ اگلی آیت میں توریت و انجیل دونوں کا ذکر ہے دوسری توجیہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ تمام اہل کتاب کو تبلیغ مقصود ہے چونکہ اہل کتاب عرب خصوصاً اطراف مدینہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ان کے مسلمان ہو جانے پر دوسرے کفار کے ایمان کی امید قوی تھی نیز اہل کتاب کو مسلمان ہونے پر ڈبل ثواب ملتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے نیز اہل کتاب ہی بڑے مجرم پرانے پاپی تھے اس لئے یہاں خصوصیت سے ان کا ذکر فرما کر انہیں دعوت اسلام دی گئی ورنہ جو کافر بھی مسلمان ہو جاوے اس پر یہ ہی رحمتیں ہیں۔ **امنوا** سے مراد یا تو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ایمان لانا ہے یا خود توریت و انجیل پر ہی صحیح ایمان لانا مراد کیونکہ اسلام کے انکار کرنے والا صحیح معنوں میں توریت و انجیل پر ایمان نہیں رکھتا۔ ایمان میں سارے عقائد اسلامیہ کا اجمالی ذکر ہے۔ **تقویٰ** سے مراد نیک اعمال ہیں خواہ عبادات ہوں یا معاملات خواہ اخلاقیات ہوں یا سیاسیات چونکہ ایمان اعمال سے پہلے ہے اس لئے ایمان کا ذکر تقویٰ سے پہلے ہوا نیز منافقین کا ایمان لانا تقویٰ کے لئے نہ تھا بلکہ دھوکہ دینے کو تھا اس لئے ایمان کو تقویٰ سے ملایا گیا۔ گویا تقویٰ میں اخلاق کی طرف اشارہ ہے (تفسیر کبیر) **لکفرنا عنهم سیاتهم** رب تعالیٰ نے ایمان تقویٰ کے فائدے دو قسم کے بیان فرمائے اخروی اور دنیاوی اخروی فائدے دو طرح کے ہیں۔ دفع نقصان، عطاء رحمت رحمان اس عبارت میں دفع نقصان کا ذکر ہے اور اگلی عبارت میں عطاء رحمت کا اور دنیاوی فائدے کا ذکر اگلی آیت میں ہے **کفرنا** بنا ہے تکفیر سے جس کا مادہ ہے کفر۔ معنی چھپانا یا مٹانا **سیات** سے مراد یہود کے سارے پچھلے گناہ ہیں جو انہوں نے کفر کے زمانہ میں کئے وہ اگرچہ لاکھوں ہیں مگر انہیں جمع قلت فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ وہ تمام کے تمام رحمت الٰہی کے مقابل بہت تھوڑے ہیں (روح المعانی) **شعر:**

☆ ما ایم بہ گناہ تو دریاء رحمتی ☆
☆ آنجا کہ فضل تست چہ باشد گناہ ما ☆
☆ گنہ رضا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا ☆
☆ مگر اے غفور ترے عفو کا تو حساب ہے نہ شمار ہے! ☆

اس کی رحمت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کو پلک جھپکتے پاک فرمادیتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں سیات گناہ کبیرہ کے مقابل نہیں فرمایا گیا کہ اس سے گناہ صغیرہ مراد ہوں بلکہ مطلقاً گناہ کے معنی میں ہے۔ خواہ جسمانی گناہ ہوں یا جنانی چھوٹے یا بڑے ہاں حقوق العباد اس سے خارج ہیں کہ ایمان لانے سے وہ معاف نہیں ہو جاتے۔ مقروض کافر مومن

ہونے کے بعد قرض ضرور ادا کرے گا۔ **ولا دخلنھم جنت النعیم** اس عبارت میں دوسرے اخروی فائدہ کا ذکر ہے یعنی عطاء رحمت رحمانی۔ جنات جمع ہے جنت کی۔ معنی گھنا باغ جس کی زمین سبزہ درختوں سے ڈھکی ہو نعیم۔ معنی نعمت الٰہی جو وہاں ہیں علاوہ اس سبزہ وغیرہ کے حضرت مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ **جنات نعیم** جنت الفردوس اور جنت عدن کے درمیان ہے۔ وہاں کی حوریں جنت کے گلاب سے پیدا کی گئی ہیں۔ کسی نے پوچھا وہاں کون جاوے گا فرمایا خصوصاً وہ مومن جو گناہ کرنے لگیں اور ہیبت خداوندی کی وجہ سے باز آجاویں (تفسیر روح المعانی) **ولو انھم اقاموا التورۃ الانجیل** اس جملہ میں ایمان کے دنیاوی فائدہ کا ذکر ہے **ھم** کا مرجع وہ ہی اہل کتاب ہیں جن کا ذکر ابھی پچھلی آیات میں ہوا قائم کرنے کے معنی ہوتے ہیں درست کرنا سیدھا رکھنا **اقیموا الصلوۃ** کے معنی ہیں نماز درست کرو ہمیشہ پڑھتے رہو۔ یہاں قائم کرنے سے مراد ہے۔ ان کتابوں کے حقوق ادا کرنا صحیح طور پر انہیں ماننا توریت و انجیل قائم کرنے سے مراد ہے اس کے عقائد اور غیر منسوخ احکام پر عمل کرنا جس کی جان ہے۔ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا توریت و انجیل میں جس کا تاکیدی حکم تھا کیونکہ منسوخ آیات پر عمل کرنا ممنوع ہے توریت و انجیل میں تنسیخ و مسخ ہو چکا۔ قرآن کریم کی منسوخ آیات پر عمل نہیں ہوتا۔ جیسے عدت وفات ایک سال ہونا۔ مرتے وقت ماں باپ وغیرہ وارثوں کے لئے وصیت کا واجب ہونا۔ کفار پر جہاد نہ کرنا ان سے چشم پوشی ہی کرنا کہ ان احکام کی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں مگر ان پر عمل نہیں ان کی ناسخ آیات و احادیث پر عمل ہے لہٰذا یہ آیت بالکل واضح ہے **وما انزل الھیم من ربھم** یہ عبارت معطوف ہے۔ **التورۃ والانجیل** پر **ما انزل** سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ یہ سارے جہان کے لئے آیا ان کی ہدایت کے لئے آیا جس میں یہود بھی داخل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کتاب شعیاء کتاب خرقیل کتاب حقوق اور کتاب دانیال علیہم السلام ہوں کیونکہ ان تمام کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں اور آپ پر ایمان لانے کے احکام تھے اکثر مفسرین نے یہ تفسیر اختیار کی یعنی اگر یہودی عیسائی توریت و انجیل اور دوسری کتب انبیاء کی بتائی ہوئی راہ اختیار کرتے تو **لا کلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم** یہ اس دوسرے لو کی جزا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے اور ایمان کے دنیاوی فائدہ کا ذکر ہے **اکل** سے مراد صرف کھانا نہیں بلکہ اللہ کی نعمتوں کا پانا انہیں استعمال کرنا مراد ہے جیسے **لا تاکلوا الربوا** کے معنی یہ نہیں کہ سود کھاؤ مت اسے اور طرح استعمال کر لو بلکہ مطلقاً تو ہی نہیں **اکلوا** کا فاعل وہ ہی یہود و اہل کتاب ہیں جو اس وقت یک دم تنگ دست ہو گئے تھے اور اس تنگ دستی میں گھبرا کر کہہ اٹھے تھے کہ اللہ کے ہاتھ بندھ گئے اب وہ عطا نہیں کرتا اوپر اور نیچے کی طرف سے کھانے کی بہت تفسیریں ہیں (۱) آسمان سے بروقت بارشیں ہوتیں۔ زمین سے اچھی پیداوار حاصل ہوتی۔ (۲) درختوں سے بہت پھل حاصل ہوتے زمین سے بہت دانے ملتے۔ (۳) درختوں کے اوپر سے پھل توڑ کر کھاتے درختوں کے نیچے سے گرے ہوئے پھل چن کر کھاتے (۴) سلاطین و بادشاہوں کی طرف سے انہیں عطیے ملتے اپنے ماتحتوں کی طرف سے نذرانے وصول ہوتے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لفتحنا علیھم**

برکٰت من السماء والارض (۵) اوپر نیچے سے کھانے سے مراد بہت کثرت سے نعمتیں ملنا ہیں جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص سر سے پاؤں تک نعمتوں میں ہے (تفسیر کبیر و خازن و معانی وغیرہ) **منہم امۃ مقتصدۃ** یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں اس زمانہ کے یہود و نصاریٰ کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ **منہم** خبر مقدم ہے **امۃ** الخ مبتداء موخر **ھم** کا مرجع اہل کتاب ہیں یعنی یہود و نصاریٰ امت کے معانی اس کے اقسام بارہا بیان ہو چکے **مقتصدۃ** بنا ہے قصد سے ۔ معنی درمیانی حالت ارادہ کو قصد اس واسطے کہتے ہیں کہ منزل کا ارادہ کرنے والا درمیانی راہ چلتا ہے۔ دائیں بائیں سے بچتا ہے۔ اسی سے ہے **واقصد فی مشیک** اور **منہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد** اور **سفرا قاصدا** یہاں مقتصد سے وہ لوگ مراد ہیں جو یہود کی تفریط عیسائیوں کی افراط سے بچے رہے اور اسلام لے آئے جیسے یہود میں حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی عیسائیوں میں اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم اجمعین یعنی ان اہل کتاب میں بعض لوگ درمیانہ رو مومن و مسلمان ہیں **وکثیر منہم ساء ما یعملون** یہ عبارت پہلے جملہ **منہم** الخ پر معطوف ہے چونکہ ان میں اسلام قبول کرنے والے تھوڑے تھے کفر پر اڑے رہنے والے بہت زیادہ اس لئے یہاں کثیر ارشاد ہوا **ما** مصدریہ ہے اور **ما یعملون ساء** کا فاعل ہے۔ مخصوص بالذم پوشیدہ ہے یعنی ان میں سے بہت لوگوں کے اعمال بہت ہی برے ہیں عمل سے مراد دل کے عمل بھی ہیں کفر عناد حسد دشمنی اور ظاہری جسمانی اعمال بھی۔

خلاصہ تفسیر ان دونوں آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے تین شرطوں پر تین وعدے فرمائے ہیں دو وعدوں کا تعلق آخرت سے ہے اور ایک وعدے کا تعلق دنیا سے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگرچہ بنی اسرائیل نے گزشتہ اور موجودہ زمانوں میں بہت ہی سخت جرم کئے بلکہ ان کے جرموں کا سلسلہ نہ بند ہوا اور وہ سلسلہ اب بھی جوں کا توں ہی جاری ہے مگر ہم غفور رحیم ارحم الراحمین ہیں اب بھی ہم آپ کی معرفت اے محبوب ان سے وعدے کرتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اس قدر حرکتوں کے باوجود آپ پر ایمان لے آویں اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں کہ گزشتہ سے توبہ کریں آئندہ کے لئے پاکیزہ زندگی گزارنے کا عہد کریں تو ہم ان کے سارے چھوٹے بڑے گناہ معاف فرمادیں گے خواہ پرانے ہوں یا نئے اور ان کو جنت نعیم میں داخل فرمائیں گے اور اگر اب بھی یہ لوگ توریت و انجیل اور تمام کتب آسمانیہ کو قائم کرلیں کہ ان کی ہدایت کے موافق آپ پر ایمان لے آویں تو ہم ان کی روزی میں بہت ہی دنیاوی برکتیں دیں گے کہ وہ اوپر کی طرف سے یعنی میوہ دار درختوں کے پھل کھائیں اور نیچے کی طرف سے یعنی کھیتوں سے ہر قسم کے دانے کھائیں ہاں ان میں اب بھی ایک میانہ روی کرنے والی جماعت موجود ہے۔ جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی یہود سے اور نجاشی بادشاہ حبشہ اور ان کے ساتھی عیسائیوں میں سے مگر ان یہود و نصاریٰ میں اکثر لوگوں کے اعمال بہت ہی برے ہیں۔ جن کی پاداش میں ان پر یہ وبال آرہے ہیں (۲) یہ یہود جو ہمارے دین اسلام پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں اپنے اعمال کو نہیں دیکھتے اگر یہ لوگ گزشتہ زمانہ میں صحیح معنی میں ایمان لے آئے ہوتے اور انہوں نے تقویٰ و طہارت اختیار کیا ہوتا تو ان پر یہ وبال کاہے کو

آتے ہم انکو عذاب دینے کے بجائے ان کے سارے گناہ بخش دیتے اور انہیں جنات نعیم میں داخل فرماتے اور اگر یہ گزشتہ زمانہ میں توریت وانجیل وغیرہ کی تعلیمات پر عمل کرتے انہیں قائم رکھتے توانہیں اتنی برکتیں ملتیں کہ ہر طرف سے انہیں روزی ہی روزی ملتی مگر انہوں نے بدکاریوں کی وجہ سے اپنے رزق خود گھٹائے ہاں یہ سارے ہی خراب نہیں ان میں کچھ لوگ میانہ رو بھی رہے۔ مگر اکثر کے اعمال خراب ہی رہے اسی وجہ سے ان پر عذاب آتے رہے۔

فائدے ان دونوں آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ساری کتابوں سارے نبیوں پر ایمان ہے حضور کا انکار ان تمام کا انکار ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت گویا سو کا عدد ہے جس میں ساری اکائیاں دہائیاں آجاتی ہیں یا حاصل جمع ہے جس میں جمع کے سارے اعداد داخل ہیں یہ فائدہ **ولو ان اہل الکتب امنوا** الخ سے حاصل ہوا دیکھو اہل کتاب اپنی کتابوں اپنے نبیوں پر ایمان لانے کے مدعی ہیں مگر رب نے ان کے ایمان کو معدوم قرار دیا۔ **دوسرا فائدہ** تقویٰ و پرہیزگاری کا درجہ ایمان کے بعد ہے بغیر ایمان اختیار کیے کیسے ہی نیک اعمال اختیار کرو تقویٰ میسر نہیں یہ فائدہ اس سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے تقویٰ کا ذکر ایمان کے بعد کیا اب عیسائی یہودی لاکھ نیکیاں کریں۔ تعلیم کے مدرسے شفا کے لئے ہسپتال قائم کریں یتیموں غریبوں کی مدد کریں مگر متقی نہیں کیونکہ مومن نہیں جب درخت کی جڑ کٹ جاوے تو شاخوں کو پانی دینے سے ہرا بھرے کیسے رہے۔ **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہم تمام کے گناہوں سے کہیں زیادہ ہیں یہ فائدہ **لکفرنا عنہم** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کے بدترین جرم بیان فرما کر انہیں ایمان و تقویٰ کی دعوت دی اور ان سے بخشش ہی نہیں بلکہ دخول جنت کا وعدہ فرمایا بڑے سے بڑا مجرم بھی اس کے کرم سے مایوس نہ ہو۔ **چوتھا فائدہ** منسوخ کتابوں کے عقائد منسوخ نہیں ہوتے صرف احکام منسوخ ہوتے ہیں ان کے بتائے ہوئے عقائد اختیار کرنا ہمیشہ ضروری ہیں۔ بشرطیکہ وہ آیات صحیح ہوں بناوٹی نہ ہوں یہ فائدہ **ولو انہم اقاموا التورة** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** ایمان و نیک اعمال کی برکت سے رزق میں برکتیں نصیب ہوتی ہیں اس سے بروقت بارشیں آتی ہیں۔ پیداوار زیادہ ہوتی ہے یہ فائدہ **لا کلوا من فوقہم** الخ سے حاصل ہوا۔

لطیفہ آج کل بعض سرپھرے انسان کی بڑھتی ہوئی پیداوار سے بہت خائف ہیں وہ رزق کی تنگی سے بچنے کے لئے نسل کشی یا اولاد کی پیداوار روکنے پر بہت زور دے رہے ہیں۔ حالانکہ جو روحیں آنے والی ہیں وہ آکر ہی رہیں گی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ عزل کرنا بیکار ہے کسی روح کی آمد ہماری کوشش سے نہیں رک سکتی۔ رزق کی کشائش کے لئے تقویٰ عبادت استغفار اختیار کرنا چاہیے یہ حضرات **لا کلوا من فوقہم** جیسے خداوندی وعدوں کو غور سے پڑھیں قرآن کریم نے کہیں خاندانی منصوبہ بندی یا برتھ کنٹرول کو رزق کی تنگی کا علاج قرار نہ دیا قرآن مجید استغفار کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ **یرسل السماء علیکم مدرارا** الخ **چھٹا فائدہ** جب قوم میں گناہ زیادہ ہو جاویں بدکاریاں بہت پھیل جاویں تو ان پر عذاب آسکتا ہے اگرچہ ان میں بعض نیک لوگ بھی ہوں جیسا کہ **منہم امة مقتصدة** کی ایک تفسیر سے

حاصل ہوا۔ کبھی نیکوں کے طفیل بدکار عذاب سے بچ جاتے ہیں کبھی بدکاروں کی شامت سے نیک کاروں کو مصیبت پڑ جاتی ہے۔ یہ قاعدہ بہت یاد رکھنا چاہیے۔ ساتواں فائدہ ایمان و تقویٰ کی برکت سے گزشتہ زمانہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر انسانی حقوق معاف نہیں ہوتے یہ فائدہ **سیاتھم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حقوق العباد کی معافی کا وعدہ نہیں فرمایا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ایمان و تقویٰ کی برکت سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتے کیونکہ یہاں **سیاتھم** فرمایا گیا قرآن مجید کی اصطلاح میں سیات گناہ صغیرہ کو کہتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم** دیکھو یہاں سیات کبائر کے مقابل ارشاد ہوا۔ **جواب** جب لفظ سیات کبائر سے مل کر آوے تب گناہ صغیرہ کے معنی میں ہوگا ورنہ مطلقاً گناہ کے معنی میں تمہاری پیش کردہ آیت میں کبائر کے ساتھ آیا۔ ہے اور یہاں ایمان و تقویٰ کے ساتھ ایمان و تقویٰ کفر کے زمانہ کے سارے گناہ مٹا دیتا ہے صغیرہ ہوں یا کبیرہ جب ایمان کی برکت سے شرک و بت پرستی ہی مٹ جاتی ہے جو **اکبر الکبائر** ہے تو دوسرے گناہوں کا کیا پوچھنا۔ **دوسرا اعتراض** سیات جمع قلت ہے جو نو تک بولی جاتی ہے تو چاہیے کہ ایمان و تقویٰ سے کافر کے گزشتہ زمانہ کفر کے صرف نو گناہ معاف ہوں باقی ویسے ہی باقی رہیں حالانکہ ایمان کی برکت سے کفر کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ **جواب** اس اعتراض کے جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ یہاں جمع قلت تحدید کے لئے نہیں بلکہ تقلیل و کمی کے لئے ہے اور کمی بمقابلہ رحمت الٰہی ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ بندوں کے گناہ کیسے ہی ہوں کتنے ہی ہوں مگر اللہ کی رحمت سے بہت ہی کم ہیں انہیں معاف فرما دینا اشارہ کرم کی بات ہے۔ **تیسرا اعتراض** توریت و انجیل اور تمام آسمانی کتب منسوخ شدہ ہیں پھر ان پر عمل کرنا انہیں قائم رکھنا اس کے کیا معنی اب تو وہ ناقابل عمل ہیں پھر کیوں فرمایا گیا کہ **اقاموا التورۃ والانجیل** **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کریمہ میں گزشتہ زمانہ کا ذکر ہے جبکہ یہ کتب منسوخ نہ ہوئی تھیں اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان اہل کتاب نے اپنے اپنے زمانوں میں توریت انجیل قائم رکھی ہوتی اسے تبدیل و مسخ نہ کرتے ان پر عمل پیرا رہتے تو ان پر عذاب نہ آتے بلکہ برکتیں نازل ہوتیں۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ کا ذکر ہے اور توریت و انجیل قائم رکھنے سے مراد ان کے پیش فرمودہ عقائد اختیار کرنا ہیں ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم بھی ہے کسی کتاب کے منسوخ ہونے سے اس کے صرف احکام منسوخ ہوتے ہیں عقائد جوں کے توں باقی رہتے ہیں **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب نے کتاب پر عمل نہ کیا اس لئے ان پر کھانے پینے کی برکتیں نازل نہ ہوئیں۔ حالانکہ اہل کتاب اب بھی بڑے عیش و آرام میں ہیں ان کے رزق میں برکتیں بیان سے باہر ہیں آج دنیا بھر کے ملک امریکہ' انگلینڈ کے دست نگر ہیں پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ **جواب** موجودہ عیسائیوں' یہودیوں پر یہ مال کی کثرت عیش و آرام خدا کی رحمت و برکت نہیں بلکہ اس کی لعنت ہے کفر و عناد کے باوجود دنیا

کی فراوانی اللہ کا عذاب ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شئ** بلکہ یہ عذاب مصیبت کے عذاب سے زیادہ خطرناک ہے کہ انسان اس میں دھوکہ کھا کر اور زیادہ کفرو عناد بڑھالیتا ہے اس آیت کریمہ میں **لاکلوا الخ** سے مراد رحمت و برکت کا کھانا پینا ہے نہ کہ لعنت و پھٹکار کا پھانسی کے مجرم کو پھانسی سے دو چار دن پہلے عمدہ اعلیٰ کھانے دیئے جاتے ہیں یہ کھانے رحمت کے نہیں لہٰذا آیت میں نفی اور طرح کی فراوانی کی ہے اور ان کی فراوانی دوسری قسم کی حاصل ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں روئے سخن حضور کے زمانہ کے ان یہود سے ہو جنہوں نے غریبی میں پھنس کر کہا تھا **ید اللہ مغلولۃ** لہٰذا پہلی آیت کی جزا یعنی بخشش مغفرت تاقیامت ہے اور اس آیت کی یہ جزا اس زمانہ کے عیسائیوں کے لئے ہے یہ جواب تفسیر روح المعانی نے اختیار کیا مگر فقیر کے نزدیک پہلا جواب قوی ہے اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک کی سچی فہم عطا فرمادے۔

تفسیر صوفیانہ کچی عقل والے بچوں کو لالچ یا خوف سے راہ راست پر لگاتے ہیں انہیں ماں باپ پیسوں کے لالچ یا مار سے ڈرا کر نمازی بناتے ہیں اسکول بھیجتے ہیں جب بچہ پکی عقل کا ہو جاتا ہے تو پھر خود اپنے ذوق و شوق سے ہی محنت کرتا ہے نہ اسے لالچ کی ضرورت پڑتی ہے نہ ڈرانے کی۔ چونکہ وہ اہل کتاب کچی عقل کے مالک تھے اس لئے انہیں رب تعالیٰ نے اس آیت میں دینی و دنیاوی تین چیزوں کا لالچ دے کر ایمان و تقویٰ کی رغبت دی ان کے گناہ مٹانا' جنت دینا' دنیا میں انہیں خوب کھانے پینے کو دینا یعنی اگر اہل کتاب حقیقی ایمان اختیار کریں اور شرک فعلی شرک صفاتی سے بچیں یا علوم ظاہرہ سے ایمان اختیار کریں اور ان لوگوں پر اعتراض کرنے سے بچیں جو علوم باطنی سے ایمان لائے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا شعر

☆ واذا لم تر الھلال فسلم ☆ لاناس راوہ بالابصار! ☆

اگر تم نے چاند خود نہ دیکھا ہے تو ان کی بات مان لو جنہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا تو ہم ان کے ایمان کی برکت سے ان کے گناہ مٹادیں اور مطابق ان کے تقویٰ کے انہیں جنت عطا فرمادیں اور اگر اہل کتاب علوم ظاہری کی تحقیق کر کے توریت قائم کرلیں اور علوم باطنی کی تکمیل کر کے انجیل قائم کرلیں اور رب کی طرف سے جو کچھ ان پر مبدا و معاد کے احوال ظاہر ہوں اس پر قائم رہیں تو انہیں اوپر سے یعنی روحانیات سے علوم حقیقیہ الہیہ کی روزی ملے اور نیچے سے یعنی عالم اجسام سے سفلی علوم سفلیہ سے رزق روحانی عطا ہوں جن سے یہ لوگ معرفت الٰہی معرفت ملک و ملکوت سے بہرہ مند ہو جاویں دنیا کی حرام لذتوں سے بچنا اخروی اعلیٰ لذتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

☆ ایں دہاں بستی دہانے از شد ☆ کہ خورندہ لقمہاء راز شد! ☆

☆ گزر شیر دیوتن را وابری ☆ در خطام او بسی نعمت خوری ☆

جیسے بچہ جب ماں کا دودھ چھوڑ دیتا ہے تو دنیا کی اعلیٰ نعمتیں پاتا کھاتا ہے یوں ہی اگر بندہ نفس کا یہ منہ بند کردے اسے دنیاوی حرام لذتوں سے یکسر الگ کردے تو پھر اسے راز الٰہی کے لقمے ملتے ہیں۔ یہ محرومی اعلیٰ مرحومی کا ذریعہ ہے (از روح البیان و

روح المعانی) انسانوں میں بعض لوگ درمیانی امت ہیں جو توحید اسماء و صفات تک واصل ہیں۔ مگر بہت سے لوگ محجوب ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانی دانہ و پھل زمین۔ کھاد وغیرہ نیچے والی چیزوں سے اور بارش۔ دھوپ' ہوا اوپر والی چیزوں کی مدد سے تیار ہوتا ہے جیسا کہ **لا کلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا یوں ہی روحانی غذائیں یعنی نیک اعمال عبادات وغیرہ ہماری کوششوں سے جو کہ نیچے والی چیزیں ہیں اور نور نبوت فیضان ولایت سے جو کہ اوپر والی چیزیں ہیں تیار ہوتی ہیں۔ نماز کے لئے کپڑا جسم پاک کر لینا قبلہ رو ہو جانا ارکان ادا کر لینا ہماری کوشش سے ہو گا مگر دل میں سوز و گداز پیدا ہونا اخلاص میسر ہونا۔ حضور کی نگاہ کرم سے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا
اے رسول تبلیغ کیجئے جائیے اس کی جو اتارا گیا طرف آپ کی آپ کے رب سے اور اگر کیا آپ نے تو نہیں تبلیغ
اے رسول پہنچا دو جو کچھ اتارا گیا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم سے
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
کی اس کے پیغام کی اور اللہ بچائے گا تم کو لوگوں سے بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا
اس کا کوئی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے بے شک اللہ
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝
کافر قوم کو
کافروں کو راہ نہیں دیتا۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** گزشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ کے غیظ و غضب اور حسد کا ذکر تھا اور یہ کہ یہ لوگ جنگ کی آگ بھڑکاتے رہیں گے۔ رب تعالیٰ اسے بجھاتا رہے گا اب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بے خوف و خطر ہو کر تبلیغ کا حکم دیا جا رہا ہے یعنی پہلے دشمنوں کی سخت دشمنی کا ذکر تھا اب ان کی ناکامی کی خبر دے کر محبوب کو خوب تبلیغ کا حکم ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں اہل کتاب کو راہ راست پر آنے کی رغبت دی گئی۔ اس کے دنیاوی دینی فائدے بتائے گئے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں راہ راست پر لانے کا حکم دیا گیا گویا فیض پانے والوں کو خطاب فرما کر فیض دینے والے سے خطاب ہے۔ اللہ کی مخلوق دو طرح کی ہے ایک دینے والی دوسری لینے والی سورج اور بادل بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور زمین بھی اس کی مخلوق ہے مگر سورج و بادل فیض دینے والی مخلوق ہے اور زمین فیض لینے والی یوں ہی حضرات انبیاء کرام فیض دینے والے بندے ہیں۔ باقی لوگ فیض لینے والے۔ پچھلی آیات میں لینے والی مخلوق سے کہا کہ اے اسرائیلیو ایمان لے لو تقویٰ لے لو اب دینے والے بندہ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب انہیں

ہماری ہر نعمت دیدو گویا بھکاریوں کے ذکر کے بعد داتا کی دین کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں اہل کتاب کے ہدایت پانے سے مایوس کیا گیا اب ارشاد ہے کہ اس کے باوجود اے محبوب آپ تبلیغ کئے جاویں۔ آپ کو اجر و ثواب ملے گا ناعلاج مایوس بیماروں کے علاج پر بھی طبیب کو فیس اور دواؤں کی قیمت ملتی ہے اگرچہ بیمار فائدہ نہ اٹھائے۔ آپ حکیم مطلق ہیں وہ لوگ بیمار لاعلاج ہیں۔ **چوتھا تعلق** ابھی ارشاد ہوا کہ اہل کتاب میں اعتدال پسند میانہ رو یعنی مومنین تھوڑے ہیں بدکار کفار بہت زیادہ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ ان کی زیادتی سے بالکل خوف نہ کریں رب تعالیٰ ان کے شر سے آپ کو بچائے گا گویا دشمنوں کی کثرت و زیادتی کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا ان کے شر سے حفاظت کا ذکر اب فرمایا جا رہا ہے ساری خدائی اک طرف فضل الٰہی اک طرف کا ظہور ہے۔

شان نزول تفسیر کبیر نے اس آیت کریمہ کے شان نزول میں دس قول نقل کئے۔ مگر فقیر کے نزدیک ان میں سے اکثر ضعیف بلکہ باطل ہیں سورہ مائدہ احکام کی آخری سورۃ ہے اور اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ ساری کی ساری مدنی ہے۔

لہٰذا اس آیت کا نزول قبل ہجرت مکہ معظمہ میں ماننا درست نہیں فقیر کے نزدیک اس کے شان نزول کی قوی روایت وہ ہے۔ جو تفسیر روح البیان نے نقل فرمائی کہ یہود مدینہ نے جب حضور کی روز افزوں ترقی دیکھی تو بعض ضعفاء مومنین یا منافقین کے ذریعہ یہ خبر پہنچائی کہ ہم یہودی بہت بڑے مالدار عظیم جتھے والے ہیں اگر آپ تبلیغ اسلام سے باز نہ رہے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے یا کرادیں گے اور اگر آپ اس تبلیغ سے باز آجائیں تو ہم آپ کا بہت احترام کریں گے آپ پر اپنا مال خرچ کریں گے اس خبر کے پھیلنے پر قریباً ایک سو صحابہ کرام حضور کی حفاظت کے لئے مقرر ہو گئے جو سفر و گھر اندر باہر ہر وقت آپ کی حفاظت کرتے تھے اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کی حفاظت اپنے ذمہ کرم پر لینے کی خبر دی اس آیت کے نزول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جاں نثار صحابہ سے فرمایا کہ آپ لوگ اپنے اپنے گھر جائیں میرے رب نے میری حفاظت کی خبر دے دی پھر اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کی اندھیریوں میں تنہا مدینہ منورہ کے ارد گرد جنگلوں تک میں گشت فرماتے تھے اور دشمن باوجود کثرت کے آپ کے کچھ نہ کر سکے (روح البیان)

تفسیر یایھا الرسول قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء فرمانا پکارنا اظہار کرم اور حضور کی عزت افزائی کے لئے ہوتا ہے اسی لئے آپ کو پیارے القاب و صفات سے پکارا جاتا ہے۔ نام شریف لے کر کہیں نہیں پکارا گیا اگرچہ سارے انبیاء کرام رسول یعنی اللہ کے پیغام رساں ہیں مگر جب الرسول مطلق ارشاد ہوتا ہے تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے ہیں۔ رسول کے نفیس معانی اور رسول کی شان رسول کا مقام ہم پچھلی آیات میں بیان کر چکے ہیں رسول کا تعلق رب تعالیٰ سے فرمان و فیضان لینے کا ہوتا ہے مخلوق سے تعلق دینے عطا فرمانے کا ہوتا ہے لہٰذا وہ رسول اللہ بھی ہیں

اور **رسولنا** یعنی ہمارے رسول بھی ہیں یہاں الرسول میں یہی دونوں احتمال ہیں یا تو اس کے معنی ہیں اے میرے رسول یا اے ساری کائنات ساری مخلوق کے رسول دوسرا احتمال اکثر مفسرین نے اختیار فرمایا چونکہ یہاں تبلیغ کا حکم ہے اس لئے رسول کے خطاب سے ندا فرمائی گئی نہ کہ نبی یا مزمل وغیرہ کے خطابات سے۔ رسالت اور بعثت دونوں کے معنی ہیں بھیجنا رسول اور مبعوث دونوں کے معنی ہیں بھیجا ہوا مگر بعثت رسالت سے عام ہے اور مبعوث رسول سے عام بعثت مطلقاً" بھیجنا ہے رسالت کچھ دے کر پہنچانے کے لئے اور کچھ کہہ کر سنانے کے لئے بھیجنا لہٰذا رسول وہ ہستی ہے جس کو مخلوق کی طرف رب نے کچھ دے کر کچھ کہلا کر بھیجا ہو **بلغ ما انزل الیک من ربک** بلغ بنا ہے تبلیغ سے۔ بمعنی خوب پہنچانا یا آہستگی کے ساتھ پہنچاتے رہنا اس کے معنی یہ ہیں کہ یوں ہی خوب اچھی طرح پہنچائے جاؤ ورنہ حضور کی تبلیغ تو اس آیت کے نزول سے برسوں پہلے سے جاری تھی تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ لہٰذا یہی معنی ہیں کہ اپنی تبلیغ جاری رکھو۔ جیسے **یاایھا النبی اتق اللہ۔** اے نبی یوں ہی اللہ سے ڈرے جایئے۔ حضور نے قولی تبلیغ تو اعلان نبوت کے بعد شروع کی۔ مگر آپ کی عملی تبلیغ ولادت ہوتے ہی شروع ہو گئی تھی حتیٰ کہ بی بی حلیمہ کا بایاں پستان شریف نہ چوسا۔ بھائی کے لئے چھوڑا یہ تھی عدل کی تبلیغ اور وفات کے وقت بھی تبلیغ فرما کر رب کو پیارے ہوئے کہ آخری ہچکیوں میں فرمایا **الصلوۃ** اور **ما ملکت ایمانکم** بعد وفات حضور کی ظاہر تبلیغ علماء باطنی تبلیغ صوفیاء سے ہوتی رہی بلکہ روحانی تبلیغ یعنی دلوں میں فیض پہنچانا لوگوں کو راہ راست پر لگانا تاقیامت رہے گا جو شخص کوئی نیکی کرتا ہے حضور کے فیض سے کرتا ہے **ما انزل الیک** الخ سے یا تو آیات قرآنیہ مراد ہیں۔ یا احکام شریعہ خواہ قرآنی ہوں یا حدیث سے حاصل ہوں یہاں تفسیر صاوی شریف نے فرمایا کہ حضور کی وحی تین قسم کی ہیں ایک وہ جن کی عام تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ جیسے قرآن مجید اور شرعی احکام حضور نے ان کی حرف بحرف اعلیٰ تبلیغ فرمادی اور آخر وقت تک فرمائی بلکہ حضور کے خدام علماء دین حضور کی طرف سے تاقیامت کرتے رہیں گے۔ دوسرے وہ اسرار الٰہیہ جو عام لوگوں کے لائق نہیں وہ حضور نے اہل کو پہنچائے جو اہل نہ تھے ان سے چھپائے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے دو برتن (تھیلے) عطا فرمائے ایک تو میں نے تم میں پھیلا دیا۔ (احادیث) اگر دوسرے کا شمہ بیان کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جاوے۔ یہ اسرار بھی بذریعہ اولیاء اللہ خواص کو پہنچتے رہیں گے۔ تیسرے وہ خاص راز کی باتیں جو رب تعالیٰ اور محبوب کے درمیان خصوصی اسرار ہیں وہ کسی کو نہیں دیئے گئے نہ بتائے گئے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** دیکھو رب نے قاب قوسین میں بلا کر سب کو ہٹا کر حضرت جبریل کو بھی سدرہ پر روک کر ایسے اسرار راز پر مطلع فرمایا جو کسی کو نہ بتائے گئے بلکہ انہیں **ما اوحی** کے پر اسرار لفظ سے تعبیر کر دیا شعر۔

☆ میان طالب و محبوب رمزے است ☆ کراما کاتبین راہم خبر نیست ☆

دیکھو آیات قرآنیہ میں احکام کی آیات تفسیر و تفصیل سے شائع فرمائی گئیں مگر متشابہات کی تفسیر نہ بتائی گئی نہ اس میں غور کرنے کی اجازت دی گئی لہٰذا یہاں **ما انزل الیک** میں پہلی قسم کی وحی مراد ہے خیال رہے کہ یہاں یہ تو فرمایا کہ کیا

پہنچاؤ مگر یہ فرمایا کہ کہاں اور کس کو پہنچاؤ۔ وہ پوشیدہ ہے یعنی اپنی امت کو پہنچاؤ حضور کی امت ساری مخلوق ہے **للعلمین نذیرا** حضور نے انس و جن و فرشتے سب کو ان کی حیثیت کے لائق تبلیغ کی یا اپنی امت کے ہاتھوں زبان' دماغ' دل تک پہنچاؤ کہ انہیں پڑھاؤ' بتاؤ' سکھاؤ' سمجھاؤ یہ سب کچھ حضرت کی طرف سے ہے رب نے قرآن حضور کو دیا پھر حضور نے سب کو دیا اس لئے **بلغ** ارشاد ہوا **وان لم تفعل فما بلغت رسالته** اس جملہ میں ناممکن کو ناممکن پر معلق ہے **ان لم تفعل** شرط ہے جس میں آئندہ کا ذکر ہے اور **فما بلغت** الخ میں گزشتہ کا ذکر ہے یا **ان لم تفعل** میں ایک حکم کی تبلیغ نہ فرمانا مراد ہے اور **فما بلغت** میں تمام احکام کی بلیغ نہ فرمانا مراد یعنی اگر آپ نے آئندہ تبلیغ نہ کی تو گویا گزشتہ زمانہ میں بھی تبلیغ نہ کی کہ وہ کی ہوئی تبلیغ بیکار ہو گئی یا اگر آپ نے ایک تبلیغی حکم نہ پہنچایا تو گویا کوئی حکم نہ پہنچایا جیسے نماز کا ایک رکن یا شرط چھوڑ دینا گویا تمام ارکان کا چھوڑ دینا ہے۔ گزشتہ ادا کیے ہوئے ارکان بھی بیکار ہو جاتے ہیں یا جیسے ایک انسان کا قتل گویا تمام کا قتل ہے۔ یا جیسے ایک نبی یا ایک آیت کا انکار گویا تمام نبیوں آیتوں کا انکار ہے (تفسیر مدارک و بیضاوی) بعض قراتوں میں **رسالاته** ہے جمع ہے (تفسیر کبیر) لہٰذا یہاں شرط و جزا ایک نہیں **واللّٰه یعصمک من الناس** یہ جملہ حکم تبلیغ کا تتمہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ حفاظت فرمایا گیا۔ **یعصم** بنا ہے **عصمة** سے بمعنی حفاظت اسی سے ہے۔ معصوم یعنی محفوظ حفظ اور عصمت دونوں کے معنی ہیں حفاظت مگر حفظ سے عصم زیادہ قوی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ بعض اولیاء گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں معصوم نہیں معصوم صرف فرشتے یا انبیاء کرام ہیں محفوظ وہ جو گناہ نہ کرے معصوم وہ جو گناہ نہ کر سکے کہ نہ گناہ اس تک پہنچ سکیں نہ وہ گناہ تک پہنچ سکے ایسے ہی دشمنوں سے محفوظ وہ کہ دشمن اس تک نہ پہنچے اور معصوم وہ کہ دشمن اس تک نہ پہنچ سکے۔ **ناس** سے مراد دشمن انسان ہیں خواہ کفار ہوں یا منافقین' خیال رہے کہ حضرات انبیاء سے عداوت صرف کفار جن و انس کو ہی ہے۔ دوسری مخلوق تو ان کی خدام بارگاہ ہے کہ کنکر پتھر حضور کا کلمہ پڑھتے ہیں چاند سورج ہوا بادل اطاعت کرتے ہیں مگر کفار جن نبی کو جانی ایذاء نہیں پہنچا سکتے کفار انسان ہی ان کے دشمن بھی ہیں اور ایذا رساں بھی۔ چنانچہ گزشتہ بعض نبیوں کو کفار انسانوں نے قتل کیا زخمی کیا نہ کہ جنات نے نیز اس موقع پر انسان نے ہی حضور کو دھمکی دی تھی۔ ان وجوہ سے یہاں **من الناس** ارشاد ہوا یہاں حفظ سے مراد قتل اور تبلیغ سے رکاوٹیں پیدا کرنے والی چیزوں سے حفاظت ہے یعنی رب تعالیٰ آپ کو ان دشمن انسانوں سے محفوظ رکھے گا کہ نہ تو وہ آپ کو قتل کر سکیں گے نہ آپ کی تبلیغ روک سکیں گے **ان اللّٰه لا یهدی القوم الکفرین** یہ عبارت گزشتہ عبارت کی گویا دلیل ہے۔ **لا یهدی** سے مراد کفار کو حضور کے قتل اور تبلیغ روکنے کی راہ نہ ملنا ہے یا بمعنی مستقبل ہے یا بمعنی حال استمراری **قوم کافرین** سے مراد تمام کفار ہیں۔ خواہ جن ہوں یا انس یعنی اللہ تعالیٰ ان کفار کو آپ کے خلاف راہ نہ دے گا کہ وہ آپ کو قتل کر سکیں یا آپ کا دین روک سکیں یا رب تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کے خلاف کفار کو راہ نہیں دیا کرتا۔ چنانچہ جن انبیاء کرام پر جہاد فرض تھا وہ کبھی کفار کے ہاتھوں شہید نہ ہوئے جو حضرات شہید ہوئے

وہ جہاد کے مامور نہ تھے (تفسیر صاوی شریف) اس تفسیر سے انشاء اللہ تعالیٰ آیت کریمہ بالکل صاف واضح ہو گئی۔

خلاصہ تفسیر اے میری طرف سے تمام کائنات کو پیغام و فیضان پہنچانے والے میرے رسول یا مخلوق کے رسول تمام آیات قرآنیہ احکام شرعیہ تبلیغیہ بدستور لوگوں تک پہنچائے جاؤ اس تبلیغ میں کسی کے دھمکانے کی پرواہ نہ کرو اگر بفرض محال آپ نے ایک حکم شرعی کی بھی تبلیغ نہ کی تو گویا آپ نے کسی حکم کی تبلیغ نہ کی جیسے اگر کسی نے نماز کا ایک رکن یا شرط ادا نہ کی تو گویا کوئی رکن ادا نہ کیا یا اگر آپ نے آئندہ تبلیغ بند کر دی تو ایسا ہو گا جیسے آپ نے گزشتہ میں بھی تبلیغ رسالت نہ فرمائی آپ مطمئن رہیں اللہ تعالیٰ بدباطن دشمن انسانوں کے شر سے آپ کو ہمیشہ بچائے گا کہ وہ نہ تو آپ کو قتل کر سکیں گے نہ آپ کا دین روک سکیں گے اللہ آپ کا اور آپ کے دین کا حافظ و ناصر ہے اللہ تعالیٰ کفار کو راہ ہی نہ دے گا۔ جس سے وہ آپ کو یہ تکلیف پہنچا سکیں لہذا آپ اطمینان سے بے دھڑک تبلیغ جاری رکھیں خیال رہے کہ ایک ہے علم رسول ایک ہے وحی رسول ایک ہے **ما انزل الی الرسول**۔ علم رسول تو بہت ہی وسیع چیز ہے خصوصاً ہمارے حضور کا علم کہ رب فرماتا ہے **وعلمک مالم تکن تعلم**۔ حضرات انبیاء کرام کو علوم ان کی ولادت سے پہلے عطا ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گہوارے کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے وحی رسول بہت قسم کی ہے دل میں القاء خواب میں اشارہ فرشتے کا آ کر کچھ کہنا۔ معراج میں بلا کر رب کا فرمان وغیرہ یہ سب وحی رسول ہیں۔ مگر **ما انزل الی الرسول** وہ ہے جو بذریعہ فرشتہ کے تبلیغ کے لئے بھیجا جاوے خواہ وحی جلی ہو یا وحی خفی۔ تبلیغ ہر **ما انزل** کی فرض ہے۔ ہر وحی یا ہر علم کی تبلیغ ضروری نہیں اس لئے یہاں **ما انزل اللہ** فرمایا **ما اوحی** یا **ما علم اللہ** نہ فرمایا دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تبلیغ جب ہی فرمائی۔ جب نماز کا حکم نازل ہو گیا اس سے پہلے نماز میں خود پڑھیں کسی کو حکم نہیں دیا۔ کیونکہ اس سے پہلے حکم نماز علم رسول یا وحی رسول تو تھا مگر ما انزل الی الرسول نہ تھا۔ غرضیکہ تبلیغ ما انزل الی الرسول کی ہے پھر آیات متشابہات کی تبلیغ فرمائی گئی معانی کی نہیں۔ علم الرسول بہت عام۔ وحی الرسول اس کے بعد ہے اور ما انزل الی الرسول اس کے بھی بعد ان دونوں سے خاص۔

ضروری نوٹ اس آیت کریمہ کے نزول اور اس کی تفسیر کے متعلق تفسیر روح المعانی نے ایک عجیب سا قول شیعہ حضرات کا نقل کیا اور اس کے متعلق قریباً آٹھ صفحات رنگین کئے۔ ہم معلومات میں اضافہ اور بے دینوں کی تحریف ظاہر کرنے کے لئے اس کا مختصر خلاصہ نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین معلوم کر لیں کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی حفاظت نہ فرماتا تو لوگ اسے کیسے فنا کر دیتے یہ لوگ کہتے ہیں کہ حج الوداع سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸ ذی الحجہ اتوار کے دن ایک منزل پر پہنچے۔ جس کا نام غدیر خم ہے۔ جو جحفہ منزل کے قریب ہے مکہ و مدینہ کے درمیان وہاں کچھ لوگوں نے حضرت علی کی شکایت کی جو یمنی تھے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ اے محبوب آپ حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا اعلان فرما دیں اور جماعت صحابہ کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں اور پوری آیت یوں تھی **یایھا الرسول بلغ ما**

انزل الیک من ربک ان علیا ولی المومنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ زمانہ نبوی میں یوں ہی تلاوت ہوتی رہی بعد میں صحابہ نے اس کے درمیان سے یہ الفاظ نکال دے **ان علیا ولی المومنین**۔ اور اس موقع پر حضور نے تمام صحابہ کو جمع فرما کر حضرت علی کے متعلق فرمایا **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولیٰ یعنی ولی و خلیفہ ہیں۔ اٹھارہ ذی الحجہ عید غدیر کا دن ہے جو اس تاریخ میں روزہ رکھے اسے ساٹھ ماہ یعنی پانچ سال کے روزوں کا ثواب ہے اور **واللّٰہ لا یھدی القوم الکفرین** سے مراد صحابہ کی جماعت ہے جنہوں نے حضرت علی کو خلیفہ نہ مانا۔ اس آیت کی اس تفسیر کی بنا پر حضرات شیعہ اٹھارہ ذی الحجہ کو عید مناتے ہیں۔ غور کرو کہ یہ آیت کریمہ کی تفسیر ہے یا تحریف اور اس روایت کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر کیسے کیسے اعتراض پڑیں گے۔ (۱) جب خلافت حیدری کا اعلان اس کی تبلیغ ایسی اہم چیز تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی اجمالی ذکر کیوں فرمایا کہ **فعلی مولاہ** صاف صاف آپ کی خلافت کا اعلان بہ ایں الفاظ کیوں نہ فرمادیا کہ میرے بعد علی خلیفہ ہیں جو ان کے ہوتے دوسرے کو خلیفہ مانے گا وہ کافر ہو گا صرف لفظ مولیٰ کیوں فرمایا (۲) مولیٰ کے معنی خلیفہ نہیں اس کے معنی ہیں دوست یا مددگار رب فرماتا ہے **انت مولانا** ہم علماء دین کو مولانا کہتے ہیں حضور انور نے اپنے کو مولیٰ فرمایا کہ **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** حالانکہ نہ خدا تعالیٰ کسی کا خلیفہ ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ علماء دین۔ (۳) حضور کے پردہ فرمانے کے بعد جب مسئلہ خلافت پیش ہوا تو حضرت علی نے اپنے لئے کوشش تو کی مگر اس آیت سے استدلال نہ فرمایا نہ کسی کو یہ واقعہ غدیر غم یاد دلایا کہ تم اتنی جلد وہ واقعہ کیوں بھول گئے۔ حضور کا مقرر کردہ خلیفہ تو میں ہوں۔ (۴) حضرت علی نے بلکہ تمام صحابہ و اہل بیت نے اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوئے خلفاء راشدین کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور انہیں خلیفہ تسلیم کرلیا اب صدیوں کے بعد اس آیت کی یہ تفسیر آپ حضرات کو معلوم ہوتی انہیں معلوم نہ تھی۔ (۵) حضرت علی نے اس آیت میں یہ تحریف ہوتے دیکھی کہ اس کا ایک جز نکال دیا گیا اور خاموش رہے۔ پھر اپنے زمانہ خلافت میں جب خلفاء ثلاثہ پردہ فرما گئے تھے اسے درست نہ فرمایا بتاؤ یہ کتنا بڑا جرم ہے آج قرآن مجید کے زیر زبر میں فرق کیا جاوے تو مسلمانوں میں خون کی ندیاں بہ جاویں کوئی اسے گوارا نہ کرے حضرت حسین نے خلافت یزیدی کے مقابلہ میں سر دے دیا اس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا مگر وہ بھی اس موقع پر تحریف قرآن دیکھتے رہے۔ اور خاموش رہے۔ (۶) ان سب باتوں سے چشم پوشی کرلی جاوے تب بھی اس حدیث میں خلافت بلافصل کا ایک لفظ بلکہ اشارہ بھی نہیں اگر مولیٰ کے معنی خلیفہ ہی کرلئے جاویں تو بلافصل کی قید کہاں سے لگائی جاوے گی۔ اگر مولیٰ بمعنی اولیٰ ہی مان لیا جاوے تو بھی اولیٰ کے معنی خلیفہ نہیں رب فرماتا ہے۔ **ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین امنوا** غرضیکہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے رب تعالیٰ اپنے قرآن کا حافظ ہے۔ (۷) احکام شرعیہ کی پوری تبلیغ اور دین کی تکمیل تو نویں بقر عید حجۃ الوداع کے موقع تک ہو چکی تھی کہ اس موقع پر عرفات کے میدان میں فرمادیا گیا تھا **الیوم اکملت لکم**

دینکم اتممت علیکم نعمتی اور حضور انور نے امت سے پوچھا تھا ھل بلغت کیا میں نے پوری تبلیغ کردی سب نے کہا تھا بلیٰ۔ جس پر حضور نے فرمایا تھا۔ اللھم اشھد پھر نو دن بعد اب یہ حکم کیسا اور خلاف حیدری جو دین کا بڑا اہم مسئلہ تھا۔ وہ تشنہ بیان کیوں رہ گیا لہذا یہ آیت کریمہ حجتہ الوداع سے پہلے کی ہے نہ کہ بعد کی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شرعی حکم چھپایا نہیں ایک ایک حکم کی پوری پوری تبلیغ فرمادی لہذا جو کہے کہ حضور انور نے بوقت وفات شریف حضرت علی کے لئے خلاف نامہ لکھنا چاہا مگر صحابہ نے نہ لکھنے دیا اور آپ یہ حکم دل میں ہی لے گئے۔ وہ اس آیت کریمہ کے خلاف کہتا ہے بے دین ہے حضور انور تبلیغ فرمودہ احکام میں سے ہی کوئی حکم تاکیداً تحریر فرمانا چاہتے تھے اور یہ کاغذ و قلم دوات منگانے کا واقعہ جمعرات کا ہے۔ وفات شریف پیر کو واقع ہوئی ان پانچ دن میں حضور انور نے جو احکام دیئے کہ نماز کی پابندی رکھنا۔ لونڈی غلاموں سے اچھا سلوک کرنا وغیرہ کی خدمت کرنا یہ ہی لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ حضرات صحابہ نے حضور کی یہ تکلیف گوارا نہ کی۔ دوسرا فائدہ جیسے سارے قرآن پر ایمان لانا فرض ہے یوں ہی سارے قرآن کی تبلیغ بھی لازم تھی اور ہے اب بھی علماء حضور کی نیابت میں یہ فرض ادا کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے یہ فائدہ وان لم تفعل الخ سے حاصل ہوا ایک آیت کا چھپانا گویا کل کا چھپانا ہے۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کا حافظ و ناصر ہے۔ تمام دنیا حضور کا کچھ نہ بگاڑ سکی اب بھی حضور کے صدقہ سے حضور کے نائبین علماء اولیاء کا اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے۔ جس کا دن رات تجربہ ہو رہا ہے خود اس فقیر نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔ دیکھ لو حضور کے دین حضور کے قرآن کس کس دور میں کیسے حالات سے گزرے مگر بفضلہ تعالیٰ محفوظ رہے اور رہیں گے۔ چوتھا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے دین کے علماء کی تبلیغ میں کئی طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ حضور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبلغ ہیں۔ علماء حضور کی طرف سے مبلغ دوسرے یہ کہ حضور علی التعیین تبلیغ کے مامور من اللہ ہیں علماء کو تبلیغ کا حکم ہے مگر کوئی عالم معین طور پر مامور من اللہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عقائد' عبادات' معاملات ان کے فرائض واجبات سنتیں مستحبات' حرام' مکروہات ہر چیز کے ایسے مبلغ ہیں کہ ان میں سے ایک چیز کی تبلیغ نہ کرنا گویا بالکل تبلیغ نہ کرنا ہے۔ علماء پر بقدر طاقت تبلیغ ہے حتیٰ کہ قرب قیامت فتنہ کے زمانہ میں علماء پر تبلیغ واجب نہ رہے گی۔ پانچواں فائدہ جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب حضرت علی کو خلافت نامہ لکھنے کے لئے قلم و کاغذ منگایا۔ حضرت عمر نے نہ لکھنے دیا آپ وہ ارادہ لے کر وفات پا گئے۔ وہ کافر ہے کہ اس نے اس آیت کا انکار کر دیا اور حضور پر الزام لگا دیا کہ حضور نے بعض تبلیغی احکام چھپا لئے۔ حضور اس واقعہ کے بعد پانچ دن حیات رہے۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ میں کوتاہی کرتے تھے۔ تب ہی تو رب تعالیٰ نے بلغ فرمایا ورنہ اس حکم کی ضرورت کیا تھی (نعوذ باللہ) جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے خطاب حضور کی تائید کے لئے ہوتے ہیں یعنی یوں ہی تبلیغ فرمائے جاؤ۔ جیسے **یاایھا النبی اتق اللہ**۔ ورنہ غور کرو کہ یہ آیت کریمہ تو حضور انور کی وفات شریف سے کچھ پہلے اتری اور حضور نے ہجرت سے پہلے

تبلیغ کے لئے جو مصیبتیں جھیلیں اور بعد ہجرت جو جہاد کئے وہ دنیا جانتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نزول قرآن سے پہلے بھی عملی مبلغ تھے کہ کفار عرب حضور کو امین اور صادق الوعد کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ دوسرا اعتراض **وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ** میں شرط و جزا ایک ہی ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں فرق چاہیے۔ جواب اس کی تفصیل ابھی عرض کی گئی کہ یا تو اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ اگر آپ نے ایک حکم کی بھی تبلیغ نہ کی تو گویا کسی کام کی تبلیغ نہ کی یا اگر آئندہ تبلیغ نہ کی تو گویا پہلے بھی تبلیغ نہ فرمائی وہ تبلیغ بھی رائیگاں گئی لہٰذا شرط و جزا میں بڑا فرق ہے۔ تفسیر کبیر نے اس اعتراض کا کچھ اور ہی جواب دیا ہے مگر یہ جواب بہت آسان اور عمدہ ہے۔ تیسرا اعتراض ایک مسئلہ کی تبلیغ نہ فرمانے کو تمام احکام کی تبلیغ نہ فرمانا کیوں قرار دیا جواب جو عبادت دوسری عبادت کا جزء ہو ان میں سے ایک کا چھوڑ دینا تمام عبادات کو بے کار کر دیتا ہے۔ دیکھو نماز میں تلاوت، قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ عبادات نماز کے اجزاء ہیں۔ اگر کوئی شخص سارے ارکان نماز ادا کرے مگر ایک رکن چھوڑ دے تو سارے بیکار ہیں۔ یوں ہی حضور انور کے لئے تمام احکام کی تبلیغ مطلق تبلیغ کے ارکان ہیں اس لئے اگر حضور انور ایک حکم کی تبلیغ نہ فرمادیں تو تمام احکام کی تبلیغ بیکار ہو گویا آپ کے لئے تمام عمر کی تبلیغ ایک عبادت قرار دی گئی ساری تبلیغیں اس کے ارکان۔ چوتھا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کفار کا خوف تھا اس لئے فرمایا گیا **واللہ یعصمک من الناس** حالانکہ مخلوق سے خوف کرنا شان نبوت کے خلاف ہے **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**۔ جواب مخلوق سے خوف ایذاء حضرات انبیاء کرام کو ہو سکتا ہے بلکہ ہوا ہے۔ خوف اطاعت ماسوی اللہ سے نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے بلکہ پہلی بار جب عصا سانپ بنا تو اس سے خوف کیا اس لئے **لا خوف علیھم** ارشاد ہوا اور **لا خوف لھم** نہیں فرمایا مگر حضور انور کے دل میں کفار کا خوف نہ تھا۔ اس آیت کے نزول سے پہلے بھی حضور نے بے دھڑک تبلیغ فرمائی۔ کبھی رب سے عرض نہیں کیا کہ مجھے کفار سے خوف ہے نہ صحابہ کو اپنی حفاظت کے لئے مقرر فرمایا۔ خود صحابہ کو حضور پر خوف تھا انہیں سنانے کے لئے یہ آیت آئی۔ پانچواں اعتراض جب رب تعالیٰ نے حضور انور سے حفاظت کا وعدہ فرمالیا تو جنگ احد میں سرکار کو کفار سے زخم کیوں پہنچے یوں ہی کفار مکہ کی ایذاء سے تنگ آ کر ہجرت کیوں کرنی پڑی۔ جواب تفسیر خازن وغیرہ نے تو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے بعد کی ہے لہٰذا اس سے پہلے جو تکلیفات کفار نے پہنچائیں وہ اس وعدے سے پہلے تھیں مگر قوی جواب یہ ہے کہ یہاں قتل اور دین کی تباہی سے حفاظت کا وعدہ ہے یعنی وہ تم کو نہ تو قتل کر سکیں گے نہ آپ کا دین مٹا سکیں گے تکالیف پہنچنا اس کے خلاف نہیں وہ تو رب کی طرف سے امتحان اور زیادتی درجات کے لئے ہے۔ چھٹا اعتراض یہاں حفاظت کے وعدہ میں **من الناس** کیوں فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ نے کفار، جنات،

شیاطین اور دوسری چیزوں سے حضور کی حفاظت نہیں فرمائی۔ **جواب** حضرات انبیاء کرام کی دو ہی مخلوق دشمن ہیں۔ کفار جن اور کفار انسان۔ مگران دونوں میں سے صرف انسان ہی درپے آزار ہے۔ چنانچہ انہیں شہید کرنے والے زخمی کرنے والے زہر دینے والے کافر انسان ہی تھے۔ جنات نہ تھے۔ انہیں سے خطرہ تھا لہٰذا **من الناس** ارشاد ہوا۔ دیگر مخلوقات تو مطیع و فرمانبرداری ہیں۔ غیر پہاڑ کے بغض رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ وہاں آباد قوم بغض رکھتی ہے۔ **ساتواں اعتراض** کیا رب تعالیٰ نے اس آیت کے نزول سے پہلے حضور کی حفاظت دشمنوں سے نہ کی ضرور کی ہجرت کی شب کفار کی تلواروں سے بچایا۔ غار ثور میں بچایا سراقہ ابن مالک سے بچایا۔ پھر اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہے کہ ہم آپ کو دشمنوں سے بچائیں گے حفاظت تو پہلے سے فرمائی گئی تھی۔ **جواب** اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ یوں ہی آپ کی حفاظت فرماتا رہے گا۔ جیسے اس سے پہلے کی ہے یہ فرمان عالی دوام حفاظت کے وعدے کے لئے ہے حدوث حفاظت کے لئے نہیں۔ **آٹھواں اعتراض** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ حالانکہ حضور سے پہلے اہل عرب کافر تھے۔ جنہیں ہدایت دی گئی تو یہ آیت درست کیسے ہوئی۔ **جواب** اس فرمان کے معنی یا یہ ہیں کہ کافر قوم کو اللہ تعالیٰ تمہیں شہید کرنے کی راہ یا موقع نہ دے گا۔ یہاں ہدایت سے مراد ایمان و اعمال کی ہدایت نہیں بلکہ ایذا رسانی کی راہ دینا ہے یا یہ معنی ہیں کہ جس کے دل میں نبی کا عناد ان سے دشمنی ہو اسے اللہ کبھی ہدایت نہ دے گا ہر قسم کے کافر کو ہدایت مل سکتی ہے مگر نبی کے ذاتی دشمن ذاتی بے ادب کو ہدایت نہیں ملتی۔ شیطان نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کو دیکھا ان کے کلام سے کروڑوں اولیاء اللہ کے ساتھ رہا مگر ہدایت نہ پائی۔ کیونکہ دشمنی نبی اور بے ادبی رسول کا کافر ہے۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے تبلیغ قرآن کے لئے بھیجا اس کا حکم دیا۔ حضور نے نقوش قرآن ہمارے ہاتھوں تک اور الفاظ قرآن زبان تک آواز قرآن کان تک معانی قرآن ذہنوں تک پہنچائے۔ احکام قرآن ہمارے اعضاء ظاہری تک پہنچائے مگر اسرار قرآن خواص کے دلوں تک پہنچائے **بلغ** یہ تمام تبلیغیں شامل ہیں مگر یہ تمام تبلیغیں **ما انزل** کی ہیں **ما اعرف** کی تبلیغ سے سخت منع فرمادیا یہ **ما اعرف** معرفت الٰہی کے وہ مخصوص راز ہیں جن پر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ آپ کا دل و دماغ ہی اس کی برداشت کر سکتا ہے۔ اگر اس کا کروڑواں حصہ آشکارا کیا جاوے تو آسمان و زمین تاب نہ لا سکیں خود فرماتا ہے **لو انزلنا هذا القرآن على الجبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله** اور فرماتا ہے **انا عرضنا الامانة على السموت والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها**۔ غرضیکہ احکام کی تبلیغ فرض کی نہ کہ عرفان کی عرفان **ما انزل اليک** نہیں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رسول مقتدی ہوتے ہی نہیں؟ مقتدی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ اس طرح کہ آپ کو غیر اللہ کی طرف التفات' رب تعالیٰ سے غافل نہ کر سکے گا۔ دنیا کا اشتغال آخرت سے غافل

نہ کرے گا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ **ما انزل الیہ** یعنی معانی و اسرار قرآن میں تمام علوم ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس کا قول نقل فرمایا کہ اگر میرے اونٹ کی رسی گم جاوے تو میں قرآن مجید سے معلوم کر سکتا ہوں کہ کہاں ہے۔ کسی نے ایک عالم سے پوچھا کہ حضور کی عمر شریف قرآن سے نکالو۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور انور کی عمر شریف تریسٹھ سال ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ **ولن یوخر اللہ نفسا اذا جاء اجلھا**۔ سورہ منافقون میں ہے اور سورہ منافقون تریسٹھویں سورت ہے اور اس کے بعد سورہ تغابن ہے۔ تغابن کے معنی ہیں افسوس کرنا اس میں اشارۃً ارشاد ہوا کہ حضور کی وفات ۶۳ سال میں ہوگی اور مسلمان اس پر افسوس و غم کریں گے (روح المعانی) یہ تو **ما انزل الیک** کی وسعت علوم کا حال ہے تو وہ فیض ربانی جو **ما اعرف** میں داخل ہے۔ اس کی وسعت کا کیا پوچھنا ہے (از تفسیر عرائس البیان) رب نے حضور کی ایسی حفاظت فرمائی کہ تاقیامت حضور کا نام شریف مخلوق کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا۔ دیکھو حضور کے غلام حضرت سفینہ پر شیر نے حملہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا۔ اے ام السائب (شیر) میں رسول اللہ کا غلام ہوں تو وہ شیر پالتو کتے کی طرح دم ہلا کر آپ کے آگے چلنے لگا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب الکرامات اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سید المحفوظین کی حفاظت میں ہر جگہ رکھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ **شعر:۔**

☆ نام احمد چوں چنیں شد حصن حصین ☆ پس چہ باشد ذات آں روح الامین ☆

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ

فرمادو اے کتاب والو نہیں ہو تم اوپر کسی چیز کے یہاں تک کہ قائم کرو تم توریت اور انجیل کو

تم فرمادو اے کتابیو تم کچھ بھی نہیں ہو جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف

وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ

اور اس کو جو اتارا گیا طرف تمہارے تمہارے رب سے اور البتہ ضرور زیادہ کرے گا بہتوں کو ان میں سے

تمہارے رب کے پاس سے اترا اور بے شک اے محبوب وہ جو تمہاری طرف تمہارے رب

اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (۶۸)

وہ جو اتارا گیا طرف آپ کے آپ کے رب سے سرکشی اور کفر کو پس نہ غم کرو تم اوپر قوم کافروں کے

کے پاس سے اترا اس سے ان میں بہتوں کو شرارت اور کفر کی ترقی ہوگی تم کافروں کا کچھ غم نہ کھاؤ

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ عام کا تاکیدی حکم دیا گیا اب فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کی اس تبلیغ سے بعض اہل کتاب کفار کو بجائے فائدے کے نقصان ہی ہوگا گویا پہلے داتا کو دینے کا حکم دیا گیا۔ اب محروم اور شقی ازلی لوگوں کے اس سے فائدہ نہ اٹھانے کا تذکرہ ہے

سورج کو چمکنے کا حکم پہلے دیا گیا بادل کو برسنے کا حکم پہلے دیا گیا۔ چمگادڑ اور شورہ زمین کی محرومی کا تذکرہ اب فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حضور کو تبلیغ رسالت کا حکم دیا گیا۔ اب رسالت کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ صرف شرعی فقہی احکام ہی رسالت نہیں بلکہ کفار کی تردید اہل کتاب کو جھنجھوڑنا بھی رسالت میں داخل ہے۔ اس کی تبلیغ بھی کی جاوے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد تھا کہ اللہ کافر قوم کو راہ نہیں دیتا اب اس آیت میں اس راہ نہ دینے کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ یہ توریت و انجیل کو قائم نہیں رکھ سکے جو اپنی مانی ہوئی کتابوں پر عامل نہ ہوں انہیں ہدایت کیسے ملے گویا اس خبر کی وجہ یہاں بیان ہو رہی ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حضور کو تبلیغ کا حکم تھا۔ اب لوگوں کے قبول ہدایت نہ کرنے پر غم کرنے سے منع فرمایا جا رہا ہے یعنی آپ کا کام احکام پہنچانا ہے نہ کہ نافرمانوں پر غم کھانا۔ **پانچواں تعلق** آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ اب ایک خاص تبلیغ کا حکم ہے یعنی بے دین کافر اہل کتاب کی بے دینی ان کے کفر و الحاد کی تبلیغ لوگوں کو کرنا کیونکہ تبلیغ صرف عقائد و مسائل کی نہیں ہوتی بلکہ مقبولوں کے فضائل مردودوں کی مردودیت کی بھی تبلیغ ہوتی ہے **قل ھو اللہ** میں توحید کی تبلیغ ہے **محمد رسول اللہ** میں نبوت کی تبلیغ **اقیموا الصلوۃ** میں نماز وغیرہ مسائل کی تبلیغ ہے۔ اس طرح **والذین معہ اشداء علی الکفار** میں صحابہ کرام کے فضائل کی تبلیغ ہے اور **تبت یدا ابی لھب** اور یونہی **عتل بعد ذالک زنیم** میں ابولہب اور ولید ابن مغیرہ کی مردودیت کی تبلیغ ہے تاکہ مسلمان مقبولوں کے فضائل اور مردودوں کی مقہوریت پر بھی ایمان لائیں۔

شان نزول ایک بار رافع ابن حارثہ، سلام ابن مشکم، مالک ابن صیف، رافع ابن حرملہ وغیرہ یہودی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بولے کہ آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہیں اور آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ہمارے دین ہماری کتب ہمارے نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ سب حق ہیں تو ہم دین ابراہیمی پر ہوئے اور آپ ہم میں سے ہوئے۔ پھر ہماری مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا ہاں مگر تم لوگ خود اپنی کتب اپنے دین کے انکاری ہو گئے تم نے خود اپنے لئے نئے دین تراش لئے جن چیزوں کے ظاہر کرنے کا تم کو حکم تھا وہ تم نے چھپا دیں۔ ہم تمہارے اس دین سے بیزار ہیں وہ بولے تو ہم آپ کے دین سے بیزار ہیں۔ ہم حق پر ہیں اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور ان لوگوں کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر وغیرہ)

تفسیر قل یاھل الکتب لستم علی شئی یہاں قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ بالا گفتگو کر رہے تھے جیسا کہ شان نزول میں بیان ہوا اور ہو سکتا ہے کہ تمام دنیا کے اہل کتاب مراد ہوں اگلے پچھلے اور موجودہ کیونکہ حضور کے فرمان عالی جیسے تاقیامت

مسلمانوں تک پہنچ رہے ہیں یوں ہی کفار تک پہنچ رہے ہیں مگر مسلمانوں سے رحمت کے خطاب ہیں۔ کفار نے غضب و عتاب کے خطاب ممکن ہے کہ **قل** میں ہر مسلمان یا ہر قرآن پڑھنے والے سے خطاب ہو اس صورت میں اہل کتاب سے سارے اگلے پچھلے کتابی مراد ہیں۔ اہل کتاب سے مراد یا یہود ہیں یا یہود و عیسائی دونوں مراد **شئی** سے مراد سچا دین ہے۔ جسے **شئی** کہا جاسکے باطل گویا شئی ہی نہیں قابل ذکر قابل اعتبار ہی نہیں۔ یعنی اے اہل کتاب تم جس خود ساختہ دین پر ہو وہ تو کوئی چیز نہیں لاشئی محض ہے نہ اس کا کوئی فائدہ ہے نہ نتیجہ یا شئی سے مراد ان کی وہ فخری باتیں ہیں۔ جن پر وہ اکڑتے تھے یعنی اولاد ابراہیمی ہونا توریت و انجیل کا عالم ہونا عرب کے جزیرہ میں رہنا وغیرہ تو مطلب یہ ہوگا کہ تم نہ ابراہیمی ہو نہ توریت و انجیل کے ماننے والے نہ ان کتب کے عالم نہ اہل عرب تم کسی خوبی سے موصوف نہیں کہ بے ایمان کی ساری خوبیاں بھی برائیاں ہیں اگر ایمان قبول کرلو تو سب کچھ ہو **حتی تقیموا التورة والانجیل وما انزل الیکم من ربکم** یہ عبارت **لستم** الخ کی انتہاء ہے توریت و انجیل قائم کرنے کے معنی ابھی کچھ پہلے **ولوانھم** کی تفسیر میں گزر گئے کہ اس سے مراد توریت و انجیل کی ان ہدایتوں پر عمل کرنا ہے جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے متعلق کی گئی تھیں یا ان کتابوں کے تمام وہ درست عقیدے جن کی تعلیم گزشتہ انبیاء کرام نے دی تھی کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے اولاد بیوی وغیرہ سے پاک ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان کتب کے منسوخ احکام پر عمل کرنا مراد نہیں کیونکہ اب ان کا چھوڑ دینا ضروری ہے نہ کہ ان کا قائم کرنا **ما انزل** سے مراد یا تو قرآن مجید ہے جو تمام لوگوں کی طرف آیا۔ جن میں اہل کتاب بھی داخل ہیں۔ بلکہ ان پر قرآن مجید کا زیادہ احسان ہے کہ اس نے ان کی کتابوں ان کے نبیوں کی تصدیق بھی کی تائید بھی۔ انہیں عزت بھی بخشی یا اس سے مراد دیگر انبیاء کرام کی کتابیں اور صحیفے ہیں کہ ان سب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا تاکیدی حکم تھا یعنی اس وقت تک تم کسی **قابل شمار** دین پر نہیں جب تک کہ تم توریت و انجیل کے یہ احکام نہ قائم کرو ان پر عمل پیرا نہ ہو **ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک** اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے ایمان سے مایوس فرمانا مقصود ہے تاکہ ان کے ایمان قبول نہ کرنے پر ان کو صدمہ و رنج نہ ہو **کثیرا** مفعول **بہ** اول ہے۔ فعل **لیزیدن** کا اور ما انزل الخ فاعل ہے کثیر فرما کر یہ بتایا کہ سارے کتابی بدبخت نہیں ان میں سے کچھ تھوڑے قرآن کریم کی ہدایات قبول کرلیں گے ہاں ضدی قسم کے لوگ اس سے محروم رہیں گے بلکہ زیادہ سرکش ہو جائیں گے۔ ہدایت پانے والے تھوڑے ہیں کفر پر جمے رہنے والے زیادہ **ما انزل** سے مراد قرآن کریم ہے یا قرآن، الہام اور حضور کے معجزات سب ہی ہیں چونکہ قرآن کی منزل مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس سے مقصود عالم کو ہدایت دینا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے نزول کی نسبت کبھی لوگوں کی طرف جاتی ہے۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لہٰذا ابھی کچھ پہلے **ما انزل الیکم** فرمانا بھی درست تھا اور یہاں **ما انزل الیک** فرمانا بھی حق ہے **طغیانا وکفرا** یہ **لیزیدن** الخ کا مفعول **بہ** دوم ہے۔ طغیان کے معانی بارہا بیان ہو چکے کہ یہ بنا ہے۔ **طغی** سے

بمعنی حد سے بڑھ جانا رب فرماتا ہے **لما طغی الماء** ہر چیز اپنی حد میں رہے تو اچھی ہے ورنہ خراب یہ ہی انسان کا حال ہے۔ طغیان کفر کی علت ہے۔ پہلے انسان سرکشی کرتا ہے تب کافر بنتا ہے۔ اس لئے طغیان کا ذکر کفر سے پہلے ہوا۔ یعنی قرآن کریم اور آپ کے معجزات ان بدنصیبوں کے لئے سرکشی اور کفر کی زیادتی ہی کا سبب بنیں گے کہ آیات اترتی جائیں گی یہ لوگ ان کا انکار کرتے جائیں گے آپ پر زیادہ جلتے بھنتے رہیں گے۔ غرضیکہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی ہے۔ قرآن کریم انہیں ہدایت دیتا ہے جو ان سے وابستہ نہیں ہیں ان کا کفر بڑھا دیتا ہے یا جن لوگوں میں اناکی بیماری ہے انہیں گمراہی دیتا ہے جن کو فنا میسر ہے انہیں ہدایت دیتا ہے **فلا تاس علی القوم الکفرین** اس عبارت میں گزشتہ مضمون کا مقصد بیان فرمایا گیا اور **لا تاس** نہی واحد حاضر ہے اسی۔ سے بنا۔ بمعنی سخت غم اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اے محبوب آپ ان کے کفر و سرکشی پر رنج نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ آپ ان کے عذاب و ہلاکت پر غم نہ کریں (تفسیر روح المعانی وغیرہ)

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان شیخی خورے، آپ کی اطاعت سے بے نیاز ہو جانے والے اہل کتاب سے فرما دو کہ تم تو کسی قابل ذکر دین پر ہو ہی نہیں تم محض بے کار ہو۔ تمہارا دعائی ایمان محض لاشی ہے۔ جب تک تم توریت و انجیل اور آسمانی کتابوں کا دکھایا ہوا راستہ ان کی بتائی ہوئی باتیں سکھلائے ہوئے احکام کو قائم نہ کرو کہ ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان قبول کر لو کہ تمام آسمانی کتابوں نے ان پر ایمان لانے کی سخت تاکید کی ہے۔ ان محبوب کو ماننا ان تمام کتب کو قائم کرنا ہے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ ایمان نہ لاویں تو آپ پرواہ نہ کریں۔ ان کا کفر و سرکشی تو اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ آپ پر اترا ہوا قرآن آپ کے فرمان پاک آپ کے معجزات انہیں ایمان بخشنے کی بجائے ان کے کفر و سرکشی کو اور بھی زیادہ کر دیں گے ان کی شرارتیں بڑھتی ہی رہیں گی کہ ہر آیت کا انکار کریں گے۔ اور زیادہ ضد پر کمر باندھیں گے۔ ایسی کافر قوم پر ہرگز غم نہ کریں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کئے بغیر انسان کچھ نہیں نہ اس کی کوئی قدر ہے نہ کچھ حقیقت اگرچہ عالم فاضل خاندانی ہو نبیوں کی اولاد ہو یہ فائدہ **لستم علی شئی** الخ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے علماء بنی اسرائیل کو جو اولاد انبیاء تھے فرمایا کہ تم کچھ نہیں۔ **دوسرا فائدہ** اب تمام آسمانی کتب پر عمل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان قبول کیا جاوے حضور کی اطاعت کے بغیر کسی آسمانی کتاب پر عمل ناممکن ہے یہ فائدہ **حتی تقیموا** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** نبی پر آسمانی کتب اترتا سب انسانوں پر اترتا ہے کیونکہ مقصود ان ہی کی ہدایت ہے یہ فائدہ **ما انزل الیکم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** قرآن و حدیث مثل بارش کے ہے۔ بارش بوئے ہوئے بیج کو اگا تو سکتی ہے۔ اسے بدل نہیں سکتی۔ جن کے دلوں میں بدبختی کا بیج ہے۔ اس کے لئے قرآن

وحدیث اس شقاوت کی زیادتی کا باعث ہی ہوگا اور جن کے دل میں سعادت و نیک بختی کا تخم ہے ان کے لئے قرآن و حدیث ایمان و عرفان کی زیادتی کا سبب ہوگا یہ فائدہ **ولیزیدن** الخ سے حاصل ہوا اس لئے کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بناتے ہیں۔ پھر اسے قرآن و حدیث پڑھاتے ہیں کلمہ گویا سعادت کا تخم ہے۔ قرآن و حدیث اس کے لئے رحمت کا پانی۔ **پانچواں فائدہ** کسی شخص کے ہدایت قبول نہ کرنے پر رنج و غم نہ کرنا چاہیے۔ مبلغ اپنا کام کئے جاوے لوگ قبول کریں یا نہ کریں یہ فائدہ **فلا تاس** الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں اہل کتاب سے فرمایا گیا کہ تم کسی چیز پر نہیں یا تم کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ وہ کافر تھے کفر پر تھے۔ پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں شئی سے مراد دین حق ہے جو حقیقتاً شئی ہے کفر وغیرہ تو باطل اور لاشئی چیزیں ہیں لہٰذا وہ لوگ لاشئی ہوئے یہاں شئی بمعنی حق ہے نہ کہ بمعنی موجود یا مفہوم وغیرہ قرآن کریم میں شئی بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں بمعنی حق و صحیح ہے۔ **دوسرا اعتراض** اگر **ما انزل الیکم** سے مراد قرآن کریم ہو تو آیات میں تعارض ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم کہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ قرآن آپ کی طرف اترا کہیں مسلمانوں سے کہتا ہے کہ تمہاری طرف اترا یہاں یہود و نصاریٰ سے فرمایا کہ تمہاری طرف اترا بتاؤ قرآن اترا کس کی طرف ہے۔ حضور کی طرف یا مسلمانوں کی طرف یا کفار کی طرف۔ **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے منتہاء نزول ہیں اور دوسرے لوگ مدعاء نزول یعنی نزول آسمانی کا منتہاء حضور ہیں۔ ہدایت کرنا ہم کو مقصود ہے منتہاء کے لحاظ سے **انزل الیک** فرمایا جاتا ہے مدعی کے اعتبار سے **انزل الیکم** جیسے ریل سے ڈاک پوسٹ آفس میں پہنچتی ہے۔ پھر دوسرے ذریعوں سے ہمارے گھروں میں۔ ڈاکخانہ ڈاک کے منتہی ہیں ہم لوگ ڈاک کے مدعی پر قرآن مجید کافروں کو ایمان کی ہدایت دیتا ہے۔ مومنوں کو تقویٰ کی۔ متقیوں کو عرفان کی عارفوں کو ایقان کی اس لئے اس کے نزول کی نسبت کبھی حضور کی طرف ہوتی ہے کبھی مسلمانوں کی طرف کبھی کفار کی طرف لہٰذا تمام آیات درست ہیں۔ جیسے سورج بارش کے بعض فیض عام ہوتے ہیں۔ بعض فیض خاص عام فیض دھوپ دن 'روشنی' موسم یوں ہی زمین کا دھل جانا گرد و غبار جم جانا۔ سورج یا بارش کے عام فیض ہیں مگر بعض جگہ لعل بنا دینا یا پھل پھول اگا دینا سچے موتی بنا دینا یہ سورج و بارش کے خاص فیوض ہیں۔ یونہی قرآن کریم کے عام فیوض سارے انسانوں کے لئے ہیں کہ اس سے ایمان 'اعمال کی رہبری ہوتی ہے۔ عرفان 'ایقان' ولایت قطبیت غوثیت قرآن کریم کے خاص فیوض ہیں جو کسی کو ملتے ہیں سب کو نہیں۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اب بھی توریت و انجیل پر عمل کرنا چاہیے کہ فرمایا گیا۔ **حتی تقیموا التورۃ** الخ حالانکہ وہ کتب اب منسوخ ہو چکیں۔ منسوخ پر عمل کیسا۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب پچھلی آیات کی تفسیر میں گزر گیا کہ منسوخ کتب کے فرعی احکام منسوخ ہوتے ہیں نہ کہ عقائد وہ تو تاقیامت باقی رہتے ہیں۔ یہاں توریت قائم کرنے سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے کہ توریت و انجیل نے اس کا حکم دیا۔

تھا جو تاقیامت باقی ہے۔ چوتھا اعتراض قرآن وحدیث تو ہدایت کا ذریعہ ہیں پھر ان سے کفر و طغیان کیسے بڑھ سکتا ہے۔ اس سے تو قرآن وحدیث کی توہین ہوتی ہے ۔جواب اس اعتراض کا جواب بار بار دیا جا چکا ہے۔ بارش اور سورج اللہ کی رحمتیں ہیں مگر یہ دونوں چیزیں بعض مخلوق کو تکلیف دہ بھی ہیں جیسے چمگاڈر کو وہ سورج نکلنے پر اندھی ہو جاتی ہے۔ اس میں اس کی آنکھ کا قصور ہے نہ کہ سورج کا گندگی پر بارش پڑنے سے اور گندگی پھیلتی ہے۔ اس میں بارش کا قصور نہیں۔ شعر :

☆ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ☆ چشمہ آفتاب راچہ گناہ! ☆

اعلیٰ غذا سخت معدہ والے کو زیادہ بیمار کر دیتی ہے اس میں غذا کا قصور نہیں اس کے اپنے معدے کا فتور ہے۔ اس قرآن سے لوگ مومن، عارف، متقی، مقبول بارگاہ الٰہی بنے اور تاقیامت بنتے رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ دینداری کی حقیقت ظاہری و باطنی احکام کی پابندی ہے۔ انسان جسم کو شریعت سے دل کو طریقت سے آراستہ کرے۔ یہ چیز دو مقدمات اور چار نتائج سے حاصل ہوتی ہے۔ دو مقدمات تو ربانی کشش جسے جذب الٰہی کہتے ہیں۔ دوسرے شیخ کامل کی صحیح تربیت ہیں اور چار نتائج دنیا سے منہ موڑنا۔ توجہ الی اللہ۔ دل و نفس کا تزکیہ و صفائی۔ اخلاق الٰہی اختیار کرنا ہے۔ اہل کتاب باطن کو چھوڑ کر صرف ظاہر پر قناعت کر بیٹھے تھے لہٰذا بے دین ہی رہے۔ ہر چیز بغیر باطن کے بیکار ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر :

☆ فائدہ ہر ظاہرے خود باطن است ☆ ہمچو نفع اندر دواہا کامن است! ☆

☆ نیست راچہ خوانده چہ ناخوانده ☆ ہست پاء او بہ گل درمانده ☆

☆ گر سرش جنبد بسیر باد رو! ☆ تو بسر جنبانیش غره مشو!! ☆

☆ آں سرش گوید سمعنا اے صبا ☆ پاء او گو عصینا خلنا ☆

دوا کے اجزاء اس کا ظاہر ہے۔ دوا کا نفع اس کا باطن ہے دوا بغیر نفع بیکار ہے۔ سبزہ کا سر اس کا ظاہر ہے۔ جڑ اس کا باطن سر ہوا کا مطیع ہے۔ جڑ ہوا کی مخالفت کر ہوا سے اس کا سر ہلتا ہے۔ جڑ نہیں ہلتی۔ اہل کتاب کا دعویٰ عمل بالکتاب کا تھا یہ ان کا ظاہر تھا مگر عمل مخالفت کتاب تھا یہ تھا ان کا باطن اس کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد تھی انسان کو چاہیے نفس کا تزکیہ کرے اس لئے اہل کتاب سے فرمایا گیا کہ تم کسی شئی پر نہیں کہ تمہارے پاس ظاہر ہے باطن نہیں۔ اس لئے ان کے لئے تمام مفید چیزیں مضر ہوئیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خطابات دو جہت والے ہوتے ہیں۔ قہر، مہر جس کے دل میں قرآن اتر جاوے وہاں مہر و کرم ہے اور جس کی زبان پر تو قرآن ہو مگر اس کا دل فیضان سے خالی ہے وہ قہری پائے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں شئی وہ ہے جو اپنا مقصد پیدائش پورا کرے جو مقصود پورا نہ کرے وہ لاشئی ہے دیکھو آنکھ کان، زبان والے کفار کو رب نے بہرا گونگا اندھا فرمایا **صم بکم عمی** زندہ کافروں کو مردہ قرار دیا **اموات**

غیر احیاء مگر وفات یافتہ شہیدوں کو زندہ کیا۔ **بل احیاء ولکن لا تشعرون**۔ بیکار گھڑی لا شئی ہے۔ جس سکہ کا چلن بند ہو جاوے وہ لا شئی ہے۔ عقائد اعمال' دولت عزت' نسب علم وغیرہ کا مقصد رضاء الٰہی ہے۔ جب رب راضی نہ ہو تو یہ سب چیزیں لا شئی ہیں۔ یہود کے علم' عمل' نسب وغیرہ سے رب راضی نہ تھا کیونکہ ان کا کنکشن حضور سے نہ تھا۔ لہٰذا ان کی یہ تمام چیزیں لا شئی ہوئیں اور فرمایا گیا۔ **لستم علی شئی**۔ آنکھ والے ابو جہل وغیرہ کفار نے حضور کو دیکھا مگر صحابی نہ بنے۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم وغیرہ نابینا حضرات نے حضور کو ظاہری آنکھوں سے نہ دیکھا مگر صحابی بن گئے کہ انہوں نے دیکھنے کا منشاء پورا نہ کیا اور ان حضرات نے دیکھنے کا مقصد پورا کر دیا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالصّٰبِـُٔوۡنَ وَالنَّصٰرٰی مَنۡ اٰمَنَ
تحقیق وہ لوگ جو ایماندار بنے اور وہ جو یہودی ہوئے اور دین سے نکل جانے والے اور عیسائی
بے شک وہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اس طرح یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی
بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ
جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور کام کئے اچھے بس نہیں کوئی ڈر ان پر اور نہ وہ لوگ
ان میں جو کوئی سچے دل سے اللہ قیامت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے
يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۹﴾
غمگین ہوں گے
اور نہ کچھ غم

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب کسی دین معتبر پر نہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ حالت صرف اہل کتاب کی نہیں ہے بلکہ ہر کافر کی ہے خواہ اہل کتاب ہو یا صائبی یا منافقین گویا تخصیص کے بعد حکم کی تعمیم کی گئی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر اہل کتاب توریت و انجیل قائم کریں تو سب کچھ ہیں۔ اب اس آیت کریمہ میں توریت و انجیل قائم کرنے کے معنی بیان ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر ایمان لے آویں گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا۔ اس آیت میں اس اجمال کی تفصیل ہے تاکہ اہل کتاب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم توریت و انجیل قائم کرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق** گزشتہ پچھلی آیت میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا تھا **واللہ یعصمک من الناس** اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو آپ کے دامن کرم میں آ کر صحیح مومن بن جاوے اس کی بھی خوف و غم سے حفاظت فرمائی جاوے گی گویا لازم حفاظت کے بعد متعدی حفاظت کا ذکر ہے۔

تفسیر **ان الذین امنوا والذین ھادوا**۔ چونکہ یہ مذکورہ قومیں اپنے عقائد اپنے اعمال کو ہی ذریعہ نجات سمجھتی ہیں اور اس آیت کے مضمون کے انکاری ہیں اس لئے اسے **ان** سے شروع فرمایا گیا۔ **الذین** سے مراد انسان ہیں اور ممکن ہے جن وانس دونوں ہوں کیونکہ جنات میں بھی یہ مذاہب ہیں **امنوا** سے مراد ادعائی اور زبانی ایمان ہے جو منافقین اختیار کئے ہوئے تھے نہ کہ حقیقی و شرعی ایمان کیونکہ شرعی ایمان کا ذکر تو آگے آ رہا ہے۔ **من امن باللہ** الخ اور ہو سکتا ہے۔ ایمان لغوی معنی میں ہو۔ یعنی امن دے لینا یعنی وہ لوگ جو زبانی ایمان لے آئے یا وہ لوگ جنہوں نے کلمہ پڑھ کر اپنے جان ومال کو اسلامی تلوار سے امن دے لی اور قومی مسلمان بن گئے **ھادوا** کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ ان کی نسبت یا یہود کی طرف ہے (یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے) یا اس مشہور توبہ کی طرف جو انہوں نے بچھڑے کی پوجا سے کی تھی **ھود** کے معنی ہیں توبہ و رجوع قرآن کریم میں ہے۔ **انا ھدنا الیک** غرضیکہ یہود کو یہود کہنے کی یہ دو وجہیں ہیں یعنی اور وہ جو یہودی بنے یا یہودی بننے کے مدعی ہوئے **والصبون** یہ لفظ **صابی** کی جمع ہے یہ لوگ صابی ابن متوشلخ ابن ادریس علیہ السلام یا صابی ابن ماوی کی اولاد سے تھے۔ یہ صابی ابن ماوی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زمانہ میں تھا اس لئے انہیں صابئ کہا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ صابیہ حضرت ادریس علیہ السلام کے دین کا نام تھا۔ جس میں توحید' طہارت' روزہ وغیرہ کچھ عبادات تھیں حضرت ادریس علیہ السلام مصر میں رہے۔ پھر وہاں سے قریباً سارے جہان میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ سلسلہ اس طرح ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام' شیث علیہ السلام' انوش' قونان مہلائیل' یرد' اخنوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام جن کا لقب ہرمس تھا۔ ملت ادریس کا نام ملت صابیہ تھا۔ بعض نے فرمایا کہ صابی بنا ہے صباء سے بمعنی نکل جانا۔ چونکہ یہ لوگ تمام اہل کتاب سے الگ رہے۔ فرشتوں ستاروں کے پجاری بنے اس لئے انہیں صابئ کہا جاتا ہے۔ آخری قول ہی قوی ہے کہ یہ مشرکین ستارہ پرست ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت ابن ابی کعب اور عبد اللہ ابن مسعود کی قرات میں ہے **والصبئین** ی کے ساتھ **الذین امنوا** پر معطوف ہے حالت نصبی میں ہے مگر عام قراتوں میں **صبؤن** واؤ کے ساتھ ہے۔ اس واؤ کی مفسرین نے چھ وجہیں بیان کی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر **کذلک** پوشیدہ ہے اور جملہ معترضہ ہے۔ چونکہ یہ فرقہ بدترین کافر تھا تو اس کا ذکر علیحدہ اس طرح سے کرکے تاکید فرما دی یعنی منافقین و یہود حتیٰ کہ صابی جیسے مردودوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان و عمل درست کرلیں تو بے خوف و غم ہو جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ صابون معطوف ہو۔ **الذین** کے محل پر اسم ان محلاً مرفوع ہوتا ہے کہ مبتداء ہے اس پر تفسیر کبیر نے یہ اعتراض کیا کہ اسم ان پر محلی اعراب بغیر خبر کے بیان کئے ہوئے جائز نہیں یہ تو کہہ سکتے ہیں **ان زیدا قائم وعمرو** مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ **ان زید او عمر و قائم** مگر تفسیر روح المعانی نے اسے جائز مانا۔ دلیل اس شعر سے دی۔ شعر:۔

☆ فمن یک امسی بالمدینۃ رحلہ ☆ فانی وقیار بھا لغریب ☆

اس شعر میں **لغریب** خبران ہے نہ کہ خبر مبتداء کیونکہ مبتداء کی خبر پر لازم تاکید نہیں آتا اور نہ یہ ان اور **قیار** مبتداء دونوں کی خبر ہے ورنہ غریبان ہوتا لہٰذا **لغریب** خبران ہے اور قیار معطوف ہے ی متکلم پر خبر غریب ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر اسم ان کا اعراب لفظی نہ ہو بلکہ تقدیری یا محلی ہو۔ تب اس کے اسم پر دوسرا اسم محلا معطوف ہو سکتا ہے۔ جیسے **ان ھذا وزید قائم** یا **ان موسیٰ وبکر قاعد** یہ تحقیق خیال میں رہے۔ بہت ہی نفیس ہے اس کی اور بہت سی وجوہ تفسیر کبیر و معانی میں دیکھو **والنصریٰ** یہ کلمہ یا **الذین** پر معطوف ہے یا صابئون پر اگر صابئون اسم ان ہو اور ہو سکتا ہے کہ **النصریٰ** میں وہ ہی تحقیق ہو جو ابھی **الصبؤن** میں کی گئی۔ غرضیکہ اس عبارت میں چار گروہوں کا ذکر ہے منافقین کلمہ گو یعنی قومی مسلمان' یہودی' صابی اور عیسائی ان چاروں فرقوں کے متعلق ارشاد ہوا۔ من امن باللہ والیوم الاخر یہ عبارت مبتداء ہے اور **فلا خوف** الخ اس کی خبر پھر یہ جملہ اسمیہ ان کی خبر ہے **من** سے مراد ان چاروں جماعتوں کے افراد ہیں۔ **امن** سے مراد ہے ایمان شرعی اس کے بعد **منھم** پوشیدہ ہے ایمان باللہ میں حضرات انبیاء کرام پر ایمان لانا داخل ہے کیونکہ ایمان باللہ ہوتا ہی وہ ہے جو نبی کی معرفت سے حاصل ہو۔ خدا تعالیٰ کو عقل یا کسی اور ذریعہ سے مان لینا توحید تو ہے مگر ایمان نہیں۔ چنانچہ شیطان موحد ہے مومن نہیں اللہ کو جاننا اللہ کو ماننا نجات کے لئے کافی نہیں۔ اللہ پر ایمان لانا نجات کا ذریعہ ہے۔ جس نبی کا زمانہ ہو اس کی معرفت سے اللہ کو قیامت وغیرہ کو ماننا ایمان ہے۔ جن انبیاء کرام کی نبوتیں منسوخ ہو گئیں ان کی معرفت سے خدا کو ماننا بھی ایمان نہیں اسی لئے عیسائی یہودی وغیرہ مومن نہیں کہ وہ اللہ کو بذریعہ عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام خدا مانتے ہیں حضور کے ذریعہ خدا کو نہیں مانتے۔ یہ ہی حال عبادات کا ہے کہ حضور کے ذریعہ وہ کام عبادت ہیں حضور کے بغیر محض لغو۔ حضور سے منہ موڑ کر نماز پڑھنا نماز نہیں اوٹھک بیٹھک ہے روزہ رکھنا روزہ نہیں فاقہ ہے جہاد کرنا جہاد نہیں بلکہ فساد ہے۔ حج کرنا حج نہیں بلکہ محض سیر و تفریح ہے۔ حضور کے ذریعہ یہ سب کام عبادات ہیں۔ دین حضور پر دائر ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں کہ شعر:-

☆ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست ☆ اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است ☆

یوم آخر سے مراد قیامت ہے اس میں حساب و کتاب جنت دوزخ فرشتے وغیرہ سب داخل ہیں۔ کیونکہ قیامت میں یہ سب کچھ ہو گا اور بذریعہ فرشتوں کے ہو گا۔ لہٰذا ان دو کلموں میں سارے ایمانیات آ گئے یہ عبارت بہت جامع ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان دو کلمات میں ایمانیات کے دونوں کناروں کا ذکر ہو باقی چیزیں ان کے درمیان میں آ جاویں یعنی اللہ سے لے کر قیامت تک کی ہر چیز پر ایمان لائیں۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ اور قیامت وغیرہ پر ایمان رکھتے تھے مگر چونکہ حضور انور کے انکاری تھے اس لئے ان کو غیر مومن قرار دیا گیا اور فرمایا کہ اب ان محبوب کی معرفت ایمان لائیں اگرچہ منافقین زبان سے ایمان کے مدعی تھے مگر وہ ایمان شرعاً معتبر نہیں۔ لہٰذا ان سے بھی فرمایا گیا کہ دل سے ایمان لائیں **وعمل صالحا**۔

اس کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے کہ جس عمل کو نبی نیک فرمادیں وہ عمل نیک ہے اس میں بدنی مالی اور ان دونوں کا مجموعہ سب ہی داخل ہیں۔ چونکہ ہر شخص پر بقدر طاقت نیک اعمال ہیں اس لئے اسے مطلق رکھا یہ نہ فرمایا کہ کتنے نیک اعمال کریں۔ خیال رہے کہ جیسے جسمانی زندگی کے لئے سانس ہر وقت لی جاتی ہے پانی بارہا پیا جاتا ہے۔ کھانا دن میں دو بار کھایا جاتا ہے۔ خاص پھل فروٹ کبھی کبھی یوں ہی ایمانی زندگی کے لئے خوف خدا محبت جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت چاہیے۔ جیسے مرتے سوتے جاگتے نماز میں دن میں پانچ بار روزے سال میں ایک بار حج عمر میں ایک بار **من عمل صالحا** میں یہ سب داخل ہیں۔ یوں ہی ایک ہی عمل کبھی کسی وقت صالح بن جاتا ہے۔ دوسرے وقت گناہ نماز تین وقتوں میں گناہ ہو جاتی ہے روزہ عید کے دن گناہ ہے ایک جگہ وہ عمل صالح ہوتا ہے دوسری جگہ گناہ کعبہ میں طواف کرنا صالح ہے اور جگہ کسی گھر کے گرد گھومنا گناہ ہے یہ سب چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئیں غرضیکہ عمل صالحا مجمل ہے تفصیل حضور سے دریافت کرنا ہو گی۔ چونکہ اعمال کا درجہ ایمان کے بعد ہے اس لئے اعمال کا ذکر بھی ایمان کے بعد ہوا غرضیکہ یہ فرمان عالی بھی بہت جامع ہے **فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**۔ یہ عبارت **من امن** الخ کی خبر ہے چونکہ **من** میں شرط کے معنی تھے اس لئے **فلا** میں ف جزائیہ لائی گئی اور چونکہ **من** لفظاً" واحد ہے مگر معنی میں جمع اس لئے عملاً" صالحا" کو واحد لایا گیا اور یہاں **علیھم** اور **ھم** اور **یحزنون** جمع ارشاد ہوا اس جملہ کی پوری تحقیق انشاء اللہ سورہ یونس میں **الا ان اولیاء اللہ** الخ کی تفسیر میں کی جاوے گی یہاں اتنا سمجھ لو کہ آئندہ کے خطرہ کو خوف کہتے ہیں اور گزشتہ کی تکلیف دہ چیز کی تکلیف کو غم۔ خوف تین قسم کا ہے۔ خوف مقید جیسے اللہ سے ڈر اس کی پکڑ دوزخ وغیرہ سے ڈر۔ ایذاء کا خوف جیسے سانپ یا ظالم آدمی سے ڈر اور خوف مضر جیسے دنیاوی نقصان کا ڈر اور اس کی وجہ سے دین سے محرومی۔ یہاں آخری تیسری قسم کے خوف کی نفی ہے۔ اس لئے **علیھم** فرمایا۔ **علی** نقصان کے لئے آتا ہے۔ اس خوف و حزن سے یا تو دنیا میں خوف و حزن مراد ہے اور اس کی نفی یا بروز قیامت خوف و غم کی نفی یا دنیا و آخرت دونوں جگہ خوف و غم کی نفی فقیر کے نزدیک یہ تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے اس مختصر تحقیق سے یہ جملہ شریف بالکل واضح ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

خلاصہ تفسیر وہ لوگ جو مدعی ایمان ہوئے کہ ایمان ان کی زبان پر رہا دل میں نہ اترا یعنی منافقین اور وہ جو یہودی بنے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو تمام آسمانی دینوں سے نکلے ہوئے ہیں۔ ستارہ پرست اور عیسائی اگرچہ یہ لوگ بڑے پرانے پاپی اور سخت مجرم ہیں مگر ہماری آغوش رحمت ان کے لئے کھلی ہے۔ ہم کریم ہیں ان کو اعلان عام دیتے ہیں کہ ان میں جو کوئی اللہ پر اور قیامت پر ایسا ایمان قبول کرے جو ہمارے ہاں قبول و معتبر ہے۔ اس طرح کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر ان سب کو مانے اور اس کے ساتھ بقدر طاقت نیک عمل بھی کرے جسے اسلام نیکی کہتا ہے تو ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان کے صرف گزشتہ گناہ ہی معاف نہ کریں گے۔ بلکہ اس کے ساتھ انہیں اپنا قرب خصوصی اور ولایت بھی عطا فرمائیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ دنیا و آخرت میں ڈر اور رنج و غم سے محفوظ و مامون ہو جائیں گے نہ انہیں آئندہ کا خطرہ

رہے گا نہ گزشتہ کا غم یہ بے خوف و خطر ہونا رنج و غم سے آزاد ہو جانا ہماری بہت بڑی نعمت ہے جو دروازہ مصطفوی سے ملتی ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** مسلمان دو قسم کے ہیں۔ ایک دینی مومن دوسرے صرف قومی مومن یہ تقسیم اول سے چلی آرہی ہے۔ حضرات صحابہ کرام دینی مومن تھے منافقین قومی مومن ' جن کا شمار مسلمان قوم میں تھا مگر حقیقتاً تھے کافر یہ فائدہ **امنوا** الخ سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت تہتر فرقے ہو جاوے گی ایک کے سوا سب دوزخی ان سب کو امتی فرمانا قومی لحاظ سے ہے **دوسرا فائدہ** یہودی نصرانی اگرچہ توحید اور تمام ایمانیات کو مانیں مگر مومن نہیں جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں یہ فائدہ **من امن باللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے اللہ تعالیٰ اور قیامت وغیرہ کو ماننا ایمان نہیں صرف توحید ہے اور نری توحید دوزخ کا راستہ ہے ایمان جنت کا ذریعہ یہ فائدہ بھی **من امن باللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** مومن خواہ کسی درجہ کا ہو نیک اعمال ضرور کرے کوئی شخص اعمال و تقویٰ سے بے نیاز نہیں ' یہ فائدہ **وعمل صالحا** سے حاصل ہوا جسمانی زندگی کے لئے پانی غذا ضروری ہیں ایمانی و روحانی زندگی کے لئے اعمال بدنی و مالی وغیرہ ضروری ہیں۔ **پانچواں فائدہ** ہر متقی صالح مسلمان ولی اللہ ہے ولایت کے بہت درجے ہیں ایک درجہ یہ بھی ہے یہ فائدہ **فلا خوف علیھم** الخ سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات اولیاء اللہ کے لئے بھی یہ ہی فرمایا **لا خوف علیھم** الخ **چھٹا فائدہ** اللہ کا خوف دنیا سے بے خوفی کا ذریعہ ہے یہ فائدہ بھی **لا خوف علیھم** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** اللہ کی بڑی نعمت خوف و غم سے آزادی ہے۔ بے کھٹکے کی زندگی بڑے نصیب ور کو میسر ہوتی ہے یہ فائدہ بھی **لا خوف** الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض **ان الذین امنوا** فرمانے کے بعد پھر فرمانا **من امن باللہ** کیونکر درست ہوا۔ جو پہلے ہی مومن ہو چکا ہو اس کا پھر مسلمان ہونا کیا معنی۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ **الذین امنوا** میں قومی مومن یعنی منافقین مراد ہیں۔ جنہیں اسلامی فرقہ میں داخل مانا جاتا تھا۔ اس لئے ان پر جہاد وغیرہ نہ ہوتا تھا مگر وہ مذہبی مومن نہ تھے دل میں ان کے کفر تھا۔ اس لئے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی تھی۔ اور **من امن باللہ** میں دینی و شرعی مومن بن جانا مراد ہے یعنی دل سے مسلمان ہو جانا اور ہو سکتا ہے کہ **الذین امنوا** میں دینی مومن ہی مراد ہوں اور **من امن باللہ** سے مراد ہو ایمان پر خاتمہ ہو جانا کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت کریمہ میں صرف چار جماعتوں کا ہی ذکر کیوں ہوا۔ منافقین یہود عیسائی اور صابی جو بھی ایمان و عمل اختیار کرے وہ جنتی ہے خواہ ان چار جماعتوں میں سے ہو یا کسی اور جماعت سے۔ **جواب** اس لئے کہ ملک عرب میں خصوصاً مدینہ منورہ میں ان چار جماعتوں کا ہی چرچا تھا نیز یہ لوگ خصوصاً صابی اور یہود بڑے بھاری مجرم تھے۔ گزشتہ زمانہ میں بہت جرم کر چکے تھے۔ اس لئے خصوصیت سے ان کو دعوت ایمان دی گئی تاکہ دوسروں کو امید بندھ جاوے کہ جب ان ایسے مجرموں کی بھی معافی بلکہ قبولیت کی امید ہے تو ہم بھی اس کی

رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نجات کے لئے صرف اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لے آنا کافی ہے۔ نبی' فرشتوں وغیرہم پر ایمان کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ فرمایا گیا **امن باللہ والیوم الاخر** **جواب** اس کے جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گئے کہ ایمان باللہ میں انبیاء کرام پر ایمان لانا داخل ہے۔ ایمان باللہ ہوتا ہی وہ ہے کہ رسول کی معرفت رب تعالیٰ کو پہچانا جاوے اور یوم آخر میں حساب کتاب' جنت دوزخ پر ایمان داخل یا اس عبارت میں ایمانیات کے دو کناروں کا ذکر فرمایا گیا یعنی از توحید تا یوم قیامت سب پر ایمان لائے بعض عشاق کہتے ہیں کہ یہاں **امن باللہ** میں اللہ نے نام اپنا لیا ہے مگر ارادہ فرمایا رسول اللہ کا جیسے **یخدعون اللہ** میں رسول اللہ کو دھوکہ دینا مراد ہے دیکھو تفسیر خازن زیر آیت **یخدعون اللہ والذین امنوا** **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عیسائی یہود وغیرہ کفار ایمان لاتے ہی اور نیک عمل کرتے ہی ولی اللہ بن جاتے ہیں کہ ان کے لئے فرمایا گیا **لا خوف علیھم** الخ یہ ہی حضرت اولیاء اللہ کے لئے فرمایا گیا ہے **لا خوف علیھم** الخ تو کیا ہر نو مسلم ولی اللہ ہو جاتا ہے ولایت تو بہت ہی اونچا مقام ہے **جواب** اس کا تفصیلی جواب انشاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں عرض کیا جاوے گا۔ **الا ان اولیاء اللہ** الخ اتنا سمجھ لو کہ ولایت کے بہت درجے ہیں۔ ولایت عامہ ولایت خاصہ اور ولایت خاص الخاصہ ولایت عامہ ہر مومن کو حاصل ہے کہ کافر اللہ کا دشمن ہے اور مومن اللہ کا ولی یعنی دوست' رہی ولایت خاصہ۔ بمعنی رب تعالیٰ سے قرب خصوصی وہ کسی کسی کو میسر ہوتا ہے۔ ایمان کی بھی بہت قسمیں ہیں۔ ایمان یقینی' عین الیقینی اور حق الیقینی عمل صالحہ و تقویٰ کی بھی بہت قسمیں ہیں۔ حرام سے بچنا' شبہات سے بچنا' جو چیز یار سے آڑ بنے اس سے بچنا۔ یوں ہی فرائض پر عمل کرنا۔ فرائض و واجبات پر عمل کرنا۔ فرائض واجبات' سنتیں' مستحبات سب پر عمل کرنا۔ غرضیکہ جیسا ایمان و اعمال ویسی ہی ولایت۔ ولایت خاصہ والوں کے لئے رب العالمین نے تین درجے بیان فرمائے۔ بے خوف ہونا۔ بے غم ہونا اور دنیا و آخرت میں ان کے لئے بشارت ہونا۔ **لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ** انشاء اللہ اس کی تفصیل سورہ یونس میں اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں عرض کی جاوے گی یا ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں اسی آیت کی تفسیر میں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ ہم لوگ بلکہ دنیا بھر کے گنہگار گندے ہیں اور ہم سب کے گناہ گندگی ہے ایمان گویا آب جاری یعنی رحمت کی نہر ہے۔ صاف و شفاف' نیک اعمال گویا صابن ہے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی نگاہ کرم گویا ملنے والا قدرتی ہاتھ ہے۔ جس گندے کو پانی' صابن' ملنے والا ہاتھ نصیب ہو جاوے بھلا وہاں گندگی یا میل کیا ٹھہرے۔ اس آیت کریمہ نے اولاً تو ان گندوں کا ذکر فرمایا جو نہر و صابن کے پاس ہوتے ہوئے نگاہ کرم کے ہاتھ سے محروم ہیں یعنی منافقین پھر ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو ان تینوں نعمتوں سے محروم ہیں۔ یعنی کھلے کافر حتی کہ صابئی جیسے مجرم بھی فرمایا کہ یہ لوگ اگرچہ کیسے ہی مجرم گندے میلے کچیلے ہیں۔ مگر ذرا اس نہر و بحر میں غوطہ لگا کر یہ صابن اور یہ دست کرم استعمال کر کے تو دیکھیں آن کی آن میں

ان کی کایا پلٹ جاوے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن کے دل میں خدا کا خوف ہوتا ہے یہ خوف دوسرے تمام خوفوں کو دل سے نکال دیتا ہے اسے اپنے گناہوں کا غم رہتا ہے یہ غم تمام غموں کو دفع کر دیتا ہے جیسے پانی پیاس کو اور غذا بھوک کو یا نور ظلمت کو مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ ہر کہ ترسد مورا ایمن کنند ☆ ہر دل ترسندہ راساکن کنند! ☆

☆ لاتخافوا ہست منزل خائفاں ☆ ہست درخور از برائے خائف آں ☆

☆ آنکہ خوفش نیست چوں گوئی مترس ☆ درس نہ دہی نیست او محتاج درس ☆

حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بیمار دل میں ہر طرح کا خوف رہتا ہے۔ دل کی پانچ دوائیں ہیں جن سے بیماری دور ہوتی ہے۔ فکر و تدبر کے ساتھ تلاوت قرآن' پیٹ کو کچھ خالی رکھنا رات کو تہجد کے لئے جاگنا' صبح کو توبہ استغفار زاری کرنا۔ صالحین کی صحبت' شافی تو اللہ تعالیٰ ہے مگر ذریعہ شفاء ذکر اللہ ہے۔ جس سے دل بے چین کو چین قلب بے قرار کو قرار نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے (از روح البیان مع زیادہ)

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَ

البتہ تحقیق لیا ہم نے وعدہ اولاد یعقوب علیہ السلام سے اور بھیجے ہم نے طرف ان کے بہت رسول جب کبھی

بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول وہ بات لے

هُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۗ

لائے ان کے پاس کوئی رسول وہ چیز جو نہیں پسند کرتے دل ان کے تو ایک گروہ کو جھٹلا دیا انہوں نے اور ایک گروہ

کر آیا جو ان کے نفس کی خواہش نہ تھی ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کرتے ہیں اور اس گمان میں

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا

کو قتل کرتے ہیں اور گمان کیا انہوں نے یہ کہ نہ ہوگا کوئی فتنہ پس اندھے ہو گئے اور بہرے ہو گئے پھر توجہ فرمائی اللہ نے

ہیں کہ کوئی سزا نہ ہوگی تو اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی پھر ان میں

وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

اور پھر ان کے پھر اندھے ہو گئے اور بہرے ہو گئے بہت سے ان میں سے اور اللہ دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں۔

بہتیرے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ وغیرہم کو ایمان و عمل کی دعوت دی گئی اور اس بخشش کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔ اب ان کے گزشتہ سخت جرموں کا ذکر فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے ایمان سے مایوس کیا جا رہا ہے کہ اگرچہ ہم کرم کریمانہ فرمانے کا اعلان فرما رہے ہیں مگر یہ لوگ کرم لینے کے نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ بڑے پرانے مجرم ہیں۔ لہٰذا آپ ان کے ایمان قبول نہ کرنے پر مغموم نہ ہوں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ قرآن اور اسلام کے احکام اہل کتاب کو ہدایت دینے کی بجائے ان کا کفر و طغیان زیادہ کر دیں گے۔ اب اس کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ سے اس کے عادی ہیں۔ جن نبیوں کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی ہمیشہ مخالفت کرتے رہے **تیسرا تعلق** کچھ پہلے ارشاد ہو چکا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ بے دھڑک تبلیغ کیے جاویں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ اب ان لوگوں کی حرکتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ جن کے شر سے بچانے کا وعدہ کیا گیا کہ یہ لوگ ایسے شریر ہیں کہ اپنے نبیوں کو شہید کر چکے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ آپ کا ان سے محفوظ رہنا اتفاقاً نہیں بلکہ رب تعالیٰ کا کرم خاص سے ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں نہایت مہربانی سے یہود کو دعوت ایمان و عمل دی گئی اور اس پر اعلیٰ وعدے فرمائے گئے اب انہیں یہود کی ہسٹری بیان فرما کر ان کی انتہائی بدکاریوں کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن رحمت ایسا وسیع ہے کہ وہ ایسے مجرموں کو بھی بخشنے پر تیار ہے۔ اس سے گنہگار مسلمانوں کی ڈھارس بندھے کہ جب رب تعالیٰ ایسے کو بخش دیتا ہے تو ہم پھر بھی اس کے محبوب کے امتی ہیں گنہگار ہیں مگر انشاء اللہ لائق مغفرت ہیں۔

تفسیر لقد اخذنا میثاق بنی اسراءیل چونکہ اس وقت کے موجودہ یہودی و عیسائی اپنی ان گزشتہ حرکتوں سے انکار کر چکے تھے۔ ان واقعات کو چھپا چکے تھے۔ مقدسوں کی شکل میں دنیا کے سامنے آتے تھے۔ قرآن کریم نے ان کی یہ حرکتیں ظاہر فرمائیں۔ اس لئے اس مضمون کو لام اور قد دو تاکیدوں سے شروع فرمایا گیا۔ جس عہد و میثاق کا یہاں ذکر ہے اس سے وہ عہد و پیمان مراد ہے جو توریت شریف میں اور حضرت موسیٰ و دیگر انبیاء کرام کی معرفت ان سے لیا گیا تھا کہ توریت پر عمل کرو صحیح راستہ پر قائم رہو۔ حضرات انبیاء کرام کا احترام کرو۔ اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اگر ان کا زمانہ پاؤ ان کی خدمت کرو۔ اگرچہ یہ عہد حضرات انبیاء کرام نے کئے تھے مگر چونکہ اللہ کے مقبول بندوں کا کام خود رب تعالیٰ کا کام ہے لہٰذا **اخذنا** فرمایا گیا کہ ہم نے عہد لیا' عہد' وعدہ' میثاق اور اصر ان تمام کے فرق اور احکام بارہا بیان ہو چکے۔ میثاق وہ بوجھل وعدہ ہے جس پر پختگی بھی کر دی گئی ہے اور اس کی مخالفت پر کچھ سزا بھی مقرر کر دی گئی ہو اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا نام ہے جس کے معنی ہیں عبد اللہ' ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ یہود ہوں یا عیسائی اور ہو سکتا ہے کہ اس میثاق سے مراد روز میثاق کا عہد ہو جو عالم ارواح میں بنی اسرائیل سے خصوصی طور پر لیا گیا۔ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے **اذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب** الخ اس دن تین میثاق و عہد لئے گئے تھے ایک عام

عہد رب کی ربوبیت کا دوسرا خاص انبیاء کرام سے حضور پر ایمان لانے ان کی مدد کرنے کا تیسرا اہل کتاب سے کتب الٰہیہ کی حفاظت و تبلیغ کرنے کا خیال رہے کہ رب تعالیٰ اہل کتاب کو یا تو ان کے نسبی نام سے پکارتا ہے یا بنی اسرائیل یا یہود فرما کر یا کتاب کی طرف نسبت نام سے یا اہل الکتاب مگر ہم مسلمانوں کو ہمیشہ نسبتی نام سے پکارتا ہے اور ہماری نسبت کتاب کی طرف نہیں بلکہ صاحب کتاب یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرماتا ہے **یاایھا الذین امنوا** ایمان میں نسبت حضور کی طرف ہے **وارسلنا الیھم رسلا** یہ عبارت پہلے مضمون کی تاکید کے لئے ہے کہ ان میں حضرات انبیاء کرام کا بھیجنا اس عہد کو یاد دلانے اس کی توثیق کے لئے تھا خیال رہے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان قریباً دو ہزار سال کا فاصلہ ہے اور اس دوران میں ایک ہزار پیغمبر تشریف لائے جو سب بنی اسرائیل سے تھے۔ جن میں سے بعض کے نام قرآن مجید میں ہیں جیسے حضرت داؤد سلیمان' زکریا' یحیٰی علیہم السلام بعض کے نام حدیث شریف میں آئے جیسے شعیاء' ارمیا' یوشع علیہم السلام باقی کے نام معلوم نہ ہو سکے **رسل** سے مراد حضرات انبیاء کرام ہیں۔ خواہ صرف نبی ہوں یا رسول بھی یا مرسل بھی۔ حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ رسول تین سو تیرہ اور مرسلین چار نبی عام ہیں۔ رسول خاص مرسل اس سے بھی خاص جیسے جسم نامی پھر حیوان پھر انسان۔ **کلما جاءھم رسول** اب تک تو رب تعالیٰ کے کرم و فضل کا ذکر تھا یعنی بنی اسرائیل سے عہد لینا اور ان کے پاس حضرات انبیاء کرام کو بھیجتے رہنا۔ اب ان کی بد عملیوں کا ذکر ہے **کلما** کو بعض مفسرین نے ظرفیہ مانا ہے۔ بعض نے شرطیہ ظاہر یہ ہے کہ شرطیہ ہے **ھم** کا مرجع وہی بنی اسرائیل ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ رسول سے مراد جنس رسول ہیں۔ خواہ ایک ہوں یا زیادہ کیونکہ بنی اسرائیل میں بعض وقت بہت سے نبی یک وقت آئے۔ لہٰذا آیت واضح ہے **بما لا تھوی انفسھم** اس عبارت میں ب تعدیہ کی ہے اس لئے **جاءھم** کے معنی ہو گئے لائے اور **ما لا تھوی** اس کا مفعول۔ **ما** سے مراد حق باتیں ہیں خواہ حق عقیدے ہوں یا نیک اعمال پھر خواہ توریت شریف کے ہی احکام ہوں جن کی تجدید کے لئے وہ حضرات آئے یا ان کے علاوہ اور احکام جو ان نبیوں پر وحی ہوئے لہٰذا ما میں بہت وسعت ہے۔ **تھوی** بنا ہے **ھوی** سے بمعنی گرنا گرانا۔ بری خواہشات کو **ھوی** کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کو نیچے گراتی ہیں۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں۔ یعنی خواہش اور دل کی پسندیدگی۔ انفس جمع ہے نفس کی۔ نفس کے بہت معنی ہیں۔ ذات' نفس امارہ' دل یہاں یا بمعنی نفس امارہ ہے یا بمعنی دل جب کبھی ان کے پاس ایک یا چند نبی وہ عقائد و نیک اعمال لے کر اپنے رب کی طرف سے آتے جو ان کی نفسانی خواہشات کے خلاف ہوتے **فریقا کذبوا و فریقا یقتلون** یہ عبارت کلما کی جزا نہیں ہے بلکہ جزاء کا نتیجہ ہے اس کی جزا تو پوشیدہ ہے عاودا یا عصوا پہلا فریقا" مفعول ہے **کذبوا** کا اور دوسرا فریقا" مفعول ہے **یقتلون** کا اور ان لوگوں نے جھٹلایا تو سارے نبیوں کو مگر بعض کو صرف جھٹلایا عمل سے عقیدے سے اور قول سے اور بعض کو جھٹلایا بھی اور انہیں قتل بھی کر دیا۔ خیال رہے کہ عیسائیوں نے حضرات انبیاء کو جھٹلایا تو مگر کسی کو قتل نہ کیا مگر یہود نے جھٹلایا بھی اور قتل بھی کر دیا چونکہ ایک نبی کا جھٹلانا گویا تمام کا

جھٹلاتا ہے مگر قتل ہر نبی کا علیحدہ جرم ہے اس لئے **کذبوا** کو ماضی فرمایا **یقتلون** کو مضارع استمراری یعنی قتل کرتے رہتے ہیں یا یہ مقصد ہے کہ قتل انبیاء کے یہ لوگ عادی ہو چکے ہیں۔ اگر ہم اپنے محبوب کی حفاظت نہ فرماتے تو یہ بدنصیب انہیں بھی شہید کر دیتے۔ چنانچہ حضور کو زہر دیا تو یہود نے آپ پر بھاری پتھر گرایا تو یہود نے۔ لہٰذا کوشش قتل اب بھی جاری ہے۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ اب تک یہود کے دو سنگین جرم بیان ہوئے۔ رب کے وعدے توڑ دینا وعدہ یاد دلانے والے پیغمبروں کو قتل کرتے رہنا اب ان جرموں کی وجہ کا ذکر ہے۔ جس کی بنا پر یہ لوگ ایسے گناہوں پر دلیر ہوئے یعنی ان گناہوں کو ہلکا سمجھنا کہ یہ معمولی جرم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ **وحسبوا ان لا تکون فتنۃ تکون** فعل تامہ ہے۔ **فتنۃ** اس کا فاعل فتنہ سے مراد رب تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا عذاب و بلا ہے یعنی ان بدنصیبوں نے گمان یہ کیا کہ یہ جرم معمولی ہیں ان پر بلا و عذاب کچھ نہ ہو گا۔ کیونکہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں ہمارے لئے سب کچھ روا ہے یا عذاب الٰہی نازل ہونے میں دیر ہوئی تو انہوں نے رب تعالیٰ کی ڈھیل سے غلط نتیجہ نکالا کہ سب کچھ معاف ہو گیا۔ عذاب و سزا کیسی۔ خلاصہ یہ کہ یہود نے ایسے بھاری جرموں کو تین وجہ سے ہلکا جانا۔ ایک یہ کہ ہم بڑے اونچے ہیں اولاد انبیاء ہمارے لئے یہ گناہ معمولی ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرات انبیاء کرام کسی بڑی شان کے مالک نہیں ہم جیسے ہیں ہم میں سے ایک ہیں ہمارے بھائی برادر چچا تائے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم پر اتنے گناہوں سے عذاب الٰہی نہیں آیا۔ رب تعالیٰ ہماری ان حرکتوں سے راضی ہے۔ **فعموا وصموا** یہ عبارت معطوف ہے **حسبوا** پر **عمی** سے مراد ہے دل کے اندھے اور **صموا** سے مراد ہے دل کے بہرے یعنی وہ لوگ عذاب میں دیر ہونے سے اور زیادہ دل کے اندھے بہرے ہو گئے کہ اب ان کی نگاہ میں بڑے سے بڑا گناہ برا ہی نہ رہا سرکشی میں حد سے بڑھ گئے اور ہو سکتا ہے کہ آنکھ و کان کے اندھے بہرے مراد ہوں کیونکہ جو آنکھ اللہ کی آیتیں نہ دیکھے وہ اندھی ہے۔ اگرچہ دنیا بھر کی تمام چیزیں دیکھے اور جو کان اللہ کا کلام اس کے نبیوں کے فرمان قبولیت سے نہ سنیں وہ بہرے ہیں اگرچہ دنیا بھر کی آوازیں سنیں جیسے کہ جو سرکاری ملازم ڈیوٹی نہ دے وہ نکما ہے۔ چاہے اور سارے کام کرے کیونکہ تنخواہ ڈیوٹی کی ملتی ہے نہ کہ دوسرے کاموں کی یوں ہی آنکھ کان اطاعت الٰہی اللہ کا کام کرنے کو دیئے گئے ہیں۔ دوسرے کام تابع ہیں۔ اس میں گفتگو ہے کہ یہ کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے قوی قول یہ ہے کہ اس میں ذکر اس واقعہ کا ہے کہ پہلے بنی اسرائیل نے حضرت شعیاء علیہ السلام کو شہید کیا اور حضرت ارمیاء علیہ السلام کو قید کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط فرما دیا۔ جس نے بیت المقدس کو ویران کر دیا۔ یہود کو تباہ کر ڈالا۔ ان میں سے اکثر کو ہلاک کر دیا جو بچے انہیں انتہائی طور پر ذلیل و خوار بنا دیا مقام بابل میں انہیں گویا مقید کر ڈالا۔ **ثم تاب اللہ علیھم۔ ثم** عطف مع تراخی کے لئے ہے کیونکہ ان کی توبہ کا واقعہ بہت عرصہ کے بعد ہوا کہ یہ لوگ بہت عرصہ تک بخت نصر کے پنجہ ظلم میں گرفتار رہے۔ آخر انہوں نے توبہ کی رب تعالیٰ نے ایک فارسی بادشاہ بہمن ابن اسفندیار مقرر فرمایا۔ جس نے ان اجڑے ہوئے اسرائیلیوں پر رحم کھایا۔ بیت المقدس کو پھر آباد کیا اور انہیں ان کے وطن فلسطین میں بسایا کچھ عرصہ میں یہ

لوگ بہت پھلے پھولے اور پہلے سے بھی زیادہ اور اچھے حال میں ہو گئے۔ خیال رہے کہ ان قاتلین انبیاء کو توبہ کی توفیق نہ ملی بلکہ ان کی اولاد در اولاد کو کیونکہ جب توہین نبی کرنے والے کو توفیق تو بمشکل ملتی ہے تو قاتلین انبیاء کو توبہ کی توفیق کیسی **ثم عموا و صموا کثیر منھم**۔ یہاں بھی ثم عطف تراخی کے لئے ہے کیونکہ یہ دوسرا جرم توبہ کے بہت عرصہ کے بعد ہوا چنانچہ یہ لوگ بہت عرصہ تک بیت المقدس میں خوب شاد آباد رہے۔ پھر ان میں سرکشی پھیلی تو حضرت زکریا علیہم السلام کو شہید کر ڈالا اور بہت سے انبیاء کرام کو جھٹلایا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی (تفسیر صاوی و روح المعانی وغیرہ) خیال رہے کہ **عموا** اور **صموا** کا فاعل کثیر نہیں ہے ورنہ یہ دونوں صیغے واحد آتے جمع نہ آتے بلکہ ان کا فاعل **ھم** ضمیر ہے اور کثیر بدل البعض لہٰذا آیت بے غبار ہے۔ چونکہ اس بار سارے یہودی بے دین و مجرم نہ ہوئے تھے بلکہ ان میں سے اکثر اس لئے یہاں فرمایا گیا۔ **کثیر منھم** یہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے جو سورہ بنی اسرائیل میں ہے **لتفسدن فی الارض مرتین** اس آیت نے ان کے دو بار فساد کی تفصیل کر دی اس تفسیر سے یہ آیت بالکل واضح ہو گئی اس کی چند اور تفسیریں ہیں مگر ضعیف۔ **واللہ بصیر بما یعملون** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں **یعملون** بمعنی ماضی ہے اور اس سے مراد بنی اسرائیل کے یہ ہی مذکورہ اعمال ہیں ان واقعات کو ظاہر فرمانے کے لئے صیغہ حال سے تعبیر فرمایا گیا۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ حال استمراری ہے یعنی اول سے لے کر اب تک یہ لوگ جو کچھ کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ ہم سب کچھ دیکھ رہے ہیں لہٰذا اس میں اسرائیلیوں کی موجودہ بد کرداریاں بھی داخل ہیں۔ جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں کر رہے ہیں۔ جیسے حضور کو زہر کھلانا۔ آپ پر پتھر لڑکانا۔

خلاصہ تفسیر یہود کا دستور تھا کہ ہمیشہ اپنے فضائل و کمالات کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے تھے کہ ہم اولاد انبیاء ہم توریت کے عالم ہم مقدس لوگ ہم ویسے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لیتے ہوئے ان کے وہ چھپے ہوئے حالات بیان کئے۔ جسے ان لوگوں نے دنیا سے چھپا رکھا تھا جس سے وہ ایسے بدنام ہوئے کہ یہ بدنامی کا داغ ان کے دھوئے نہیں دھل سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان یہود کی ایذا رسانیوں اور کفر پر ضد کرنے سے ملول نہ ہوں یہ تو بڑے پرانے پاپی ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان سے توریت شریف میں نیز موسیٰ علیہ السلام کی معرفت ایمان تقویٰ احترام انبیاء اطاعت رسول کا بہت پختہ عہد لیا پھر وہ عہد یاد دلانے کے لئے ان میں ایک دو نہیں۔ متفرق زمانوں میں صدہا رسول بھیجے مگر ان کا وطیرہ یہ رہا کہ جب بھی ان کے پاس رسول تشریف لاتے اور انہیں وہ احکام الہیہ سناتے پہنچاتے جو ان کی خواہشات نفسانیہ کے خلاف ہوتے تو یہ لوگ بجائے اطاعت کرنے کے ان حضرات میں سے کسی جماعت کو تو صرف جھٹلاتے اور کسی جماعت کو جھٹلا کر قتل کر ڈالتے ہم حلیم ہیں کریم ہیں عرصہ تک ان کا یہ ہی طریقہ رہا ہماری ڈھیل سے یہ لوگ۔ بالکل ہی غافل ہو گئے اور سمجھ گئے کہ انبیاء کو جھٹلانا یا قتل کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اس پر کوئی عذاب و سزا نہیں آتی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل اندھے بہرے ہو گئے

گناہوں پر دلیر پھر ہم نے ان پر سخت بادشاہ مسلط کیا تو چیخ پڑے توبہ کی ہم نے معافی دے دی اور ان پر رحم دل بادشاہ مقرر کر دیا یہ چین سے ہو گئے پھر انہیں سرکشی سوجھی اس بار سارے تو نہیں اکثر لوگ پھر دل کے بہرے اندھے ہو گئے۔ پہلی بار میں تو انہوں نے حضرت شعیاء علیہ السلام کو قتل کیا تھا۔ اب کی بار میں حضرت زکریا یحیٰی علیہ السلام کو قتل کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی پوری کوشش کی آپ کو شہید کرنے کی تدبیریں کیں ہم ان سے بے خبر نہیں ہیں جو کچھ یہ کرتے رہے ہیں یا کر رہے ہیں۔ ہم سب دیکھ رہے ہیں انہیں ایسی ماریں ماریں گے کہ یہ یاد کریں گے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** مومن وہ ہے جو اپنی خواہش کو حکم الٰہی کے تابع کرے اپنے کو شریعت کے سانچے میں ڈھالے۔ کافر وہ ہے جو حکم الٰہی کو اپنی خواہش کے تابع کرنا چاہے اپنے سانچے میں شریعت کو ڈھالے یہ فائدہ **بما لا تھوی انفسھم** الخ سے حاصل ہوا۔ اس سے ہم مسلمانوں کو عبرت پکڑنا چاہیے۔ **دوسرا فائدہ** قتل نبی بدترین جرم ہے ناقابل معافی اور ہر قتل علیحدہ مستقل جرم ہے۔ تکذیب نبی ایک ہی جرم ہے یہ فائدہ **کذبوا** کو ماضی فرمانے اور **یقتلون** کو مضارع فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **تیسرا فائدہ** سعید بندے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے معمولی گناہ کو بہت بڑا اور بڑی نیکی کو نہایت معمولی بلکہ معدوم سمجھتا ہے۔ بدبخت بندے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے گناہوں کو معمولی اور معمولی نیکی کو بڑا سمجھتا ہے۔ یہ فائدہ **وحسبوا لا تکون فتنۃ** سے حاصل ہوا۔ مولانا عطار فرماتے ہیں کہ میری سوانح عمری یہ ہے کہ **شعر:**

☆ بے گناہ نہ گذاشت بہا ساعتے! ☆ باحضور دل نہ کردم طاعتے! ☆

حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں **شعر:**

☆ من نہ گویم کہ طاعتم بپذیر ☆ قلم عفو برگناہم کش! ☆

حضرت علی مرتضیٰ فرمایا کرتے تھے **شعر:**

☆ **الٰھی عبدک العاصی اتاک** ☆ **مقر بالذنوب وقد دعاک** ☆

حضرت صدیق اکبر فرماتے ہیں **شعر:**

☆ **کیف حال یا الٰھی لیس لی خیر عمل** ☆ **سواء اعمال کثیر زاد طاعاتی قلیل** ☆

حضرت ابو سفیان ابن حارث نے مسلمان ہونے کے بعد کبھی حضور انور کی بارگاہ میں آنکھ اونچی نہ کی۔ ہمیشہ شرم و حیا سے سرنگوں بارگاہ عالی میں بیٹھتے تھے۔ اللہ اپنا خوف نبی کی شرم نصیب فرمائے۔ **چوتھا فائدہ** بندے پر رب تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب اس کے دل کو اندھا بہرا اور ناقابل ہدایت بنا دیتا ہے۔ قانون کے جرم کی سزا جان مال کے نقصان سے ملتی ہے مگر قرآن کے جرم کی سزا ایمان کے نقصان سے ملتی ہے۔ اس جرم کا اثر سیدھا دل پر پڑتا ہے۔ یہ فائدہ **عموا وصموا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے اگر انتہائی جرم کے باوجود عذاب الٰہی نہ آوے تو

سمجھو کوئی سخت عذاب آنے والا ہے۔ یہ فائدہ **وحسبوا لا تکون** الخ سے حاصل ہوا شعر:۔

☆ تو مشو مغرور بر حلم خدا ☆ دیر گیرد سخت گیرد مر ترا ☆

چھٹا فائدہ مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ چھوٹے گناہ کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے گناہ کو معمولی تصور کرتا ہے یہ فائدہ **وحسبوا ان لا تکون فتنة** سے حاصل ہوا۔ کوئی گناہ معمولی سمجھ کر مت کرو کہ کبھی چھوٹی چنگاری سے گھر جل جاتا ہے۔ اور کوئی نیکی معمولی سمجھ کر چھوڑ مت دو کہ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچا لیتا ہے یہ آیات مسلمانوں کے لئے درس عبرت ہے۔ ساتواں فائدہ توبہ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے۔ جس کی وجہ سے بڑے سے بڑے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ کفر بھی۔ یہ فائدہ **ثم تاب اللہ علیھم** سے حاصل ہوا اس لئے بڑے سے بڑا مجرم بھی مایوس نہ ہو توبہ کرے مگر خیال رہے کہ ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے کفر سے توبہ ایمان قبول کر لینا ہے۔ حقوق العباد سے توبہ ان کا ادا کر دینا پھر معافی مانگنا ہے۔ بعض گناہ وہ ہیں جن کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ مجرم کو توبہ نصیب نہیں ہوتی توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ جیسے نبی کی توہین۔ دیکھو ابلیس کو توبہ کی توفیق نہ ملی ہے نہ ملے کیونکہ وہ توہین پیغمبر کا مجرم ہے۔ یوں ہی قتل نبی ایسا جرم ہے کہ اس کے مجرم کو توبہ نصیب نہیں ہوتی۔ اس لئے یہاں **ثم تاب اللہ علیھم** ارشاد ہوا تاکہ معلوم ہو کہ قاتلین پیغمبر نے توبہ نہ کی۔ بلکہ عرصہ کے بعد ان کی اولاد اور ہم قوم نے کی۔ آٹھواں فائدہ جس مصیبت سے توبہ کی توفیق مل جاوے وہ مصیبت اللہ کی رحمت ہے اور جس راحت سے انسان رب سے غافل ہو جاوے وہ دولت و راحت اللہ کا عذاب ہے دیکھو بنی اسرائیل پر جب بخت نصر مسلط ہوا تو انہوں نے توبہ کی کہ ارشاد ہوا **ثم تاب اللہ علیھم**

پہلا اعتراض **کلما جاء ھم رسول** اور اس کی جزا یعنی **فریقا کذبوا** الخ میں مناسبت نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہود کے پاس آئے تو ایک رسول اور وہ لوگ ایک فریق کا انکار ایک فریق کو قتل کریں کیا ایک رسول کے بھی دو فریق ہو سکتے ہیں۔ فریق تو پوری جماعت ہوتی ہے ایک رسول دو جماعتیں کیسے بن گئے۔ جواب اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں رسول واحد نہیں۔ بلکہ جنس ہے جس میں ایک اور زیادہ سب شامل ہیں اور **کلما جاء ھم** کی جزاء **فریقا کذبوا** الخ نہیں بلکہ اس کی جزا پوشیدہ ہے یہ **فریقا کذبوا** الخ اس جزاء کا نتیجہ ہے۔ معنی یہ ہیں کہ جب کبھی ان کے پاس رسول آئے ایک یا زیادہ تو انہوں نے ان کی نافرمانی کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اطاعت کرنے کی بجائے ان میں سے بعض کو قتل کیا۔ بعض کا انکار لہذا آیت کا مطلب ظاہر ہے۔ دوسرا اعتراض حضرات انبیاء کرام کا جھٹلانا اور ان کا قتل نزول قرآن سے پہلے ہو چکا تھا پھر جھٹلانے کو ماضی اور قتل کو مضارع سے کیوں بیان فرمایا کہ وہاں **کذبوا** کہا اور یہاں **یقتلون**۔ جواب اس لئے کہ ان کا جھٹلانا تو ایک بار ہی ہو گیا۔ ایک نبی کا جھٹلانا تمام کا جھٹلانا ہے تمام تکذیبیں ایک میں شمار ہیں مگر ہر نبی کا قتل علیحدہ جرم ہے تو گویا قتل بار بار واقع ہوا تکذیب ایک بار حتیٰ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے قتل کی دو بار انتہائی کوشش کی کہ خیبر میں حضور کو زہر دیا مدینہ منورہ میں اوپر سے آپ پر بھاری پتھر لڑکایا۔ رب تعالی نے اپنے حبیب کو بچالیا مگر وہ تو اپنا کام کر ہی چکے تھے یہ ہے۔ **یقتلون** کا ظہور **تیسرا اعتراض** عقیدے کا مسئلہ ہے کہ نبی کے قاتل کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی وہ یہود حضرات انبیاء کرام کے قاتل تھے پھر ان کو توبہ کیسے ملی کہ فرمایا **ثم تاب الله علیهم** نیز قتل حق عبد ہے۔ جس کی توبہ کے لئے مقتول کے وارثوں سے معافی مانگنا لازم ہے ان قاتلین نے یہ بھی نہیں کیا پھر یہ آیت درست کیسے ہوئی۔ **ثم تاب الله علیهم**۔ **جواب** ان دونوں اعتراضوں کا جواب **ثم** سے دے دیا گیا ہے کہ خود قاتلین کو توبہ نہ ملی بلکہ صدیوں کے بعد ان کی اولاد در اولاد کو توبہ کی توفیق ملی اور توبہ قتل کی حمایت سے ہوئی کہ یہ لوگ اپنے باپ دادوں۔ کے حامی تھے اب توبہ کرلی لہذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض ثم عموا وصموا کثیر منهم** یہ عبارت ترکیب نحوی کے لحاظ سے درست نہیں کیونکہ جب فعل کا فاعل ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ واحد ہی آتا ہے فاعل خواہ واحد ہو خواہ جمع۔ جب **عموا** کا فاعل کثیر ہے تو **عمی وصمی** آنا چاہیے تھا۔ **جواب** مفسرین نے اس اعتراض کے چند جوابات دیئے ہیں ایک یہ کہ **کثیر منهم** فاعل نہیں اس کا فاعل تو **هم** ہے یہ اس **هم** کا بدل البعض ہے اور جب فاعل ضمیر ہو تو فعل مطابق فاعل کے آتا ہے دوسرے یہ کہ **کثیر منهم** خبر ہے مبتداء پوشیدہ کی اور یہ الگ جملہ ہے اصل عبارت یہ ہے **العمی والصمم کثیر منهم** اندھا پن بہرا پن ان سے بہت ہی ہے۔ تیسرے یہ کہ **عموا وصموا** میں واؤ ضمیر کا نہیں بلکہ علامت جمع ہے عرب کہتے ہیں **اکلونی البراغیث** مجھے مچھروں نے کھالیا **اکلوا** صیغہ جمع نہیں (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) **پانچواں اعتراض** اللہ تعالی حضرات انبیاء کی مدد ان کی فتح و نصرت کا وعدہ فرما چکا ہے قرآن کریم میں بھی بارہا اس کا اعلان ہے پھر یہود ان انبیاء کو قتل کیسے کرسکے رب تعالی نے انبیاء کرام کی مدد کا وعدہ کیوں پورا نہ کیا۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب پہلے پارہ میں دیا جا چکا ہے کہ یہود نے ان ہی انبیاء کرام کو شہید کیا۔ جن کے دین میں جہاد نہ تھا۔ خفیہ تدبیروں سے شہید کیا۔ کوئی نبی جہاد میں کفار کے ہاتھوں شہید نہ ہوئے۔ مدد کفار کے مقابلہ میں فرمائی گئی۔ **چھٹا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا **ثم تاب الله علیهم** جس سے معلوم ہوا کہ قاتلین انبیاء کو توبہ کی توفیق ملی اور وہ تائب ہو گئے کیا قتل نبی سے توبہ ہو جاتی ہے۔ **جواب** اس کا جواب اس آیت میں موجود ہے کہ فرمایا گیا **ثم تاب علیهم ثم** سے بتایا گیا کہ توبہ بہت عرصہ کے بعد ہوئی تو توبہ قاتلین نے نہ کی بلکہ ان کی اولاد در اولاد نے کہ وہ قتل انبیاء سے راضی ہونے کی وجہ سے سخت کافر تھے۔ پھر انہوں نے توبہ کی مسلمان ہو گئے اپنے ان باپ دادوں کو کافر سمجھنے لگے۔ خیال رہے کہ کافر مسلمانوں سے جنگ کریں اور مسلمانوں کو شہید کردیں پھر توبہ کر کے مسلمان ہو جاویں تو ان کا یہ قتل ایمان کی برکت سے معاف ہو جاوے گا۔ ایمان کی برکت سے کفر کے زمانہ کے یہ خون معاف ہیں۔ رب تعالی فرماتا ہے۔ **الا من تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل الله سیاتهم حسنٰت** الخ۔

تفسیر صوفیانہ جسمانی بیماریوں کا اثر جسم پر پڑتا ہے کہ اس سے جسم کمزور ہو جاتا ہے۔ مگر نفسانی بیماریوں کا اثر دل اور روح پر پڑتا ہے کہ اس سے روحانی قوتیں کمزور یا ختم ہو جاتی ہیں۔ آنکھ کا موتیا آنکھ کو اندھا کر دیتا ہے مگر کفر و بد عملی کا موتیا دل کو اندھا بنا دیتا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرات انبیاء کے قتل کا نتیجہ بیان کیا **عموا و صموا** اگر انسان کی دستگیری رحمت الٰہی نہ کرے تو وہ مفید چیزوں سے نقصان ہی اٹھاتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام ایمان' عرفان' رحمت رحمان دینے آتے ہیں مگر بدبخت انسان ان کی تکذیب کر کے انہیں ایذائیں دے کر طغیان' کفران' عصیان ہی کماتا ہے۔ فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں کہ جو راہ آخرت چلنا چاہے وہ سفید۔ سرخ' کالی' ہری موت اختیار کرے۔ سفید موت بھوک ہے۔ کالی موت لوگوں کے طعنے ہیں۔ سرخ موت شیطان و نفس کی مخالفت ہے۔ ہری موت دنیاوی مصیبتیں اور بیماریاں ہیں جو اس راستہ سے بھٹکا مارا گیا۔ اندھا بہرا سفر کیسے کرے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ کور راہر گام باشد ترس چاہ ☆ باہزاراں ترس می آید براہ!! ☆
☆ مرد بینا دیدہ عرض راہ را ☆ پس بداند او مغاک و چاہ را!! ☆
☆ ماہیاں رابحر نگذارد بروں ☆ خاکیاں رابحر نگذارد بروں! ☆
☆ اصل ماہی آب و حیوان از گل است ☆ حیلہ و تدبیر آنجا باطل است! ☆
☆ قفل است و کشایندہ خدا! ☆ دست در تسلیم زن اندر رضا! ☆

یعنی اندھے کو ہر قدم پر کنوئیں کا خوف ہوتا ہے وہ ہزارہا خوفوں کے درمیان سے راہ طے کرتا ہے۔ آنکھ والا غار کنوئیں وغیرہ سے بے خطر چلتا ہے۔ مومن انکھیارا ہے کافر اندھا مخلوق دو قسم کی ہے۔ آبی و خاکی۔ آبی مخلوق کی سرشت میں پانی کا غلبہ ہے۔ خاکی مخلوق کی سرشت میں خاک غالب ہے۔ دریا آبی مخلوق کو باہر نہیں چھوڑتا۔ خاکی مخلوق کو اندر نہیں چھوڑتا۔ یہاں تدبیر کام نہیں آتی۔ نبوت کا سمندر مومن کو باہر نہیں رہنے دیتا کافر کو اندر نہیں بساتا مومن کا نبی کے بغیر گزارہ نہیں کافر کا نبی کے پاس گزارہ نہیں۔ اے گنہگار مسلمان اپنے زنگ آلود دل کو رب کے حوالہ کر وہ ہی اس کے کھولنے والا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم شہادت دیکھنے کے لئے ظاہری اعضاء دیئے گئے ہیں۔ عالم غیب محسوس کرنے کے لئے دل عطا ہوا کسی کی شکل و شباہت آواز وغیرہ شہادت ہے۔ یہ آنکھ کان سے محسوس ہوتی ہے۔ مگر اس کی روح یوں ہی اس کی الفت و عداوت رشتہ داری وغیرہ عالم غیب ہے جو دل سے معلوم ہوتی ہے پھر جیسے آنکھ کے لئے صدہا بیماریاں ہیں ایسے ہی دل کے لئے صدہا بیماریاں ہیں۔ جیسے آنکھوں کے بہت علاج ہیں یوں ہی بیمار دل کی بہت دوائیں ہیں دل کا سرمہ بھی ہے جس سے دل کی نظر تیز ہوتی ہے۔ آنکھ کا سرمہ طور سے آتا ہے۔ دل کا سرمہ حضرات اولیاء اللہ کے آستانوں سے عداوت نبی دل کو اندھا کر دیتی ہے۔ اس لئے فرمایا گیا **ثم عموا و صموا** کہ وہ یہود عداوت نبی سے دل کے اندھے بہرے ہو گئے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ سرمہ کن در چشم خاک اولیاء ☆ تابہ بینی زابتداء تا انتہا ☆

نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگرچہ رب تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے مگر بروں کو اور ان کے برے کاموں کو قہر کی نظر سے دیکھتا ہے اور اچھوں کو اور ان کے اچھے کاموں کو رحم و کرم کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہاں **واللہ بصیر بما یعملون** میں قہر کی نظر سے دیکھنا مراد ہے کہ اس سے پہلے مقہوروں کا ذکر ہوا تو جو بدوں کی صحبت اختیار کرے گا۔ ان سے الفت رکھے گا وہ بھی رب تعالیٰ کی نظر قہر میں آجاوے گا اور جو اچھوں کی صحبت و الفت اختیار کرے گا وہ بھی رب کی نظر رحمت میں آجاوے گا۔ اس لئے ہمارے ہاں ولی کی ایک ساعت کی صحبت سو برس کی عبادت سے بہتر ہے کہ ولی کے آستانہ پر نظر رحمت پڑ رہی ہے۔ نظر صرف ایک چیز کو نہیں دیکھتی اس کے ساتھ بہت کو دیکھ لیتی ہے۔ جب ہماری نظر کا یہ حال ہے تو رب تعالیٰ کی نظر تو بڑی وسیع ہے نہ معلوم ہو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنوں کو بلاحظہ فرمالیتی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ

بے شک تحقیق کفر کیا انہوں نے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ وہ مسیح ہیں بیٹے مریم کے حالانکہ فرمایا

بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ وہی مسیح ابن مریم کا بیٹا ہے اور مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل

الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

مسیح نے اے اولاد یعقوب عبادت کرو اللہ میرے اور اپنے رب کی تحقیق وہ جو شرک کرے ساتھ اللہ

اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب بے شک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر

فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

کے پس بے شک حرام کر دیا اللہ نے اوپر اس کے جنت اور ٹھکانا اس کا آگ ہے اور نہیں ہے واسطے ظالموں کے کوئی مددگار

جنت حرام کر دی اور اسکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کے مشترکہ جرموں کا ذکر ہوا اب عیسائیوں کے خاص جرم و بے دینی کا ذکر ہے یعنی حضرت مسیح کو خدا کہنا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ بنی اسرائیل تعلیم انبیاء کے مقابلہ میں اپنے نفس کے بتائے ہوئے راستہ کو ترجیح دیتے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے ایسے پیغمبروں کو قتل تک کر دیا۔ جن کی تبلیغ ان کی نفسانی خواہشات کے خلاف تھی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ نفس انسانی ایسا گمراہ کن ہے کہ انسان کو گمراہی کفر کے گہرے کنوئیں میں گرا دیتا ہے۔ چنانچہ اب عیسائیوں کے نفسانی عقیدوں کے ذکر ہے گویا نفس کی اتباع کرنے والوں کا حال بتا کر نفس کا حال بتایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ

میں بنی اسرائیل کے بہرے اندھے ہونے کا ذکر تھا۔ اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ یہ لوگ اپنے اندھے پن سے ایسے عقیدے اختیار کر چکے ہیں جو عقل و دانش کے بالکل خلاف ہیں یعنی حضرت مسیح کا اللہ ہونا گویا پچھلی آیت میں ان کے اندھے ہونے کا ذکر تھا اب اس کا ثبوت ہے۔

شان نزول ایک بار نجران کے عیسائیوں کے سردار سید عاقب اور ان کے متبعین نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود خدا ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود مریم کے پیٹ سے جنا گیا اور رب تعالیٰ نے حضرت مسیح میں حلول فرمالیا ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان)

تفسیر لقد کفر الذین قالوا عیسائیوں کے بہت فرقے ہیں اور ان کے مختلف عقیدے جن میں سے فرقے یعقوبیہ اور ملکانیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مریم نے اللہ جنا وہی ذات جو اللہ ہے وہی بشکل مسیح دنیا میں آگئی۔ اس آیت میں ان کی تردید ہے کچھ فرقوں کا عقیدہ اس کے خلاف ہے ان کا ذکر اگلی آیت میں ہے چونکہ یہ عقیدہ نرا کفر ہے اور جہنمی ہونے کا راستہ مگر انہوں نے اس عقیدے کو عین ایمان سمجھا اور جنتی ہونے کا راستہ تصور کیا۔ اس لئے اس آیت کریمہ کو لام اور قد دو تاکیدوں سے مؤکد فرماکر شروع کیا گیا۔ خیال رہے کہ ہر شرک کفر ہے مگر ہر کفر شرک نہیں۔ کفر بہت عام ہے۔ شرک خاص ' کسی عقیدہ اسلامیہ کا انکار کفر ہے مگر کسی بندہ کو خدا کی برابر جاننا یا اس طرح کہ بندہ کو اونچا کر کے رب کے برابر سمجھا جائے۔ یا رب تعالیٰ کی شان گھٹا کر اسے بندہ کی برابر کر دیا جاوے یہ مشرک ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عیسائی پکے کافر ہیں کہ رب تعالیٰ کی ذات و صفات کے منکر ہیں۔ مگر شرک نہیں کہ انہوں نے چند خدا نہ مانے۔ خدا ایک ہی مانا جو عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں آگیا نعوذ باللہ اور ہو سکتا ہے کہ ہر کفر بھی ایک معنی سے شرک ہے۔ اس لحاظ سے یہ مشرک بھی ہیں انشاء اللہ اس کی بحث سوال و جواب میں آوے گی۔ **الذین** سے مراد یعقوبیہ ملکانیہ فرقے کے عیسائی ہیں۔ **قالوا** سے مراد دل کا قول یعنی عقیدہ باطلہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ زبانی قول مراد ہو جو دل سے یہ عقیدہ رکھے مگر زبان سے خاموش رہے وہ حقیقتاً کافر ہے اور جو زبان سے یہ بکواس کرے دل سے اس کا قائل نہ ہو وہ بھی شرعاً" کافر ہے کہ کفر بکنا بھی کفر ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ **قالوا** کو عام مانا جاوے زبانی قول ہو یا جنانی قول یعنی عقیدہ **ان اللہ ھو المسیح ابن مریم** یہ عبارت قالوا کا مقولہ ہے۔ ھو حصر کے لئے ہے۔ حصر کی وجہ اور یہ کہ یہ حصر دو طرفہ ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ بے وقوف کہتے تھے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ تو خدا کے بیٹے ہیں نہ تیسرے خدا جیسا کہ ان کے دوسرے فرقے کہتے ہیں۔ بلکہ وہ عین خدا ہیں اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں کہ اللہ مسیح ہی ہیں اور حماقت دیکھو کہ اس حصر کے باوجود وہ لوگ حضرت مسیح کو ابن مریم بھی کہتے ہیں۔ یعنی جناب مسیح ابن مریم ہونے کا باوجود عین اللہ ہیں خود ان کے کلام ہی میں ان کی تردید ہے جو کسی کا بیٹا ہو وہ خدا کیسا مگر وہ یہ نہ سمجھ سکے۔ **وقال المسیح یبنی اسراءیل اعبدوا اللہ ربی وربکم**۔ اس عبارت میں ان کی

نقلی تردید ہے۔ یعنی تم جنہیں خدا کہہ رہے ہو وہ خود اپنے کو رب کا بندہ کہتے تھے بلکہ بندگی میں اپنے کو تمہاری طرح قرار دیتے تھے۔ اگر وہ خود اللہ تھے تو پھر اللہ کی عبادت کیوں کرتے تھے۔ عابد و معبود ایک نہیں ہو سکتے۔ غیر غیر چاہئیں نیز پھر وہ یہ کیوں فرماتے کہ اللہ کی عبادت کرو پھر تو وہ فرماتے کہ میری عبادت کرو نیز پھر وہ اللہ کو اپنا رب کیوں فرماتے رب و مربوب غیر غیر چاہئیں ان کا یہ فرمان تمہارے عقیدہ کی ایک دو قسم کی نہیں بلکہ بہت طرح بہت قسم کی تردید ہی کر رہا ہے۔ تمہارا عقیدہ الوہیت مسیح ان کے فرمان کے بالکل خلاف ہے۔ خیال رہے کہ حضرت مسیح کا یہ فرمان تحریف شدہ انجیلوں کے اندر موجود تھا۔ بلکہ اب بھی موجود ہے جسے عیسائی مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں۔ اسی لئے جناب مسیح کا یہ فرمان پیش فرمانا بالکل صحیح ہے اور عیسائی یہ نہیں کہہ سکتے کہ جناب مسیح نے یہ فرمایا ہی نہ تھا غرضیکہ ان کی تردید عقلی دلائل سے تو ابن مریم فرما کر کر دی اور نقلی دلائل سے یہ فرما کر کر دی۔ **انہ من یشرک باللہ** اس جملہ میں ان عیسائیوں کے بد عقیدے کی سزا کا ذکر ہے۔ **من** سے مراد ہر شخص ہے جن ہو یا انس **یشرک** بنا ہے۔ **اشراک** سے ' بمعنی حصہ دار یا ساجھی ماننا اس کا مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ جس سے عموم کا فائدہ حاصل ہو اس جملہ میں تین اطلاق ہیں' شرک کا اطلاق من کا عموم پھر شرک کے مفعول بہ کا اطلاق یعنی جو جن و انس کسی درجہ کا ہو اولاد انبیاء ہو یا کوئی اور کسی چیز کو نبی ولی کو جاندار یا بے جان چیز کو زمین یا آسمان کسی شئی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے۔ کسی طرح خواہ اس طرح کہ اسے مستقل خدا مانے خواہ اس طرح کہ اس میں خدا کی سی صفات مانے مثلاً کسی کو مستقل ذاتی عالم الغیب موجود۔ حیی مانے یا یہ سمجھے کہ وہ ذاتی مستقل طور پر شافی الامراض مردے زندہ کرتا ہے۔ غرضیکہ کسی قسم کا شرک کرے اور ہو سکتا ہے کہ شرک سے مراد کفر ہو کیونکہ یہ عیسائی جن کا یہاں ذکر ہے۔ مشرک نہ تھے بلکہ کافر تھے نیز جو تین سزائیں آئندہ مذکور ہیں وہ ہر کفر کی ہیں۔ خواہ مشرک کافر ہو یا موحد کافر یا دہریہ کافر۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ نہیں کہ مشرک کی تو یہ سزائیں ہیں۔ کافر کی نجات ہے بہر حال مقصد یہ ہے کہ جو مخلوق کسی قسم کا کفر کرے اس کی تین سزائیں ہیں۔ پہلی یہ کہ **فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ** یہ عبارت **من یشرک** کی جزا ہے۔ **حرم** بنا ہے۔ **تحریم** سے ' بمعنی بالکل حرام کر دینا ہے یعنی اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا داخلہ تو کیا وہاں کی خوشبو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام فرما دی کہ وہ کسی نیکی کی وجہ سے کسی اعلیٰ نسبت کے ذریعہ جنت کے قریب بھی نہیں جا سکتا اس کے لئے جنت کا داخلہ وہاں کی نعمتیں حرام ہیں وہ محرم علیہ ہے۔ دوسری سزا یہ کہ **ماویہ النار** یہ جملہ معطوف ہے **حرم اللہ** الخ پر اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ نہ ہو گا کہ مشرک و کافر جنت سے محروم ہو کر اعراف میں چلا جاوے جہاں نہ عذاب ہو نہ ثواب بلکہ وہ نرا دوزخی ہو گا۔ **ماوی** بنا ہے **اوی** سے ' بمعنی پناہ دائمی مقام کو **ماوی** کہتے ہیں۔ عارضی مقام کو منزل **نار** سے مراد دوزخ ہے۔ خواہ وہاں کا گرم طبقہ ہو یا ٹھنڈا تیسری سزا یہ کہ **وما للظلمین من انصار** اس جملہ میں یا تیسری سزا کا ذکر ہے یا ان دونوں سزاؤں کی علت کا بیان ہے یعنی ایسے مشرک و کافر ظالم ہیں۔ اور قیامت میں ظالم کا مددگار کوئی نہیں۔ خیال رہے کہ عیسائی بہت چیزوں کو اپنا مددگار مانتے تھے۔ حضرت عیسیٰ '

حضرت مریم' روح القدس صلیب وغیرہ۔ ان سب کی مدد کی نفی فرمانے کے لئے انصار جمع ارشاد ہوا اور ہر فرد کی نفی کرنے کے لئے **من** استغراقیہ ارشاد ہوا یا یہ مطلب ہے کہ مدد بہت قسم کی ہوتی ہے اور مددگار بہت طرح کے مال سے مددگار' جانی مددگار' قوت و طاقت سے مددگار' شمید و جماعت سے مددگار ان تمام قسم کے مددگاروں کی نفی کے لئے **من انصار** فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ **انه من یشرک** سے لے کر انصار تک یا تو رب تعالیٰ کا اپنا کلام ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی کلام ہے۔ جسے رب نے نقل فرمایا تھا یعنی ان جناب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے اور اپنے رب کی عبادت کرو اور یہ بھی فرمایا تھا کہ مشرک کی یہ تین سزائیں ہیں۔ ظاہر یہ ہی ہے کہ یہ بھی حضرت مسیح کا فرمان عالی ہے۔

خلاصہ تفسیر عیسائیوں کے الوہیت مسیح کے متعلق مختلف عقیدے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ تیسرے خدا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ خود خدا ہی ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان کی شکل میں دنیا میں ظہور فرمایا اس آیت کریمہ میں اس تیسرے فرقے کی نہایت شاندار تردید فرمائی گئی کہ ارشاد ہوا وہ عیسائی نرے کافر و مشرک ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ جناب مسیح ابن مریم ہی خدا ہیں اور خدا مسیح ابن مریم ہی ہے۔ اول تو ان جناب کا ابن مریم ہونا ہی ان کے اس عقیدہ کے تردید کے لئے کافی ہے کہ جو کسی کا بیٹا ہو وہ خدا کیسا جو کسی کے پیٹ میں سما جاوے۔ جنا جاوے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خود حضرت مسیح کے ارشادات گرامی بھی ان کی تردید کر رہے ہیں۔ انہوں نے اعلانیہ فرمایا تھا کہ اے اسرائیلیو تم اس ذات کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب۔ اس فرمان مسیحی میں چند باتیں خیال میں رہیں ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام شریف عیسیٰ ہے یعنی شرافت والے لقب مسیح ہے یا مسیح سے بنا۔ معنی چھونے والے یعنی چھو کر مردوں کو زندہ بیماروں کا اچھا کرنے والے۔ دوسرے یہ کہ آپ چونکہ صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں اس لئے انہیں کو خطاب فرمایا ورنہ اللہ کی عبادت ہر شخص پر لازم ہے یا بنی اسرائیل دوسری قوموں کے سردار مانے جاتے تھے ان کے درست ہو جانے سے دوسری قوموں کی درستی کی امید تھی اس لئے ان سے خطاب کیا۔ تیسرے یہ کہ آپ نے ربنا فرمایا۔ جس میں آپ اور بنی اسرائیل سب ہی آ جاتے بلکہ **ربی و ربکم** فرمایا تو اس لئے کہ اللہ سب کا رب ہے نبی کا بھی غیر نبی کا بھی مگر نوعیت ربوبیت میں فرق ہے نبی کا رب اس طرح ہے کہ انہیں امت کا مربی۔ انہیں دینے والا بنایا۔ امت کا نبی اس طرح کہ انہیں لینے والا بنایا۔ جیسے وہ سورج و بادل کا بھی رب ہے۔ جو دینے والے ہیں زمین کا بھی رب ہے۔ جو سورج بادل سے لینے والی ہے یا اس لئے کہ اللہ کی معرفت نبی کے ذریعہ سے ہو تو ایمان ہے۔ بغیر واسطہ نبی ہو تو عین بے دینی' نبی کا انکار کر کے خدا کو ماننا کفر ہے لہذا حضرات انبیاء نہ خدا ہیں نہ ہم جیسے بشر کہ اگر تم نے کسی کو خدا یا خدا کی طرح مانا تو وہ مشرک ہے اور مشرک کی تین سزائیں ہیں ایک یہ کہ وہ جنت سے دائمی محروم ہے دوسرے یہ کہ اس کا ٹھکانہ دوزخ جہاں اس نے ابد الآباد تک رہنا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ ظالم ہے اور ظالموں کا مددگار قیامت میں کوئی نہیں تو وہ بے یار و مددگار ہوگا۔ ان جیسے ارشادات کے ہوتے ہوئے جو انہیں خدا مان لے وہ پورا ہی بے وقوف بھی ہے اور بڑا

مشرک و ظالم بھی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ آخرت کے معاملات میں انسانی عقل بالکل ہی بے کار بلکہ مضر ہے وہاں نور نبوت ہی چاہیے۔ دیکھو عیسائی جنہوں نے عقل سے دنیا کی صدہا بے نظیر چیزیں بنائیں وہ اس عقل کے ذریعہ ایمان نہ بنا سکے وہاں ایسے اندھے ہوئے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم مانتے ہوئے خدا مان بیٹھے یہ فائدہ **المسیح ابن مریم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ کسی قوم کی تردید کرنے کے لئے اس کے مانے ہوئے بزرگوں کے قول پیش کرنا سنت الہیہ ہے یہ فائدہ **وقال المسیح** الخ سے حاصل ہوا دیکھو رب تعالیٰ نے عیسائیوں کی تردید کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حکیمانہ قول پیش فرمایا۔ تیسرا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں۔ دوسری قوموں کو نبی نہیں۔ لہذا عیسائیوں کو یہ حق نہیں کہ ہر قوم کو عیسائیت کی دعوت دیں۔ یہ فائدہ **یبنی اسراءیل** فرمانے سے حاصل ہوا۔ انہوں نے ہمارے حضور کی طرح **یاایها الناس** نہ فرمایا۔ چوتھا فائدہ مربوبیت اور الوہیت کبھی جمع نہیں ہو سکتی یعنی اللہ کسی کا مربوب نہیں ہو سکتا۔ یوں ہی عبادت اور الوہیت کا اجتماع ناممکن ہے یہ فائدہ **اعبدوا اللہ** اور ربی فرمانے سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ مشرک و کافر پر جنت ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ مومن خواہ کیسا ہی گنہگار ہو انشاء اللہ جنت ضرور جاوے گا۔ خواہ معافی پاکر اول ہی سے خواہ سزا پاکر کچھ عرصہ کے بعد یہ فائدہ **فقد حرم اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ گنہگار مومن اگر دوزخ میں سزا پانے گیا تب بھی دوزخ اس کی منزل ہوگی اس کا ٹھکانہ نہ ہوگی۔ دوزخ ٹھکانہ صرف کافروں کے لئے ہے یہ فائدہ **ماواہ النار** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ کسی کافر و مشرک کو مرحوم یا جنتی یا بیکنٹھ باسی وغیرہ کہنا حرام ہے اور اگر اسے جنتی سمجھ کر یہ کہے تو وہ کافر ہے کہ وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ یوں ہی اس کے لئے دعاء مغفرت کرنا اسے ایصال ثواب کرنا حرام بلکہ بعض حالات میں کفر ہے۔ آٹھواں فائدہ قیامت میں مددگار نہ ہونا کفار پر عذاب ہے۔ مسلمانوں کے مددگار رب تعالیٰ نے بہت مقرر فرمادیئے ہیں ان کے مددگار انبیاء اولیاء قرآن مجید، چھوٹے بچے، کعبہ معظمہ، ماہ رمضان وغیرہ بہت ہیں یہ فائدہ **وما للظلمین** الخ سے حاصل ہوا کیونکہ یہاں بطریقہ حصر فرمایا گیا کہ ظالموں کا ہی مددگار کوئی نہیں اگر مسلمانوں کا مددگار بھی کوئی نہ ہو تو اس حصر کے کیا معنی۔ نواں فائدہ بعض جاہل نعت گو اور جاہل نعت خوان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا لکھ دیتے اور پڑھ دیتے ہیں جیسا کہ بہت جگہ سنا گیا ہے یہ کفر و شرک ہے یہ وہی یعقوبیہ ملکانیہ عیسائیوں والا عقیدہ ہے جسے قرآن کریم نے شرک قرار دیا یہ فائدہ **لقد کفر الذین قالوا** الخ سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں نہ خدا کا جزء ہیں نہ خدا کے بیٹے پوتے ہیں حضور خالص بندے ہیں اور اللہ کے سچے رسول تمام مخلوق کے آقا و مولیٰ اسلام کا عقیدہ یہ ہے۔ سبحان اللہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا ہی خوب فرمایا۔ شعر:

حق یہ ہے کہ ہیں عبد الہ اور عالم امکان کے شاہ
برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

دسواں فائدہ بعض جاہل صوفی بے دین پیر مسئلہ وحدت الوجود کو سمجھے بغیر ہر چیز کو خدا کہہ دیتے ہیں یہ کفر و شرک ہے اللہ کے ماسواہ جو بھی ہے اس کا بندہ ہے۔ مسئلہ وحدت الوجود بالکل حق ہے مگر اسے وہ ہاتھ لگائے جو صوفیاء کی رمزوں کے واقف ہے سمجھے سوچے ہر چیز کو خدا کہہ دینا لاکھوں خدا مان لینا ہے۔ یہ مصرعہ عین کفر ہے ع

ہم تم ہیں خدا ہر در و دیوار خدا ہے

اور یہ شعر بالکل حق ہے۔ **شعر:۔**

☆ پناہ بلندی و پستی توئی ☆ ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی ☆

ساری مخلوق کو خدا ماننا کفر ہے اور ساری مخلوق کو فنا ماننا، شئی ماننا اور کہنا کہ رب ہی رب ہے ایمان ہے۔ **گیارہواں فائدہ** کفار کی جگہ دوزخ ہے کوئی کافر اعراف میں نہیں رہے گا۔ اعراف کفار کی جگہ نہیں یہ فائدہ **وما واہ النار** سے حاصل ہوا۔ اعراف میں کون رکھے جائیں گے۔ انشاء اللہ یہ سورہ اعراف میں عرض کیا جاوے گا۔

پہلا اعتراض یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ عیسائی حضرت مسیح کو ابن مریم بھی کہیں ان کی موت وصولی کے بھی قائل ہوں اور پھر انہیں خدا بھی کہیں خدا تعالیٰ کے لئے پیدائش، وفات ابن مریم ہونا کیونکر ممکن مان سکتے ہیں۔ **جواب** ان بے وقوفوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام بشر بھی ہیں خدا بھی آپ کی بشریت پر ابن مریم ہونا۔ پیدا ہونا، سولی پانا وارد ہوا نہ کہ آپ کی الوہیت پر۔ آپ کی بشریت میں الوہیت ایسے حلول کئے ہیں جیسے پھول میں رنگ و بو یا آگ میں گرمی اللہ نے لباس انسانی پہن لیا تو وہ ابن مریم بھی ہو گیا اور اس پر وفات پر طاری ہوئی یعنی اس لباس پر نہ کہ ذات رب العالمین پر یہ عقیدہ بھی کفر ہے کہ رب تعالیٰ سرایت و حلول سے پاک و منزہ ہے اسے کسی چیز میں حال یا کسی چیز کا محل ماننا کفر ہے۔
دوسرا اعتراض یہ عقیدہ تو مسلمانوں کا بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بھی مانتے ہیں اور نور بھی اگر بشر نور ہو سکتا ہے تو الٰہ بھی ہو سکتا ہے۔ **جواب** نعوذ باللہ نورانیت کو الوہیت سے کیا نسبت نورانیت اور نور رب تعالیٰ کی مخلوق چیزیں ہیں سورج، چاند، تارے، علم، قرآن، فرشتے یہ تمام چیزیں مخلوق ہیں مگر نور ہیں۔ جنتی لوگ نورانی ہوں گے۔ بشریت کا نورانیت کے ساتھ اجتماع ایسا ہے جیسے بشریت کا نبوت و رسالت۔ محبوبیت کے ساتھ اجتماع عبدیت و الوہیت میں اجتماع ناممکن ہے کہ بشر حادث، ممکن، مخلوق، مرزوق، ہے، اللہ تعالیٰ واجب قدیم، خالق، رازق، حی و قیوم ہے لہٰذا مسئلہ نورانیت کو الوہیت سے کوئی نسبت نہیں **تیسرا اعتراض** الوہیت مسیح کا عقیدہ رکھنے والے عیسائیوں کو مشرک کیوں کہا گیا انہوں نے دو خدا تو نہیں مانے وہ تو ایک ہی خدا کے قائل رہے یعنی حضرت مسیح کو خدا مان لیا یہ عقیدہ کفر تو ہے۔ شرک کیسے ہو گیا اور **انہ من یشرک باللہ** کیونکر درست ہوا۔ **جواب** ان عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں الوہیت حلول کئے ہوئے ہے۔ جیسے آئینہ میں سورج کی شعاعیں اس لئے وہ الٰہ یعنی محل الوہیت ہیں یعنی وہ حضرت مسیح کو صرف خدا نہیں مانتے، خدا اور ہے۔ حضرت مسیح اور وہ خدا ہے۔ اور آپ خدائی یا الوہیت والے ہیں۔ لہٰذا

یہ بالکل شرک ہوا نیز کسی غیر خدا کو خدا مان بیٹا بھی شرک ہے جیسے کہ کسی بندے میں خدائی صفات ماننا شرک ہے لہٰذا ان عیسائیوں کو مشرک کہنا بالکل درست ہے۔ **چوتھا اعتراض** حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں خدائی صفات ہیں یعنی مردے زندہ کرنا' بیمار اچھے کرنا' غیب جاننا وغیرہ صفات سے موصوف کا پتہ چلتا ہے لہٰذا آپ اللہ ہیں (عیسائی) **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی' الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر سانپ بھی خدا ہوا کہ وہ سمیع بھی ہے بصیر بھی اور زندہ کو مردہ کر دیتا ہے اور حضرت اسرافیل بھی خدا ہوئے کہ وہ سمیع و بصیر بھی ہیں اور صور سے سب کو زندہ کر دیں گے بلکہ قصائی بھی خدا ہو گئے کہ وہ بھی سمیع بصیر اور جانوروں کو مردہ کرنے والے یعنی ممیت بھی ہیں۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یہ جو کچھ کرتے تھے۔ اللہ کے اذن اس کی قدرت سے کرتے تھے۔ وہ ان کاموں میں **مستقل** نہ تھے۔ جو رب کا محتاج ہو وہ بندہ ہے۔ اگرچہ خدائی کام کر دکھائے جو غنی بے نیاز ہے وہ خدا ہے جو دوڑائے وہ انجن ہے جو دوڑے وہ ریل کا ڈبہ۔ **پانچواں اعتراض** اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بندہ بن کر آجاوے پھر کھاپی لے مرجاوے وہ ہر چیز پر قادر ہے **ان اللہ علی کل شئی قدیر** **جواب** نعوذ باللہ موت۔ کھانا پینا خدا تعالیٰ کے لئے شئی نہیں۔ وہ اس قابل نہیں کہ رب کی قدرت میں آجاویں۔ واجبات اور ناممکنات قدرت سے دور ہیں۔ لہٰذا خدا تعالیٰ مجبور نہیں بلکہ وہ چیزیں زیر قدرت آنے سے مجبور ہیں اگر چیز سامنے روشنی میں ہو اور آنکھ نہ دیکھے تو آنکھ مجبور اندھی ہے لیکن اگر چیز بہت دور اندھیرے میں ہو اور نظر نہ آئے تو آنکھ مجبور نہیں وہ چیز دکھائی دینے کے قابل نہیں۔ **چھٹا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشرکین و کفار کے بہت سے مددگار نہیں تو کیا ان کے لئے ایک دو مددگار ہیں یہاں انصار جمع کی نفی ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی **تفسیر** سے معلوم ہو گیا کہ **من انصار** میں **من استغراقیہ** ہے۔ جس نے نفی کا استغراق کر دیا اور انصار کی جمعیت نوعیت کے لحاظ سے اور **من** کا استغراق افراد کے اعتبار سے ہے معنی یہ ہوئے کہ ان کا کسی قسم کا کوئی مددگار نہیں۔ **ساتواں اعتراض** اس آیت میں فرمایا گیا کہ جو شرک باللہ کرے گا۔ اس کی یہ تین سزائیں ہیں تو کیا مشرک کے سواء دوسرے کفار کی یہ سزائیں نہیں ہیں وہ بخشے جائیں گے۔ **جواب** ہم نے ابھی **تفسیر** میں عرض کر دیا کہ ان جیسی تمام آیات میں شرک باللہ سے مراد کفر ہے۔ ہر کافر کی یہ ہی سزا ہے یعنی نوع سے جنس مراد ہے فرماتا ہے مشرکین سے اپنی عورتوں کا نکاح نہ کرو یعنی کفار سے یا اللہ شرک نہ بخشے گا یعنی کفر نہ بخشے گا۔

تفسیر صوفیانہ عیسائی لوگ راہ حق پر اپنے عقل کے قدم سے چلے اور انہوں نے اللہ کے نبی کو عقل کی آنکھ سے دیکھا تو وہ شبہات بلکہ کفریات بلکہ مہلکات میں پھنس گئے۔ جیسے دماغ کی آنکھ دوپہر میں سورج کو نہیں دیکھ سکتی یوں ہی عقل کی آنکھ نبوت کا سورج نہیں دیکھ سکتی اس لئے وہ پردہ اور پردہ دار میں آئینہ دار خدا اور خدا نما بندے میں فرق نہ کر سکے پردہ کو پردہ ذرا آئینہ کو آئینہ دار خدا نما کو خدا کہنے لگے حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ **شعر:۔**

☆ بندہ خدا نما است ولے او نمی شود ☆ آئینہ رونما است ولے رو نمی شود ☆

واقعی جناب مسیح نے مردے زندہ کئے مٹی سے پرندے بنا کر ان میں دم کر کے اصل پرندے بنا دیئے۔ بیماروں کو شفا بخشی مگر بالاستقلال نہیں بلکہ رب تعالٰی کے حاجت مند رہتے ہوئے وہ مستقل اور غیر مستقل میں فرق نہ کر سکے امت محمدیہ نے راہ حق کو جذبات الٰہیہ کے ذریعہ طے کیا اور حضرات انبیاء کو عشق و معرفت کی نظر سے دیکھا وہ مقصد پر پہنچ گئے اور استدلال کی کلفتوں سے بچ گئے۔ حضرت شبلی نے اپنی کتابیں پانی سے دھوڈالیں اور بولے کہ تم یار کی دلیلیں ہو وصول کے بعد دلیلوں کی کیا ضرورت ہے وصول ذریعہ قبول ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ **شعر:۔**

☆ چوں شدی بر بامہائے آسمان ☆ سرد باشد جست و جوئے نردبان ☆

☆ آئینہ روشن کہ شد صاف جلی ☆ جہل باشد برنہادن صیقلی! ☆

☆ پیش سلطاں خوش نشستہ در قبول ☆ جہل باشد جستن نامہ رسول! ☆

یعنی جو آسمان پر پہنچ جائے اسے سیڑھی و زینہ کی ضرورت نہیں جب آئینہ صاف ہو اسے صیقل کی ضرورت نہیں جو بادشاہ کے سامنے مقبول بنا بیٹھا ہو اسے نامہ و پیام کی ضرورت نہیں اس فرق کی وجہ سے مسلمان حضرات انبیاء کرام کو صحیح طریقے سے مانتے ہیں۔ کفار غلط طریقہ سے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں **ظلم** چار معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کفر و شرک' گناہ' خطاء' کسی کا حق مارنا۔ اگر انبیاء کرام کے لئے یہ لفظ آوے تو بمعنی خطا ہوگا۔ اگر ہم جیسے گنہگاروں کے لئے آوے تو بمعنی گناہ جیسے **اذ ظلموا انفسهم** اگر کفار کے لئے آئے تو بمعنی کفر و شرک ہوگا جیسے یہاں ہے۔ **للظلمین** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی ظالموں کے ہی مددگار کوئی نہیں۔ مسلمانوں کے ہیں۔ چنانچہ اولیاء انبیاء ان کے مددگار ہیں۔ مدد سے مراد آخرت میں مدد ہے نہ کہ دنیاوی للذا یہ آیت کریمہ دیگر آیات کے خلاف نہیں جو ڈول رسی سے وابستہ نہ ہو اسے کنوئیں سے کون نکالے جو انسان نبی سے وابستہ نہیں اسے کفر و معصیت کے گناہ سے کون نکالے۔

وقف لازم

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ

البتہ تحقیق کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ تحقیق اللہ تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ نہیں ہے کوئی معبود سوا معبود

بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا اور اگر

وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

ایک کے اور اگر نہ باز رہے یہ لوگ اس سے جو کہتے ہیں تو البتہ ضرور پہنچے گا ان لوگوں کو جو کافر رہے ان میں

اپنی بات سے باز نہ آئے تو جو ان میں کافر مریں گے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾

سے عذاب دردناک کیا پس نہیں توبہ کرتے یہ لوگ طرف اللہ کی اور معافی مانگتے اس سے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تو کیوں نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور اس سے بخشش مانگتے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ان عیسائیوں کا ذکر تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عین خدا یعنی خدا کی حلول کی جگہ مانتے ہیں۔ اب عیسائیوں کے اس فرقہ کا ذکر ہے جو تین خدا مانتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ، جبریل یعنی روح القدس اور خدا تعالیٰ گویا ان کے ایک فرقہ کی تردید کے بعد دوسرے فرقہ کی تردید فرمائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں عیسائیوں کے ایک عذاب کا ذکر ہوا اب ان کو دوسرے عذاب کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ وہ اندھے بہرے ہو گئے اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ایسے اندھے ہوئے کہ ان کے ہاں اب تک یہ ہی طے نہ ہو گا کہ اللہ ایک ہے یا تین اگر ایک ہے تو کس شان اور کس صفت کا ہے اس سے بڑھ کر اندھا پن اور کیا ہو گا کہ الوہیت و نبوت ہی معین نہ ہو گویا گزشتہ پچھلی آیت کریمہ میں ایک دعویٰ تھا اور ان آیات میں اس کے دلائل ہیں۔ **چوتھا تعلق** بہت دور سے کفار کی بد عقیدگیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اب رب تعالیٰ کی وسعت رحمت و مغفرت کا ذکر ہے کہ اگرچہ یہ لوگ سخت بد عقیدہ بدترین بد عمل ہیں لیکن اگر اب بھی توبہ کر لیں تو ہم بخش دیں گے۔ **افلا یتوبون** غرضیکہ اب تک بیماریوں کا ذکر تھا۔ اب ان کے علاج کا تذکرہ ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی عداوت انبیاء کا ذکر تھا جو نبیوں کی دشمنی سے کافر ہوئے۔ اب عیسائیوں کی غلط محبت نبی کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو سے کافر ہوئے۔ یعنی عداوت کے کافروں کے بعد غلط محبت کے کافروں کا ذکر ہے۔ تفریط کرنے والوں کے بعد افراط والوں کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان افراط و تفریط دونوں سے بچیں درمیانی راہ اختیار کریں۔

تفسیر لقد کفر الذین قالوا۔ لقد اور **کفر** کی تفسیر ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ہو چکی **الذین** سے مراد عیسائیوں کے دو فرقے ہیں۔ مرقوسیہ اور نسطوریہ **قالوا** سے مراد دل کا قول یعنی سمجھنا ماننا عقیدہ رکھنا ہے۔ یا زبان کا دعویٰ یعنی لوگوں نے یہ کہا۔ **کفر** سے مراد شرک ہے کیونکہ شرک بھی کفر کی ایک قسم ہے۔ جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیسرا خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ وہ تو کافر بھی ہیں مشرک بھی کہ انہوں نے بندہ کو رب کے برابر مان لیا مگر جو عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے جو حضرت مسیح کی شکل میں آ گیا۔ دوسرا کوئی خدا نہیں وہ کافر ہیں۔ اگرچہ مشرک نہ ہوں کہ انہوں نے چند خدا نہ مانے بلکہ خدا کو انسان مان لیا اور انسان کو خدا۔ نعوذ باللہ یہاں پہلے دو عیسائیوں کا ذکر ہے جو مشرک ہیں۔ **ان اللہ ثالث ثلثۃ** عربی میں کسی عدد کا اسم فاعل بنا لیا جاوے تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس عدد میں سے ایک **ثلثہ** کے معنی تین اور **ثالث** کے معنی تیسرا پھر اس ثالث کے دو معنی ہوتے ہیں اگر یہ اپنے مثل عدد کی طرف مضاف **ثالث ثلثہ رابع اربعہ**

تب اس کے معنی ہوتے ہیں ان میں سے ایک اور اگر اپنے سے نیچے والے عدد کی طرف مضاف ہو تو معنی ہوتے ہیں اس درجہ والا لہذا ثالث ثلثہ کے معنی ہیں تین میں سے ایک اور ثالث اثنین کے معنی ہیں دو کا تیسرا یعنی دو کو تین بنانے والا۔ تیسرے درجہ والا پہلی صورت میں ثلثہ کو جر ہی ہو گا کہ وہ مضاف الیہ ہے۔ دوسری صورت میں جر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مضاف الیہ ہے اور نصب بھی کہ وہ مفعول بہ بھی ہے۔ لہذا رابع ثلثہ میں ثلثہ کو جر بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی (تفسیر کبیرو روح المعانی) خیال رہے کہ تثلیث کے عقیدے والے عیسائیوں کے پھر چار فرقے ہیں۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ الٰہ مستقل تین ہیں۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ الٰہ ان تین کا مجموعہ ہے یعنی الٰہ ہے تو ایک مگر اس کے جز چار ہیں۔ تیسرا فرقہ کہتا ہے کہ ذات الٰہ ایک ہے دو اس کی صفتیں ہیں۔ ان کا مجموعہ ایک خدا ہے۔ چوتھا فرقہ کہتا ہے کہ ذات دو ہیں اور ایک صفت ان کا مجموعہ ایک الٰہ ہے۔ پھر ان کا آپس میں یہ اختلاف ہے کہ وہ تین کون ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ تین اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہو گا۔ **انت قلت للناس اتخذو نی وامی الھین من دون اللہ** اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تین اللہ تعالیٰ، عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس (تفسیر صاوی) یعنی باپ بیٹا روح القدس وہ کہتے ہیں کہ جوہر ایک ہے اور **اقنوم** تین جیسے سورج ایک ہے مگر اس کی ٹکیہ، شعاعیں، گرمی یہ تین ہیں باپ سے مراد ذات، عیسیٰ کلمہ اور روح حیاۃ، کلمہ عیسیٰ میں ایسا مخلوط ہے جیسے پانی دودھ میں اسے کہتے ہیں **التوحید فی التثلیث**۔ غرضیکہ ان کے عجب احمقانہ کلام ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں ثالث ثلثہ میں ایک لفظ پوشیدہ ہے وہ ہی کفر ہے یعنی ثالث ثلثہ الھۃ یعنی اللہ تعالیٰ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے کہ معبود تین ہیں۔ ان میں سے ایک اللہ ہے۔ ورنہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے لئے قرآن مجید میں بھی ہے اور حدیث شریف میں بھی۔ چنانچہ رب فرماتا ہے۔ **ما یکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم** اور حدیث شریف میں کہ ہجرت کے دن جب غار ثور میں حضرت صدیق نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کفار آ گئے تو فرمایا **ما ظنک باثنین اللہ ثالثھما** دیکھو اس آیت و حدیث میں اللہ تعالیٰ کو چوتھا چھٹا تیسرا فرمایا گیا یہ بالکل برحق ہے جہاں چند مسلمان جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے علم و قدرت و رحمت سے جس مجمع میں پانچ مسلمان ہیں تو چھٹا اللہ تعالیٰ ہے یہ بالکل درست ہے۔ عیسائیوں کی نیت وہ تھی جو ابھی عرض کی گئی یہ کفر تھی اس لئے ان کی تردید میں ارشاد ہوا **وما من الہ الا الہ واحد** اس ایک فرمان میں ان عیسائیوں کی تمام بکواسوں کی مکمل تردید ہے یعنی ہستی میں کوئی معبود نہیں سوا اس اللہ کے جو ذاتاً "صفتہ" قدرۃ ایک ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ بیوی بچے اولاد نہ اس کی صفات کا کسی میں حلول غرضیکہ واحد سے مرنو ذاتاً" صفتہ" استغناء" ہر طرح واحد ہے۔ کثرت کی انتہا وحدت پر ہوتی ہے۔ عبودیت میں کثرت ہے الوہیت میں وحدت اگر وہاں بھی کثرت ہو تو وہ کسی اور وحدت پر ختم ہو گئی اور پھر الٰہ الٰہ نہ رہے گا۔ نیز اگر الٰہ چند ہوں کہ وہ مل کر ایک دوسرے کی مدد سے عالم بنائیں عالم چلائیں نعوذ باللہ جیسے چند کاریگر مل کر مکان بناتے ہیں پھر چند

گھر والے مل کر گھر چلاتے ہیں۔ اس صورت میں ان میں سے کوئی الٰہ نہ رہے گا کہ الٰہ وہ جو غنی ہو عبد وہ جو محتاج ہو۔ اور اگر ایک الٰہ ہی خالق ہے تو باقی الٰہ بیکار ہیں۔ نیز اگر ایک الٰہ دوسرے الٰہ کو راضی کر کے خلق وغیرہ کرے ان کی بغیر رضا نہ کر سکے تو پھر محتاج ہوا محتاج الٰہ نہیں الوہیت کے لئے وحدانیت ضروری ہے اس ایک کلمہ نے مسئلہ حل فرما دیا **وان لم ینتھوا عما یقولون** اس فرمان عالی میں ان عیسائیوں کی سزا اور شرط سزا کا ذکر ہے۔ انتہاء سے مراد ہے اپنا یہ کفریہ عقیدہ ختم کر دینا اس سے باز آجانا اس کا فاعل وہ ہی عیسائی ہیں جن کا یہ کفریہ عقیدہ نقل ہوا۔ قول سے مراد زبانی کلام ہے یا دلی اعتقاد یعنی اگر یہ لوگ اپنے اس کفریہ عقیدے یا کفریہ قول سے باز نہ آئے تو **لیمسن الذین کفروا منھم عذاب الیم** یہ عبارت **ان لم ینتھوا** شرط کی جزا ہے۔ مس سے مراد پہنچنا ہے نہ کہ محض معمولی طور پر چھو جانا منہم کا من یا تو بیانیہ ہے تو کفروا سے مراد ہے کفر کرنا یا من تبعیضیہ ہے تو کفروا سے مراد ہے کفر پر اڑنا کفر پر مرنا یا کفر حقیقی یعنی اللہ کے ہاں کفار کی فہرست میں نام ہونا۔ کفر شرعی میں فی الحال کا کفر معتبر ہے کفر حقیقی میں ماحل یعنی انجام کا کفر معتبر ہے۔ **عذاب الیم** سے مراد یا تو آخرت کا عذاب ہے یا دنیاوی برزخی اخروی سارے عذاب الیم فرما کر بتایا گیا کہ انہیں معمولی عذاب نہ ہو گا بلکہ سخت ایذا رساں دردناک عذاب ہو گا یا اس طرح کہ انہیں عذاب بھی ہو گا اور رسوائی بھی یا اس طرح کہ انہیں عذاب دائمی ہو گا یا اس طرح کہ ان کے جسم اور دل سب پر آگ پہنچے گی یا اس طرح کہ انہیں دوزخ میں کسی کی مدد پہنچنے کی امید نہ ہو گی یہ چیزیں گناہ گار مومنوں کو دوزخ میں نہ ہوں گی۔ یعنی ان سارے کافروں یا ان میں سے جو کفر پر مریں کفر پر اڑیں سخت عذاب پہنچے گا اور جو توبہ کر کے مومن ہو جاویں وہ اس عذاب سے بچ جاویں گے۔ وہ تو اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوا **افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ** اب تک ان عیسائیوں کو تبلیغ کی گئی تھی دلائل سے اور دھمکا کر ڈرا کر اب انہیں تبلیغ ہے بشارت دے کر کیونکہ بعض لوگ دلیل سے مانتے ہیں بعض ڈر کر بعض لالچ سے چونکہ ڈر سے ماننے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ خوشخبری سے ماننے والے کم اس لئے پہلے عذاب کا ذکر ہوا پھر توبہ کی قبولیت کا یا برے عقائد برے اعمال دل کا میل ہیں توبہ اور آنکھ کا پانی دل کا صابن اور پانی میل کے ذکر کے بعد پانی اور صابن کا ذکر ہے۔ **افلا** میں استفہام یا تعجب دلانے کے لئے ہے یا رغبت دینے کو کہ ہماری رحمت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے یہ اس میں غوطے کیوں نہیں لگاتے۔ بغیر خرچ بغیر تکلیف رب کی رحمت مل رہی ہے اس سے اپنا دامن کیوں نہیں بھر لیتے۔ توبہ اور استغفار میں بہت طرح فرق ہے۔ دل سے ندامت توبہ ہے منہ سے معافی چاہنا استغفار ہے گزشتہ پر شرمندگی توبہ ہے۔ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ استغفار ہے برائیوں سے باز آجانا توبہ ہے ان کا کفارہ ادا کرنا استغفار ہے۔ برائی چھوڑ دینا توبہ ہے اچھائی اختیار کرنا استغفار غالباً یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں یعنی یہ لوگ یہ مشرکانہ عقیدہ چھوڑتے کیوں نہیں اور اسلامی توحید اختیار کیوں نہیں کرتے اگر یہ کر لیں تو بخش دیئے جائیں گے کیونکہ **واللہ غفور رحیم** اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے۔ مہربان بھی مغفرت و رحمت میں بھی کئی طرح فرق کیا گیا ہے گناہوں پر عذاب نہ دینا مغفرت ہے اپنے کرم سے انعام

دے دینا رحمت بد عقیدگی بخش دینا مغفرت ہے۔ بد عملی معاف فرمادینا رحمت بڑے گناہ بخش دینا مغفرت ہے۔ چھوٹے گناہ معاف کر دینا رحمت غرضیکہ یہ دونوں کلمے بہت جامع ہیں۔

خلاصہ تفسیر الوہیت مسیح کے متعلق عیسائیوں کے بہت فرقے ہیں اور ان کے مختلف عقیدے پچھلی آیت میں ان عیسائیوں کی تردید کی گئی جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی خدا ہیں اب اس عیسائی فرقہ کی تردید ہے۔ جو کہتے ہیں کہ الٰہ تین ہیں چنانچہ ارشاد ہوا کہ ان عیسائیوں کی طرح وہ عیسائی بھی سخت کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے۔ خواہ اس طرح کہ ایک اللہ کے تین جز ہیں۔ یا اس طرح کہ مستقل تین الٰہ ہیں یا اس طرح کہ دو صفات ایک ذات الٰہ ہیں یا اس طرح کہ دو ذات اور ایک صفت الٰہ ہیں پھر خواہ اس طرح کہ حضرت مسیح' مریم' اللہ تعالیٰ الٰہ ہیں یا اس طرح کہ مسیح' مریم' روح القدس الٰہ ہیں۔ غرضیکہ کسی طرح تثلیث کا عقیدہ رکھیں کافر ہیں۔ معبود صرف ایک ذات واحد صمد و قادر ہے۔ جس میں کسی طرح دوئی ممکن نہیں اگر یہ لوگ اپنے ان مشرکانہ عقیدوں سے توبہ نہ کریں گے اور ان سے باز نہ آئیں گے تو جو مرتے وقت تک کافر رہیں انہیں برزخ و آخرت میں سخت ہی دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہ لوگ بارگاہ الٰہی میں اب بھی توبہ کیوں نہیں کر لیتے اس سے معافی کیوں نہیں مانگ لیتے۔ اللہ تعالیٰ تو غفور رحیم ہے بڑے سے بڑے مجرم کو توبہ کرنے پر بخش دیتا ہے اگر یہ لوگ توبہ کر کے مسلمان ہو جاویں تو اگرچہ انہوں نے صدہا کفر و بدعملیاں کی ہیں ہم سب بخش دیں گے خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات ہیں مگر ہیں دو قسم کی بعض وہ جن کا تعلق خلقت سے نہیں جیسے اس کا زندہ ہونا موجود ہونا ازلی ابدی ہونا۔ انہیں صفات حقیقیہ کہتے ہیں۔ بعض وہ جن کا تعلق خلقت سے ہے۔ جیسے رازق ہونا سمیع و بصیر ہونا۔ انہیں صفات اضافیہ کہتے ہیں پھر صفات اضافیہ دو قسم کی ہیں۔ عامہ اور خاصہ' عامہ وہ جن کا فیض عام خلقت کو ملتا ہے۔ جیسے خالق ہونا' مالک ہونا' خاصہ وہ ہیں جن کا فیض خاص بندوں کو ملتا ہے۔ جیسے غفار ہونا۔ ستار ہونا کہ ان کا تعلق گنہگار بندوں سے ہے یا قہار ہونا کہ اس کا تعلق کفار سے ہے۔ پھر یہ صفات اضافیہ اپنے متعلقات سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ہم جیسے گنہگاروں پر اس کی ستاری غفاری کا ظہور ہے کفار پر اس کی قہاری کی جلوہ گری۔ اس لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ گنہگار مخلوق کو پیدا فرمائے تاکہ اس کی غفاری ستاری ظاہر ہو غفور اس کی صفت اضافیہ خاصہ ہے کہ گنہگاروں کو بخشنے والا ہے رحیم اس کی صفت اضافیہ عامہ ہے کہ سب کو اس کی رحمت کی ضرورت ہے اس لئے یہاں بندوں کی توبہ و استغفار کا ذکر پہلے ہوا اور رب تعالیٰ کی غفار و رحمت کا ذکر بعد میں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اگرچہ کفر کی بہت قسمیں ہیں مگر کفر ہونے میں وہ سب برابر ہیں **الکفر ملۃ واحدہ** دیکھو رب تعالیٰ نے ان عیسائیوں کو بھی کافر فرمایا جو حضرت مسیح کو عین خدا مانتے ہیں اور انہیں بھی کافر کہا جو تین خدا مانتے ہیں۔ دونوں فرقوں کے لئے **لقد کفر** یکساں استعمال ہوا۔ **دوسرا فائدہ** منہ سے کفر بکنا اور دل میں کفریہ عقیدہ رکھنا دونوں ہی کفر ہیں یہ فائدہ **الذین قالوا** میں قول کے مطلق فرمانے سے حاصل

ہو۔ قولی ' زبانی ' دل دونوں قوتوں کو شامل ہے مجبوراً" منہ سے کفر بولنے والے کا جبکہ اس کا دل ایمان پر قائم ہو اور حکم ہے رب فرماتا ہے **الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان** **تیسرا فائدہ** دلائل سے کفر اختیار کرنا یا بغیر سمجھے سوچے لوگوں کی دیکھا دیکھی کافر بن جانا۔ یکساں کفر ہے یہ فائدہ بھی **قالوا** کے اطلاق سے حاصل ہوا لہٰذا عیسائیوں کے پوپ پادری جو تثلیث پر دلیلیں دیتے ہیں اور عوام عیسائی جو بغیر سمجھے بوجھے عیسائی ہو گئے۔ یکساں کافر ہیں ایمان کا بھی یہ ہی حال ہے۔ دلائل سے ایمان لانے والا حضور پر فدا ہو کر ایمان لانے والا یعنی عقلی مومن عشقی مومن اور ہم جیسے گنہگار بے عقل بے شعور بے سمجھے بوجھے ایمان قبول کر لینے والے سب ہی مومن ہیں۔ حضرت بلال سے پوچھو کہ تم کیا دیکھ کر ایمان لائے کوئی شق القمر کا معجزہ دیکھ کر ایمان لایا کوئی پتھروں درختوں سے کلمہ سن کر ایمان لایا مگر حضرت بلال صرف حضور کا چہرہ دیکھ کر ان کا کلام سن کر ایمان لائے۔ آفتاب بخود دلیل آفتاب بلکہ کیفیت ایمان میں عشقی ایمان والے اعلیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ عشق و فنا والا ایمان نصیب فرما دے۔ **چوتھا فائدہ** اللہ تعالیٰ ذات و صفات و افعال میں ہر طرح ایک ہے جو ان میں سے کسی چیز میں خدا کا شریک مانے وہ مشرک ہے الفاظ کے اشتراک سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ لفظ سمیع و بصیر' حی ' علیم ' رؤف و رحیم اللہ تعالیٰ کے لئے فرمائے گئے ہیں اور بعض بندوں کے لئے بھی مگر صفت سمع و بصر حیات و علم میں وہ **وحدہ لا شریک** ہے جو کسی بندے میں اس کا سا علم سمع بصر مانے وہ کافر ہے یہ فائدہ **الا الہ واحد** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** عذاب اخروی پہنچنے کے لئے کفر پر اڑنا بلکہ کفر پر مرنا شرط ہے جو شخص عمر بھر کافر مشرک رہے مگر مومن ہو کر مرے وہ جنتی ہے۔ جیسے کہ فرعونی جادوگر یا وہ حضرات جو عین جنگ کی حالت میں حضور پر ایمان لائے اور فوراً ہی شہید ہو گئے یہ فائدہ **وان لم ینتھوا** الخ سے حاصل ہوا یہ مت سمجھو کہ اتنے سالوں کا کفر ایک آن کے ایمان سے کیسے مٹے گا۔ سورج کی ایک تجلی رات بھر کی شبنم (ذیل) کو ختم کر دیتی ہے ابر رحمت کا ایک چھینٹا مہینوں کی خشک زمین کی پیاس بجھا دیتا ہے۔ **شعر:۔**

☆ اے کہ پنجاہ رفت در خوابی **شعر:۔**

☆ اے کہ پنجاہ رفت در خوابی ☆ مگر ایں پنج روز دریابی ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے سورج ہیں ہمارے دل شبنم بھری ہوئی زمین حضور رحمت کے بادل ہیں ہم لوگ خشک زمین ان کی ایک نگاہ کرم میں سب کا بیڑا پار ہے۔ **چھٹا فائدہ** بدتر سے بدتر کافر و مشرک و گنہگار کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ کسی کو اس کے دروازہ سے دھتکارا نہیں جاتا یہ فائدہ **افلا یتوبون** الخ سے حاصل ہوا دیکھو رب تعالیٰ نے عیسائیوں کے انتہائی کفر بیان فرما کر پھر انہیں توبہ کی دعوت دی پاک ہے وہ رحمان جو اپنے دروازے سے کسی کو نہیں نکالتا کوئی آئے تو پاک ہے وہ رحیم جو اپنے آستانہ پر گرنے والوں کو نہ ہٹاتا ہے نہ بھگاتا ہے واقعی وہ صبور ہے کہ جو اسے گالیاں دیں انہیں بھی روزی دیتا ہے اور رحمت کی دعوت۔ **ساتواں فائدہ** آخرت میں عذاب الیم صرف کفار کو ہو گا۔ گنہگار مومن خواہ کیسا ہی مجرم ہو اگر اسے عذاب ہو تو الیم نہ ہو گا۔ نہ اس کی رسوائی ہو گی نہ اس کے دل دماغ اعضاء سجدہ کو آگ جلا سکے گی کہ

دل دماغ یار کا مسکن ہیں اور اعضاء سجدہ ذریعہ ہیں سجدہ کے یہ فائدہ **لیمسن الذین کفروا** الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ اللہ تعالیٰ غافر بھی ہے یعنی بخشنے والا وہ غفار بھی ہے یعنی بہت بخشنے والا اور غفور بھی ہے یعنی ہمیشہ بخشنے والا ہر طرح بخشنے والا ہر بہانے سے بخشنے والا ہر حیلہ سے بخشنے والا بخشش کا عادی کیونکہ بعض لوگ گنہگار ہیں ان کے لئے خدا غافر ہے بعض لوگ بہت بڑے گنہگار ہیں گناہ کبیرہ کر لینے والے ان کے لئے خدا غفار ہے اور ہم جیسے عادی مجرم ہمیشہ ہر طرح گناہ کرنے والے ہیں تو ہمارے لئے وہ غفور ہے ہم کو گناہ کی عادت ہے اسے بخشنے کی عادت گناہ سے ہم باز نہیں آتے بخشش وہ نہیں چھوڑتا بھلا غور تو کرو کہ ہزاروں گناہ نماز کے بہانہ بخش دیتا ہے ہزارہا گناہ رمضان کے حیلہ سے ہزارہا گناہ قرآن کے ذریعہ سے غرضیکہ جس لائق ہم ہیں وہ ہم کرتے رہتے ہیں جو اس کی شان کریمی کے لائق ہے وہ کرتا ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ثالث ثلثہ کہنا کفر ہے مگر خود رب العالمین نے بھی اپنے لئے یہ کلمات فرمائے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود فرمایا ہے کہ جہاں پانچ ہوں وہاں ہم چھٹے ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں اپنے یار غار سے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ان کے دو کے متعلق جن کا تیسرا اللہ ہے یہ الفاظ اسلام میں کیوں بولے گئے ان دونوں میں مطابقت کیسے ہو۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ عیسائیوں کے اس قول کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین معبودوں میں سے **ایک** معبود ہے۔ اس کا شرک ہونا ظاہر ہے اور ان آیات و احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اپنے علم یا اپنی رحمت سے ان کے ساتھ ہے مقصد بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ اگر عیسائی تثلیث کے عقیدے سے باز نہ آئے تو انہیں دردناک عذاب پہنچے گا تو اگر عیسائی تثلیث سے توبہ کر لیں مگر مسلمان نہ ہوں دہریہ بن جاویں کیا وہ عذاب سے بچ جاویں گے۔ اگر بچ جاویں گے تو اسلام کی کیا ضرورت رہی۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں لغوی باز رہنا مراد نہیں بلکہ شرعی باز رہنا مراد ہے۔ وہ ہی نجات کا مدار ہے۔ شرعی باز رہنا یہ ہی ہے کہ اسلام قبول کر لیا جاوے جیسے حدیث شریف میں ہے **من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ** وہاں بھی جنتی ہونے کے لئے شرعی کلمہ پڑھنا معتبر ہے جس کا شریعت میں اعتبار ہے یعنی مسلمان ہو جانا دوسرے یہ کہ ہاں پھر انہیں تثلیث کا عذاب نہ ہوگا اور دوسرے کفر کا عذاب ہوگا اگر مسلمان ہو جاویں تو ان میں سے کوئی عذاب نہ ہوگا اگر متقی بھی بن جاویں تو کسی قسم کا کوئی عذاب نہ ہوگا نہ کفر کا نہ فسق کا اس لئے ارشاد ہے **امنوا وعملوا الصلحت** **تیسرا اعتراض** **کفروا منھم** سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے تثلیث والے عیسائی کافر نہیں بلکہ بعض کافر ہیں **منھم** میں من تبعیضیہ ہے تو کیا بعض عیسائی مومن بھی ہیں۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں **منھم** میں من بیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔ جیسے رب تعالیٰ حضرات صحابہ کرام کے لئے فرماتا ہے **وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت منھم مغفرۃ** الخ حالانکہ سارے صحابہ بحکم قرآن مومن بھی ہیں متقی بھی ہیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج پاک مومنات اور پرہیزگار ہیں بحکم قرآن مگر فرماتا ہے **اعد**

للمحسنت، منکن اجرا عظیما وہاں بھی من بیانیہ ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں کفر سے مراد کفر پر مرجانا اڑ جانا ہے یعنی جو عیسائی تثلیث پر مرے گا وہ سخت عذاب پائے گا۔ بہت سے عیسائی مسلمان ہو کر مرتے ہیں لہٰذا اس صورت میں من تبعیضیہ درست ہے۔ چوتھا اعتراض افلا یتوبون ۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا کافر بھی توبہ منہ سے بول دے تو بخشا جاتا ہے بہت کفار توبہ توبہ کہتے رہتے ہیں کیا وہ بھی بخشے جائیں گے جواب ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے جیسا جرم ویسی توبہ کفر سے توبہ ایمان ہے۔ غصب حق سے توبہ اداء حق ہے۔ یہاں چونکہ کفر سے توبہ مراد ہے لہٰذا اس کے معنی یہ ہیں کہ ایمان لائیں کفر و بد عقیدگی چھوڑیں عیسائیوں کا کفر پر اڑا رہنا اور منہ سے توبہ توبہ کہتے رہنا عبث ہے پہلے کنوئیں سے کتا نکالو پھر اس سے پانی نکالو۔ مردار کتا کنوئیں میں ہی رہے سارا پانی نکال دیا جاوے تو کنواں پاک نہیں ہوتا۔ پانچواں اعتراض یہاں عیسائیوں کو توبہ اور استغفار دونوں کا حکم دیا گیا ان دونوں میں کیا فرق ہے توبہ و استغفار تو ایک ہی چیز ہے۔ جواب اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ دل سے گزشتہ جرموں پر نادم ہونا توبہ ہے زبان سے معافی مانگنا استغفار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عیسائی دل سے گزشتہ بد عقیدگیوں سے توبہ کریں اور زبان سے کلمہ طیبہ پڑھیں۔ تب مومن ہوں گے نہ تو منافقوں کی طرح کفر دل میں رکھ کر صرف زبان سے کلمہ طیبہ پڑھ لیں اور نہ ساتر کافر کی طرح دل سے ایمان قبول کرلیں اور بظاہر عیسائی کے عیسائی رہیں دل و زبان اور کان سب پر اسلام کا رنگ چڑھالیں دو رنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جاویں۔ چھٹا اعتراض اگر عیسائی تین خدا تین الٰہ مانتے ہیں تو مسلمان بھی بہت سے قدیم واجب اللہ مانتے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ تعالٰی کو بھی قدیم واجب مانتے ہیں اس کی صفات علم، قدرت، حکمت وغیرہ کو قدیم مانتے ہیں یہ بھی شرک ہے (جہیمہ فرقہ) جواب نعوذ باللہ یہ محض دھوکہ ہے اللہ تعالٰی کی صفات رب کے علاوہ چیزیں نہیں وہ یا تو عین ذات ہیں یا نہ عین ہیں نہ غیر جیسے ہماری بصارت آنکھ میں ہے سماعت کی طاقت کان میں بولنے کی طاقت زبان میں رب کے ہاں یہ بات نہیں وہ بذات خود سمیع بصیر علیم و خبیر ہے۔ ساتواں اعتراض اللہ تعالٰی کی صفات کا ذکر بعد میں کیوں ہوا کہ آخر میں فرمایا واللہ غفور رحیم جواب اس لئے کہ اس کی غفاری و رحمت کا ظہور ہمارے گناہوں کے بعد ہے۔ ہم گناہ کریں تو وہ بخشے ہم قابل رحم بندے ہوں تو وہ رحمت کرے ہم توبہ کریں تو وہ توبہ قبول کرے۔ ظہور کے لحاظ سے ہمارے اعمال ہمارے توبہ و استغفار کا ذکر پہلے ہے اس کی مغفرت و رحمت کا ذکر بعد میں۔

تفسیر صوفیانہ حضرات انبیاء کرام آئینہ جمال الٰہی اور تجلی گاہ ذات العالمین ہیں جس آئینہ پر آفتاب تجلی ڈال رہا ہو۔ اس آئینہ کو دماغ کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے آنکھ خیرہ ہو کر محسوس کرنے میں سخت غلطی کرے گی پھر اس شیشے کو دیکھنے کے لئے کسی ٹھنڈے شیشے والے چشمہ کی ضرورت ہے یونہی اگر حضرات انبیاء کرام کو محض عقل کی آنکھ سے دیکھا گیا تو یا انہیں اپنے جیسا بشر کہہ دیا جاوے گا یا خدا یا خدا کا بیٹا محض عقل ضرور ٹھوکر کھائے گی۔ جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہود نے بھی محض عقل کی آنکھ سے دیکھا تو انہیں بغیر والد پیدا ہوتے دیکھ کر ان پر اور ان کی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ پر صدہا الزام لگا

دیئے۔ عیسائیوں نے بھی محض عقل کی آنکھ سے دیکھا تو انہیں بغیر باپ پیدا ہونے کی بنا پر اللہ یا اللہ کا بیٹا یا تیسرا خدا کہہ دیا۔ عیسائیوں کی آنکھیں ایسی خیرہ ہوئیں کہ وہ خود آپس میں بھی ان جناب کے متعلق فیصلہ نہ کر سکے یہ تھا انجام محض عقل کی آنکھ سے۔ انہیں دیکھنے کا یہاں فرمایا گیا کہ بے وقوفو اپنی چوندھیائی ہوئی آنکھوں میں پہلے تو توبہ و استغفار کا سرمہ لگاؤ۔ پھر اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھنڈا اور حقیقت نما چشمہ لگاؤ۔ تب تم کو پتہ لگے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ اللہ ہیں نہ ابن اللہ بلکہ عبدہ و رسولہ ہیں کوئی بغیر باپ پیدا ہونے سے اللہ بن نہیں جاتا بلکہ پیدا ہونا مخلوق ہونا اس کی عبدیت کی دلیل ہے مسلمانوں نے ہزارہا معجزات اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے مگر الحمد للہ انہوں نے حضور کو نہ اللہ کہا نہ ابن اللہ بلکہ بندہ اللہ اور عالم امکان کا شاہ مانا **شعر:**

☆ حق یہ ہے کہ ہیں عبد الٰہ اور عالم امکاں کے شاہ ☆

☆ برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں ☆

غرضیکہ جمال محمدی کو اتباع محمدی کے چشمہ سے دیکھا مومن ہوئے۔ جمال انبیاء ایک ہے مگر دیکھنے والی آنکھیں مختلف صوفیاء کرام توبہ و استغفار کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر کارخانہ میں مال بننا بند ہو جاوے تو نہ بازار میں فروخت ہو سکتا ہے نہ گھروں میں استعمال لیکن اگر کارخانہ میں مال تیار ہوتا رہے تو فروخت یا استعمال پر لاکھ پابندیاں لگاؤ مگر وہ کھلے چھپے فروخت و استعمال ضرور ہو گا۔ ہمارا دل گناہوں کا کارخانہ ہے دماغ و دکان اعضاء استعمال کے گھر اگر دل میں گناہوں کی طرف میلان ہی نہ رہے تو کارخانہ سے گناہ بنے ہی نہیں پھر بدن استعمال کیسے کرے۔ حضرت عثمان سے فرما دیا جاؤ جو چاہو کرو۔ جنت تمہاری ہو چکی وجہ یہ ہی تھی کہ ان کے کارخانہ دل میں گناہ بننا بند کر دیئے گئے۔ پھر استعمال کیسے ہوں توبہ کرو۔ یعنی کارخانہ دل میں گناہ بننا بند کرو استغفار کرو کہ استعمال شدہ گناہوں کی معافی مانگو۔ اور غفور رحیم کے متعلق صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس کی رونق عشق سے ہے۔ سخاوت کی بہار بھکاریوں سے ہے کہ دربار الٰہی بارگاہ نبوی پر گنہگاروں کی بھیڑ لگی ہو ادھر سخی کے ہاتھ بخشش میں چل رہے ہوں یوں ہی ستاری غفاری کے بازار کی بہار گنہگاروں سیاہ کاروں سے ہے کہ گنہگار خطاکار مصلوں پر رگڑ کر رو رہے ہوں ادھر سے **واللہ غفور رحیم** کے اعلان ہو رہے ہوں۔ جب برادران یوسف علیہ السلام شرمندہ ہو کر دربار یوسفی میں آئے تب **لا تثریب علیکم الیوم** فرمانے کی بہار آئی۔ جب ہندہ' عکرمہ' وحشی' ابوسفیان دروازہ محمدی پر آئے تب دامن کرم ان کی طرف اٹھا اور انہیں آغوش میں لیا گیا ایک سخی نے اپنے مکان کے سو دروازے رکھے تاکہ ایک بھکاری سو بھیکیں لیں۔ رب نے اپنی غفاری کے ہزاروں دروازے رکھے تاکہ بھکاری ہر جگہ سے بھیک لیں اولیاء اللہ کے آستانے مغفرت کے دروازے رمضان' قرآن اس کی مغفرت کے دروازے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ

نہیں ہیں مسیح بیٹے مریم کے مگر پیغمبر بے شک گزر گئے ان سے پہلے بہت پیغمبر اور ان کی والدہ بندی

مسیح ابن مریم نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی

صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ

سچی ہیں کھاتے تھے وہ دونوں کھانا دیکھو تم کیسے بیان فرماتے ہیں ہم واسطے ان کے نشانیاں پھر

ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو تو ہم کیسی صاف نشانیاں بیان کرتے ہیں پھر

انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ

دیکھو کس کیسے پھیرے جاتے ہیں فرماؤ کیا پوجتے ہو تم سوا اللہ کے اس کو جو نہیں مالک ہے واسطے تمہارے

دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو تمہارے نہ نقصان کا مالک

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

نقصان کا اور نہ فائدہ کا اور اللہ ہی سننے جاننے والا ہے

نہ نفع کا اور اللہ ہی سنتا جانتا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں عیسائیوں کے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق عقیدوں کا ذکر فرمایا گیا اب ان کے عقائد باطلہ کی تردید میں نہایت قوی دلائل بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ جن سے ان کی ابنیت کی کھلی تردید ہوتی ہے عبدیت کا ثبوت گویا ان کے دعووں کا ذکر پہلے ہوا ان کی تردید کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں عیسائیوں کے عقیدوں کا کفر و شرک ہونا بیان فرمایا گیا اب اس کے قوی دلائل ارشاد ہو رہے ہیں گویا پچھلی آیات میں ابتدا دعویٰ تھا۔ اب اس دعویٰ کے دلائل ہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں عیسائیوں کو عذاب سے ڈرا کر اور معافی کی امید دلا کر باطل عقائد سے توبہ کرنے کا حکم دیا گیا اب دلائل سے سمجھا کر انہیں توبہ کی طرف مائل کیا جا رہا ہے۔ بعض لوگ ڈر سے مانتے ہیں بعض لالچ سے اور بعض دلائل سے پہلے دو قسم کے لوگوں کے لئے پچھلی آیات میں دعوت تھی۔ تیسرے قسم کے لوگوں کو اب دعوت توبہ دعوت ایمان دی جا رہی ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت مسیح سے ان بہتانوں کو دور کیا گیا جو عیسائیوں نے انہیں لگائے یعنی ان کا عین اللہ یا ابن اللہ یا تیسرا خدا ہونا۔ اب ان کی ان صفات کا ذکر ہے جو رب تعالیٰ نے انہیں اور ان کی والدہ کو عطا فرمائیں۔ یعنی ان کا رسول ہونا ان کی والدہ ماجدہ کا اللہ کی بندی اور صدیقہ ہونا گویا اتہاموں کی نفی کے بعد صفات کا ثبوت ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں عیسائیوں کو توبہ کی تلقین فرمائی گئی تھی۔ اب انہیں توبہ کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ رسول ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ ہیں گویا توبہ کا حکم پہلے تھا اور توبہ کے طریقہ کی تعلیم اب دی جا رہی ہے۔

تفسیر **ما المسیح ابن مریم الا رسول** اس عبارت میں **ما** نافیہ ہے **المسیح** مبتداء اور **رسول** اس کی خبر ہے **الا** سے حصر کا فائدہ ہوا یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی اور حصر الوہیت یا ابن اللہ ہونے کے لحاظ سے ہے یعنی حضرت مسیح نہ الٰہ ہیں نہ ابن اللہ نہ تیسرے خدا بلکہ صرف اور محض بندے اور رسول ہیں یہ مطلب نہیں کہ ان میں سواء رسالت کے اور کوئی وصف نہیں نہ وہ کلمۃ اللہ ہیں نہ روح اللہ نہ وہ مردے جلانے والے ہیں نہ اندھوں کوڑھوں کو شفا دینے والے بلکہ وہ رسالت کے ساتھ ان تمام صفات سے موصوف ہیں رسول کی تنوین تعظیم کی ہے یعنی یہ شاندار رسول کہ صاحب کتاب صاحب شریعت رسول ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے حضرت جبریل کو بھی رسول فرمایا **انما انا رسول ربک** دوسرے فرشتوں کو **جاعل الملئکۃ رسلا** دوسرے پیغمبروں کو بھی **الی فرعون رسولا** اور ہمارے حضور کو بھی یہ سب حضرات رسول ہیں مگر ان کی رسالت کی شانوں میں فرق ہے۔ حضرت جبریل خاص رسول ہیں۔ دوسرے فرشتے عام رسول اس لئے حضرات انبیاء کو وحی لانے والے صرف حضرت جبریل ہیں مگر یہ دونوں رسالتیں بے اختیار پیغام رساں فیض رساں والی ہیں جیسے ڈاک کا محکمہ جو حکام تک بادشاہ کا پیغام پہنچاتا ہے اس لئے حضرت جبریل کا کوئی امتی نہیں ان کا کلمہ نہیں پڑھا گیا۔ حضرات انبیاء کرام کی رسالت بااختیار ہے کہ پیغام و فیضان اپنے اختیار سے مخلوق تک پہنچاتے ہیں جیسے با اختیار حکام مگر دیگر انبیاء کرام کی رسالتیں محدود وقت محدود قوموں کے لئے تھیں اس لئے ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ فرعون کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا قوم عاد کی طرف ہود کو قوم ثمود کی طرف صالح کو قوم مدین کی طرف شعیب علیہم السلام کو بھیجا مگر ہمارے حضور کی رسالت نہ وقت سے محدود ہے نہ قوم سے اس لئے ارشاد ہوا **للعلمین نذیرا** یا **رحمۃ للعالمین** چراغ خاص گھر کا نور ہیں۔ سورج ساری زمین کا نور اگرچہ نور دونوں ہیں۔ **قد خلت من قبلہ الرسل** یہ جملہ **رسول** کی صفت ہے یہاں **قد** تحقیق کے لئے ہے تقریب کے لئے نہیں۔ **خلت** بنا ہے **خلو** سے بمعنی گزر جانا اسی سے ہے خالی جس میں کوئی شئی گزر جاوے اب موجود نہ ہو اس کے معنی موت نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے سارے رسول وفات نہیں پا چکے۔ تین رسول زندہ ہیں۔ حضرت ادریس' الیاس خضر علیہم السلام حضرت ادریس جنت میں زندہ ہیں اور حضرت الیاس زمین پر حضرت خضر علیہ السلام سمندروں پر' ہاں ان کے دور نبوت گزر چکے ان کے دین منسوخ ہو چکے لہذا آیت کریمہ واضح ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت مسیح سے پہلے بہت شاندار نبی گزرے جن کے معجزات حضرت مسیح سے بھی زیادہ حیرت ناک ہوئے اس کے باوجود نہ وہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ خالص بندے اور رسول عیسیٰ علیہ السلام صرف ماں سے پیدا ہوئے بغیر باپ کے اور آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ پیدا ہوئے۔ یوں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردہ بے جان انسان زندہ کئے جن میں پہلے جان تھی اور حضرت موسیٰ علیہ

السلام نے لکڑی کی لاٹھی میں جان ڈالی کہ عصاء کو سانپ بنایا حضرت صالح علیہ السلام نے پتھر میں جان ڈال کر اونٹنی بنائی یا اس میں اونٹنی نکالی۔ لاٹھی کو سانپ بنانے اور پتھر کو اونٹنی بنانے میں انقلاب حقیقت بھی ہے اور بے جان میں جان ڈالنا بھی حقیقت بدل دینا بہت ہی حیرت ناک ہے۔ لاٹھی خشک لکڑی ہے پتھر جمادات ان کو جانور بنا دینا حیرت ناک ہے کہ ان میں گوشت پوست آنکھ ناک کان' جگر معدہ خون بنا دینا کیسی عجیب چیزیں ہیں۔ جب وہ حضرات اتنے عجیب معجزات کے باوجود نہ خدا ہوئے نہ خدا کے بیٹے تو عیسٰی علیہ السلام کیسے ہوئے۔ سبحان اللہ کیسی قوی اور پیاری دلیل ہے **وامہ صدیقة** یہ عبارت مستقل جملہ ہے۔ جس میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے متعلق صفائی دی گئی ہے ان جناب کے متعلق تین قوموں کے تین عقیدے تھے۔ جن سب کی ایک لفظ صدیقہ سے تردید ہو گئی۔ یہود انہیں بدکاری کا الزام لگاتے تھے ان کی بھی تردید ہو گئی کہ وہ جناب کام 'کلام' اقوال' اعمال' احوال کی سچی ہیں عیسائی انہیں خدا کی بیوی یا تیسرا خدا مانتے ہیں ان کی بھی تردید ہو گئی کہ وہ خدا نہیں بلکہ صدیقہ ہیں۔ صدیقیت بندے کی صفت ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی بعض بے وقوف انہیں نبی مانتے ہیں (روح المعانی) خلاصہ یہ ہے کہ رب العالمین نے مریم صدیقہ نہ کہا بلکہ **امہ صدیقة** فرمایا اس **امہ** میں عیسائیوں کی تو یہ تردید ہوئی کہ بے وقوفو! تم کہتے ہو کہ جس کے باپ نہ ہو وہ خدا ہے یہ نہیں کہتے کہ جس کی ماں ہو وہ خدا نہیں بندہ ہے۔ یہود کی تردید اس طرح ہو گئی کہ یہ ناممکن ہے کہ پھل آم ہو اور اس کا درخت ببول ہو۔ اسی طرح یہ ناممکن ہے کہ فرزند مسیح کلمۃ اللہ روح اللہ ہو اور اس کی ماں اچھی نہ ہو اعلیٰ چیز کا برتن بھی اعلیٰ ہوتا ہے اور مریم کو نبی کہنے والوں کی بھی تردید ہو گئی کہ وہ نبی نہیں بلکہ زمرہ صدیقین میں سے ہیں۔ صدیقیت نبوت کے بعد ہے نبی صرف مرد ہوتے ہیں عورتیں نہیں ہوتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم** اور صدیقیت کے متعلق فرمایا **من النبین والصدیقین والشھداء والصلحین** معلوم ہوا کہ **صدیقین** نبیین کے بعد ہیں۔ ہر نبی صدیق ہے۔ ہر صدیق نبی نہیں جیسے ہر نبی ولی ہے ہر ولی نبی نہیں۔ صادق اور صدیق کا فرق بارہا بیان ہو چکا کہ صادق وہ جو جھوٹ نہ بولے صدیق وہ جو جھوٹ نہ بول سکے صادق وہ جو زبان کا سچا ہو۔ صدیق وہ جو زبان کام وغیرہ ہر شے کا سچا ہو۔ صادق وہ جو واقعہ کے مطابق کہے صدیق وہ جس کے کہے کے مطابق واقعہ ہو جاوے وغیرہ حضرت مریم کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے **وصدقت بکلمت ربھا وکتبہ** خیال رہے کہ جناب مریم بذات خود بھی اچھی ہیں اور چند وجوہ سے انکی عظمت میں اور چار چاند لگ گئے (۱) ان کی والدہ حنہ نے انہیں بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ سے مانگا یہ ان کا اخلاص ان کی عظمت کا باعث ہوا۔ (۲) انکی پرورش بیت المقدس میں ہوئی (۳) ان کی تربیت حضرت زکریا علیہ السلام نے کی۔ (۴) ان کو جنتی میووں سے پرورش کیا گیا جسے اللہ یہ نعمتیں بخشے وہ صدیقہ ہی ہو گی۔ **کانا یاکلن الطعام** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ مستقل ہے کانا کا اسم حضرت عیسٰی و مریم دونوں بزرگ ہیں چونکہ مذکر افضل ہے مونث سے نیز عیسٰی علیہ السلام نبی ہیں جناب مریم نبی نہیں اس لئے تغلیبا کانا تثنیہ مذکر ارشاد ہوا یعنی وہ

دونوں حضرات کھانا کھاتے تھے۔ جو کھانا کھائے وہ رب نہیں رب وہ جو کھلاتا ہے کھاتا نہیں نیز کھانا وہ کھاتا ہے جو کھانے کا حاجت مند ہو۔ جب وہ کھانے کی ضرورت رکھتے تھے تو رب نہیں ہو سکتے نیز کھانے کی وجہ سے بہت سی حاجت مندیاں پیش آتی ہیں۔ کھانے کی وجہ سے انسان مکان' آٹا پیسنے والے' روٹی پکانے والے' لکڑی چولہا وغیرہ صدہا چیزوں کا حاجت مند ہو جاتا ہے نیز کھانے سے دنیا میں پیشاب پاخانہ ہوا خون گوشت وغیرہ بنتے ہیں نیز کھانے سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے طبیبوں معالجوں وغیرہم کی حاجت پڑتی ہے۔ غرضیکہ ایک کھانے سے بندگی پوری ظاہر ہو رہی ہے۔ انسان کھانے کے سوا' زمین' ہوا' دھوپ' لباس وغیرہ بھی استعمال کرتا ہے۔ ان سب کا حاجت مند ہے۔ مگر کھانا کھانے میں حاجت مندی بہت ہی ظاہر ہوتی ہے۔ کھانا حاجت مندیوں کا مجموعہ ہے اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اگرچہ وہ مردوں کو زندہ بیماروں کو صحت یاب کرتے تھے مگر اپنے کو بھوک پیاس سے نہیں بچا سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ بذات خود کچھ نہیں کرتے تھے جو کرتے تھے رب کی دی ہوئی قدرت سے کرتے تھے جہاں قدرت دیدی وہاں قادر ہیں جہاں قدرت نہ دی وہاں مجبور ہیں یہ علامت بندگی ہے غرضیکہ ان چند کلمات میں عبدیت مسیح کے بے شمار دلائل بیان فرما دیئے گئے۔ اس لئے فرمایا **انظر کیف نبین لھم الایت انظر** بنا ہے نظر سے۔ بمعنی دیکھنا یا غور کرنا یہ خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے۔ اگر ہر قرآن پڑھنے والے سے خطاب ہے تو منشا یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں میں غور کرو کہ یہ غور عبادت ہے ان کفار کی ہٹ دھرمی میں بھی غور کرو کہ یہ حضور کو دیکھ کر مدینہ کی زمین میں رہ کر قرآن اترتے دیکھ کر بھی کافر رہے تاکہ تم ان کے عیوب سے بچو اور اگر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو مقصد یہ ہو گا کہ جیسے سمندر کے موتی' کان کا سونا ہے تو رب کی مخلوق مگر لوگوں کو جب ملتے ہیں جب کوئی ماہر انہیں نکال کر دے یوں ہی آیات قرآنیہ کے رموز و اسرار بلکہ مطالب بندوں کو جب ملیں گے۔ آپ غور و فکر سے نکال کر انہیں سمجھا دیں۔ **تبیین** بنا ہے تبیین سے۔ بمعنی خوب بیان کرنا بہت واضح کرتے رہنا آیات جمع ہے آیت کی۔ بمعنی کھلی دلیل یا ظاہر نشانی یعنی اے محبوب یا اے قرآن پڑھنے والے غور تو کرو کہ ہم کس طرح عبدیت مسیح پر کھلی دلیلیں مضبوط حجتیں بیان فرماتے ہیں جن سے اس مسئلہ میں کسی قسم کی پوشیدگی نہیں رہتی۔ **ثم انظر انی یوفکون** یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے دوبارہ **انظر** فرمانے میں مبالغہ کا اظہار ہے کہ وہ بات بھی پوری طرح غور سے دیکھو اور یہ چیز بھی۔ چونکہ ان دونوں نظروں میں بڑا فرق مراتب ہے کہ وہ نظر قدرت الٰہی کے لئے اور یہ نظر عیسائیوں کی ضد پر تعجب کے لئے ہے اس لئے ثم عاطفہ ارشاد ہوا۔ انی۔ بمعنی کیف بھی آتا ہے اور۔ بمعنی من این بھی یہاں۔ بمعنی کیف ہے چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک برابر اوندھے ہی چلتے رہے اس لئے **یوفکون** حال استمراری کے صیغہ سے ارشاد ہوا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بیان آیات میں غور کرنے کے بعد اس میں غور کرو کہ عیسائی کیسے اوندھے ہیں کہ ان دلائل کے باوجود اوندھی باتیں ہی کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ **یوفکون** بنا ہے **افک**

ہے ۔ معنی پھرنا کھلے جھوٹ اور بہتان کو بھی اس لئے **افک** کہتے ہیں کہ جھوٹا آدمی حق سے پھر جاتا ہے **قل اتعبدون من دون اللہ** یہ جملہ علیحدہ مستقل ہے جس میں عبدیت مسیح ثابت کرنے کے بعد ان کی الوہیت کی تردید کرنے کے بعد ان کی پرستش و عبادت کی سخت تردید کی جا رہی ہے گویا الوہیت کی تردید کے بعد معبودیت کی تردید ہے چونکہ اس آیت میں توحید کا مضمون ہے اس لئے اسے **قل** سے شروع فرمایا گیا۔ قرآن مجید میں توحید کا مضمون اکثر **قل** سے شروع ہوتا ہے اور نبوت و رسالت کا مضمون بغیر **قل** کے کہ حضور توحید کے گواہ ہیں۔ رب تعالیٰ حضور کی رسالت کا گواہ **قل** میں روئے سخن کبھی رب تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے کبھی عام مخلوق کی طرف کبھی مسلمانوں کی طرف کبھی صرف کفار کی طرف جیسے ہم بعض باتیں صرف ماں باپ سے کرتے ہیں۔ بعض صرف بیوی سے بعض صرف بچوں سے بعض دوستوں سے بعض دشمنوں سے یہاں روئے سخن صرف بت پرست مشرکین اور عیسائیوں یہودیوں سے ہے جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضور کے فرمان ایک بار صادر ہو چکے مگر ان کا بقا ان کا تعلق تاقیامت ہے۔ لہٰذا اس کا **قل** کا تعلق تاقیامت مشرکین وغیرہم سے ہے۔ یہاں ہمزہ استفہام انکاری کا ہے اور انکار تعجب کا ہے تعجب کی وجہ دو ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اے یہود نصاریٰ کے پادریو! تم توریت و انجیل پڑھ کر اولاد انبیاء ہو کر بھی غیر خدا کی عبادت کرتے ہو۔ دوسری یہ کہ تم مدینہ میں رہ کر ہماری صحبت پاکر بھی بت پرستی کرتے ہو جسے ہم سے ہدایت نہ ملی اسے کہیں سے نہ مل سکے گی۔ **دون** کی تحقیق بہت بار ہو چکی ہے کہ یہ بہت معنی میں آتا ہے۔ یہاں ۔ معنی سوا یا معنی مقابل ہے۔ عبادت کے معانی اس کے اقسام ایاک نعبد کی تفسیر میں بیان کئے گئے یہاں خطاب ان ہی عیسائیو سے ہے جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے۔ **قل** میں خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا ہر قرآن پڑھنے والے سے **ما لا یملک لکم ضرا و لا نفعا** یہ **ما** موصولہ ہے ۔ معنی **الذی** اور **تعبدون** کا مفعول بہ ہے **ما** سے مراد یا تو ہر غیر اللہ معبود ہے خواہ چاند سورج ہوں یا درخت و پتھر یا عیسائیوں کی صلیب یا حضرت عیسیٰ و مریم علیہم السلام چونکہ غیر عاقل معبود زیادہ تھے اس لئے یہاں **ما** ارشاد ہوا یا **ما** سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں چونکہ یہاں نوع معبود باطل مراد ہے۔ اس لئے **ما** ارشاد ہوا جیسے **لا تنکحوا ما نکح اباؤکم** یا چونکہ یہاں ایک وصف کے ساتھ ذات کو بیان فرمایا گیا اس لئے **ما** ارشاد ہوا جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ**۔ دیکھو یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو **ما** سے تعبیر کیا گیا یعنی جانی پہچانی ہوئی ذات' ملکیت سے مراد ذاتی ملکیت ہے یعنی مستقل بذات خود بغیر کسی عطا کے مالک ہونا (روح المعانی و بیضاوی وغیرہ) چونکہ دنیا میں نقصان زیادہ ہیں نفع تھوڑے اس لئے ضر یعنی نقصان کا ذکر پہلے کیا اور نفع کا بعد میں نقصان و نفع سے مراد یا مطلقاً ہر نقصان و نفع ہے یا خاص وہ نقصان و نفع جو دلیل الوہیت مانے جاتے ہیں جیسے بیٹا بیٹی بخشنا زندگی و موت' بیماری و صحت دینا وغیرہ ظاہر یہ ہے کہ ہر نقصان و نفع مراد ہے جیسا کہ **ضرا** اور **نفعا** کے نکرہ فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے خیال رہے کہ نفع نقصان دینا اور چیز ہے ان کا مالک ہونا کچھ اور پھر مالک ہونے میں ذات مالک ہونا اور ہے عطائی مالک ہونا کچھ اور یہاں نہ تو نفع و نقصان دینے کی

نفی ہے نہ ہر ملکیت کی بلکہ ملکیت ذاتی کی نفی ہے لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے **واللہ ھو السمیع العلیم** یہ عبارت بھی عیسائیت کی تردید کی بڑی دلیل ہے۔ **ھو** کا مرجع اللہ ہے سمیع و علیم سے مراد ازلی سننے جاننے والا ہے۔ یعنی ازلی ابدی سمیع و علیم یا ذاتی سمیع و علیم یہ دونوں صفتیں رب تعالیٰ سے خاص ہیں۔ اس کے سوا کوئی بندہ دائمی یا ذاتی طور پر نہ سمیع ہے نہ علیم ہر ایک خود بھی حادث ہے اس کی ہر صفت بھی حادث خود بھی رب کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا اس کی صفات بھی رب کی عطا سے مطلب یہ ہے کہ لائق عبادت وہ اللہ ہے جو بندوں کے نفع نقصان کا ذاتی مالک ہے جو ازلی ابدی مستقل سمیع و علیم ہے یہ صفتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں لہٰذا نہ وہ اِلٰہ ہیں نہ ان کی عبادت درست ہے اے عیسائیوں اس وحدہ لاشریک کی عبادت کرو جس کے قبضہ میں حضرت مسیح ہیں۔

خلاصہ تفسیر عیسائیوں کا ہر فرقہ جھوٹا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کے سارے ہی عقیدے باطل ہیں نہ تو عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں نہ تیسرے الٰہ نہ ابن اللہ وہ تو خالص نرے بندے اور اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بہت رسول دنیا میں گزرے جنہوں نے حضرت مسیح سے بھی اعلیٰ معجزات دکھائے موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا، عصاء کا سانپ بننا دریا کا چیر دینا بنی اسرائیل پر من و سلویٰ کی بارش کرانا وغیرہ حضرت صالح علیہ السلام کا پتھر سے زندہ اونٹنی نکالنا حضرت آدم کا بغیر ماں باپ پیدا ہونا معجزات مسیح سے اعلیٰ ہیں مگر ان معجزات کے باوجود وہ خدا نہ ہوئے تو عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا نہیں خدا کے بندے ہیں یوں ہی ان کی والدہ ماجدہ نہ تو خدا ہیں نہ خدا کی بیوی نہ نبی بلکہ اللہ کی سچی بندی ہیں جن کے اقوال، اعمال، احوال سب سچے ہیں ان دونوں کی بندگی کی کھلی دلیل یہ ہے کہ وہ دوسرے بندوں کی طرح کھانا کھاتے پانی پیتے تھے اپنے سے بھوک و پیاس کو دفع نہ کر سکتے تھے کھانا کھانے میں بندہ صدہا طریقہ سے رب تعالیٰ کا حاجت مند ہوتا ہے۔ غور تو کرو کہ ہم عبدیت مسیح وغیرہ پر عیسائیوں کا کیسی کیسی کھلی نشانیاں ظاہر فرما رہے ہیں۔ جن کا جواب وہ نہیں دے سکتے پھر بھی تعجب سے سوچو کہ ان آیات کے باوجود عیسائی کیسے اوندھے جا رہے ہیں کہ اب بھی حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا ہی کہے جا رہے ہیں اے محبوب آپ ان سے اتنا تو فرما دو کہ کیا تم ان مسیح علیہ السلام، مریم صلیب وغیرہ کو پوجتے ہو جو تمہارے عقیدے میں بھی بذات خود کسی کے نفع نقصان کے حقیقی مالک نہیں ہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں رب تعالیٰ کی عطا سے کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے ہر وصف میں رب کے حاجت مند ہیں تو لائق عبادت نہیں رب تعالیٰ ہی ازلی ابدی ذاتی حقیقی سننے جاننے والا ہے۔ حضرت مسیح کا سننا جاننا بھی رب تعالیٰ کی عطا سے ہے لہٰذا صرف رب تعالیٰ ہی لائق عبادت ہے اس کے سواہ کوئی نہ عبادت کے لائق ہے نہ الٰہ ہے۔ خیال رہے کہ مشرکین عرب بلکہ مشرکین ہند بھی۔ نافع اور مضر چیزوں کی یوں ہی عجیب چیزوں کی پوجا کرتے تھے اس لئے کہ ان سے یہ نفع ہے یا نہ نقصان، چنانچہ مشرکین ہند سانپ کو پوجتے ہیں کہ یہ زہریلا ہے ہلاک کر دیتا ہے سورج، چاند، سایہ دار درخت گائے کو پوجتے ہیں محض اس لئے کہ ان سے نفع بہت ہیں۔ جب ریل نئی نئی نکلی ہے تو ہندو انجن کو پوجتے رہے کہ یہ عجیب چیز ہے اس آیت میں ارشاد ہوا کہ لائق عبادت وہ نہیں جو

نفع نقصان دے بلکہ لائق عبادت وہ ہے جو اس نفع نقصان کا مالک حقیقی ہے جسے چاہے اس نفع نقصان کا مالک کر دے آئینہ دار کو دیکھو آئینہ میں نہ پھنسو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے سارے انبیاء وفات یافتہ نہیں ان میں بعض زندہ بھی ہیں جیسے حضرت ادریس 'الیاس' خضر علیہم السلام یہ فائدہ **قد خلت** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے انہیں **ماتت** نہ فرمایا یعنی وفات یافتہ بلکہ **خلت** فرمایا **خلت** اور **ماتت** کا فرق ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں بہت سے صدر مملکت' وزیر اعظم گزرے یعنی ان کی صدارتیں وزارتیں بن کر ختم ہو چکیں اگرچہ وہ ابھی زندہ ہیں گزرنے اور مرنے میں بڑا فرق ہے ہر مر جانے والا گزر جاتا ہے مگر ہر گزرنے والا مرتا نہیں کہا جاتا ہے اس راستہ سے بہت گزرے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سب مر گئے۔ خیال رہے کہ یہ ہی عبارت چوتھے پارے میں سورہ آل عمران میں گزر چکی ہے **وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل**۔ **خلت** کی تحقیق وہاں کی جا چکی ہے۔ دوسرا فائدہ اگر کوئی قوم کسی مقبول بندے کو حد سے بڑھا دے تو اس قوم کی تردید کے لئے اس مقبول بندے کی اہانت نہ کی جاوے بلکہ حد سے بڑھانے والوں کی پر زور تردید کی جاوے یہ فائدہ **امہ صدیقہ** سے حاصل ہوا کہ عیسائیوں نے جناب مریم کو خدا یا خدا کی بیوی کہہ دیا تو رب تعالیٰ نے ان عیسائیوں کی تردید تو کی مگر جناب مریم کا احترام قائم رکھا کہ انہیں صدیقہ فرمایا اس **صدیقہ** فرمانے میں جناب مریم کی الوہیت کی تردید عبدیت کے ساتھ صدیقیت کا اثبات ہے۔ تیسرا فائدہ کھانا بندے کی بندیت کی قوی دلیل ہے۔ کیونکہ بندگی کا مدار حاجت مندی پر ہے۔ بندہ رزق کھانے میں بہت طرح رب کا محتاج ہے بندہ کھانا حاصل کرنے میں صدہا طرح رب کا محتاج ہے۔ پھر خود کھانے میں اس کا محتاج پھر کھانا ہضم کرنے میں رب کا محتاج۔ پھر کھانے کے بعد اس کے نتائج بیماری کمزوری وغیرہ دفع کرنے میں رب تعالیٰ کا محتاج یہ فائدہ **کانا یاکلن الطعام** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے کھانا کھانے کو جناب عیسیٰ علیہ السلام و مریم کی بندگی کی دلیل بتایا اور اسے آیات جمع فرمایا کہ ایک ہی کھانا دلائل عبدیت ہے۔ چوتھا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب آسمان پر بغیر کھانے پانی کے زندہ ہیں فرشتوں کی طرح یہ فائدہ **کانا یاکلن** ماضی فرمانے سے حاصل ہوا یعنی وہ زمین میں کھاتے تھے پیتے تھے اب نہیں کھاتے۔ پانچواں فائدہ جب تک اللہ کی رحمت دستگیری نہ کرے کوئی دلیل ہدایت نہیں دے سکتی دلائل حقہ' ذریعہ ہدایت ہیں نہ کہ مستقل ہادی یہ فائدہ **انی یوفکون** سے حاصل ہوا۔ جس میں فرمایا کہ بیان آیات کے بعد بھی عیسائی اوندھے ہی جا رہے ہیں۔ چھٹا فائدہ اللہ تعالیٰ کے سواء نفع نقصان کا حقیقی مالک کوئی نہیں وہ جسے چاہے نافع بنا دے جسے چاہے مضر و ضار قرار دے دے یہ فائدہ **لا یملک لکم ضرا الخ** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذاتی مستقل نہ سمیع ہے نہ بصیر نہ علیم نہ خبیر وہ جسے چاہے جب چاہے سمیع بصیر بنا دے یہ فائدہ **واللہ ھو السمیع العلیم** کے حصر سے حاصل ہوا۔

لطیفہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر ان کی ہڈیاں پسلیاں توڑ ڈالیں۔ جناب مسیح نے سولی چڑھتے وقت پانی مانگا تو یہود نے انہیں بجائے پانی کے شراب ان کے نتھنوں میں ڈال دی۔ جس سے آپ نے بہت تکلیف سے جان دی (تفسیر کبیر) ان باتوں کو مانتے ہوئے پھر انہیں خدا مانتے ہیں یہ ہے اندھا پن۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام صرف رسول ہیں ان میں رسالت کے سواء اور کوئی وصف نہیں تو تم نبیوں ولیوں کو حاجت روا مشکل کشا کیوں مانتے ہو یہ عقیدے اس آیت کے خلاف ہیں۔ پیغمبر صرف رسول یعنی ڈاکیے کی طرح پیغام پہنچادینے والے ہوتے ہیں اور بس ان میں اور کوئی وصف نہیں ہوتا۔ **الا رسول** نے حصر کا فائدہ دیا۔ **جواب** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں حصر اضافی ہے یعنی الوہیت کے لحاظ سے یعنی وہ نہ الٰہ ہیں نہ ابن اللہ بلکہ صرف بندے اور رسول ہیں اس کے علاوہ ان میں بہت صفات ہیں آپ کلمۃ اللہ' روح اللہ' مردوں کو زندگی' بیماروں کو شفا بخشنے والے' باذن الٰہی' یہ عطا پروردگار غیوب پر مطلع سب کچھ ہیں ان کے یہ سارے صفات قرآن کریم نے ہی بیان فرمائے لہٰذا ظاہر ہے کہ آپ دافع بلا مشکل کشا ضرور ہیں کیونکہ بیماری بلا ہے جسے جناب مسیح باذن پروردگار دفع فرماتے ہیں۔
دوسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح سے پہلے سارے رسول وفات پاچکے کوئی زندہ نہیں یوں ہی حضور سے پہلے سارے نبی حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی وفات پاچکے کیونکہ سورہ آل عمران میں یہ ہی **قد خلت من قبله الرسل** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا ہے کسی نبی کو اب زندہ ماننا اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر اور فائدوں میں گزر چکا کہ یہ آیت ہی بعض نبیوں کے زندہ ہونے کی دلیل ہے کہ یہاں **قد خلت** فرمایا گیا **ماتت** نہ فرمایا گیا۔ سارے نبی واقعی گزر گئے مگر بعض وفات پاکر بعض صرف اس طرح کہ ان کا زمانہ نبوت ختم ہو گیا۔ حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام اب دنیا میں تشریف لائیں گے تو نبی ہونے کی حیثیت سے نہیں آئیں گے بلکہ اب امت مصطفیٰ ہونے کی شان سے لہٰذا آپ اس وقت بھی گزرے ہوئے رسول ہی ہوں گے۔ یعنی خود موجود مگر ان کی رسالت ختم' حضرت ادریس علیہ السلام کا زندہ اٹھالیا جانا تو قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہے فرماتا ہے۔ **ورفعناه مكانا عليا**۔ حضرت الیاس و خضر کا اب تک زندہ ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح کھانا کھاتے اور کھانے کے حاجت مند تھے تو اب ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ آسمان پر کھانا پانی کے بغیر زندہ ہیں اس آیت کے خلاف ہے۔ جب کھانا ان کی عبدیت کی دلیل ہے تو نہ کھانا ان کی الوہیت کی دلیل ہوئی لہٰذا ان کو اب کھانے پینے سے بے نیاز ماننا گویا انہیں الٰہ ماننا ہے۔ (نوٹ) یہ اعتراض اس زمانہ کے قادیانی عالم مولوی محمد علی صاحب کو سوجھا۔ جسے انہوں نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں نقل فرمایا۔ **جواب** واقعی کھانا دلیل عبدیت ہے مگر نہ کھانا دلیل الوہیت نہیں فرشتے کچھ نہیں کھاتے مگر الٰہ نہیں۔ بندے ہیں ہم عالم ارواح میں کچھ نہ کھاتے تھے اور نہ آئندہ بعد مرنے کے کچھ کھائیں گے۔ مگر الٰہ نہیں بندے ہی ہوں گے۔ حضرت مسیح کا زمین پر رہ کر کھانے کا حاجت مند ہونا ان کی عبدیت کی دلیل

ہے۔ آسمان پر بغیر کھائے زندہ رہنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کہ وہ چاہے تو کھانے والا بشر کو بغیر کھائے پئے زندہ رکھے خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ اور حضرت جبریل کے دم سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے وہ بشر ہیں مگر ملکی صفات سے موصوف آپ زمین پر تشریف فرما تھے تو بشریت کا ظہور تھا کہ کھانے پینے سے زندہ تھے مگر آسمان پر پہنچ کر ملکی صفت کا ظہور ہے کہ فرشتوں کی طرح اللہ کے ذکر سے زندہ ہیں جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب علونا" کھانا نہ کھاتے تھے تو بھوک سے تکلیف محسوس کرتے تھے مگر جب عبادۃ کھانا چھوڑتے یعنی وصال کے روزوں میں تو خواہ کتنی ہی مدت کھانا پینا چھوڑ دیتے قطعاً" تکلیف نہ ہوتی۔ دنیا میں رہے سانس لیتے رہے گرمی سردی محسوس فرماتے رہے مگر معراج میں نہ ہوا کی ضرورت ہوئی نہ سانس کی حاجت نہ کرہ نار کی گرمی نہ طبقہ زمہریر کی ٹھنڈک نقصان پہنچا سکی بشریت میں ملکیت کے صفات ہو سکتے ہیں الوہیت شان ہی دوسری ہے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھاتے پیتے تھے لہذا وہ ہم جیسے ہوئے کہ ہم بھی کھاتے پیتے ہیں وہ بھی۔ **جواب** یہ فرمان عالی حضرت مسیح کی عبدیت کے ثبوت میں ہے نہ کہ ان کی تثلیث کے ثبوت کے لئے اگر کھانے پینے سے تثلیث لازم ہو تو جانور و انسان یکساں ہوں گے۔ حالانکہ ان میں بڑا فرق ہے مومن و کافر' جنتی دوزخی برابر نہیں۔ قرآن کریم شاہد ہے تو نبی اور غیر نبی کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اس کی بحث بارہا ہو چکی۔ **پانچواں اعتراض** جب بہت سوں کی اطاعت ہو سکتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** تو بہت سوں کی عبادت کیوں نہیں ہو سکتی اطاعت و عبادت ایک سی ہی چیزیں ہیں۔ **جواب** اطاعت کے معنی ہیں اپنی ماتحتی دوسرے کے سرداری مان کر اس کی فرمانبرداری کرنا یعنی اظہار ماتحتی اطاعت ہے مگر عبادت کے معنی ہیں۔ اظہار عبدیت یعنی اپنی بندگی اور دوسرے کی الوہیت یعنی اسے خالق یا خالق کے برابر مان کر اس کی فرمانبرداری کرنا عبادت ہے اطاعت' عبادت' عادت میں فرق صرف نیت و خیال کا ہے آرام کے لئے کھانا پینا سونا عبادت ہے۔ جس پر کوئی ثواب نہیں حکم خداوندی سمجھ کر کھانا پینا سونا اللہ کی عبادت ہے اور حضور کی نقل کرنے کی بھی نیت کر کے یہ کام کرنا اللہ کی عبادت بھی ہے۔ حضور کی اطاعت بھی۔ چونکہ ہم ماتحت بہت کے ہو سکتے ہیں۔ مگر عبد صرف ایک کے لہذا اطاعت بہت کی ہو سکتی۔ مگر عبادت صرف ایک کی ہم بھائی' بھتیجا' چچا' ماموں بہت کے ہو سکتے ہیں مگر بیٹے صرف ایک ماں ایک باپ کے یہ تو پوچھا جاتا ہے کہ آپ کے بھائی کتنے ہیں یہ نہیں پوچھا جاتا کہ آپ کے والد کتنے ہیں۔ اس لئے عبادت صرف ایک کی ہوگی۔ **چھٹا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کوئی نفع نقصان کا مالک نہ ہو اسکی عبادت نہیں چاہیے تو لازم آیا کہ جو چیز نفع نقصان دے اس کی عبادت کرنی چاہیے تو چاہیے کہ پتھر' چاند و سورج دریاؤں کی عبادت کی جاوے کہ یہ سب چیزیں نافع ہیں۔ اور سانپ جنات کی پوجا بھی جائز ہے کہ یہ چیزیں مضر ہیں لہذا ان کی عبادت حق ہے۔ (سناتن دھرمی ہندو) **جواب** نافع مضر ہونا اور چیز ہے اور نفع نقصان کا مالک ہونا کچھ اور پھر نفع نقصان کا عارضی عطائی مالک ہونا اور چیز ہے۔ دائمی مستقل بالذات مالک ہونا کچھ اور دنیا میں بعض چیزیں غیر اختیاری ہیں

جیسے زہر بعض صورتوں میں آگ ہوا پانی بھی اور چیزیں غیر اختیاری مفید جیسے تریاق اور نفع بخش دوائیں بعض چیزیں غیر اختیاری دافع بلا ہیں جیسے دوا دافع زکام دافع نزلہ دافع بخار یا جیسے بزرگوں کے تبرکات بعض لوگ یہ عطاء الٰہی نفع نقصان کے عارضی مالک ہیں جیسے حاکم بادشاہ یا حضرات اولیاء و انبیاء حضرت سلیمان باذن پروردگار ہواؤں کے، ملک جنت کے مالک بلکہ سارے جہان کے بادشاہ و مالک ہے حتیٰ کہ ہوا ان کے حکم سے چلتی تھی رب فرماتا ہے۔ **وسخرنا له الريح تجري بامره**۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باختیار نافع اور برکت والے حضرت یوسف علیہ السلام باختیار فیض رساں جس پر قرآن کریم شاہد ہے۔ شیطان باختیار نقصان دہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **يتخبطه الشيطان من المس** اور فرماتا ہے **اولیئهم الطاغوت يخرجونهم من النور الى الظلمت** یہ بے اختیار یا باختیار نافع و مضر ہونا مدار الوہیت نہیں الوہیت کا مدار نفع نقصان کا مستقل ذاتی مالک ہونا ہے یہ صرف خدا تعالیٰ ہی کی صفت ہے اور وہ ہی لائق عبادت ہے۔ یہاں وہ ہی مراد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے شک نفع نقصان کے مالک ہیں۔ مگر باذن پروردگار جس نفع نقصان کا اللہ نے انہیں مالک کر دیا اس کے مالک ہیں۔ جس کا مالک نہ کیا اس کے مالک نہیں پہلے آپ مردے زندہ کرتے تھے۔ اب قریب قیامت جب آئیں گے تو زندہ کافروں کو مردہ کریں گے کہ ان کے سانس سے کفار ہلاک ہوں گے معلوم ہوا کہ ان کی یہ صفات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ جب چاہا جس صفت کا چاہا مالک بنا دیا۔ جب چاہا یہ اختیار واپس لے لیا بلکہ مخلوق کی تمام صفات کا یہ ہی حال ہے کہ رب کے قبضہ میں ہیں۔ جب چاہا ہم کو زندہ سمیع بصیر کر دیا جب چاہا ہم سے یہ صفات لے لیں یہ گھومنے والے بندے ہیں گھمانے والا رب لہٰذا آیت صاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض دل عقل کے تابع ہوتے ہیں اور بعض عقلیں دل کے تابع جو دل عقل کے تابع ہو وہ اللہ کا عذاب ہے اور جو عقل دل کے تابع ہو وہ عقل بھی اللہ کی رحمت ہے اور دل بھی اللہ کا فضل اس کے متعلق ڈاکٹر اقبال نے کہا **شعر**۔

☆ صبح ازل میں مجھ سے یہ جبرئیل نے کہا ☆

☆ جو ہو غلام عقل کا وہ دل نہ کر قبول ☆

جب دل بادشاہ ہو اور عقل رعایا ہو تو وہ دنیا کی ہر چیز سے رب تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے بلکہ اسے خود اپنی ذات میں دلائل توحید مل جاتے ہیں **وفی انفسكم افلا تبصرون** اور اگر عقل بادشاہ ہو جاوے دل رعایا تو اسے حضرات انبیاء کرام کی ذات سے بھی معرفت نصیب نہیں ہوتی ان کو مان کر جان کر پہچان کر بھی مشرک ہی رہتا ہے بلکہ ان حضرات کا جو دلائل توحید ہیں دلائل شرک بنا لیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سارے انبیاء کرام لوگوں کو شرک و کفر سے نکالنے توحید و ایمان دینے آئے مگر عیسائیوں کے دل عقل کے تابع تھے انہوں نے ان شرک مٹانے والے مسیح کو ہی خدا اور خدا کا شریک مان لیا ان لوگوں نے پردہ نور پردہ دار میں یوں ہی مظہر اور اصل میں فرق نہ کیا۔ حضرت مسیح کے چند خداداد معجزات کو دیکھ کر انہیں خدا مان لیا یہ نہ سمجھے کہ یہ معجزات بذات خود ان کے اپنے صفات نہیں بلکہ ان میں کوئی اور ہاتھ کام کر رہا

ہے وہ اصل کام کرنے والا اللہ ہے اور یہ مظہر ہیں انہوں نے حضرت مسیح کے ان معجزات پر تو نظر کی مگر ان کے بشری صفات سے آنکھ بند کرلی اللہ تعالیٰ نے انکی عقلوں سے پردہ غفلت دور کرنے کے لئے ان کا کھانے پینے کا حاجت مند ہونا بذات خود نفع نقصان کا مالک نہ ہونا دکھا کر ان کی عبدیت کا ثبوت دیا انسان مسافر راہ عشق ہے۔ حضرات انبیاء منزلیں ہیں۔ رب تعالیٰ اصل مقصود جو انہیں خدا مان لے وہ منزل کو مقصود مان کر محروم رہ جاتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔ شعر:-

☆ تو رہ نورد عشق ہے منزل نہ کر قبول ☆

☆ لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول! ☆

خیال رہے کہ حضرات انبیاء خدا رسی کا وسیلہ ہیں مگر ایسا وسیلہ جس سے مقصود وابستہ ہے جیسے شمع سے نور کی وابستگی ہے ان سے کبھی بے نیازی نہیں ہوسکتی۔

قُلْ يَآَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ

فرمادو اے کتاب والو نہ زیادتی کرو اپنے دین میں سوا حق کے اور نہ پیروی کرو خواہشوں کی

تم فرماؤ اے کتاب والو اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش پر

قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ ع

اس قوم کی جو بہک گئی پہلے سے اور گمراہ کردیا انہوں نے بہت کو اور بہک گئے سیدھے راستہ سے

نہ چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بہک گئے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** اللہ تعالیٰ نے پہلے یہود کی بدعقیدگیوں کا ذکر فرمایا پھر عیسائیوں کی بدمذہبی کا تذکرہ کیا۔ اب ان دونوں قوموں سے فرمایا جارہا ہے کہ تمہاری بدعقیدگیاں بت پرست قوموں کی پیروی سے پیدا ہوئیں یہ چیزیں تمہارے نبی لے کر نہ آئے تھے گویا ان کی بدعقیدگیوں کے ذکر کے بعد ان کے مرکز کا ذکر ہے جہاں سے یہ جرم آرہے ہیں تاکہ وہ چشمہ بند کیا جاوے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد کا ذکر تھا اب ارشاد ہے کہ ان کا اصل دین جو ہمارے انبیاء لائے تھے وہ حق تھا یہ باطل چیزیں ان لوگوں کی اپنی ملاوٹ کی وجہ سے ہیں گویا پہلے دین میں ملاوٹ کا ذکر تھا اب ملاوٹ کرنے والوں کا پتہ دیا جارہا ہے۔ جرم کے بعد مجرموں کی نشان دہی ہو رہی ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کے **غلو فی الدین** کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ دین میں غلو حق بھی ہوتا ہے ناحق بھی حق غلو اچھا ہے۔ ناحق غلو برا ان لوگوں نے ناحق اور باطل غلو کیا ہے۔ اس لئے یہ مجرم اور معتوب ہوئے ہیں۔ حق غلو کرنے والے ثواب پاتے ہیں گویا پہلے غلو کا ذکر تھا۔ اب غلو کی تفسیر کا تذکرہ ہے۔

تفسیر **قل یاھل الکتب** قل میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے رب تعالیٰ اکثر جگہ لوگوں کو اپنی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سناتا ہے یعنی ہم تم سے فرماتے ہیں کہ تم لوگوں سے یہ کہہ دو اس واسطہ میں جو لذت اور لطف ہے وہ دل والوں پر مخفی نہیں رب تعالیٰ جس کو جو دیتا ہے جس سے جو کہتا ہے حضور کی معرفت دیتا اور کہتا ہے۔ شعر:۔

☆ لاو رب الیست جو جس کو ملا ان سے ملا ☆ بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی ☆

یوں ہی ہم بھی رب تعالیٰ سے جو کہنا جو لینا چاہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے کہیں ان کے توسل سے لیں حضور رب تعالیٰ کا دروازہ ہیں دروازہ کے راستہ اندر کی چیز باہر آتی ہے اور باہر کی چیز اندر جاتی ہے لینا دینا دروازے سے ہی ہوتا ہے جب وہ رب بے نیاز غنی ہو کر حضور کے توسل سے ہم کو دیتا ہے تو ہم نیاز مند فقیر ہو کر حضور کے توسل سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم رب کو سجدہ کرنا چاہیں تو کعبہ کا توسل ضروری ہے کہ بغیر کعبہ کو سامنے لئے سجدہ رب کو نہ ہو گا یوں ہی کوئی عبادت کرنا چاہیں تو حضور کا توسل اختیار کریں در سے لینا چاہیں تو حضور کے واسطہ سے کہیں ورنہ عبادت نہ بنے گی اور رب نہ بنے گا سایہ دیوار نے دیوار سے کہا کہ تو درمیان سے ہٹ جا تاکہ میں سورج کو دیکھ لوں دیوار بولی کہ تیری ہستی مجھ سے قائم ہے اگر میں نہ رہوں تو تیرا وجود ہی ختم ہو جاوے حضور دیوار ہیں باقی سب حضور کا سایہ ہے کہ حضور سے قائم و باقی ہے بلکہ شریعت و طریقت حقیقت و معرفت حضور کے حالات ہیں جیسے سویرا' دوپہر' تیسرا پہر' شام سردی گرمی یہ سب سورج کے حالات ہیں کہ سورج مشرق میں ہے تو اس وقت کا نام سویرا ہے بیچ آسمان میں ہو اس وقت کا نام دوپہر مغرب میں ہو تو وقت کا نام شام ہے افق سے اوپر ہو تو دن ہے افق سے نیچے ہو تو رات سید ھا گزرے تو گرمی کا موسم ہے کترا کر جاوے تو سردی ان اوقات اور موسموں کا خالق رب تعالیٰ ہے مگر ان کا واسطہ سورج یوں ہی شریعت و طریقت کا خالق رب تعالیٰ ہے مگر ان کا واسطہ حضور ہیں۔ قوی یہ ہے کہ اہل کتاب سے مراد دونوں قومیں ہیں یہودی عیسائی کیونکہ اس سے پہلے دونوں ہی کا ذکر ہو چکا ہے۔ بعض لوگوں نے صرف عیسائی مراد لئے ہیں مگر یہ قوی نہیں یہاں اہل کتاب فرما کر خطاب فرمانا عتاب کے لئے ہے جس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تم لوگوں کا کفر و شرک زیادہ عذاب کا باعث بنے کہ تمہارے پاس کتاب موجود ہے جس میں توحید کی تعلیم ہے پھر تم مشرک ہو تو سخت مجرم ہو مشرکین جاہل ہیں تم عالم ہو عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے زیادہ باعث عذاب ہے نیز تمہاری عرب میں عزت و حرمت ہے اگر تم مسلمان بن جاؤ تو تمہاری پیروی میں اور لوگ بھی مسلمان ہو جاویں گے **لا تغلوا فی دینکم** **لا تغلوا** بنا ہے بنا ہے غلو سے جس کے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا یا حد سے ہٹ جانا یا زیادتی کر دینا یا زیادہ ہو جانا اس لئے مہنگی چیز کو غالی کہتے ہیں کہ اس کی قیمت حد سے بڑھ گئی یا اس کی قیمت بڑھ گئی۔ یوں ہی درمیانی راہ چھوڑ کر افراط یا تفریط یعنی زیادتی کمی میں پڑ جانا غلو ہے یہاں غلو کے کئی معنی بن سکتے ہیں۔ یہودیوں نے جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق بہت تفریط کی کہ ان کی نبوت کا انکار کر دیا بلکہ ان کے

نسب شریف پر اعتراض کیا ان کی طیبہ طاہرہ ماں کو بہتان لگا دیا یہ تفریط کا غلو ہوا اور عیسائیوں نے انہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا یہ افراط کا غلو ہوا یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا یہ افراط کا غلو ہوا اور عیسائیوں نے جناب مسیح کو خدا کا بیٹا کہا یہ بھی افراط کا غلو ہوا لہٰذا **لا تغلو** میں دونوں قوموں سے خطاب ہے **دینکم** سے مراد وہ اصل یہودیت و نصرانیت ہے جو حضرات موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ کلمۃ اللہ رب کی طرف سے ان کے پاس لائے ان کے اپنے خود ساختہ دین مراد نہیں چونکہ وہ دین ان لوگوں کے لئے آئے تھے لہٰذا انہیں **دینکم** فرمایا گیا۔ اس تفسیر سے یہ جملہ بالکل واضح ہے **غیر الحق** یہ عبارت **غلوا** پوشیدہ کی صفت ہے اصل میں تھا **غلوا غیر الحق** تھا اور نکرہ کی صفت نکرہ ہو تو تخصیص کا فائدہ ہوتا ہے۔ جس سے پتہ لگا کہ **غلو فی الدین** یعنی دین میں زیادتی حق بھی ہوتی ہے ناحق بھی اور ناحق زیادتی بری ہے انہوں نے ناحق زیادتی کی تھی یہ کفر تھی اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجماع امت کے اور قیاس مجتہدین کا اضافہ اسلام میں شریعت کے چار سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور طریقت کے سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، علم کلام میں اہل سنت کی دو جماعتیں اشاعرہ ماتریدیہ یہ سب چیزیں اسلام میں زیادتی ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوئی مگر حق ہے۔ اس زیادتی پر ثواب ہے (تفسیر کبیر، روح المعانی وغیرہ) غرضیکہ دین میں مخالف دین زیادتی باطل ہے اور موافق دین زیادتی جو دین کی تقویت کے لئے ہو حق ہے۔ تفسیر کشاف نے فرمایا کہ **غلو فی الدین** دو قسم کا ہے **غلو حق** اور **غلو باطل** امام راغب نے فرمایا کہ غلو ہمیشہ باطل ہی ہوتا ہے مگر اس قول کی محققین نے تردید کردی (تفسیر روح المعانی) **ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل** یہ دوسرا فرمان عالی ہے جو پہلے جرم کی وجہ ہے یعنی گمراہوں کی اندھی تقلید، اتباع اور اطاعت کا فرق بارہا بیان ہو چکا کہ کسی کے قول کی فرمانبرداری اطاعت ہے اور کسی کے نقش قدم پر بغیر سوچے چلنا اتباع ہے **اھواء** جمع ہے **ھوی** کی اصطلاح میں ہوا اس خواہش نفسانی کو کہتے ہیں جو حق کے مخالف ہو یعنی باطل خواہش جس پر کوئی دلیل نہ ہو صرف نفس نے اسے ایجاد کیا ہو اچھی چیز کی رغبت کو آرا یا حب کہتے ہیں۔ بری چیز کی رغبت کو **ھوا** کیونکہ یہ خواہش جہنم میں گرانے والی ہے **ھوی** کے معنی ہیں گرنا ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ **ان الھوی لھو الھوان بعینہ** ☆ **فاذا ھویت فقد لقیت ھوانا** ☆

کسی شخص نے حضرت ابن عباس سے کہا **الحمد للہ الذی جعل ھوای علی ھواک** خدا کا شکر ہے جس نے میری ہوا (خواہش) آپ کی ہوی کے مطابق فرما دی تو آپ نے جواب دیا **کل ھوی ضلالۃ** یہ نہ کہو کیونکہ ہر **ھوی** گمراہی ہے (تفسیر کبیر) انسان کے پاس تین چیزیں ہیں۔ نفس، عقل، دل، نفس شیطان کا وسوسہ گاہ ہے دل رحمان کا تجلی گاہ، عقل اگر نفس کے تابع ہو جاوے تو شیطانی ہے اگر دل کے تابع ہو جاوے تو یزدانی رحمانی ہے نفس کی خواہش کو ہوای کہا جاتا ہے۔ دل کی بچی خواہش بدی یعنی ہدایت ہے۔ **قوم** سے مراد انہی یہود و نصاریٰ کے باپ دادے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک سے پہلے ہوئے۔ قبل سے مراد زمانہ مصطفوی سے پہلے کا وقت ہے **اضلوا کثیرا** یہ عبارت قوم کی

دوسری صفت ہے **قد ضلوا** اس کی پہلی صفت تھی۔ **ضلال** کے معنی ہیں خود گمراہ ہونا اضلال کے معنی ہیں دوسرے کو گمراہ کرنا **کثیرا** یا تو **اضلال** پوشیدہ کی صفت ہو کر **اضلوا** کا مفعول **مطلق** ہے یا اضلو کا مفعول ہے یعنی وہ قوم جن کی تم پیروی کر رہے ہو یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بہت گمراہ کیا یا بہت کو گمراہ کیا۔ **وضلوا عن سواء السبیل** یہ قوم کی تیسری صفت ہے اس گمراہی سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں بھی گمراہ رہنا ہے۔ **سواء السبیل** سے مراد یا توحید الٰہی ہے یا دین اسلام صراط' سبیل' طریق کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے بہر حال پہلی گمراہی سے مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے زمانوں میں گمراہ ہونا اور اس گمراہی سے مراد ہے۔ اس زمانہ مصطفوی میں گمراہ رہنا جبکہ ہدایت کا سورج چمک رہا ہے یا پہلی گمراہی سے مراد ہے گمراہی کے عقیدے اختیار کرنا اور اس گمراہی سے مراد ہے اپنی اس گمراہی میں گمراہ رہنا یعنی اسے گمراہی نہ جاننا بلکہ ہدایت سمجھنا یا پہلی گمراہی سے مراد ہے دین سے گمراہی اور اس گمراہی سے مراد ہے جنت کی راہ سے گمراہی (تفسیر کبیر) یا پہلی گمراہی سے مراد ہے۔ عقلی گمراہی اور اس گمراہی سے مراد ہے شرعی گمراہی یا یہاں **ضلوا** کا فاعل **کثیرا** ہے اور پہلے **ضلوا** کا فاعل قوم تھی بہر حال آیت میں تکرار نہیں (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہود و نصاریٰ کی بد عقیدگیاں سن چکے اب آپ ان دونوں سے فرما دو کہ تم لوگ اپنے دین میں ناحق باطل زیادتیاں نہ کرو تمہیں تمہارے نبیوں نے کیا سکھایا تھا تمہاری کتابوں نے کیا بتایا تھا اور تم نے کیا بنا ڈالا خیال رکھو کہ تم اپنے ان اگلوں کی خواہشات نفسانیہ کی پیروی نہ کرو جو خود بھی بھٹکے ہوئے تھے اور بہت سوں کو بہکا دیا اور وہ اب بھی سیدھے راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں ایسوں کی پیروی تم کو گمراہ کرے گی۔ خیال رہے کہ یہاں قرآن کریم میں کتابیوں کو الزام دیا کہ تمہارے پیشواؤں نے تمہارا یہ دین بنایا۔ مشرکوں کو دیکھ کر اور تم ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چل پڑے۔ اب بعض حق گو عیسائی دبی زبان سے کبھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ مقدس پولوس نے یونانی بت پرستی کی تقلید میں یہ دین بنایا تھا۔ دیکھو کتاب ازبلا' یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے کہ حضور نے ان کے وہ خفیہ راز اور سربستہ حقیقت کھول دی۔ جسے دنیا والوں سے چھپایا گیا تھا۔ یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ فطرت انسانی یہ ہے کہ انسان جس کی صحبت اختیار کرتا ہے اس سے اسے محبت ہو جاتی ہے۔ یوں ہی جس کا ذکر خیر زیادہ کرتا ہے اس سے بھی اسے الفت ہو جاتی ہے۔ یوں ہی جس کے چال چلن اختیار کرتا ہے اس کی محبت اس کے دل میں آجاتی ہے اس لئے قرآن کریم نے ہم کو اچھوں کی صحبت میں رہنے اچھوں کا چرچا کرنے ان کا ذکر کرنے اچھوں کے طریقے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اچھوں اور بروں کی صحبت ان کے ذکر خیر ان کی چال چلن اختیار کرنے سے روکا تاکہ ہمارے دلوں میں بروں کی محبت نہ ہو اچھوں کی الفت ہو رب تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے جو اسے یاد کریں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ بدترین سرکشوں کو بھی دعوت اسلام دینا چاہیے وہ قبول کریں یا نہ کریں ہم کو تبلیغ کا ثواب ملے گا۔ دیکھو اس آیت کریمہ میں یہودیوں عیسائیوں کو کفر سے توبہ کرکے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ حالانکہ ان میں سے بہت کے قبول کرنے کی امید نہیں قابل طبیب مایوس لاعلاج بیماروں کا بھی علاج کرتا ہے۔ بیمار اگرچہ مرجاوے مگر یہ فیس اور دوا کی قیمت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ اللہ تعالیٰ نے کافر یہود و نصاریٰ کو ہمیشہ یا اہل الکتاب کہہ کر پکارا یعنی کتاب کے ماننے والے انہیں کتاب کی طرف نسبت فرمایا ان کے نبی کی طرف نسبت نہ کیا یہ نہ کہا کہ اے موسیٰ یا عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والو۔ جس سے معلوم ہوا کہ کتاب کا ماننے والا کافر ہو سکتا ہے

مگر نبی کو صحیح طور پر ماننے والا کافر نہیں ہو سکتا کتاب کے بغیر ہدایت مل سکتی ہے۔ نبی کے بغیر ایمان نہیں مل سکتا۔ سارے نبیوں کے پاس کتاب نہ تھی کہ حضرات انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں مگر کتابیں صرف چار مگر ان تمام کے ماننے والے مومن تھے فرعونی جادوگر صرف موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ مومن ہو گئے۔ اس وقت توریت نہیں آئی تھی غرضکہ قرآن یعنی قرآن والا ہونے سے ایمان نہیں ملتا۔ نبی والا ہونے سے ایمان ملتا ہے۔ تیسرا فائدہ دین میں زیادتی دو قسم کی ہے۔ حق زیادتی جس سے دین کو قوت پہنچے اور ناحق زیادتی جو دین کے خلاف ہو ناحق زیادتی کرنا حرام بلکہ کفر ہے۔ حق زیادتی کرنا ثواب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے وقت قرآن مجید بھی جمع نہ ہوا تھا۔ اب دیکھو جمع قرآن، تفاسیر قرآن، جمع احادیث، شروح احادیث، علم فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، اسماء الرجال پھر شریعت اور طریقت کے سلسلے دین میں اس قدر زیادتیاں ہو گئیں کہ سبحان اللہ یہ سب زیادتیاں اچھی ہیں اور ان کے موجد ثواب کے مستحق یہ فائدہ غیر الحق سے حاصل ہوا۔ آج شریعت و طریقت کے ایسے اعمال ایجاد ہو چکے ہیں جن کا خیر القرون میں پتہ بھی نہ تھا اور وہ اعمال بالکل حق درست ہیں۔ چوتھا فائدہ قرآن مجید واقعی کتاب اللہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں۔ حضور انور نے اس زمانہ کے عام یہودیوں عیسائیوں کو الزام دیا کہ تمہارے دین میں خواہشات نفسانیہ داخل کر دی گئی ہیں مگر ان کے پادری پوپ تردید نہ کر سکے سب کو قبول ہی کرتے ہیں۔ یہ علوم غیبیہ حضور کی نبوت کی دلیل ہیں۔ پانچواں فائدہ گمراہوں کی پیروی ہلاکت کا راستہ ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ اذا کان الغراب دلیل قوم ☆ سیھدیھم طریق الھالکین ☆

جب کسی قوم کا رہبر کوا ہو تو وہ انہیں مردار پر پہنچائے گا یہ فائدہ **ولا تتبعوا اھواء قوم** الخ سے حاصل ہوا لہٰذا ہادیوں اور صالحین کی پیروی نجات کا راستہ ہے اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے **واتبع سبیل من اناب الی** یعنی ائمہ دین مجتہدین کی پیروی ذریعہ نجات ہے اور صالحین کا طریقہ۔ چھٹا فائدہ گمراہ پیشواؤں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے پیروکار گمراہ ہوں شاگردوں سے استاد کا مریدین سے پیر کا پتہ لگتا ہے۔ غرضیکہ کسی کی اچھائی برائی اس کی گفتار یا اس کے نسب یا خاندان سے معلوم نہیں ہوتی بلکہ خود اس کے اپنے کردار اور اس کے ساتھیوں کے طور اطوار سے معلوم ہوتی ہے لہٰذا **ضلوا**

واضلوا نے بیان فرمایا یہ فائدہ **واضلوا کثیرا** الخ سے حاصل ہوا۔ یوں ہی ہادی پیشواؤں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے پیرو کار نیک و صالح بندے بن گئے ہوں۔ پھل سے درخت کو پہچانو حضور امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ وہ پیشوا دین ہیں کہ آج نوے فی صدی اولیاء اللہ حنفی ہیں اور حنفی فقہاء' مجتہدین صالحین کی تو شمار نہیں۔ یوں ہی باقی تینوں امام حضرت امام شافعی' مالکی' حنبلی ان کے متبعین میں بڑے بڑے اولیاء علماء صالحین پائے جاتے ہیں مگر جو ان سب کی تقلید سے موڑے ہوئے ہیں۔ ان میں نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی صحیح عالم دین ان پھلوں کو دیکھ کر شاخوں کا پتہ لگاؤ اور شاخوں سے جڑ کا۔

لطیفہ کسی شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیا امام ابو حنیفہ جولاہے تھے (کپڑا بننے والے) انہوں نے جواب دیا کہ آپ کپڑے کے تاجر تھے اور ہاں انہوں ایسا معرفت کا تھان بنا۔ جس میں جہان بھر کے علماء و اولیاء اللہ کو لے لیا۔ کون سا محدث' مفسر' مجتہد' ولی ہے جس کو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دروازے سے ٹکڑا نہ ملا ہو۔ **ساتواں فائدہ** جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ سے ہدایت نہ ملی اسے کسی جگہ سے ہدایت نہیں مل سکتی یہ فائدہ دوسرے **ضلوا** سے حاصل ہوا خلاصہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اس جگہ یہود و نصاریٰ کی بدکاریاں تین طرح بیان فرمائیں ایک ان کے اپنے کردار دکھا کر کہ یہ لوگ بت پرست' شہوت پرست' لالچی' حرام خور ہیں۔ کتاب اللہ کے بگاڑنے والے ہیں۔ اسے پہلے **ضلوا** میں بیان کیا۔ دوسرے ان کے ساتھیوں کی بدکاریاں بتا کر **واضلوا** تیسرے ان کے حضور کے آستانہ سے محرومی دکھا کر کہ یہ لوگ یہاں رہ کر بھی گمراہ رہے۔ لہٰذا اگر حضور کی عظمت دیکھنا ہو تو حضور کے کردار شریف کو دیکھو ان کے یاروں ساتھیوں کو دیکھو بلکہ اگر خداء تعالیٰ کی شان دیکھنا ہو تو حضور کی شان حضرات انبیاء و اولیاء کی شان دیکھو۔

پہلا اعتراض تم نے کہا کہ غلو حق بھی ہوتا ہے اور ناحق بھی حق غلو اچھا ہے اور ناحق غلو برا یہ کیسے ہو سکتا ہے جو شئی حد سے بڑھے گی وہ ناحق ہی ہوگی یوں ہی درمیانی راہ چھوڑنا افراط و تفریط میں پڑنا کیسے حق ہو سکتا ہے۔ درمیانی راہ حق ہے اس سے ہٹنا کمی زیادتی میں پڑنا باطل ہے۔ **جواب** غلو کی یہ دو قسمیں ہم نے نہیں کمیں خود قرآن کریم نے کردیں کہ فرمایا **لا تغلوا فی دینکم غیر الحق** اس کے متعلق تفاسیر کی عبارتیں تفسیر میں پیش کردی گئیں غلو کے چار معنی عرض کئے ہیں ایک معنی زیادتی بھی ہیں واقعی دین میں زیادتی حق بھی ہوتی ہے۔ ناحق بھی حدیث شریف میں ہے کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے۔ اسے اپنا اور اس طریقہ پر چلنے والوں کا ثواب ملے گا ہماری زندگی غلو پر موقوف ہے ہم ماں کے پیٹ سے ننگے بدن۔ بے ختنہ بڑے بال بڑے ناخن والے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر پیدا ہوتے ہی لباس پہنتے ہیں۔ بال ناخن کٹواتے ہیں۔ یہ ہے غلو جس پر پیدائش سے عمل ہو رہا ہے غلو کی دینی مثالیں ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **دوسرا اعتراض** جب اہل کتاب کا دین منسوخ ہی ہو چکا تو اس میں غلو کرنا اسے بگاڑنا کیوں ممنوع ہوا اور کیوں فرمایا گیا **لا تغلوا فی دینکم** منسوخ دین کو تو فنا کر دینا بھی اچھا ہے۔ **جواب** کسی آسمانی دین کے عقائد منسوخ نہیں ہوتے۔ صرف اعمال منسوخ ہوتے

ہیں وہ لوگ اپنے دین کے عقائد میں غلو کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ و عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے حضور پر ایمان لانے کا حکم تھا اسے تبدیل کرتے تھے یہ کفر تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کے بگاڑے ہوئے عقائد کی اصلاح فرمائی کہ وہ غیر منسوخ ہیں مگر ان کے بگاڑے ہوئے اعمال کی اصلاح نہیں کی کہ وہ منسوخ شدہ ہیں بلکہ انہیں چھوڑ کر اسلامی اعمال قبول کرنے کا حکم دیا۔ تیسرا اعتراض دین میں صرف اللہ رسول کی پیروی و اطاعت چاہیے ان کے سواء کسی کی نہیں چاہیے دیکھو رب فرماتا ہے **لا تتبعوا اھواء قوم** لہٰذا اسلام میں تقلید شخصی کرنا حرام ہے۔ شعر:

☆ ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار ☆ مت مان کسی کا قول و کردار ☆

جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر جاہل کو عالم کی مستفتی کو مفتی کی رعایا کو حاکم یا بادشاہ کی مریض کو حکیم کی شاگرد کو استاد کی بیوی کو خاوند کی اطاعت نہیں کرنا چاہیے سب لوگ بے نکیل کے اونٹ کی طرح جدھر چاہیں جائیں نیز پھر بخاری مسلم وغیرہما کی پیروی بھی نہ چاہیے کہ وہ جس حدیث کو صحیح کہہ دیں اسے صحیح مان لو اور جس حدیث کو ضعیف کہہ دیں اسے ضعیف مان لو۔ جواب تحقیقی خود اس آیت میں ہی دے دیا گیا ہے کہ فرمایا گیا **قد ضلوا** یعنی گمراہوں کی پیروی نہ کرو اس کا نہایت مفصل مدلل جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول بحث تقلید میں دیکھو۔ چوتھا اعتراض اس آیت کریمہ میں **ضلوا** دو جگہ کیوں ارشاد ہوا ایک جگہ ہی کافی تھا یہ تکرار بے فائدہ ہے۔ جواب اس کا جواب بہت مفصل ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ پہلے **ضلوا** میں زمانہ ماضی کی گمراہی مراد ہے۔ اسی لئے وہاں **من قبل** فرمایا گیا اور دوسرے **ضلوا** میں زمانہ حال کی گمراہی مراد ہے یا پہلے **ضلوا** میں عقائد کی گمراہی مراد ہے۔ دوسرے میں اعمال کی گمراہی یا پہلے **ضلوا** میں ایمانیات میں گمراہی مراد ہے۔ دوسرے میں راہ جنت کی۔ اس لئے دوسرے **ضلوا** کے بعد ارشاد ہوا **عن سواء السبیل**۔ ہدایت صرف ایک ہے گمراہی لاکھوں جیسے ایمان ایک ہے بے ایمانیاں کفر لاکھوں طہارت صرف ایک ہے۔ نجاکیاں گندگیاں لاکھوں' شفا صرف ایک ہے بیماریاں ہزاروں۔

تفسیر صوفیانہ درخت میں تین چیزیں ہوتی ہیں' جڑ' شاخیں' پھل پھول' پتے وغیرہ درخت کی جڑ میں بقا ضروری ہے اس میں غلو نہیں کر سکتے اگر کیا تو درخت ختم ہو جاوے گا۔ باقی شاخوں' برگ و بار میں کانٹ چھانٹ زیادتی کمی برابر کرتے رہتے ہیں اس کی شاخ پیوند کر دی جاتی ہے کبھی شاخیں کاٹ ڈالی جاتی ہیں کبھی پھل پھول توڑ لئے جاتے ہیں کبھی اس کے پھل بجائے تخمی کے قلمی کر کے بڑھا دیئے جاتے ہیں۔ یوں ہی دین میں ذات و صفات نبوت و سنت گویا درخت اسلام کی جڑیں ہیں۔ ان میں زیادہ کمی دین کی بربادی ہے۔ اسی کا نام ہے۔ غلو ناحق اور فروعی مسائل گویا اس درخت کے برگ و بار پھل پھول وغیرہ ہیں۔ ان میں زیادتی تاقیامت ہوتی ہی رہے گی۔ اسی زیادتی کا نام ہے غلو برحق کتابیوں نے اصل توحید و نبوت میں غلو کیا کافر ہو گئے۔ مسلمانوں نے فروعی مسائل میں غلو یعنی زیادتی کے حالات زمانہ کے لحاظ سے وہ مومن رہے غرضیکہ **غلو فی الدین** اور ہے **غلو للدین** کچھ اور انہوں نے **غلو فی الدین** کیا تھا ہمارے ہاں **غلو للدین** ہے صوفیاء

فرماتے ہیں کہ جو شخص پردیس میں کمانے گیا اس کی کمائی کی جگہ پردیس ہے اور کمائی سے نفع اٹھانے کی جگہ اپنا دیس ہے اس کو چاہیے کہ پردیس میں تین باتوں کا خیال رکھے کمانے سے غافل نہ رہے۔ کمائی سنبھال کر رکھے برباد نہ کردے۔ کمائی بخیریت اپنے وطن پہنچائے اگر ان تین چیزوں میں سے ایک میں لاپرواہی کی تو آخر روئے گا۔ دنیا ہماری کمائی کی جگہ ہے یعنی پردیس۔ آخرت ہماری کمائی برتنے کی جگہ ہے یعنی وطن یہاں اعمال کماؤ پھر کمائے ہوئے اعمال سنبھالو۔ پھر انہیں خیریت سے اپنے وطن پہنچادو۔ وطن پہنچانے والی بیمہ کمپنیاں دو قسم کی ہیں لمیٹڈ (رجسٹرڈ) جن کی ذمہ دار حکومت ہے اور غیر لمیٹڈ ویسی خدا کے اپنی کمائی کسی لمیٹڈ کمپنی کے حوالہ کرو ان کی حفاظت میں بھیجو۔ دنیا میں اکیلے نہ رہو ورنہ شکار ہو جاؤ گے۔ مسلمانوں کی جماعت میں رہو۔ پیشوا اختیار کرو۔ پیشوا دو قسم کے ہیں واصل اور فاصل، واصل پیشوا کی پیروی واصل بنادے گی اور فاصل یعنی حق سے دور پیشوا کی پیروی گمراہ کردے گی۔ اہل کتاب نے فاصلین کی پیروی کی گمراہ ہوئے۔ مومنین واصلین کی پیروی کرتے ہیں۔ ہدایت یافتہ ہیں واصل اپنے کو نیست کرکے ہست ہو جاتا ہے۔ اور فاصل اپنی انا باقی رکھتا ہے لہٰذا فنا ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ کار گاہ گنج حق در نیستی است ☆ غرہ ہستی چہ دانی نیست چیست ☆

☆ آب کوزہ چوں در آب جو شود! ☆ محو گردد وروے وجو او شود! ☆

بارگاہ الٰہی میں نیستی بقا کا راز ہے۔ کوزے کا پانی سمندر میں جا کر سمندر بن جاتا ہے کہ اپنے کو فنا کر دیتا ہے لہٰذا اہل کتاب مغضوب علیہم بھی ہیں اور ضالین بھی کہ یہ بحر توحید میں فنا نہ ہوئے۔ مومن مرحوم ہیں کہ رحمت کے سمندر میں فنا ہو چکے ہیں۔ اس لئے کنایوں سے فرمایا گیا کہ غلو ناحق نہ کرو اور فاصلین کی پیروی نہ کرو۔ یہ دنیا و جنکشن ہے جہاں سینکڑوں پلیٹ فارم ہیں۔ ہر پلیٹ فارم سے گاڑیاں مختلف مقامات کو جاری ہیں۔ دیکھنے میں تمام گاڑیوں کی شکل یکساں ہے مگر ان کے رخ مختلف ہیں تم اس گاڑی میں سوار ہو جس کا رخ مدینہ منورہ کی طرف ہے جو وہاں پہنچائے یہ گاڑی حضرات اولیاء کے آستانوں پر ملتی ہے ان کے آستانے اس گاڑی کے پلیٹ فارم ہیں۔ بنی اسرائیل غلط پلیٹ فارم سے غلط گاڑی میں سوار ہو گئے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

پھٹکارے گئے وہ لوگ جو کافر ہوئے اولاد یعقوب میں سے اوپر زبان داؤد اور عیسیٰ بیٹے مریم کے یہ اس وجہ سے

لعنت کئے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان پر یہ بدلا ان

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ

ہے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور حد سے بڑھتے تھے وہ تھے کہ وہ نہیں باز رہتے تھے اس برائی سے جسے وہ کرتے تھے

کی نافرمانی اور سرکشی کا جو بری بات کرتے آپس میں ایک دوسرے کو نہ روکتے ضرور بہت ہی

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾
البتہ برا ہے وہ جو کرتے تھے یہ لوگ
برے کام کرتے تھے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں زمانہ مصطفوی میں موجودہ اہل کتاب کی بدعملیاں' بدعقیدگیاں ذکر فرمائی گئی تھیں۔ اب ان کے اسلاف کی بدعقیدگیاں بدعملیاں حضرات انبیاء کرام کی مخالفت اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ لوگ ہمیشہ کے نافرمان اور عادی مجرم ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ کتابیوں کو تبلیغ فرماؤ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جارہا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی تبلیغ سے فائدہ نہ اٹھائیں آپ کی مخالفت ہی کریں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں یہ تو گزشتہ انبیاء کرام کے پھٹکارے ہوئے ہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں موجودہ اہل کتاب کو حکم تھا کہ گمراہ قوموں کی خواہشات کی پیروی مت کرو اب ان گزشتہ گمراہ قوموں پر جو عذاب الٰہی آیا۔ اس کا ذکر ہے تاکہ پتہ لگے کہ اگر یہ لوگ ان کی پیروی کریں گے تو ان کا انجام بھی وہ ہی ہو گا جو ان کا ہوا تھا۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں گمراہ ہونے گمراہ کرنے کا ذکر تھا۔ اب ان کے لعنتی ہونے کا تذکرہ ہے یعنی ان کے اخروی عذاب کے بعد ان کے دنیاوی عذاب کا ذکر ہے۔

شان نزول زمانہ مصطفوی میں جو اہل کتاب تھے وہ ہمیشہ اپنے اولاد انبیاء ہونے پر فخر کیا کرتے تھے بڑی سے بڑی بدکاریاں کرتے تھے مگر ان سب پر پردہ ڈالنے کے لئے اولاد نبی ہونے کی آڑ لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں۔ جن میں فرمایا گیا کہ تم جن نبیوں کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہو وہ تو تم پر لعنتیں کر چکے ہیں۔ تم ان کے درکارے ہوئے ہو پھر فخر کیسا غرضیکہ اس آیت کریمہ میں ان کی بڑی آڑ کو پھاڑ گیا ہے (تفسیر خازن و تفسیر کبیر)

تفسیر لعن الذین کفروا من بنی اسراءیل لعن بنا ہے لعنت سے ۔ بمعنی رحمت سے دوری اگر اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں رحمت سے دور کرنا اور اگر اس کا فاعل بندے ہوں تو اس کے معنی ہوتے ہیں رحمت سے دوری کی بددعا کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں اگر ان پر لعنت فرمانے والا رب تعالیٰ ہے تو پہلے معنی مراد ہیں اور اگر اس کا فاعل حضرت داؤد و عیسیٰ علیہما السلام ہیں تو اس کے معنی دوسرے ہیں۔ خیال رہے کہ اجرت' نعمت (انعام) رحمت کے فرق ب "ار" بیان ہو چکے ہیں۔ سزا' تادیب اور لعنت میں فرق یہ ہے کہ سزا و تادیب اصلاح کے لئے ہوتی ہے مگر لعنت اس کو تباہ کرنے کے لئے ماں باپ استاد کسی قصور پر بچہ کو طمانچہ لگائیں جرمانہ کریں یہ تادیب و سزا ہے لیکن ماں باپ کا بچہ کو عاق کر کے نکال دینا استاد کا مدرسے سے ہمیشہ کے لئے نکال دینا یہ ہے پھٹکار مسلمانوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے تکالیف آجاتی۔ سزا یا تادیب ہے مگر کفار پر رحمت کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دینا یہ ہے۔ لعنت اخروی رحمتیں ایمان

پر خاتمہ۔ قبر کے امتحان میں کامیابی۔ حشر میں گناہوں کی بخشش صراط سے آسانی سے گزر جانا ہیں اور دنیا میں رحمت نیک اعمال کی توفیق' دل کی نرمی' اچھوں سے الفت ان کی ہمراہی وغیرہ ہیں ان سے محرومی اللہ کی لعنت ہے۔ رہا زیادہ مال' اولاد' دنیاوی عزت' حکومت وغیرہ یہ اگر یار تک پہنچا دیں۔ رحمت ہیں اگر وہاں سے ہٹا دیں تو لعنت ان چیزوں سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ چونکہ حضرت داؤد و عیسیٰ علیہما السلام کے زمانوں میں سارے بنی اسرائیل کافر نہ تھے ان میں سے بعض حضرات سچے پکے مسلمان بھی تھے۔ اس لئے **الذین کفروا** فرمایا اور **من** تبعیضیہ ارشاد ہوا یعنی بنی اسرائیل میں سے کافر اسرائیلیوں پر اللہ نے یا ان نبیوں نے لعنت فرمائی تھی **کفروا** میں ہر طرح کے کفار مراد ہیں خواہ کسی قسم کا کفر کریں۔ **علی لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم** یہ **علیٰ** حرف جار متعلق ہے۔ **لعن** کے یعنی اس لعنت کا ظہور ان نبیوں کی زبان پر ہوا لسان اس خاص عضو کو بھی کہتے ہیں۔ جس سے بولا جاتا ہے یعنی زبان اور لسان لغت کو بھی کہا جاتا ہے کہتے ہیں کہ ہماری زبان عربی ہے یعنی ہماری لغت عربی ہے لسان اسم جنس ہے جو ایک اور زیادہ پر بولی جاتی ہے اس لئے یہاں دو نبیوں کے لئے لسان واحد ہی لائی گئی یہاں لسان سے یا تو پہلے معنی مراد ہیں یعنی منہ کی زبان' ان کی بددعائیں یا دوسرے معنی مراد ہیں یعنی ان نبیوں کی بولیوں ان کی کتابوں زبور اور انجیل میں ان پر لعنت کی گئی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ **ایلہ** بستی کے باشندے یہود تھے ان کے دین میں ہفتہ کے دن شکار حرام تھا۔ ان لوگوں نے زمانہ داؤدی میں حیلہ سے ہفتہ کو شکار کر لیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر بددعا کی کہ خدایا انہیں بندر بنا دے۔ چنانچہ وہ سب کے سب بندر بنا دیئے گئے یہ ہے زبان داودی میں ان پر لعنت۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فقلنا لهم كونوا قردة خاسئين۔** انشاء اللہ یہ واقعہ سورہ اعراف میں آوے گا یہ لوگ پانچ ہزار تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسرائیلیوں نے جناب مسیح سے دعا کرائی کہ ہم پر غیبی دسترخوان آوے آپ کی دعا سے آیا اس میں سے انہوں نے کھایا اور بچایا مگر ایمان نہ لائے۔ تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بددعا کی کہ الٰہی انہیں مسخ کر دے جیسے زمانہ داؤدی میں مسخ کئے گئے۔ چنانچہ یہ تمام سور بنا دیئے گئے یہ واقعہ بھی انشاء اللہ آئندہ بیان ہو گا یہ لوگ یا تو تین سو تیں تھے (تفسیر صاوی) یا یہ بھی پانچ ہزار تھے (تفسیر خازن وغیرہ) یہ ہی قول ہے حضرت مجاہد' قتادہ' حسن بصری اور امام باقر کا رضی اللہ عنہم (روح المعانی) اس صورت میں زبان سے مراد یہ ہی منہ کی زبان ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت داؤد و عیسیٰ علیہما السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں دیں اور فرمایا کہ جو ان کا زمانہ پائے اور ان پر ایمان نہ لائے وہ لعنتی ہو (کبیر' خازن) بعض نے فرمایا کہ زبور شریف اور انجیل شریف میں کفار اسرائیلیوں پر لعنت کی گئی تھی۔ یہاں وہ مراد ہے۔ اس صورت میں **لسان** سے مراد لغت ہے۔ دیکھو تفسیر صاوی وغیرہ۔ مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے آیت کریمہ کا اگلا مضمون بھی اس کی تاکید کرتا ہے۔ **ذلک بما عصوا وكانوا يعتدون۔** **ذلک** سے اشارہ اس مذکورہ لعنت کی طرف ہے۔ **بما** میں ب سببیہ ہے اور ما مصدریہ **عصو** بنا ہے **عصیان** سے بمعنی گناہ یا نافرمانی اس سے کوئی خاص نافرمان مراد ہے یعنی ہفتہ کے دن شکار کرنا اور

غیبی دسترخوان کی نعمتیں کھا کر ایمان نہ لاتا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پا کر اسلام قبول نہ کرتا اس لئے یہ صیغہ ماضی لایا گیا اور ان کا حد سے گزرتے رہنا یعنی کتب الٰہیہ کی حدیں توڑنا یہ تو ان کا دائمی مشغلہ تھا۔ اس لئے یہ **کانوا یعتدون** ماضی استمراری فرمایا اور ہو سکتا ہے کہ **عصو** سے مراد ہو حضرات انبیاء کرام کی یہ نافرمانی اور **کانوا یعتدون** سے مراد ہو رب تعالیٰ کی ہمیشہ نافرمانی کرتے رہنا مطلب یہ ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی نافرمانی تو ہمیشہ ہی کرتے رہتے تھے مگر جب انہوں نے ان نبیوں کی نافرمانی کی اور انہوں نے بددعا فرمائی تو اللہ کا عذاب آگیا اور وہ پھٹکارے گئے کیونکہ عذاب نبی کی بددعا پر ہی آتے ہیں **کانوا لا یتناھون** یہ جملہ نیا ہے جس میں بنی اسرائیل کے تیسرے عیب کا ذکر ہے۔ پہلا عیب **بما عصوا** ہے دوسرا عیب **یعتدون** اور تیسرا عیب یہ ہے یا یہ عبارت **یعتدون** کو ظاہر کر رہی ہے یعنی ان کے دوسرے عیب کی تفسیر ہے۔ **کانوا** ماضی استمرار کے لئے ہے **لا یتناھون** بنا ہے **تناھی** سے جس کے معنی باز رہنا بھی ہیں اور دوسروں کو باز رکھنا بھی یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ ہمارا ترجمہ پہلی تفسیر پر ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دوسری تفسیر پر یعنی وہ بنی اسرائیل خود باز نہ آتے تھے یا دوسروں کو باز رہنے کی تلقین نہ کرتے **عن منکر فعلوہ** یہ عبارت **لا یتناھون** کے متعلق ہے۔ **منکر** وہ گناہ ہے جس سے شریعت نے انکار یعنی منع فرمایا ہو یعنی بری بات اس سے مراد یا ہفتہ کے دن شکار کرنا ہے یا رشوت خوری یا سود لینا یا مردار جانوروں کی چربی کی خرید و فروخت۔ قوی یہ ہے کہ اس سے مراد مطلقاً گناہ ہو یعنی کلی جرم جس کی یہ ساری حرکتیں فرد ہیں (روح المعانی) **فعلوہ** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا فاعل وہ ہی ہے جو **کانوا لا یتناھون** کا تھا اور منکر سے پہلے **معاودۃ** پوشیدہ ہے معنی یہ ہیں کہ جس جرم کو وہ ایک بار کر لیتے اسے دوبارہ کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ یعنی عادی مجرم بن گئے تھے۔ (جلالین، صاوی، کبیر معانی وغیرہ) یا یہ کہ اپنے کئے ہوئے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے گناہوں کو معمولی سمجھتے تھے بلکہ منع کرنے والوں کو برا سمجھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ **فعلوہ** کا فاعل وہ ہے جو **یتناھون** کا مفعول بہ تھا اور فعلوہ میں ہ ضمیر کا مرجع منکر ہے یعنی بنی اسرائیل دوسروں کو اس گناہ سے نہ روکتے تھے۔ جسے وہ دوسرے لوگ کر چکتے اس طرح کہ وہ دین کی تبلیغ نہ کرتے تھے لوگ ان کے سامنے جرم کرتے یہ دیکھتے رہتے انہیں منع نہ کرتے ان کی مروت یا خوشامد میں لگے رہتے تھے یا ان کی قوم کے مجرم جو جرم ایک بار کرتے اسے یہ برا نہ کہتے تھے۔ غرضیکہ اس جملہ کی بہت سی تفسیریں ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کو مشکل ترین فرمایا ہے کیونکہ جرم کر چکنے کے بعد اس سے نہیں منع کیا جاتا بلکہ پہلے ہی منع کیا جاتا ہے اور یہاں **فعلوا** ماضی ہے فقیر کی ان تفسیروں سے یہ اشکال دور ہو گیا **لبئس ما کانوا یفعلون** اس جملہ میں ان مذکورہ تینوں جرموں کی قباحت کا ذکر ہے **ما** سے مراد یہ تینوں جرم ہیں۔ **کانوا یفعلون** فرما کر بتایا کہ وہ بنی اسرائیل ان جرموں کے عادی ہو چکے تھے ایک آدھ بار یہ جرم ان سے سرزد نہیں ہوئے بلکہ وہ ہمیشہ عمداً یہ سب کچھ کرتے رہتے یعنی ان کی یہ نافرمانیاں حد سے بڑھتے رہنا۔ برائیوں سے نہ رکنا یا نہ روکنا بہت ہی برے جرم ہیں جو وہ ہمیشہ کرتے رہتے تھے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ اسرائیلی اپنے اولاد انبیاء ہونے پر فخر کرتے ہیں مگر حالت ان کی یہ ہے کہ ان میں سے کفار اسرائیلیوں پر حضرت داؤد اور حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم کی دو بار بددعا ہوئی۔ اور یہ لوگ ان کی بددعائیں سے دو بار عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے زمانہ داؤدی میں اپنے دینی قانون کو توڑتے ہوئے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کیا تو انہوں نے ان پر لعنت کی۔ جس سے یہ لوگ بندر بنا دیئے گئے پھر انہی مقدس و پاکباز بننے والوں نے زمانہ مسیحی میں خود ہی غیبی قدرتی دسترخوان مانگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ آیا انہوں نے اس میں سے کھایا مگر رہے بے ایمان ان میں سے کوئی ایمان نہ لایا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بددعا فرمائی جس سے یہ لوگ سور بن گئے ان کی یہ تمام دلیریاں اس لئے ہیں کہ یہ لوگ حضرات انبیاء کرام کے نافرمان ہیں اور حد سے آگے بڑھتے رہتے دینی حدود توڑتے رہنے کے عادی ان کی حالت یہ تھی کہ یہ جو جرم ایک بار کر لیتے اس کو بار بار کرنے سے باز نہ آتے تھے یعنی بجائے توبہ کرنے کے جرم کے عادی بن جاتے تھے یا جو جرم ان کی قوم میں پھیل جاتا اسے روکتے نہ تھے ان کے یہ تمام مذکورہ گناہ بہت ہی برے ہیں۔ اب اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو ان سے کیا بعید ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** بزرگوں کی بددعا بڑی ہی خطرناک ہے۔ اس سے قومیں تباہ ہو گئیں۔ عذاب الٰہی ہمیشہ اللہ والوں کی بددعا سے آئے یہ فائدہ علی لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں **شعر:**۔

☆ ہیچ قومی را خدا رسوا نہ کرد ☆ تادل صاحبدلے نہ آمد بہ درد ☆

دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔ دیکھو اسرائیلیوں پر ایک ایک گناہ سے عذاب آگئے ہم ہزارہا گناہ کرتے ہیں عذاب نہیں آتا یہ فائدہ **بما عصوا** الخ سے حاصل ہوا۔ ہم عین جمعہ کی نماز کے وقت تارک نماز بنے بیٹھے رہتے ہیں۔ دوکانداریاں کرتے رہتے ہیں۔ عذاب نہیں آتا بلکہ خود یہ یہودی بھی ہفتہ کے دن شکار کر لیتے ہیں مگر عذاب نہیں آتا کیونکہ اب رحمت والے شہنشاہ کا راج ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** **تیسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تمام نبیوں کے ساتھیوں سے افضل ہیں۔ دیکھو یہ دونوں فرقے امتحانوں میں فیل ہوئے۔ زمانہ موسوی میں جب قوم جبارین کے مقابلہ کے لئے اسرائیلیوں کو بھیجا گیا۔ تو وہ بھی فیل ہوئے زمانہ شمویل علیہ السلام میں جب اسرائیلیوں کو نہر کا پانی لینے سے روکا گیا تو وہ بھی فیل ہوئے **فشربوا منہ الا قلیل** مگر حضور کے صحابہ کا ایک بار شکار سے امتحان لیا گیا کہ بحالت احرام ان کے پاس بہت شکار آئے مگر کسی نے شکار نہ کیا سب پاس ہوئے۔ بدر وغیرہ میں تھوڑے غازیوں کو بہت کفار سے لڑایا گیا۔ لڑ گئے۔ سارے پاس ہوئے۔ اس لئے فرمایا گیا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔ **چوتھا فائدہ** گناہ کرنا بھی گناہ ہے اور گناہ کا عادی ہو جانا بھی گناہ بلکہ یہ بڑا گناہ ہے یہ فائدہ **کانوا لا یتناھون** الخ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا بلکہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے گناہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولم یصروا علی ما**

فعلوا پانچواں فائدہ لوگوں کو برائی سے روکنا اچھائی کا حکم کرنا واجب ہے۔ تبلیغ بند ہونے پر عذاب الٰہی آسکتا ہے۔ یہ فائدہ **کانوا لا یتناھون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں پہلی خرابی یہ پیدا ہوئی کہ آج ان کا پوپ پادری لوگوں کو اچھائی کا حکم کرتا۔ برائی سے روکتا اور کل اس قوم کو تبلیغ نہ کرتا اس لئے کہ وہ پادری ان کے ساتھ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے میں شریک ہو چکا ہوتا تھا۔ اس لئے اس کی مروت کرتا تھا۔ اس جرم کی وجہ سے ان کے دل غافل ہو گئے (ترمذی' خازن) احمد نے حضرت عدی ابن عمیرہ سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی بعض لوگوں کی بدکاریوں کی وجہ سے عوام پر عذاب نہ بھیجے گا۔ حتیٰ کہ جب لوگ قادر ہوتے ہوئے برائیوں سے منع کرنا چھوڑ دیں گے تب ان پر عام عذاب آوے گا اور خطیب نے بروایت ابو سلمہ نقل فرمایا کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کے بعض لوگ بندروں سوروں کی شکل میں اپنی قبروں سے اٹھیں گے اس لئے کہ انہوں نے دین میں مداہنت کی ہو گی کہ بدکاروں کو قادر ہوتے ہوئے گناہوں سے نہ روکا ہو گا۔ چھٹا فائدہ بدکاروں مجرموں کے تاریخی حالات جاننا یاد رکھنا بہت ضروری ہے تاکہ ان سے ہم عبرت حاصل کریں ان کے سے اعمال سے بچیں۔ ساتواں فائدہ بدکار کفار کی غیبت کرنا یعنی پس پشت انہیں برا کہنا جائز ہے۔ دیکھو جن اسرائیلیوں کی برائیاں اس آیت کریمہ میں بیان ہو رہی ہیں وہ کب کے مر چکے قیامت تک ان کے عیوب پڑھے پڑھائے جاتے رہیں گے۔ خاص مسلمان کے خفیہ عیوب اس کے پس پشت بیان کرنا گناہ ہے کہ یہ غیبت ہے اور غیبت کرنا سخت جرم ہے۔

پہلا اعتراض اس پہلی آیت کریمہ میں بنی اسرائیل پر لعنت کی دو وجہیں بیان ہیں ایک **عصوا** یعنی ان کا نافرمانی کرنا۔ دوسرے **کانوا یعتدون** میں یعنی ان کا حد سے بڑھنا وہ تو گناہ و نافرمانی اور حد سے بڑھنا ہمیشہ ہی کرتے تھے پھر ایک کو ماضی دوسرے کو استمرار کے صیغہ سے کیوں بیان فرمایا کیا انہوں نے نافرمانی صرف ایک بار ہی کی تھی۔ **جواب** اس کا جواب اشارۃً تفسیر میں گزر گیا کہ **عصوا** میں جنس نافرمانی مراد ہے اور **کانوا یعتدون** میں افراد مراد مچھلی کا شکار ہفتہ کے دن اگرچہ انہوں نے بارہا کیا۔ مگر یہ ہے کہ ایک ہی جرم یوں ہی دسترخوان کھا کر کافر رہنا ایک ہی جرم ہے۔ لہٰذا اسے ماضی مطلق سے تعبیر فرمایا اور دوسرے گناہ وہ بار بار کرتے رہے لہٰذا اسے استمرار سے بیان کیا یا **عصو** سے مراد نبی کی وہ نافرمانی جس پر ان نبی نے بددعا کی وہ نافرمانی ایک بار ہی ہوئی اور **کانوا یعتدون** سے ان کی نافرمانیاں مراد ہیں جو وہ رب تعالٰی کی کرتے تھے۔ **دوسرا اعتراض** کافر اسرائیلیوں پر لعنت ہمیشہ سب کی طرف سے ہوتی ہی رہے گی پھر **لعن** ماضی مطلق کیوں ارشاد ہوا اور علی لسان داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کیوں ارشاد ہوا یعنی عام لعنت کو خاص کیوں کر دیا گیا۔ **جواب** یہاں لعنت سے مراد صرف زبانی لعنت نہیں بلکہ عذاب الٰہی کا نزول مراد ہے وہ ان پر ایک ہی بار ہوا کہ وہ ایک ہی بار بندر بنے اور ایک ہی بار سور بنے اس لئے ماضی مطلق فرمانا نہایت موزوں ہے نیز ان پر یہ لعنت ان دو نبیوں کی بددعا سے ہوئی نیز یہ لوگ ان نبیوں کو اپنا نبی مانتے ہیں ان کے اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں اس لئے ان دو حضرات کا ذکر خصوصیت سے فرمایا گیا کہ

بد نصیبو تم تو ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کر کے تمہارا بیڑا غرق کر گئے۔ تم تو ان کے پھٹکارے ہوئے ہو۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ **لا یتناھون عن منکر فعلوہ** یعنی جو گناہ وہ کر چکتے تھے اس سے منع نہ کرتے تھے۔ کیے ہوئے گناہ سے کیسے منع کیا جاسکتا ہے۔ ہمیشہ منع کرنا آئندہ گناہ سے ہوتا ہے کئے گناہ سے توبہ ہوتی ہے نہ کہ ممانعت وہ گناہ تو ہو چکا پھر یہ فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب** مفسرین نے اس اعتراض کو بہت مشکل فرمایا اور اس کے بہت جوابات دیئے ہیں ہم نے نہایت آسان جواب ابھی تفسیر میں عرض کر دیئے کہ یا تو عن کے بعد معاودة پوشیدہ ہے یا منع نہ کرنے سے مراد ہے۔ اسے برا نہ کہنا اور آئندہ کو نہ روکنا یا **فعلوہ** میں ہ سے مراد ہے جنسی گناہ افراد گناہ مراد نہیں لہٰذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض** جس بستی پر عذاب الٰہی آیا وہاں سے پہلے نبی اور مومنین نکال دیئے گئے یہ قانون قدرت ہے پھر یہ بندر سور بننے کا عذاب انہیں بستیوں میں آگیا جہاں نبی موجود تھے اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** عذاب الٰہی تین قسم کے آئے عذاب خاص یعنی بستی کے کچھ لوگوں پر عذاب عام یعنی عام بستی والوں پر کہ وہاں کے سارے باشندے ہلاک کر دیئے گئے۔ عذاب عام انعام کہ وہاں کے سارے باشندے بھی ہلاک کر دیئے گئے اور بستی بھی اجاڑ دی گئی آخری دو قسم کے عذابوں میں حضرات انبیاء کرام اور مومنین اس جگہ سے نکال دیئے جاتے تھے۔ پہلے خاص عذاب میں یہ نہ ہوتا تھا۔ یہ دونوں عذاب پہلی قسم کے تھے کہ خاص لوگوں پر آئے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ کے مقبول بندے اس کے خلیفہ اور نائب ہیں اس کی صفات مہر و قہر کے مظہر کسی کو ان کا قبول کر لینا رب تعالیٰ کا قبول ہے اس کا رد کر دینا رب تعالیٰ کا رد فرما دینا ہے۔ ان کی لعنت اللہ کی لعنت ہے اور ان کی رحمت اللہ کی رحمت ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے **ان صلوتک سکن لھم** دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **ھو الذی یصلی علیکم** معلوم ہوا کہ حضور کی صلوٰۃ (رحمت) اللہ کی صلوٰۃ ہے حضرت داؤد و عیسیٰ علیہما السلام کی زبانیں لعنت الٰہی کا مظہر تھیں حقیقتاً لعنت رب کی تھی۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا **علی لسان داؤد عیسی ابن مریم** دوسری جگہ ارشاد ہوا **کما لعنا اصحب السبت** معلوم ہوا کہ لعنت رب کی طرف سے تھی مگر اس کا ظہور ان زبانوں پر ہوا یہ حضرات مظہر صفات ذوالجلال ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

☆ ایں نہ کر دی تو کہ من کردم یقین ☆ ای صفاتت در صفات ما فیں! ☆
☆ ما میت از رمیت گشتہ!! ☆ خویشتن در موج چوں کف ہشہ ☆

یعنی تمہارے صفات ہماری صفات میں فنا ہو چکے ہیں لہٰذا تمہارے کام نہیں ہمارے ہیں۔ تم ہم سے وہ تعلق رکھتے ہو جو سمندر کا تعلق جھاگ سے ہے۔ لہٰذا تمہارا کنکر پھینکنا ہمارا پھینکنا ہے اور ایک جگہ فرماتے ہیں۔

☆ کہ ترا از توبکل خالی کنند! ☆ توشوی پست اوسخن عالی کنند ☆
☆ گرچہ قرآن از لب پیغمبر است ☆ ہرکہ گوید حق نہ گفت او کافر است ☆

صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے گناہ کو منکر فرمایا ہے کیونکہ وہ نکرہ بنا رہتا ہے۔ رب سے آزاد اور وہاں سے چھوٹا ہوا اور اطاعت کو معروف فرمایا کیونکہ وہ معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے منکر پر پیش قدمی کرنا گناہ ہے اس پر اڑ جانا کفر ہے کہ سبب ہے۔ رین قلب کا جس دل پر رین چھا جاوے وہ دل بندر سور بن جاتا ہے ایسا آدمی جسماً آدمی رہتا ہے مگر قلباً جانور رہ خلاف آدمی رہ جاتا ہے یہ آیات انتہائی عبرتناک ہیں (از روح البیان)

تَرٰى كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْاؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ

دیکھو گے تم بہت کو ان میں سے دوستی کرتے ان سے جو کافر ہوئے البتہ برا ہے وہ جو آگے بھیجا واسطے ان کے

ان میں تم بہت کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں کیا ہی بری چیز ہے اپنے لئے خود آگے بھیجی یہ کہ اللہ کا

اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ(۸۰) وَ لَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

ذاتوں نے ان کی یہ کہ ناراض ہوا اللہ اوپر ان کے اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور اگر ہوتے وہ ایمان رکھتے اللہ

ان پر غضب ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ

وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ(۸۱)

اور نبی پر اور اس پر جو اتارا گیا طرف ان کے تو نہ بناتے وہ ان کو دوست اور لیکن بہت سے ان میں بدکار ہیں۔

اور نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے مگر ان میں بہتیرے فاسق ہیں۔

تعلق اس آیت کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیتوں میں گزشتہ اسرائیلیوں کی بدکاریوں کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں موجودہ بنی اسرائیل کی بد عملیوں کا تذکرہ ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ سارے کے سارے یکساں ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اسرائیلی خود اپنے مانے ہوئے نبیوں کے پھٹکارے ہوئے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ آپ کے اور مسلمانوں کے بھی سخت دشمن ہیں۔ نبی کی دشمنی ان کی ضمیر میں پڑی ہوئی ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں اسرائیلیوں کی دشمنی انبیاء کا تذکرہ تھا۔ اب ان آیات میں ان کی دوستی مشرکین کا ذکر ہے یعنی یہ لوگ نبیوں مسلمانوں کے تو دشمن ہیں دوست ہیں تو کس کے مشرکین بت پرستوں اور کفار کے گویا ان کے ایک عیب کے بعد دوسرے عیب کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ یہود کے پوپ پادری لوگوں کو برائیوں سے نہیں روکتے یا خود گناہوں سے نہیں بچتے اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ ان کے دلوں میں کفار مشرکین' بت پرستوں سے محبت ہے پھر یہ برائیوں سے کیسے بچیں گویا پچھلی آیات میں ان کی دلی بیماری عداوت انبیاء کا ذکر بھی تھا اور

اس بیماری کی وجہ یعنی گناہوں میں مشغولیت کا ذکر بھی اور اب اس وجہ کا ذکر ہے یعنی محبت کفار۔ جیسے کہا جاوے کہ فلاں کو بخار ہے۔ کیونکہ اسے زکام ہے اور زکام اس لئے کہ اس نے سردی سے احتیاط نہ کی۔

نزول مدینہ منورہ کے کھلے یہود کعب ابن اشرف اور اس کے ساتھی اور وہاں کے چھپے یہودی یعنی منافقین جو در حقیقت کافر تھے۔ بظاہر کلمہ پڑھ کر اپنے کو مسلمانوں کہتے تھے جب ان لوگوں نے اسلام کی ترقی دیکھی تو جل گئے۔ خفیہ طور پر مکہ معظمہ پہنچے۔ مشرکین مکہ خصوصاً ابو سفیان وغیرہ سے ملے اور ان سب کو مسلمان سے سخت جنگ کرنے پر ابھارا کہ سارے کفار مل کر مسلمانوں پر حملہ کرو ہم یہود مدینہ تمہاری پوری پوری مدد کریں گے مگر اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئے یہ آیت کریمہ۔ اس کے متعلق نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ اگرچہ یہ لوگ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئے مگر اس حرکت سے ان کے دلوں کا پتہ لگ ہی گیا کہ ان کے دلوں میں حضور آپ کی اور مسلمانوں کی عداوت کی آگ کیسی بھڑک رہی ہے (تفسیر خازن' روح المعانی وغیرہ)

تفسیر **تری کثیرا منھم۔ تری** رویت سے بنا ہے۔ بمعنی دیکھنا یہ دیکھنا آنکھ کا ہو تو ایک مفعول چاہتا ہے اور اگر دیکھنا دل کا ہو تو دو مفعول چاہتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ آنکھ کا دیکھنا مراد ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اگرچہ یہ اسرائیلی یہودی نہایت خفیہ طور پر مکہ معظمہ میں سازش کرنے گئے تھے اور انہوں نے اس سفارش کے چھپانے کی بہت کوشش کی تھی مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ غیب میں ہر کھلی چھپی چیز کو دیکھ لیتی ہے۔ اس لئے اسی ارشاد ہوا نیز حضور کی نگاہ دلوں کے راز سینوں کے بھیدوں' ارادوں' خطرات سب کو ہی ملاحظہ فرماتی ہے۔ اس لئے تری ارشاد ہوا کہ آپ ان کی محبت کفار کو دیکھ رہے ہیں اگرچہ محبت و نفرت آنکھ سے دیکھنے میں نہیں آیا کرتی نیز چونکہ حضور انور کی نگاہ گزشتہ آئندہ چیزوں کو بھی مشاہدہ کر لیتی ہے۔ جیسے ہمارا خواب و خیال اس لئے **تری** بصیغہ حال ارشاد ہوا یعنی آپ ان لوگوں کی اس گزشتہ حرکت کو دیکھ رہے ہیں۔ **شعر:**

☆ اے فروغت صبح آثار و دہور ☆ چشم تو بنیندہ ما فی الصدور ☆

چونکہ یہ حرکت سارے یہودیوں نے نہ کی تھی بلکہ ان کے بعض نے جن میں سے بعض کھلے کافر تھے بعض چھپے کافر یعنی منافق اس لئے **کثیرا** ارشاد ہوا۔ **منھم** کا مرجع وہی یہود ہیں جن کا ذکر پچھلی آیات میں ہو چکا ہے۔ **یتولون الذین کفروا** یہ جملہ **کثیرا** کا حال ہے **یتولون** بنا ہے **تولی** سے جس کا مادہ ولی یا ولایت ہے۔ بمعنی دوستی و محبت' دوستی دلی بھی ہوتی ہے۔ عملی بھی۔ دل کا میلان اس کا جھکاؤ۔ محبت تو دلی تولی ہے اور کفار کی سی شکل' لباس سیرت اختیار کرنا انہیں ہدیہ تحفے دینا لینا ان کے ساتھ اٹھ بیٹھ ان سے صلاح مشورے عملی محبت ہے یہاں عام تولی مراد ہے۔ جس میں دلی رجحان اور یہ ظاہری اعمال سب ہی شامل ہیں۔ **الذین کفروا** سے مراد مشرکین مکہ ہیں جو یہود کے نزدیک بھی کافر تھے۔ اس جملہ کی اور کئی تفسیریں بھی ہیں مگر قوی تفسیر یہی ہے یعنی اے محبوب آپ ان میں سے بہت یہود کو دیکھ رہے

ہیں کہ یہ لوگ کفار مکہ سے دلی اور عملی محبت کرتے ہیں۔ تمہارے مقابلہ انہیں کفار عزیز ہیں **لبئس ما قدمت لھم انفسھم** اس عبارت میں ان کی مذکورہ حرکت کی برائی بیان فرمائی جارہی ہے اس میں **بئس** فعل ذم ہے اور **ما قدمت** اس کا فاعل **ما** سے مراد ان کا یہ مذکورہ عمل ہے یعنی ان کا یہ مذکورہ عمل جو انہوں نے اپنے آگے بھیجا بہت ہی برا ہے کہ یہ عمل ان کو آخرت میں برباد کرے گا **ان سخط اللہ علیھم** اس عبارت سے پہلے ایک مضاف پوشیدہ ہے۔ موجب یا باعث یہ عبارت اس کا مضاف الیہ وہ ہی **بئس** کا مخصوص بالذم ہے ان مصدریہ کی وجہ سے یہ فعل بمعنی مصدر ہو گیا۔ **سخط** سخت ناراضی کو کہتے ہیں یعنی ان کا برا توشہ آخرت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کام کرلئے رب کو ناراض کر کے یہ لوگ اس سے ملیں گے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک اس کے دشمنوں سے نفرت کرنا۔ دوسرے اس کے دوستوں سے محبت کرنا اگر یہ نعمت نہ ملے تو ساری نیکیاں برباد ہیں۔ شیطان کے پاس اعمال کم نہ تھے مگر اس نے اللہ کے مقبول بندے حضرت آدم علیہ السلام سے محبت کی بجائے نفرت کی مارا گیا۔ اسی کا یہاں بیان ہے کہ ان یہود و منافقین نے کفار سے محبت کی اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گیا **وفی العذاب ھم خالدون** اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ جملہ علیحدہ ہے۔ واو ابتدائیہ **فی العذاب** متعلق ہے۔ **خالدون** کے **ھم** مبتداء اور **خالدون** خبر **فی العذاب** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا **ھم** کا مرجع وہ ہی یہود اور منافق ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ عذاب میں ہی ہمیشہ رہیں گے کہ مرتے ہی برزخی عذاب میں اور بعد قیامت اخروی عذاب میں ابد الاباد تک یا یہ مطلب ہے کہ عذاب میں ہمیشگی صرف کفار ہی کو ہے۔ رہے گنہگار مسلمان وہ اگرچہ عذاب پائیں مگر اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔ لہٰذا حصر دونوں طرح درست ہے چونکہ یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ کفار سے محبت بھی دوسرے گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے۔ پھر اس گناہ پر اتنا عتاب و عذاب کیوں ہے۔ رب تعالیٰ اس شبہ کے متعلق فرماتا ہے کہ یہ گناہ محض گناہ نہیں بلکہ حکومت الٰہیہ سے غداری ہے اور کفر کی علامت بھی جو گناہ کفر کی علامت ہو وہ کفر ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **ولو کانوا یومنون باللہ والنبی وما انزل الیہ**۔ اس عبارت میں ان یہودیوں یا منافقوں کے دعوئ ایمان کی تردید ہے۔ اگر روئے سخن کھلے یہود سے ہے تو **النبی** سے مراد وہ نبی ہیں۔ جن کے امتی ہونے کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام اور **ما انزل الیہ** سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت شریف ان کے صحیفے اور ان کے معجزات اور ان کے فرمان عالیہ ہیں اور اگر منافقین کی طرف توجہ غضب ہے تو **النبی** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور **ما انزل الیہ** سے مراد قرآن مجید اور حضور کے معجزات آپ کے ارشادات عالیہ ہیں چونکہ مسلمانوں کو قرآن مجید حضور کے فرمان احکام سب ہی پر ایمان لانا ضروری ہے صرف قرآن کا مان لینا کافی نہیں نیز قرآن مجید کو بھی اس لئے ماننا ضروری ہے کہ وہ حضور پر اترا حضور نے اس کے ماننے کا حکم دیا۔ اس لئے **والقرآن** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی **وما انزل الیہ** منافقین اپنے کو مسلمان کہتے تھے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ایمان لانے کے دعوے دار تھے۔ اس لئے ان کی تردید اس طرح فرمائی یہ پورا جملہ شرط ہے۔ جزا اس کی یہ ہے کہ **ما اتخذوهم اولياء** یہاں بھی **اتخذوا** کا فاعل یا کھلے یہودی یا منافقین ہیں اور **هم** کا مرجع مشرکین عرب اور کفار مکہ ہیں اولیاء ولی کی جمع ہے۔ بمعنی قریب یا دوست یا مددگار ظاہر یہ ہے کہ یہاں بمعنی دوست ہے اس کی پوری تحقیق پہلے بھی کی جا چکی ہے اور انشاء اللہ گیارہویں پارہ میں بھی کی جاوے گی کہ ولایت کتنی قسم کی ہے اور ہر قسم کے احکام کیا ہیں یعنی اگر یہود اللہ تعالیٰ اور اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب توریت ان کے صحیفے وغیرہ پر ایمان رکھتے ہوتے تو وہ مشرکین کو دوست نہ بناتے کیونکہ توریت میں بھی مشرکین کی دوستی سے ممانعت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں بھی یا اگر یہ منافقین اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن و فرمان مصطفوی پر ایمان رکھتے ہوتے تو مشرکوں سے یارانہ نہ گانٹھتے۔ کیونکہ اسلام میں کفار کو دوست بنانا سخت جرم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا يتخذ المومنون الكفرين اولياء ولكن كثيرا منهم فسقون** اس عبارت میں ان کے کفر و فسق کا ثبوت ہے چونکہ پچھلی عبارت میں ارشاد ہوا تھا کہ وہ مومن نہیں تو شاید کوئی وہم کرتا کہ وہ کافر بھی نہیں ہیں بلکہ مومن و کافر کے درمیان کچھ اور ہی فرقہ ہو اس وہم کو دور فرمانے کے لئے یہ ارشاد ہوا۔ لہٰذا **لكن** فرمانا۔ بالکل درست ہے **منهم** کا مرجع اگر یہ ہی مشرکین سے دوستی کرنے والے یہودی اور منافقین ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ ان میں سے کچھ لوگ تو اس جرم سے توبہ کر کے مخلص مسلمان بن جائیں گے اور اکثر لوگ کافر رہیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ان میں سے بعض محض دنیاوی تعلقات آپس کی رشتہ داریوں کی وجہ سے ان سے محبت کرتے ہیں مگر اکثر لوگ آپ کی عداوت میں ان سے محبت کرتے ہیں۔ یہ آخری لوگ فاسق و کافر ہیں اور اگر **منهم** کا مرجع سارے یہودی و منافقین ہیں تو معنی بالکل ظاہر ہیں کہ ان یہود و منافقین میں سے کچھ ایمان بھی قبول کر لیں گے مگر اکثر لوگ عند اللہ فاسق و کافر ہیں۔ خیال رہے کہ فسق کے تین درجہ ہیں۔ تغابی' انہماک' جحود مسلمان کا کبھی کبھی گناہ کر لینا فسق تغابی ہے۔ ہمیشہ گناہ میں مشغول رہنا فسق انہماک اور دل سے گناہوں کو اچھا سمجھ کر کافر ہو جانا فسق جحود یہاں یہ تیسرا درجہ ہی مراد ہے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اب تک تو آپ نے یہود کے گزشتہ کفر و بدکاریاں ان پر حضرات انبیاء کرام کی لعنت وغیرہ سنیں موجودہ یہود کا حال یہ ہے کہ ان کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک کھلے یہودی دوسرے منافقین ان میں سے بہت سے وہ بدبخت ہیں جو آپ کی مخالفت اور دین اسلام کے مٹانے کے لئے مشرکین کو دوست بنا لیتے ہیں انہوں نے اپنے لئے توشہ آخرت کیا بھیجا اللہ کا غضب اس کی پھٹکار یہ توشہ تو بہت ہی برا ہے یہ اتنا نہیں سوچتے کہ جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لئے کیا سامان بھیجا جائے وہاں کے لئے نیک اعمال' ایمان کامل' رضاء الٰہی کے توشہ چاہیے تھے۔ انہوں نے اس کے برعکس کفر و بدعملیاں رب کی ناراضی کے توشہ بھیجے لہٰذا یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اگر یہ لوگ دعویٰ ایمان میں سچے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ' موسیٰ علیہ السلام اور توریت شریف وغیرہ پر ان کا ایمان ہوتا تو یہ مشرکین کو ہرگز دوست نہ

بناتے کیونکہ اس دین موسوی بلکہ تمام انبیاء کرام کے دینوں میں کفار سے دوستی کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ ان کی یہ دوستی ان کے دعویٰ ایمان کی تردید کرتی ہے یہ مومن نہیں لیکن ان میں سے بعض تو توبہ کر کے مومن ہو جائیں گے اور اکثر لوگ عنداللہ فاسق و کافر ہیں کہ کافر جئیں گے اور کافر ہی مریں گے۔ خیال رہے کہ ہر دین میں دو چیزیں ہوتی ہیں عقائد اور مسائل۔ عقائد تو تمام آسمانی دینوں کے یکساں رہے۔ مسائل چند طرح کے ہیں بعض وہ جو اسلام میں ہیں۔ پچھلے دین میں نہ تھے۔ انہیں سنت رسول اللہ کہتے ہیں بعض وہ جو دین ابراہیمی سے رہے انہیں فطرت کہتے ہیں بعض وہ جو تمام دینوں میں رہے۔ انہیں سنت انبیاء کہتے ہیں۔ نکاح اور بے دینوں سے نفرت یہ وہ مسائل ہیں جو ہر دین میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کے دشمن ضرور پیدا کئے ان سے نفرت ایمان کا رکن قرار پائی اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ اگر یہود اللہ رسول کتب آسمانی پر ایمان رکھتے ہوتے تو مشرکین سے محبت نہ کرتے کہ مشرکین سے نفرت ہر دین میں رکن ایمان رہی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے دلوں کے حال محبت و دشمنی ایمان و کفر وغیرہ سب سے خبردار ہیں بلکہ حضور کی نگاہیں ان قلبی حالات کو دیکھتی ہیں یہ فائدہ **وتری** سے حاصل ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پتھروں کے دلوں کا حال جانتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور غیر پہاڑ ہم سے دشمنی رکھتا ہے ہم اس سے نفرت کرتے تو انسان کے دلوں کا حال اس چشم حق بین سے کیسے چھپا رہ سکتا ہے۔ **شعر:**

☆ خدا مطلع ساخت برجملہ غیب ☆ علی کل شئ خبیر آمدی! ☆
☆ نہ آمد مثال تو در دو جہاں ☆ نذیر آمدی بے نظیر آمدی! ☆

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں اپنے ایمان و عشق و محبت کے دعویٰ کی ضرورت ہی نہیں وہاں تو اپنے گناہوں کا اقرار کر کے معافی مانگنے شفاعت مانگنے کی ضرورت ہے۔ وہ ہمارے ہر حال سے خود ہی خبردار ہیں۔ **دوسرا فائدہ** مشرکین و کفار سے دوستی رکھنا سخت جرم ہے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا باعث ہے۔ ان سے قومی دوستی حرام ہے مذہبی دوستی کفر اور اللہ رسول کے مقابلہ میں مسلمانوں کو تباہ کرانے کے لئے ان سے دوستی بدترین کفر ہے اور عذاب الٰہی کا باعث افسوس مسلمان یہ سبق بھول جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال اسی کو بہت روئے ہیں کہتے ہیں۔ **شعر:**

☆ جعفر از بنگال صادق از دکن ☆ ننگ آدم ننگ دیں، ننگ وطن ☆
☆ کے شب ہندوستان آید بروز ☆ مرد جعفر روح او زندہ ہنوز ☆

ہماری قوم میں ایسے منافقوں کی اب بھی کمی نہیں۔ **تیسرا فائدہ** انسان کو چاہیے کہ جتنا دنیا میں رہتا ہے اتنی یہاں کی فکر کرے اور جس قدر آخرت میں رہنا ہے۔ اتنی فکر وہاں کی کرے۔ بدنصیب ہے وہ جو دنیا میں پھنس کر آخرت کو بھول جائے وہاں کا توشہ ساتھ نہ لے یہ فائدہ **لبئس ما قدمت** الخ سے حاصل ہوا۔ **شعر:**

☆ توشہ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤ ابھی ☆
☆ کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی ☆
☆ بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے ☆
فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے ☆

چوتھا فائدہ دوزخ میں ہمیشگی صرف کفار کے لئے ہے۔ مسلمان گنہگار دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ یہ فائدہ **هم خالدون** حصر سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ نبی کا منکر خدا تعالیٰ کا مومن کبھی نہیں ہو سکتا اگرچہ خدا پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرے یہ فائدہ **ولو کانوا یومنون باللہ** الخ سے حاصل ہوا دیکھو وہ یہود بھی اللہ تعالیٰ کے انکاری نہ تھے اور منافقین بھی یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے مگر رب تعالیٰ نے ان کو اللہ کا انکاری قرار دیا اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ اللہ رسول پر ایمان لاتے۔ چھٹا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے۔ ایسا شخص کتنا ہی بڑا عابد ہو مگر اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہے یہ فائدہ **ان سخط اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ کفار سے دوستی خواہ دلی ہو یا عملی منافقوں کی علامت ہے اللہ رسول کی دوستی اور ان کے دشمنوں سے محبت ایک دل میں جمع ہو سکتیں روشنی و تاریکی کا ایک جگہ جمع ہونا غیر ممکن ہے یہ فائدہ **ما تخذوھم اولیاء** سے حاصل ہوا اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو کفار کی سی شکل و صورت وضع قطع رکھتے ہیں کہ یہ کفار سے عملی محبت ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **ادخلوا فی السلم کافۃ** اللہ تعالیٰ ہمارا ظاہر باطن قلب قالب یکساں مسلمان کرے **شعر**:

☆ تن اجلا من کالا بگلے کے سے بھیک ☆
☆ اس سے تو کاگا بھلے کہ اوپر نیچے ایک ☆

آٹھواں فائدہ مسلمان کو چاہیے کہ اچھوں کے ساتھ رہے اچھوں کی ہمراہی بروں کا بیڑا پار لگا دیتی ہے۔ جیسے کفار سے محبت ان کی ہمراہی تباہ کر دیتی ہے۔ ایسے ہی اچھوں سے الفت ان کی ہمراہی رب تک پہنچا دیتی ہے۔ نواں فائدہ جیسے اصلی نقلی سونے کی پہچان کے لئے کسوٹی ہے۔ خالص اور ملاوٹی دودھ کے جاننے کے لئے آلات ہیں۔ ایسے ہی کھرے کھوٹے مومن کی پہچان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات معیار ہے حضور سے اور ان کی ہر منسوب چیز سے محبت ان کے دشمنوں سے نفرت کھرے مومن کی علامت ہے ان کی منسوب چیزوں سے نفرت یا ان کے دشمنوں سے محبت کھوٹے ملاوٹی کی نشانی ہے یہ فائدہ بھی **ولو کانوا یومنون باللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ اعتبار خاتمہ کا ہے اگر خاتمہ اچھا ہے تو انسان اچھا اگرچہ زندگی میں برا ہو اور اگر خاتمہ خراب ہے تو انسان خراب اگرچہ زندگی میں اچھا ہو یہ فائدہ **ولکن کثیرا منهم** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان سارے یہود و منافقین کو فاسق نہ فرمایا

ان میں سے جو مومن ہو کر مرنے والے تھے انہیں الگ کر لیا اور فرمایا کہ ان میں سے بہت سے فاسق ہیں یعنی جو کفر پر مریں۔

پہلا اعتراض اگر کفار سے دوستی و محبت اتنی ہی بری چیز ہے تو اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح کیوں جائز ہے۔ خاوند کو بیوی سے محبت تو ہوتی ہی ہے۔ **جواب** اس کا جواب بالتفصیل پانچویں پارہ میں گزر گیا کہ ایک ہے۔ اداء حقوق' ایک ہی رشتہ داری کی محبت ایک ہے طبعی غیر اختیاری محبت ایک ہے قومی محبت ایک ہے دینی محبت اور ایک ہے کسی کو اپنا خاص راز دار بنانا ان سب کے احکام یکساں نہیں کفار عزیزوں کے حقوق قرابت ادا کئے جائیں گے۔ لہٰذا کافر ماں باپ کافر اولاد و کافر بیوی کے حق ملی حق خدمت ضرور ادا کر دیں ہی کافر اولاد کافرہ بیوی سے طبعی محبت اس پر بھی پکڑ نہیں مگر ان سے قومی یا دینی محبت کرنا یا انہیں اپنے قومی رازوں پر مطلع کر دینا یہ ہے حرام بلکہ کبھی کفر یہاں اسی محبت پر اظہار غضب ہو رہا ہے یہود مدینہ منافقین مدینہ نے مشرکین سے یہ ہی محبت اور گٹھ جوڑ کیا تھا۔ اہل کتاب عورتوں سے نکاح جب درست ہے۔ جب مسلمان خود پختہ مسلمان ہو کہ اس کی صحبت میں رہ کر اسلام سے نہ پھسل جائے اگر ہو سکے تو اسے مسلمان کرے ورنہ حرام ہے۔ **دوسرا اعتراض** نحوی ترکیب سے آیت **لبئس ما قدمت** الخ درست نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ **بئس** کا فاعل ہے **ما قدمت** الخ اور اس کا مخصوص بالذم ہے **ان سخط اللہ** حالانکہ **قدمت** کا فاعل ہے **انفسھم** اور **سخط** کا فاعل ہے اللہ تعالیٰ۔ چاہیے یہ کہ **بئس** کا فاعل اور مخصوص بالذم یکساں ہوں۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا ہے کہ **ان سخط اللہ** سے پہلے موجب پوشیدہ ہے جو ان محلا کی طرف مضاف ہے۔ یعنی ان لوگوں کی یہ حرکات جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہیں بہت بری ہیں۔ **تیسرا اعتراض** کفار سے دلی محبت رکھنے والے سب ہی فاسق و بے دین ہیں تو یہاں **کثیرا منھم فسقون** کیوں ارشاد ہوا کہ بعض محبین کفار عادل بھی ہیں۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں فاسق سے مراد عند اللہ فاسق ہیں جن کا نام فاسقوں کی فہرست میں آچکا ہے اور ان کا خاتمہ خراب ہونے والا ہے اور جن کا نام اس فہرست میں نہیں ان کا خاتمہ بالخیر ہونے والا ہے وہ اللہ کے نزدیک فاسق نہیں اگرچہ اس وقت وہ بظاہر فاسقوں کے ٹولہ میں شمار ہیں لہٰذا **کثیر** فرمانا بالکل درست ہے۔ اللہ تعالیٰ خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔ **چوتھا اعتراض** یہ آیت خواہ یہود کے متعلق ہو یا منافقین کے متعلق وہ تمام اللہ کو جانتے مانتے تھے۔ اہل کتاب تھے دہریہ نہ تھے۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ **ولو کانوا یومنون باللہ** اگر وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوتے۔ **جواب** خدا تعالیٰ کو جاننا پہچاننا اور ماننا ایمان نہیں بلکہ ایمان یہ ہے کہ اس کو پیغمبر کے ذریعہ ان کی معرفت سے مانا جاوے۔ شیطان خدا کو جانتا پہچانتا مانتا ہے مگر مومن باللہ نہیں کہ نبی کی معرفت نہیں مانتا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ **لن نومن لک حتی نری اللہ جھرۃ** ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے یا آپ کی نہ مانیں گے۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کو ظاہر ظہور دیکھ لیں تو ان پر عذاب آگیا کیوں اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھ کے

ذریعے ماننا چاہتے تھے۔ نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پھر ایمان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ایسے نبی کی معرفت مانو جن کی نبوت منسوخ نہ ہوئی ہو لہٰذا اب جو رب تعالیٰ کو گزشتہ انبیاء کے ذریعہ جانے مومن نہیں کہ ان کی نبوتیں منسوخ ہو چکیں بجلی کٹی کی تار میں چراغ یا لالٹین یا گیس لگاؤ روشنی نہیں ہوگی اسی طرح عقل کے ذریعہ خدا کو مانو نور ایمان نہیں ملے گا۔ پھر اس تار سے بلب بھی وہ لگاؤ جو فیوز نہ ہو چکا ہو۔ گزشتہ منسوخ نبوتیں فیوض شدہ بلب ہیں۔ جو لب روشنی دینے سے قاصر ہیں۔ اب رب تعالیٰ کو صرف حضور انور کے ذریعہ جانو مانو تو مومن بنو گے۔ چونکہ یہ یہود یا منافقین حضور کے انکاری ہو کر خدا کو مانتے تھے۔ لہٰذا وہ مومن باللہ نہ تھے۔ یہ آیت بالکل حق ہے بلکہ سارے نبیوں ساری کتابوں بلکہ قرآن کریم کو بھی ان ہی سرکار کے ذریعہ مانو تو مومن بنو گے۔ حضور کی نبوت تمام کی اصل ہے نبوت کی بقا سے کتاب کی بقا ہے۔ نبوت منسوخ کتاب بھی منسوخ۔

تفسیر صوفیانہ جیسے انسان اور گائے بھینس وغیرہ جانور منطقی قاعدہ سے ایک نوع نہیں کہ انسان حیوان ناطق ہے اور یہ جانور حیوان غیر ناطق اس فصل نے دونوں کو الگ الگ بنا دیا۔ یوں ہی صوفیاء کی اصطلاح میں مومن و کافر ایک نوع نہیں الگ الگ نوعیں ہیں کہ مومن انسان محبوب ہے اور کافر انسان مردود محبوبیت و مردودیت کی فصلوں نے ان دونوں گروہوں کو الگ الگ نوع کر دیا جو مومن محبت کرے کفار سے وہ اپنی نوع سے کٹ کر دوسری نوع میں ملتا ہے اس لئے عنداللہ مجرم ہے۔ مرد و عورت میں انسان و غیر انسان میں چھانٹ علیحدگی ضروری ہے یوں ہی مومن و کافر میں علیحدگی ضروری ہے اگرچہ شکل و صورت رہن سہن میں دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں کوسوں کا فرق ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر:۔

☆ میل مجنوں پیش آں لیلیٰ رواں ☆ میل ناقہ پس پئے طفلش رواں ☆
☆ گفت اے ناقہ چو ہر دو عاشقیم ☆ ما دو ضد پس ہمرو نالا یقیم ☆
☆ نیست بر وفق من مہر و مہار ☆ کرد باید از تو صحبت اختیار ☆
☆ جاں ز ہجر عرش اندر فاقہ ☆ دل ز عشق خار بن چوں ناقہ ☆
☆ جاں کشاید سوء بالا بالہا ☆ در زدہ تن در زمیں چنگالہا ☆

مجنوں لیلیٰ کے ناقہ کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور لیلیٰ کی ناقہ اپنے بچہ کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ مجنوں نے ناقہ سے کہا۔ اے ناقہ میں اور تو دونوں ہم پیشہ ہیں تو بچہ کے پیچھے بغیر لگام و مہار بھاگ رہی ہے اور میں لیلیٰ کے پیچھے بغیر نکیل دوڑ رہا ہوں جان عرش کے ہجر میں زار ہے۔ نفس ناقہ کی طرح طالب خار زار ہے۔ جان اوپر کی طرف پرواز کرنا چاہتی ہے۔ نفس نیچے غار میں چنگل گاڑھ رہا ہے۔ جنہوں نے نفس کو جان کا ہم جنس بنا دیا وہ کامیاب رہے اور جنہوں نے جان کو نفس کے ہم جنس بنایا وہ مردود ہوئے۔ ان یہود و منافقین نے دل و جان کو نفس کا ہم جنس بنا کر کفار سے میلان اختیار کیا مردود ہوئے۔ صوفیاء

فرماتے ہیں کہ رب نے ہم کو یہاں بہت دولت دے کر مشک و عنبر خریدنے بھیجا ہے تم اس دولت سے بھنگ و اجوائن مت خرید او ورنہ مالک کو کیا جواب دو گے مالک کی دی ہوئی رقم برباد نہ کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے عبادات کے لئے ایک ڈھانچہ ہوتا ہے۔ ایک روح اور ایک زیور ڈھانچہ وہ جس سے عبادت جائز ہو روح وہ جس سے عبادت قبول ہو زیور وہ جس سے عبادت کا ثواب بڑھے وضوء ' رکوع و سجود نماز کا ڈھانچہ ہے عشق و اخلاص نماز کی روح۔ پھر جماعت مسجد اچھا امام نماز کا زیور ہے یوں ہی گناہ کے لئے ایک ڈھانچہ ہے۔ ایک گناہ کی روح اور ایک گناہ کی عارضی گندگی برے کام گناہوں کا ڈھانچہ ہیں۔ کفار کی طرف دلی میلان گناہوں کی روح ہے۔ ان کفار سے ساز باز گناہوں پر گندگی کا اور اضافہ یہاں ان تینوں کا ذکر ہے یہ آیت بہت ہی جامع ہے۔ اسی لئے عارف انسان فرشتوں سے افضل ہے کہ اس کی عبادات میں ڈھانچہ روح زیور سب کچھ ہے اور بے دین انسان شیطان سے بد تر ہے کہ اس کے گناہوں میں یہ تین چیزیں جمع ہیں ڈھانچہ روح گندگی دیکھو حضرت حسین کا کربلا والا آخری نماز کا آخری سجدہ سارے فرشتوں کی ساری عبادات سے افضل ہوا کہ ان کی شہادت میں ڈھانچہ اور روح تو تھی ہی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے زیوروں سے آراستہ کیا جن کی مثال نہیں۔

☆ محمد کا نواسہ ہو رہا ہے ذبح سجدہ میں ☆

☆ زمیں والوں کا سجدہ دیکھ آئیں آسماں والے ☆

درشت غربت ایک زیور۔ بیکسی دوسرا زیور تین دن کی پیاس شہادت حسین کا تیسرا زیور اپنے سامنے اپنے پیارے بچوں دوستوں کی شہادت چوتھا زیور سجدہ میں سر کٹانا پانچواں زیور بعد شہادت بیوی بچوں کا دشمنوں کے ہاتھ اسیر ہونا چھٹا زیور ہے غرضیکہ کونسا زیور تھا۔ جس سے یہ شہادت آراستہ نہ کی گئی۔ حسین بے مثال شہید اور آپ کی شہادت عظمیٰ بے مثال شہادت۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ

ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ضرور تم مسلمانوں

اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے تھے ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ ان میں

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے تھے

لبتہ ضرور پاؤ گے آپ لوگوں میں بہت سخت دشمنی والا ان لوگوں کی جو ایمان لائے یہود کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا اور البتہ ضرور پاؤ گے تم ان میں زیادہ قریب محبت میں ان لوگوں کی جو ایمان لائے جنہوں نے کہا کہ بیشک ہم عیسائی ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں سے علماء اور راہب ہیں اور بیشک وہ نہیں غرور کرتے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کی مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں کا ذکر فرمایا گیا اب ان کی دلی عداوت کا ذکر ہے۔ جو انہیں اسلام اور مسلمانوں سے ہے گویا یہود کی عملی بیرونی عداوت کے بعد انکی قلبی اور اندرونی عداوت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی ان کوششوں کا ذکر فرمایا گیا جو وہ اسلام کے خلاف کرتے تھے اب تمام کوششوں کی وجہ کا ذکر ہے کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کی عداوت کی آگ بھڑک رہی ہے گویا درخت عداوت کی شاخوں کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی جڑ کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ مومنین کی اولیاء اللہ کی حضرات انبیاء کی خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت انسان سے وہ حرکتیں کرا لیتی ہے جو خود اس کی ضمیر کے خلاف ہوتے ہیں۔ مشرکین سے دوستی بتوں کو سجدہ شرک کی تعریف کرنا یہ وہ حرکتیں ہیں جو خود یہود کے عقیدوں کے بھی خلاف ہیں مگر وہ یہود مسلمانوں اور حضور کی عداوت میں یہ سب کچھ کر گزرے مومن کی دشمنی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات کریمہ کا ذکر تھا کہ یہودی مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکین سے محبت کرتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس کی محبت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی سخت عداوت میں یہ دونوں یعنی یہود و مشرکین یکساں ہیں گویا دونوں اس سخت عداوت میں ہم جنس ہیں اور ہر جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کی سخت اسلام دشمنی کا ذکر تھا۔ اب ان کے مقابلہ میں عیسائیوں کی نرم پالیسی کا تذکرہ ہے گویا اہل کتاب کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کی سخت دشمنی کے بعد ان کی دوسری جماعت کی نرمی کا تذکرہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ سارے کافر اگرچہ کافر ہیں مگر ان میں پھر کچھ فرق ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کی بے دینی اور عداوت مسلمین کا ذکر تھا اب اس آیت میں اس کی ظاہری وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہود میں علماء' عابدین' زاہدین نہیں یہ سب لوگ پکے دنیادار حریص و حاسد ہیں۔ عیسائیوں میں علماء صالحین ہیں اس لئے ان کا حال یہ نہیں۔

شان نزول اعلان نبوت کے پانچویں سال مشرکین مکہ کے ظلم مسلمانوں پر بہت ہی زیادہ ہو گئے اور ابھی تک جہاد کا حکم نہیں آیا تھا۔ مسلمانوں کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہ تھا اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کو جانے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ وہاں کا بادشاہ نیک آدمی ہے نہ کسی کو ستاتا ہے نہ اس کے ملک میں کوئی ستایا جاتا ہے۔ چنانچہ ماہ رجب پانچویں سال نبوت کو گیارہ مرد اور چار عورتوں کا مختصر سا مہاجرین کا قافلہ مکہ معظمہ سے حبشہ روانہ ہوا گیارہ مرد یہ ہیں۔ (۱) عثمان ابن عفان۔ (۲) زبیر ابن عوام۔ (۳) عبداللہ ابن مسعود۔ (۴) عبدالرحمن بن عوف۔ (۵) ابو حذیفہ ابن عتبہ۔ (۶) مصعب ابن عمیر۔ (۷) ابو سلمہ ابن عبدالاسد (۸) عثمان ابن مظعون (۹) عامر ابن ربیعہ۔ (۱۰) حاطب ابن عمرو۔ (۱۱) سہیل ابن بیضاء اور چار عورتیں یہ ہیں۔ (۱) رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی زوجہ عثمان ابن عفان۔ (۲) سہلہ بنت سہیل یعنی ابو حذیفہ کی زوجہ۔ (۳) ام سلمہ بنت امیہ یعنی ابو سلمہ کی زوجہ جو بعد میں حضور کے

نکاح میں آئیں۔ (۴) لیلیٰ ابی خیثمہ یعنی عامر ابن ربیعہ کی زوجہ۔ پندرہ مہاجرین کا یہ قافلہ براستہ سمندر حبشہ روانہ ہوا انہوں نے آدھے دینار میں کشتی کرایہ پر لی اور بخیریت حبشہ پہنچ گئے۔ اس ہجرت کا نام ہجرت اولیٰ ہے اور ان حضرات کو مہاجرین اولین کہا جاتا ہے۔ پھر جعفر ابن ابی طالب اور دوسرے مسلمان وہاں جاتے رہے۔ حتیٰ کہ وہاں صرف مرد بیاسی پہنچ گئے۔ عورتیں بچے ان کے علاوہ تھے ایک سال کے بعد یعنی نبوت کے چھٹے سال جب کفار مکہ کو پتہ لگا کہ یہ مسلمان تو حبشہ میں امان سے رہنے سہنے لگے تو انہوں نے عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن ربیعہ کو ایک جماعت کے ساتھ بہت سے تحفے تحائف لے کر بادشاہ حبشہ (جس کا نام اصحمہ یا صحمہ تھا لقب نجاشی۔ اس زمانہ میں شاہ حبشہ کو نجاشی کہا جاتا تھا جیسے شاہ روم کو قیصر اور شاہ فارس کو کسریٰ) کے پاس بھیجا۔ انہوں نے دربار نجاشی میں باریابی حاصل کرلی اور نجاشی کو تحفے پیش کرکے کہا کہ ہمارے مکہ میں ایک دیوانہ نے دعویٰ نبوت کیا ہے (نعوذ باللہ) کچھ لوگ اس کے ساتھ لگ کر بہت فساد پھیلا رہے ہیں۔ ان میں بعض فسادی تیرے ملک میں فساد پھیلانے کے لئے آگئے ہیں جو تیرے دین تیرے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے بھی دشمن ہیں بہتر ہے کہ تو انہیں ہمارے حوالے کردے تاکہ تیرا ملک فساد سے محفوظ رہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں ان لوگوں کے بیان لینے کے بعد فیصلہ کروں گا۔ چنانچہ یہ مہاجرین شاہی دربار میں بلائے گئے ان حضرات نے دربار میں پہنچ کر بادشاہ کو سجدہ نہ کیا بلکہ اسلامی سلام کیا قریشی وفد نے بادشاہ سے کہا کہ کیا آپ نے نہ دیکھا کہ یہ لوگ آپ کے آگے نہ جھکے ایسے متکبر ہیں۔ نجاشی نے ان حضرات سے پوچھا کہ تم نے ہم کو یہ سلام کونسا کیا انہوں نے جواب دیا کہ وہ سلام کیا جو اہل جنت آپس میں کیا کریں گے۔ اور جو فرشتے ایک دوسرے کو کرتے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا کہ تم ہمارے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہو۔ مہاجرین نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے اللہ کے رسول کلمۃ اللہ اور جناب مریم کنواری بتول کے فرزند ہیں۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ تمہارے نبی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں اس تنکے کے برابر بھی کمی زیادتی نہ کی۔ وفد قریش کے منہ تو یہ سن کر ہی زرد پڑ گئے پھر نجاشی نے ان مسلمانوں سے کہا کہ کیا تمہارے قرآن نے ہمارے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کچھ فرمایا ہے تو حضرت جعفر طیار نے کھڑے ہو کر سورہ مریم کی تلاوت کی بھلا اللہ کا کلام ہو اہل بیت رسول اللہ کی زبان ہو پھر تاثیر کا کیا پوچھنا خود نجاشی اور اس کے درباری راہبین قسیسین غرضیکہ تمام حاضرین زار و زار رونے لگے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔ نجاشی بادشاہ اسی وقت ایمان لے آئے۔ عمرو ابن عاص جو وفد قریش کے رئیس تھے وہ نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ ایک معمہ پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ وہ کون تابعی ہے جس کے ہاتھ پر صحابی مسلمان ہوئے وہ تابعی نجاشی ہیں جن کے ہاتھ پر عمرو ابن عاص صحابی ایمان لائے (تفسیر صاوی) پھر نجاشی نے مسلمانوں سے کہا کہ تم میرے ملک میں چین و آرام اور امن و امان سے رہو ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ اتفاقاً مہاجرین حبشہ میں ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہ یعنی رملہ بنت ابوسفیان ابن صخر ابن حرب جن کی والدہ حضرت عثمان غنی کی پھوپھی صفیہ بنت عاص ہیں۔ یہ بھی تھیں۔ نجاشی بادشاہ نے حبشہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا اور اپنے پاس سے چار سو دینار یا چار لاکھ درہم ادا کر دیئے (اکمال) حبشہ کے لوگوں نے بہت کچھ سامان عطر و تیل وغیرہ بطور جہیز جناب ام حبیبہ کی خدمت میں پیش کئے ام حبیبہ کے پہلے خاوند کا حبشہ میں ہی انتقال ہو چکا تھا (تفسیر صاوی) فتح خیبر کے سال یعنی ۶ ہجری میں یہ مہاجرین حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اتفاقاً" حضرت جعفر خاص فتح خیبر کے دن پہنچے۔ حضور انور نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کہ آج مجھے فتح خیبر کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کے آنے کی۔ حضرت جعفر کے ساتھ یا ان کے فوراً ہی حبشہ کے عیسائی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جن میں سے باسٹھ حبشی تھے اور آٹھ شامی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سورہ یٰسین پڑھ کر سنائی یہ لوگ سن کر بہت روئے اور بولے کہ یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وحی کے بالکل مطابق ہے ان لوگوں کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ یعنی مومنین دربار نجاشی اور مومنین وفد (تفسیر خازن 'خزائن' تفسیر صاوی وغیرہ) تفسیر صاوی و خازن نے بہت طویل واقعہ بیان کیا ہے ہم نے مختصراً" نقل کیا۔

تفسیر لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا یہ نیا جملہ ہے جس میں یہود کی خباثت کا ذکر ہے **لتجدن** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یہ فعل دو مفعول چاہتا ہے۔ افعال قلوب سے ہے۔ چونکہ یہود کی اسلام دشمنی بالکل ظاہر ہے۔ کسی دلیل کی محتاج نہیں اس لئے **تجدن** ارشاد ہوا اس کا پہلا مفعول **اشد الناس** ہے دوسرا **الیھود** الخ یا یوں کہو کہ پانا وہاں بولا جاتا ہے۔ جہاں معلوم چیز کی آزمائش ہو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو میں جیسا جانتا تھا میں نے اسے ویسا ہی پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے ہر حال سے خبردار ہیں آپ کو یہود کے عداوت و دشمنی کی خبر تھی مگر اس کا ظہور خاص موقعوں پر ہوتا ہے لہذا فرمایا گیا کہ تم انہیں بدترین دشمن پاؤ گے یعنی آزماؤ گے ان کی یہ آزمائش تاقیامت ہوتی رہے گی یہود مسلمانوں سے عداوتیں کرتے رہیں گے۔ حضور پر اس کا ظہور ہوتا رہے گا۔ **عداوۃ** تمیز ہے **اشد الناس** کی چونکہ مومن انسانوں کا دشمن کافر انسانوں کے سواء اور کوئی نہیں۔ فرشتے مومنوں کے دعاگو ہیں۔ (قرآن مجید) خشکی دریا کا ہر جانور مومنوں علماء کے لئے دعائیں کرتے ہیں اس لئے یہاں **اشد الناس** فرمایا **اشد الخلق** نہ کہا۔ خیال رہے کہ شیطان یا موذی جانوروں کو مومنین سے ہی نفرت نہیں بلکہ انہیں تو انسانوں سے عداوت ہے لہذا **اشد الناس** فرمانا بہت ہی موزوں ہے **الذین امنوا** فرما کر یہ بتایا کہ کوئی کسی درجہ کا مومن کسی وقت ایمان لائے کسی طرح مسلمان ہو جاوے۔ یہ اس کے دشمن ہیں انہیں سلام و ایمان کے نام سے چڑ ہے اس لئے بالمومنین نہ فرمایا تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ یہود عداوت تو کرتے ہیں مگر کامل مومنوں سے عوام مومنین سے نہیں۔ آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ ہندو اور یہودی ہر کلمہ گو کے دشمن ہیں خواہ وہ کسی فرقہ کا ہو۔ چکڑالوی سنی ہو یا وہابی جو اسلامی فرقہ ان کو اپنا دوست جانے وہ دھوکے میں ہے۔ **الیھود والذین اشرکوا** یہ عبارت **لتجدن** کا دوسرا مفعول ہے۔ یہود کو مشرکین سے پہلے بیان فرمانے میں اشارہ ہے کہ یہود بمقابلہ مشرکین کے بھی سخت دشمن ہیں گویا اول نمبر دشمن یہود ہیں۔ دوم نمبر مشرکین کیونکہ یہود کا

مذہب یہ ہے کہ اپنے مذہبی مخالفین کو ہر ممکن طریقہ سے نقصان پہنچانا بہت بڑا ثواب ہے یہود نفسانی خواہشات کی پیروی' حرص' ہوس' عداوت انبیاء میں ہمیشہ پیش پیش رہے دنیا میں دو قومیں بہت حریص ہیں یہودی اور مشرکین رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولتجدنهم احرص الناس على حيوة** اور فرماتا ہے **ومن الذين اشركوا يود احدهم لو يعمر الف سنة۔ والذين اشركوا** فرما کر یہ بتایا کہ ہر مشرک مسلمانوں کا دشمن ہے۔ خواہ ان کے عوام سے ہو یا خواص سے جیسے ہر سانپ انسان کا دشمن ہے خواہ کسی قسم کا ہو اس لئے مشرکین نہ فرمایا یعنی آپ مسلمانوں کا بدترین دشمن دو قوموں کو پائیں گے ایک یہود دوسرے مشرکین **ولتجدن اقربهم مودة للذين امنوا** یہ عبارت پہلی عبارت کے مقابلہ میں ہے جس میں عیسائیوں کا اسلام اور مسلمانوں سے قرب بیان فرمایا گیا۔ اس عبارت کی وہ ہی تحقیق ہے۔ جو ابھی پہلے جملے میں عرض کی گئی **اقربهم** میں **هم** کا مرجع وہ ہی الناس ہے جس سے مراد کفار تھے مودت اور محبت کے معانی ان میں فرق ان کے درجات بارہا بیان ہو گئے ہیں یعنی تمام کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں سے قریب تر محبت والا آپ پائیں گے۔ **الذين قالوا انا نصرى** یہ عبارت **لتجدن** کا دوسرا مفعول ہے اس عبارت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد تمام عیسائی نہیں بلکہ نجاشی اور ان کے ساتھی اور وہ عیسائی ہیں جو حضرت جعفر کے ساتھ مدینہ منورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے آئے اور قرآن مجید سن کر روئے بعد میں مسلمان ہو گئے یہ تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباس سعید ابن جبیر' امام سدی اور عطا کی ہے اس صورت میں قالو کے معنی یہ ہوں گے کہ جو مسلمان ہونے سے پہلے اپنے کو عیسائی کہتے تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی کی تائید کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد وہ ہی عیسائی ہیں۔ جو اب بھی عیسائی ہیں انہیں بمقابلہ یہود و مشرکین کے **اقرب** فرمایا گیا کیونکہ یہود مسلمانوں کو دشمنی میں ہر قسم کا مکر۔ حیلہ حتیٰ کہ مسلمانوں کا قتل۔ ان کے مال کی چوری غصب کو عبادت جانتے ہیں ان کے ہاں مسلمانوں کو ایذا دینا بڑی نیکی ہے۔ عیسائیوں کے ہاں انسان کی ایذا عبادت نہیں وہ ایذا کو حرام جانتے ہیں اس لحاظ سے وہ یہود مشرکین سے ہلکے دشمن ہیں (تفسیر کبیر) **قالوا انا نصارٰى** فرماتے ہیں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہود کو حکم جہاد دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ اور آپ کا رب جائیں' جہاد کریں ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں۔ ان کے عناد کا تو یہ حال ہے کہ اپنے نبی سے نہیں ٹلے۔ مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے ایک مصیبت کے موقع پر فرمایا **من انصاری الى الله** میرا مددگار اللہ کی راہ میں کون ہے تو **قال الحواريون نحن انصار الله** انہوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے رسول اللہ کے دین کے مددگار' یہ فرق تھا ان دونوں قوموں کے رویہ میں وہ ہی فرق اب تک چلا آ رہا ہے اور تاقیامت رہے گا اس لئے انہیں صرف نصاریٰ نہ فرمایا اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ **ذلك بان منهم قسيسين ورهبانا** اس عبارت میں یہود و نصاریٰ کے فرق کی وجہ اور نصاریٰ کے مسلمانوں سے قریب تر ہونے کی علت بیان ہوئی **ذلك** سے اشارہ پہلے **لتجدن** کی طرف ہے یا دوسرے **لتجدن** کی جانب عیسائیوں کے قریب تر ہونے کی تین وجہیں بیان ہوئیں ایک یہ

کہ ان میں قسیس ہیں دوسرے یہ کہ ان میں رہبان ہیں قسیس بنا ہے قس سے ۔ بمعنی رات میں کسی چیز کو ڈھونڈھنا عیسائیوں کے علماء و پادریوں کو قسیس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ رات میں عبادات کے عادی ہیں بہت کم سوتے ہیں اکثر حصہ عبادات میں گزارتے ہیں بعض نے فرمایا کہ رومی زبان میں قسیس کے معنی ہیں عالم دین رہبان یا تو راہب کی جمع ہے جیسے **راکب** کی جمع **رکبان** اور فارس کی جمع فرسان یا رہبان واحد ہے کہ اس کی جمع ہے۔ **رھابین** جیسے قربان کی جمع ہے قرابین بہر حال یہ لفظ بنا ہے رہب سے ۔ بمعنی ڈر و خوف رب فرماتا ہے۔ **ترھبون به عدوا اللّٰه وعدوکم** لہذا راہب کے معنی ہوئے خوف خدا دل میں رکھنے والے اس سے مراد ہیں۔ عیسائیوں کے تارک الدنیا درویش (تفسیر کبیر) روح المعانی نے فرمایا کہ راہب وہ عیسائی ہیں جو گرجوں کے گوشوں میں اپنی زندگی گزارتے ہیں اپنے کو خصی کر لیتے ہیں۔ بھوکے پیاسے رہتے ہیں راتوں کو اپنے گلوں میں رسی ڈال کر لٹکتے ہیں ترک دنیا میں زندگی گزارتے ہیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لا رھبانیة فی الاسلام** یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں **وانھم لا یستکبرون**۔ یہ عیسائیوں کے قریب ترین ہونے کی تیسری وجہ ہے کہ ان میں قبول حق سے تکبر نہیں اگر انہیں حق بات سمجھانے کی کوشش کی جاوے تو ان میں سے کچھ لوگ قبول کر لیتے ہیں بخلاف عام یہود کے کہ وہ کسی کی بات ماننے کو اپنی ذلت و توہین جانتے ہیں۔ حق کو حق جانتے ہوئے بھی مانتے نہیں۔ دیکھو شاہ فارس یعنی کسریٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت نامہ اسلام چاک کر دیا مگر شاہ روم یعنی ہرقل نے آنکھوں سے لگالیا۔ اس کا احترام کیا۔ کسریٰ مشرک تھا ہرقل عیسائی، نجران کے عیسائیوں نے حضور سے مباہلہ نہ کیا بلکہ جزیہ قبول کر لیا مگر یہود خیبر نے حضور کو زہر دیا۔ بہت سے عیسائی سلاطین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیے تحفے بھیجے۔ چنانچہ مقوقس یعنی شاہ مصر نے حضور کے فرمان عالی کے جواب میں حضور کی خدمت میں تحفے بھیجے بہت عقیدت کا اظہار کیا یہ بادشاہ عیسائی تھا۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے ہم کو دو زندگیاں دی ہیں زندگی جسمانی اور زندگی روحانی۔ جسمانی زندگی میں ضروری ہے کہ جان جسم میں رہے۔ زندگی ایمانی میں ضروری ہے کہ ایمان جان میں رہے پھر جیسے زندگی جسمانی کے لئے بعض چیزیں مفید ہیں۔ بعض مضر۔ بعض سے موت واقع ہو جاتی ہے غذا ہوا پانی ضروری ہے زہر قاتل ہے نیز بعض لوگ زندگی جسمانی کے دشمن ہیں بعض دوست ہیں یوں ہی زندگی روحانی کے لئے بعض چیزیں مفید ہیں بعض مضر بعض قاتل بعض لوگ دوست ہیں بعض دشمن ان مفید و مضر جسمانی کی پہچان طب یونانی سے ہوتی ہے تو ایمان کے دوست دشمن کی پہچان طب ایمانی سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم طب ایمانی کی اعلیٰ کتاب ہے اس آیت میں ایمانی دشمنوں کا ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا اگرچہ سارے کافر مسلمانوں کے مخالف ہیں مگر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمان قرآن پڑھنے والے ان تمام کفار میں سخت اور بد ترین دشمن مسلمانوں کا دو قوموں کو پاؤ گے اول نمبر یہود، دوسرے نمبر وہ جنہوں نے کسی قسم کا شرک کیا یعنی مشرکین کہ یہ دونوں قومیں مسلمان کی جان ان کے مال، عزت آبرو کے ہر طرح دشمن ہیں اور ان تمام کفار میں دوستی میں

قریب تر مسلمانوں سے ان لوگوں کو پاؤ گے جو پہلے اپنے کو نصاریٰ کہتے تھے اب مسلمان ہو گئے یا جنہوں نے اپنے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں یا جو اپنے کو عیسائی کہتے ہیں ان عیسائیوں کا مسلمانوں کی دوستی سے قریب تر ہونا تین وجہ سے ہے ایک یہ کہ ان میں اب تک بڑے بڑے علماء ہیں ان میں تارک الدنیا خدا پرست درویش و راہب ہیں اور ان کے عوام کے دلوں میں ان کا اثر ہے۔ اور اپنی بڑائی نہیں عموماً ان کے دلوں میں تواضع و انکساری ہے بخلاف یہود کے کہ یہ حاسد پکے دنیادار بڑے لالچی سخت متکبر ہیں ان کے دلوں میں کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** بعض لوگوں کو حضور سے قرآن ملا جیسے حضرت بلال اور عام صحابہ کرام اور بعض کو قرآن سے حضور ملے۔ جیسے حضرت عمرو ابن عاص جو سورہ مریم سن کر ایمان لائے کوئی آئینہ سے صورت دیکھتا ہے کوئی صورت کے ذریعہ آئینہ کو دیکھتا ہے اس کی صفائی وغیرہ قرآن کریم آئینہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ دار کسی نے حضور کے رخسار میں قرآن بلکہ یار کو دیکھا۔ کسی نے قرآن میں یار کے رخسار کا مشاہدہ کیا۔ **دوسرا فائدہ** سودا ایک ہے مگر اس کے ملنے کے ڈپو علیحدہ گندم آٹا چینی ایک ہے ایک ہی سرکار کی ہے مگر جس ڈپو کا راشن کارڈ ہو گا اس ڈپو سے ملے گا۔ ایمان کا سودا ایک ہے مگر کسی کو مکہ معظمہ میں دیدیا۔ کسی کو مدینہ منورہ میں کسی کو حبشہ کے ڈپو سے۔ حضرت عمرو ابن عاص کو ایمان کا سودا حبشہ کے ڈپو سے دیا۔ دینے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی ہیں۔ **تیسرا فائدہ** حسن ایک ہوتا ہے مگر اس کے چمکنے کی جگہ مختلف ہوتی ہیں۔ حسن یوسف ایک تھا مگر چمکا بازار مصر میں حسن محمدی ایک تھا مگر حضرت عمرو ابن عاص کو نظر آیا۔ بازار حبشہ میں حضور نے کسی کو اپنے ہاتھ سے دیا کسی کو اپنے غلاموں سے دلوایا۔ حضرت صدیق کو ایمان براہ راست دیا۔ حضرت عمرو ابن عاص کو ایمان حضرت نجاشی کے ذریعہ دلوایا کہ کسی فقیر کو داتا خود دیتا ہے کسی کو اپنے غلام کے ہاتھ سے دلواتا ہے۔ **چوتھا فائدہ** کافر عداوت، بمقابلہ کافر محبت کے سخت تر ہے یہود کے کفر کی بنیاد حضرات انبیاء کرام کی سخت عداوت پر ہے۔ عیسائیوں کے کفر کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں افراط پر ہے۔ رب تعالیٰ نے یہود کو مسلمانوں کا بدترین دشمن قرار دیا یہ قاعدہ بہت عام ہے۔ جس کا ظہور آج بھی ہو رہا ہے دیکھ لو شیعہ اور وہابیوں میں کتنا فرق ہے جو اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔ **پانچواں فائدہ** یہود اور مشرکین دونوں دشمن ہیں مگر یہود اول نمبر ہیں یہ فائدہ یہود کو مقدم فرمانے اور **الذین اشرکوا** کو مؤخر فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** یہود و مشرکین بلکہ تمام کفار مسلمانوں کے نفس اسلام و ایمان کے دشمن ہیں خواہ مسلمان کسی درجہ کا ہو اور کسی وقت کا ہو کسی قوم کسی ملک کا ہو یہ فائدہ **الذین امنوا** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہاں **المومنین** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد فرمائی۔ **ساتواں فائدہ** ہر مشرک خواہ وہ کسی طبقہ کسی ملک کسی ملت کا ہو گئے پرست ہو یا درخت پرست یا ستارہ پرست پرانا مشرک ہو یا نیا۔ مسلمانوں کو بدترین دشمن ہے یہ فائدہ **الذین اشرکوا** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے انہیں **والمشرکین** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد

کی۔ **آٹھواں فائدہ** مشرکین کو مسلمانوں کا دوست سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ جس کا نہایت تلخ تجربہ ہم اہل پاکستان کو بارہا ہو چکا ہے اپنی مخلوق کو جیسا وہ جانتا ہے دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ جب وہ فرمارہا ہے کہ یہ تمہارے دشمن ہیں تو بالکل حق فرما رہا ہے ہماری عقل ہماری رائے جھوٹی ہے رب تعالیٰ کی خبر سچی۔ **نواں فائدہ** عیسائی خواہ کسی طبقے کے ہوں مگر یہود و مشرکین سے اسلام دشمنی میں ہلکے ہیں یہ فائدہ **قالوا انا نصاریٰ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ** قوم میں علماء درویشوں کا رہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس سے تمام قوم سنبھلی رہتی ہے یہ فائدہ **منهم قسيسين** الخ سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ** غرور و تکبر اللہ کی لعنتیں ہیں جس سے انسان بہت سی خوبیوں سے محروم ہو جاتا ہے یہ فائدہ **لا يستكبرون** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے عیسائیوں کی تعریف میں ان کی تواضع کا ذکر فرمایا۔ **بارہواں فائدہ** تکبر کسی قسم کا ہو برا ہے خواہ قوم پر ہو یا علم پر یا دولت پر یا جتھے پر یا زہد و تقویٰ و عبادت پر کوئی تکبر ہو اللہ کی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ فائدہ **لا يستكبرون** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **شعر**۔

☆ عجز کار انبیاء و اولیاء است ☆ عاجزی محبوب درگہ خدا است ☆

تیرہواں فائدہ عیسائیوں میں عبادت ترک دنیا کا شوق و ذوق ہے اب بھی ان میں بہت سے راہب اور ننیں دیکھے جاتے ہیں ہم نے فلسطین میں بہت بڑے بڑے گرجے اور گرجوں میں بڑے بڑے راہب دیکھے بخلاف یہود کے کہ یہ لوگ دنیا میں اس قدر مشغول ہیں کہ انہیں عبادات و ریاضات کا خیال بہت کم آتا ہے یہ فائدہ **منهم قسيسين** الخ سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم کی ساری خبریں برحق ہیں۔ **چودہواں فائدہ** نبی کی عداوت بے ادبی انسان کو تاقیامت برباد کر دیتی ہے اور نبی کی محبت و ادب تاقیامت سربلند کر دیتی ہے یہود کی ابتداء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گستاخی سے ہوئی تو انہیں تاقیامت حضرات انبیاء و مومنین کا سخت تر دشمن قرار دیا گیا۔ عیسائیوں کی ابتداء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت گزاری و وفاداری سے ہوئی تو انہیں تاقیامت نبیوں اور مومنوں کا قریب قرار دیا گیا گرگٹ دشمن خلیل اللہ ہے کہ نمرودی آگ میں پھونکیں مارتا تھا تاقیامت اس کا مارنا ثواب ہے۔ ہدہد جناب خلیل اللہ کا خدمت گار ہے کہ وہ نمرودی آگ پر پانی ڈالتا تھا تو اسے جناب سلیمان علیہ السلام کا خاص خادم بنایا پانی کا بادشاہ قرار دیا بلکہ اس کے ذریعہ سارے ملک سبا بلقیس وغیرہ کو ایمان ملا اس نے ملکہ بلقیس کی گفتگو سمجھ کر سن کر حضرت سلیمان کو پہنچائی یہ نتیجہ ہے محبت نبی خدمت گزاری نبی کا۔

پہلا اعتراض قرآن کریم میں اس جگہ **للذين امنوا** اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی صرف **للمؤمنين** فرمانا کافی تھا یعنی یہود مشرکین مومنوں کے بدترین دشمن ہیں۔ **جواب** اس کا جواب اشارۃً تفسیر میں گزر چکا کہ وہ لوگ مسلمانوں کے دشمن ان کے ایمان کی وجہ سے ہیں اگر کوئی مسلمان یہود و مشرکین کا رشتہ دار پڑوسی یا دوست یا محسن بھی ہو وقت پر یہ رعایت نہ کریں گے کوئی مومن یہ خیال نہ کرے کہ میں تو مشرکین کا پرانا دوست ہوں میرے ان کے پرانے

تعلقات گہرے مراسم ہیں وہ میرے خیر خواہ ہیں تمہارا ایمان ان کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں یہود کے لفظ **الیہود** ارشاد ہوا اور مشرکین کے لئے **الذین اشرکوا** فرمایا گیا اس فرق بیان میں کیا حکمت ہے یا تو یہود کو **الذین ھادو** فرمایا جاتا یا مشرکین کو بھی **والمشرکین** سے تعبیر کر دیا جاتا تاکہ عبارت میں یکسانیت ہوتی۔ **جواب** اس کے جواب بھی تفسیر میں اشارۃً عرض کئے گئے ایک یہ کہ یہود میں بہت فرقے نہیں مشرکین کے بہت فرقے ہیں۔ ستارہ پرست بت پرست گائے پرست پھر ان میں سے ایک ایک کے بہت فرقے ہیں۔ دو خدا ماننے والے تین چار حتی کہ سال کے دنوں کے برابر تین سو ساٹھ خدا ماننے والے وغیرہ وغیرہ حتی کہ پانچوں 'آگ' خاک' ہوا کو خدا مانتے ہیں بعض نہیں ان کے فرقے بے شمار ہیں **اشرکوا** فرما کر یہ بتایا کہ ان کے سارے فرقے اسلام دشمنی میں یکساں ہیں دوسرے اس میں یہ اشارہ کیا گیا کہ پرانا مشرک اور نیا مشرک حتی کہ ایک دن کا مشرک اسلام دشمنی میں برابر ہیں وجہ عداوت مطلقاً شرک ہے خواہ کسی طرح کا ہو یا کسی وقت کا۔ **تیسرا اعتراض** یہاں عیسائیوں کے متعلق **قالوا انا نصریٰ** اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی صرف **النصاری** فرما دینا کافی تھا۔ **جواب** اس اعتراض کے بھی کئی جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ عیسائیوں میں بہت فرقے ہیں جن میں آپس میں بہت اختلاف ہیں مگر وہ تمام فرقے مسلمانوں سے قرب محبت میں برابر ہیں یعنی جنہوں نے بھی اپنے منہ سے اپنے کو نصاریٰ کہہ دیا خواہ وہ کسی فرقے کے ہوں مگر بمقابلہ یہود مسلمانوں سے قریب المحبت ہیں یا جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم ہیں مددگار اللہ کے دین کے وہ اس اطاعت کی وجہ سے اب بھی مسلمانوں سے قریب المحبت ہیں غرضیکہ یہ دراز عبارت یا اظہار عموم و اطلاق کے لئے ہے یا اس قرب و محبت کی وجہ بیان فرمانے کے لئے ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جنہوں نے اب تک اپنے کو عیسائی کہا تھا اور اب وہ مسلمان ہو گئے وہ مسلمانوں سے قریب المحبت ہیں۔ **چوتھا اعتراض** بعض یہود بھی مسلمانوں سے بہت ہی قریب رہے ہیں اور ان کی محبت مسلمانوں اور اسلام سے سچی و پختہ رہی جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام ان کے ساتھی یا بعد میں حضرت کعب احبار وغیرہم پھر قرآن کریم نے یہود کو سخت دشمن کیوں قرار دیا۔ **جواب** یہود میں ایسے لوگ بہت تھوڑے گنے چنے ہوئے مگر عیسائیوں میں بہت گویا یہودی شخصی طور پر اچھے ہوئے عیسائی قومی طور پر لہٰذا عیسائیوں کو قریب المحبت فرمانا بہت موزوں ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں عیسائیوں کو مسلمانوں سے قریب المحبت فرمایا گیا۔ حالانکہ تجربہ بتا رہا ہے کہ عیسائی مسلمانوں اور اسلام کے بڑے سخت دشمن ہیں۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں اکثر لڑائیاں عیسائیوں سے ہوئیں یہود سے کوئی لڑائی نہ ہوئی عیسائیوں نے مسلمانوں کو ملک کے ملک جلا کر دیئے دیکھو اسپین اور قرطبہ کے حالات آج بھی عیسائی مشنریاں اسلام کو تباہ کرنے کی فکر میں لگی ہوئی ہیں ان کے کالج ہسپتال وغیرہ سب مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے ہیں۔ پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت کریمہ میں عیسائیوں سے مراد نجاشی بادشاہ اور اس کے ساتھی اور وہ ستر عیسائی ہیں

جو حبشہ سے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے انہیں کے متعلق آگے ارشاد ہو رہا ہے **واذ اسمعوا ما انزل الی الرسول** الخ کہ یہ لوگ قرآن مجید سن کر روتے ہیں اور کہتے ہیں **امنا** ہم ایمان لے آئے عبداللہ ابن عباس وغیرہم مفسرین کا یہ ہی قول ہے رضی اللہ عنہم اجمعین **لہٰذا** آیت بالکل واضح ہے دوسرے یہ کہ یہاں بمقابلہ یہود گفتگو ہے عیسائی بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں مگر یہود مشرکین کے مقابلہ میں بہت کم (تفسیر کبیر) یہ بالکل درست ہے ہندوستان میں قریباً ڈیڑھ سو سال عیسائیوں کی حکومت رہی اس عرصہ میں مسلمانوں پر زندگی دوبھر نہیں ہوئی دس کروڑ مسلمان رہے اور انہیں قدرے مذہبی آزادی رہی اب اٹھارہ سال سے وہاں ہندوؤں کی حکومت ہو گئی وہاں مسلمان چار کروڑ رہ گئے۔ لاکھوں قتل کر دیئے گئے اور جو وہاں ہیں وہ زندہ درگور ہیں ایسی مصیبت میں ہیں جیسے اسرائیلی فرعون کے ہاتھوں آفت میں تھے چند سال سے فلسطین میں یہودی راج قائم کر دیا گیا ہے دیکھ لو وہاں مسلمانوں کا حال کیا ہے اس کے علاقہ میں مسلمانوں کا رہنا تو کیا وہاں جانا بھی ناممکن ہے بلکہ اس کی وجہ سے سارے فلسطین و شام کے مسلمانوں کو مصیبت پڑ گئی ہے میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ فلسطین کے اسلامی علاقہ میں مسلمان و عیسائی ساتھ ساتھ رہتے بستے ہیں مگر یہودی علاقہ میں اگر مسلمان جھانک بھی لے تو اسے گولی مار دی جاتی ہے۔ یہ واقعات اس آیت کریمہ کی جیتی جاگتی تفسیریں ہیں، بہرحال اگرچہ سارے سانپ زہریلے ہیں مگر پھن والا سانپ زیادہ خطرناک یہاں تفسیر کبیر نے عجیب بات فرمائی وہ یہ کہ عیسائیوں نے انجیل میں ردوبدل کر دیا اپنے دین میں تبدیلیاں کر ڈالیں مگر ان کا ایک پادری جس کا نام قیس تھا وہ اپنے صحیح مذہب پر قائم رہا صحیح انجیل پر عامل اس کے ہم مذہب علماء کو قسیسین کہتے ہیں یہاں ان ہی عیسائیوں کا ذکر ہے تفسیر خازن نے فرمایا کہ مسلمانوں کو ستانا یہود کے ہاں داخل فی للدین ہے عیسائیوں کے ہاں نہیں یہود کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا مال چوری جھوٹ فریب سے لے لینا بھی ثواب ہے عیسائیوں کا یہ عقیدہ نہیں۔ خلفاء راشدین کی لڑائیاں واقعی یہود سے نہ ہوئیں عیسائیوں سے ہوئیں مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود کی سلطنت کہیں تھی ہی نہیں۔ عیسائیوں کی سلطنتیں بہت تھیں۔ **لہٰذا** جنگیں بھی انہیں سے ہوئی تھیں۔ مگر آئندہ آیت **واذا سمعوا** الخ سے پہلے جواب کو قوت ہوتی ہے کہ یہ آیت ان خاص عیسائیوں کے متعلق ہے جو بعد میں مسلمان ہو گئے کیونکہ ان آیات میں ان کے ایمان لانے کا صراحۃً ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ یہود اپنی حرکات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی میں گرفتار ہو گئے۔ جسے سخطۃ الکبریٰ کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہی بچھڑے کی پرستش کری بلکہ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں گھر کر گئی **واشربوا فی قلوبھم العجل** یہ لوگ انسانیت سے نکل کر حیوانیت میں آ گئے پھر حیوانیت سے گر کر جمادیت میں پہنچے کہ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا **اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ** جیسے ان مشرکین کے معبود ہیں ویسے ہمارے لئے بھی کوئی معبود گڑھ دیجئے پھر حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان کر اور بھی گہرے گڑھے میں گر گئے

پھر داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہفتہ کے دن شکار کر کے اور اس کی سزا میں بندر بن کر پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں غیبی دستر خوان مانگ کر پھر ایمان نہ لا کر اور اس کی سزا میں سور بن کر اور بھی لعنت الٰہی کے مستحق ہوتے چلے گئے حتی کہ انہیں اہل حق سے بہت دوری ہو گئی اور اسلام مسلمین بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کا تعلق نہ رہا بلکہ ان کے دلوں میں اللہ والوں سے عداوت کی آگ بھڑک گئی۔ عیسائی بھی اگرچہ کافر ہیں مگر ان سے یہ حرکات سرزد نہ ہوئیں ان میں عبادات کا ذوق رہا ان میں علماء و درویش پیدا ہوتے رہے۔ اس لئے ان کو اللہ والوں سے قرب رہا۔ اس قرب کی وجہ سے بہت عیسائی مسلمان ہوئے اور ان کے ذریعہ اسلام کو بہت ترقیاں ہوئیں جیسے نجاشی اور ان کے ساتھی اللہ والوں سے نفرت خدا کا عذاب اللہ والوں سے قرب خدا کی رحمت۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق میں ہدایت کا زیادہ محتاج انسان ہے بط اور مچھلی کا بچہ بغیر ہدایت ہی تیرنا کھانا جانتا ہے مگر انسان بغیر ہدایت کچھ نہیں کر سکتا اگر اعلیٰ درجہ کے تیراک کے بچے کو تالاب میں ڈالو ڈوب جاوے گا لہذا معرفت الٰہی میں ہادی کا زیادہ محتاج انسان ہی ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق چاند تاروں سبزیوں وغیرہ کو معرفت الٰہی کا ذریعہ بنایا مگر یہ سب چیزیں گونگی ہیں اس لئے انسان ان چیزوں سے رب کو پہچاننے کی بجائے انہیں رب مان بیٹھا حتی کہ مشرکین ہند کے ہاں بندوں سے زیادہ تعداد معبودوں کی ہے غرضیکہ عالم کی چیزیں کعبہ معظمہ۔ قرآن مجید ذریعہ ہدایت و دلیل توحید ہیں ان میں سے ہادی کوئی نہیں۔ ہادی صرف انبیاء کرام ہیں۔ کعبہ حضور کی تشریف آوری سے پہلے بت خانہ بنا ہوا تھا۔ مشرکین مکہ کو ہدایت نہ دے سکا خود اپنے خدا خانہ بننے میں حضور کا منتظر رہا۔ قرآن حضور کی تشریح و تفصیل کے بغیر قطعاً ہادی نہیں وہ تو یہ بھی نہیں بتاتا کہ نماز کیسے پڑھو زکوٰۃ کتنی دو۔ اس لئے انسان کی ہدایت کے لئے حضرات انبیاء بھیجے گئے مگر ان کی تبلیغیں محدود قوموں محدود وقتوں میں تھیں آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم لامحدود قوموں اور لامحدود وقت کے لئے مبلغ اعظم بنا کر بھیجے گئے اس لئے حضرات انبیاء کرام کی تعلیم دنیا سے گم ہو گئی۔ حضور کی تعلیم بلکہ ہر ادا تا قیامت باقی رکھی گئی انسان دو قسم کے ہیں سعید اور شقی سعید کی علامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف میلان ہے اور شقی کی علامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری ہے۔ تمام شقیوں میں بدترین یہود ہیں اس لئے انہیں مسلمانوں سے سخت عداوت ہے اور ہلکے شقی عیسائی ہیں اس لئے انہیں مسلمانوں سے قرب و محبت ہے۔ اس میں فرق مراتب کا یہاں ذکر ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں سے کسی کو دور نہ کرے، جلوہ محبوب ایک ہے مگر دیکھنے والی آنکھیں مختلف ہمارے جد امجد اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔

☆ کوئی جان بس کے مہک رہی کسی دل میں اس سے کھٹک رہی ☆

☆ نہیں اس کے جلوہ میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے ☆

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ وزینۃ فرشہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین۔

الحمد للہ کہ تفسیر نعیمی کا چھٹا پارہ یکم جولائی ۱۹۶۵ء عیسوی کو شروع ہو کر آج ۲۱ مئی ۱۹۶۶ء مطابق ۲۹ محرم الحرام ۱۳۸۶ ہجری بروز شنبہ ختم ہوا۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے صدقہ جاریہ بنائے۔ باقیہ جلدیں پوری کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات (پاکستان)